ماریا بوتل میں بند ہو گئی!

اے حمید

۵۱

نیا مکتبہ اقرا

ناگ، ماریا اور عنبر کی واپسی
کے پانچ ہزار سالہ سفر کی سنسنی خیز داستان

ماریا بوتل میں بند ہو گئی

اے۔ حمید

قیمت : ۷/۵۰ روپے

بار اوّل —— ۱۹۸۳ء
ناشر: نیا مکتبہ اقرا ۔ ۱۴ بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور
طابع: الفرید پرنٹرز، لاہور

ناگ اور شری کانت

ناگ نے تلوار ہوا میں لہرائی اور چمگادڑ کے دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑے لیکن فوراً ہی دونوں ٹکڑے پھر جُڑ گئے اور چمگادڑ ہوا میں اُڑنے لگا۔ اور ناگ سے کہا دوست! میں کئی سالوں سے زندہ ہوں کئی بار پرندوں نے مجھے مار ڈالا کئی بار میں زندہ ہوا۔

پھر بار بار چمگادڑ ناگ پر حملہ کرتا اور بار بار ناگ اپنی تلوار سے اس کے ٹکڑے کر دیتا ٹکڑے زمین پر گرتے اور پھر جڑ جاتے۔ سارا دن بھر رات اور پھر دوسرے دن کا سورج طلوع ہو گیا۔

ناگ کے بازو شل ہو گئے لیکن چمگادڑ کٹتا رہا جُڑتا رہا حملہ کرتا رہا آخر جب ناگ تنگ آ گیا اور فرار کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو وہ مکھی بن کر غائب ہو گیا اور ایک درخت پر جا بیٹھا تاکہ اپنے تھکے ہوئے بازوؤں کو آرام دے سکے۔

اب چمگادڑ پریشان ہو گیا اس نے کئی چکر اُڑ کر ناگ کو تلاش کرنے کے لیے لگائے اور اسے نہ پا کر ایک درخت کی ڈال پر

بیٹھ گیا۔

اتفاق سے اسی درخت پر ناگ بھی مکھی بن کر بیٹھا ہوا تھا ناگ
نے جو چمگادڑ کو اپنے قریب ہی دیکھا تو اسے ایک ترکیب سوجھ
گئی۔ سورج کی روشنی دھوپ کی صورت میں چاروں طرف پھیل
چکی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ یہ پرندہ روشنی میں تقریباً اندھا ہو
جاتا ہے۔

اس نے فوراً اپنے آپ کو اژدھے کے روپ میں ڈھال
لیا اور آہستہ آہستہ اس شاخ پر جا پہنچا جہاں چمگادڑ لٹک رہا تھا
قریب جا کر اژدھے نے اپنا منہ کھولا اور چمگادڑ کو اپنے منہ
میں پکڑ کر اس کا مغز چبا ڈالا۔ فضا میں ایک چیخ بلند ہوئی اور
پھر ختم ہو گئی۔

آواز آئی شری کانت اب وقت ختم ہو گیا ہے اپنی آتما میرے
حوالے کر دے آج میں غلطی سے نہیں ٹھیک وقت پر آیا ہوں۔
تیری زندگی کا آخری لمحہ بھی ختم ہو گیا اب تجھے اس دھرتی سے ناطہ توڑ
کر واپس جانا ہے۔

ناگ نے حیرت سے دیکھا اسے کوئی نظر نہیں آ رہا تھا اور یہ
آواز درخت کے نیچے سے آ رہی تھی پھر شری کانت کی آواز
سنائی دی۔

یم دھورجی تم تو کہتے تھے کہ مجھے کوئی نہیں مار سکتا میرے جسم

کے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دیئے جائیں تو پھر جڑ جائیں گے لیکن اس
سانپ نے تو میرا مغز چبا ڈالا ہے پھر وہی گرج دار آواز میں
جواب آیا۔

شری کانت یہ تو تیری زندگی تک محدود تھا لیکن اب تیری
زندگی ہی ختم ہو گئی ہے اور واپسی کا بلاوا آگیا ہے میں تجھے لینے
آیا ہوں۔ پھر خاموشی چھا گئی ناگ سمجھ گیا کہ شری کانت جوگی کی روح
ہمیشہ کے لئے آسمان پر چلی گئی ہے۔

اس نے پلٹی کھائی اور دوبارہ انسان بن گیا نیچے آ کر اس نے
بچھے ہوئے بستر کو کھول کر دیکھا جس میں لاتعداد سونے کی
اینٹیں تھیں۔

ناگ نے چاروں طرف نظر دوڑائی تو دور اسے گھوڑا چرتا ہوا
نظر آیا اس نے سمجھ لیا کہ یہی گھوڑا اس گاڑی میں جتا ہوا تھا۔
اس نے بھاگ کر گھوڑے کو قابو کیا اسے گاڑی میں جوتا۔ اسے
کلاوتی کا خیال آیا غریب کا بھوک سے نہ جانے کیا حال ہوگا وہ تو انتظار
میں آدھی بھی نہ رہی ہوگی۔

دوسری طرف کلاوتی ساری رات ناگ کا انتظار کرتی رہی
بھوک سے اس کا برا حال تھا لیکن ناگ سے جدائی اور غم
نے اس کی توجہ اپنی طرف موڑ لی تھی۔

دن گزر گیا رات آ گئی۔ کلاوتی ساری رات تنہا جنگل

کے اندھیرے میں بیٹھی ناگ کو یاد کر کے روتی رہی۔ پتہ
بھی کھڑکتا تو غریب ڈر کر سہم جاتی یہ جنگل آبادی سے
کافی دور تھا۔ اس لئے دور تک کسی روشنی کا پتہ نہ
تھا۔ چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ ہوا میں تیزی آ
جانے کے باعث سارا جنگل شاں شاں کر رہا تھا۔ پھر
اس تیز ہوا نے باقاعدہ آندھی کی صورت اختیار کر لی تھی
ایک دوسرے میں اُلجھی ہوئی درختوں کی شاخیں آندھی سے
ایک دوسرے سے اس طرح بج رہی تھیں جیسے کوئی زبردست
ہاتھ ان پر کلہاڑا چلا رہا ہو۔ ان درختوں کے علاوہ کوئی پناہ کی
جگہ بھی نہ تھی۔ دور دور کمزور درختوں کی ٹہنیاں آندھی سے
ٹوٹ ٹوٹ کر زمین پر گر رہی تھیں۔

کلاوتی خوف اور پریشانی کے عالم میں ایک درخت کے
تنے سے لگی بیٹھی رو رہی تھی۔ پھر آخر رات کتنی ہی لمبی
کیوں نہ ہو اس کی صبح ہو ہی جاتی ہے۔

ایک رات میں غریب پر کئی قیامتیں گزر گئیں لیکن صبح ہو گئی
اور اس کے ساتھ ہی طوفان بھی تھم گیا۔

دن کے اجالے میں کلاوتی تھوڑی ہی دور بہتی ندی پر جا
پہنچی اور گردو غبار سے اٹا ہوا منہ دھویا۔ بھوک سے اس
کی جان نکل رہی تھی اور جب اس کے ہوش ٹھکانے آ

گئے تو اس نے دیکھا کہ ندی کے پانی میں کئی قسم کے
پھل تیرتے ہوئے اس کے پاس سے گزر رہے ہیں جنہیں
رات کی آندھی نے شاخوں سے توڑ کر زمین پر گرا دیا تھا
اور اس آندھی نے انہیں اپنے زور سے اس ندی میں
لا پھینکا تھا۔

کلاوتی نے ہاتھ بڑھا کر کچھ پھل اکٹھے کئے اور پھر اس
خیال سے کہ کہیں ناگ واپس نہ آ جائے اور اسے تلاش
نہ کر رہا ہو وہ پھلوں سے جھولی بھر کر واپس اسی جگہ آ گئی
اس نے دیکھا کہ واقعی ناگ گاڑی سے اتر کر اُسے
تلاش کر رہا تھا۔ ناگ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں
آنسو آ گئے اور پھر وہ دوڑ کر روتی ہوئی ناگ سے لپٹ
گئی اور کہا

ناتھ!

رات جس طرح مَیں نے گزاری ہے میرا دل ہی جانتا ہے
مجھے دھیرے دھیرے مارنے کی بجائے ایک ہی دفعہ میرا
گلا گھونٹ دو۔

ناگ کو اس بات کا پہلے ہی احساس تھا لیکن وہ اس
پگلی کو کس طرح سمجھاتا کہ وہ تو خود موت کی سرحد سے
واپس لوٹ کر آیا ہے۔

ناگ نے کہا

کلاوتی! مجھے غلط نہ سمجھ مجھے افسوس ہے کہ تمہیں رات بھر
ہو کے تنہا اس جنگل میں رہنا پڑا لیکن اس میں میرا
بھی کوئی دوش نہیں میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا
چلو پہلے کھانا کھا لو۔ میں تمہارے لئے کھانا لایا
ہوں۔ پھر یہاں سے تھوڑی ہی دور جنگل ختم ہو
جاتا ہے اور پہاڑی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے ان
پہاڑیوں میں غاریں بھی ہیں جہاں ہم فی الحال قیام کر سکتے
ہیں۔ کیوں کہ راجا کی فوج کے سپاہی ہماری تلاش
میں ہیں جو قیامت برپا کر کے وہاں میں آیا تھا اس سے رعایا
کا جانی نقصان ہوا ہے۔ اور راجا کا مالی۔ انہیں علم ہو
گیا ہے کہ میں ایک دفعہ پھر ہندو کنیا کو لے گیا ہوں۔
اور مہا پنڈت کو بھی میں نے ہی جان سے مار دیا
ہے۔ لہٰذا راجا کے سپاہی کتوں کی طرح سے ہماری بو
سونگھتے پھر رہے ہیں۔

میں جب کھانا وغیرہ لینے قریب کی بستی میں گیا تو
مجھے سارے حالات کا علم ہو گیا۔ سپاہی گھر گھر کی تلاشی
لے رہے ہیں۔ میں بڑی مشکل سے بچتا بچاتا واپس
آیا ہوں۔ اس لئے جب تک یہ بات پرانی نہ ہو

جانے ہمیں چھپ کر ہی رہنا ہو گا۔ بہت ممکن ہے وہ
ہمیں تلاش کرتے ہوئے اس جنگل میں بھی آ جائیں۔

کلاوتی نے کہا

میں کتنی بدنصیب ہوں اپنے ساتھ آپ کو بھی مصیبت
میں ڈال رکھا ہے۔ میں کھانا گاڑی میں ہی کھا لوں گی
آپ اسی وقت یہاں سے چلے چلئے۔

کلاوتی گاڑی میں بیٹھ گئی اور ناگ نے گاڑی ایک سمت
ہانک دی۔

پھر کلاوتی کھانا کھاتی رہی اور ناگ اسے تمام حالات بتاتا
رہا۔ چند گھنٹوں کے سفر کے بعد جنگل ختم ہو گیا اور پہاڑی
سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان پہاڑوں کے درمیان سے ہی ندی
سانپ کی طرح بل کھاتی بہتی تھی۔

ناگ نے ایک بڑی سی پہاڑی میں ایک کشادہ غار دیکھا
اور گاڑی لے کر اس کے اندر داخل ہو گیا یہ غار کافی
بڑا تھا اور دور تک چلا گیا تھا اور آگے جا کر کئی حصوں میں
تقسیم ہو گیا تھا اس طرح کہ کئی چھوٹے چھوٹے کمرہ نما غار
بن گئے تھے۔

ناگ نے وہاں جا کر گاڑی روک دی اور ایک کشادہ کمرہ نما
غار کو صاف کر کے وہاں گاڑی سے بستر اٹھا لایا۔ کلاوتی ابھی

ڈی میں ہی تھی اور ناگ نے اسے کہہ دیا تھا جب تک وہ جگہ ٹھیک نہ کرے وہ وہیں بیٹھی رہی۔ ناگ نے بستر کھول کر سونے کی اینٹیں ایک جگہ پتھروں میں چھپا دیں۔ اور بستر کھول کر صاف کی ہوئی جگہ بچھا دیا پھر کلاوتی سے کہا اب تم جا کر بستر پر آرام کرو رات بھر کی جاگی ہوئی ہو میں ذرا گھوڑا کھول دوں اور اس کے لئے چارے پانی کا بندوبست کر دوں۔

کلاوتی جا کر بستر پر بیٹھ گئی اور ناگ نے گھوڑے کو بندشوں سے آزاد کر دیا۔

غار کے باہر ندی بہتی تھی جس کے کنارے کافی بڑی بڑی ہری گھاس اُگی ہوئی تھی۔

ناگ نے گھوڑے کو باہر لے جا کر گھاس چرنے کو چھوڑ دیا۔ اور خود ندی کے کنارے ہاتھ منہ دھونے میں مصروف ہو گیا۔

بھنور میں کشتی

قاتلوں کی کشتی سمندر میں چلی جا رہی تھی وہ اپنی کامیاب مہم پر بہت خوش تھے لیکن سویٹی بے چاری ناکردہ گناہوں کی سزا تہ خانے میں پڑی بھگت رہی تھی۔ تہ خانے میں تاریکی تھی جس کی وجہ سے سویٹی ڈر رہی تھی۔ وہ بے چاری تو کبھی گھر میں بھی چراغ بجھا کر نہ سوتی تھی اور پھر جب تک وہ اپنے ڈیڈی کے سینے پر سر نہ رکھتی اسے نیند ہی نہ آتی تھی۔

بچپن میں ماتا کی گود کی محرومی نے اس کے پیار کی پیاس کو اور زیادہ بھڑکا دیا تھا جسے کسی حد تک باپ کی شفقت نے کم کر دیا تھا لیکن آج وہ معصوم کئی میل دور اپنے باپ سے جدا کشتی کے تاریک تہ خانے میں پڑی سسکیاں لے رہی تھیں۔ وہ کھل کے رو بھی نہیں سکتی تھی کیوں کہ قاتلوں کے خوف و ہراس نے اس کی آواز کو

گلے میں ہی گھونٹ کر رکھ دیا تھا۔

اچانک آسمان پر سیاہ بادلوں کے آوارہ ٹکڑے اکٹھے ہونے شروع ہو گئے۔ ہواؤں میں بھی تیزی آ گئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے آسمان کالی گھٹاؤں کی آغوش میں آ گیا تیز ہوا نے آندھی اور طوفان کی صورت اختیار کر لی اور بجلی نے اپنے تازیانے بادلوں پر برسانے شروع کر دیئے۔ تاملوں نے گھبرا کر آسمان کی طرف دیکھا اور کہا

جون! جون ان کے ساتھی کا نام تھا

طوفان آنے والا ہے کشتی کو تیزی سے گہرے پانی سے نکال کر کم پانی میں لے چلو اور جو بھی قریبی جزیرہ نظر آئے اسی جزیرے کے قریبی ساحل پر اُتر جاؤ۔

جون نے کہا

ڈینی! تمہارا خیال بالکل درست ہے ہماری چھوٹی سی کشتی سمندری طوفان کا بالکل مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ان طوفانوں میں تو بڑے بڑے جہاز غرق ہو جاتے ہیں میں کوشش کرتا ہوں خدا کرے قریب ہی کوئی جزیرہ نظر آ جائے۔ ورنہ ہماری ساری کامیابی اس اس طوفان کی نذر ہو کر رہ جائے گی۔

دوسری طرف ماہی گیر عنبر سے کہہ رہا تھا زندگی کے تیس سال سمندر میں ہی گزارے ہیں میرے باپ دادا بھی یہی کام کیا کرتے تھے ہم تو سمندری ہوا کو سونگھ کر طوفان کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔

عنبر نے کہا یہ تو بہت بُرا ہوا دوست یہ طوفان ہماری منزل کو گم کر دے گا اور جس کشتی کے پیچھے ہم جا رہے ہیں خدا جانے طوفان اسے کہاں بہا کر لے جائے مجھے تو اس ننھی سی جان کا فکر ہے۔

ماہی گیر ساتھی

ماسٹر!

عنبر نے کہا ماسٹر نہیں تم مجھے عنبر کے نام سے پکار سکتے ہو۔

ماہی گیر نے کہا

اور مجھے روکی کہتے ہیں میں یہ کہنا چاہتا تھا جن کا کوئی سہارا نہ ہو خدا ان کا سہارا ہوتا ہے جس نے پیدا کیا ہے وہ جانتا ہے کہ اسے زندہ کیسے رکھنا ہے تم فکر نہ کرو بے بی کی حفاظت وہ خود کرے گا۔ اگر ہمیں قریب ہی کوئی جزیرہ نہ ملا تو یہ چھوٹا سا کھلونا ہمیں سمندر کی خونی لہروں کی بھینٹ چڑھا دے گا۔

عنبر نے کہا۔
پھر تم کیا چاہتے ہو؟
روکی نے کہا۔
مسٹر عنبر! فادر سے دعا کر دیا تو طوفان رُک جائے یا
ہمیں کوئی جزیرہ نظر آ جائے جہاں ہم پناہ لے سکیں۔ طوفان
کی وجہ سے سمندر کی لہروں پر کشتی بری طرح ہچکولے
کھانے لگی تھی اور روکی کے ساتھ ساتھ عنبر نے بھی پتوار
سنبھال لی تھی۔
عنبر نے کہا۔
روکی! تم نے ساری عمر سمندر میں گزار دی ہیں تو
دوست پتہ ہو گا کہ جزیرے کہاں کہاں موجود ہیں۔
روکی نے جواب میں کہا۔
معلوم تو ہے مگر کئی جزیرے طوفان میں سمندری پانی میں
غرق ہو جاتے ہیں اور سمندری پانی کی اونچی اونچی لہریں
جزیرے کو اپنے اندر چھپا لیتی ہیں۔ پھر جب طوفان ختم
ہو جاتا ہے اور لہروں کا زور بھی ٹوٹ جاتا ہے تو وہ
واپس لوٹ جاتی ہیں اور جزیرہ پھر نمودار ہو جاتا ہے۔
ویسے میرے اندازے کے مطابق یہاں سے تھوڑی دور
ایک جزیرہ ہے ضرور۔ اسی لئے میں نے کشتی کا رخ ادھر

ہی کر لیا ہے۔
طوفان اب اپنے شباب پر آ گیا تھا۔ اور سمندری لہریں
کئی کئی فٹ اچھلتی ہوئی چاروں طرف سے چلی آ رہی تھیں
قاتلوں کی کشتی تنکے کی طرح طوفان میں ہچکولے کھا رہی تھی
قاتلوں کو اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی ڈینی نے اپنے
سینے پر صلیب بناتے ہوئے کہا۔
ہم لوگ دشمن کے شہر سے تلواروں کی چھاؤں میں زندگی
بچا کر لے آئے ہیں لیکن ایسا لگتا ہے کہ اس وزیر اعظم
کا خون رنگ لا رہا ہے ہم چاروں مل کر بھی اب اس کشتی کو
نہیں بچا سکتے۔ زندگی بچانے کی اب ایک ہی صورت
باقی رہ گئی ہے۔
جلدی بتاؤ۔
پیٹر نے اضطرابی کیفیت میں کہا۔
ڈینی نے کہا۔
کشتی کو طوفان کے حوالے کر کے ہمیں تہ خانے میں اتر
جانا چاہیے بہت ممکن ہے کہ یہ خوفناک لہریں اس کھلونا نما
کشتی کو اپنے بہاؤ کے ساتھ لے جا کر کسی جزیرے پر
پھینک دیں۔
ڈیوڈ نے کہا اب سوچنے کا وقت نہیں ہے جو کرنا ہے جلدی

سے گزرو۔

پھر انہوں نے جلدی سے تہ خانے کا دروازہ کھولا اور چاروں اندر اتر گئے۔

دوسری طرف عنبر اور روکی جو کشتی کو اب تک بڑی مشکل سے بچائے ہوئے تھے ایک زبردست پانی کے تھپیڑے نے ان کی کشتی کو کئی گز اوپر اچھال کر الٹ دیا۔ عنبر اور روکی دونوں سمندر کی لہروں کے ساتھ اس سوکھے پتے کی طرح جسے تیز آندھی اُڑا کر لے جاتی ہے کسی نامعلوم منزل کی طرف بہہ نکلے۔

سمندر پورے غیظ و غضب میں تھا۔ قاتلوں نے اندر محسوس کیا کہ کشتی گیند کی طرح لڑھکتی پھر رہی ہے جس سے کئی دفعہ وہ سامان یا دیواروں سے ٹکرا کر زخمی ہو رہے تھے۔ اندر سامان کی بھی یہی کیفیت تھی وہ بھی گیند کی طرح لڑھکتا پھر رہا تھا۔

تہ خانے کا دروازہ کھلتے ہی سوبتی نے اپنے آپ کو لکڑی کی ایک خالی پیٹی میں چھپا لیا۔ جو اتفاق سے تہ خانے کی لوہے کی سیڑھی میں جا پھنسی تھی۔ لہٰذا کشتی کے الٹ پلٹ ہونے کے باوجود وہ اپنی جگہ پر قائم تھی۔ جب کہ دوسرے سامان کے ساتھ ساتھ

چاروں قاتل بھی لڑھکتے پھر رہے تھے وہ کبھی سامان سے اور کبھی کشتی کی دیواروں سے ٹکرا رہے تھے اور آخر وہ چاروں قاتل ایک ایک کر کے شدید زخمی ہو کر بے ہوش ہو گئے۔

عنبر کو جب ہوش آیا تو وہ ایک بڑی چٹان پر پڑا تھا۔ سمندری لہروں کی آواز اس کے کانوں میں آ رہی تھی جو آ کر اس چٹان سے ٹکراتیں اور واپس لوٹ جاتیں۔ دھوپ چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی اور عنبر کو اس کی حدت اپنے گیلے بدن پر بہت اچھی محسوس ہو رہی تھی۔ پھر جب اس کے سوچنے کی صلاحیت واپس آئی تو وہ ایک دم اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

یہ چھوٹا سا جزیرہ تھا چاروں طرف سنگلاخ چھوٹی بڑی پہاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ جن پر کائی کا سبز پلستر ہو رہا تھا۔

عنبر کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ کبھی یہ جزیرہ سمندر کے اندر رہا ہو گا۔ جو پانی کی واپسی یا کمی کے باعث اُبھر آیا ہے۔ اسی لیے تو ابھی تک پتھروں پر کائی جمی نظر آ رہی ہے۔

وہ سوچنے لگا کہ کشتی میں وہ قاتلوں کا پیچھا کر رہا

تھا جن کی کشتی کے تہ خانے میں سویٹی جا چھپی تھی ۔ پھر
طوفان نے کشتی غرق کر دی ۔ بے چارہ ماہی گیر روکی اس
کے بھی تو چھوٹے چھوٹے بچے تھے اور آمدنی کا واحد سہارا
کشتی تھی ۔ نہ کشتی ہی بچی تھی اور نہ کشتی والا ۔ عنبر کو تو
یقین تھا کہ خواہ حالات کچھ بھی ہوں اسے موت آ
ہی نہیں سکتی ۔ لیکن باقی لوگ تو عام انسان تھے ۔ اگر
میری کشتی غرق ہو گئی ہے تو ضرور قاتلوں کی کشتی کا
حشر بھی اس سے مختلف نہ ہوا ہو گا ۔ وہ پیاری سی
بچی سویٹی جب انکل اس کے لئے ماتا کا تحفہ لے کر
آیا تو خود لہروں کی آغوش میں جا سوئی ۔

عنبر نے ٹھنڈی سانس بھر کر آسمان کی طرف دیکھا اور
کہا

مالک! تیرے بھید تو ہی جانتا ہے

اس نے اٹھ کر چاروں طرف پھیلی ہوئی چٹانوں کے سلسلے
کو دیکھا ۔ پھر اس نے اندر خنجر کے سہارا اور وہ اس
جزیرے کو دیکھنے کے لئے پیدل نکلا ۔ سنگلاخ زمین
اونچی نیچی چھوٹی بڑی پہاڑیوں کی شکل میں پھیلی ہوئی
تھی ۔ جب کہ اس کے چاروں طرف سمندر ٹھاٹھیں مار
رہا تھا ۔

اس نے ایک سمت چلنا شروع کر دیا تھوڑی ہی دور
جانے پر اسے پتھروں اور ریت کے درمیان کئی سیپ
اور گھونگھے اور دیگر سمندری چیزیں تھوڑے تھوڑے فاصلے
پر پڑی نظر آ رہی تھیں ۔ عنبر نے ایک چمک دار اور
قدرے بڑے سیپ کو اٹھا کر کھولا اس میں سے موتی
نکل کر زمین پر گر پڑے ۔

اس نے چند ایک بہت خوب صورت پتھر اور چند موتی
ضرورت کے وقت کام آنے کے لئے اپنی جیب میں
رکھ لئے اور آگے بڑھ گیا ۔ دھوپ کی تمازت یا تمازت سے گیلے
پتھروں سے پانی بھاپ بن کر اڑ رہا تھا ۔ سورج پوری
آب و تاب سے چمک رہا تھا ۔ عنبر اپنے قدموں سے
قیمتی پتھر اور موتی ٹھکراتا ہوا چلا جا رہا تھا ۔ اور اس
نے اب تک ایک چوتھائی جزیرہ دیکھ لیا تھا ۔ سورج
آہستہ آہستہ اپنا سفر طے کر رہا تھا ۔ اب عنبر کو دور
ایک چاندی کی جھیل نظر آئی جس کی سمت اس کے
قدم تیزی سے بڑھ رہے تھے ۔

ایسا لگتا تھا کہ چاندی کو پگھلا کر چٹانوں کے درمیان
ڈال دیا گیا ہے ۔ پگھل اس لئے کہ عنبر کو اس میں سے
بھاپ اٹھتی نظر آ رہی تھی ۔

سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے عنبر وہاں پہنچ جانا
جانا چاہتا تھا۔ دونوں اپنے اپنے سفر پر تیزی سے
رواں دواں تھے۔ سورج بھی اور عنبر بھی۔

پھر ایک نشیبی علاقے میں اتر کر جب عنبر دوبارہ ایک
پہاڑی ٹیلے پر چڑھا تو سورج عین اس جھیل کے پار
ایک بہت بڑے آتشی گولے کی مانند پہنچ چکا تھا اور
چاندی کی بجائے اب ان چٹانوں میں سونا پگھلتا نظر آ رہا
تھا بھاپ اب بھی وہاں سے اُٹھ رہی تھی۔

آخر کار عنبر نے یہ فاصلہ تیزی سے ختم کر ہی لیا اب
اس کی مایوسی کی انتہا نہ رہی، یہ دیکھ کر کہ اس کے سامنے
چاندی سونے کے بجائے چٹانوں کے درمیان ایک دلدلی
میدان تھا اور یہ تمام کمال سورج کی شعاعوں کا تھا۔ دلدل
میں بلبلے اُٹھ رہے تھے اور بھاپ اس طرح سے نکل رہی
تھی۔ جیسے ہانڈی تیز آنچ پر رکھی ہو اور اس کا ڈھکنا اٹھا
لیا گیا ہو۔

عنبر ایک چٹان پر بیٹھ کر یہ منظر دیکھ ہی رہا تھا کہ
اچانک پتھروں کے درمیان اُلٹی ہوئی اسے ایک کشتی نظر آ
گئی

وہ تیزی کے ساتھ وہاں پہنچ گیا وہ واقعی ایک کشتی

تھی جسے شاید سمندری طوفان نے یہاں لا پھینکا تھا یا پھر
جب یہ جزیرہ پانی میں ہوگا تو کشتی اُلٹ کر ان پتھروں
میں جا پھنسی ہوگی۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے اس نے جلدی
جلدی اس کشتی کو سیدھا کیا کشتی سالم تھی لیکن اس کے اندر
کوئی نہیں تھا۔

عنبر نے سوچا شاید اس کے مسافر مچھلیوں کا شکار بن
گئے ہوں گے لیکن پھر اسے آہستہ آہستہ کراہنے کی آواز آئی
اس نے چاروں طرف دیکھا کوئی نہیں تھا وہ اس آواز کو
اپنا وہم سمجھا کہ کراہنے کی آواز پھر آئی۔

عنبر نے حیران ہو کر دیکھا تو اسے آواز کشتی کے اندر سے
آتی محسوس ہوئی اس نے غور سے کشتی کا جائزہ لیا تو اسے
تہ خانے کا دروازہ نظر آ گیا۔

عنبر نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا اندر ایک تہ خانہ
تھا۔ عنبر اندر اتر گیا یہاں ٹوٹا پھوٹا سامان بکھرا پڑا تھا اور
فرش پر کیچڑ اور پانی تیرتا پھر رہا تھا۔

عنبر سیڑھی سے نیچے اُتر گیا کراہنے کی آواز پر اس
نے ایک سمت دیکھا۔ سامان کے نیچے دبا ہوا کوئی آدمی
کراہ رہا تھا۔

عنبر نے فوراً اسے سامان ہٹا کر باہر نکالا۔

وہ زخمی ہونے کے باوجود ہوش میں تھا اس نے عنبر کو بتایا۔

اس کے ساتھ تین اور ساتھی ہیں۔

عنبر نے ان کو بھی تلاش کرنا شروع کر دیا۔ سامان وغیرہ الٹ پلٹ کرنے میں وہ تینوں زخمی حالت میں مل گئے۔

عنبر نے سیڑھی کے پاس سے سامان وغیرہ ہٹایا تو وہاں ایک لکڑی کی پیٹی بھی تھی اور اس میں سے سسکیوں کی آواز سنائی دی۔

عنبر نے دیکھا کہ ایک خوب صورت معصوم بچی رو رہی تھی۔

جوں ہی عنبر نے اسے باہر نکالا اس نے رونا شروع کر دیا اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی۔

مجھے نہ مارو۔

مجھے چھوڑ دو۔

میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی۔

کسی کو نہیں بتاؤں گی کہ تم نے جلوس والے جہان کو تیر مار کر مار ڈالا تھا۔

بچی ہذیانی کیفیت میں ہاتھ جوڑے آنکھیں بند کئے بار بار یہ فقرے دہرائے جا رہی تھی اور اسے دیکھ کر عنبر کی آنکھوں سے بھی آنسو رواں تھے۔ یہ سویٹی تھی اپنے انکل کی سویٹی جس کے لئے انکل تحفہ لینے گیا تھا۔

بوتل میں بند ماریا

ماریا بوتل میں بند فادر لانگ مین کے سامنے موجود تھی جس
کا قد گھٹ کر گڑیا کے برابر ہو گیا تھا قد اتنا چھوٹا ہو گیا
تھا کہ وہ بوتل کے اندر آسانی سے گھوم پھر رہی تھی کیوں کہ
فادر لونگ مین اسے باخوبی دیکھ رہا تھا لیکن وہ کسی دوسرے
کو نظر نہیں آ رہی تھی۔

ہنٹ اور اس کے ساتھی فادر کے سامنے ایک خالی بوتل
کو دیکھ رہے تھے جسے فادر بار بار کہہ رہا تھا

میں تمہیں حکم دیتا ہوں وہ پتھر جو تم نے رجنی سے لیا تھا
مجھے واپس کر دو۔

آخر نہیں بوتل سے آواز آئی۔

فادر!

مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ میں تمہارے جادو کے زیر اثر
جاؤں گی اس لیے میں نے سوچا اسیر ہونے سے پہلے نیکی کا

کام کر جاؤں۔ میں نے سب سے پہلے پارس پتھر دوبارہ رجنی کے
حوالے کر دیا اور پھر سب کو تمہاری طرف متوجہ دیکھ کر
رجنی کے خاوند گولانتی کو کھول دیا اور ان کو فرار ہونے کا موقع
فراہم کیا۔

پھر کیا تھا ایک طوفان برپا ہو گیا ہنٹ اور اس کے
ساتھی جو رجنی اور اس کے خاوند کو گھیرے بیٹھے تھے شہد
کی مکھیوں کی طرح بکھر گئے جیسے ان کے چھتے پر کسی نے
پتھر پھینک مارا ہو۔ ہنٹ نے سب کو گالیاں دیتے ہوئے
کہا۔

الو کے پٹھوں! دفع ہو جاؤ اور جیسے بھی ہو ان کو پکڑ کر
لاؤ پارس ہاتھ آ کر پھر نکل گیا۔

فادر نے کہا ہنٹ تو کیا وہ سچ مچ پارس کا پتھر ہے۔

ہاں فادر! ہنٹ نے کہا

میں نے اپنی آنکھوں سے لوہے کو اس پتھر سے چھو کر سونا
بنتے دیکھا ہے۔

فادر نے کہا

ہوں تو بڑا لمبا ہاتھ مارنے کے چکر میں ہو میں بھی کہوں
فادر لانگ مین کی یاد کیسے آ گئی۔ چلو کوئی بات نہیں اگر پتھر
اسی لڑکی کے پاس ہے تو تمہارے آدمی ایک دفعہ پھر اسے

پکڑ لاتیں گے۔ وہ کون سی غائب جسم والی لڑکی ہے اب تم
بیٹا فادر لونگ مین کی محنت کا صلہ ادا کر دو ایک ہزار
سونے کے سکے۔

ہنٹ نے بگڑ کر کہا

کمال کرتے ہو تم بھی فادر! پارس ہمیں ملا نہیں اور تم
رقم کا تقاضا کر رہے ہو۔

فادر نے کہا

دیکھو ہنٹ! اگر میں اپنے عمل سے اس لڑکی کو اسیر نہ کرتا
تو تمہیں کیسے پتہ چلتا کہ پتھر پھر رجنی کے پاس چلا گیا ہے
اور غائب لڑکی کے ہوتے ہوئے تم قیامت تک پارس
حاصل نہیں کر سکتے تھے اور نہ ہی رجنی اور اس کے
خاوند کو کچھ کہہ سکتے تھے۔ اور یہ مار مار کر تم سب کا
بھرکس نکال دیتی۔

ہنٹ نے کہا

اس لڑکی کو ہم کیا کریں یہ تو ہمارے لئے بے کار ہے
ہمیں اس میں دل چسپی پارس کی وجہ سے تھی ورنہ اس سے
ہم نے کیا لینا ہے۔

فادر نے کہا اس کا مقصد یہ ہوا کہ تم میرا محنت کا صلہ دینا نہیں
چاہتے کوئی بات نہیں بیٹا۔ تم یہ بھول رہے ہو کہ جس لڑکی

جانتے پراتی دولت موت تو بن سکتی ہے لیکن ان کی آسودگی
کا سبب نہیں۔

ہنٹ نے ڈانٹ کر کہا

تو چپ رہ سور کی بچی یہ سب کیا دھرا تیرا ہی ہے ورنہ ان
دونوں سے تو ہم وہ پتھر چھین ہی لیتے۔

اب تم بتاؤ فادر لونگ مین! کیا کہتے ہو اس لڑکی کے
ذریعے وہ پتھر مجھے منگوا دو میں اب بھی اپنے وعدہ پر قائم ہوں

فادر نے بے دلی سے کہا۔ یہ خنجر تو ہٹاؤ بات دوست
کی طرح سے کر رہے ہو اور عملی طور پر دشمن بنے ہوئے ہو

ہنٹ نے خنجر ہٹا لیا۔

ماریا نے کہا تم اس گروہ کے سردار ہو بے وقوف موت
کے منہ میں آتے ہوتے سانپ کو بچا کر یہ توقع کرتے
ہو کہ وہ تمہیں ڈسے گا نہیں فادر اتنا پاگل نہیں کہ خنجر کی
دھار اپنی شہ رگ پر محسوس کر کے بھی تم کو دوست سمجھ کر
بھروسہ کرے اب بگلا بھگت بننے سے کوئی فائدہ نہیں تم
دونوں ایک دوسرے کی اصلیت دیکھ چکے ہو۔

ماریا نے سوچا دونوں کو لڑا کر آزادی حاصل کرنی چاہیئے
لیکن وہ دونوں ہی سمجھ دار تھے ان کی حالت ان دو لڑنے
والوں کی طرح تھی جن میں سے ایک پہاڑی کی چوٹی سے گرتے

ہوئے دوسرے کو بھی ساتھ گھسیٹ رہا ہو اور دوسرا اپنے آپ کو بچانے کے لئے اسے سہارا دے کر بچا لے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے لڑنے کی بجائے آپس میں سمجھوتہ کر لیا اور ہنٹ نے فادر کو بھی دوسرے بقایا ساتھیوں کی طرح پارس پتھر میں حصے دار بنا لیا۔ لیکن دونوں کے چہروں سے ظاہر تھا کہ وہ دونوں منافق ہیں۔

ماریا کو ایک دفعہ پھر مایوسی ہوئی وہ دونوں کو لڑا کر آزادی حاصل کرنا چاہتی تھی لیکن وہ دونوں لڑنے کی بجائے حصہ دار بن گئے۔ ابھی وہ اس ناکامی کے افسوس میں ہی تھی کہ اس کے دل پر ایک اور چرکا لگا۔

اس نے بوتل کے اندر سے دیکھا کہ زمین پر صلیب مقدس مع ٹوٹی ہوتی زنجیر کے پڑی تھی جو شاید ہنٹ وغیرہ کی مرمت کرتے وقت ٹوٹ کر گر گئی تھی۔ اور اس سے یہ دونوں ہی ناواقف تھے۔ لیکن ماریا بوتل میں بند تھی اور صلیب مقدس بوتل سے باہر۔

اس نے پھر اپنی تمام صلاحیتیں بروئے کار لا کر بوتل میں سے نکلنا چاہا لیکن یہ ممکن نہ ہوا۔

پھر اس خاموشی کو فادر لانگ مین نے ہی توڑا اور بوتل اٹھاتے ہوئے کہا۔

کو تم بے کار سمجھ رہے ہو اسی کے ذریعے اب میں پارس پتھر حاصل کروں گا۔

ہنٹ نے کہا ٹھیک ہے آپ پارس پتھر حاصل کر کے میرے حوالے کر دیں اور اپنی رقم مجھ سے لے لیں مجھے کوئی انکار نہیں۔

فادر نے کہا ایک معمولی رقم پارس پتھر کا نعم البدل نہیں نہیں ہو سکتی۔ اب میں رقم کی بجائے پارس پتھر ہی حاصل کروں گا۔

ہنٹ نے خنجر نکال کر اس کی دھار فادر کے گلے پر رکھ دی اور کہا

فادر تم نہیں جانتے میں اس پتھر کی خاطر تمہارا گلا بھی کاٹنے سے دریغ نہیں کروں گا۔

ماریا نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا

بہت خوب دام خود اپنے دام میں صیاد آ گیا لالچی بوڑھے دیکھ لیا لالچ کا انجام ابھی تو پارس تو نے حاصل نہیں کیا تو خنجر کی دھار تیری شہ رگ پر آ گئی ہے اگر تو نے وہ پتھر حاصل کر لیا تو یہ کٹ کر دھڑ سے علیحدہ ہو جائے گی اور قاتل تیری قبر پر پارس پتھر کا کتبہ نہیں لگاتے گا یہ لوگ ہی جو پارس پتھر کے لئے اتنی دوڑ دھوپ کر رہے ہیں نہیں

میں جا رہا ہوں ہنٹ! رات میں پھر جاگ کر جاپ کروں گا
اور اگر تمہارے ساتھی رجنی اور اس کے خاوند کو نہ پا سکے تو
میں ان کو وہ جہاں کہیں ہوں گے ان کو وہیں قید کر دوں گا
اور پھر تمہارے آدمیوں کو بتا دوں گا کہ وہ اس جگہ جا کر ان
دونوں کو قید کر لائیں۔

ہنٹ نے کہا فادر مجھے امید ہے ہمارے درمیان جو خوشگوار
ہو چکا ہے۔ تم اس کو بھول جاؤ گے میں اپنے رویّے کی معافی
چاہتا ہوں۔ اور امید رکھتا ہوں کہ تم ہمارے ساتھ پہلے ہی
کی طرح پر خلوص رہو گے۔

فادر لانگ مین نے مسکراتے ہوئے کہا ہنٹ تم مجھے ہمیشہ ہی
پر خلوص پاؤ گے۔

فادر نے بوتل اٹھائی اور چل دیا۔

ماریا نے حیرت سے صلیب مقدس کو دیکھا جو اسے اس
طلسم سے آزاد کروا سکتی تھی اور یہاں ہی رہ گئی تھی فادر یہاں
سے نکل کر اپنے ٹھکانے کی طرف چل دیا۔

دوسری طرف ہنٹ کے آدمیوں نے اسے آکر بتایا کہ ہم نے
کونہ کونہ چھان مارا لیکن ایسا لگتا ہے یا تو ان کو زمین نگل گئی
ہے یا آسمان۔ ان دونوں کا کہیں پتہ نہیں چلا۔

ہنٹ نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ اب ہمیں پارس پتھر سے

مایوس ہونا پڑے گا ایک ساتھی نے کہا
کیوں سردار؟
ہنٹ نے نفرت سے کہا
وہ بوڑھا گدھ فادر لانگ مین پارس پتھر سے واقف ہو
چکا ہے اور اس لالچ میں پڑ گیا ہے کہ وہ اُسے تنہا ہی حاصل
کرے۔

دوسرے ساتھی نے بات کاٹتے ہوئے کہا
یہ تو بہت ہی بُرا ہوا۔

ہنٹ نے کہا لیکن ہم بُڑھے کے گھر تک پہنچنے والے ہیں
بظاہر تو میں نے اسے اپنا حصے دار بنا کر اپنی مدد کے لئے
تیار کر لیا ہے۔ اور وہ مان گیا ہے لیکن میں اس لالچی کتے
کو جانتا ہوں وہ اپنی شیطانی قوتوں کے سہارے ضرور وہ پتھر
حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔

تیسرے ساتھی نے کہا سردار کیا یہ بہتر نہ تھا کہ آپ اس کو
یہیں ختم کر دیتے۔

سردار نے جواب دیا
سوچا تو میں نے بھی تھا۔ مگر وہ نظر نہ آنے والی لڑکی
اس کی قید میں ہے فادر کی موت کے بعد وہ آزاد ہو جاتی اور
اور اس کی وجہ سے رجنی اور اس کے خاوند پر ہاتھ ڈالنا بہت

مشکل بات ہو جاتی ۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ رات
کو اپنے جادو سے رجنی اور اس کے خاوند کو وہ جہاں کہیں
بھی ہیں قید کر دے گا اور پھر ہمیں بتا دے گا کہ وہ
فلاں جگہ ہیں جا کر پکڑ لاؤ ۔

ہنٹ نے کہا میں نے سوچا ہے کہ رات بھر اس کے کمرے
کی نگرانی کی جائے اور اس پر نظر رکھی جائے ۔ کہیں ایسا نہ ہو
کہ وہ خود ہی پارس حاصل کر کے یہاں سے ہمیشہ کے لئے
غائب ہو جائے ۔ اس کے ساتھیوں نے کہا

ہمیں آپ کی رائے سے اتفاق ہے ۔

پھر ان میں سے ایک کی نظر صلیب مقدس پر پڑ گئی اس نے
اٹھا کر اسے چوما اور سردار سے کہا یہ صلیب مقدس آپ کی ہے
سردار ۔

ہنٹ نے دیکھ کر کہا نہیں

پھر ہنٹ نے کہا تم ایسا کرو اس صلیب ہی کے بہانے اس
کے گھر جاؤ اور اسے دکھا کر کہو

یہ صلیب شاید آپ کی ہے جو ہمارے کمرے میں گر گئی تھی
پھر صلیب واپس کر کے تم یہاں آنے کی بجائے وہیں چھپ جانا
تاکہ رات کے وقت بقایا ساتھیوں کے لئے ، جب وہ جاپ کر
رہا ہو دروازہ کھول دو اور ہم رات بھر اس کی نگرانی کرتے

رہیں ۔ ساتھیوں نے کہا یہ ترکیب ٹھیک ہے اور وہ ساتھی صلیب
مقدس لے کر فادر لانگ مین کے گھر روانہ ہو گیا ۔

فادر اندر سے کنڈی لگائے اپنے کمرے میں بیٹھا تھا اور
ماریا نے ایک دفعہ پھر دانہ پھینکنے کی کوشش کی اور کہا

فادر کیا تمہیں ہنٹ پر اعتماد ہے ۔

فادر نے ہنس کر کہا تمہارا کیا خیال ہے ؟

ماریا نے کہا فادر ! وہ ایک نمبر دھوکے باز اور بدمعاش ہے
اس نے تمہیں اس لئے قتل نہیں کیا کہ میں تمہاری موت کے
بعد آزاد ہو کر ان کے راستے کا پتھر بن جاؤں گی ۔ دوستی کے
غلاف میں لپیٹ کر وہ خنجر تمہارے سینہ میں اتارنا چاہتا ہے لیکن
اس وقت جب وہ پارس حاصل کرے گا ۔

فادر نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا

لڑکی ! تو کیا سمجھتی ہے یہ بال میں نے دھوپ میں سفید کئے
ہیں کیا میں نہیں سمجھتا یہ ایک دھوکہ ہے ۔ اب پارس پتھر میری ملکیت
ہو گا اور ہم یہاں سے اسے لے کر بہت دور چلے جائیں گے جہاں
ان دھوکے بازوں کی سوچ بھی نہ پہنچ سکے ۔

دروازے پر دستک ہوئی فادر نے دروازہ کھولا تو ہنٹ
کا آدمی صلیب مقدس لے کر داخل ہوا اور اسے فادر کے سامنے
رکھ کر کہا

فادر یہ صلیب مقدس شاید آپ کی ہے جو ہمارے ہاں گر گئی
تھی سردار نے کہا یہ فادر کو دے آؤ۔

فادر نے کہا میری تو نہیں خیر رکھ دو اور پتہ کرو تمہارے ہی
کسی آدمی کی ہوگی جس کی ہو آکر لے جائے۔

ماریا کا دل باغ باغ ہو گیا صلیب بوتل کے پاس ہی پڑی
تھی اور آدمی دے کر جا چکا تھا لیکن فادر کسی گہری سوچ میں پڑا
ہوا تھا۔

آدمی نے فادر کو غافل پا کر موقع سے فائدہ اٹھایا اور ایک
لکڑی کے بڑے صندوق میں جا چھپا۔

ناگ اور پریم کمار

ناگ ندی میں ہاتھ منہ دھو ہی رہا تھا کہ اسے ندی
میں تیرتی ہوئی ایک لاش نظر آئی جس کے سینے میں
لگا ہوا تیر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ ناگ نے جلدی
سے ندی میں چھلانگ لگا دی اور تھوڑی ہی دور جا کر
اس نعش کو پکڑ لیا۔

کنارے پر آ کر اس نے لاش کے سینے پر ہاتھ رکھ
کر اس کے دل کی دھڑکن دیکھی دل آہستہ آہستہ دھڑک
رہا تھا یہ زندہ ہے ناگ نے اپنے آپ سے کہا اور اسے
اٹھا کر غار کے اندر لے گیا۔

یہ نوجوان اور خوب صورت آدمی تھا تیر لگنے کی وجہ
کافی خون بہہ گیا تھا۔ اس لئے کمزوری کی وجہ سے بے ہوش
ہو گیا تھا۔

ناگ نے اسے لا کر بستر پر لٹا دیا جب کہ کلاوتی ناگ

کر ایک آدمی اٹھائے ہوئے لاتے دیکھ کر بستر سے اٹھ
بیٹھی تھی اور سوالیہ نشان بنی ناگ کی طرف دیکھ رہی تھی
لیکن اس وقت ناگ کی پوری توجہ اس آدمی کی طرف تھی
جو ذرا سی کوشش سے بچ سکتا تھا اس نے ان پہاڑوں
میں جیون بوٹی اُگی ہوئی دیکھی تھی۔ اس بوٹی کو پتھر پر
کچل کر لگانے سے خون بھی بند ہو جاتا ہے اور زخم
بھی دنوں میں بھر جاتا ہے۔

وہ بھاگتا ہوا باہر آیا اور اس سمت چل پڑا جہاں وہ
بوٹی تھی۔ وہاں پہنچ کر اس نے جلدی سے جیون بوٹی کے
بہت سے پتے توڑے اور پھر تیزی سے غار کے
اندر داخل ہو گیا۔ جہاں کلاوتی اس کے پاس بیٹھی اسے دیکھ
رہی تھی۔

ناگ نے جلدی سے جیون بوٹی کو پتھر پر رکھ کر کچلنا
شروع کر دیا اور کلاوتی سے کہا کہ بستر کی ایک چادر پھاڑ کر
ایک بڑی سی پٹی بنائے،

پھر اس نے زخمی کے پاس آ کر تیر کے بقایا حصے کو
جو باہر تھا پکڑا اور ایک زور دار جھٹکے کے ساتھ اسے زخمی
کے سینے سے نکال لیا۔

زخمی کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی جس سے پوری غار

گونج اُٹھی۔ اور زخم سے خون کا فوارہ اُبل پڑا زخمی نے خوف
سے اپنی پھٹی پھٹی نگاہوں سے ان دونوں کی طرف
دیکھا۔

ناگ نے کہا

کلاوتی! مضبوطی سے اس کے ہاتھ پکڑ لو کیوں کہ زخم پر
یہ بوٹی پہلے تلوار کی طرح لگتی ہے لیکن بعد میں ٹھنڈک پڑ
جاتی ہے۔

جوں ہی کلاوتی نے اس کے ہاتھ مضبوطی سے پکڑے
ناگ نے اس کی دونوں ٹانگیں اپنی ٹانگوں میں مضبوطی
کے ساتھ جکڑ لیں۔ زخمی نے دھیرے دھیرے مزاحمت
کرتے ہوئے کہا

بھگوان کے لئے مجھے چھوڑ دو مجھے قتل نہ کرو میں تو
ویسے ہی مر رہا ہوں مرتے ہوئے کو کیوں مار رہے ہو
میں تو چند گھڑیوں کا مہمان ہوں۔

کلاوتی خود دکھی تھی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے لیکن
ناگ نے زخمی کو مضبوطی سے پکڑ کر اس کے زخم پر کچلی
ہوئی جیون بوٹی رکھ دی۔ جو زخم پر تلوار کی طرح لگی اور
ایک دفعہ پھر زخمی نے چیخ ماری اور اپنی ماں کو یاد کیا لیکن
ناگ نے بوٹی اچھی طرح زخم پر رکھ کر چادر سے پھاڑی

ہوئی پٹی زخم پر باندھ دی۔ تکلیف کی شدت سے زخمی کے
ماتھے پر پسینہ آ گیا اور وہ ایک دفعہ پھر تکلیف کی شدت
سے بے ہوش ہو گیا۔

کلاوتی نے اپنے دوپٹے سے اس کے ماتھے کا پسینہ
پونچھا اور دو آنسو اس کے گالوں پر بہہ نکلے پھر جوں ہی
اس کی نگاہ ناگ پر پڑی۔ اس نے جلدی سے اپنے آنسو
پونچھ لئے۔

ناگ نے مسکرا کر کلاوتی کی طرف دیکھا اور کہا

کلاوتی!

یہ تو فطری عمل ہے گھبرا کیوں گئیں۔

کلاوتی نے کہا۔

مجھے شما کریں ناتھ!

کسی اجنبی کے لئے یہ جذبات کسی پتی ورتا استری کو
شوبھا نہیں دیتے۔

ناگ نے کہا۔

اچھا ہوا تم نے خود ہی ذکر چھیڑ دیا۔

کلاوتی! میں اپنے متعلق تمہیں سب کچھ بتا دینے کا سوچ
رہا تھا۔ میں ایک پرچھائیں ہوں میرے پیچھے بھاگنے کا تمہیں
کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

میں نے جو تمہاری مدد کی ہے۔ وہ ایک فرض سے ایک
عبادت ہے۔

کلاوتی نے کہا

مجھے معلوم ہے کہ آپ مسلمان ہیں اور ہندو دھرم سے
نفرت کرتے ہیں۔

ناگ نے کہا۔

تم نے غلط سمجھا ہے میں کسی دھرم سے نفرت نہیں کرتا
کیوں کہ ہر دھرم انسان کو اچھائیوں کا سبق دیتا ہے مذہب
کوئی بھی ہو وہ آپس میں دشمنی رکھنے کو ہرگز نہیں کہتا۔ میرا
مطلب تم نے غلط سمجھا ہے۔

کچھ دیر خاموش رہ کر ناگ نے کہا

دیکھو کلاوتی!

میرا جو روپ تم دیکھ رہی ہو وہ اصلی نہیں ہے میں
انسان نہیں ہوں۔

کلاوتی نے حیرانی سے ناگ کی طرف دیکھا۔

ناگ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا

میں صدیوں پرانا ناگ ہوں جس میں یہ قدرت پیدا ہو
جاتی ہے کہ وہ جو چاہے بن سکتا ہے۔ میں نے پہلے بھی
ہاتھی بن کر تمہیں چیتا سے بچایا۔ دوسری مرتبہ پھر ہاتھی بن

کر اپنے ہم نسلوں کی مدد سے تمہیں راجا کے محل سے پرچتا سے اٹھایا اور اس کے بعد انسان بن کر تمہیں وہاں سے لے بھاگا۔

کلاوتی نے رو دینے والے انداز میں کہا۔ آپ نے ایسا کیوں کیا؟

ناگ نے کہا۔

تمہارا سوال بالکل درست ہے کہ جب مجھے اس سے کچھ حاصل نہیں تھا تو میں نے ایسا کیوں کیا!

سنو کلاوتی۔

اس دنیا میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو نیکی کا م کرنے سے پہلے اس کا فائدہ نہیں سوچتے اس لئے کہ نیک کام کرنا ان کی فطرت ہوتی ہے۔ ان کا ایمان ہوتا ہے۔ ان کی عبادت ہوتی ہے اور اس کلجگ میں یہ دھرتی ایسے ہی لوگوں کے دم سے بچی ہوئی ہے ورنہ تباہ ہو جاتی۔ ہمیں قدرت نے اسی لئے تو اتنی لمبی عمر عطا کی ہے کہ ہم انسانوں کی بھلائی کرتے رہیں اور دکھیوں کی مدد کرتے رہیں اور مظلوموں کی امداد کریں۔ اور یہ عبادت ہے اور اس سے ہمیں روحانی خوشی ملتی ہے۔

کلاوتی نے مسکرا کر کہا۔

آپ میرا امتحان لینا چاہتے ہیں۔

ناگ نے کہا۔

نہیں! میں نے سچی بات تمہیں بتا دی ہے میں تو خود چاہتا تھا۔ کہ کسی دوسرے شہر سے جا کر تمہاری شادی کسی بھلے آدمی سے کر دوں تاکہ جس کام کی ابتداد کی ہے اس فرض سے جلدی سبکدوش ہو جاؤں تو یہاں سے جاؤں۔

اب میرا کام آسان ہو گیا ہے یہ لڑکا صورت میں بھی اچھا ہے اور تمہارا ہم عمر بھی ہے اس دوائی سے یہ اچھا ہو جائے گا۔ چند روز اس کی سیوا کرو اور اپنے دل سے میرا خیال نکال دو۔

کلاوتی نے کہا

مجھے اب بھی یہ وشواش نہیں آ رہا ہے کہ آپ سچ کہہ رہے ہیں۔

ناگ نے کہا۔

اچھا تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔

ناگ نے پلٹی کھائی اور سانپ بن گیا۔ پھر ہاتھی بن گیا پھر شیر بن گیا۔

کلاوتی خوف اور حیرانی سے دیکھتی رہ گئی اور وہ پھر انسان

ں نے کہا کیوں کیا خیال ہے اب۔

کلاوتی نے کہا

ناتھ! پہلے تو میں آپ کو انسان سمجھتی تھی اور اب
بھگوان سمجھتی ہوں!

ناگ نے ہنس کر کہا۔

نہیں کلاوتی!

اچھا انسان ہونا ہی بڑی بات ہے بھگوان تو بہت دور
کی بات ہے۔ میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں تم اس کا
خیال رکھنا۔

کلاوتی نے شرما کر آنکھیں نیچی کر لیں۔

ناگ نے سوچا اب بات پرانی ہو گئی ہے اسے گھوم پھر
کر عنبر اور ماریا کی تلاش کرنی چاہیئے۔ لہذا وہ ہنتر کی طرف
نکل گیا۔

دوسری طرف کلاوتی سوچ رہی تھی کہ ناگ نے اسے
بھنور سے نکال کر اس کے خیالات کا دھارا پھر بھنور کی
طرف موڑ دیا تھا۔

وہ اپنے آپ کو ایک دفعہ پھر طوفان میں گھرے ہوئے
تنکے کی طرح سمجھنے لگی تھی۔ جو حالات کے دھارے پر بہتا ہوا جا
رہا ہو جس کی کوئی منزل نہ ہو۔

تقدیر قدم قدم پر اسے چرکے لگا رہی تھی۔ اس نے
کراہتے ہوئے اجنبی کی طرف دیکھا جس کی آواز نے
اس کی سوچوں کا بہاؤ اپنی طرف موڑ لیا تھا۔

اجنبی نے آنکھ کھول کر اس کی طرف دیکھا تھا اور
پھر حیرانی سے کہا۔

کیا میں سورگ میں ہوں دھرتی سے میرا ناطہ ٹوٹ گیا
ہے تم سورگ کی اپسرا ہو۔

کلاوتی نے لاجونتی کی طرح سمٹ کر کہا

ایسا نہیں ہے آپ اسی دھرتی پر ہیں۔

اجنبی نے کہا۔

دیوی تم کون ہو اور میں کہاں ہوں؟

کلاوتی نے جواب دیا۔

آپ کو تیر لگا تھا اور آپ بے ہوش ندی میں بہتے آ
رہے تھے۔ ایک دیوتا نے آپ کو ندی سے نکال کر
مرنے سے بچا لیا آپ کے جسم سے تیر نکال کر ایسا مرہم
لگا دیا کہ آپ ٹھیک ہو گئے۔

لیکن تم کون ہو دیوی!

اجنبی نے سوال کیا۔

کلاوتی نے جواب میں بتایا کہ میں دیوی نہیں ہوں۔

بلکہ داسی ہوں۔

اجنبی نے کہا۔

وہ دیوتا کہاں ہیں جنہوں نے میری جان بچائی ہے۔ میں
ان کے چرن چھونا چاہتا ہوں۔

کلاوتی نے کہا۔

کہیں گئے ہیں اور اگر کوئی اچھا ہو تو اس داسی کو بتا
دیں۔

اجنبی نے کہا۔

ہو سکے تو تھوڑا پانی پلا دیں پیاس سے میرے گلے میں
کانٹے چبھ رہے ہیں۔

ابھی لائی کہہ کر کلاوتی ایک طرف گئی اور پھولوں کا رس
ایک پیالے میں نچوڑ کر لے آئی۔

اجنبی نے اُٹھنا چاہا لیکن زخم نے اسے اس کی اجازت
نہ دی اور وہ کراہ کر رہ گیا تب کلاوتی نے شرماتے ہوئے
اسے اپنے جسم کا سہارا دے کر اٹھایا اور پیالہ اس
کے مونہہ سے لگا دیا چند گھونٹ رس کے پینے کے
بعد اجنبی نے تشکر بھری نظروں سے کلاوتی کی طرف
دیکھا۔

کلاوتی کا سارا لہو سمٹ کر گالوں میں شرم کے مارے

آگیا اور اس کی پلکیں جھک گئیں اور اس نے آرام سے
سہارا دے کر اجنبی کو پھر لٹا دیا۔

اسی وقت ناگ کھانا اور پھل لے کر غار میں داخل
ہو گیا۔ اجنبی نے سوالیہ نگاہوں سے کلاوتی کی طرف
دیکھا۔

کلاوتی نے کہا۔

یہی وہ دیوتا ہیں جنہوں نے آپ کی جان بچائی ہے
اجنبی نے اٹھنا چاہا لیکن ناگ نے اسے روک دیا
اور کہا۔

لیٹے رہو ابھی تمہارا زخم کچا ہے

اجنبی نے کہا۔

میرے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں جن سے آپ کا شکریہ
ادا کروں آپ نے مجھے دوبارہ زندگی دی ہے۔

ناگ نے کہا۔

ایسی باتیں نہ کرو بھائی! انسان بھلا کسی کو کیا زندگی
دے سکتا ہے۔ زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے
میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا فرض سمجھ کر تمہاری
مدد کی ہے ایک دفعہ اور جیون بوٹی تمہارے زخم پر لگانے
سے زخم ٹھیک ہو جائے گا

پھر اس نے کلاوتی سے کہا۔

تم مہمان کو پھل وغیرہ کھلاؤ اور میں اس کے لئے جیون بوٹی لے کر آتا ہوں۔

کلاوتی نے ایک دفعہ پھر اپنے جسم کے سہارے اجنبی کو بٹھایا پھر کھانا اور پھل وغیرہ اس کے سامنے رکھ دیئے۔

اجنبی خدا جانے کب سے بھوکا تھا کھانے لگا کھانے کے دوران وہ کلاوتی کو بھی دیکھ لیتا اور کلاوتی جو کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ایک دم سے نظریں جھکا لیتی آخر اجنبی نے کلاوتی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

چھما کرنا دیوی! کیا میں پوچھ سکتا ہوں ان دیوتا سے آپ کا کیا رشتہ ہے۔

کلاوتی بے چاری سوچ میں پڑ گئی کہ کیا جواب دے تو اجنبی نے کہا۔

دیوی! شاید میرا سوال اس قابل نہ تھا کہ آپ جواب دیتیں۔

کلاوتی نے کہا۔

نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں بس یوں سمجھ لیجئے کہ جو رشتہ آپ کا ان سے ہے وہی میرا ہے۔ مجھے

بھی مصیبتوں کے طوفان سے یہی دیوتا نکال کر لائے تھے میری زندگی پر بھی ان کا بہت بڑا احسان ہے۔

پھر ناگ کے آجانے سے یہ گفتگو یہیں ختم ہو گئی جو بوٹی لے کر آ رہا تھا۔

اس نے ایک دفعہ پھر تازہ بوٹی زخم پر لگا کر پٹی باندھ دی اور کلاوتی نے اجنبی کو بستر پر لٹا دیا جب کہ ناگ پاس بیٹھ گیا اور اس سے کلاوتی سے کہا۔

تم بھی کھانا کھا لو۔

کلاوتی نے کہا۔

آپ نہیں کھائیں گے۔

ناگ نے کہا۔

مجھے بھوک نہیں تم کھانا کھا لو میں ذرا ان سے باتیں کر لوں۔

پھر اس نے اجنبی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

اگر تم اس میں برائی نہ سمجھو تو مجھے اپنے متعلق بتاؤ وہ کون تھا کہ جس نے تمہاری زندگی سے کھیلنے کی کوشش کی اور کیوں کی؟

اجنبی نے کہا

میرا نام پریم کمار ہے اور میں ہنومان گڑھی کا رہنے

والا ہوں میری ماں جب میں چھوٹا ہی تھا مر گئی۔ میرا ایک بڑا بھائی بھی ہے جس کا نام ادیپ کمار ہے اور باپ کا نام شرن کمار ہے جو اس بستی کے کھاتے پیتے لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ بڑے ارمانوں سے پتا جی نے بڑے بھائی کی شادی کی تھی۔ لیکن جب وہ بہو بیاہ کر لائے تو چند ہی روز میں بہو کا سلوک ان سے بدل گیا شادی کے بعد اپنا سارا کاروبار پتا جی نے بڑے بھائی کے سپرد کر دیا تھا۔

بھابھی بڑے بھیا کے میرے اور پتا جی کے خلاف اکثر کان بھرا کرتی تھیں۔ اور ان کو سکھایا کرتی تھیں کہ تمام کاروبار تو تمہارے نام ہے ہی جائداد بھی اپنے نام لکھوا لو۔ پہلے تو بھیا نے اسے ڈانٹ دیا آخر ہر روز کی لگائی بجھائی سے تنگ آ کر ایک روز انہوں نے پتا جی سے جائداد کا مطالبہ کر ہی دیا۔

پتا جی نے بہو کے لچھن دیکھ لئے تھے لہذا انہوں نے صاف انکار کر دیا۔

پھر چند روز کے بعد ہی پتا جی سورگ کو سدھار گئے بعد میں پتہ چلا کہ یہ بھی بھابھی ہی کے کارن ہوا تھا انہوں نے روزانہ کھانے میں تھوڑا زہر پتا جی کو دینا شروع کر دیا تھا۔

اجنبی اپنی کہانی سنا رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

ناگ نے کہا

بڑے دکھ کی بات ہے جو چیز اسی دنیا میں رہ جاتی ہے اس کے لئے لوگ بڑے بڑے ظلم کرتے ہیں اور جو چیز مرنے کے بعد قبر میں ساتھ جاتی ہے اسے یکسر بھول جاتے ہیں۔

پریم کمار نے ہاتھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

پتا جی کی موت کے بعد تمام جائداد پر بھی بھیا نے قبضہ کر لیا اب میرے ساتھ بھی بھیا اور بھابھی کا سلوک نوکروں کی طرح ہو گیا۔ بات بات پہ گالیاں دینا اور مارنا روزمرہ کا معمول بن گیا تھا۔

ایک روز میرے بھیا میرے سامنے کچھ کاغذات لے کر آئے اور کہا۔

ان پر دستخط کر دو۔

میں نے کاغذات دیکھے وہ جائداد کی دست برداری کے تھے جن میں لکھا تھا میں پریم کمار ولد شرن کمار اپنے حصے کی جائداد سے اپنے بھائی ادیپ کمار کے حق میں دست بردار ہوتا ہوں۔

بھیا اور بھابھی کے سلوک نے مجھے ان سے متنفر
کر دیا تھا اور پھر مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ پتاجی کو زہر دے کر
مارا گیا ہے میں نے صاف انکار کر دیا۔ اور کہا
بھیا تمہارا خون کیوں سفید ہو گیا ہے کاروبار پر قبضہ کر
چکے ہو اب جائداد بھی ہتھیا کر مجھے بھیک منگوانا چاہتے ہو
بھیا اور بھابھی اس بات پر ناراض ہو گئے۔
کلاوتی کھانا چھوڑ کر باتیں سننے لگی تھی سچ بات ہے دُکھی
ہی دکھی کی مصیبت جان سکتا ہے۔
پریم نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا
پھر ایک روز میرے بھیا مجھے شکار کے لئے ساتھ لے گئے
اور موقعہ کی تلاش میں رہے شام کے وقت جب میں پیاس
سے بے حال ہو کر ندی پر پانی پینے لگا تو میرے سینے پر
تیر آ کر لگا۔ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا آ گیا اور سر
چکرا گیا میں نے دیکھا میرے بھیا کمان نیچی کر کے مسکرا
رہے تھے اور میں چکرا کر ندی میں گر گیا جس کا تیز بہاؤ
مجھے اپنے ساتھ ہی بہا کر لے گیا۔
ناگ نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا تم نے ٹھیک ہی
کہا۔
انسان کا خون سفید ہو گیا ہے دولت کی ہوس نے اسے

انسان سے حیوان بنا دیا ہے۔ وہ نہیں جانتا جس جائیداد کے
لئے اس نے اپنے باپ اور بھیا کا خون کیا ہے اسی طرح
اس کی اولاد بھی اس جائیداد کے لئے اسے یا تو زہر دے
کر مار دے گی اور یا پھر تیر سے اس کا سینہ چھلنی کر
دے گی۔
اب تم بتاؤ پریم۔ بھائی اور بھابھی سے بدلہ لینا چاہتے
ہو یا جائداد میں اپنا حق لینا چاہتے ہو تو میں تمہاری مدد
کے لئے تیار ہوں۔
پریم نے کہا
نہیں دیوتا! مجھے دولت جائیداد سے نفرت ہو گئی ہے
جو دولت بھائی کو بھائی کا اور باپ کا بیٹے کو دشمن بنا دے
وہ کس کام کی ہے میں اب واپس اپنے شہر بھی جانا نہیں
چاہتا ٹھیک ہو کر یہاں سے دور چلا جاؤں گا اور اپنی
محنت سے اپنی دنیا آباد کروں گا۔
ناگ نے کہا
شاباش! تم نے ثابت کر دیا کہ انسان بڑا اپنے وچاروں
سے ہوتا ہے اپنے کردار سے ہوتا ہے دولت سے نہیں ایک
ہی ماں کی کوکھ سے جنم لینے والے دو بیٹے ایک شیطان
بھی ہوتا ہے اور دوسرا انسان بھی۔۔ لالچ انسان کو اندھا

کر دیتا ہے اور وہ آنکھیں رکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھ سکتا جس راہ پر وہ جا رہا ہے وہ جہنم کی طرف اسے لے جا رہی ہے۔

یاد رکھو جو کانٹے بوئے گا اسے پھولوں کی توقع نہیں رکھنی چاہیئے۔ جو دوسروں کے لئے گڑھا کھودے ایک روز ضرور اسی میں جا گرے گا۔

مجھے خوشی ہے کہ تم اچھے خیالوں کے آدمی ہو اور میں تمہیں نئی دنیا بسانے میں مدد دوں گا تمہیں جتنی دولت چاہیئے میں دوں گا تمہیں گھر بسانے کے لئے جتنی چاہیئے میں دوں گا۔

پریم نے مسکرا کر کلاوتی کی طرف دیکھا اور کلاوتی نے شرم سے نظریں نیچی کر لیں۔

پھر پریم نے کہا

ہم نے سنا تھا کہ بھگوان انسانوں کا بھیس بدل بدل کر دھرتی پر آتے ہیں آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے بلاشبہ آپ بھگوان کے اوتار ہیں۔ ورنہ اس کلجگ میں کوئی بھی دوسروں کے لئے اپنا آپ مصیبت میں نہیں ڈالتا۔ آپ جیسے دیوتا اس قابل ہیں کہ من مندر میں ان کی مورتی رکھ کر جیون بھر اس کی پوجا کی جائے۔

ناگ نے کہا

بس! بس! مجھے آسمان پر مت پہنچاؤ۔ اس دھرتی پر ہی رہنے دو۔

پھر ناگ نے چھپایا ہوا ڈھیر سارا سونا باہر نکالا اور کہا۔

پریم یہ تمام سونا میں تمہیں کلاوتی کے جہیز میں دوں گا اور یہاں سے جس شہر تم چاہو پہنچا کر تمہاری شادی کروں گا۔

کلاوتی نے شرم سے جلدی سے اپنے منہ پر دونوں ہاتھ رکھ لئے۔

ناگ نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا

"شرما گئی"۔

پھر چند روز کے بعد جب پریم کے زخم اچھے ہو گئے تو ناگ نے گھوڑا گاڑی میں جوتا۔ پریم اور کلاوتی کو پیچھے بٹھایا۔ تمام سونا پریم کے حوالے کیا اور یہاں سے روانہ ہو گیا اور منزلیں مارتا ہوا رام نگر جا کر ہی سانس لیا۔

یہ ایک خوب صورت اور چھوٹی سی بستی تھی جہاں جا کر مندر میں پریم اور کلاوتی کی شادی کر دی۔

پھر گھوڑا گاڑی اور سونا وغیرہ دے کر دونوں کے سر پر
شفقت کا ہاتھ رکھا دونوں کو پیار کیا سدا سکھی رہنے کی
دعائیں دیں اور ناگ ان سے رخصت ہوا۔ جبکہ دونوں کی
آنکھوں میں اس سے جدا ہونے کے غم میں آنسو چھلک
آئے اور انہوں نے روتے ہوئے ناگ کو رخصت کیا۔

گناہِ معصوم

سویٹی آنکھیں بند کئے ہاتھ جوڑے متواتر کہے جا رہی
تھی مجھے نہ مارو۔ مجھے میرے پاپا کے پاس لے چلو۔ میں
کسی سے نہیں کہوں گی جلوس والے مہمان کو تم لوگوں نے
تیر سے مارا تھا۔

عنبر کی زبان گنگ ہو گئی تھی اور اس کی آنکھوں سے
آنسو بہہ رہے تھے۔ اس نے بولنا چاہا لیکن گلا روندکر رہ
گیا۔ اس نے سویٹی کے ننھے ننھے ہاتھوں کو چوم لیا۔

سویٹی نے خوف کے مارے ایک آنکھ کھول کر دیکھا اور
پھر عنبر کو پہچان کر وہ چیخ مار کر اس کے سینے سے لپٹ
گئی اور اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ بڑا رقت انگیز منظر
تھا۔ سویٹی عنبر کے سینے سے ایسی چمٹی ہوئی تھی جیسے بندریا
کا بچہ بندریا سے چمٹا رہتا ہے۔

عنبر نے سویٹی کا خوف کم کرنے کے لئے پہلے اپنے
آپ پر قابو پایا اور پھر سویٹی سے کہا۔ بیٹا انکل کی طرف

دیکھو۔ سویٹی نے عنبر کی طرف محبت بھری نظر سے دیکھا۔
عنبر نے کہا بہادر بچے بھی بھلا رویا کرتے ہیں۔ تم نے تو
اتنا بڑا کام کیا ہے کہ تمہیں ڈھیر سارا انعام ملے گا۔
سویٹی نے حیرت سے عنبر کی طرف دیکھا۔
عنبر نے کہا ایک ننھی سی گڑیا نے بہت بڑے قاتلوں کو
گرفتار کروا دیا ہے۔ تم نے تو بڑی بہادری کا کام کیا ہے
تمہارے سکول والے، تمہارا ڈیڈی اور ممی، تمہارے ٹیچر
سب تم کو سارے سکول کے بچوں کو اکٹھا کر کے تمہیں
کھلونے، کتابیں، مٹھائیاں دیں گے۔
سویٹی کی پھر ڈھارس بندھی اور اب اسے احساس ہوا کہ
شاید اس نے کوئی بڑا کام کیا ہے۔ پھر اسے اچانک کچھ
یاد آگیا اور اس نے روٹھنے والے انداز میں کہا "انکل
آپ سے میری چھو ہے"
"کیوں۔ بھئی انکل کا بیٹا پیارا پیارا سا انکل سے کیوں چھو
کرنے لگا؟"
سویٹی نے کہا "بھول گئے۔ آپ نے کہا تھا جب میں
واپس آؤں گا تو اپنی بیٹی کو ایک بہت اچھا تحفہ دوں گا"
"عنبر نے جواب دیا "ارے نہیں بھئی۔ بھلا انکل اپنا وعدہ
کیسے بھول سکتا ہے۔ انکل جب تحفہ لے کر سویٹی کے گھر

پہنچے تو پتہ چلا ہمارا بیٹا ہی کہیں کھو گیا ہے"
اب سویٹی کو پھر یاد آگیا اور اس نے سرگوشی کی۔
"انکل یہ بہت بڑے لوگ ہیں۔ چلو یہاں سے بھاگ چلیں۔ یہ
تیروں سے مار ڈالتے ہیں۔ انہوں نے میرے سامنے جلوس
والے مہمان کو تیروں سے مار ڈالا تھا۔"
چاروں زخمی قاتلوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔
عنبر نے کہا "تم فکر نہ کرو۔ میرے ہوتے ہوئے کس کی مجال
ہے کہ میرے بیٹے کو کچھ کہہ سکے"۔ پھر عنبر نے کہا۔ "جانتی
ہو انکل تمہارے لئے کیا تحفہ لائے تھے"
سویٹی نے کہا "کیا انکل"
عنبر نے کہا۔ "ہم سویٹی بیٹی کی ممی کو ساتھ لائے تھے"
"سچ انکل"۔ خوشی سے سویٹی کے چہرے پر رونق
آگئی۔
عنبر نے کہا۔ "اور کیا"
سویٹی نے کہا "انکل کہاں ہیں میری ممی۔ آپ نہیں
جانتے۔ جب ڈیڈی سو جاتے تھے نا۔ پھر میں اٹھ کر ممی
کی تصویر کے پاس جا کر اسے سینے سے لگا کر خوب رویا
کرتی تھی۔ ڈیڈی کے ڈر سے ان کے سامنے ممی کی کوئی
بات نہیں کرتی تھی۔ ڈیڈی بھی ممی کی تصویر دیکھ کر

روتے لگتے تھے نا۔ انکل کہاں ہے میری ممی؟"

عنبر نے کہا۔ "بیٹی وہ تمہارے ڈیڈی کے پاس گھر پر تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔"

سویٹی نے ضد کرتے ہوئے کہا۔ "پلیز انکل مجھے ممی کے پاس لے چلو نا۔"

عنبر نے کہا "ضرور چلیں گے میرے چاند تم فکر نہ کرو۔ پہلے کشتی کو ٹھیک کرنا ہے نا۔ اگر اسے ٹھیک نہیں کریں گے تو واپس کیسے جائیں گے۔"

عنبر نے چاروں قاتلوں کو حکم دیا۔ "سب مل کر کشتی کا سامان باہر نکالو۔"

قاتلوں نے تمسخر اڑانے والے انداز میں عنبر کی طرف دیکھا اور پھر کچھ سوچ کر سامان باہر نکالنے لگے۔ عنبر بھی سویٹی کو لے کر باہر آگیا۔ تھوڑی ہی دیر میں تمام تہ خانے کا سامان باہر اکٹھا کر دیا گیا۔ جس میں کھانے پینے کے سامان کے علاوہ بہت سی مختلف قسم کی رسیاں، بیلچہ، کلہاڑی اور دیگر مرمت کے اوزار بھی شامل تھے۔

عنبر نے دوسرا حکم دیا۔ "تم چاروں مل کر کشتی کے تہ خانے میں جو پانی اور کیچڑ اکٹھا ہو گیا ہے اسے خوب اچھی طرح دھو کر کشتی کو دھوپ میں ڈال دو۔"

چاروں نے پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بالٹی برش وغیرہ لے کر اندر اتر گئے۔ جبکہ عنبر باہر سویٹی کے پاس ایک پتھر پر دھوپ میں بیٹھ گیا۔ کیونکہ سردی کی وجہ سے اسے ڈر تھا کہ کہیں سویٹی بیمار نہ ہو جائے۔ اسی لئے اس نے سویٹی کو تاکید کی کہ وہ دھوپ میں آکر بیٹھ جائے۔ اور خود بھی اس کے پاس بیٹھ کر اس کی میٹھی میٹھی باتوں سے لطف لینے لگا۔

اندر چاروں قاتلوں نے ایک دوسرے کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "دوستو! خدا کا شکر ہے کہ ہم چاروں میں سے کسی کو بھی کوئی مہلک زخم نہیں آیا۔ معمولی چوٹیں آئی ہیں جن کی ہم نے کبھی پروا نہیں کی۔"

پھر ان میں سے ایک نے کہا۔ "دوستو! مجھے تو یہ آدمی کوئی پاگل لگتا ہے۔ بچی سے جان لینے کے بعد بھی کہ ہم قاتل ہیں، بڑے اطمینان سے ہم پر حکم چلا رہا ہے۔ اسے شاید یہ علم نہیں جو کام وہ ہم سے کروا رہا ہے وہ تو ہمیں کرنے ہی تھے۔ کشتی کی مرمت کے بغیر سفر ممکن ہی نہیں۔"

دوسرے نے کہا۔ "وہ ایسے اطمینان سے بچی سے باتیں ہنس ہنس کر کرتا ہے جیسے ہم اس کے باپ کے نوکر ہیں۔ اسے

علم نہیں۔ چار اور چار آٹھ ہاتھ مل کر جب چاہیں اس
گلا دبا کر مار سکتے ہیں۔"
تیسرے نے کہا: "یہ بھی اچھا ہوا وہ تنہا ہے اور اس
الّو کی پٹھی بچی نے اس کے سامنے قتل کا راز اگل دیا جو
گھڑے کی مچھلی کی طرح سے ہمارے قبضے میں ہے۔ جب جی
چاہے گا ہاتھ ڈال کر پکڑ لیں گے اور مروڑ کر رکھ دیں گے"
چوتھے نے کہا: "اس کے ساتھ ہی بچی کو بھی ختم
کر دو۔ سانپ جتنا چھوٹا ہوتا ہے اتنا ہی خطرناک ہوتا
ہے۔"
سب نے کہا۔ "بالکل ٹھیک ہے۔ پہلے اس آدمی کو ٹھکانے
لگائیں گے اور پھر اس سپولیے کو کچل دیں گے۔"
تھوڑی دیر بعد چاروں نے اچھی طرح کشتی کو دھو کر
صاف کر دیا اور باہر نکل کر اسے دھوپ میں سوکھنے کے
لئے ڈال دیا۔
عنبر نے چاروں کو دیکھا اور ان کے چہروں سے ان
کے دل کا حال جان گیا کہ وہ اسے تنہا سمجھ کر ٹھکانے
لگانا چاہتے ہیں۔ عنبر نے ایک غار میں کمبل وغیرہ بچھا کر
سویٹی سے کہا جب تک ہم کشتی کی مرمت کرتے ہیں تم
سو جاؤ۔ میں نہیں چاہتا تم بیمار ہو جاؤ اور تمہاری ممی

اور ڈیڈی تمہیں دیکھ کر پریشان ہوں۔ در اصل وہ
ممی کے سامنے کوئی دنگا فساد نہیں کرنا چاہتا تھا اسے
معلوم تھا کہ اگر لڑائی سویٹی کے سامنے ہوئی تو وہ پھر
خوف و ہراس کا شکار ہو جائے گی۔ عنبر سویٹی کو لے
کر ان پتھروں میں بنے غار میں سلانے چلا گیا۔
دوسری طرف چاروں نے اس کے قتل کی تیاری مکمل کر لی۔
ایک نے بیلچہ پکڑ لیا۔ دوسرے نے کلہاڑی، تیسرے کے
پاس خنجر موجود تھا اور چوتھے نے سامان سے تلوار نکال کر
بغل میں کر لی۔ جونہی عنبر سویٹی کو سلا کر غار سے باہر آیا۔
چاروں ہتھیار لے کر اس کے سامنے کھڑے ہو گئے۔
عنبر نے بڑا مسکین بن کر کہا: "بھائیو! میں کمزور سا
آدمی ہوں۔ آپ میری جان بخش دیں۔ مجھے نہ ماریں۔ میرے
چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔"
قاتلوں میں سے ایک نے کہا: "بیوقوف، قتل کے راز سے
پہلے لڑکی واقف تھی اب تم بھی جان گئے ہو۔ گو کہ ہم خطرے
سے دور چلے آئے ہیں۔ لیکن پھر بھی ایک خفیہ راز کو راز
ہی رہنا چاہیے۔"
عنبر نے انکساری سے کہا: "میں کسی سے بھی کچھ نہ کہوں گا۔
یہ لڑکی تو دیوانی ہے۔ بھلا آپ جیسے شریف آدمی کیسے کسی کو

قتل کر سکتے ہیں۔"

چاروں نے قہقہہ لگایا اور کہا نامعقول گدھے۔ ہم شریف نہیں قاتل ہیں۔ لڑکی نے ٹھیک کہا ہے۔ اب تم دونوں اس راز کو سینے میں دبائے قبر کی تاریکی میں غرق کر دیئے جاؤ گے۔"

ایک نے کہا "دیکھو اب کیسی مسکین صورت بنائے کھڑا ہے اس سے پہلے الو کا پٹھا ہمیں حکم دے رہا تھا جیسے ہمارا سردار یہی تو ہے۔"

الو کے پٹھے پر عنبر کو غصہ آگیا۔ کیونکہ وہ اپنے باپ کو گالی برداشت نہیں کر سکتا اور آتش فشاں کی طرح پھٹ جاتا ہے۔ عنبر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ قاتلوں نے اس کا یہ روپ دیکھا تو سوچنے لگے کہ کیا یہ وہی بیوقوف سا آدمی ہے۔ جو چند لمحے پہلے جان کی امان مانگ رہا تھا ہاتھ جوڑ کر۔

عنبر نے کہا "تم وزیر اعظم کے قاتل ہو۔ ہتھیار پھینک کر اپنے آپ کو میرے حوالے کر دو ورنہ تم لوگوں کی لاشوں پر گدھ اور جنگلی جانور دعوت اڑائیں گے۔"

چاروں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر چاروں نے ایک ساتھ عنبر پر حملہ کر دیا۔ لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران

رہ گئے کہ عنبر کے جسم پر کسی ہتھیار کا بھی کوئی اثر نہیں ہو رہا۔ وہ وار پر وار کرتے رہے اور عنبر ان کا منہ تکتا رہا۔ آخر جب اس کے جسم پر کسی ہتھیار کا اثر نہ ہوا تو چاروں حیرت کی تصویر بنے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

تب عنبر نے کہا "تم میں سے دو آدمی وزیر اعظم کے قاتل ہیں وہ دونوں ایک طرف کھڑے ہو جائیں۔"

دونوں قاتل غیر ارادی طور پر ایک طرف ہو گئے۔ دوسرے دو جوان کے ساتھی تھے ان کو عنبر نے حکم دیا یہاں سے رسیاں اٹھاؤ اور ان دونوں قاتلوں کی مشکیں باندھ دو۔ دونوں ساتھی خاموش کھڑے رہے۔ عنبر نے آگے بڑھ کر ان کے منہ پر ایک ایک زوردار طمانچہ جڑ دیا۔ دونوں کے منہ سے خون نکلنے لگا۔ عنبر نے غصے سے کہا۔ حکم کی تعمیل کرو۔ دونوں نے جلدی جلدی قاتلوں کو رسیوں سے باندھنا شروع کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے دونوں کی مشکیں کس دیں۔ عنبر نے کہا۔ یہ دونوں قانون کے مجرم ہیں اور اسکی امانت ہیں۔ واپس لے جا کر انہیں زندہ قانون کے حوالے کرنا ہو گا۔ اب تم دونوں میں سے ایک دوسرے کی مشکیں کس دے۔ لہٰذا ڈر کے مارے فوراً ایک ساتھی نے دوسرے

ساتھی کی مشکیں کس دیں۔ باقی اب صرف ایک رہ گیا۔ عنبر
آگے بڑھا ایک رسی لے کر عنبر نے اپنے ہاتھوں سے اس کی
بھی مشکیں کس دیں۔ پھر ان چاروں کو گھسیٹ کر ایک طرف
چٹانوں کے درمیان ڈال دیا اور اس کے بعد اوزاروں سے
کشتی کی مرمت شروع کر دی اور سورج غروب ہونے سے
پہلے پہلے وہ مرمت کے کام سے فارغ ہو چکا تھا۔

عنبر نے سمندر کے پانی سے ہاتھ وغیرہ دھوئے۔ ایک نظر
ان چاروں کو چٹانوں کے درمیان پڑے دیکھا اور پھر اندھیرا
ہوتے ہی وہ سویٹی کے پاس غار میں چلا گیا۔ لیکن
سویٹی کا بستر خالی دیکھ کر وہ پریشان ہو گیا۔ سویٹی
بستر پر موجود نہ تھی۔ جزیرے پر مکمل طور پر سورج
غروب ہوتے ہی اندھیرا چھا گیا تھا اور عنبر کے پاس
روشنی کا کوئی انتظام نہ تھا۔ آسمان تاریک تھا اور چاند
کا بھی کہیں پتہ نہیں تھا۔ ستارے بھی شاید سیاہ
چادر اوڑھ کر سو گئے تھے۔ عنبر بھاگ کر قیدیوں کے
پاس آیا وہ بندھے پڑے تھے اور سویٹی ان کے پاس بھی
نہ تھی۔ اس نے زور زور سے سویٹی کو آوازیں دیں کہ
اگر کہیں آس پاس ہی ہو گی تو آ جائے گی۔ لیکن اس
کی آواز گنبد کی صدا کی طرح پہاڑی پتھروں سے ٹکرا کر

لوٹ آئی۔

عنبر فکر مند ہو گیا کہ شاید یہاں کوئی جنگلی جانور
بھی ہو اور وہ ہی سویٹی کو سوتا دیکھ کر اٹھا لے گیا
ہو یا پھر کوئی درندہ۔ اس خیال ہی سے اسے جھرجھری
سی آ گئی اور وہ اندھیرے ہی میں آوازیں دیتا ہوا سویٹی
کی تلاش میں جزیرے کے اندر کی طرف چل پڑا۔

اب سویٹی پر کیا بیتی، اسے قسمت کا ہیر پھیر
کہنا چاہئے۔ عنبر جب کشتی مرمت کرنے میں مصروف
تھا تو سویٹی نیند سے بیدار ہو گئی اور غار سے باہر
آ گئی۔ باہر عنبر کو مصروف پا کر اس ڈر سے اس نے
عنبر کو نہیں بلایا کہ انکل پھر اسے سو جانے کا حکم
دیں گے اور نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔
اس نے نیند کی حالت میں اپنے ڈیڈی کو بیمار اور ممی
کو فکر مند دیکھا تھا جو اسے یاد کر کے رو رہی تھی
سویٹی کا بھی دل بھر آیا تھا۔ بیدار ہونے کے بعد
وہ بھی عنبر سے چوری روتی رہی۔ آخر جب دل کا
بوجھ ہلکا ہو گیا تو اس نے سوچا چل کر منہ ہاتھ
دھو لوں۔ انکل نے اس حال میں دیکھا تو ناراض ہوں
گے۔ وہ سمندر کے کنارے پانی سے منہ ہاتھ دھونے

لگی ۔ اسی وقت ایک مگرمچھ کنارے پر پڑی ریت میں
موجود تھا ۔ اس نے جو شکار دیکھا تو دبے پاؤں سوہنی کے
پاس پہنچ گیا ۔

جونہی سوہنی اٹھ کر واپس آنے لگی مگرمچھ نے اس
کی ٹانگ منہ میں لے کر پانی میں چھلانگ لگا دی اور
اسے کنارے سے دور لے گیا ۔

جسے خدا رکھے اسے کون چکھے ۔ جونہی وہ سوہنی کو
لے کر تھوڑی دور گیا ایک گھڑیال نے شکار چھیننے کے
لئے اس پر حملہ کر دیا ۔ پھر کیا تھا ۔ دونوں بلاؤں
کے درمیان جنگ چھڑ گئی ۔ سوہنی اس دوران میں
بے ہوش ہو چکی تھی ۔ مگرمچھ نے اسے چھوڑ کر گھڑیال
پر حملہ کر دیا ۔ سمندر کی لہریں اسے بہا کر دور کنارے
پر اُگی ہوئی جھاڑیوں میں لے گئیں اور جھاڑیوں نے اسے
اپنے اندر چھپا لیا اور وہ ان جھاڑیوں میں بے ہوش
پڑی رہی ۔

عنبر اسے تلاش کرتے ہوئے جزیرے کے اندر دور تک
چلا گیا ۔ قاتلوں نے اس کو آوازیں دیتے سن لیا تھا اور
ان کو اندازہ ہو گیا تھا کہ عنبر بچی کی تلاش میں چلا
گیا ہے ۔ انہوں نے تھوڑی دیر انتظار کیا اور پھر ایک

دوسرے کی مدد سے اپنی بندشیں ڈھیلی کرنی شروع کر دیں
وہ اپنے منہ اور دانتوں سے ایک دوسرے کی گرہیں کھولنے
میں مصروف ہو گئے ۔

دوسری طرف گھڑیال نے مگرمچھ کو ختم کر دیا لیکن خود
بھی شدید زخمی ہو گیا اور شکار کو بھول کر اپنی جان
بچانے کے لئے گہرے پانی میں چلا گیا ۔

قاتلوں نے موقع سے پورا فائدہ اٹھایا ۔ کشتی مرمت
ہو چکی تھی ۔ وہ چپ چاپ کشتی کو دھکیل کر پانی میں
لے گئے اور چاروں اس میں بیٹھ کر یہاں سے فرار
ہو گئے ۔

عنبر رات بھر سوہنی کو تلاش کرتا رہا اور پھر جب
مایوس ہو کر واپس آیا تو قاتلوں سمیت کشتی بھی غائب تھی ۔
عنبر بہت پریشان ہوا ۔

فادر لونگ مین

رات کے وقت فادر لانگ مین نے حصار کھینچ کر اس میں
بیٹھ کر کالے علم کا جاپ شروع کر دیا وہ رجنی اور اس کے
خاوند کے متعلق معلوم کرنا چاہتا تھا۔ کہ وہ کہاں ہیں اور ان
کو وہیں اسیر کر کے ان سے پارس پتھر حاصل کرنا چاہتا تھا
ماریا بوتل میں بند سب کچھ دیکھ رہی تھی کہ یہ ظالم ان
غریبوں کو لوٹنے کے لئے پھر انہیں اسیر کر رہا ہے یہ
کیسے لالچی انسان ہیں جو دوسروں کے حق پر ڈاکہ ڈالنا
برا نہیں سمجھتے۔ جو اپنے مفاد کی خاطر انسانی زندگیوں سے
کھلونوں کی طرح کھیلتے ہیں بے چاری رجنی نے شادی
کے بعد ایک دن بھی سکھ کا نہیں گزارا۔ یہ دولت کیا چیز
ہے انسان کے پاس نہ ہو تو بھی وہ مصیبت میں مبتلا رہتا
ہے اور اگر ہو تو بھی مصیبت چہرے بدل بدل کر اس کا
سکون برباد کر دیتی ہے۔

فادر لونگ مین اپنے جاپ میں کھویا ہوا تھا۔ صلیب

مقدس اب بھی بوتل کے پاس پڑی ہوئی تھی لیکن شیشے کی اس
بوتل کو توڑ کر باہر آنا ماریا کی طاقت سے باہر تھا۔ پھر لکڑی
کا صندوق کا ڈھکنا کسی سیٹی کی آواز سن کر کھلا اور بدمعاشوں کا
وہ ساتھی جو صلیب لے کر آیا تھا اور جانے کی بجائے صندوق
میں چھپ گیا تھا۔ چپ چاپ بغیر کوئی آہٹ کئے باہر نکلا
اور اس نے جا کر باہر کا دروازہ آہستہ سے کھول دیا۔ بدمعاش
ایک ایک کر کے کمرے میں داخل ہوتے چلے گئے۔

ماریا یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی اور خوش ہو رہی تھی کہ
دوسروں کو برباد کرنے والا خود بھی بربادی کے چنگل میں
پھنس گیا ہے۔

فادر لونگ مین نے زور سے کہا

اے زمین! ان دونوں کے پاؤں پکڑ لے۔

پھر اس نے قہقہہ لگایا جو اس خاموشی میں بہت بھیانک
معلوم ہوا۔ اس کی آنکھیں خون کی طرح سرخ ہو رہی تھیں
اور چہرہ سیاہ ہو گیا تھا۔ سر اور جسم کے بال کھڑے ہو گئے
تھے پھر اس نے کہا

اے الو کے سر اور بکرے کے جسم والے غلام حاضر
ہو جا۔

پھر سامنے ایک ہیولا سا نمودار ہوا اور اس نے الو کے سر

اور بکرے کے جسم والی صورت اختیار کر لی اس کے ہاتھ انسان
کے تھے اور کافی لمبے تھے۔ قد گھوڑے کے برابر تھا اور
سارے جسم پر انسانوں کی طرح بال تھے۔ لیکن یہ بال موٹے
اور کانٹوں کی طرح سے کھڑے تھے۔ چونچ کافی لمبی تھی اور
وہ دیدے گھما گھما کر فادر کو دیکھ رہا تھا۔ چھپے ہوئے
بدمعاشوں نے اسے دیکھ کر کپکپی محسوس کی۔

فادر نے کہا

وہ سوان ندی کے کنارے جنگل میں گولر کے درخت کے
نیچے کھڑے ہیں اور زمین نے میرے حکم سے ان کے پاؤں کو
جکڑ رکھا ہے جا اور جا کر ان سے پارس پتھر چھین کر میرے
پاس لا۔

اس بلا کا جسم پھر ہیولے میں تبدیل ہو گیا اور پھر وہ ہیولا
بھی غائب ہو گیا۔

بدمعاشوں نے خوشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور
اپنے خنجروں پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔

ماریا دل ہی دل میں کہہ رہی تھی

فادر فکر نہ کرو تم جیسے فرعون کے لئے خدا وند نے موسیٰ
کو بھیج دیا ہے۔ یہ پارس پتھر تم سب کو قبروں میں پہنچا کر
دم لے گا۔

ہنٹ کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں جس
کے لئے وہ سات جنموں سے در بدر کی خاک چھان رہے
تھے وہ ایک دفعہ پھر ان کے قبضے میں آنے والی تھی اسے یہ
چند لمحے گھنٹوں کی صورت نظر آ رہے تھے۔

ہیولا ایک دفعہ پھر کمرے میں نمودار ہوا اور پھر اسی نے
اسی بلا کی صورت اختیار کر لی اس کے لمبے لمبے ہاتھوں میں
پارس دبا ہوا تھا اور اس نے پتھر کو فادر کے قدموں میں لا
کر رکھ دیا۔

فادر لانگ مین نے خوشی سے ایک چیخ ماری اور پارس کو
اٹھا کر چوم لیا۔

ماریا ایک دفعہ پھر اپنی بے بسی پر پریشان ہو گئی۔ وہ
بے بس تھی اور رجنی کی مدد کرنے سے مجبور تھی۔

فادر پارس پتھر کو ہاتھ میں لئے خوشی سے دیوانہ ہو رہا تھا
پھر اس نے بلا کی طرف دیکھ کر کہا

جا اب مجھے تیری ضرورت نہیں

بلا ہیولا بن کر پھر غائب ہو گئی اور فادر لانگ مین حصار
سے باہر نکل آیا۔

اسی وقت کا ہنٹ اور اس کے ساتھیوں کو انتظار تھا کیونکہ
حصار کے اندر وہ فادر پر حملہ نہیں کر سکتے تھے۔ دوسرا فادر

اسی وقت اس بلا کو بُلا سکتا تھا۔ لیکن حصار ختم کرنے کے بعد
کسی طاقت کو بلانے کے لئے پھر لمبے چوڑے جاپ کی ضرورت
ہوتی ہے۔

فادر نے حصار سے باہر نکل کر ماریا کی بوتل کی طرف دیکھ
کر کہا

آج میں قارون سے بھی زیادہ دولت مند ہوں میں چاہوں
تو دنیا جہاں کے لوہے کو سونا بنا دوں اب ہم یہاں نہیں
رہیں گے۔ فادر نے بوتل اٹھا کر چلنے کی تیاری کی ہی تھی کہ
چاروں طرف سے بدمعاشوں نے نکل کر اسے گھیر لیا۔

ہنٹ نے کہا

فادر! ہنٹ اتنا بے وقوف نہیں کہ تمہیں راز بتا دینے کے
بعد تمہیں آزاد چھوڑ دیتا۔ اپنی مٹھی میں دبی ہوئی موت
میرے حوالے کر دو اور زندگی کو لے کر کہیں اور یہاں
سے چلے جاؤ۔

فادر نے کہا نہیں یہ پارس پتھر میرا ہے ایسا نہیں ہو سکتا
یہ پتھر میرا ہے۔

ہنٹ نے کہا تمہارے باپ کا ہے خبیث بوڑھے یاد
رکھ تیری موت اتنی بھیانک ہو گی کہ زمین و آسمان تھرا کر
رہ جائیں گے۔ پارس میرے حوالے کر دے۔

فادر نے بھاگنے کی کوشش کی پھر کیا تھا ہنٹ کی ٹانگ
چل گئی اور فادر اوندھے منہ جا کر گرا پارس کو تو اس نے
مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ لیکن ماریا والی بوتل ہاتھ سے
گر کر ٹوٹ گئی۔ بدمعاش گدھوں کی طرح فادر پر
ٹوٹ پڑے۔

ماریا آرام سے بوتل سے نکلی زمین پر پڑی صلیب مقدس
کو اُٹھا کر چوما اور گلے میں پہن لیا اس کا قد اپنی اصلی حالت
میں آ گیا اور اس کی طاقت دوبارہ بحال ہو گئی اور وہ
آرام سے کرسی پر بیٹھ کر زندگی اور موت کی اس جنگ کو
دیکھنے لگی جو لالچی اور دغاباز انسانوں میں ہو رہی تھی
وہ کتوں کی طرح لڑ رہے تھے۔

آخر بدمعاشوں نے اپنے خنجروں سے فادر کے جسم پر کئی
جگہ زخم لگائے اور فادر کسی جنگلی بھینسے کی طرح زمین پر آ گرا
جیسے ذبح کرنے کے لئے قصائی اس کے پاؤں میں رسی کا پھندا
ڈال کر گرا لیتے ہیں۔

پھر ہنٹ نے اپنا خنجر اس کی شہ رگ پر پھیر دیا اور اسے
ذبح کر دیا۔ فادر تڑپ کر ختم ہو گیا اور ہنٹ نے اس کی بند
مٹھی سے پارس پتھر نکال لیا اور خوشی کا ایک نعرہ لگاتے ہوئے
کہا دوستو! آخر ہم نے پارس حاصل کر ہی لیا۔ پھر ہنٹ نے

پارس پتھر کو اپنے قبضہ میں کر کے کہا۔ چلو دوستو اب ہم یہاں
سے چلیں۔

ایک ساتھی نے کہا

سردار ابھی یہ جنگ ختم نہیں ہوئی اصل جنگ تو اب شروع
ہوئی ہے۔

ہنٹ نے کہا کیا مقصد ہے تمہارا۔

ساتھی نے کہا

مقصد یہ ہے سردار! ہم سب ایک دوسرے کی خصلت
سے واقف ہیں۔ اور ہمیں ایک دوسرے پر بھروسہ بھی نہیں ہے
اور ہونا بھی نہیں چاہیئے اس لئے کہ ہم سب چور ہیں۔

ہنٹ نے نفرت اور غصے سے کہا پھر اب تم کیا چاہتے
ہو۔

ساتھی نے خنجر کو ہوا میں لہراتے ہوئے کہا مجھے تم پر
اعتماد نہیں پارس میرے پاس رہے گا۔

ہنٹ نے آگے بڑھ کر اس کے جبڑے پر ایک مکا جڑ
دیا پھر کیا تھا دونوں میں باقاعدہ لڑائی شروع ہو گئی۔ اور
دونوں نے اپنے خنجروں کا آزادانہ استعمال شروع کر دیا۔

ہنٹ طاقت ور اور تجربہ کار استاد تھا اس نے جلدی
ہی اپنے ساتھی کو ختم کر دیا اور اب اس کی لاش بھی فادر

ی کے پاس ہی پڑی تھی جو خون میں لت پت تھی۔

ٹ نے بقایا ساتھیوں سے کہا

و اب چلیں۔

لیکن آج اس نے ساتھیوں کے بدلے ہوئے چہرے
ر سمجھ لیا کہ اس پرانی دولت کو ہضم کرنا اتنا آسان
ں ہے۔

پھر اس نے خود ہی اعلان کر دیا

ساتھیو!

جو تم لوگوں کے دل میں ہے میں نے تمہارے چہروں
ے پڑھ لیا ہے۔ ہمیں ایک دوسرے پر اعتماد نہیں ہے
ا پتھر کو حاصل کرنے کے لئے ہم سب نے جدوجہد کی
ے۔ اس لئے سب اس کو اپنا حق سمجھتے ہیں اس کا واحد
لاج ایک ہی ہے کہ یہ پارس پتھر کسی طاقت ور ہاتھ میں
چلا جائے۔ میں تم کو دعوت دیتا ہوں اب جس میں طاقت اور
ت ہے اسے مجھ سے حاصل کرے۔

پھر ایک ایک کر کے سب ساتھیوں نے ہنٹ کا مقابلہ
کیا اور سارے ہی اس کے ہاتھوں ختم ہو گئے۔

اب وہ تنہا رہ گیا تھا اور زخموں سے چور تھا۔ لاشوں کو

دیکھ کر اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا تھا اس نے پاگلوں کی طر
قہقہے لگاتے ہوئے کہا
آخر میں نے پارس حاصل کر ہی لیا پھر اپنے لہو میں ڈوبے
خنجر کو چوم کر کہا یہ سب تیری بدولت ہے تو میرا وفادار سا
ہے میں سب سے پہلے تجھے سونے کا بنا دوں گا۔
ماریا اس دیوانے کو دیکھ رہی تھی۔ ہنٹ نے اپنے خنجر
اپنی خون آلود قمیض سے صاف کیا اور اسے پارس پتھر پر رگڑ
لیکن یہ کیا یہ لوہے کا بنا خنجر تو جوں کا توں ہی رہا
ہنٹ کے ہاتھ حیرت اور کمزوری سے کانپ رہے
اس کے جسم سے کافی خون بہہ گیا تھا۔ اس نے پھٹی ہوئی آنکھ
سے پارس پتھر کو دیکھا۔ پھر اپنے چاروں طرف بکھری ہوئی سا
کی لاشوں کو دیکھا اور چیخ مار کر کہا
یہ تو نقلی ہے اس کا مطلب ہے کہ اصلی تو رجنی کے پاس
ہی ہے اس نے اپنے آپ کو اندھیروں میں گم ہوتے ہوئے دیکھ
اور چکرا کر وہیں گر گیا اور اپنے ساتھیوں سے جا ملا۔
ماریا نے دکھ کے ساتھ ان انسانی لاشوں کو دیکھا۔ جنہیں
نہ کفن اور نہ ہی کوئی قبر نصیب ہوئی تھی اور یہ لالچی انسان
اپنے انجام کو پہنچ گئے تھے۔ ماریا خوش تھی کہ حق حقدار وں
کے پاس ہی ہے۔

ری طرف نادر کے مرتے ہی اس کا طلسم ختم ہو چکا تھا
اور اس کا خاوند گولاشی اپنے اصلی پارس پتھر کو لے
نے وطن روانہ ہو چکے تھے۔
ریا اس قبرستان نما مکان سے باہر نکل گئی جہاں کئی انسانی
خون میں لت پت پڑی تھیں اور اب وہ ایک دفعہ پھر سوچ
تھی
راجا نے عنبر اور ناگ کہاں ہیں۔

ناگ کو سزا

ساون بھادوں کا مہینہ تھا۔ آج صبح ہی سے آ
کو کالے بادلوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ ناگ کلاوتی او
کے خاوند سے رخصت ہو کر شہر میں عنبر اور ماریا
تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ رام نگر ایک چھوٹا سا شہر
جلد ہی ناگ نے اس کے چاروں کھونٹ گھوم گھام
دیکھ لیا لیکن نہ تو کہیں ماریا کا پتہ تھا اور نہ ہی
کا نشان۔ ناگ کو دونوں کی یاد شدت سے ستا رہی
تھی۔ ان کو بچھڑے ہوئے بھی تو کافی عرصہ ہو چکا تھا۔
آخر تھک ہار کر ناگ پرندہ بن کر اڑا اور اس نے
رام نگر کو خیر باد کہا۔ کچھ روز تک ماریا اور عنبر کے
خیالوں میں ہی کھویا ہوا پرواز کرتا رہا۔ لیکن اب ہ
میں کافی تیز آ چکی تھی اور بادل بھی گرجنا شروع ہو
گئے تھے۔ جس کی وجہ سے ناگ کو پرواز میں خا
دشواری محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے سوچا اگر وہ

جلدی زمین پہ نہ اتر گیا تو خدا جانے تیز ہوائیں
اسے اڑا کر کہاں لے جائیں۔ ناگ نے زمین پر نظر کی تو
اسے تھوڑی ہی دور آبادی نظر آ گئی۔ اب بجلی بھی
زور زور سے کڑکنی شروع ہو گئی تھی اور اس کے
ساتھ ہی بوندا باندی کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا
لہٰذا ناگ نے جلدی سے اس آبادی کو غنیمت جان
کر نیچے غوطہ لگایا۔ ویسے بھی رات کافی ہو چکی تھی۔
اس لئے ناگ آبادی سے باہر اترنے کی بجائے شہر کے
اندر ہی اتر گیا۔

تمام شہر میں ہُو کا عالم تھا۔ ایسے موسم میں جب کہ
رات بھی کافی ہو چکی تھی کون باہر نکلنے کی مصیبت
مول لیتا۔ بارش اب تیزی سے شروع ہو چکی تھی اور
ہوا نے آندھی کی صورت اختیار کر لی تھی۔ ناگ جلدی
سے ایک گلی میں اُتر گیا اور اپنے آپ کو انسان میں
تبدیل کر لیا۔ شہر کی گلی میں ابھی تک کچھ گھروں میں
چراغ روشن تھے۔ ناگ نے اندازہ لگایا کہ یا تو یہ وہ
لوگ تھے جو رات دیر سے سونے کے عادی تھے یا
پھر وہ غریب لوگ تھے جن کی چھتیں تیز بارش کی
وجہ سے ٹپکنا شروع ہو گئیں تھیں اور وہ اپنے بچوں

کو اس مرغی کی طرح جس کے چوزے ابھی چھوٹے
ہوں اس مصیبت سے بچانے کے لئے اپنے پروں میں
چھپائے چھپائے پھر رہے تھے ۔

ناگ تیزی سے پناہ کی تلاش میں بارش میں بھیگتا
ہوا جا رہا تھا ۔ اسے ایک بوسیدہ اور چھوٹے سے مکان
سے بچوں کے رونے کی آوازیں سنائی دیں ۔ اس کے قدم
وہیں رک گئے ۔ اس نے سوچا ضرور اس کنبے پر جو اس
گھر کے مکین ہیں ۔ کوئی مصیبت نازل ہو گئی ہے جو بچے
رو رہے ہیں ۔ اس نے از راہِ ہمدردی یہیں پناہ
لے کر ان کی مدد کے خیال سے دروازے پر دستک دی ۔
پہلی بار تو یہ کوشش بچوں کے رونے کی آواز میں ہی
دب کر رہ گئی ۔ لیکن دوبارہ دستک دینے پر کسی نے بچوں
کو ڈانٹ کر خاموش کروایا اور دروازے پر آکر پوچھا کون
ہے ؟

ناگ نے جواب دیا ۔ بھائی ایک مسافر ہوں ۔ بارش سے
بچنے کے لئے پناہ چاہتا ہوں ۔

وہ وقت اچھا تھا ۔ انسان بھی اتنے گمراہ نہیں ہوئے
تھے ۔ نیکی اور ثواب کرنے کی جستجو میں رہتے تھے ۔ ایک دوسرے
کے لئے ہمدردی اور محبت کا جذبہ موجود تھا ۔ وہ لوگ

آج کے انسان سے بہت بہتر تھے جو انسان کی موت پر
شادیانے بجانے میں بھی خفت محسوس نہیں کرتا ۔ جو مرتے ہوئے
انسان کے منہ میں پانی کا گھونٹ ڈالنے کی بجائے نظر
بچا کر دنیاوی کاموں میں مصروف ہو جاتا ہے ۔ جونہی ناگ
نے کہا مسافر ہوں ، بارش سے پناہ چاہتا ہوں ۔ فوراً دروازہ
کھل گیا اور دروازے پر کھڑے ہوئے اس غریب آدمی نے اپنا
دکھ درد بھلا کر مسافر کو خوش آمدید کہا ۔ فوراً مہمان کو
میاں بیوی نے اپنا بستر پیش کر دیا جس میں سے اخلاق
کی خوشبو آ رہی تھی ۔ اور کہا مجھے افسوس ہے میرے
بھائی اس وقت گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہیں ورنہ آپ
کی خدمت میں پیش کر دیتا ۔ غریب آدمی ہوں آپ کی خاطر خواہ
خدمت میں اگر کوتاہی ہو تو معاف کر دیں ۔

ناگ اس شخص کے اخلاق سے بہت متاثر ہوا ۔ اور
چارپائی پر لیٹ گیا اور اپنی آنکھیں بند کر لیں ۔ جونہی بچوں
نے پھر رونا شروع کیا اس آدمی نے ان کو سرگوشی میں
ڈانٹا اور کہا خاموش رہو مسافر کے آرام میں خلل پڑے گا ۔
خدا جانے کتنی مسافت طے کر کے آیا ہے ۔ جس کی وجہ سے
جلدی ہی آنکھ لگ گئی ہے ۔

بچوں نے کہا "بابا اب بھوک برداشت نہیں ہو رہی

صبح سے بھوکے ہیں ۔"

ماں نے کہا ۔" میرے جگر کے ٹکڑو ماں تم پر واری ۔ صبر سے کام لو ۔ بھگوان کوئی اسباب پیدا کر دے گا ۔ کیا تم نے نہیں سنا صبر کرنے والوں کی فریاد بھگوان ضرور سُن لیتا ہے ۔"

ناگ کو یہ سُن کر بے حد افسوس ہوا کہ بچے بھوکے ہیں ۔ وہ کروٹ لے کر اٹھ بیٹھا اور آدمی سے جس کا نام جیون رام تھا مخاطب ہو کر کہا ۔ بھائی آپ کے بچے بھوکے ہیں ۔ مجھے کوئی خدمت بتائیں ۔ میں ان معصوموں کو بھوکے نہیں سونے دوں گا ۔ میں ابھی جا کر کچھ کھانے پینے کو تلاش کر کے لاتا ہوں ۔

جیون رام نے کہا رات کافی ہو گئی ہے اور پھر بارش کا طوفان زوروں پر ہے ۔ ایسے میں آپ کہاں جائیں گے اور پھر اس وقت کونسی دکان کھلی ہو گی جہاں کچھ مل سکے ۔ آپ تھکے ہوئے ہیں آرام کریں ۔ مجھے افسوس ہے ان ناسمجھوں نے آپ کی نیند میں خلل ڈال دیا ۔

ناگ نے کہا ایسا نہ کہیں بھلا بچے بھوکے پیٹ بلبلا رہے ہوں تو کون پتھر دل انسان برداشت کر سکتا ہے ۔ میں ابھی گیا اور ابھی کچھ کھانے کو لے کر آیا ۔ ناگ نے

بچوں کو جو چار عدد تھے اور چھوٹے تھے پیار سے کہا اب رونا نہیں میں تمہارے لئے کھانے کو لے کر آتا ہوں ۔ پھر ناگ میزبان کے منع کرنے کے باوجود بارش میں ہی باہر چلا گیا ۔

ناگ نے گھوم پھر کر تمام جگہ دیکھا ۔ دکانیں بند ہو چکی تھیں اور لوگ اس طوفانی رات میں اپنے گھروں میں پناہ لے چکے تھے ۔ ناگ کے دل پہ بڑا بوجھ تھا کہ بھوکے بچے رو رہے ہوں گے ۔ آخر تلاش کرتے کرتے ناگ کو ایک دکان نظر آگئی جہاں چراغ جل رہا تھا اور اس کے آگے ایک ٹاٹ کا پردہ جھول رہا تھا ۔ شاید اس دکان کا کوئی دروازہ ہی نہ تھا ۔ اندر ایک کونے میں ایک چارپائی پر ایک آدمی پڑا کھانس رہا تھا ۔

ناگ نے جھانک کر دیکھا یہاں ایک ٹوکرے میں بھنے ہوئے چنے اسے نظر آئے ۔ یہ کسی بساتی کی دکان تھی جہاں مختلف قسم کی اشیاء کے ساتھ ہی دکاندار نے بچوں کے لئے چنے وغیرہ بھی رکھے ہوئے تھے ۔

ناگ نے آواز دے کر کہا ۔" ارے بھائی جاگ رہے ہو تو مہربانی کر کے مجھے کچھ سودا دے دو ۔"

آدمی نے کھانستے ہوئے کہا ۔" آدھی رات کو سودا لینے

آئے ہو یا لوٹنے ۔ ڈاکو ہو تو یہ سمجھ کر لوٹ جاؤ کہ
میرے پاس نقدی میں کچھ نہیں ہے ۔ بیمار آدمی ہوں
اور زندگی کے دن پورے کرنے کے لئے یہ تھوڑا سا
سودا سلف بیچ کر گزر کر رہا ہوں ۔"

ناگ نے کہا ۔" بھائی میں ایک شریف آدمی ہوں دوسرے
شہر سے آیا ہوں ۔ بارش کی وجہ سے دیر ہو گئی ہے ۔
میرے بچے بھوکے ہیں ۔ ان کے کھانے کا کچھ سامان ہے
تو دے دو ۔"

آدمی اطمینان کرنے کے بعد کہ کوئی چور ڈاکو نہیں ،
کھانستے کھانستے اٹھا اور کہا اندر آجاؤ باہر کیوں بھیگ
رہے ہو ۔ ناگ اندر چلا گیا ۔ دکاندار نے کہا میرے پاس
چنے ہیں یہ لے جاؤ اور گڑ بھی ہے ۔ تمہارے بچے گڑ
اور چنے کھا کر خوش ہو جائیں گے ۔

ناگ نے کہا ۔ جلدی سے دے دو ۔

دکاندار نے چنے اور گڑ ناگ کو دیئے ۔ ناگ نے اپنی
جیب سے سونے کا سکہ نکالا اور دکاندار کو دیا ۔

دکاندار کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں ۔ اس نے
سونے کے سکے کو چراغ کے پاس لے جا کر دیکھا ۔ پھر ناگ
کی طرف دیکھ کر کہا ۔" مجھ سے کیوں مذاق کرتے ہو یہ تو

سونے کا سکہ ہے اور مجھے چند ٹکے درکار ہیں ۔ میں نے
تو پہلے ہی تمہیں بتا دیا ہے بیمار آدمی ہوں ۔ زندگی کے
دن پورے کر رہا ہوں ۔ یہ سامان ہی میری کل پونجی
ہے ۔ پیٹ کی روٹی ہی ٹھیک سے نہیں چل رہی اس
لئے علاج سے بھی محروم ہوں ۔ اس کا بقایا کہاں سے
لا کر دوں ۔"

ناگ کو بہت دکھ ہوا کہ ایک انسان بغیر علاج کے
ہی موت سے لڑ رہا ہے ۔ ناگ نے کہا ۔" بابا کیا آپ
کی کوئی اولاد نہیں ۔"

سب کچھ تھا بیٹا ۔ بیوی چند مہینے ہوئے مر گئی ۔ بیٹا
تھا جس کی شادی کر دی ۔ اس کی بیوی اس کے کان
بھرتی رہی ۔ بیٹا اپنی ماں اور باپ سے نفرت کرنے لگا
اور ایک روز لڑ کر یہاں سے سسرال چلا گیا ۔ ایک ہی لڑکا
تھا ۔ ماں کو جدائی کا اتنا دکھ ہوا کہ چند روز بستر پر
پڑی روتی رہی اور آخر مر گئی ۔ میں زندگی کے دن پورے
کر رہا ہوں ۔"

ناگ نے کہا ۔" بابا آپ یہ سکہ رکھ لیں ۔ مجھے اپنا
بیٹا سمجھیں اور اس سے علاج کروائیں ۔ موت تو برحق ہے
آنی ہی ہے ۔ لیکن موت سے پہلے ہی کیوں مرتے ہو

اپنا علاج کرواؤ۔" پھر ناگ اسے حیرت میں ڈوبا چھوڑ
کر چنے اور گڑ لے کر وہاں سے چلا گیا اور بوڑھے کی
آنکھ میں محبت کے آنسو چھوڑ گیا۔

ناگ جلدی سے واپس پہنچا اور اس نے چنے اور گڑ
دیتے ہوئے میزبان سے کہا کافی تلاش کے بعد یہی کچھ
مل سکا ہے۔ بچوں کو دیں۔ رات تو گذر ہی جائے گی
صبح سارا انتظام ہو جائے گا۔

میزبان جیون رام اور اس کی بیوی نے دعائیں دیتے
ہوئے چنے اور گڑ بچوں میں بانٹ دیا جو خوش ہو کر
کھانے لگے اور پھر جب پیٹ کی آگ بجھ گئی تو اپنی ماں
کے پہلو میں پڑ کر سو گئے۔

طوفان تھم گیا تھا۔ ناگ نے اس بات سے اندازہ
لگایا تھا کہ چھت ٹپکنی بند ہو گئی تھی۔ پھر سورج کی
پہلی کرن کے ساتھ ہی سارا گھر بیدار ہو گیا اور اب
پھر بھوک کا مسئلہ ہی درپیش تھا۔ بچے پھر ماں باپ کا
منہ تک رہے تھے اور دونوں میاں بیوی اس بات پہ
پشیمان تھے کہ اب مہمان کو ناشتے میں کیا کھلائیں گے۔

ناگ نے بیدار ہو کر منہ ہاتھ دھویا اور آکر جیون رام
کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ ناگ اس کی شکل ہی سے سمجھ گیا
تھا کہ مفلسی نے اس گھر میں اپنا ڈیرہ جما رکھا ہے۔
رام شرم سے سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔

آخر ناگ نے ہی اس خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔
"میرے بھائی میں اس خاموشی کا مطلب سمجھ گیا ہوں۔ یہ
بتاؤ کام دھندا کیا کرتے ہو۔ گھر کی یہ حالت کیوں ہو گئی
ہے۔ مجھے اپنا بھائی سمجھو۔ مجھے بتاؤ تم کس مصیبت سے
دوچار ہو۔"

جیون رام نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر ناگ کی
طرف دیکھا اور کہا مسافر کیا کرو گے سن کر۔ یوں سمجھ لو
ہمارے بھاگ میں یہی لکھا تھا جو ہو رہا ہے۔ اپنے پہلے
جنم میں جو پاپ کئے تھے ان کی سزا بھگت رہا ہوں۔
ناگ نے کہا "مجھے بتانے میں کوئی حرج ہے تو رہنے دو۔"
جیون رام نے کہا۔ "ناراض مت ہو میرے بھائی۔ یوں سمجھ
لو میں کھیل تماشے دکھا کر ہی روزی کماتا ہوں۔ میرے اس
کاروبار میں میری جوان بیٹی سرسوتی کا بڑا دخل تھا۔ میں
کھیل تماشے دکھاتا تھا اور وہ ناچ گا کر میرا ساتھ دیتی تھی
گذر اوقات ہو رہی تھی۔ بچی جوان تھی۔ ایک دن کسی
سوداگر بچے کے دل کو بھا گئی۔ سرسوتی نے بھی اسے پسند
کر لیا۔ میں نے بیٹی کو سمجھایا کہ محفل میں ٹاٹ کا

بیوند نہیں لگایا جاتا۔ وہ امیر باپ کا بیٹا ہے۔ تیرا اس کا
کوئی جوڑ نہیں۔ لیکن وہ نہ مانی۔ آخر مجبور ہو کر
سوداگر بچے کے ساتھ میں نے بیٹی کی شادی کر دی۔"
جیون رام نے ٹھنڈی سانس لی اور خاموش ہو گیا۔
ناگ نے کہا۔" یہ تو بڑا اچھا ہوا۔ تم اپنے فرض
سے سبکدوش ہو گئے۔ بیٹی کو آخر بیاہنا ہی تھا۔"
جیون رام نے کہا۔" فرض سے سبکدوش تو ہو گیا لیکن
وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ سوداگر بچے نے چند ماہ
بعد اسے ٹھکرا دیا تو واپس آنے کی بجائے اس نے
خودکشی کر لی اور جان دے دی۔ پہلے میں سمجھتا تھا کہ
لوگ میرے کھیل تماشوں کو دیکھ کر مجھے پیسے دیتے ہیں۔
لیکن اب معلوم ہوا لوگ سرسوتی کے ناچ گانے سے متاثر
ہو کر مجھے پیسے دیا کرتے تھے۔ کیونکہ کھیل تماشے تو میں
ہر روز دکھانے جاتا ہوں۔ اب کوئی منہ اٹھا کر بھی میری
طرف نہیں دیکھتا۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کا پیٹ پالنا مشکل
ہو گیا ہے۔ کوئی اور کام مجھے آتا نہیں میرے باپ دادا
بھی اسی طرح روزی کماتے تھے۔ لیکن شاید وہ زمانہ اور
تھا۔ اور اس دور کے لوگ کلا کے قدردان تھے۔"
یہ باتیں ابھی ہو ہی رہی تھیں کہ بیوی روتی پیٹتی

ہوئی بچے کو اٹھانے آئی اور کہا۔" دیکھو جی بالک رام
باہر کھیل رہا تھا۔ اسے سانپ نے ڈس لیا ہے۔ دیکھو
کیسی حالت ہو گئی ہے میرے بچے کی۔"
جیون رام بھی بے تاب ہو گیا۔ ناگ کو سانپ کی
حرکت پہ بہت غصہ آیا۔ وہ بچے کو لے کر باہر آیا اور
اس نے سانپ کو سگنل دیا کہ فوراً حاضر ہو۔
سانپ بل کھاتا ہوا اپنے بل سے نکل آیا اور ادب
سے سر جھکا کر ناگ سے کہا۔" دیوتا غلام حاضر ہے۔"
ناگ نے خفا ہو کر کہا۔ تو نے اس بچے کو کیوں
ڈس لیا۔ اس کا زہر چوس لے۔"
سانپ نے ادب سے کہا" گستاخی معاف میرے دیوتا
میں اس کا زہر نہیں چوس سکتا۔ اس نے میرے بل میں
پیشاب کر دیا تھا۔ اس وقت میں دیوی کلاوتی کی عبادت میں
مصروف تھا۔ یہ چلّا میں کئی روز سے کر رہا تھا۔ اس
وقت مہا ناگ رانی کلاوتی نے مجھے درشن دیئے اور اس
کمبخت نے پیشاب کر دیا۔ مہا ناگ رانی دیوی کلاوتی ناراض ہو کر
چلی گئیں اور میں نے اس حرامی کو ڈس لیا۔"
ناگ نے کہا" میں تمہیں حکم دیتا ہوں اس کا زہر
چوس لو۔"

سانپ نے کہا ۔" میرے دیوتا ۔ میں نے مہا ناگ رانی
کلاوتی کے حکم سے اسے ڈسا ہے اور ان کے حکم کے اُوپر
آپ کا حکم نہیں ہو سکتا ۔ وہ مہا ناگ رانی دیوی کلاوتی ہیں
اور ان کا حکم تو آپ پر بھی واجب ہے ۔"
ناگ نے پتھر مار کر اس کا سر کچل دیا اور کہا تیری
یہ ہمت کہ میرے حکم سے انکار کرے ۔ پھر ناگ نے
خود ہی کاٹی ہوئی جگہ پر منہ رکھا اور زہر چوس لیا ۔ بچہ
اچھا ہو گیا ۔

لیکن ناگ کے سامنے مہا ناگ رانی کلاوتی ظاہر ہو گئی ۔
جسے سوائے ناگ کے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا ۔ دیوی نے
ناراض ہوتے ہوئے کہا ۔" ناگ تم نے میرے ایک سیوک اور
اپنے ہم نسل کو مار ڈالا ہے ۔ اس نے میرے حکم سے
اس بچے کو ڈسا تھا ۔ تم نے اسے سزا دے کر میرا اپمان
کیا ہے ۔"

ناگ نے کہا ۔" دیوی مَیں نے ایک دُکھی گھرانے کی مدد
میں سب کچھ کیا ہے ۔ کیا یہ ہمدردی اور انسان کے دُکھ
مصیبت میں اس کے کام آنا پاپ ہے ۔"
دیوی نے کہا ۔" میں مانتی ہوں تم اچھے اور نیک کام
کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہو اور یہ بڑی اچھی بات

ہے ۔ لیکن اس کا یہ بھی مقصد نہیں تم ہمارا اپمان کرو ۔ میں
نہیں سراپ دیتی ہوں ۔ اب اس مداری کی لڑکی بن کر ناچ
گا کر اس کی مدد کرتے رہو ۔ زمین کے اندر تمام خزانے اور
دولت میں نے تمہاری نظروں سے روپوش کر دی ہے ۔ نہ
وہ تمہیں نظر آئے گی اور نہ ہی تم اس میں سے کچھ حاصل
کر سکو گے ۔ اب اس سراپ کو عنبر ہی آ کر اپنی حکمتِ عملی
سے ختم کرے گا ۔"

سمندر کی آنکھ

جہاں عنبر قاتلوں کو ڈال کر گیا تھا، وہاں رسیوں کا ڈھیر پڑا تھا۔ جس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ بندشوں سے آزاد ہو کر کشتی سمیت فرار ہو گئے ہیں۔ اندھیرا چھٹنے لگا تھا اور پو پھوٹ رہی تھی۔ عنبر پتھر پر سر پکڑے بیٹھا تھا۔ عنبر کی حالت اس جواری کی سی تھی جو رات بھر جیتتا رہا ہو اور پھر صبح کے وقت تمام دولت ایک ہی داؤ پر ہار گیا ہو۔

جزیرے پر دن کا اجالا پھیل گیا تھا اور عنبر سوچوں کے سمندر میں غرق تھا کہ اچانک سسکیوں کی آواز سن کر اس نے اپنا سر اٹھایا۔ قریب ہی کھڑی سویٹی سسکیاں لے رہی تھی۔

عنبر نے بھاگ کر اسے سینے سے لگا لیا اور کہا بیٹا تم کہاں چلی گئی تھیں۔

سویٹی نے تمام حال کہہ سنایا اور اصرار کرنے لگی کہ ممی اور ڈیڈی کے پاس لے چلو۔

عنبر نے کہا۔ بیٹا وہ قاتل بھی فرار ہو گئے ہیں اور کم بخت کشتی بھی ساتھ لے گئے ہیں اور اس مقام پر کسی امداد کی بھی توقع نہیں۔ خدا جانے یہ جزیرہ کہاں واقع ہے اور پھر ان چٹانوں کے تو قریب سے بھی کوئی جہاز گزرنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔

سویٹی نے رونا شروع کر دیا اور کہا۔ انکل میں نے خواب میں دیکھا ہے میرے ڈیڈی بیمار ہیں اور ممی مجھے یاد کر کے رو رہی ہیں۔ خدا کے واسطے مجھے میری ممی اور ڈیڈی کے پاس لے چلو۔

عنبر نے کہا بیٹی تم جیسی بہادر لڑکی سے مجھے اس بزدلی کی امید نہ تھی۔ فکر مت کرو۔ انسان کو ہمت نہیں ہارنی چاہیئے۔ کوشش کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا۔ ابھی تو ہم نے دوبارہ ان قاتلوں کو گرفتار کرنا ہے۔ وہ قانون کی امانت ہیں جو مجھ سے کھو گئی ہے۔ مجھے قانون کی امانت اس کے حوالے کرنی ہے۔ وزیرِ اعظم کا خونِ ناحق پکار پکار کر کہہ رہا ہے میرے قاتل آزاد ہیں۔ ان سے میرے خون کا بدلہ لو۔

سویٹی نے کہا۔ لیکن انکل ہم تو کشتی کے بغیر یہاں

سے جا ہی نہیں سکتے۔ قاتلوں کو کیسے گرفتار کرو گے۔

عنبر نے کہا۔ اچھی بیٹی فتح ہمت کرنے ہی سے ملتی ہے
اور پھر سچے انسانوں کی تو خدا خود مدد کرتا ہے۔ میں نے
زندگی میں کبھی بھی اپنے آپ کو بے بس نہیں سمجھا۔ مجھے
اب بھی یقین ہے کہ میں قاتلوں کو گرفتار کر کے قانون کے
سپرد کروں گا۔ تمہیں تمہارے ڈیڈی اور ممّی سے ملوا کر ہی
دم لوں گا۔ انسان کو اپنے اُوپر اعتماد کرنا چاہیئے۔ خود اعتمادی
بہت بڑی دولت ہے۔ میں نے سوچ لیا ہے۔ اس جزیرے
پر کئی بڑے بڑے درخت طوفانوں سے گرے پڑے ہیں۔ کلہاڑی
و دیگر اوزار مع رسیوں کے یہاں موجود ہیں۔ میں ایک عارضی کشتی
بناؤں گا۔ مجھے امید ہے یہاں سے روانہ ہونے کے بعد گہرے
پانی میں ہمیں کہیں نہ کہیں کوئی جہاز ضرور مل جائے گا۔ صحیح
راستے تک جانے کے لئے ہمیں ایک عارضی کشتی کی ضرورت ہے۔
سویٹی نے کہا تو پھر اٹھو انکل وقت ضائع مت کرو۔ میں
بھی آپ کی مدد کروں گی۔ پھر دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔
عنبر نے کلہاڑی کی مدد سے چار درختوں کے موٹے موٹے
تنے برابر کاٹ کر ان کو رسیوں کی مدد سے اچھی طرح باندھ
دیا۔ اور پھر اس چکور سی لکڑی کی چار دیواری کو چھوٹے
شاخوں سے کیلوں کی مدد سے ان کے درمیان جوڑ دیا اور اس

ے لکڑی کی ایک چکور سی کشتی تیار ہو گئی جس کو چلانے
لئے عنبر نے پتوار بھی عارضی قسم کا بنا لیا اور سورج
وب ہونے سے پہلے پہلے اسے پانی میں اتار لیا۔ ساتھ سویٹی
لیا۔

اتفاق کی بات ہے۔ ہوا کافی تیز چل پڑی اور وہ بھی
الٹی سمت میں۔ پھر کیا تھا کشتی تو لہروں پر چلنے کی بجائے
نا شروع ہو گئی۔ کشتی میں سوار سویٹی اپنے معصوم تصور میں
ولی ہوئی اپنے آپ کو اپنے والدین کے درمیان پا رہی تھی۔
ہ پیارا سا گھر۔ اس سے بے پناہ محبت کرنے والے اس کے
یڈی۔ اس کی ہر بات پر قہقہے لگانے والی اس کی ممی اور اب
اس گھر میں انکل عنبر کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ انکل کتنے
چھے ہیں۔ وہ مجھے ڈیڈی کی طرح پیار کرتے ہیں۔ اب میں
انکل کو کہیں نہیں جانے دوں گی اور ضد کر کے انہیں منا
وں گی کہ وہ اب ہمارے ہی ساتھ رہیں۔

عنبر نے سویٹی کو خاموش دیکھا تو کہا کیا بات ہے بیٹی۔ کیا
سوچ رہی ہو۔

سویٹی نے چونک کر کہا انکل آپ نے تو میرا خواب ہی توڑ
یا۔ میں اپنے پیارے گھر کا خواب دیکھ رہی تھی جس میں
ی، پاپا، میں اور آپ سب شامل تھے۔ عنبر نے پیار سے

کہا۔ اب یہ خواب سچ ہونے والا ہے۔ اب ہم اپنی بیٹی کو
اس کے پپا اور ممی کے پاس لے جا رہے ہیں ۔ اچھا یہ تو
بتاؤ سویٹی۔ تمہیں پپا اور ممی میں سے کون زیادہ پیارا ہے
سویٹی سوچ میں پڑ گئی پھر اس نے جواب دیا۔ انکل دونوں
ہی پیارے ہیں۔ کون زیادہ ہے اس کا فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے
انکل ہم کب تک گھر پہنچ جائیں گے۔ عنبر نے کہا بیٹی یہ
حالات پر منحصر ہے۔ دعا کرو ہمیں جلد ہی کوئی جہاز مل
جائے۔ کیونکہ سمندر کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ یہ جتنا پرسکون
نظر آتا ہے اتنی ہی جلدی اس میں طوفان آ جاتے ہیں اور پھر
اس عارضی کشتی کے سہارے معمولی سے معمولی طوفان کا بھی مقابلہ
نہیں کیا جا سکتا۔

سویٹی نے کہا انکل میری دعا تو مقدس باپ سنتے ہی
نہیں۔ میں تو کئی دنوں سے دعائیں مانگ رہی ہوں کہ ہولی
فادر مجھے جلدی سے ممی اور پپا سے ملا دو۔ مگر وہ مجھ
سے ناراض ہو گئے ہیں۔ اب گھر جا کر سب سے پہلے میں گرجے
جاؤں گی اور ہولی فادر کے کینڈل سٹینڈ میں موم بتیاں جلا کر
انہیں راضی کروں گی۔ مقدس ماں کے قدموں میں بیٹھ کر
دعا کرنے سے یسوع خوش ہو جاتے ہیں۔ مقدس ماں مریم
ان کی ماں ہیں نا اور کوئی بھی اپنی ماں کا کہنا نہیں ٹالتا۔ اسی

رح یسوع بھی مقدس ماں مریم کا کہنا نہیں ٹالتے۔
ہوا تیز چل رہی تھی اس لئے کشتی بھی تیزی سے جا
رہی تھی۔ عنبر سویٹی کی پیاری پیاری باتوں سے محظوظ ہو
رہا تھا۔ اس کی ساری توجہ اس معصوم کی باتوں کی طرف
تھی۔ اسے یہ بالکل خبر نہ تھی کہ تقدیر ایک دفعہ پھر ان
کی راہ میں دیوار بن رہی ہے۔ معصوم سویٹی اور اس کی
ماں کے درمیان ایک دفعہ پھر سمندر کا بھنور حائل ہو رہا
تھا۔ جس سے بے خبر عنبر بچی کی باتوں میں کھویا ہوا تھا۔
اچانک عنبر کی نگاہ سمندر کے وسیع سینے کی طرف اٹھ
گئی۔ اس خیال سے کہ شاید کوئی مسافر جہاز اسے نظر آ جائے
لیکن وہ ایک دم یہ دیکھ کر چونک پڑا کہ ان سے تھوڑی ہی
دور قاتلوں کی کشتی سمندر کے سینے پر چکر کاٹ رہی
تھی اور پھر اسے اندازہ لگانے میں دیر نہ لگی کہ وہ
سمندر کے بھنور کے بالکل قریب پہنچ گئے ہیں جب کہ
قاتلوں کی کشتی مکمل طور پر بھنور میں پھنسی چکر کاٹ رہی
ہے۔ اس نے غور سے دیکھا چاروں ساتھی زور لگا کر اسے
بھنور سے نکالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن یہ ان
کے بس سے باہر تھا۔
عنبر نے بڑی کوشش کی کہ اس عارضی کشتی کو کسی صورت

رک کر موڑ لے اور واپس لوٹ جائے۔ لیکن نہ تو اسے
روکنے کے لئے کوئی لنگر تھا اور نہ ہی ہوا اس کے بس
میں تھی جو اسے تیزی سے بھنور کی طرف لے جا رہی تھی۔
اسی کوشش میں عنبر کا پتوار بھی ٹوٹ گیا۔ اور تیز ہوا اس
کشتی کو لے کر بھنور میں پہنچ گئی۔ اب یہ کشتی بھی قاتلوں
کی کشتی کی طرح چکر کاٹنا شروع ہو گئی۔

قاتلوں نے بھی عنبر کو دیکھ لیا تھا۔ لیکن وہ تو خود موت
کے منہ میں تھے اور زندہ رہنے کے لئے جدوجہد کر
رہے تھے۔

عنبر نے ان سے کہا۔ میں رسّی کا پھندا بنا کر تمہاری
طرف پھینکتا ہوں۔ میری کشتی کو بھی اپنی طرف کھینچ لو
اب اگر مرنا ہی ہے تو کیوں نہ سب مل کر زندہ رہنے
کے لئے جدوجہد کر دیکھیں۔

موت کو سامنے دیکھ کر وہ چاروں بھی ساری کدورتیں بھول
گئے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ ٹھیک ہے عنبر تم پھندا
بنا کر ہماری طرف پھینک دو۔ ہم تمہیں مع کشتی کے اپنی
طرف کھینچ لینگے۔ ہو سکتا ہے تمہاری یا اس بچی کی وجہ
سے خدا ہمیں اس موت سے بچا لے۔

عنبر کے پاس کافی رسیاں موجود تھیں۔ اس نے ایک بڑی

سی رسّی کا پھندا بنا کر زور سے کشتی کی طرف پھینکا اور
قاتلوں نے اس کو اپنی کشتی سے باندھ کر عنبر کو اپنی
طرف کھینچ لیا۔ اس طرح عنبر اور سوہنی ایک دفعہ پھر
ان قاتلوں کی کشتی پہ پہنچ گئے۔

عنبر نے کہا تم کب سے اس بھنور میں پھنسے ہوئے ہو۔

قاتلوں نے کہا رات کے پچھلے پہر ہم چاروں آرام
کرنے کی غرض سے سو گئے تھے کیوں کہ خطرے کی کوئی بات
نہ تھی۔ تمہیں ہم بے یار و مددگار جزیرے پر چھوڑ آئے
تھے۔ اس لئے تمہاری طرف سے بھی کوئی خطرہ نہ تھا۔ لہذا سو
گئے اور آنکھ اس وقت کھلی جب ہم اس موت کے چکر میں
پھنس گئے تھے۔ اس وقت ہم سب موت کے منہ میں ہیں
بہتر ہے پرانی رنجشیں بھول کر پہلے اس مصیبت سے نجات
پانے کا کوئی راستہ تلاش کریں۔ زندہ بچ گئے تو پھر دیکھا
جائے گا۔

عنبر نے کہا دوستو میں اس بھنور کا مشکور ہوں کہ تم
سے پھر ملاقات ہو گئی۔ یہ بھنور نہیں سمندر کی آنکھ ہے
جس نے قاتلوں کو پہچان لیا ہے۔ مجھ سے قانون کی امانت کھو
گئی تھی۔ جو دوبارہ مل گئی ہے۔ سمندر کی اس آنکھ کے طفیل۔

ایک قاتل نے کہا تم تو ایسے باتیں کر رہے ہو دوست کر

جیسے تمہیں یقین ہے کہ یہ بھنور ریت کی دیوار ہے جسے تم
اپنی ٹھوکر سے گرا دو گے اور ہم مٹی کے پتلے ہیں جنہیں
آسانی سے اٹھا کر جہاں چاہو گے لے جاؤ گے۔

عنبر نے کہا۔" میں نے اپنے ارادے کے سامنے فولاد کی
دیوار کو بھی کبھی رکاوٹ نہیں سمجھا۔ مجھے اب بھی یقین ہے
کہ میں تمہیں اس بھنور سے نکال کر دوبارہ گرفتار کر لونگا
اور تمہیں قانون کے حوالے کر دوں گا۔"

دوسرے نے کہا۔" ٹھیک ہے پہلے ہمیں بھنور سے نکال
تو لو۔ باقی پھر دیکھا جائے گا۔"

سوئیٹی نے سرگوشی کی۔ انکل مجھے ان سے ڈر لگتا ہے۔

چاروں نے معصوم بچی کی بات سن لی اور پھر ہمدردی
سے کہا۔" بے بی ہم سے نہ ڈرو۔ ہم اب تمہیں کچھ نہ کہیں
گے تم معصوم ہو۔ خداوند تمہاری دعا ضرور سن لیں گے۔
دعا مانگو خداوند تمہاری ہی طفیل ہمیں اس مصیبت سے
نکال دے۔"

عنبر نے کہا۔" صرف دعاؤں سے کچھ نہیں ہوگا۔ کامیابی
کا دروازہ عمل کی چابی سے کھلتا ہے۔"

چاروں نے کہا۔" پھر تم ہی بتاؤ۔ جو تم کہتے ہو ہم کرنے
کے لئے تیار ہیں۔"

عنبر نے کہا۔" میری کشتی سے ساری رسیاں نکال کر
سب کو جوڑ دو ذرا مضبوطی سے۔"

قاتلوں نے کہا۔" اس سے کیا ہوگا؟"

عنبر نے کہا۔" پہلے جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔ اس
کے بعد سوال کرنا۔

چاروں نے رسیوں کے گچھے اٹھا کر ان کے سرے باندھنے
شروع کر دیئے اور تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ اس
کام کو ختم کر چکے تھے۔

پھر عنبر نے کہا۔" میرا خیال ہے کہ یہ بھنور سمندر کی
اوپری سطح کے پانی میں ہے۔ کیونکہ سمندر میں تو پانی کی
لہریں چلتی ہیں۔ مختلف سمتوں میں ان کا بہاؤ ہوتا ہے۔
میں رسی باندھ کر پانی میں غوطہ لگا کر سمندر کی تہ کی
طرف جاتا ہوں۔ اور جہاں اس پانی کی حد ختم ہوتی ہے
اس سے بھی نیچے جا کر معلوم ہوگا کہ وہاں کیا کیفیت ہے
اگر وہ پانی پُرسکون ہوا تو میں اس کے بہاؤ کے ساتھ بھنور
والا علاقہ پار کر لوں گا۔ مجھے اندازہ ہے کہ یہ بھنور کتنے
علاقے میں ہے۔ پھر میں دوبارہ پانی کی سطح پہ آؤں گا۔
جیسا کہ کشتی کے پورے ایک چکر سے تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا
کہ سمندر کا یہ دائرہ کتنا وسیع ہے۔ اس کے پار سمندر پھر

پُر سکون ہے۔ میں اسی پُر سکون سطح پہ اُوپر آ جاؤں گا
اور اسی رسّے کی مدد سے تمہاری کشتی کو اپنی طرف کھینچ
لوں گا۔ یہی ایک صورت ہے اس بھنور کو پار کرنے
کی۔ وہ بھی اسی صورت میں کہ بھنور سے کافی نیچے جا کر
دوسرے پانی کی سطح پُر سکون ہو۔ اگر یہ بھنور سمندر کی تہ
سے شروع ہو کر سطح تک موجود ہے تو پھر اور کوئی راستہ
اس سے بچ نکلنے کا نہیں ہے۔"

سب نے کہا۔ "ہمیں تمہاری رائے سے اتفاق ہے لیکن
کیا تمہارے جسم میں اتنی طاقت موجود ہے کہ تم اس بھنور سے
بھی نیچے تک پہنچ جاؤ۔ اور کافی عرصے تک اپنی سانس
روکے رکھو۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔ "میں تو کئی دن تک پانی کے اندر
رہ سکتا ہوں۔ میری فکر نہ کرو۔"

سویٹی نے رو دینے والے انداز میں کہا۔ "نہیں انکل آپ
ڈوب جائیں گے۔ مجھے اکیلا چھوڑ کر مت جائیں۔"

عنبر نے رسّی اپنی کمر سے باندھی اور سویٹی کو پیار کرتے
ہوئے کہا۔ "اچھی بیٹی میں سب کچھ تمہارے ہی لئے تو
کر رہا ہوں۔ ممّی اور ڈیڈی کے پاس نہیں جاؤ گی۔"

سویٹی نے روتے ہوئے کہا۔ "آپ کی زندگی کے بدلے

میں مجھے پپا اور ممّی نہیں چاہئیں انکل۔ سمندر میں بڑا گہرا
پانی ہوتا ہے۔ آپ ڈوب جائیں گے۔"

عنبر نے اسے تسلّی دیتے ہوئے کہا۔ "نہیں بیٹے اسی لئے
تو میں نے رسّی باندھ لی ہے۔ جب میں ڈوبنے لگوں گا تو
یہ مجھے اُوپر کھینچ لیں گے۔"

قاتلوں نے بھی کہا۔ "دیکھو بیٹی اب تو ہم نے تم سے وعدہ
کر لیا ہے کہ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ عنبر کی طرح ہم بھی
تمہارے انکل ہیں اور چاہتے ہیں تمہیں جلدی سے تمہاری ممّی
اور پپا کے پاس پہنچا دیں۔"

آخر بڑی مشکل سے عنبر سویٹی کو راضی کرنے میں کامیاب
ہوا اور اس نے پانی میں غوطہ لگایا اور بھنور کے چکر میں
گھومتا ہوا نیچے کی طرف اپنا سفر جاری رکھا۔ کافی دیر تک عنبر
نیچے کی طرف سفر کرتا رہا لیکن بھنور کی حد ختم ہونے کا نام
ہی نہ لیتی تھی۔ وہ مایوس ہونے لگا تھا کہ اس نے ایک
شارک مچھلی کو دیکھا جو شاید بھنور میں آ پھنسی تھی اور عنبر کی
ہی طرح وہ بھی بھنور سے نکلنے کے لئے تہ کی طرف سفر
کر رہی تھی۔

شارک نے انسان کی بُو پا کر اپنا منہ عنبر کی طرف کیا
کہ اسے نگل جائے۔ لیکن یہ تر نوالہ نہ تھا۔ اس نے

شارک کے حملے کو ناکام بنا کر اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا کلہاڑا
زور سے اس کی کمر میں گاڑ دیا جسے وہ ایسے ہی موقعے
کے لئے ساتھ لے آیا تھا اور پھر کلہاڑے کو پکڑ کر شارک
کی کمر پر بیٹھ گیا۔

شارک نے غصے میں آکر کافی اچھل کود کی کہ شاید یہ
انسان اس کے جسم سے گر پڑے اور وہ اسے نگل جائے۔
لیکن یہ عام انسان تو تھا نہیں۔ عنبر تھا۔ اس نے کلہاڑا اسی
لئے اس کی کمر میں گاڑ دیا تھا کہ وہ شارک کے چکنے
جسم کو اپنی گرفت میں نہیں لے سکتا تھا۔ فوراً پھسل جاتا۔
لیکن اس نے کلہاڑے کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ جس کی
وجہ سے وہ شارک کی پیٹھ پر سوار تھا۔

جب شارک نے کافی کوشش کے باوجود بھی ناکامی کی صورت
دیکھی تو پھر اپنی پوری طاقت سے تہہ کا سفر شروع کر دیا اور
پھر جلدی ہی اس بھنور کی سرحد پار کر کے پرسکون پانی کی
سطح میں داخل ہو گئی اور خوراک کی تلاش میں پھر پانی کی
سطح پر آنا شروع کر دیا۔

راستے میں چند چھوٹی مچھلیاں اس کی خوراک بھی بنیں
لیکن ان سے اتنی بڑی مچھلی کا پیٹ کہاں بھر سکتا تھا اور
پھر راستے میں ایک قدرے بڑی مچھلی کا پیچھا کرتے ہوئے

اس شارک کا ٹکراؤ ایک ویل مچھلی سے ہو گیا اور دونوں میں
باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔ جس سے فائدہ اٹھا کر عنبر نے اس
کی کمر سے پانی میں چھلانگ لگا دی اور اب وہ تیزی سے
اوپر سطح کی طرف سفر کر رہا تھا اور پھر جلدی ہی جب اس
نے پانی سے سر نکالا تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ وہ
بھنور کو پار کر چکا تھا۔ وہ تو اچھا ہوا رسی ختم نہ ہو گئی
ورنہ یہ کامیابی ممکن نہ تھی۔

چاروں قاتلوں نے جو اسے بھنور کے پار سطح پر دیکھا تو ان
کی جان میں جان آئی۔ ورنہ وہ تو سمجھ بیٹھے تھے عنبر ان سے
بھی پہلے موت سے جا ملا ہے۔

پھر عنبر نے زور لگا کر ان کی کشتی کو اپنی طرف کھینچنا
شروع کر دیا اور آہستہ آہستہ یہ گھومتی ہوئی کشتی اس کے
قریب ہوتی گئی۔ پھر اس سے پہلے کہ سورج غروب ہو کر چاروں
طرف اندھیرا پھیلا دے، عنبر کشتی کو بھنور سے نکالنے میں
کامیاب ہو چکا تھا۔

پُراسرار حویلی

کرسمس کا تہوار شروع ہو چکا تھا۔ شہر میں خرید و فروخت زوروں پر تھی۔ دوکانیں بڑے اہتمام سے ساتھ سجائی گئی تھیں زرق برق لباسوں میں ملبوس مرد اور عورتیں کرسمس گفٹ خرید رہے تھے۔ آرائش اور زیبائش کی دوکانوں پر بھی نوجوان لڑکیوں اور عورتوں کی بھیڑ سب سے زیادہ نظر آرہی تھی۔

ماریا بازار میں گھوم پھر کر رونق دیکھ رہی تھی اور اس کے دل میں بار بار خیال آرہا تھا۔ کہ کاش وہ بھی ان لڑکیوں کی طرح سے نظر آنے والی لڑکی ہوتی اس کے بھائی بہن ماں باپ بھی ہوتے جن کے لئے وہ گفٹ خریدتی۔ لیکن اس بھری دنیا میں اس کا کوئی نہیں۔

آج ناگ اور عنبر اسے بہت یاد آرہے تھے اگر وہ ہوتے تو ان سے ہی باتیں کر کے دل بہلا لیتی یہ کیسی زندگی ہے کہ میں کسی سے بول بھی نہیں سکتی۔ لوگ میری آواز سن کر ڈر

...نے ہیں۔ حالاں کہ خدا نے مجھے بڑی خوب صورت شکل عطا ...ہے اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ان بہت سی خوب صورت لڑکیوں ...سے کسی کو اپنی سہیلی بنا لے لیکن یہ کیسے ممکن تھا۔ بھلا ...ں نظر نہ آنے والی لڑکی کو کون اپنی سہیلی بنانا ...ند کرے گی۔ وہ غم زدہ سی ہو کر ایک طرف بھیڑ کے ...تھ ہی چل دی تھی جو گرجے میں عبادت کے لئے جا ...ہی تھی۔

ماریا نے چند حسین لڑکیوں کے درمیان ایک بہت ہی ...وب صورت لڑکی دیکھی۔ جیسے بہت سے پھولوں کے گلدستے ...یں گلاب کی اہمیت ہوتی ہے ٹھیک اسی طرح اس جھرمٹ ...یں وہ لڑکی ستاروں میں چاند لگ رہی تھی اس لڑکی کا نام ...روز تھا۔

ماریا کو وہ لڑکی بہت اچھی لگی چودہ یا پندرہ برس کی عمر۔ چہرے پر حوروں کی سی معصومیت۔ سنہرے بال جیسے سونے کی بہت سی تاروں کو یک جا کر کے اس کے سر پہ آراستہ کر دیا گیا ہو۔ آنکھوں میں جھیلوں کی گہرائی۔ کمان کی طرح تنے ہوئے ابرو۔ ہیرے کی کنیوں جیسے دانت۔ سرو قد۔ کسی یونانی سنگ تراش کا مجسمہ ہی معلوم ہو رہی تھی۔

ماریا کو اس پر پیار آرہا تھا اس کا جی چاہتا تھا کہ بڑھ کر

اس کی پیشانی چوم لے اور اس سے کہے

میری پیاری بہن! ایک دفعہ اپنے پھول کی پنکھڑیوں جیسے ہونٹ
کھول کر مجھے باجی کہہ کر پکارو۔

لیکن اسے احساس تھا کہ ایسا نہیں ہو سکتا اگر میں نے
اسے بلانے یا چھونے کی کوشش کی تو وہ شگفتہ پھول
خوف کے مارے مرجھا جائے گا۔ وہ اپنے دل پر
صبر کا پتھر رکھ کر اس کے پیچھے پیچھے گرجے میں
داخل ہو گئی۔

آج پہلی بار ماریا نے یسوع کے مجسمے کے سامنے
جھک کر اپنے آنسوؤں کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے کہا
فادر! یہ زندگی کس کام کی ہے تنہا اداس اور صحرا کی طرح
ویران فادر میرا جسم مجھے لٹا دو۔ اس کے کانوں میں عبادت
کے گیت کی آوازیں آ رہی تھیں جیسے تمام لوگ پادری کی
آواز میں آواز ملا کر گا رہے تھے۔ لیکن اب اس کا دھیان
فادر کے چہرے کی طرف تھا اسے محسوس ہوا کہ فادر کا
ہنستا ہوا چہرہ اسے رنجیدہ دیکھ کر غمگین ہو گیا ہے اسے
اپنے کانوں میں رس گھولتی ہوئی آواز سنائی دی۔

ماریا تم تو وہ سایہ دار درخت ہو جو ماں کی ممتا کی طرح
اپنا دامن پھیلائے کھڑا ہے اور جس کے مہربان سائے تلے

[...]م اور دکھی انسانیت پناہ لیتی ہے جو خود سورج کی پوری
[...] برداشت کرتا ہے لیکن اپنے سائے تلے آنے والے
انسانوں تک اس کی کرن نہیں پہنچنے دیتا۔ اپنے لئے
[...]ب ہی جیتے ہیں دوسروں کے لئے جینا بہت بڑی بات
[...] کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ اپنے حصے کی
[...]یاں تم نے لوگوں میں بانٹ دی ہیں دنیا کے تمام دکھی اور
[...]وم انسان تمہارے رشتہ دار ہیں۔

ماریا کو ایسا لگا جیسے گرمی کی تمازت سے جھلستے ہوئے
[...]سان اچانک ابر نے سایہ کر دیا ہو۔ جیسے مدتوں
[...]ے پیاسے انسان کے حلق میں کسی نے شہد کی بوندیں
[...] دی ہوں اسے اپنی ذات پر ندامت کی بجائے اب
[...] ہونے لگا تھا۔ وہ کلی کی طرح مسکرا کر پھول بن گئی
[...]ں نے دیکھا لوگ عبادت کے بعد واپس جا رہے تھے
[...]ر بھی اپنی سہیلی کے ساتھ جا رہی تھی ماریا ایک دفعہ پھر
[...]ں کے پیچھے چل دی۔

ماریا خیالوں میں کھوئی ہوئی گرجے سے باہر آ گئی اور پھر
[...]نہیں سن کر اس کے خیالات کا طلسم ٹوٹ گیا روز کی
[...]سہیلیاں بری طرح چیخ رہی تھیں اور بتا رہی تھیں کہ چار
[...]ناب پونچھ گھوڑوں کو بھگاتے ہوئے آئے اور روز کو

اٹھا کر لے گئے۔

ماریا نے دیکھا جس سمت لڑکیاں اشارہ کر رہی تھیں اسی سمت اُسے گھوڑ سے جاتے ہوئے نظر آئے۔

ماریا نے اسی سمت اپنی مخصوص چال میں دوڑنا یا اُڑنا شروع کر دیا کیوں کہ یہ اُڑنے اور دوڑنے کی ملی جُلی صورت تھی۔

گھوڑ سوار شہر کی بھیڑ بھاڑ سے نکل چکے تھے لیکن دور ہونے کے باوجود ماریا نے انہیں اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا تھا وہ برابر ان کا تعاقب کر رہی تھی۔ شہر سے نکلنے کے بعد اب ان کی رفتار اور تیز ہو گئی تھی ماریا نے بھی اپنی رفتار کو آخری حد تک پہنچا دیا۔

اب شہر کافی پیچھے رہ گیا تھا اور وہ چاروں روز کو لے کر درختوں کے درمیان بنے ہوئے کچے راستے پر ہو لئے تھے۔

ماریا کی تیز رفتاری نے ان کے اور ماریا کے درمیان فاصلہ کافی کم کر دیا تھا۔ آگے جانے والے سواروں نے اب دائیں طرف مڑ کر چھوٹی بڑی پہاڑیوں والے میدان میں گھوڑے ڈال دیئے تھے یہاں درختوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ جس کا فائدہ ماریا کو پہنچ رہا تھا۔

ں وہ خواہ اپنی رفتار کتنی ہی بڑھا دیں ماریا کی نظروں سے اوجھل نہیں ہو سکتے تھے پہلے تو روز کی چیخوں کی ہلکی ہلکی آواز ماریا کے کانوں تک آ رہی تھی لیکن وہ اب وہ آواز بھی خاموش ہو گئی تھی۔ اور ماریا سمجھ گئی تھی کہ روز خوف اور صدمے سے بے ہوش ہو گئی ہے۔

کافی دور تک الٹے پہاڑی راستوں پر سفر کرنے کے بعد گھوڑ سوار ایک دفعہ پھر بائیں طرف مڑ کر ایک قدرے بلند ٹیلے کے پیچھے غائب ہو گئے۔

ماریا کو تشویش ہوئی لیکن اس ٹیلے سے بائیں طرف مڑنے کے بعد اب سیدھا راستہ ایک بڑے ٹیلے کے پاس جا کر ختم ہوتا تھا۔ جس پر پرانی وضع کی ایک قلعہ نما حویلی بنی ہوئی تھی۔ چاروں گھوڑ سوار اس کے بڑے دروازے سے جو کھلا ہوا تھا گھوڑوں سمیت اندر داخل ہو گئے۔ ماریا بھی ان کے پیچھے ہی اس دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔

حویلی کے اندر بہت بڑا صحن تھا اصل عمارت اس صحن کے بعد شروع ہوتی تھی۔ صحن میں گھوڑوں کو باندھنے کے لئے ایک اصطبل نما جگہ بنی ہوئی تھی۔

ماریا نے دیکھا چاروں گھوڑے کاٹھیوں سمیت یہاں بندھے ہوئے تھے۔ لیکن سوار شاید روز کو لے کر عمارت

کے اندر چلے گئے تھے ۔ ماریا نے اندازہ لگا لیا کہ ان چاروں
کو فوراً واپس جانا ہے اسی لئے گھوڑوں سے کاٹھیاں ابھی
تک نہیں اتاری گئیں ۔

ماریا نے سوچا اب یہ کہاں جائیں گے اندر حویلی ہی
کے کسی کمرے میں اپنے مالک کے سامنے روز کو پہنچا کر کسی
دوسرے حکم کے منتظر ہوں گے ۔ حویلی سے صاف ظاہر ہے
کسی کاؤنٹ یا لارڈ کی ہوگی اور یہ لوگ اس اوباش رئیس
کے دلال ہوں گے ۔ جو خوب صورت لڑکیاں اغوا کر کے
اسے لا کر دیتے ہوں گے ۔ ماریا کو شرارت سوجھی اس نے
چاروں گھوڑوں کے تنگ ڈھیلے کر دیئے ۔ تنگ چمڑے کی
وہ بندش ہوتی ہے جس سے کاٹھی مضبوطی سے گھوڑے کی
کمر سے کس دی جاتی ہے تاکہ سوار کے بیٹھنے پر وہ اپنی
جگہ سے نہ ہل سکے اور اگر یہ بندش ڈھیلی ہو جاتے تو
کاٹھی اپنی جگہ قائم نہیں رہ سکتی اور سوار گھوڑے کے تیز
بھاگتے ہی گر پڑتا ہے ۔ یہ بندش ڈھیلی کرنے کے بعد
ماریا اصل عمارت کی طرف بڑھ گئی ۔

اسے حیرت ہو رہی تھی کہ اتنی بڑی حویلی میں
اسے ایک بھی آدمی یا محافظ نظر نہیں آ رہا تھا وہ اصل
عمارت میں داخل ہو گئی اور ایک طویل راہ داری

طے کرنے کے بعد ایک دروازے پر پہنچ گئی جو کھلا ہوا
ہوا تھا اور جہاں سے آہٹوں کی آواز آ رہی تھی ۔
ماریا چوں کہ کسی کو نظر ہی نہیں آ سکتی تھی اس لئے
اسے کسی احتیاط کی ضرورت ہی نہ تھی ۔ اس نے دیکھا
یہ کمرہ کوئی خواب گاہ تھا جہاں اخروٹ کی لکڑی
سے بنا ہوا ایک پلنگ پڑا تھا جس پر ہاتھی دانت
کا کام بڑی صفائی سے کیا گیا تھا اور اسی قسم کا پورا
فرنیچر تھا ۔ زمین پر ایک دبیز قالین بچھا ہوا تھا اور
چھت سے ایک بڑا سا جھاڑ لٹک رہا تھا کمروں کی
دیواروں پر زمین سے چار چار فٹ تک نہایت قیمتی باڈر
لگا ہوا تھا ۔ دیواروں پر نہایت ہی عمدہ مناظر والے
قالین لگے ہوئے تھے جن میں کسی پر شیر کے شکار کا
پورا منظر نظر آ رہا تھا اور کسی پر کوہسار اور آبشار ایسی
خوب صورتی سے بنے ہوئے تھے کہ ان پر حقیقت کا
گمان ہوتا تھا ۔ درمیان میں ایک گول میز پڑی تھی جس
کے گرد کرسیاں پڑی تھیں ۔ میز پر ایک بہت بڑا گلدان
پڑا تھا جس میں مختلف قسم کے رنگ برنگے پھول لگے
ہوئے تھے ۔

ایک طرف ایک بہت بڑی نقش والی الماری پڑی تھی۔
جو غالباً لباس وغیرہ کے لئے تھی۔ دوسری طرف ایک قد
آدم آئینہ لگی سنگار میز موجود تھی۔ اس پر بھی ہاتھی دانت
سے بیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ ایک کونے میں شیشے
کا بنا ہوا ایک چھوٹا سا چکور تالاب تھا جس میں رنگ برنگی
مچھلیاں تیرتی پھر رہی تھیں۔ یہ سب کچھ تو ماریا نے
ایک ہی نظر میں دیکھ لیا تھا۔

چاروں نقاب پوش گول میز کے گرد بیٹھے ہوئے تھے
روز اس پلنگ پر بے ہوش پڑی تھی اور اس کے سرہانے
ایک نہایت قوی الجثہ حبشی غلام اس طرح خاموش کھڑا تھا
جیسے یہ سب کسی میت پر اکٹھے ہوں۔ حبشی کا کسرتی بدن
دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کی تنی ہوئی نسیں اور
ابھری ہوئی مچھلیاں ظاہر کرتی تھیں کہ وہ بلا شبہ طاقت ور
آدمی ہے انسان سے زیادہ وہ ماریا کو فولاد سے ڈھالا ہوا
مجسمہ نظر آیا۔

ماریا بھی کمرے میں جا کر ان کی طرح خاموش کھڑی ہو
گئی۔ شاید یہاں بولنے کا رواج نہیں تھا پھر فولاد کے
مجسمے کو حرکت ہوئی اور وہ حبشی اطمینان کر لینے کے بعد
کہ لڑکی زندہ ہے کیوں کہ روز نے کروٹ بدلی تھی

الماری کے پاس گیا اور اسے کھول کر اس کے اندر سے
چار بھری ہوئی تھیلیاں نکالیں اور ان چاروں نقاب پوشوں
کے سامنے میز پر رکھ دیں ان کو ان چاروں نے خاموشی
سے اٹھایا اور واپس لوٹ گئے۔

ماریا بھی ان کا تماشا دیکھنے کے لئے تھوڑی دیر
کے لئے باہر آ گئی۔

ان چاروں نے اپنے گھوڑے کھولے اور انہیں لے کر
بڑے دروازے سے باہر نکل گئے۔ دروازے سے
تھوڑی ہی دور اترائی شروع ہوتی تھی کیوں کہ یہ حویلی
ٹیلے پر بنی ہوئی تھی اور زمین سے اس کی بلندی تین
چار سو فٹ تھی۔

چاروں باہر نکل کر گھوڑوں پر چھلانگیں لگا کر بیٹھے اور
انہیں ایڑ لگا کر اترائی پر چھوڑ دیا۔ گھوڑے تیزی سے
اترتے چلے گئے۔ اور درمیان میں جا کر بندشیں ڈھیلی ہونے
کے سبب جوں ہی گھوڑوں نے ایک موڑ کاٹا چاروں سوار
گھوڑوں سے گر کر لڑھکتے ہوئے ڈھلوان کی طرف چلے گئے
پہاڑی کے دامن میں لمبے لمبے کانٹوں والی جھاڑیاں اُگی ہوئی
تھیں جن میں جا کر وہ گرے اور کانٹوں نے ان کے
جسموں کو بڑی طرح زخمی کر دیا اور ان کے کپڑے تار تار ہو گئے

روز پلنگ پر بیٹھی حیرانی سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ پھر
جوں ہی اس کی نظر حبشی پر پڑی جو بڑا ادب کے ساتھ
سر جھکائے غلامانہ انداز میں کھڑا تھا اس کی چیخ نکل گئی۔
لیکن اس پتھروں کی بنی حویلی کے باہر کی اس کی آواز
سننے والا کون تھا۔ پھر اس نے سہمے ہوئے انداز میں
حبشی سے کہا

تم کون ہو... میں کہاں ہوں؟ ماریا ایک کرسی پر بیٹھی یہ
سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

حبشی نے نہایت ادب سے جواب دیا یور ہائنس آپ
اپنی خواب گاہ میں ہیں اور میں آپ کا غلام ہوں۔
کسی چیز کی ضرورت ہو تو ارشاد فرمائیں۔

روز نے حیرت سے اپنے جسم کو ٹٹول کر دیکھا کہ کہیں
خواب تو نہیں دیکھ رہی۔ لیکن یہ خواب نہیں تھا حقیقت
تھی۔ اس نے کہا

لیکن میں تو شہزادی نہیں ہوں تمہیں دھوکہ ہوا ہے۔ میں تو
ایک معمولی لڑکی ہوں۔

حبشی نے کہا یور ہائنس شاید آپ نے کوئی خواب دیکھا
ہے یا آج آپ کی طبیعت ناساز ہے میں ابھی آپ کے لئے
پھلوں کا رس لے کر حاضر ہوتا ہوں۔ امید ہے کہ اس
پینے سے طبیعت بحال ہو جائے گی۔

حبشی کو اس طرح انکساری سے پیش آتے دیکھ کر روز
کا خوف قدرے کم ہو گیا تھا اور اس کی جگہ سوچ نے لے لی
تھی وہ اپنے دماغ پر زور ڈال کر سوچ رہی تھی میں
بھلا شہزادی کیسے ہو گئی میں تو ایک معمولی خاندان کی لڑکی
ہوں۔ جس کا باپ ایک چھوٹی سی دکان کا مالک ہے۔ حبشی
جا چکا تھا۔

ماریا روز کی پریشانی سے محظوظ ہو رہی تھی ابھی پوری
رات پڑی تھی اس لئے اس نے روز کو بلانے کی
کوشش نہ کی تھی۔

وہ خاموشی سے تماشہ دیکھ رہی تھی کہ یہ کیا گورکھ
دھندا ہے یہ کس کی حویلی ہے اور یہاں کس قسم کا کاروبار
ہوتا ہے کہ ایک خوب صورت لڑکی کے بدلے چار سکول
کی بھری تھیلیاں ملتی ہیں۔ ابھی تک مالک قسم کا کوئی
آدمی بھی سامنے نہیں آیا تھا۔ یہ تو صاف ظاہر تھا کہ اس
حویلی کا مالک حبشی تو ہو سکتا نہیں ضرور کوئی اور ہے
جو یہاں موجود نہیں۔ وہ جو کوئی بھی ہے نہایت ہی
پر اسرار ہے اور محتاط بھی اسی لئے اس نے اتنی بڑی
حویلی کے باوجود یہاں نوکروں کی فوج اکٹھی نہیں کر رکھی

صرف ایک ہی حبشی غلام ہے جو یہاں کا محافظ ہے اور غلام بھی ہے اور ضرورت پڑنے پر اپنی طاقت کا مظاہرہ بھی کر سکتا ہے۔ ماریا یہ سب کچھ سوچتی ہوئی حویلی سے باہر نکل گئی۔

حبشی ایک تھال میں ایک خوب صورت صراحی اور گلاس لے کر آیا اور پلنگ کے ایک طرف ایک میز پر رکھ دیا۔ پھر صراحی سے میں سے پھلوں کا رس گلاس میں انڈیل کر بڑے ادب سے روز کو پیش کیا۔

حبشی جب ایک باورچی خانے نما کمرے میں پھلوں کا رس صراحی میں ڈال رہا تھا تو اس نے ایک الماری کھولی جس میں مختلف قسم جڑی بوٹیوں کو پیس کر ڈبوں میں رکھا ہوا حبشی نے ایک ڈبہ اٹھایا اور ہنس کر کہا بے ہوشی کا سفوف نہیں ابھی تو اسے طاقت کی ضرورت ہے

پھر حبشی جوں ہی کسی کام سے باہر گیا ماریا نے رس میں یہی سفوف ڈال دیا اور خود ماریا نے روز سے آ کر کہا یہ شربت مت پینا۔

روز حیران رہ گئی اسے آواز سنائی دی تھی لیکن کوئی نظر نہ آیا تھا۔

روز کا گلا واقعی چیخ وپکار سے خشک ہو رہا تھا اور اسے کسی

مشروب کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی لیکن وہ ڈر رہی تھی کہ خدا جانے اس مشروب میں کیا پڑا ہے۔ جو غیبی آواز نے منع کیا ہے۔

حبشی غلام نے فوراً ہی اس کی صورت سے محسوس کر لیا کہ اور صراحی سے چُلّو میں مشروب ڈال کر خود ہی روز کو پی کر دکھایا اور کہا یور ہائنس وفاداروں پر بدگمانی اچھی نہیں ہوتی لیکن ایک گھونٹ پینے کے فوراً بعد ہی حبشی کا سر چکرا گیا اور وہ کٹے ہوئے درخت کی طرح زمین پر آ رہا۔ جب کہ ایک خوف ناک چیخ کے ساتھ روز کے ہاتھ سے گلاس پلنگ پر ہی گر گیا۔

ناگ بھول وتی کے روپ میں

جیون رام مداری کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ اسے اپنی بیٹی کا نعم البدل مل گیا تھا۔ ناگ مہا ناگ دیوی کلاوتی کے سراپ پر لڑکی بن چکا تھا اور ناچ گا کر جیون رام کے گھرانے کا کفیل بن گیا تھا۔ وہ سانپ کو مارنا نہ چاہتا تھا کیونکہ سانپ تو اس کے ہم قوم اور رعایا میں سے تھے لیکن تقدیر کا وار تو سہنا پڑتا ہے۔ یکایک اسے سانپ کے انکار کرنے پر غصہ آگیا اور پھر خدا جانے اس کے ہاتھ میں پتھر کہاں سے آگیا تھا جس کا وار سیدھا سانپ کے سر پر پڑا۔ یا یوں سمجھو شاید اس سانپ کا ہی وقت پورا ہو گیا تھا۔ اس کی موت ناگ کے ہاتھوں لکھی تھی اور ناگ کی تقدیر میں یہ سزا کاٹنا تھا۔ لیکن اب پچھتانے سے کیا ہو سکتا تھا۔

ناگ دن بھر جیون رام مداری کے ساتھ ناچتا گاتا اور رات پھر عنبر کے متعلق سوچتا کہ خدا جانے وہ کہاں ہے۔ اور اب اس سے کب ملاقات ہو گی۔ کیونکہ دیوی کے کہنے کے مطابق صرف عنبر ہی اسے اس سزا سے نجات دلا سکتا تھا۔ ماریا کا بھی کچھ پتہ نہ تھا۔

ناگ اپنے آپ کو لڑکی کے روپ میں دیکھ کر بہت پریشان تھا۔ لیکن جتنا وہ پریشان تھا، اتنا ہی جیون رام خوش تھا۔ اس کی آمدنی کئی گنا بڑھ گئی تھی۔

بالک رام کو تو ناگ سے اپنی سگی بہن سے زیادہ پیار ہو گیا تھا۔ وہ تو سوتا بھی رات کو ناگ ہی کے ساتھ تھا۔

جیون رام کی بیوی ناگ کی بلائیں لیتی نہ تھکتی تھی۔ کبھی کبھی ناگ یہ سوچ کر خوش ہو جاتا تھا کہ وہ کسی غریب گھرانے کے کام تو آ رہا ہے اور اس کی اس سزا سے کئی انسان رات کو پیٹ بھر کر روٹی تو کھانے لگے ہیں۔ اس لئے ناگ سب کچھ بھول کر دن رات اس گھرانے کی خدمت میں لگا رہتا تھا اور اس نے اپنے آپ کو حالات کے سپرد کر دیا تھا۔

لیکن آجکل وہ عجیب الجھن کا شکار ہو گیا تھا۔ اس شہر کے سب سے بڑے رئیس لالہ امی چند کا لڑکا مول چند جو نوجوان تھا اور باپ کے مرنے کے بعد ایک بہت بڑی جاگیر اور دولت کا مالک تھا۔ ناگ سے شادی کرنا چاہتا تھا۔

جیون رام نے ناگ کا نام بھول وتی رکھ دیا تھا اور اس کی خوبصورتی کے چرچے سارے شہر میں پھیل گئے تھے۔

جسے سن کر مول چند کا بھی دل چاہا کہ جاکر پھول وتی کے
درشن کر آئے۔

اور پھر ایک روز اس نے پھول وتی کو بازار میں ناچتے
دیکھ لیا اور اس پھول کو اپنے گلے کا ہار بنانے کا فیصلہ کر لیا
اس نے جیون رام کو اپنی حویلی بلا کر پوچھا کہ دن بھر میں
تم کتنی کمائی کر لیتے ہو۔

جیون رام نے اس زمانے کے سکّے کے مطابق کچھ بڑھا
چڑھا کر اپنی کمائی مول چند کو بتا دی۔

مول چند نے کہا مداری میں تمہیں اس سے دوگنا زیادہ
دے سکتا ہوں۔ اس شرط پر کہ تم پھول وتی کو بازاروں میں
نچانا چھوڑ دو۔ تمہارا مکان ٹوٹا پھوٹا ہے۔ میں تمہیں رہنے
کے لئے اپنی حویلی میں کئی عالیشان کمرے دے دوں گا۔ تمہاری
بیٹی مجھے پسند ہے۔ وہ گائے گی میرے لئے۔ ناچے گی تو میری
خوشی کے لئے۔ اگر منظور ہے تو جتنا روپیہ پیشگی چاہو لے جاؤ
ہم دینے کے لئے تیار ہیں۔ دھن دولت کی ہمارے پاس کمی
نہیں لیکن جواب یہ سوچ کر دینا کہ ہم نے بچپن سے انکار کا
نام نہیں سنا۔ جو چیز ہمیں پسند آ جاتی ہے۔ اسے ہر مول
خرید لیتے ہیں اور رضامندی سے نہ مل سکے تو اسے چھین لیتے
ہیں۔ زبردستی حاصل کر لیتے ہیں۔ جس کے لئے ہم نے کئی ایسے
آدمی پال رکھے ہیں جو ہماری خوشی کے لئے اپنی جان پر کھیل
کر بھی ہماری خواہش پوری کر دیتے ہیں۔

پھر اس نے آواز دے کر ملازم سے کہا۔ منیم جی کو بلاؤ۔
منیم بھاگا بھاگا زیورات کے کئی عدد ڈبے لے کر حاضر ہو گیا۔
مول چند نے تمام زیورات کے ڈبے لے کر کھول دیئے جن
میں نہایت عمدہ قسم کے سونے کے زیورات سجے ہوئے تھے اور
جن میں ہیرے اور لعل جڑے ہوئے چمک رہے تھے۔
مداری کی نیت زیورات دیکھ کر ڈانواڈول ہو گئی۔ پھر بھی
اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا شما کریں مہاراج۔ مجھے ایک دن کی
مہلت دیں تاکہ میں پھول وتی کی مرضی بھی معلوم کر لوں۔

مول چند نے کہا دیکھو مداری ہم تمہیں اتنا دھن دولت
دے دیں گے کہ وہ دولت پشتوں تک تمہارے کام آئے گی۔
تم بھوکے نہیں مرو گے۔ یہ تمام زیورات لے جا کر ہماری
طرف سے پھول وتی کو پیش کر دو۔ اب تم جا سکتے ہو۔

مداری نے جلدی جلدی زیورات کے ڈبے اٹھائے اور خوشی
خوشی گھر میں داخل ہوا۔ بیوی کو بلا کر تمام زیورات دکھاتے ہوئے
کہا۔ "دیکھ لکشمی ہم پر مہربان ہو گئی ہے"

بیوی نے کہا۔ "ہائے۔ اتنا جیور تو ہم نے خواب میں بھی
نہیں دیکھا"

تب مداری نے کہا۔ "یہ تمام زیور سیٹھ مول چند نے
پھول وتی کے لئے دیئے ہیں اور کہا ہے اب وہ بازاروں میں
نہیں ناچے گی۔ وہ ہمیں ہماری روز کی کمائی سے دگنی دہاڑی
دے گا اور پھر رہنے کے لئے بھی اپنی حویلی میں بڑے
بڑے کمرے۔"

بیوی نے خوش ہو کر کہا "ہائے دیّا حویلی میں کمرے"۔
اور پھر زیورات کو دیکھ کر کہا۔ "دیکھو جی یہ سارے جیور
پھول وتی کو مت دے دینا۔ کچھ میرے لئے بھی الگ
رکھ دو۔"

مداری نے بیزاری سے کہا۔ "ارے تو بھی لے لینا پر ذرا
پھول وتی کے کان میں بھی یہ بات ڈال دے تو اچھا ہے۔
وہ ہے کہاں؟"

بیوی نے کہا۔ "ابھی ابھی منے کو نہلانے ندی کنارے
گئی ہے۔"

مداری نے کہا۔ "مجھے ڈر ہے۔ اگر پھول وتی نہ مانی تو کیا
ہوگا۔ مول چند نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر تم نے انکار کیا
تو میرے پاس طاقت بھی ہے۔ زبردستی پھول وتی کو حاصل
کر لوں گا۔ تو ایسے کر۔ ابھی جا کر پھول وتی کو گھر لے آ
اس سے مشورہ کرنا ضروری ہے۔"

بیوی نے جواب دیا "وہ تو میں لے آتی ہوں۔ مگر
دو تین ڈبے ادھر ادھر کر لو جی ہمارے لئے۔"

مداری نے کہا۔ "اری بھاگوان۔ فکر کیوں کرتی ہے۔ تو جا
پھول وتی کو گھر واپس لا۔"

ابھی یہ باتیں ہی رہی تھیں کہ پھول وتی بالک رام
کو نہلا کر واپس آگئی۔ کمرے میں زیورات کے ڈبے
پڑے جو دیکھے تو اس کا ماتھا ٹھنکا۔ اور کہا۔ "بابا
یہ کہاں سے اٹھا لائے؟"

جیون رام نے کہا۔ "بٹیا یہ تمام زیور تیرے لئے ہے
وہ جو اپنے شہر کے سب سے بڑے امیر سیٹھ مول چند
ہیں نا۔ انہوں نے تجھے ملازم رکھ لیا ہے۔"

ناگ نے حیرت سے کہا "ملازم رکھ لیا ہے؟"

"ہاں بٹیا۔" مداری نے جواب دیا۔ "ناچ گانے کے لئے۔"

ناگ نے سب کچھ سمجھ کر کہا۔ "بابا یہ دھن والے
بڑے ظالم ہوتے ہیں۔ برسات کی دھوپ کی طرح ان کا
کیا اعتبار۔ پل بھر میں نیت بدل لیتے ہیں۔ جب دال روٹی
بھگوان کھانے کو دے رہا ہے تو پھر ہمیں لالچ نہیں کرنا
چاہئے۔ وہ دولت سے ہماری عزت خریدنا چاہتے ہیں اور
غریب کے پاس عزت کے سوا رکھا ہی کیا ہوتا ہے۔"

مداری نے قدرے مایوس ہوتے ہوئے کہا "بھول وتی!
بیٹی بادشاہ کی ہو یا فقیر کی۔ ایک دن تو اسے اپنے گھر
جانا ہی ہوتا ہے۔ میں کب تک تیری جوانی کو
اپنی مجبوریوں کی آگ میں جلاتا رہوں گا۔ تو میرے منہ
میں روٹیاں ٹھونسنے کے لئے کب تک اپنی جوانی کو روگ
لگائے رہے گی۔ غریب کی جھونپڑی میں چاند اتر آیا ہے
ایسا بر تو نصیبوں والوں کو ہی ملتا ہے۔ تو ہمارے لئے
اپنے نصیب خراب مت کر۔ میرا کہا مان لے۔ وہ زورآور
ہے۔ اس نے ہر حال میں اپنی مرضی کرنی ہے۔ جب ہار
جیت کے دونوں پانسے اسی کے ہاتھ میں ہیں تو پھر
دھن دولت کو ٹھکرا دینا تو عقلمندی نہیں۔"

"ہار جیت کے پانسے خدا کے ہاتھ میں ہیں بابا۔ اس
کی مرضی کے بنا کچھ نہیں ہوتا۔ تم میری اصلیت جانتے
ہوئے بھی یہ فیصلہ کر بیٹھے ہو۔ تمہیں تو معلوم ہے جو میرا
ظاہر ہے میں وہ نہیں ہوں۔

مداری نے کہا۔ "بیٹی لوگ تو تیرا ظاہر دیکھ رہے ہیں
اگر تیرے اس روپ سے ہماری مفلسی اور غریبی بدل سکتی
ہے تو یہ احسان بھی ہم پر کر ڈالو۔ ہماری سات پشتیں امیر
ہو جائیں گی اور تمام عمر تمہیں دعائیں دیتی رہیں گی۔ اگر تم
نے انکار کر دیا تو دھن دولت بھی ہاتھ سے جائے گی اور
وہ زبردستی اپنے آدمیوں سے تجھے اٹھوا کر منگوا لیگا۔"

ناگ نے کہا۔ "یہ اس کی بھول ہے بابا۔ مول چند تو
کیا۔ اس شہر کے تمام لوگ بھی مل کر میرا کچھ نہیں بگاڑ
سکتے۔ دھن دولت کی تم فکر نہ کرو یہ مجبوری صرف میرے
بھائی عنبر کے آنے تک ہے۔ میں تمہارا گھر سونے سے بھر
دوں گا۔ یہ دیوی کا سراپ ہے جو جلدی ختم ہو جائے گا۔
تم یہ زیورات لے جا کر اس کے منہ پر مارو۔ فکر مت
کرو۔ وہ تمہیں یا تمہارے گھر والوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا
سکے گا"۔

O

مول چند اپنی جگہ سے اس طرح اٹھا جیسے کسی بچھو
نے اسے ڈنگ مار دیا ہو۔ اس نے ٹھوکر سے زیورات
کے ڈبے زمین پر بکھیر دیئے اور چیخ کر کہا۔ مادھو!

پھر مداری نے دیکھا سات فٹ کا کالا بھجنگ ایک دیونما
انسان، منہ پہ آنکھ سے لے کر دہانے تک زخم کا لمبا سا
نشان، سرخ اور موٹی موٹی آنکھیں، ناک طوطے کی طرح لمبا
اور قدرے مڑا ہوا۔ بچھو کی طرح آگے سے موٹی اور پیچھے
سے باریک مونچھیں، ضرورت سے بھی ذرا بڑا سر اگھٹا ہوا،

درمیان میں ہاتھ بھر کی موٹی اور لمبی چوٹی، گھنی اور آپس
میں ملی ہوئی بھنویں، چوڑے شانے، گھٹنوں تک لمبے ہاتھ،
ابھری ہوئی چھاتی، مست ہاتھی کی طرح سے جھومتا ہوا آکر
کھڑا ہو گیا۔

مول چند نے بڑے غرور کے ساتھ مداری کی طرف دیکھا
جو ڈر کے مارے بیدِ مجنوں کی طرح کانپ رہا تھا اور ہاتھ
جوڑے کھڑا تھا۔ پھر مادھو کی طرف دیکھا اور کہا۔ "مادھو!
آج ہی رات اس مداری کی ناچنے والی چھوکری میری حویلی میں
ہونی چاہیئے"۔

مادھو نے غرانے والے انداز میں مداری کی طرف دیکھ کر کہا
"اس چوہے کو حکم ہو تو دُم سے پکڑ کر باہر پھینک دوں"
مول چند نے طنزاً مسکراتے ہوئے کہا "مر جائے گا سالا"۔
پھر نفرت سے مداری کو کہا۔ "جا بھاگ جا۔ تجھے دن بھر کا
وقت دیتا ہوں۔ ہو سکے تو زمین کے اندر یا آسمان کے اوپر
جہاں چاہے اپنی چھوکری کو چھپا دے۔ مادھو اسے ڈھونڈھ
نکالے گا اور وہ آج ہی رات ہماری حویلی میں ہو گی۔ میں نے
تجھے سمجھا دیا تھا کہ میرے کان نہ سننے کے عادی نہیں۔ موری
کی اینٹ کو محل پر میں نے لگانا چاہا تھا۔ مجھے کیا علم تھا
وہ گندی نالی ہی میں رہ سکتی ہے۔ تجھے زندہ اس لئے

چھوڑ دیا ہے کہ جا کر اسے بتا دے۔ ہمارا فیصلہ تو تقدیر
بھی نہیں بدل سکتی۔ اب وہ عزت اور احترام سے نہیں، لوٹ
کے مال کی طرح لائی جائے گی۔ مادھو اس کتے کو ٹھوکر مار
کر باہر نکال دے جیسے کھیر ہضم نہیں ہوئی"۔

مادھو نے آگے بڑھ کر خوف سے سمٹے ہوئے مداری کو گردن
سے پکڑ کر اوپر اٹھایا اور لے جا کر حویلی سے باہر پھینک دیا۔

گھر میں مداری کی بیوی پھول وتی یعنی ناگ کو سمجھا رہی
تھی کہ تو نے زیور واپس کر کے اچھا نہیں کیا بیٹی۔ گھر آئی
لکشمی کو ٹھکرانا اچھی بات نہیں۔ مول چند ضدی آدمی ہے۔ اس
کے پاس دولت بھی ہے اور طاقت بھی۔ تو اگر اس کی ضد
بن گئی تو وہ تجھے زبردستی اٹھوا کر اپنی حویلی لے جائے گا۔
ہم میں سے کون ہے جو اس کا راستہ روکے گا۔

اسی دوران میں مداری برے حالوں گرتا پڑتا گھر میں داخل ہوا۔ بیوی
نے اس کی حالت دیکھ کر چھاتی پیٹ لی اور کہا دیکھ لے اپنے
بابا کی حالت۔ اگر تو ہماری سگی بیٹی ہوتی تو اپنے باپ کی یہ
حالت نہ بنواتی۔

ناگ کے دل پر ٹھیس لگی۔ اس نے سوچا یہ کیسی دنیا ہے
جہاں جتنا مرضی کسی پر احسان کر دو اس کا صلہ برائی کے سوا
کچھ نہیں ملتا۔

ناگ نے آگے بڑھ کر مداری سے کہا۔" بابا تمہاری یہ حالت
مول چند نے بنائی ہے؟"

مداری نے کہا۔" ابھی کیا ہوا ہے۔ اس نے تو مجھے زندہ
اس لئے چھوڑ دیا ہے کہ تجھے آکر بتا سکوں کہ وہ آج ہی
رات اپنے غنڈوں سے اٹھوا کر تجھے اپنی حویلی میں منگوا لے گا
نہ جانے رات کو ہماری کیا حالت ہوگی۔ مول چند بہت بُرا
آدمی ہے"۔

ناگ نے غصے سے کہا۔" بابا اس نے اپنی شامت کو
آواز دی ہے۔ تم ایسا کرو اپنے بیوی بچوں کو لے کر ایک کمرے
میں بند ہو جاؤ اور مجھے باہر رہنے دو اور پھر چھپ کر ان
پالتو کتوں کا حشر اپنی آنکھوں سے دیکھو کہ ان کی صورت بھی
پہچاننے کے قابل نہیں رہے گی"۔

مداری نے کہا۔" تو پاگل ہو گئی ہے۔ کہاں ایک نازک
سی چھوکری اور کہاں وہ گریل جوان مادھو۔ تو اس کی شکل
دیکھ کر ہی بے ہوش ہو جائے گی"۔

ناگ نے کہا۔" بابا مجھے اور غصہ نہ دلاؤ ورنہ ابھی اس کی
حویلی میں جا کر اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔ کیا تم نہیں جانتے
کہ میں کون ہوں۔ پھول وتی تو میں تمہارے لئے بنا ہوا ہوں
آج رات میری اصلیت بھی دیکھ لینا۔ اب تک تو میں تمہارا

گھر چلانے کے لئے تمہاری مدد کرنے کے لئے سب کچھ کر
رہا تھا۔ اس لئے کہ تمہارے بیوی بچے بھوکے نہ مریں
لیکن آج تمہیں بھی معلوم ہو جائے گا جسے تم شبنم کی طرح
نازک خیال کر رہے ہو، وقت آنے پر کیسے شعلہ بن جاتا
ہے۔ تم اپنا دل چھوٹا نہ کرنا۔ میں جانتا ہوں دولت انسان
کا ایمان کمزور کر دیتی ہے۔ اسی کی ہوس ہر انسان کو ہوتی
ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں یہاں سے جانے سے پیشتر تمہیں
مول چند سے چار گنا زیادہ دولت دے کر جاؤں گا"۔

O

محلے کے لوگ مادھو اور اس کے ساتھیوں کو ہتھیاروں کے
ساتھ آتا دیکھ کر اپنے گھروں کے دروازے ڈر کے مارے بند
کر کے بیٹھ گئے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ مول چند سیٹھ کے یہ
خونخوار بھیڑیے کسی کی قضا بن کر آئے ہیں۔ لوگ طوفان
کی طرح اٹھتے ہوئے قدموں میں نہیں آنا چاہتے تھے جو بادل
کی طرح گرجتے اور بجلی کی طرح کڑکتے ہوئے آ رہے تھے اور
اسی حالت میں وہ جیون رام مداری کے گھر میں داخل ہوئے۔
جہاں صحن میں چراغ روشن تھا اور تنہا پھول وتی کھڑی تھی۔
مادھو نے اسے دیکھ کر قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ مداری بہت
عقلمند آدمی ہے۔ اس نے پہلے ہی تمہیں باہر نکال کر کھڑا کر
دیا ہے اس لئے کہ وہ جانتا ہے گیہوں کے ساتھ گھن بھی پیس

جاتے ہیں - اس نے اپنی اور اپنے گھر والوں کی ہڈی پسلی
بچانے کے لئے ایسا کیا ہے ۔ اری بھول وتی تو تو کانچ کی
بنی ہوئی گڑیا کی طرح سے ہے - تجھے اگر زور سے پکڑا گیا
تو ٹوٹ کر کرچی کرچی ہو جائے گی، اس بات پر سب نے
بڑی زور سے قہقہہ لگایا۔

ناگ نے کہا - "خوب زور سے جی بھر کے ہنس لو کیونکہ
اس کے بعد محلے والوں کو تمہاری چیخیں سنائی دیں گی"

اس بات پر ایک بار پھر سب نے قہقہہ لگایا اور مادھو
نے آگے بڑھ کر اسے پکڑنا چاہا - بھول وتی نے زمین پر لوٹ
لگائی اور ہاتھی بن گئی۔

مادھو سمیت سب بدمعاش آنکھیں مل کر اس کی طرف
دیکھنے لگے۔ ہاتھی نے اپنی سونڈ میں مادھو کو اٹھایا اور گھما کر
زمین پر دے مارا۔ مادھو کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں - اب بدمعاشوں
کو فکر ہوئی اور انہوں نے بھاگنے کے لئے دروازے کی طرف
کھسکنا چاہا - لیکن ہاتھی نے ان کا راستہ روک لیا۔

مادھو زمین پر پڑا چیخ رہا تھا اور اس کی چیخیں سن کر
اس کے ساتھی ڈر کے مارے کانپ رہے تھے کیونکہ وہ سب
سے زیادہ طاقت ور اور ان کا سردار تھا - ہاتھی نے پھر
ایک ساتھ دو معاشوں کو سونڈ میں لپیٹ کر اوپر اٹھایا اور
زمین پر دے مارا - دونوں کی چیخوں سے محلہ گونج اٹھا - بقایا
تین چار کا بھی یہی حشر ہوا۔

مداری اور اس کی بیوی حیرت سے یہ سب کچھ کمرے
کے اندر چھپے دیکھ رہے تھے - زمین پر پڑے بدمعاش چیخیں
مار رہے تھے۔

ناگ ہاتھی سے پھر بھول وتی بن گیا - اس نے اندر سے
مداری کو بلایا اور کہا بابا ایسا کرو ایک بڑی سی ڈولی اور
چار کہار لے کر آؤ - ساتھ میں بینڈ باجا بھی لیتے آنا۔

مداری فوراً چلا گیا -

بھول وتی نے زمین پر پڑے ہوئے بدمعاشوں سے کہا میں
نے کہا تھا نا کہ تمہارے قہقہے ابھی چیخوں میں تبدیل ہو جائیں
گے - بڑے تکبر اور غرور کے ساتھ طاقت کے نشے میں ایک کمزور
مداری کے گھر کو لوٹنے چلے آئے تھے ۔ دیکھ لو غرور اور تکبر
نے تم لوگوں کا سر کیسا نیچا کر دیا ہے - کمزور کی آہ سے
ڈرنا چاہیئے - خدا اگر چاہے تو چڑیوں سے باز اور چیونٹیوں سے
ہاتھی بھی مروا دیتا ہے - غرور اور تکبر صرف خدا کے لئے ہے۔
انسان تو ایک مٹھی خاک سے بنا ہوا ہے - ظلم پھر ظلم ہے۔
بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے۔

اتنے میں مداری دو ڈولیاں لے آیا اور کہا "بیٹی بڑی

ڈولی نہیں ملی تھی۔ دو ڈولیاں لے آیا ہوں۔"

پھول وتی نے کہا۔" اچھا کیا۔ اب میری مدد کرو بابا اور ان سب کو دو ڈولیوں میں ڈال دو۔"

پھر دونوں نے مل کر سارے بدمعاشوں کو ڈولیوں میں ڈال دیا اور ان میں سے ایک میں پھول وتی بھی بیٹھ گئی۔ کہاروں سے کہا ڈولیاں مول چند سیٹھ کی حویلی لے چلو۔

پھول وتی نے کہا۔ بابا تم پیدل ان کے ساتھ آؤ۔ ساتھ ڈھول اور باجے بھی لے لو۔ اور مول چند سے کہو میں اپنی ایک بیٹی کی بجائے دو بیٹیوں کو ڈولیوں میں بٹھا کر لے آیا ہوں۔ خود اس لئے ساتھ آیا ہوں کہ اپنی غلطی کی معافی مانگ لوں۔ دونوں میں سے جو پسند ہے اسے رکھ لیں۔ دوسری کو واپس لے جاؤنگا۔

مداری نے کہا سمجھ گیا۔

ڈولیاں ساتھ ڈھول اور باجے کے حویلی میں پہنچیں تو مول چند خود حویلی کے صحن میں نکل آیا اور مداری کو دیکھ کر حیرانی سے پوچھا "یہ سب کیا ہے؟"

مداری نے کہا۔" مہاراج مجھ سے خطا ہوئی۔ بھلا کہاں سیٹھ مول چند اور کہاں غریب مداری۔ کہاں راجا بھوج اور کہاں گنگا تیلی۔ اپنی غلطی کی معافی کے لئے ایک کی بجائے دونوں بیٹیوں کو اپنے ساتھ ڈولیوں میں بٹھا کر لے آیا ہوں۔ جو پسند ہو اسے رکھ لیں۔ دوسری کو واپس لے جاؤں گا۔"

مول چند نے مونچھوں پہ تاؤ دیتے ہوئے کہا۔" آدمی سمجھدار ہو مگر ذرا دیر سے سمجھتے ہو یا ہمارے شیروں نے تمہیں سمجھا دیا ہوگا۔ اب تم دونوں بیٹیوں کو لے ہی آئے ہو تو میں تمہارا دل تھوڑی توڑوں گا۔ دونوں میں رکھ لوں گا۔ انعام بھی تو دگنا ہو جائے گا۔"

مداری نے کہا۔" مہاراج کی کرپا ہے۔"

مول چند نے نوکر کو آواز دے کر کہا۔" بیجو تمام حویلی کی داسیوں سے کہو دلہنوں کو ڈولیوں سے اتار کر اندر لے جائیں۔"

تمام داسیاں بھاگی ہوئی آئیں۔ اس دوران میں مول چند نے مداری سے کہا ہمارے بہادر آدمیوں نے تم پہ جو زیادتی کی ہے اس کے لئے ہمیں افسوس ہے۔ ہم ان سے ابھی کہیں گے کہ وہ تم سے معافی مانگیں اور ابھی منیم جی سے کہہ کر تمہیں انعام میں سونا اور موتیوں سے تمہارا دامن بھر کر بھیجیں گے۔

اتنے میں داسیوں کی چیخیں سن کر مول چند متوجہ ہو گیا۔ ڈولیوں میں اس کے بہادر شیروں کی لاشیں پڑی تھیں جبکہ پھول وتی خود ہی باہر آ گئی۔

مول چند نے غصے اور حیرت سے ان بہادروں کو دیکھا اور پھر جواب طلبی کے لئے مداری کی طرف نگاہ کی۔

پھول وتی نے کہا۔ "سیٹھ جی اس غریب کی طرف نہیں
میری طرف نگاہ کرو۔ تمہارے سوال کا جواب میں دینے کے لئے
آئی ہوں۔ ان کی طرف دیکھو یہ شیر تمہارے تکبر اور غرور کی
لاشیں ہیں۔ اب تم بھی اپنے گناہوں کو یاد کرو سیٹھ۔ اپنی
تجوریوں میں بند دولت کو آواز دے کر کہو تمہیں عذاب سے
بچالے۔ ان بہادر شیروں سے کہو ایک کمزور اور غریب مداری
کی بیٹی کو اٹھا کر تمہاری حویلی تک پہنچا دیں۔ ان طاقتور انسانوں
کو اپنی مدد کے لئے آواز دو۔ اس حویلی کی اونچی اونچی دیواروں
سے کہو جو مظلوموں کی چیخیں سننے کی عادی ہیں کہ تمہیں اپنی
پناہ میں لے لیں۔ اس لئے کہ ظلم کی داستان کا اختتام آن
پہنچا ہے۔"

پھول وتی ایک دفعہ پھر ہاتھی بن گئی۔ مول چند نے
اپنے ملازموں کو آوازیں دیں جو لاشوں کو دیکھ کر بھاگ گئے تھے
لیکن اس کی آوازیں پتھر کی حویلی کی دیواروں سے ٹکرا کر واپس
لوٹ آئیں۔ اتنے بڑے دولت مند سیٹھ کا کوئی بھی ملازم اس کی
امداد کے لئے نہ آیا۔ اتنی بڑی حویلی کی سنگلاخ دیواریں بھی
اسے پناہ نہ دے سکیں۔ تجوریوں میں بند سونا، ہیرے، موتی
بھی خاموش تماشائی بنے رہے۔ مول چند کا غرور کانچ کے ٹکڑوں
کی طرح سے کرچی کرچی ہو کر ایک مظلوم مداری کے قدموں میں
گر پڑا اور اس نے رو کر کہا جیون رام مجھے اس موت سے
بچا لو۔

جیون رام نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا سیٹھ جی موت
سے تو صرف بھگوان ہی بچا سکتا ہے۔ تم نے آج تک جو ظلم
کئے تھے ان کے بدلے کا وقت آ گیا ہے۔

پھر مول چند نے ہاتھی کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ میں
زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔ لیکن ہاتھی نے اپنی
سونڈ میں مول چند کو لپیٹ لیا اور پھر گیند کی طرح اوپر
اچھال دیا۔

مداری نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ کہار تمام بھاگ گئے اور
مول چند کافی اوپر سے آ کر زمین پر ایسا گرا کہ پھر اٹھ ہی
نہ سکا۔

مداری نے کہا "آخر گرے زمین پر اونچی اڑان والے۔"
ہاتھی پھر پھول وتی بن گیا۔ اس نے مول چند کی جیب
سے چابیاں نکالیں اور کمرے میں جا کر ساری تجوریاں کھول دیں
پھر مداری سے کہا "بابا! دونوں ہاتھوں سے سمیٹ لو۔"

پاتال کا سفر

جوں ہی کشتی بھنور سے نکل کر عنبر کے پاس آئی عنبر کشتی میں سوار ہو گیا۔ عنبر کو دوبارہ صحیح و سلامت دیکھ کر سویٹی کی جان میں جان آئی اور وہ خوشی کے مارے روتے ہوئے عنبر سے لپٹ گئی۔ عنبر نے اسے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔ نہیں بیٹا اچھے بچے مشکل سے مشکل حالات کا مقابلہ ہمت اور صبر سے کرتے ہیں رویا نہیں کرتے۔

سویٹی نے جواب دیا انکل یہ تو خوشی کے آنسو ہیں۔ آپ کو دوبارہ دیکھ کر مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ آنسو نکل آئے۔ قاتل بھی دوبارہ زندگی مل جانے سے بہت خوش تھے لیکن اس خوشی کی راہ میں ایک ہی کانٹا تھا جو انہیں کھٹک رہا تھا اور وہ تھا عنبر۔ بڑا آدمی اس کانٹوں والی جھاڑیوں کی مانند ہوتا ہے جو نا تو کسی کے لیے سایہ ہی مہیا کر سکتی ہے اور نا ہی انسان کے کسی اور کام آتی ہے سوائے اس کے پاس سے گذرنے والوں کے دامن

تار تار کر دیتی ہے۔ دراصل انسان جاڑے کے مارے ہوئے اس سانپ کی مانند ہوتا ہے۔ جو ذرا سی دھوپ کی تمازت پا کر اپنا پھن اٹھا لیتا ہے اور ڈسنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ کچھ ایسا ہی قصہ عنبر کے ساتھ بھی تھا اس نے ان قاتلوں کو بھنور میں ڈوبنے سے بچایا تھا لیکن زندگی بچ جانے کے بعد اب پھر وہ اس کی موت کے منصوبے بنا رہے تھے۔

سمندر پر سکون تھا اور کشتی لہروں کی آغوش میں ہلارے کھاتی منزل کی طرف جا رہی تھی۔ ابھی تک ان لوگوں کو کوئی بھی جہاز یا کشتی نظر نہیں آئی تھی جس کی وجہ سے عنبر فکرمند تھا کہ خدا جانے وہ اس کشتی پر صحیح سمت بھی جا رہے ہیں کہ نہیں۔ اگر سمت صحیح ہوتی تو ضروری تھا کہ کوئی نہ کوئی جہاز یا کشتی ان کو ضرور مل جاتی۔ عنبر اسی الجھن میں پڑا ہوا تھا لیکن قاتل اس کو ٹھکانے لگانے کا پروگرام بنانے میں مصروف تھے۔ ان لوگوں نے یہ طے کر لیا تھا جونہی عنبر رات کو سو جائے اسے سوتے میں قتل کر دیا جائے۔ اور سویٹی کو بھی سمندر میں پھینک دیا جائے۔ انہیں کیا خبر تھی کہ عنبر کو تو نیند آتی ہی نہیں اور نا ہی اسے بھوک لگتی ہے اور نا ہی اس پر موسموں کا اثر ہوتا ہے وہ تو فولاد میں ڈھلا ہوا ایک ایسا انسان ہے جس پر دنیا

کی کوئی تلوار بھی ضرب نہیں لگا سکتی یہی بات قاتلوں
کے لیے رکاوٹ بنی ہوئی تھی کیوں کہ وہ لوگ جزیرے میں
مقابلے کے درمیان اس بات کا تجربہ کر چکے تھے اور اسی
سوچ میں مصروف تھے کہ اس فولادی انسان پر کس چیز سے
ضرب لگائی جائے کہ یہ قتل ہو جائے۔

ایک نے یہ بات عنبر سے پوچھ ہی لی کہ آپ کے
پاس وہ کون سا جادو ہے جس کی وجہ سے آپ پر کوئی
ہتھیار اثر نہیں کرتا۔

عنبر مسکرا دیا اور بولا:

"تم لوگ یقین کر لو تو یہ بھی بتانے کے لیے تیار ہوں۔"

دوسرے نے کہا:

"گرد یقین نہ کرنے کی کیا بات ہے تم بتاؤ ہمیں معلوم
ہے تم جھوٹ نہیں بولتے۔"

عنبر نے مسکراتے ہوئے کہا:

"دوستو سب سے پہلی بات بھی یہی ہے کہ میں جھوٹ
نہیں بولتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں نیک کام کا کوئی
معاوضہ طلب نہیں کرتا۔"

تیسرے نے بات کاٹتے ہوئے کہا:

"تمہارا مقصد ہے نیکی کر کنوئیں میں ڈال۔"

عنبر نے جواب دیا:

"تم نے ٹھیک سمجھا تیسری بات یہ ہے دوستو کہ میں نے
اپنی زندگی انسانیت کی خدمت کے لیے وقف کر رکھی ہے۔
دکھ درد میں انسان کے کام آتا ہوں۔ ظالم خواہ کتنا ہی طاقتور
کیوں نہ ہو میں نے مظلوم کے مقابلے میں اس کی کبھی حمایت
نہیں کی ہمیشہ اس کے سامنے کلمہ حق ہی ادا کیا ہے۔ یہ
ہے وہ جادو جس کا صلہ حق تعالیٰ نے مجھے عطا کر رکھا
ہے۔ خدا پر ایمان مضبوط ہو تو انسان ہر شئے سے بے نیاز
ہو جاتا ہے اس لیے کہ اس انسان کی ساری ذمہ داری
خدا خود اپنے ذمے لے لیتا ہے۔"

عنبر کی باتیں سن کر چاروں ہنسنے لگے۔ اور کہا گرد تم
ہمیں پتھر کے زمانے کے انسان معلوم ہوتے ہو یا پھر ہمیں
ہی بے وقوف سمجھ کر ہمارا مذاق اڑا رہے ہو۔ بھلا ان
تمام باتوں کا اس چیز سے کیا تعلق ہے کہ کوئی تیز دھار
ہتھیار بھی تمہارے جسم کو نہیں کاٹ سکتا۔ ضرور تمہارے
پاس کوئی جادو ہے ورنہ یہ ممکن نہیں، تم دراصل ہمیں
بتانا نہیں چاہتے۔

عنبر نے بے زاری سے کہا:

"میں نے بتا دیا ہے لیکن یہ باتیں تمہاری عقل اور سمجھ

سے بہت بلند ہیں لیکن میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی
آخر تمہیں اس سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔"

ایک نے کہا:

"اتنے بھولے تو نہیں ہو کہ نہ سمجھ سکو سانپوں کے
ساتھ کھیلنے والے اس کے کاٹے کا منتر ضرور جانتے ہیں۔
چیونٹی جیسا حقیر جانور بھی دب کر کاٹ لیتا ہے پھر تم
جو ہم پر حکمرانی کرنے کے خواب دیکھ رہے ہو ہم سے
کس بھلائی کی توقع رکھتے ہو تم ہمارے پاؤں میں زنجیر
نہیں پہنا سکتے تم ہمارے دشمن ہو اور ہم دشمن کو دوست
سمجھنے کی حماقت نہیں کر سکتے۔"

عنبر نے بڑے صبر اور سکون کے ساتھ ان احسان
فراموشوں کے بدلے ہوئے چہروں کی طرف دیکھا اور مسکرا
کر کہا:

"مجھے امید تھی تم لوگ میری مہربانی سے فائدہ اُٹھاؤ گے اور
میرے احسان کو یاد رکھو گے تم نے ٹھیک ہی کہا ہے۔
سانپوں کو ساری عمر دودھ پلا کر بھی پالا جائے لیکن موقع ملتے ہی
وہ ڈسنے سے باز نہیں آتے۔"

عنبر نے سویٹی سے کہا:

"بیٹا تم ایسا کرو کشتی کے تہ خانے میں تھوڑی دیر کے لیے

چلی جاؤ۔"

سویٹی نے معصومیت سے کہا:

"وہ کیوں انکل اوپر کوئی خطرہ ہے کیا؟"

عنبر نے کہا "ہاں بیٹے کچھ سانپ اس کشتی پر چڑھ آئے
ہیں میں ذرا ان کا سر کچل دوں تو تمہیں بلا لوں گا اس وقت
تک کے لیے تم تہ خانے میں آرام کرو۔"

سویٹی نے کہا:

"مگر انکل مجھے تو کوئی سانپ نظر نہیں آتا۔"

عنبر نے کہا:

"بیٹے کوئی سوال مت کرو انکل کا کہا مانو اچھے بچے بڑوں
کا حکم مانتے ہیں۔"

سویٹی نے کہا:

"اچھا انکل۔"

پھر عنبر نے تہ خانے کا تختہ اٹھا دیا اور سویٹی اندر سیڑھیوں
سے اُتر گئی۔ عنبر نے دیکھا وہ چاروں ایک طرف اکٹھے ہو کر
حملے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ پھر اس سے پہلے کہ کوئی
فیصلہ کن مرحلہ شروع ہو کشتی میں زلزلہ سا آ گیا۔ اور کشتی بری
طرح ہچکولے کھانے لگی۔ سب نے حیرت سے دیکھا اور ان
کے چہروں کے رنگ موت کی زردی میں تبدیل ہو گئے وہ

شارک مچھلیوں میں پھنس گئے تھے جنہوں نے چاروں طرف
سے اس کشتی کو اپنے نرغے میں لے لیا تھا جو دعوت کی
خوشی میں اچھل کود کر رہی تھیں۔ چاروں قاتلوں نے حیرت
سے ان کی طرف دیکھا اور عنبر نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا:
"دیکھ لو تمہاری نیتوں کا پھل تمہاری موت بن کر سمندر کے
پانیوں سے ابھر آیا ہے۔ موت اپنے جبڑے کھولے تم سب
کا انتظار کر رہی ہے۔"

چاروں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر ایک
نے تینوں سے کہا:

"منہ کیا دیکھ رہے ہو مرنے سے پہلے اس دشمن سے
تو نپٹ ہی لو۔"

عنبر نے کہا:

"اب بھی وقت ہے۔ میری زندگی سے فائدہ اٹھاؤ اور
اپنے جرم کی سزا کے لیے اپنے آپ کو میرے حوالے کر دو۔"

لیکن چاروں نے کوئی جواب دینے کی بجائے عنبر پر
زبردست حملہ کر دیا۔ عنبر کی بجائے کوئی اور ہوتا تو اب
تک ختم ہو گیا ہوتا لیکن یہ عنبر تھا۔ سب سے بہادر اور
ناقابلِ تسخیر انسان اس نے ان چاروں کو اپنے مکوں اور ٹھڈوں
پر رکھ لیا۔ لیکن مار کھانے کے باوجود وہ چاروں زندگی اور موت

سے بے نیاز ہو کر لڑ رہے تھے اور ان کی کوشش تھی کہ
وہ عنبر کو کشتی سے سمندر میں دھکیل دیں اور سب سے
پہلے شارک مچھلیوں کی خوراک عنبر ہی بنے لیکن عنبر ان کے
ہر حملے کو اس طرح ناکام بنا دیتا تھا جیسے اس کے سامنے
قاتل اور ظالم نوجوانوں کی بجائے چار بچے ہوں۔ عنبر کا ہاتھ
جس پر بھی پڑ جاتا تھا نشان چھوڑ جاتا تھا جب کہ وہ
چاروں ہاتھ اس کے جسم پر آزما کر زخمی کر چکے تھے بھلا
گوشت اور ہڈی کے بنے ہوئے ہاتھ پتھر اور لوہے کے
جسم پر کیا اثر چھوڑ سکتے ہیں۔

آخر ان کو ایک ترکیب سوجھ گئی ان میں سے تین
تو عنبر سے لپٹ گئے اور چوتھے سے کہا تہ خانے میں جا کر
بچی کو ذبح کر ڈالو۔ چوتھا جلدی سے تختہ ہٹا کر تہ خانے
میں اتر گیا اب ذرا سی تاخیر بھی بچی کی زندگی کو ختم کر سکتی
تھی۔ عنبر پریشان ہو گیا پھر اس سے پہلے کہ قاتل اپنے
ارادے میں کامیاب ہوں کشتی لہروں سے کئی گز اوپر کو
اٹھی اور پلٹ گئی۔ جس کی وجہ سے عنبر مع تینوں قاتلوں
کے سمندر میں جا گرا۔ جہاں شارک مچھلیاں اپنے خونی
جبڑے کھولے ان کی طرف بڑھیں اور چاروں کو اپنے
منہ میں لے لیا۔ ان میں سے تین تو ان کے لیے تر نوالہ
ثابت ہوئے لیکن عنبر زور لگا کر شارک مچھلی کے جبڑے

میں کھڑا ہو گیا جب کے عنبر کے جسم پر دانت گاڑھے
کے چکر میں شارک اپنے کئی دانتوں سے محروم ہو گئی اور
عنبر نیچے کے جبڑے میں دونوں پاؤں جما کر زور لگا کر
کھڑا ہو گیا اور اس نے اوپر کے جبڑے کو تالو میں
ہاتھ ٹکا کر اسے اتنا اٹھا لیا کے جس میں وہ آسانی سے
کھڑا ہو سکے اس طرح وہ شارک کے دونوں جبڑوں کے
درمیان اٹک کر رہ گیا۔

شارک جس نے اسے نگلنے کے لیے اپنے خنجروں
جیسے دانت اس کے گوشت میں اتارنے چاہے تھے اپنے
دانت تڑوا بیٹھی۔ پھر غصے کی حالت میں شارک نے سارے
سمندر میں ہلچل پیدا کر کے رکھ دی اس کی کوشش تھی
کے کسی طرح یا تو عنبر پھسل کر اس کے پیٹ میں چلا
جائے یا پھر باہر ہی نکل جائے تاکہ جبڑوں کا تناؤ تو ختم ہو۔
دوسری طرف بقایا مچھلیاں ان تینوں قاتلوں کے گوشت پر
دعوت اڑا رہی تھیں۔ کسی کے منہ میں کسی کا ہاتھ اور
کسی کے منہ میں کسی کی ٹانگ آئی تھی اور اس طرح وہ
ان کے جسموں کے حصے مل بانٹ کر کھا رہی تھیں۔ درد کی
شدت سے بے تاب ہو کر شارک عنبر کو لیے سمندر کے
گہرے پانیوں میں اچھلتی اور کودتی پھر رہی تھی۔ عنبر کو یہ
تو اطمینان تھا کہ شارک کے دن پورے ہو گئے ہیں وہ

عنبر کو نقصان پہنچانے کی بجائے۔ خود اپنی جان بچانے
کی کوشش میں مصروف ہے لیکن اسے سویٹی کی طرف سے
خاصی پریشانی تھی کیوں کہ چوتھا ساتھی تہ خانے میں اتر
گیا تھا پھر خدا جانے اس نے سویٹی کو ختم کر دیا یا کسی
غیبی طاقت نے اسے بچا لیا ہے۔ کیوں کہ اب وہ کشتی
والی جگہ سے میلوں دور تھا اور کشتی کے انجام سے بے خبر
کہ الٹ جانے کے بعد کیا ہوا۔

اب ہم سویٹی کی طرف آتے ہیں جو تہ خانے میں سہمی
ہوئی بیٹھی تھی کہ تختہ ہٹا کر ان بدمعاشوں کا ایک ساتھی
اسے نیچے آتا دکھائی دیا۔ اس کے چہرے سے پوری طرح
شیطانیت عیاں تھی اور اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا
تھا غصے سے اس کے موہنہ سے جھاگ نکل رہی تھی اور
آنکھ کے قریب زخم ابھر آیا تھا جہاں سے خون رس رہا
تھا۔ شاید کوئی عنبر کا مکا اس کے موہنہ پر آنکھ کے قریب
ہی لگا تھا اور اس غصے کو اب یہ ظالم اس معصوم بچی
پر اتارنا چاہتا تھا۔ سویٹی اس کا ارادہ بھانپ کر کھڑی ہو
گئی اور اپنے ننھے ننھے سے ہاتھ جوڑ کر کہا:

"مجھے مت مارو انکل میں بھی آپ کی بیٹی کے برابر ہوں۔"

بدمعاش نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے اپنے ہاتھ میں
پکڑی ہوئی چھری کو ہلایا اور کہا:

خاموش رہ چڑیل ہماری بربادی تیری ہی وجہ سے ہوئی ہے اب میں تجھے اس چھری سے ذبح کروں گا۔"

معصوم بچی نے رو رو کر ہاتھ جوڑ جوڑ کر اور بھاگ دوڑ کر اس قاتل سے بچنے کی کوشش کی جبکہ وہ قاتل چھری کے بار بار وار کر کے اسے ختم کرنا چاہتا تھا۔ آخر اسی بھاگ دوڑ میں سویٹی کا پاؤں کسی چیز سے اُلجھ گیا اور وہ زمین پر گر گئی۔ قاتل نے اسے دبوچ لیا اور اپنے جسم کا سارا بوجھ زمین پر پڑی لڑکی پر ڈال دیا تاکہ وہ ہل نہ سکے۔ بچی نے چھت کی طرف نگاہ کی جیسے وہ خدا سے فریاد کر رہی ہو۔ اے معصوموں کی دعا سننے والے اس ظالم کو تو میرے ننھے ننھے جوڑے ہوئے ہاتھوں پر بھی ترس نہیں آتا اب تیرے سوا میرا کوئی سہارا نہیں ہے۔ قاتل نے اس کے گالوں پر طمانچے لگاتے ہوئے کہا بدبخت تیرا وہ حمایتی ہی کیا کم ہے جو خدا کو بھی بلا رہی ہے۔ پھر چھری لے کر اس کی شہ رگ پر رکھ دی جونہی قاتل نے شہ رگ کاٹنی چاہی کشتی اس زور سے اوپر اچھلی کہ قاتل جو سوئٹی کے اوپر تھا۔ اس کا سر تہہ خانے کی چھت سے ٹکرایا اور چھری اس کے ہاتھ سے گر کر دستے کے بل بکھرے ہوئے سامان میں جا اٹکی پھر جب وہ ٹکرا کر زمین پر گرا تو دستے کے بل کھڑی چھری کی نوک جو

اوپر اٹھی ہوئی تھی سیدھی اس کی کمر میں گھس کر سینے کی طرف سے نکل آئی اور پھر قاتل نے دوسری سانس بھی نہ لی اور وہ ختم ہو گیا جبکہ سویٹی اس جھٹکے کے ساتھ ہی لوہے کی سیڑھیوں کے جنگلے میں اٹک کر رہ گئی تھی اس لیے اسے معمولی چوٹ تو آئی کوئی کاری زخم نہ آیا اور وہ جنگلے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر جھول گئی۔

اب کشتی کی چھت فرش بن چکی تھی کیوں کہ کشتی الٹ گئی تھی اور سویٹی جنگلے میں لٹکتی ہوئی مدد کے لیے پکار رہی تھی لیکن اس کی مدد کو آنے والا کوئی بھی نہیں تھا آخر کار اس کے ننھے ننھے بازو شل ہو گئے تھک کر اس کے ہاتھ جنگلے سے چھوٹ گئے اور وہ سیدھی تہ خانے کے تختے پر گری جو دباؤ کی وجہ سے کھل گیا اور سویٹی سمندر کے پانی میں جا گری۔ اور لہریں اسے بہا کر اپنے ساتھ ہی لے گئیں۔

دوسری طرف شارک مچھلی درد سے بے حال ہو کر عنبر کو جبڑوں کے درمیان لیے سمندر کی تہ میں بنی ہوئی پہاڑیوں کی غار میں گئی جہاں اس کا گھر تھا اور کئی عدد اس کے بچے کلبلاتے پھر رہے تھے۔ اب عنبر کے لیے ایک اور مصیبت کھڑی ہو گئی تھی کیوں کہ کئی عدد بچوں نے ماں کے جبڑوں میں آئی ہوئی خوراک پر حملہ کر دیا تھا جب کہ عنبر نا تو اپنے ہاتھ استعمال کر سکتا تھا اور ہی

نہیں ٹانگیں ہلا سکتا تھا اگر اس کی گرفت ذرا بھی ڈھیلی پڑ
جاتی تو مچھلی آرام ہی سے اسے نگل جاتی آخر اس نے
اسی ایک لمحے میں فیصلہ کر لیا اس نے دیکھ لیا تھا
ایک تو یہاں جگہ شارک مچھلی کی جسامت کے اعتبار
سے کم تھی دوسرا پانی بھی گہرا نہیں تھا اس لیے اس جگہ
پر شارک مچھلی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکتی تھی یہی فیصلہ کر
کے عنبر نے ایک دم اپنی گرفت ڈھیلی کی اور دونوں
جبڑوں کے درمیان سے باہر کی طرف چھلانگ لگا دی اور
شارک کے بچوں کو روندتا ہوا ایک تنگ سی غار میں
جا گھسا۔

شارک کافی غصے میں تھی کہ ایک تو دانت بھی تڑوا
لیے اور شکار بھی نکل گیا۔ اس نے اپنی تھوتھنی اس غار
میں ڈال کر زور سے سانس کو اندر کی طرف کھینچا۔ عنبر کو محسوس
ہوا کہ جیسے آندھی آ گئی ہو اور غار کے اندر کئی گھاس نما
پودے چھوٹے چھوٹے سیپ اور گھونگے اڑ کر اس کے مونہہ
میں چلے گئے لیکن عنبر نے تیزی سے ایک مضبوط پتھر کو پکڑ
لیا اور اب شارک کی تھوتھنی اور عنبر کے درمیان صرف ایک
فٹ کا فاصلہ تھا جسے کم کرنے کے لیے وہ پورا زور لگا کر
اندر گھسنے کی کوشش کر رہی تھی اور عنبر بار بار اس کے
حملے سے اپنے آپ کو بچا رہا تھا۔ آخر تھک ہار کر شارک

نے ہی اپنا مونہہ غار سے باہر کھینچ لیا اور اس کے بعد
اس کے بچے اندر داخل ہوئے لیکن عنبر ان کے بس کا
کہاں تھا چند ہی منٹوں میں اس نے شارک کے بچے
مار ڈالے۔ شارک باہر غصے سے تڑپ رہی تھی آخر جب
اس کے کئی بچے مر گئے تو اس نے غصے میں آ کر اپنی
دم سے ایک پتھر پر زور سے وار کیا جو اپنی جگہ سے اکھڑ
گیا پھر شارک اسے دھکیلتی ہوئی غار کے مونہہ تک لائی
اور اس سے غار کا مونہہ بند کر دیا جس سے عنبر پوری
طرح سے اس قبر نما غار میں قید ہو کر رہ گیا۔ دوسری طرف
سویٹی لہروں کے تھپیڑے کھاتی ہوئی اور ان کے ساتھ بہتی
ہوئی کسی ویران جزیرے کے ساحل پر جا لگی۔ سویٹی
خوف سے بے ہوش ہو چکی تھی اور لہریں اسے آغوش
مادر کی طرح سے لوریاں دیتی ہوئیں اس جزیرے کے
کنارے تک لے آئی تھیں اور اب وہ پتھروں اور
جھاڑیوں کے درمیان بے ہوش پڑی تھی۔

○

آگے کیا ہوا جاننے کے لیے قسط نمبر ۵۲
"خون کی پیاس" پڑھیے۔
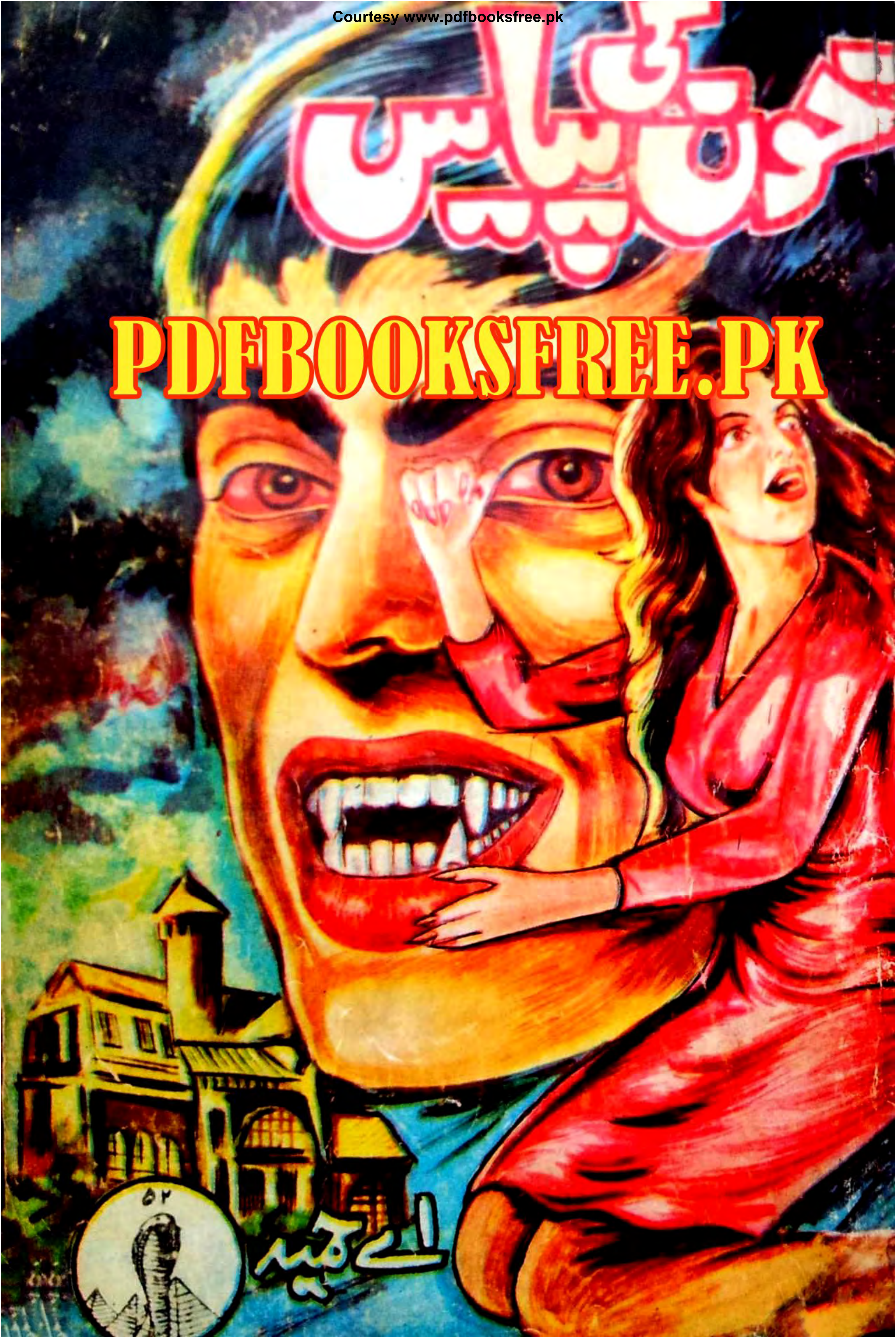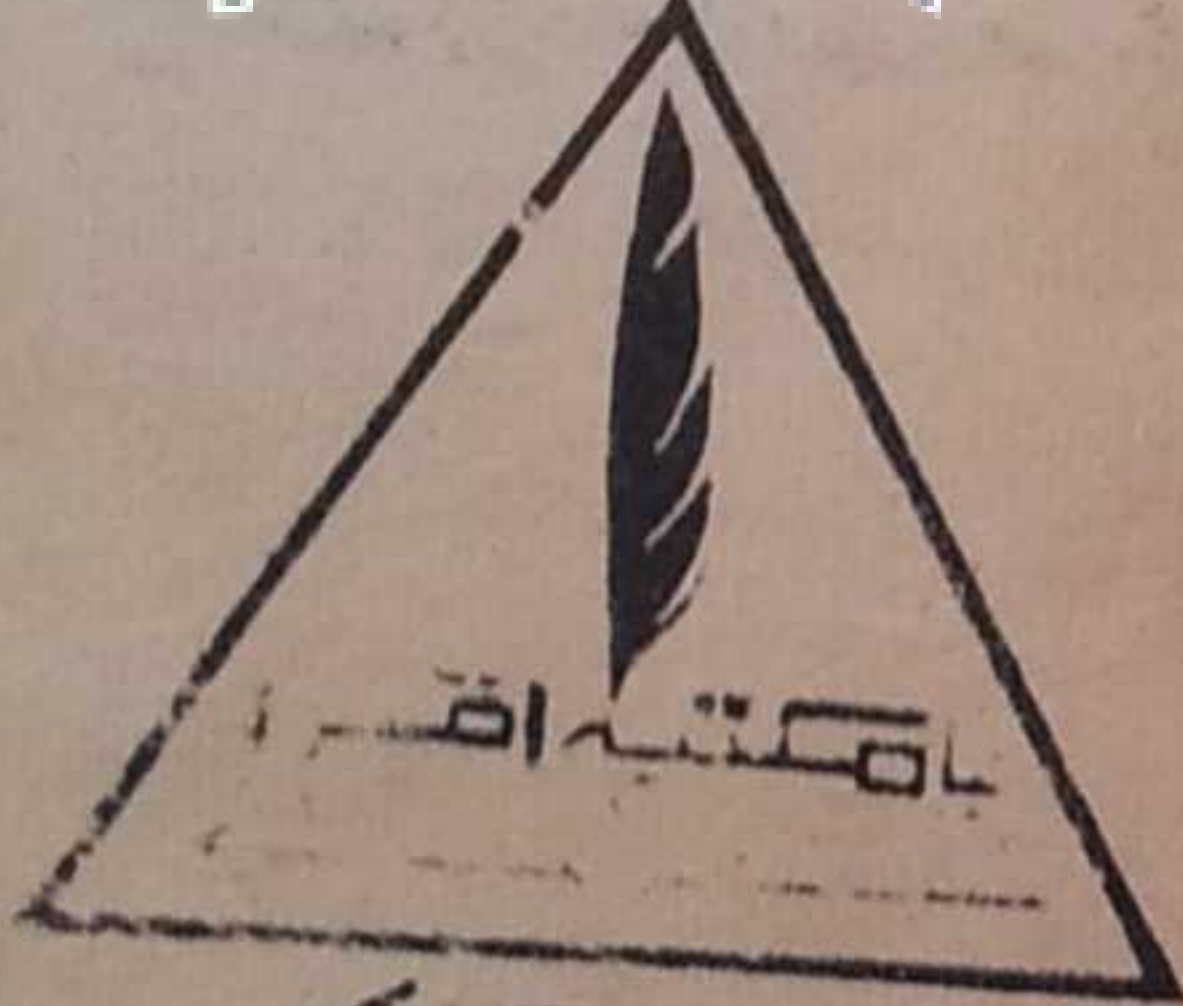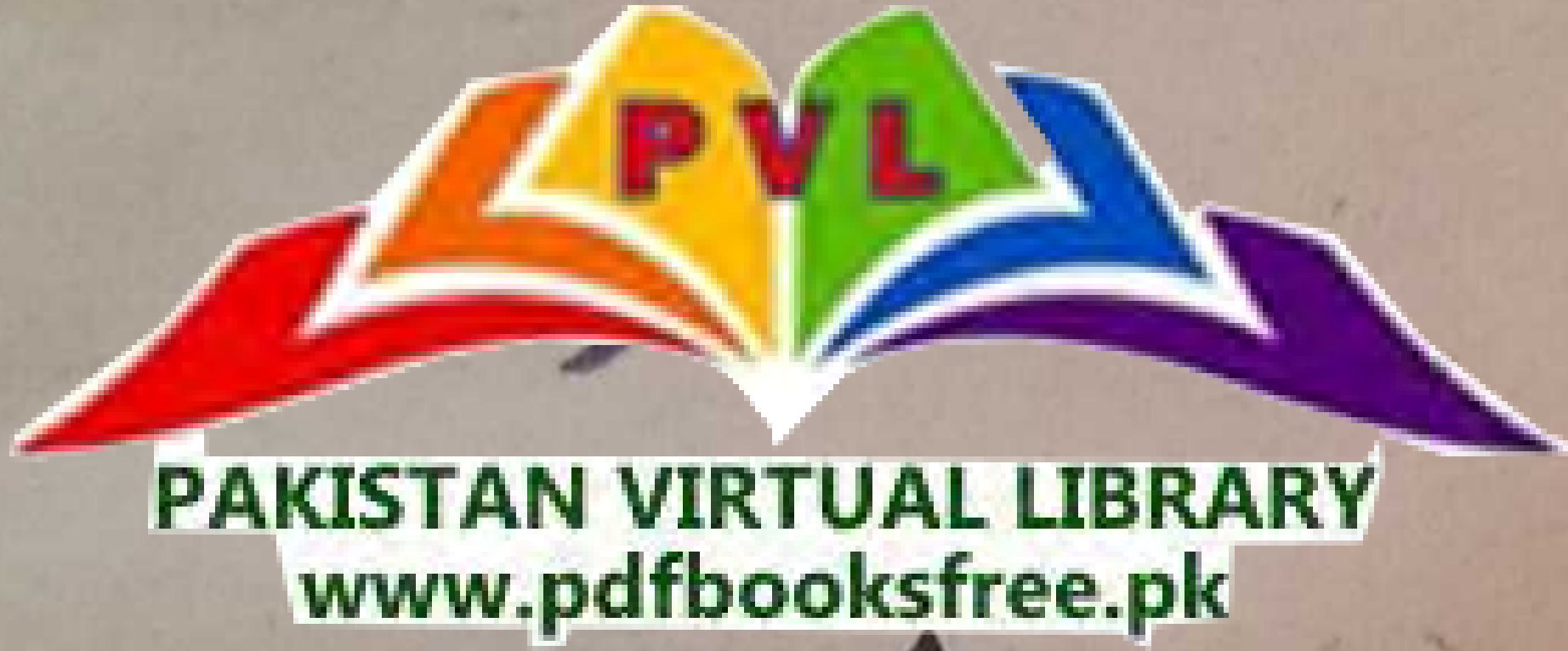
خون کی پیاس

۵۲

اے حمید

مکتبہ اقرأ

ناگ ماریا اور عنبر کی واپسی

کے پانچ پراسرار سفر کی سنسنی خیز داستان

خون کی پیاس

اے۔ حمید

قیمت : ۷/۵۰ روپے

بار اوّل ـــــ ۱۹۸۳ء

ناشر: نیا مکتبہ اقراء، ۱۴ بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور
طابع: الفرید پرنٹرز، لاہور

روز حیرانی سے حبشی کو زمین پر پڑے بے ہوش دیکھ رہی تھی۔ خوف سے اس کا چہرہ دھلے ہوئے کپڑے کی طرح سفید ہو گیا تھا۔ پھر اچانک اسے خیال آیا کہ شربت لانے سے پہلے کسی نے میرے کان میں سرگوشی کی تھی کہ اسے مت پینا۔ کسی لڑکی کی آواز تھی شاید۔ لیکن یہاں تو سوائے اس حبشی کے اور کوئی نہیں ہے پھر یہ آواز شہد میں گھلی ہوئی میرا وہم تھا یا پھر کوئی غیبی طاقت تھی جو اس اسرار سے واقف تھی کہ شربت میں زہر ملا ہوا ہے۔

ماریا برٹ نے پیار سے قریب ہی کرسی پر بیٹھی اس خوب صورت لڑکی کو الجھن میں گرفتار دیکھ کر مزہ لے رہی تھی۔

لیکن پھر جلدی ہی اسے روز کی حالت پر ترس آ گیا اور

اس نے قریب جا کر کہا۔
اچھی بہن! میں تمہاری اُلجھن دور کر دیتی ہوں۔
روز چونک پڑی ڈر کی وجہ سے اس کے ہونٹ
کپکپانے لگے۔ اور پھر روز نے روہانسی آواز میں رُک
رُک کر کہا۔
تم کون ہو؟
میں صرف تمہاری آواز ہی سن رہی ہوں۔۔۔۔ تم نے
مجھے بہن کہا ہے تو خدا کے لئے میرے سامنے آ جاؤ۔
کیوں کہ اس ویران اور پُر اسرار حویلی میں تنہائی مجھے ڈس
رہی ہے۔
ماریا نے کہا۔
میری پیاری بہن! مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں نظر نہیں
آ سکتی ورنہ میں تو اس وقت بھی تمہارے ساتھ تھی جب
تم گرجا گھر میں پادری کے ساتھ عبادت کے گیت گا
رہی تھیں۔
پھر میں اس وقت بھی تم سے دُور نہ تھی جب وہ چار
بدمعاش تمہیں اٹھا کر لے جا رہے تھے۔
روز نے کہا۔ تم کیسی بہن ہو کہ تم نے میری مدد ہی
نہیں کی۔

ماریا نے کہا
میں نے ان چاروں کو جو سزا دی ہے کاش تم بھی اپنی
آنکھوں سے دیکھ سکتیں۔ اور اس حبشی کو بھی میں نے ہی
بے ہوش کر دیا ہے۔
تو کیا یہ مرا نہیں؟
روز نے پوچھا۔
نہیں! لیکن رات بھر کے لئے بے ہوش ہو گیا ہے۔ ماریا
نے جواب دیا۔
تم اس کی فکر نہ کرو یہ تو ایک معمولی غلام ہے میں تو اس
کا انتظار کر رہی ہوں جو اس حویلی کا مالک ہے۔
اور یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ حسین لڑکیوں کو یہاں لا کر ان
کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہے۔
روز نے کہا۔
تو کیا مجھے بھی اس تجربے کی بھینٹ چڑھا دو گی باجی
میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں باجی مجھے یہاں سے لے
چلو۔ ابھی اس حبشی کے علاوہ یہاں کوئی اور نہیں تم آسانی سے
مجھے یہاں سے نکال لے جا سکتی ہو۔
ماریا نے کہا۔
روز! یہ اتنی آسان بات نہیں یہاں سے شہر بہت دور

ہے اور واپس جانے کے لئے کوئی سواری نہیں ہے۔ اس
تاریک اور سرد رات میں حویلی سے باہر نکلنا اس وقت اپنی
موت کو دعوت دینے کے برابر ہے۔ پھر تم نے ابھی تو
پوری حویلی دیکھی ہی نہیں کون جانے کہ یہاں اور کوئی بھی
موجود ہو جو فی الحال ابھی ہمارے سامنے نہیں آیا لیکن
یہاں سے نکلنے پر وہ ہمارے راستے کی دیوار بننے کی
کوشش کرے۔

تم یہاں تنہا نہیں ہو میں تمہارے ساتھ ہوں اور وعدہ
کرتی ہوں کہ میں تم پر کوئی آنچ نہ آنے دوں گی۔ مجھ
پر بھروسہ رکھو۔

روز نے کہا۔ پیاری باجی!
تمہاری آواز کتنی میٹھی ہے۔
ماریا نے ہنس کر کہا۔
صورت بھی بری نہیں۔
روز نے اصرار کیا کہ میری پیاری باجی! میرے سامنے آ
جاؤ نا۔

ماریا نے کہا۔
میری بہن! کاش یہ میرے بس میں ہوتا۔
ویسے تو میں تمہارے سامنے ہوں لیکن تمہیں یا کسی کو بھی نظر

نہیں آ سکتی۔ مصر کی ایک جادوگرنی کی بددعا سے میں جسم رکھتے
ہوئے بھی کسی کو نظر نہیں آتی لیکن یہ بات تو تمہارے
حق میں بہت اچھی ہے۔
اس طرح میں تمہاری ہر طرح مدد کر سکتی ہوں اور میرا
کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا اس لئے کہ میں کسی کو نظر ہی
نہیں آتی۔

میرا خیال ہے کہ اب تم آرام کرو میرے ہوتے ہوئے خطرے
کی کوئی بات نہیں۔ میں چاہتی ہوں ذرا گھوم پھر کر اس حویلی کے
متعلق کچھ معلومات حاصل کروں ہو سکتا ہے کہ اس کے اسرار
سے پردہ اٹھ جائے جس سے ہمیں آگے چل کر کچھ مدد مل
سکتی ہے۔

روز نے کہا۔
ٹھیک ہے جب تم واپس آ جاؤ تو مجھے بتا دینا نیند تو
مجھے آئے گی نہیں میں تمہارا انتظار کروں گی اور تمہارے
واپس آنے پر اس حویلی کے متعلق تم سے مزید معلومات حاصل
کروں گی۔

ماریا نے کہا ٹھیک ہے۔
پھر ماریا نے اس کمرے سے نکل کر حویلی کی تلاشی لینی شروع
کر دی۔ سب سے پہلے وہ دوبارہ باورچی خانے میں آئی

جہاں اس نے شربت میں بے ہوشی کا سفوف ملایا تھا۔ یہاں ایک پوری الماری مختلف قسم کے ڈبوں اور شیشیوں سے بھری پڑی تھی۔ جو خدا جانے کس کام کے لئے یہاں اکٹھی کی ہوئی تھیں۔

یہاں سے نکل کر ماریا گھومتی ہوئی ایک طرف کو چل دی۔ اسے اسی سمت سے گھنگھروؤں کی آواز سنائی دی۔ چھن۔ چھن۔ جو وقفے وقفے سے بج رہے تھے۔ ماریا اسی آواز کی سمت چل دی۔

یہ آواز ایک کمرے کے اندر سے آ رہی تھی جہاں اندھیرا تھا لیکن کمرے کا دروازہ باہر سے بند تھا۔ اور اس پر تالا لگا ہوا تھا۔

لیکن ماریا کا راستہ تو کوئی دیوار نہیں روک سکتی تھی۔ وہ بند دروازے سے گزر گئی اندر جا کر اسے احساس ہوا کہ یہ گھنگھروؤں کی آواز کتوں کے گلے میں پڑے ہوئے پٹوں میں لگے گھنگھروؤں کی تھی جنہیں شاید رات کو حویلی کی حفاظت کے لئے کھول دیا جاتا تھا لیکن آج ان کو کھولنے والا حبشی خود بے ہوش پڑا تھا اور یہ کتے اندر اس خلاف معمول حرکت پر پریشان تھے۔ یہ بلڈ ہونڈ کتے رات کی تاریکی میں شیر سے بھی زیادہ انسان کے لئے خطرناک ہوتے ہیں۔

ماریا کی بو پا کر انہوں نے غرانا شروع کر دیا لیکن انہیں سامنے کوئی نظر نہیں آ رہا تھا اب ماریا کو احساس ہو گیا تھا کہ یہاں کے قیدی رات کو فرار ہو ہی نہیں سکتے یہ بارہ بلڈ ہاؤنڈ کتے اس کو چیر پھاڑ کر رکھ دیں۔

یہاں سے نکل کر ماریا گھومتی ہوئی ایک بڑے سے ہال کمرے میں آ گئی یہاں ایک فانوس روشن تھا زمین پر ایک بڑا سا قالین بچھا ہوا تھا۔ پرانی وضع کا لیکن بالکل نیا فرنیچر یہاں بڑے قرینے سے سجا ہوا تھا۔ آتش دان میں آگ روشن تھی اور اس کے قریب ہی ایک خالی کرسی پڑی تھی

اور ایسا لگتا تھا کہ جیسے ابھی کوئی یہاں سے اُٹھ کر گیا ہے۔

سب سے زیادہ حیرت کی یہ بات تھی کہ دیواروں پر نوجوان اور خوب صورت لڑکیوں کے حنوط شدہ سر لگے ہوئے تھے۔ ان سروں کو دیکھ کر ماریا اس فن کار کو داد دیئے بغیر نہ رہ سکی۔ جس نے بھی ان خوب صورت سروں کو حنوط کیا تھا۔ رتی بھر بھی کسی لڑکی کی صورت بگڑنے نہ پائی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حاتم طائی کے زمانے والے پیڑ پر لٹکی ہوئی خوب صورت لڑکیوں کے سر ہیں جو ابھی زندہ ہو کر سامنے آ جائیں گی۔ پلکیں اور بھنویں تک اپنی جگہ پر قائم

تھیں۔ آنکھوں میں زندگی کی چمک اور چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ قائم تھی۔

ماریا حیرت سے دریا میں غوطہ زن تھی کہ یا الٰہی یہ کیا ماجرہ ہے۔ کون ہے وہ ظالم جس نے ان حسین اور خوب صورت ہنستے ہوئے چہروں کو دھڑ سے جدا کر دیا ہے اور دیواروں پر سجا دیا ہے۔

ماریا تھوڑی دیر تک ان پر افسوس کرتی رہی اور پھر یہاں سے باہر نکل گئی۔

اب اس کا رُخ ایک دفعہ پھر صحن کی طرف تھا جہاں ایک کونے میں ایک بڑا سا کنواں تھا۔

ماریا نے سوچا شاید یہ کنواں ہی اس حویلی میں پانی کا سب سے واحد ذریعہ ہے۔ اس نے یوں ہی اندر جھانک کر دیکھا اندر اندھیرا تھا لیکن کنوئیں سے سڑے ہوئے گوشت کی بو سے اس کا دماغ پھٹ کر رہ گیا اس نے دیوار سے ایک جلتی ہوئی مشعل اتار کر کنوئیں کے اندر دیکھنا چاہا لیکن مشعل کی روشنی اندر تک نہ پہنچ سکی۔

آخر اس نے جلتی ہوئی مشعل ہی کنوئیں کے اندر پھینک دی۔ مشعل اندر جا کر گری تو ماریا کے دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ کیوں کہ کنوئیں کے اندر انسانی ڈھانچے اور ہڈیاں

بکھری پڑی تھیں۔

اب ماریا کی سمجھ میں آ گیا کہ یہ ضرور ان لڑکیوں کے ہی ڈھانچے تھے جن کی گردنیں وہ ہال میں لگی دیکھ چکی تھی ایسی ہی بو اسے کتوں کے کمروں سے بھی آئی تھی جس نے اس حقیقت کو واضح کر دیا تھا کہ بلا شبہ یہ خونخوار کتے انسانی گوشت پر ہی پل رہے تھے۔ گوشت کتے کھا جاتے تھے اور بچی ہوئی ہڈیاں کنوئیں کی نذر ہو جاتی تھی۔

اب حبشی کا کردار بھی اس کے سامنے واضح ہو گیا تھا۔ ضرور یہ غلام ہی حنوط کے فن سے واقف تھا کیوں کہ یہ مصر کا رہنے والا تھا اور مصر میں زمانہ قدیم میں بھی فرعونوں کی لاشیں حنوط کی جاتی تھیں۔

پھر اس کے سامنے مختلف سفوفوں سے بھری ہوئی الماری کا تصور اُبھر آیا شاید یہ سفوف ہی وہ مصالحہ جات تھے جو حنوط کرنے کے کام آتے تھے۔

کڑی سے کڑی ملتی جا رہی تھی اب بس ایک کردار ہی باقی رہ گیا تھا۔ جو اس سب گورکھ دھندے کا مالک تھا اور جس کے اشارے پر یہ سب کچھ ہو رہا تھا وہ ابھی تک سامنے نہیں آیا تھا۔

اس کے بڑے چارہ تو روز کی صورت میں مہیا ہو چکا
تھا بس اب اس کی کسر باقی رہ گئی تھی۔

پھر ماریا کے ذہن میں بجلی کے کوندے کی طرح ایک
خیال آیا اور اس نے ایک دفعہ پھر ہال کا رخ کیا یہاں
فائر پلیس پر ایک نہایت ہی خوب صورت سینری لگی ہوئی
تھی اور یہ فرانس کے کسی مشہور مقام کی تصویر تھی۔

فرانس ماریا نے ہولے سے اپنے منہ میں دہرایا۔ فرانس
پھر ایک دم اس کا قلب روشن ہو گیا لیکن جسم اس خیال سے
ہی کانپ کر رہ گیا۔

ماریا نے کہا اوہ میرے خدا اس حویلی کے مالک کا
تعلق ضرور فرانس سے ہے اور فرانس میں ڈریکولا نام کی بلائیں
عام ہیں۔

ڈریکولا عام انسانوں کی طرح انسان ہی ہوتے ہیں جن پر
وقتی طور پر دورہ پڑتا ہے اور وہ جب تک کسی انسان کا
خون نہ پی لیں اپنی اصلی حالت میں واپس نہیں آتے، پھر جس
کسی مرد یا عورت کا خون ایک دفعہ ڈریکولا پی لیتا ہے اس
پر بھی اس قسم کے دورے پڑنے شروع ہو جاتے ہیں۔
فرانس کی حکومت نے مذہبی پیشواؤں کے تعاون سے ان بلاؤں
کا خاتمہ کرنے کے لئے باقاعدہ مہم چلائی تھی جس میں بے شمار

اس قسم کے ذہنی مریض مارے گئے تھے اور کئی ایک کو فرانس
چھوڑ کر مختلف ممالک میں پناہ لینی پڑی تھی۔

ماریا نے سوچا ضرور یہ آدمی بھی فرانس سے نکلا ہوا کوئی
رئیس ہے جس نے اپنی دولت کے بل بوتے پر شہر سے دور
ویرانے میں اپنی شکار گاہ بنا رکھی ہے۔ اس کے دلال سونے کے
سکوں کے عوض خوب صورت لڑکیاں اغوا کر کے لاتے ہیں
اور وہ معصوم لڑکیاں اس ڈریکولا کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں وہ
یہاں سے پھر روز کے کمرے کی طرف چل دی جہاں روز بیچاری
ڈری اور سہمی ہوئی پلنگ پر پڑی جاگ رہی تھی۔ ماریا نے اس
کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

روز! میں واپس آ گئی ہوں۔

روز کی جان میں جان آئی اس نے اپنے خشک ہونٹوں کو
تر کرتے ہوئے کہا۔

ماریا باجی! کچھ پتہ چلا کہ میں کس آدمی کی قید میں ہوں۔

ماریا نے کہا۔

فی الحال تو یہاں اس حبشی غلام کے علاوہ کوئی نہیں ہے
لیکن تو کیوں فکر کرتی ہے میری جان۔ میں جو تیرے ساتھ ہوں
میرے ہوتے ہوئے تم تک کوئی خطرہ نہیں پہنچ سکتا۔

روز نے کہا۔

میں تمہارا کن الفاظ میں شکریہ ادا کروں باجی! اگر تم یہاں نہ ہوتیں تو میں خوف اور دہشت سے مر گئی ہوتی۔

ماریا نے کہا۔

روز! میرا نام ماریا ہے تم چاہو تو مجھے اس نام سے پکار سکتی ہو۔

روز نے کہا۔

ماریا باجی! تم کتنی اچھی اور مہربان ہو۔

ماریا نے کہا۔

چل اب سو جا میں بھی تیرے ساتھ ہی لیٹ جاؤں گی۔ تو میرے جسم کا لمس ضرور محسوس کر سکتی ہے لیکن دیکھ نہیں سکتی۔ مجھے نیند بھی پریشان نہیں کرتی اور نہ ہی موسموں کا اثر مجھ پر ہوتا ہے۔

میں بھوک اور پیاس سے بھی کئی روز زندہ رہ سکتی ہوں لہٰذا میں جاگ رہی ہوں تو سو جا تیری طبیعت ویسے ہی صدمے کی وجہ سے خراب ہو رہی ہے اور اگر تو جاگتی رہی تو بیمار ہو جائے گی۔ اس لئے تجھے آرام اور نیند کی اشد ضرورت ہے۔

روز نے کہا ماریا باجی! اگر تم جاگ رہی ہو تو میں سو جاتی ہوں۔

پھر روز نے ماریا کے جسم کا لمس اور حرارت محسوس کی اور اُسے اس میں ماتا کی شفقت نظر آئی پھر دھیرے دھیرے اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور تھوڑی دیر کے بعد ہی وہ گہری نیند سو گئی۔

خون کی پیاس

صبح سویرے حبشی کو ہوش آگیا اور وہ آنکھیں ملتا ہوا اُٹھ بیٹھا۔ روز ابھی تک سو رہی تھی ماریا اس کے ساتھ ہی پڑی ہوئی جاگ کر حبشی کو دیکھ رہی تھی حبشی نے اٹھ کر ایک نظر روز کو دیکھا اور پھر فوراً باہر چلا گیا کیوں کہ اس نے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سن لی تھیں۔ اور شاید اسے یاد آگیا تھا۔ کہ کتے رات بھر کے بھوکے ہیں۔ کیوں کہ اس کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ہی کتوں کے بھونکنے کی آواز بند ہو گئی تھی۔

سورج نکل آیا تھا اور دھوپ گرد و نواح کی پہاڑیوں پر پھیل گئی تھی۔

روز نے انگڑائی لے کر آنکھیں کھول دی تھیں اور ماریا کے جسم کے لمس کو محسوس کرتے ہوئے اس نے ماریا کو مخاطب کر کے کہا:

ماریا باجی!

کیا جاگ رہی ہو؟

ماریا نے مسکرا کر جواب دیا۔

ہاں روز!

کہو کیا بات ہے؟

روز نے کہا۔

کیا اب مجھے عمر بھر یہیں رہنا ہو گا؟

ماریا نے جواب دیا۔

یہ تم سے کس نے کہا؟

روز نے کہا تو پھر کچھ سوچو نا میری جدائی میں میری ممی اور پاپا کا نہ جانے کیا حال ہو گا۔

ماریا نے کہا!

روز! میری جان! میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ تم جتنی جلدی ہو سکے اپنے والدین کے پاس پہنچ جاؤ لیکن مجبوری ہے یہاں سے نکل جانا اتنا ہی آسان ہوتا تو اب تک میں تمہیں یہاں سے نکال لے جاتی یہ جگہ شہر سے کافی دور ہے اور عام راستے سے بھی کافی ہٹی ہوئی ہے بغیر سواری کے یہاں سے نکل جانا ناممکن ہے کیوں کہ تمام راستہ پتھریلا ہے، ناہموار ہے اور ٹبوں کے اوپر نیچے ہو

کرجاتا ہے۔ جن پر تھوڑی دور تک بھی پیدل چلنا بہت دشوار ہے۔

پھر اس حویلی کی حفاظت حبشی کے علاوہ دس خونخوار کتے بھی کر رہے ہیں جو رات ہوتے ہی کھول دیئے جاتے ہیں میں نے تمام گھوم پھر کر دیکھ لیا ہے یہاں سواری کا جانور بھی موجود نہیں تم فکر نہ کرو مجھے معلوم ہے یہ کھیل جلدی ہی ختم ہو جائے گا قدموں کی چاپ سن کر ماریا خاموش ہو گئی۔

آنے والا حبشی غلام تھا جو روز کے لئے ناشتہ ۔۔ لایا تھا اس نے آتے ہی کہا۔

گڈ مارننگ یور ہائنس کیسے رات کیسی گزری۔

روز نے بے دلی سے جواب دیا۔

مسٹر ۔۔۔۔

حبشی نے فوراً کہا

براؤن

روز نے کہا

مسٹر براؤن! نیند تو انسان کو سولی پر بھی آ ہی جاتی ہے

حبشی نے حیرت سے سوال کیا۔

یور ہائنیس! اس کمرے کو آپ سولی سے تشبیہ دے کر بے انصافی سے کام لے رہی ہیں۔

روز نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا

براؤن!

پنجرے میں قید پنچھی سولی پر ہی لٹکا ہوتا ہے چاہے اس کا پنجرہ سونے کا بنا ہوا ہو یا لوہے کا۔ پنجرہ تو پنجرہ ہی ہے۔

یہ شاندار حویلی خوب صورتی میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ میری نظر میں وہ کٹیا زیادہ بہتر ہے جہاں آدمی آسانی سے آ جا سکتا ہے۔

براؤن نے کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے جواب دیا آپ فکر نہ کریں آپ کو بہت جلد آزاد کر دیا جائے گا اس طنز کو روز تو نہ سمجھ سکی کیوں کہ اسے اس کا کچھ علم نہ تھا لیکن ماریا نے فوراً سمجھ لیا کہ اس آزادی سے حبشی کی کیا مراد ہے۔

براؤن نے روز سے کہا

یور ہائنیس!

ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔

روز نے چند لقمے زہر مار کر لئے لیکن ماریا نے ابلے ہوئے انڈوں کی اور حلوے کی دونوں پلیٹیں خالی کر دیں اور

چائے کے بھی کئی کپ پی لئے۔

اس کے بعد حبشی پھلوں سے بھری ہوئی ٹرے لے کر آیا اور کہا

یور ہائینس!

یہ انگور کھائیے پھل آپ کے لئے بہت ضروری ہیں ان کے کھانے سے انسان کے جسم میں تازہ خون پیدا ہوتا ہے۔ سرخ رنگ کا خون۔ مَیں چاہتا ہوں جب آپ میرے آقا کے سامنے جائیں تو آپ کا چہرہ قندھاری انار کی طرح سرخ ہو۔

ماریا سب کچھ سمجھ رہی تھی کہ شکار کے جسم میں جتنا خون زیادہ ہوگا۔ اس حبشی کا مالک اتنا ہی زیادہ خوش ہوگا۔

روز نے کہا۔

مسٹر براؤن! اب جب کہ مَیں یہاں آچکی ہوں اور کسی بھی صورت میں یہاں سے واپس نہیں جا سکتی کیا آپ مجھے بتانا گوارا کریں گے کہ آپ کے مالک کون ہیں اور مجھے یہاں کس مقصد کے لئے لایا گیا ہے۔

براؤن نے جواب دیا

کچھ باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کا معلوم نہ ہونا ہی

انسان کے لئے بہتر ہوتا ہے۔ مَیں نے اپنے مالک کے متعلق قبل از وقت آپ کو کچھ نہیں بتا سکتا اور نہ ہی یہ بتا سکتا ہوں کہ آپ کو یہاں کیوں لایا گیا ہے یہ باتیں میرے مالک ہی جانتے ہیں مَیں تو ایک خادم ہوں جس کی ڈیوٹی صرف یہی ہے کہ آنے والے جہان کی خدمت کروں اور اسے تنہائی کا احساس نہ ہونے دوں۔

روز نے کہا یہ تو بتا سکتے ہو کہ تمہارے مالک یہاں کب آرہے ہیں۔

براؤن نے جواب دیا ان کے آنے کا کوئی بھی وقت مقرر نہیں مَیں ہر روز ان کا بستر تیار رکھتا ہوں ڈرائنگ روم کے فائر پلیس یعنی آتش دان میں آگ روشن رکھتا ہوں اس امید پر کہ شاید وہ ابھی آجائیں۔

روز نے کہا

یہ تو تمہیں معلوم ہی ہوگا کہ تمہارے مالک خود کہاں رہتے ہیں اور کہاں سے آتے ہیں ان کا نام تو تمہیں معلوم ہوگا۔

براؤن نے کہا

میڈم! ان کی رہائش کا بھی مجھے علم نہیں ہے۔ ہاں نام کا ضرور معلوم ہے۔ میرے مالک کا نام شاید

موسیو ڈیگال ہے۔

ماریا نام سن کر چونک پڑی۔ بلاشبہ یہ فرانسیسی نام تھا۔ اب ماریا کا دل چاہ رہا تھا۔ کہ کاش روز اس سے پوچھ ہی لے کہ کیا ان کا تعلق فرانس سے ہے اور پھر روز نے پوچھ ہی لیا۔

مسٹر براؤن!

یہ تو فرانسیسی نام ہے کیا تمہارے آقا کا تعلق فرانس سے رہا ہے۔

براؤن نے سنجیدگی سے کہا

میرا خیال ہے کہ آپ کو بتا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے بلاشبہ میرے آقا کا تعلق فرانس ہی سے ہے وہ وہاں سے کسی نامعلوم وجوہات کی بنا پر ہجرت کر کے یہاں آ گئے اور یہاں آ کر سرکاری نیلامی میں یہ حویلی خرید لی کیوں کہ اس حویلی کا مالک لارڈ اسٹوورڈ لاولد تھا۔ اس کی بیوی اس کی زندگی میں ہی مر گئی تھی اور اس کی وفات کے بعد اس جائیداد کا کوئی وارث نہ تھا اس لئے اس حویلی کو سرکاری تحویل میں لے لیا گیا۔ اور بعد میں جب اسے نیلام کیا گیا تو اسے میرے آقا نے خرید لیا۔

اب ماریا کی سمجھ میں روز روشن کی طرح یہ بات آ گئی تھی کہ یہ شخص بلاشبہ فرانس سے نکل بھاگنے والا ڈریکولا میں سے تھا۔ اس کے زرخرید غلام خوب صورت اور صحت مند لڑکیاں اس کے لئے سونے کے سکوں عوض مہیا کرتے ہیں۔

براؤن اچھی خوراک اور پھلوں سے ان کے جسم میں مزید صحت مند خون پیدا کرتا اور پھر یہ خون اس کا مالک مقررہ وقت پر آ کر پی جاتا ہے۔ پھر یہ حبشی غلام اس کا سر کاٹ کر حنوط کر کے اسے دیوار کی زینت بنا دیتا ہے۔

ماریا جب یہ تمام تانے بانے بُننے میں مصروف تھی تو روز نے ایک اور سوال براؤن سے کر دیا اور کہا۔

مسٹر براؤن!

آپ کا تعلق شاید مصر سے ہے۔

بہت خوب یور ہائینس!

آپ نے ٹھیک اندازہ لگایا بلاشبہ میں فرعونوں کی سرزمین سے تعلق رکھتا ہوں۔

اب ماریا کے سامنے ساری بات واضح ہو چکی تھی۔

براؤن نے برتن اٹھاتے ہوئے کہا۔

یور ہائینس!

کوئی سوال باقی رہ گیا ہو تو پوچھ لیں ورنہ میں جا رہا ہوں
مجھے آپ کے لئے کھانا تیار کرنا ہے۔

روز نے کہا

نہیں مسٹر براؤن! اب تم جا سکتے ہو۔

براؤن نے برتن اٹھائے اور باہر نکل گیا۔

روز نے اسے دور جاتے دیکھ کر ماریا سے کہا

ماریا باجی!

ان تمام باتوں سے آپ نے کیا اندازہ لگایا ہے
میں نے صرف آپ کی خاطر ہی اتنے سوالات پوچھے
تھے۔ کہ شاید ان کی روشنی میں آپ ہی کوئی اندازہ
لگا لیں۔

ماریا نے جواب دیا

روز تم بہت ذہین اور سمجھ دار ہو جو سوالات میرے
دل میں تھے تم نے وہی اسے پوچھے ہیں بلاشبہ
میرے ذہن میں ہر بات صاف ہو گئی ہے لیکن اب
مجھ پر سوالات کی بوچھاڑ نہ کر دینا کیوں کہ میں قبل از
وقت کسی بھی بات کا جواب نہیں دے سکتی جو کچھ

کرنا ہے حالات کے مطابق کرنا ہے جسے قبل از وقت
بتایا ہی نہیں جا سکتا۔ میں تھوڑی دیر کے لئے تم سے
جدا ہو رہی ہوں کوئی فکر نہ کرنا میں جلد ہی واپس
آ جاؤں گی۔

ماریا یہاں سے نکل کر تیزی سے اُڑتے والی دوڑ
کے ساتھ شہر کی طرف روانہ ہو گئی اتفاق کی بات کہ اسے
تھوڑی دور جانے کے بعد ہی ان چاروں بدمعاشوں میں
سے کسی کا گھوڑا آوارہ پھرتا ہوا مل گیا۔

ماریا نے اسے قابو کیا اور اس پر بیٹھ کر سرپٹ شہر
کی طرف چھوڑ دیا۔ چند گھنٹوں کی مسافت کے بعد وہ شہر
کے مشہور قبرستان میں پہنچ گئی۔ جہاں تقریباً زیادہ تر لارڈز
اور اکاؤنٹ ہی دفن تھے۔

اس نے گھوڑے کو باہر باندھ دیا اور خود تیزی سے
اندر داخل ہو گئی اور قبروں کا معائنہ کرنے لگی وہ جلدی
جلدی ہر قبر پر لگی تختی پڑھتی جا رہی تھی اور پھر ایک
قبر پر موسیو ڈیگال کا نام پڑھ کر وہ رک گئی اپنے پیچھے
قدموں کی آہٹ سن کر اس نے مڑ کر دیکھا۔ قبرستان
کے منتظم کے ساتھ ہی کوئی آدمی چلا آ رہا تھا اور
وہ دونوں ہی۔ اس قبر کے ساتھ والی قبر پر آ کر

رک گئے۔

اس آدمی نے اس قبر پر پھول چڑھائے اور پھر
ساتھ والی قبر کا کتبہ پڑھتے ہوئے کہا

فادر!

یہ موسیو ڈیگال کون ہے ہمارے شہر کے رئیسوں
میں سے تو معلوم نہیں ہوتا۔

قبرستان کے منتظم نے کہا

پیٹر! تم نے ٹھیک کہا یہ کوئی فرانسیسی امیر ہے جسے کسی
جرم میں پھانسی کی سزا ہو گئی تھی۔ اس کا جرم کچھ ایسا ہی
تھا کہ وہاں کی حکومت نے اسے دفنانے کی بھی اجازت
نہیں دی۔ لہذا ڈیگال کا حبشی غلام اس کی لاش کا تابوت
لے کر اس شہر میں پہنچا اور احکام بالا سے اجازت لے
کر اسے یہاں دفنا دیا۔

ماریا خوش ہو رہی تھی کہ کڑیاں آسانی سے ملتی جا
رہی ہیں۔

ڈیگال کو اسی لئے فرانس میں دفنانے کی اجازت
نہیں ملی کہ اس کا جرم ہی ایسا تھا۔ یہ ڈریکولا تھا جو
مرنے کے بعد بھی بلا بن کر تابوت سے ایک خاص وقت
مقررہ پہ نکل آتے ہیں اور آدمی کا خون پی کر دوبارہ

اپنی قبریں جا سوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ پھانسی کے بعد
بھی وہاں کی حکومت نے اسے وہاں دفنانے کی
اجازت نہیں دی۔

سورج غروب ہوتے ہی اس شہر کو کالے بادلوں
نے اپنی آغوش میں لے لیا تھا۔ بلاشبہ یہ ایک سیاہ
رات تھی۔ اور ہوا آندھی کی صورت میں سیٹیاں بجاتی
چل رہی تھی۔ بجلی بھی بار بار چمک رہی تھی بادل
کی گرج اور بجلی کی چمک نے اس رات کو کافی ڈراؤنی
بنا دیا تھا۔

ماریا ایک قبر پر پڑی چھت کے نیچے پناہ لئے ہوئے
تھی کیوں کہ اب بارش آسمان سے آبشار کی طرح گرنے
لگی تھی پورا شہر تاریکی میں ڈوبا ہوا قبرستان دکھائی
دے رہا تھا۔

اس طوفان سے ایسا لگتا تھا کہ یہ آسانی سے ختم ہونے
والا نہیں کیوں کہ اس میں کمی آنے کی بجائے اور
شدت پیدا ہو گئی تھی۔ اور کئی جگہ بجلی گر چکی تھی تیز
ہوا سے کئی درختوں کی شاخیں ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہی
تھیں اور کئی کمزور درختوں کو تو اس آندھی نے جڑ سے
ہی اکھاڑ دیا تھا۔

ماریا کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اس کا پتہ پانی ہو جاتا لیکن
یہ ماریا تھی جس نے ایسے ہزاروں طوفان دیکھے تھے
اس کا دل کہہ رہا تھا کہ آج کی رات ہی کچھ ہونے
والا ہے۔ اور اس کا اندازہ تھا کہ یہ شیطانی طاقت
والا ڈیگال آج کی رات ضرور یہاں سے نکل کر اس حویلی
میں خون کی پیاس بجھاتے جائے گا۔

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ اچانک قبرستان
میں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی ماریا نے
دیکھا بارش کی چادر ہٹاتے ہوئے چار گھوڑوں کی
بگھی جس میں سیاہ گھوڑے جتے ہوئے تھے اور جس
پر کوچوان سیاہ کپڑوں میں ملبوس اپنا چہرہ چھپائے
بیٹھا تھا۔ ڈیگال کی قبر کے پاس آکر رک گئی سردی اور
بارش کے باوجود گھوڑوں کی پھولی ہوئی سانس سے
ماریا نے اندازہ لگایا کہ کوچوان انہیں تیزی سے اور
کافی دور سے دوڑاتا ہوا لایا ہے کیونکہ ان کا سانس
لوہار کی دھونکنی کی طرح چل رہا تھا اور ان کے منہ
سے جھاگ نکل رہی تھی۔

اسی وقت بجلی زور سے چمکی اور بارش میں ماریا
نے دیکھا کہ ڈیگال کی قبر کھل گئی اور اس میں سے
خوفناک شکل والا آدمی سیاہ کپڑوں میں باہر نکلا اور اس
طرح چلتے ہوئے جیسے اس کی ٹانگیں لکڑی کی بنی ہوئی
ہوں۔ بگھی کی طرف بڑھا جب کہ کوچوان نے فوراً اتر
کر دروازہ کھول دیا۔

بجلی ایک دفعہ پھر زور دار آواز کے ساتھ کوندی اور
تیزی سے ہوا کا جھونکا آکر گزر گیا جس سے کوچوان کے
سر سے سیاہ چادر ہٹ گئی اور ماریا یہ دیکھ کر حیران
رہ گئی کہ یہ چہرہ تو اس کا جانا پہچانا تھا۔
یہ تو حبشی غلام براؤن ہی تھا۔ جس کا مالک اندر بیٹھ
چکا تھا۔ اس نے دروازہ بند کیا چادر سے پھر اپنا چہرہ
چھپا لیا اور جا کر کوچوان کی جگہ بیٹھ کر بگھی کا رخ باہر
کی طرف موڑ دیا اور پھر جوں ہی بگھی مڑ گئی اس نے
ہوا میں چابک لہرایا اور گھوڑوں کی پیٹھوں پر زور سے
برسانا شروع کر دیا۔

ماریا جلدی سے بگھی پر سوار ہو گئی۔ گھوڑوں نے
چابک کھانے کے بعد اپنی ٹانگیں اوپر اٹھائیں اور پھر
جب دوبارہ ان کے پاؤں زمین پر پڑے تو وہ ہوا
کی سی تیزی کے ساتھ بگھی کو لے اڑے۔

ماریا نے بگھی کے اندر جانے کی بجائے براؤن کے
برابر ہی اپنے لئے جگہ بنا لی کیوں کہ اندر سے ا
سڑے ہوئے گوشت اور مشک کافور کی بدبو آ رہی
تھی۔

گھوڑے سڑک سے اُتر کر ٹیلوں پر بنی کچی سڑک پر
ہوئے براؤن کافی طاقتور اور صحت مند ہونے کے
باوجود سردی سے کانپ رہا تھا ماریا پر تو کسی موسم
کا اثر ہوتا ہی نہیں تھا۔ البتہ اونچے نیچے راستے نے
اسے ضرور پریشان کر رکھا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں اس
کا جسم براؤن سے نہ ٹکرا جائے۔ لہٰذا وہ بڑی مضبوطی
سے بگھی کے ایک حصے کو تھامے بیٹھی تھی۔ جب کہ
بگھی ہچکولے کھاتی جا رہی تھی۔ اور کئی دفعہ ایسا لگتا تھا
کہ اُلٹ ہی جائے گی۔ کئی دفعہ بگھی کے ایک طرف کے
پہیے زمین سے اٹھ بھی گئے تھے لیکن براؤن کسی بھی حادثہ
کی پرواہ کئے بغیر اسی رفتار سے بگھی چلا رہا تھا اور پھر
جلدی ہی یہ راستہ بھی کٹ گیا۔ اور دوڑتے ہوئے
گھوڑے بگھی سمیت حویلی کے صدر دروازے سے اندر
داخل ہو کر عمارت کے قریب رک گئے۔

کتوں نے دوڑ لگا کر بگھی کو جا لیا اور اپنے مالک

کی بو پا کر دم ہلاتے ہوئے براؤن کے گرد اکٹھے ہو گئے
جس نے سیاہ چادر اتار دی تھی اور اتر کر بگھی کا دروازہ
کھول دیا تھا۔ جس میں سے ڈیگال اپنی مخصوص چال کے
ساتھ چلتا ہوا ڈرائنگ ہال میں داخل ہو گیا ماریا اتر کر
جلدی سے روز کے کمرے میں داخل ہو گئی۔

جہاں عجیب ہی صورت حال تھی روز دلہن کی طرح
سجی ہوئی نشے کی حالت میں لڑکھڑاتی ہوئی آہستہ آہستہ
گنگنا رہی تھی۔

ماریا نے اس کے قریب جا کر اسے پکارا

روز! روز!

روز نے نشے کے خمار میں آواز کی سمت دیکھا اور
کہا۔

کون ہے اس وقت ہمیں نہ پکارو ہم جس جہان
میں ہیں وہاں سوائے شہنشاہوں صدا کے کوئی اور
آواز ہمیں اچھی نہیں لگتی۔ میری آنکھیں سیج پر سجے ہوئے
پھولوں کو دیکھ رہی ہیں میں ان کی خوشبو محسوس کر
رہی ہوں اس سیج پر بچھا ہوا اطلس اور کمخواب کا بستر
میرے ہی لئے ہے میں جو دلہن ہوں اور پھر وہ زور
سے ہنسنے لگی۔

ماریا نے سوچا اس وقت اس سے بات کرنا فضول ہے
کیوں کہ یہ نشے کی حالت میں ہے پھر ماریا نے آہٹ سن
کر مڑ کر دیکھا۔

براؤن اپنے اصلی لباس میں اندر داخل ہوا اور روز
سے کہا

یور ہائنس!

آپ اپنے پیروں سے چل کر جائیں گی کہ مجھے اٹھا کر
لے جانا ہوگا اس نے یہ جملہ طنزاً کہا تھا

روز نے لڑکھڑاتے ہوئے کہا ہمارے قدم ہمارا ساتھ
نہیں دے رہے۔

براؤن نے اسے اٹھا لیا اور کمرے سے نکل گیا

اس کے پیچھے ہی ماریا بھی نکل گئی ایک جگہ رک
کر ماریا نے اپنے لباس سے صلیب کے دستے کا
خنجر نکال کر دیکھا جسے اس نے اپنے لباس میں چھپا
رکھا تھا اور جس کا انتظام اس نے پہلی ہی رات
کو کر لیا تھا۔

جب جیشی کو بے ہوش کر کے وہ روز کے ساتھ
ہی لیٹ گئی تھی۔ اور روز کے سو جانے کے بعد
وہ حویلی سے اٹھ کر چلی گئی تھی اور دن نکلنے سے

پہلے ہی وہ روز کے ساتھ آ کر لیٹ گئی تھی۔ وہ ہال
میں داخل ہوئی جہاں آتش دان میں روز کی طرح آگ
جل رہی تھی لیکن وہاں کوئی نہ تھا۔

ہال سے ملحقہ ہی ایک کمرہ تھا ماریا نے دروازہ
میں داخل ہو کر دیکھا کہ ایک شان دار سیج پھولوں
سے مہک رہی تھی۔ جس پر روز لیٹی ہوئی تھی
اور پاس ہی بیٹھا ڈریکولا اسے للچائی ہوئی نظروں
سے دیکھ رہا تھا۔

براؤن نے الماری سے عطر نکال کر اس ڈریکولا پر
انڈیل دیا جس سے سڑے ہوئے گوشت کا تعفن دور
ہو گیا اور خود باہر چلا گیا۔

ماریا روز کے قریب ہی بیٹھ گئی اور خنجر پر اس کی گرفت
مضبوط ہو گئی۔

باہر طوفان ابھی تک زوروں پر تھا اور بجلی بار بار
چمک رہی تھی۔

ڈریکولا نے روز کی طرف دیکھ کر اپنے ہونٹوں پر
اپنی زبان پھیری اور اس کی طرف بڑھا اور لیٹی ہوئی روز
کی شہ رگ کے پاس اپنے دو لمبے دانت جو ہونٹوں
پر پڑے تھے لے گیا اور پھر اس سے پہلے کہ وہ

دانت شہ رگ کے پاس سے جائے اور روز کا خون پی لے۔

ماریا نے صلیب کے دستے والا خنجر اس کی پشت میں گاڑ دیا جو ڈریکولا کے دل کے پار ہو گیا اسی وقت بجلی زور سے کوندی اور کمرے میں ڈریکولا کی چیخ سے پوری حویلی گونج اٹھی۔

اس کے جسم میں آگ لگی ہوئی تھی اور وہ کمرے میں دوڑتا پھر رہا تھا جب کہ ماریا نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر کے کنڈی لگا دی تھی۔

باہر چیخوں کی آواز سن کر براؤن دروازہ زور زور سے پیٹ رہا تھا۔

ماریا دیوار سے باہر نکل گئی۔

اس نے دیکھا براؤن ہاتھ میں فرانسیسی تلوار لیے کھڑا تھا اور دروازہ پیٹ رہا تھا۔ اور اندر ڈریگال کی چیخیں گونج رہی تھی۔

آخر براؤن نے تلوار زمین پر رکھ کر اپنے مضبوط کندھے سے دروازہ توڑنے کی کوشش شروع کر دی۔

ماریا نے تلوار زمین سے اٹھا لی اور پھر جوں ہی براؤن پیچھے ہٹ کر اور بھاگ کر دروازے کو کندھے کی ضرب لگاتا

چاہتا تھا۔ ماریا نے ایک بھرپور تلوار کا ہاتھ اس کی گردن پر مارا اور اس کی گردن کٹ کر دور قالین پر جا گری۔

ماریا پھر اندر داخل ہو گئی اندر زمین پر پڑا ڈریگال سوکھی لکڑی کی طرح جل رہا تھا۔ اور فضا میں گوشت اور چربی کے جلنے کی بو پھیلی ہوئی تھی۔

ماریا نے دروازے کی کنڈی کھول دی اور جو چلنے کے قابل نہ رہی تھی۔ اسے اٹھایا اور لا کر باہر کھڑی ہوئی بگھی میں ڈال دیا۔

پھر کوچوان کی جگہ بیٹھ کر گھوڑوں کی راسیں پکڑ کر انہیں واپسی کے لیے موڑ دیا اور ان پر چابک برسانے شروع کر دیئے۔

گھوڑے تیزی سے حویلی کے پھاٹک سے باہر نکل گئے اس نے اپنے پیچھے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں جو تھوڑی دور تک بگھی کے ساتھ ساتھ بھاگتے ہوئے آئے اور پھر واپس لوٹ گئے۔

کتوں سے ڈر کر گھوڑے اور سرپٹ ہو گئے چونکہ گھوڑے اس اونچے نیچے راستے سے واقف تھے اس لیے ماریا نے ان کی راسیں ڈھیلی چھوڑ دی تھیں۔

باہر طوفان تھم گیا تھا تھوڑے تھوڑے وقفے سے ہلکی
ہلکی بارش اب بھی ہو رہی تھی اور کہیں کہیں بجلی کی چمک
بھی دکھائی دے رہی تھی۔

گھوڑے اپنی مخصوص رفتار سے چلے جا رہے تھے
اور پھر جب رات صبح کے استقبال کے لئے آگے بڑھی
تو سورج نے بھی اپنی آنکھ کھول کر دیکھا۔

ماریا کی بگھی شہر میں داخل ہو چکی تھی اور اس
خیال سے کہ کہیں کوئی بغیر کوچوان کے دوڑتی ہوئی بگھی
کو دیکھ کر ڈر ہی نہ جائے۔ ماریا نے بگھی ایک جگہ
روک دی۔

•ماریا نے اتر کر بگھی کا دروازہ کھول کر اندر دیکھا
روز قدرے ہوش میں آ چکی تھی پھر ماریا نے اُسے
آواز دی۔

روز نے مسکرا کر دیکھا اور کہا۔ ماریا باجی! کیا صبح
ہو گئی؟

ماریا نے کہا۔

صبح کی بچی یہ بتا تیرا نشہ اتر گیا ہے کہ نہیں

روز نے کہا

مذاق کر رہی ہو باجی! ایک قیدی کے ساتھ مذاق کرنا

اچھی بات نہیں۔

ماریا نے کہا۔

قیدی کی بچی! تجھے کچھ خبر بھی ہے میں حویلی کی ساری
دیواریں توڑ کر تجھے اس منحوس حویلی سے نکال لائی ہوئی

روز نے خوش ہو کر کہا۔

سچ باجی!

ماریا نے کہا۔

کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں۔

جانتی ہے اس حویلی کا مالک ایک ڈریکولا تھا۔ جسے
انسانی خون پینے کے جرم میں فرانس کی حکومت نے
پھانسی کی سزا دی تھی اور پھر اس کا تابوت بھی فرانس
میں دفنانے کی اجازت نہ دی تھی وہ حبشی غلام
اس تابوت کو یہاں لے آیا اور یہاں کے ایک قبرستان
میں دفنا دیا یہ ڈریکولا لوگ مر کر بھی ایک خاص وقت
پر شیطانی طاقت سے زندہ ہو جاتے ہیں اور خون پینے
کی عادت کو جاری رکھتے ہیں۔

روز نے کہا

شاید اسی لئے فرانس کی حکومت نے اسے وہاں دفنانے
کی اجازت نہ دی ہو۔

ماریا نے کہا

بالکل یہی بات ہے۔ مَیں نے نہ صرف اس ڈریکولا کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا ہے بلکہ اس کے پراسرار غلام جیشی براؤن کا بھی سر دھڑ سے جدا کر دیا ہے تمہیں شاید اس شیطان نے کوئی نشہ آور شے کھلا دی تھی اس لئے تم تو اپنے ہوش میں نہ تھی اور وہ ڈریکولا تمہارا خون پینا چاہتا تھا۔ جانتی ہے خون پینے کے بعد یہ حرامی براؤن جو مصر کے قدیم حنوط کرنے والے خاندان میں سے ہے۔ تمہارا سر کاٹ کر اسے حنوط کر کے دوسری لڑکیوں کی طرح یادگار کے طور پر ہال میں سجا دیتا۔

روز نے جھرجھری لے کر کہا۔

تو کیا وہاں لڑکیوں کے سر ہال میں دیوار سے لگے ہوئے تھے آپ نے تو مجھے بتایا ہی نہیں۔

وہاں تو اور بھی بہت کچھ تھا۔ لاشوں کا کنواں جس میں دھڑ کا گوشت کتوں کو کھلانے کے بعد ہڈیوں کا ڈھانچہ اس میں پھینک دیا جاتا۔

ماریا نے جواب دیا

پھر روز سے کہا اب یہاں سے باہر نکل کر دیکھو تمہارا گھر یہاں سے کتنی دور ہے۔

روز بگھی سے باہر آ گئی اور اس پرندے کی طرح سے جو اچانک پنجرے سے آزاد ہو کر آیا ہو چاروں طرف دیکھنے لگی اور پھر خوشی ہو کر کہا

میری پیاری باجی! بس اب میرا گھر تو یہاں سے بالکل قریب ہی ہے۔

ماریا نے کہا

اچھا تو اب خدا حافظ! اپنے گھر جاؤ۔

لیکن روز نے اسے مجبور کیا کہ میرے ساتھ گھر چلو اور کم از کم ایک رات تو میری مہمان رہو۔

ماریا نے کہا

ایک شرط پر مَیں تمہارے ساتھ چلوں گی کہ تو میرے متعلق کسی کو کچھ نہیں بتائے گی۔ ورنہ خوا مخواہ تماشہ بن جائے گا۔ اور ویسے بھی مَیں کسی کو نظر تو آ نہیں سکتی پھر اس کا کیا فائدہ۔

روز نے کہا

مَیں وعدہ کرتی ہوں کہ کسی کو کچھ نہ بتاؤں گی اور گھر والوں کو پوچھنے پر کہہ دوں گی کہ مَیں دروازہ کھلا رہنے کی وجہ سے ڈاکوؤں کی قید سے بھاگ کر آ گئی ہوں پھر ہم دونوں بہنیں رات کو اپنے کمرے میں لیٹ کر باتیں

کریں گی۔

ماریا نے مسکرا کر اس کے سر پر پیار سے چپت مارتے ہوئے کہا۔

پگلی کہیں کی! پھر دونوں روز کے گھر کی طرف روانہ ہو گئیں۔

بلا اُسے نگل گئی

جونہی مداری جیون رام نے مول چند سیٹھ کی کھلی ہوئی تجوریوں کی دولت کی طرف پھول وتی یعنی ناگ کے کہنے پر ہاتھ بڑھائے اس دولت کے اندر سے ایک سانپ نکل کر دولت کے ڈھیر پر آ بیٹھا۔ جیون رام مداری نے ڈر کے مارے اپنے ہاتھ پیچھے کھینچ لیے اور حسرت سے پھول وتی کی طرف دیکھا۔ پھول وتی نے غصّے سے اپنی سانپوں والی زبان میں سانپ سے کہا دولت چھوڑ کر چلا جائے۔ سانپ نے اپنے دیوتا کے سامنے سر جھکایا اور کہا میرے دیوتا میں مہا ناگ رانی کلاوتی کے حکم سے یہاں آیا ہوں آپ بھول گئے ہیں دیوی نے آپ کو سراپ یعنی بددُعا دی تھی اور آپ کو زمین کے خزانوں سے لے کر تمام ایسی دولت سے بے دخل کر دیا تھا۔ ناگ کو دیوی کا سراپ یاد آ گیا اور اس نے جیون رام مداری سے کہا چلو اب ہم ایسی دولت لے کر کیا کریں گے جو

غریبوں کا خون چوس کر جمع کی گئی ہے۔ حق داروں کا
حق مار کر بیوہ اور یتیموں سے چھین کر جمع کی ہوئی دولت
اپنے ساتھ دکھ، بیماریاں، بددعائیں اور عذابِ الٰہی لے کر
آتی ہے۔ یہ دولت ہمارے کام کی نہیں ہم اپنی محنت
سے دولت کمائیں گے۔ اپنا خون پسینہ بہا کر روزی
کمائیں گے۔

جیون رام نے پھول وتی کا دل رکھنے کے لیے کہہ
دیا تو ٹھیک کہتی ہے لیکن اندر سے اسے دلی ملال تھا
کہ ہاتھ آئی ہوئی دولت ایک دفعہ پھر چلی گئی ہے۔
جیون رام کو رات پھر نیند نہیں آئی اور وہ بے چینی سے
ٹہلتا رہا جب سارے گھر والے سو گئے تو وہ دبے پاؤں
اٹھا اور گھر سے باہر آ گیا اور اس نے تیزی سے مول چند
کی حویلی کا رُخ کیا۔ آدھی رات کا وقت تھا اور تمام شہر
کی سڑکیں ویران پڑی تھیں آج کے زمانے کی طرح تمام
گلی محلوں میں بجلی کے بلب روشن نہ ہوتے تھے اس
زمانے میں تو خاص خاص سڑکوں کے کنارے پر شیشے کے
فانوسوں میں بند چراغ روشن ہوا کرتے تھے جن کی ہلکی اور
بیمار روشنی صرف چند گز کے فاصلے تک اجالا کر سکتی تھی۔
زیادہ تر سڑکیں اور گلیاں تاریک ہی ہوتی تھیں۔

جیون رام تیز تیز قدموں سے فاصلہ طے کرتا ہوا جب
مول چند کی حویلی میں داخل ہوا تو اس کا جسم پسینے میں
نہایا ہوا تھا اور سانس لوہار کی دھکنی کی طرح چل رہی
تھی۔ حویلی کا دروازہ کھلا تھا وہ جلدی سے اندر داخل
ہو گیا اور ایک جگہ کھڑے ہو کر پسینہ پونچھنے لگا اپنی
سانس درست کی اور آگے صحن میں بڑھا جہاں ابھی تک
لاشیں پڑی تھیں۔ لاشوں کو دیکھ کر اس ہُو کے عالم میں ایک
دفعہ تو جیون رام کانپ کر رہ گیا لیکن لالچ بڑی بلا ہوتا ہے۔
دولت مند بننے کا جذبہ پھر ابھر آیا اور ایک دفعہ پھر
ہمت کر کے وہ آگے بڑھا اور کمرے میں داخل ہو گیا جس
کی چوکھٹ پر مول چند کی کچلی ہوئی لاش دیوار کے سہارے
بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے پھٹے ہوئے سر سے مغز ابھی
تک بہہ رہا تھا۔ آنکھوں کے ڈیلے حلقوں سے باہر آ
گئے تھے۔

جونہی جیون رام کی نظر اس پر پڑی اس کے منہ
سے چیخ نکل گئی اور ڈر کے مارے اس نے اپنی ریڑھ کی
ہڈی میں ایک برف کی طرح سرد لہر محسوس کی۔ ایسا لگ
رہا تھا کے مرنے کے بعد بھی مول چند اپنی دولت کا محافظ
بن کر راہ میں بیٹھا ہے۔ جیون رام کا ماتھا پسینے سے شرابور

ہو گیا تھا۔ اس نے اپنی آستین سے اپنا ماتھا صاف کیا
اور ڈرتے ڈرتے اندر کمرے میں داخل ہو گیا جہاں دولت
سے بھری تجوریوں میں سونا اور ہیرے موتی پڑے تھے۔ وہ
ندیدوں کی طرح سے آگے بڑھا اور اس نے دونوں ہاتھوں
سے دولت سمیٹنی چاہی لیکن جوں ہی اس کے ہاتھ دولت
کے قریب پہنچے دولت کے رکھوالے سانپ نے اسے ڈس
لیا اور جیون رام ایک چیخ کے ساتھ پلٹا اور تیزی سے باہر
نکلنے کی کوشش میں وہ مول چند کی لاش سے ٹکرا کر گر پڑا۔

دوسری طرف مداری کے گھر میں بچے کے رونے کی آواز سن
کر اس کی بیوی اٹھی جو پانی کے لیے رو رہا تھا اسے پیاس
لگی تھی جس کا اظہار اس نے اپنی توتلی زبان میں ماں کے
اٹھنے پر کیا۔ مداری کی بیوی نے گھڑے سے پانی انڈیل کر
گلاس بچے کو دیا جو غٹا غٹ پی گیا جانے کب سے پیاسا
تھا اور پھر گلاس واپس کر کے لیٹ کر سو گیا۔ ماں گلاس رکھ
کر جو پلٹی تو اس کی نظر خاوند کے بستر پر گئی جو خالی پڑا تھا
اسے تشویش ہوئی اور اس نے مختلف جگہوں پر مداری کو تلاش کیا
لیکن وہ کہیں بھی نہ ملا آخر وہ پھول وتی کے کمرے میں
آئی مداری یہاں بھی نہیں تھا آہٹ سے پھول وتی کی
آنکھ کھل گئی اور اس نے آدھی رات کو مداری کی بیوی کو

دیکھ کر کہا: ماتا جی کیا بات ہے۔

ماں نے جواب دیا:

"تیرے بابا اپنے بستر پر نہیں ہیں ساری جگہ میں دیکھ آئی
ہوں۔ بھگوان جانے آدھی رات کو کہاں چلے گئے۔ تجھے کچھ
بتا کر تو نہیں گئے۔"

ناگ یعنی پھول وتی کا ماتھا ٹھنکا اسے فوراً خیال آیا
دولت کی ہوس اسے ضرور مول چند کی حویلی لے گئی ہے
اگر ایسا ہے تو اس کا زندہ بچ کر آنا ناممکن ہے خزانے کا
سانپ اسے کاٹ کھائے گا۔ ناگ جلدی سے اٹھ بیٹھا۔

ماں نے کہا:

"پھول وتی تو کچھ پریشان ہے ضرور تجھے علم ہے کہ تیرے
بابا کہاں گئے ہیں۔"

پھول وتی نے جواب دیا ماں دولت کا لالچ انسان کو
اندھا کر دیتا ہے مجھے ایسا لگتا ہے میرے منع کرنے کے
باوجود بابا سیٹھ مول چند کی حویلی گئے ہیں اس کی تجوریوں
سے دولت لینے۔

ماں کی باچھیں کھل گئیں اور اس نے کہا: تو فکر کی
کیا بات ہے۔ بیٹی تیرے بابا نے ساری زندگی میں ایک
ہی تو اچھا کام کیا ہے یہ تو خوشی کی بات ہے۔

پھول وتی نے کہا" خوشی کی نہیں رونے کی بات ہے
ماتا جی۔"

ماں نے بات کاٹتے ہوئے کہا:

"لڑکی تجھے تو بس دولت کے نام سے ہی چڑ ہے، کیا
ہم غریب لوگ ہیں کیا اس سنسار کی خوشیوں میں ہمارا کوئی
حصہ نہیں کیا ہم سارا جیون پیٹ بھر روٹی کے لیے ہی
ترستے رہیں گے۔"

پھول وتی نے اٹھ کر کہا:

"ماتا جی پرایا مال حاصل کرنا کوئی آسان بات نہیں اس
میں کبھی کبھی اپنے جیون کا بلیدان بھی دینا پڑ جاتا ہے آپ
نہیں جانتیں اس دولت کی حفاظت بہت ہی زہریلا
سانپ کر رہا ہے اگر بابا نے انجانے میں اس دولت کو
اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو وہ ڈس لے گا اور اس
سانپ کا کاٹا پانی نہیں مانگتا میں نے بابا کو منع کیا تھا کہ
لالچ بڑی بلا ہوتی ہے اس سے بچنا چاہیے لیکن مجھے لگتا
ہے ان پر میری بات کا کوئی اثر نہیں ہوا ہمیں فوراً
مول چند کی حویلی جانا چاہیے بابا ادھر ہی گئے ہیں۔"

پھر پھول وتی اور مداری کی بیوی دونوں ہی رات کے
سناٹے میں مول چند کی حویلی کی طرف روانہ ہو گئیں۔

جیون رام مداری کے موہنہ، ناک اور کانوں سے خون
بہہ رہا تھا اور وہ سیٹھ مول چند کی لاش کے قریب ہی
زمین پر پڑا لالچ کی سزا بھگت رہا تھا۔

پھول وتی اور جیون رام کی بیوی جونہی حویلی میں پہنچیں
مداری زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا۔ مداری کی بیوی تو سینے
پر دوہتڑ مار کر اس پر گر پڑی۔ پھول وتی نے دیکھا تجوری
کی دولت پر سانپ بیٹھا تھا جس نے اسے دیکھتے ہی
اپنا سر جھکا لیا اور اپنی زبان میں ناگ سے کہا:

"مجھے افسوس ہے آقا میں مہا رانی ناگ کے حکم سے
کوتاہی نہیں کر سکتا مجھے اپنا فرض پورا کرنا پڑا آپ بہت
دیر سے آتے ہیں اور میرے زہر کو مداری کے جسم سے
دوبارہ چوس لینے کا وقت بھی گزر چکا ہے شاید وہ چند
گھڑیوں کا مہمان ہے۔"

پھول وتی مداری کے پاس آئی جس کی زندگی کی جوت
بجھ رہی تھی۔ اس نے ایک نظر پھول وتی کی طرف دیکھا
اور کہا:

"پھول وتی تم نے ٹھیک کہا تھا لالچ بہت بڑی
بلا ہے اور وہ بلا مجھے نگل گئی ہے صرف چند سانس
باقی ہیں۔ میرے بعد میری بیوی اور بچوں کا خیال رکھنا بچے

چھوٹے ہیں اگر تم نے سہارا نہ دیا تو وہ بھوک سے
مر جائیں گے۔"

پھول وتی نے کہا:

"زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے بابا وہی
سب کا داتا ہے، وہی پالن ہار ہے اگر میری زندگی ان
بچوں کے کام آ جائے تو اس سے بڑی خوشی کی کیا
بات ہے۔"

مداری نے آخری ہچکی لی اور مر گیا اس کی بیوی
لاش سے لپٹ کر رونے لگی۔ پھول وتی نے بڑی مشکل
سے اسے اٹھایا اور سمجھایا کہ اب اس مُردہ جسم کی
بجائے اُن معصوم بچوں کو تمہاری ضرورت ہے جنہیں
تنہا گھر چھوڑ کر آئی ہو۔ اس وقت ناگ کا دل بہت
ہی پریشان تھا۔ اور اسے عنبر اور ماریا بہت یاد آ
رہے تھے جو کافی عرصے سے بچھڑے ہوئے تھے اور پھر
اس مصیبت سے تو بقول دیوی کلاوتی کے اسے صرف
عنبر ہی بچا سکتا تھا اور عنبر کا کوسوں کہیں پتہ نہیں تھا
وقت پر لگا کر اڑ جاتا ہے پرانے گھاؤ بھر جاتے ہیں
اور نئے زخموں کے لیے جگہ چھوڑ جاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ
مداری کی بیوی کا گھاؤ بھی بھر ہی گیا۔ پھول وتی دن بھر

ناچ گا کر اور اپنے کرتب دکھا کر مداری کے بچوں کے
لیے رزق کا ذریعہ بنی رہی اس نے مداری کی جگہ ایک
اور آدمی دہاڑی پر اپنے ساتھ رکھ لیا۔ وہ بھی انتہائی
غریب اور زمانے کا ٹھکرایا ہوا آیا تھا جس کی غریبی پر
ترس کھا کر پھول وتی نے اسے اپنے ساتھ رکھ لیا تھا۔

○

دُرِ ظلمات

سویٹی کے مونہہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے پڑے تو اسے ہوش آگیا اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور پھر وہ آنکھیں خوف اور حیرت سے پھیل کر رہ گئیں۔ سویٹی نے دیکھا اس کے چاروں طرف بندر ہی بندر دائرے کی شکل میں موجود اسے گھور رہے تھے اور ایک قدرے بڑا بندر اس کے سرہانے بیٹھا ہوا اس کا مونہہ چڑا رہا تھا۔ جونہی سویٹی کی نظر اس پر پڑی اسے بے اختیار ہنسی آگئی کیوں کہ اس بندر نے شکل ہی ایسی بنا رکھی تھی۔ شاید یہ بندر اسے ہنسانا ہی چاہتا تھا اس لیے کہ جب سویٹی اسے دیکھ کر قہقہہ لگا کر ہنسی تو وہ بندر بالکل سیریس ہو گیا۔ باقی کے بندر بھی فضا میں قلابازیاں لگا کر خوشی کا اظہار کرنے لگے۔ دراصل اس جزیرے پر چمپینزی بندروں کی نسل آباد تھی یہ بندر بہت ہوشیار اور عقل مند ہوتا ہے اور اس کی عادات و اطوار انسانوں

سے بہت حد تک ملتے جلتے ہیں۔ اس لیے یہ انسان کا دشمن نہیں دوست ہوتا ہے۔ بڑا بندر غالباً ان کا سردار تھا جو ٹھنڈے پانی کے چھینٹے ڈال کر سویٹی کو ہوش میں لایا تھا اور پھر اس خیال سے کہ بچی بندروں کو دیکھ کر ڈر نہ جائے عجیب عجیب شکلیں بنا کر اسے ہنسانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

سویٹی زمین سے اُٹھ کر بیٹھ گئی تھی اور بندر قلابازیاں وغیرہ لگا کر اس کا ڈر دُور کر رہے تھے اور ظاہر کر رہے تھے کہ وہ اس کی آمد سے ناراض نہیں بے حد خوش ہیں اور پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد سویٹی کا ڈر بالکل ختم ہو چکا تھا۔ بندر مختلف درختوں سے پھل توڑ توڑ کر لاتے اور سویٹی کو دیتے۔ سویٹی کو بھی بھوک لگی تھی لہٰذا اس نے خوب پیٹ بھر کر پھل کھائے جس سے اس کی بھوک اور پیاس دونوں ختم ہو گئیں۔ اس دوران میں بڑا بندر کہیں چلا گیا تھا۔ سویٹی پیٹ بھر کر فارغ ہوئی تو اُس نے بندروں کو منع کر دیا کہ بس میرا پیٹ بھر گیا ہے اب مزید پھل توڑ کر ضائع نہ کرو۔ خدا جانے ان حیوانوں کو یہ بات کیسے سمجھ میں آگئی اور وہ رُک گئے۔ دراصل سویٹی نے زبان کے ساتھ ساتھ اشاروں سے بھی کام لیا تھا جسے

یہ حیوان سمجھ گئے تھے۔

پھر سویٹی کو بڑا بندر ایک طرف سے آتا ہوا دکھائی دیا اس نے آکر اپنا ہاتھ بزرگوں کی طرح سویٹی کے سر پر پھیرا اور پھر اس کی انگلی پکڑ کر ایک سمت چلنے کا اشارہ کیا۔ سویٹی بڑے بندر کے ساتھ چل پڑی باقی کے بندر بھی ساتھ ہی ہو لیے۔ بڑا بندر سویٹی کو لے کر اونچے نیچے ٹیلوں کے درمیان ہوتا ہوا اسے ایک غار کے دہانے پر لے آیا جس کا مونہہ باہر سے چھوٹا تھا لیکن اندر سے غار اتنا بڑا ضرور تھا کہ دو تین آدمی یہاں آرام سے رہ سکیں۔

غار اندر سے بالکل صاف تھا اور اس کے اندر گھانس پھوس کا بستر بچھا ہوا تھا۔ شاید جس دوران میں بڑا بندر غائب ہوا تھا اس نے ہی آکر غار کی صفائی کی ہو گی اور یہاں گھانس کا بستر بچھا کر بچی کو لینے دوبارہ آگیا ہو گا۔ بڑا بندر ان سب کا سردار تھا۔ وہ پہلے خود غار میں داخل ہوا پھر سویٹی کی طرف دیکھ کر خوخیایا جیسے اسے مخاطب کر رہا ہو پھر اس بستر پر جا کر لیٹ گیا۔ سویٹی سمجھ گئی کہ یہ حیوان مجھے بتانا چاہتا ہے کہ یہ غار میرا گھر ہے اور اسی گھانس کے بستر پر مجھے رات آرام کرنا ہے۔ سویٹی غار میں داخل ہو گئی اور اس نے اشاروں میں سمجھایا اور پھر لیٹ کر سمجھایا

کہ وہ سمجھ گئی ہے۔ بڑا بندر جو غور سے اسے دیکھ رہا تھا محسوس کر کے کہ بچی نے سمجھ لیا ہے مسکرا پڑا۔ پھر اس نے اشارہ کیا ایک بندریا سویٹی کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی جس کے پیٹ کے ساتھ بچہ چمٹا ہوا تھا۔ بڑے بندر نے خوخیا کر سویٹی کو مخاطب کیا اور بچے کی طرف اشارہ کر کے خود اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ سویٹی سمجھ گئی کہ بندر اسے سمجھا رہا ہے کہ جیسے یہ بچہ چمٹا ہوا ہے تم بھی میری پیٹھ سے چمٹ جاؤ۔

سویٹی ڈرتے ڈرتے بندر کے بچے کی طرح سے بڑے بندر کی پیٹھ سے چمٹ گئی۔ اس کے بعد دیگر بندر درختوں پر چڑھ کر اچھل کود کرنے لگے۔

بڑا بندر بھی جست لگا کر درخت پر جا چڑھا اور سویٹی کے مونہہ سے چیخ نکل گئی اور وہ گرتے گرتے بچی لیکن اب اسے اندازہ ضرور ہو گیا تھا کہ اسے کتنی طاقت سے بندر کو تھامنا ہو گا پھر بڑے بندر نے اسے اچھل کود کر کے مختلف درختوں کی سیر کرائی پھل دار ٹہنیوں کے پاس لے جا کر اسے پھل توڑ کر کھانے کی ترغیب دی اور پھر سورج غروب ہوتے ہی بڑا بندر اسے غار میں چھوڑ گیا اور باہر آکر سب بندروں نے مل کر ایک بڑے پتھر سے

غار کا موہنہ بند کر دیا سویٹی سمجھ گئی یہ احتیاط شاید جنگلی
جانوروں سے بچانے کے لیے کی گئی ہے۔

اسے اندھیرے میں ڈر ضرور لگا لیکن وہ بے چاری تو
مسلسل مصیبتوں میں پڑ کر اس کی عادی ہو گئی تھی وہ گھاس
کے بستر پر لیٹ کر اپنے ماں باپ کو یاد کرنے لگی اور
سوچنے لگی خدا جانے میرے بعد ان کا کیا حال ہو گا پھر
اسے انکل عنبر کا خیال آگیا کے سمندر کی لہروں نے اسے
کہاں جا پھینکا ہو گا وہ زندہ بھی ہے یا مچھلیوں کی خوراک
بن گیا ہے۔

اُسی وقت عنبر بھی سمندر کے نیچے غار میں بند سویٹی ہی کے
متعلق سوچ رہا تھا کہ نا جانے اس معصوم پر کیا بیتی ہے
اسے قاتل نے جا کر تہ خانے میں قتل تو نہیں کر دیا۔ کہیں
وہ بھی تو قاتلوں کی طرح سے شارک مچھلیوں کی خوراک نہیں
بن گئی۔ عنبر کو اس غار میں کوئی تکلیف نہ تھی۔ نہ تو اسے
بھوک کا احساس ہوتا تھا نا ہی اس پر موسموں کا اثر۔
نہ ہی اسے نیند آتی تھی اس نے کئی دفعہ اپنی پوری طاقت
صرف کر کے غار کے موہنہ سے پتھر ہٹانے کی کوشش کی
تھی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا تھا۔

اسے ایسے وقت میں نگ اور ماریا بہت یاد آرہے
تھے۔ اگر وہ ساتھ ہوتے تو باہر نکلنے کی کوئی نہ کوئی صورت
ضرور نکل آتی۔ اس نے خوب گھوم پھر کر غار کو چاروں
طرف سے دیکھا اس کے علاوہ کوئی اور راستہ اسے باہر
جانے کے لیے نظر نہ آیا۔ اس نے چھت کی طرف نگاہ کی
لیکن وہ بہت دور تھی جہاں تک نگاہ کام کر سکتی تھی وہاں
تک تو اسے چھت نظر نہ آ رہی تھی۔ آگے کافی اندھیرا تھا
اور خدا جانے اس اندھیرے کی چادر کے پار کہاں جا کر اس
غار کی چھت ہو گی لیکن ایک بات تو صاف ظاہر تھی اگر
چھت پر کوئی سوراخ ہوتا تو اس سے روشنی ضرور نظر آتی۔
اور اگر پانی کے اندر چھت میں سوراخ ہوتا تو سمندر کا پانی
اس غار میں بھر گیا ہوتا لہذا یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ
ادھر بھی کوئی راستہ باہر جانے کے لیے نہیں ہے۔

دروازے کے موہنہ پر پڑے پتھر کی دراڑوں سے لہریں
اندر بھی آ جاتیں اور باہر بھی چلی جاتیں۔ جب پانی اندر کو آتا
تو ساتھ کئی ننھی ننھی مچھلیاں اور گونگے سیپیاں بھی اندر آ جاتیں
جو پانی کے واپس جانے کے باوجود زمین پر ہی پڑی رہ
جاتیں۔ عنبر وقت گذارنے کے لیے ان کو اٹھا لیتا اور
بچوں کی طرح سے انہیں اکٹھی کر کے ان سے مختلف چیزیں
بناتا اور پھر بگاڑ دیتا۔ بعض سیپیوں سے اسے موتی بھی مل

جاتے اور وہ ان کو اچھی طرح صاف کر کے اپنی جیب
میں رکھ لیتا۔ جب وہ اس کھیل سے اکتا جاتا تو غار کی
ٹھنڈی ٹھنڈی ریت پر لیٹ جاتا۔ پھر اس کے خیالات
اسے ماضی کی طرف لے جاتے اسے کئی واقعات یاد آتے
کئی معرکے یاد کر کے وہ ہنس دیتا جس میں اس کے ساتھ
ناگ اور ماریا شامل رہے تھے۔ آج بھی وہ انہیں خیالات
میں کھویا ہوا تھا کہ سوراخوں سے لہروں کے ساتھ گونگے
اور سیپیوں کے علاوہ ایک بوتل بھی اندر آ گئی۔ عنبر بوتل
دیکھ کر اٹھ کے بیٹھ گیا۔

بوتل خوبصورت اور سفید رنگ کی تھی جس کا موہنہ
ڈھکن سے بند تھا۔ اور اس کے اندر کوئی سرمئی رنگ کی
چیز تھی جیسے کوئی دھواں ہو یا کوئی گیس ہو۔ عنبر نے اُسے
اٹھا کر غور سے دیکھا اور جب وہ کوئی اندازہ نہ لگا سکا
کہ اس کے اندر کیا ہے تو اس نے زور لگا کر اس بوتل
کا ڈھکنا کھول دیا۔ ایک دھوئیں کی لکیر سی بوتل سے موہنہ
سے خارج ہوئی اور یہ دھواں غار کے اندر معلق ہو گیا
پھر اسی دھوئیں نے باقاعدہ ایک ہیولے کی شکل اختیار
کرنا شروع کر دی اور دیکھتے ہی دیکھتے عنبر کے سامنے
ایک خوفناک قسم کا دیو کھڑا تھا۔ عنبر کی لمبائی اس کے

گھٹنے کے برابر تھی اور اس دیو کا جسم چھت کے اندھیرے
میں اُوپر جا کر گم ہو گیا تھا۔

عنبر کو بڑی حیرت ہوئی، آخر دیو زمین پر بیٹھ گیا تب
جا کر عنبر کو اس کا بقایا حصہ نظر آیا جو کافی بھیانک اور
خوفناک تھا۔ اس کے کان ہاتھی کے کانوں کی طرح
تھے جو ہل کر پنکھے کا کام دے رہے تھے۔ دانت موہنہ سے
نکل کر ٹھوڑی تک آ کر ختم ہوتے تھے۔ اس کی بھویں کافی
گھنی تھیں جن میں باقاعدہ کیڑوں نے پناہ لے رکھی تھی۔
ناک بالکل الو کی چونچ کی طرح تھی۔ آنکھیں اپنی جگہ کی
بجائے ماتھے پر تھیں اور ان کا رنگ سرخ تھا۔ زبان ناف
تک باہر لٹک رہی تھی۔ اس کے بال بہت لمبے ٹخنوں
تک تھے اور بہت گھنے تھے جن میں باقاعدہ چمگادڑوں
نے بچے دے رکھے تھے۔ داڑھی کے بال بڑ کے درخت
کی جڑوں کی طرح لٹک رہے تھے۔

دیو نے عنبر کو دیکھ کر قہقہہ لگایا تو ساری غار کانپ
کر رہ گئی۔

دیو نے کہا:

"اے انسان تو بڑا بدقسمت ہے۔ مجھے حضرت سلیمان
نے ناراض ہو کر اس بوتل میں بند کر دیا تھا اور سمندر

میں پھینک دیا تھا۔ میں نے عہد کیا تھا کہ دو ہزار سال تک جو مجھے اس بوتل سے آزاد کرے گا۔ اسے مالا مال کر دوں گا۔ اور اگر دو ہزار سال گذر جانے کے بعد کسی نے مجھے آزاد کیا تو اسے بغیر ڈکار لیے کھا جاؤں گا۔ اے بدقسمت انسان تو نے مجھے تین ہزار سال بعد آزاد کیا ہے اور اب تو میری خوراک بنے گا۔"

عنبر نے کہا: "تم بڑے مکار اور جھوٹے ہو مجھے کھانے کا بہانہ بنا رہے ہو۔ بھلا کون عقل مند اس بات پر یقین کرے گا کہ اتنا بڑا دیو اس چھوٹی سی بوتل میں بند تھا۔ تم اس بوتل میں آ ہی نہیں سکتے۔"

دیو نے کہا: "یقین کرو میں اسی بوتل میں بند تھا میرے لیے اپنے آپ کو گھٹا لینا یا بڑھا لینا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔"

عنبر نے ایک زور دار قہقہہ لگایا اور کہا: "دوست تم مجھے اپنی خوراک بنا لو مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن جھوٹ تو نہ بولو میں کسی صورت بھی یہ یقین نہیں کر سکتا کہ تم اس بوتل میں آ سکتے ہو۔"

دیو نے کہا: "اچھا تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو میں اس بوتل میں دوبارہ جا رہا ہوں۔ دیو نے اپنے آپ کو دھویں

میں تبدیل کیا اور پھر آہستہ آہستہ یہ تمام دھواں بوتل کے اندر چلا گیا۔"

عنبر نے فوراً بوتل کا ڈھکن لے کر اسے بند کر دیا اور بوتل میں بند دیو سے کہا: "دوست اب تم ساری عمر اس غار کی زمین کے اندر دفن رہو گے اور ہزاروں سال بعد بھی تمہیں کوئی آزاد نہیں کر سکے گا میں تمہیں زمین میں گڑھا کھود کر گاڑ رہا ہوں۔"

دیو نے کہا: "تیری شامت آئی ہے میں تیری ایک ایک ہڈی چبا جاؤں گا ڈھکن کھول کر مجھے باہر نکال۔"

عنبر نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا: "میں اتنا بے وقوف نہیں جتنے تم ہو اب مجھے تم سے کوئی خطرہ نہیں جہاں رہو خوش رہو اب تمہاری جان میرے ہاتھ میں ہے اور میں تمہیں بوتل سمیت دفن کر رہا ہوں۔"

دیو نے جو یہ صورت حال دیکھی تو گڑگڑانے پر اتر آیا اور کہا: "اے انسان مجھ سے بھول ہوئی مجھے معاف کر دے۔"

عنبر نے کہا: "بھول تو مجھ سے ہو گئی تھی دیو صاحب جو تم جیسے احسان فراموش پر احسان کر بیٹھا تھا جو لوگ احسان مند ہونے کی بجائے احسان کرنے والے ہی کو کھا جانا چاہیں ایسے احسان فراموشوں پر احسان کرنا ہی گناہ ہے۔"

دیو منتیں کرنے پر اتر آیا اور کہا: "مجھ سے بھول ہوئی
مجھے آزاد کر دے میں اس احسان کا بدلہ تا زندگی تیری
غلامی کر کے ادا کروں گا۔"

عنبر نے کہا: "کھا حضرت سلیمانؑ کی قسم کہ تو اپنے قول
پر قائم رہے گا۔"

دیو نے کہا: "مجھے حضرت سلیمانؑ کی قسم میں تا زندگی تیرا
غلام رہوں گا۔"

عنبر نے بوتل کا ڈھکن کھول دیا اور پھر دھواں بن کر
باہر نکل آیا اور اپنے آپ کو دیو کے جسم میں ڈھال
کر عنبر کے سامنے جھک گیا اور کہا: "میرے آقا آج سے
تم میرے آقا اور میں تمہارا غلام اب حکم کرو کوئی خدمت
بتاؤ تا کہ بجا لاؤں۔"

عنبر نے کہا: "تو سب سے پہلے مجھے اس غار سے نکال
کر باہر لے جاؤ۔"

دیو عنبر کے سامنے جھکا اور کہا ابھی لو میرے آقا اس
نے عنبر کو اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پر زمین سے اٹھا کے بٹھا
لیا۔ اور پاؤں کی ایک ٹھوکر سے غار کے مونہہ پر رکھے پتھر
کو ہٹایا اور باہر نکل گیا اور آن واحد میں وہ عنبر کو لیے
ہوئے سمندر کی سطح پر پہنچ گیا اور عنبر سے کہا میرے
آقا

حکم کریں کس ملک کی طرف پرواز کروں۔

عنبر نے کہا: "دوست تمہارا نام کیا ہے؟"

دیو نے جواب دیا: "تیرے غلام کا نام دُرِ ظلمات ہے۔"

عنبر نے کہا: "دوست دُرِ ظلمات یہاں سے تھوڑی دور
سمندر میں ایک بہت بڑا بھنور ہے جس کے پار شارک
مچھلیوں کا علاقہ ہے اور وہیں پر میری کشتی الٹ گئی تھی
جس میں ایک ننھی بچی سوئی تھی۔ تم اس علاقے تک
پرواز کر کے مجھے لے چلو ہو سکتا ہے اس علاقے سے اس
بچی کا کچھ پتہ چل جائے۔" دُرِ ظلمات نے قہقہہ لگایا اور کہا
آقا بڑے ہی بھولے ہو میں بھنور کے علاقے تک تو تمہیں
لے چلوں گا گو وہاں پر کوئی ننھی بچی ابھی تک زندہ ہو گی
یہ میری عقل نہیں مانتی۔"

عنبر نے کہا: "دوست مارنے والے سے بچانے والا بہت
بڑا ہے میرا دل کہتا ہے خدا اس بچی کو ابھی نہیں مار سکتا
جب تک کہ اس کو اس کے ماں باپ سے نہ ملا دے
وہ اس آرزو کو دل میں لے کر نہیں مر سکتی۔"

دیو نے کہا: "آقا جیسے آپ کا حکم میں اب پرواز کرنا
چاہتا ہوں آپ میرے بالوں کو پکڑ لیں مضبوطی کے ساتھ۔"

عنبر نے جو دیو کی پیٹھ پر سوار ہو گیا تھا دیو کے بالوں

کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور دیو پانی کی سطح سے فضا میں پرواز
کر گیا۔ دیو سمندر پر پرواز کرتا رہا اور عنبر بھنور کے علاقے
کو تلاش کرتا رہا آخر کافی دوڑ دھوپ کے بعد عنبر کو وہ
علاقہ نظر آ ہی گیا۔ بھنور اب بھی موجود تھا لیکن دُور دُور
تک کسی ذی روح کا پتہ نہ تھا۔ دیو نے بھنور کے اوپر
کئی چکر لگائے لیکن عنبر کو نہ تو کشتی کا نشان ملا اور نہ
ہی سویٹی کا۔ آخر عنبر نے کہا:
"دُرِ ظلمات تم اسی علاقہ میں رہ کر بلندی پر جاؤ شاید
اوپر جا کر ہی کوئی جگہ نظر آ جائے۔"
دیو نے کہا جو حکم میرے آقا بلندی پر ہوا بہت تیز
ہو گی میرے بالوں سے "اپنی کمر کو باندھ لیں۔
عنبر نے کہا: تم میری فکر نہ کرو۔"
دیو نے منہ سے کہا: "یا ہُو بلا ہُو" اور بلندی کی طرف
پرواز کرتا گیا۔
کافی بلندی پر جا کر عنبر نے چاروں طرف نگاہ کی
تو اسے اس علاقے میں ایک سرسبز جزیرہ نظر آ گیا۔ اس
نے دیو سے کہا دُرِ ظلمات تمہیں وہ سرسبز جزیرہ نظر آ رہا
ہے نا۔
دیو نے نیچے دیکھ کر کہا ہاں آقا میں دیکھ رہا ہوں۔"

عنبر نے کہا: "مجھے اس جزیرے پر لے چلو۔"
بہتر میرے آقا دیو نے جواب دیا اور نیچے غوطہ لگا گیا
عنبر جوں جوں قریب آتا جا رہا تھا اسے درخت بڑے جو
سیاہ دھبوں کی طرح سے تھے اب صاف نظر آنے لگے تھے۔
پھر وہ ان کے اور قریب ہوتے گئے یہاں تک کہ
عنبر کو درختوں پر لگے ہوئے پھل اور ان پر اچھل کود
کرتے ہوئے بندر تک نظر آنے لگے اور آخرکار دُرِ ظلمات
عنبر کو لے کر اس جزیرے کی زمین پر اُتر گیا۔
جزیرے پر سورج غروب ہو رہا تھا جہاں جلدی کسی
کو تلاش کر لینا ممکن ہی نہیں تھا۔
عنبر نے دُرِ ظلمات سے کہا اس جنگل میں تو درخت
اتنے گھنے ہیں کہ سورج کی روشنی بھی زمین تک نہیں پہنچتی
اب تو سورج بھی غروب ہو رہا ہے میرا خیال ہے رات
یہاں قیام کرنا چاہیے اور صبح کے وقت اس جزیرے کو گھوم
پھر کر دیکھا جا سکتا ہے۔
دیو نے کہا آپ کا خیال درست ہے جہاں دن کی
روشنی نہیں پہنچ سکتی وہاں رات کو کیا نظر آئے گا یہ
بلاشبہ تاریک جزیرہ ہے آپ ایسا کریں اسی ٹبے پر رات
بھر آرام کریں میں جاگ کر پہرہ دوں گا بہت ممکن ہے

یہاں جنگل میں درندے بھی ہوں اور اگر درندے نہ بھی ہوئے تو
حشرات الارض کی یہاں کمی نہ ہوگی۔ عنبر نے مسکرا کر دیو کی
طرف دیکھا اور ہنس دیا اسے کیا پتہ یہ عنبر ہے جس پر کسی چیز
کا کوئی بھی اثر نہیں ہوتا پھر عنبر دُرِ ظلمات کو مطمئن کرنے کے
لیے ٹیلے پر لیٹ گیا نیند تو اسے آتی ہی نہ تھی۔ دُرِ ظلمات نے
کہا آقا بھوک لگی ہو تو درخت سے پھل توڑ لاؤں۔ عنبر نے کہا
نہیں دوست صبح دیکھا جائے گا۔

یہ بھی عجیب ہی اتفاق تھا کہ جس ٹیلے کے اوپر عنبر لیٹا
ہوا تھا اسی ٹیلے کے ایک غار میں گھاس پر پڑی سویٹی سوچ
رہی تھی قدرت نے اسے زندہ رکھنے کے لیے اس کے ہمدرد
یہ بندر تو پیدا کر دیئے ہیں۔ کھانے کے لیے پھلوں سے پورا جنگل
بھرا پڑا ہے لیکن یہ قید تنہائی اور ماں باپ سے جدائی اس کی
جان لے کر رہے گی۔ ایک انکل عنبر کا سہارا تھا وہ بھی چھن گیا۔
پھر آہستہ آہستہ اس کی پلکیں بوجھل ہوتی گئیں اور وہ نیند
کی آغوش میں چلی گئی۔

○

ماریا ہتھیلی پر

رات روز کے ساتھ گذارنے کے بعد ماریا اس سے
رخصت ہو کر شہر میں ناگ اور عنبر کو تلاش کرتی ہوئی شہر کے
باہر ایک خوبصورت جھیل کے کنارے پہنچ گئی۔ جس کے
گہرے اور نیلے رنگ کے پانی میں سنہری رنگ کی مچھلیاں آنکھ مچولی
کھیلتی پھر رہی تھیں۔ پانی کی سطح پر سفید رنگ کا راج ہنس کا
جوڑا تیرتا پھر رہا تھا اور سطح پر ہلکے گلابی رنگ کے کنول
کے پھول دل کی شکل کے سبز پتوں کے سہارے ہوا سے
سرگوشیاں کر رہے تھے۔ آسمان رنگ گہرا نیلا ہو رہا تھا جس
پر کہیں کہیں سفید روئی کے گالوں کی طرح چھوٹے چھوٹے
بادل تیرتے ہوئے ایسے محسوس ہو رہے تھے جیسے آسمان ایک
سمندر ہو اور اس میں کئی چھوٹے بڑے جہاز تیرتے ہوئے جا
رہے ہوں۔ آسمان کے نیچے کونجوں کی ڈاریں کسی نامعلوم منزل
کی طرف رواں دواں تھیں۔ جھیل کے کنارے ایک ٹبہ پہ ہار
سنگھار کے درخت کے نیچے ایک خوبصورت جوڑا بیٹھا ہوا

تھا - دونوں بے حد خوبصورت تھے ۔

ماریا کو یہ جوڑا بے حد اچھا معلوم ہوا اور وہ جاکر ان کے
قریب ہی بیٹھ گئی - لڑکی کا نام نورما اور لڑکے کا نام ڈیوس
تھا - لڑکی کے کتابی چہرے پر حزن و ملال کی پرچھائیں چھائی ہوئی
تھیں - جبکہ ڈیوس اپنی آنکھوں میں پیار کی مسکراہٹوں کے
پھول اس پر نچھاور کرنے کی غرض سے اسے محبت سے دیکھ
رہا تھا ۔

آخر نورما نے اپنے یاقوتی ہونٹ کھولتے ہوئے ڈیوس
کو مخاطب کیا اور کہا "یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں ایک
ایسی بدقسمت لڑکی ہوں جس کا دولہا شادی کی پہلی رات
ہی کسی انجانی طاقت کے ہاتھوں قتل ہو جاتا ہے ، اپنی
زندگی کا بلیدان لیکر میرے قریب آگئے ہو۔"

ڈیوس نے کہا "نورما جی یہ محض ایک اتفاق ہے اور
اتفاقات بار بار نہیں ہوا کرتے ۔"

نورما نے مڑ کر کہا "اتفاق نہیں یہ ایک ٹھوس حقیقت
ہے ڈیوس - اس لئے کہ اتفاق ایک بار ہوتا ہے اور مجھ
ابھاگن کے ساتھ پانچ بار ایسا ہو چکا ہے - پانچ بار
میں بیاہی گئی اور پانچ بار میں بیوہ ہوئی ہوں۔"

ڈیوس نے کہا "میں اس کو بھی اتفاق ہی کہوں گا

اور یہ ثابت کردوں گا کہ انجانی طاقت محض ایک مفروضہ
ہے جس کا کوئی وجود نہیں - یہ میرا آخری فیصلہ ہے اور
مجھے امید ہے تم مجھے نا امید نہ کرو گی - اس سلسلے میں
تم پر تمہارے والدین کی کوئی پابندی نہیں اور میرے سر
پر والدین کا سایہ ہے ہی نہیں - لہٰذا کل اتوار ہے اور
کل ہی میں گرجا میں آکر فادر جو پیٹر کے سامنے تمہیں اپنی
شریکِ حیات بنا رہا ہوں - اسی لئے میں نے تمہیں یہاں بلایا
تھا - اب یہاں سے چلو - ابھی کافی دن شادی کی تیاری
کے لئے پڑا ہے - تمہارے پاس دلہن کا سفید لباس موجود
ہے - سونے کی دو انگوٹھیاں میں لے آؤں گا - ایک تمہارے
لئے اور دوسری میرے لئے جو تم اپنے ہاتھوں سے مجھے پہناؤ
گی - اس فیصلے میں کسی ترمیم کی گنجائش نہیں - میں التجا کروں
گا - میرا دل نہ توڑنا۔"

نورما نے کہا "ٹھیک ہے ڈیوس - ہولی فادر تم پر رحم
کرے - میں نے تمہاری ضد کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔"

دونوں یہاں سے چل دیئے - ماریا نے بھی ان کا پیچھا کیا۔
دونوں باہر آکر ایک بگھی میں بیٹھ گئے - ماریا بھی ان کے
سامنے والی سیٹ پر براجمان ہو گئی - راستے میں دونوں خاموش
ہی رہے - پھر کافی دیر کے بعد ڈیوس نے اس خاموشی کو

توڑتے ہوئے کوچوان سے کہا - یہاں بگھی تھوڑی دیر کے لئے
روک دو - بگھی رک گئی تو اس نے نورما کے ہاتھ کو پکڑ
کر چوما اور کہا کل صبح دس بجے گرجا گھر میں - اس وقت تک کے
لئے خدا حافظ - اور اتر کر چلا گیا -
آخر تھوڑی دور چلنے کے بعد نورما نے کوچوان سے کہا
بس میری منزل آگئی ہے - یہیں بگھی روک دو - بگھی رُک
گئی - نورما اتر گئی -

ماریا بھی اتر کر اس کے ساتھ ہی روانہ ہو گئی - ماریا کو اس
لڑکی میں خاصی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی - جو جتنی خوبصورت تھی
اتنی ہی بدقسمت بھی تھی - بدقسمت اس لئے کہ وہ پانچ مرتبہ
بیوہ ہو چکی تھیں - جبکہ اس کے کہنے کے مطابق کوئی انجانی
طاقت اس کے خاوند کو ختم کر دیتی تھی -
ماریا کو جستجو ہوئی کہ وہ اس لڑکی نورما کے حالات معلوم
کرے - وہ نورما کے ساتھ ہی اس کے خوبصورت گھر میں داخل
ہوئی - جہاں اس کی ماں اور باپ اس کا انتظار کر رہے تھے -
باپ نے دیکھتے ہی کہا بیٹی کہاں چلی گئی تھی ہم ناشتے پر
تیرا انتظار کرتے رہے - نورما نے مایوسی سے کہا کہیں نہیں
پپا - ڈیوس کے ساتھ تھی -
ماں نے کہا تم نے اسے تمام حالات بتا دیئے ہیں نا بیٹی -

نورما نے جواب دیا - نہ صرف بتا دیئے ہیں بلکہ اسے
سمجھانے کی بھی بہت کوشش کی ہے ممی مگر وہ نہیں مانتا
اور کل اتوار کو ہی شادی کرنے پر ضد کر بیٹھا ہے - ماں
نے پریشانی سے کہا پھر تو نے کیا سوچا ہے -
نورما کی بجائے باپ نے جواب دیا - جب ڈیوس خود
ہی سب کچھ جانتے ہوئے بھی تیار ہے تو ہمیں کیا انکار
ہو سکتا ہے - خداوند اب کے بار ہمیں مایوس ہونے سے
بچالے اور ہماری بیٹی کا گھر بس جائے -
ماں نے کہا میں تو ہر وقت مقدس مریم سے دعا کرتی
رہتی ہوں کہ مقدس ماں مجھے بھی اپنی بیٹی کی خوشیاں دکھائے
باپ نے کہا ٹھیک ہے میں چند رشتہ داروں کو اطلاع کر
دوں گا اور بیٹی تم بھی اپنی سہیلیوں کو کل صبح بلا لو - میں
باہر جا رہا ہوں - راستے میں فادر جیمز سے کہتا جاؤں گا کہ
وہ مقدس باپ سے دعا کریں -
نورما کی دکھی ماں کی آنکھوں میں بے بسی کے آنسو بھر آئے
اور اس نے مقدس مریم کی تصویر کے سامنے جا کر اپنے
سینے پہ صلیب کا نشان بنایا اور سر جھکا کر کہا مقدس ماں
میری ایک ہی بیٹی ہے - اس دفعہ اسے اپنے سائے میں رکھنا
اور اس کے خاوند کی حفاظت کرنا - ماں تم بھی ماں ہو،

اولاد کا دکھ تم سے زیادہ کون سمجھ سکتا ہے ۔ میری ماما
بیٹی کے غم میں انگاروں پر لوٹ رہی ہے ۔ اس کو دل پر
پانچ زخم لگ چکے ہیں ماں ۔ اب کوئی گنجائش نہیں ۔ اگر
میری زندگی لے کر بھی میری بیٹی کا گھر آباد ہوتا ہے تو مقدری
ماں میں اپنی زندگی بیٹی کی خوشیوں پر قربان کرنے کو تیار ہوں۔
ممّا ایسی باتیں مت کرو ۔ یہ تم ہی تو ہو جس کی ممتا
کے آنچل کی چھاؤں میں ہر دکھ اور درد بھول جاتی ہوں۔
تمہاری زندگی وہ سایہ دار درخت ہے جس کا سایہ اٹھ گیا تو
میں عمر بھر دکھوں کی چلچلاتی دھوپ میں جلتی رہوں گی ۔
ماریا کو دونوں ماں اور بیٹی پر بہت رحم آیا ۔ واقعی ان کا
دکھ عجیب ہی قسم کا تھا نہ جانے وہ کونسی طاقت تھی جو بیچاری
نورما کے خاوند کو ختم کر دیتی تھی ۔ نورما تیار ہو کر گھر سے
باہر چلی گئی اور اس کی ماں گھر کے کام کاج میں لگ گئی ۔ ماریا
کا بھی یہاں دل گھبرایا اور ایک دفعہ پھر وہ یہاں سے عنبر اور
ناگ کی تلاش میں نکل گئی ۔
سارا دن ماریا دونوں کی تلاش میں دھوپ میں پھرتی رہی
آخر ایک جگہ اس نے دیکھا ایک دکان کے باہر چند آدمی کوئی
سبز رنگ کا شربت مزے لے کر پی رہے تھے ۔ دھوپ میں
پھرنے سے ماریا کو بھی پیاس محسوس ہو رہی تھی ۔ ایک نیا

ک آ کر ایک میز کے پاس کرسی پر بیٹھ گیا ۔ نوکر نے
ر سلام کیا تو اس آدمی نے کہا میرے ساتھ تین دوست
ور بھی آ رہے ہیں ۔ ایک بڑا جگ بھر کے لے آؤ ۔ نوکر
ساتھیوں کا انتظار کرنے لگا جو شاید پیچھے کہیں
یا اور
رہ گئے تھے ۔ نوکر نے بھرا ہوا جگ اور چار گلاس لا کر میز
پر رکھ دیئے ۔ آدمی نے کہا میں ذرا اپنے ساتھیوں کو
دیکھ لوں ۔ ماریا یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی ۔ نوکر واپس
چلا گیا ۔
ماریا نے جگ اٹھایا اور اسے منہ سے لگا لیا ۔ شربت
میٹھا تھا ۔ ماریا نے پورا جگ ختم کر دیا اور پھر خالی جگ میز پر
رکھ کر یہاں سے آگے بڑھ گئی ۔ آدمی اپنے تین ساتھیوں
کے ساتھ واپس آیا تو جگ خالی پڑا تھا ۔ اس نے نوکر کو آواز
دے کر کہا یہ خالی جگ تو اٹھاؤ اور اسے بھر کر لاؤ ۔ نوکر
نے حیرت سے دیکھ کر کہا یہ تو بھرا ہوا تھا ۔ تم نے پی کر
خالی کر دیا ۔ آدمی نے کہا تم خواب تو نہیں دیکھ رہے ۔ میں
تو اپنے ساتھیوں کو لینے گیا تھا ۔
نوکر بھی گرم مزاج تھا ۔ اس نے کہا ۔ اے مسٹر اگر
دام نہیں تو میں اپنے پلے سے ادا کر دیتا ہوں ۔ ایسی گھٹیا
حرکت کرتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہئے ۔ ماریا جاتے ہوئے

رک کر دیکھنے لگی۔

اس آدمی نے اٹھ کر نوکر کو گریبان سے پکڑ کر کہا تم نے ہمیں گھٹیا کہا ہے اور ایک مکا اس کے منہ پر جڑ دیا۔ اپنے ساتھی کی مرمت ہوتے دیکھ کر دوسرے نوکر دوڑے ہوئے آئے اور اس آدمی سے لپٹ گئے۔ بس پھر کیا تھا۔ اس کے ساتھی بھی اس لڑائی میں کود پڑے۔ ماریا کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ زور زور سے قہقہے لگائے۔ لیکن اس نے بڑی مشکل سے اپنی اس خواہش کو دبا رکھا تھا۔ جبکہ اس کے سامنے ابھی خاصی جنگ کا نقشہ بن گیا تھا اور کئی دوسرے آدمی بھی ایک دوسرے کی حمایت میں شریک ہو گئے تھے اور کافی غل غپاڑہ مچ گیا تھا۔

اب ماریا اپنی کیفیت پر قابو نہ پا سکی اور اس نے قہقہے لگانے شروع کر دیئے۔ یہ تو اچھا ہوا اس کے قہقہے ان لڑنے والے لوگوں کے شور و غل کے باعث سنائی نہ دے رہے تھے۔ ماریا خود حیران تھی کہ اسے کیا ہو گیا ہے۔ اس کا سر چکرانے لگا تھا اور اس کا جی چاہ رہا تھا کہ قہقہے لگاتی جائے۔ آخر اس نے یہاں سے رفوچکر ہو جانا ہی بہتر سمجھا اور لڑکھڑاتی ہوئی تھوڑی دور ہی ایک باغیچے میں جا پہنچی اور ایک بنچ پر جا کر لیٹ گئی۔ اس کا سر بوجھل ہونے لگا اور ٹھنڈی ہوا نے اسے لوریاں دے کر سلا دیا۔ اسے کیا خبر تھی کہ یہ سبز رنگ کا شربت بھنگ ہے جو اسے جلدی ہی دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دے گی۔

ماریا کی جب آنکھ کھلی تو اس نے باغیچے کے بنچ پر اپنے آپ کو پڑے پایا۔ اسے بالکل علم نہ تھا کہ وہ دو دن تک سوتی ہی رہی ہے۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے دیکھا اس کے قریب ہی چھوٹے چھوٹے بچے کھیل رہے تھے اور ننھی ننھی بچیاں پھولوں کی کیاریوں میں تتلیوں کے پیچھے بھاگ رہی تھیں۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے سب کچھ بھول کر ان بچوں کے کھیل میں کھو گئی۔ پھر یکایک اسے نورما کا خیال آیا اور وہ اس کے گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔ گھر میں داخل ہو کر اس نے دیکھا لوگ بیٹھے افسوس کر رہے تھے کہ بیچارہ ڈیوس بھی نورما کی محبت میں اپنی زندگی اس کی بھینٹ کر گیا۔ کچھ لوگ اس خوبصورت نوجوان کی باتیں کرتے ہوئے اپنے آنسو بھی خشک کرتے جاتے تھے۔ یہ تمام شاید ڈیوس کے دوست تھے۔

اب ماریا کو علم ہوا کہ اس کی غیر حاضری میں نورما کی شادی بھی ہو گئی اور اس کا شوہر ڈیوس جسے وہ ہنستا مسکراتا چھوڑ گئی تھی۔ منوں مٹی کے نیچے اس کا تابوت دفنا دیا گیا ہے۔ ماریا کو بہت افسوس ہوا۔

پھر کسی نے نورما کے متعلق دریافت کیا تو پتہ چلا
کہ وہ تو نہ جانے کہاں چلی گئی ہے۔ نورما کی ماں نے
چیخنا شروع کر دیا کہ میری بچی کو بچاؤ وہ ضرور دل برداشتہ
ہو کر خود کشی کرنے چلی گئی ہے۔ یہ سن کر کچھ نوجوان اس
کی تلاش میں نکل پڑے۔ ماریا نے سوچا۔ ہو سکتا ہے نورما
اسی جھیل پر گئی ہو جہاں اس کی محبت پروان چڑھی تھی
اور جہاں دونوں نے ایک ہو جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ لہٰذا
ماریا اڑتی ہوئی چال سے جھیل کی طرف روانہ ہو گئی۔
نورما ہارسنگھار کے درخت کے نیچے کھڑی ڈوبتے ہوئے
سورج کو دیکھ کر کہہ رہی تھی ڈلیوس تم نے میری اندھیری
دنیا میں آ کر اسے روشن کیا تھا۔ اس سورج کی طرح سے جو اب
اپنا اجالا سمیٹ کر ڈوب رہا ہے۔ تم بھی میری امنگوں اور
خوشیوں کی روشنی سمیٹ کر ڈوب گئے۔ اب اس زندگی میں
اندھیرے کے سوا کیا رکھا ہے۔ زندگی بھر ساتھ دینا کا وعدہ
کیا تھا۔ اکیلے ہی منزل کی طرف چلے گئے ہو۔ مجھے بھی ساتھ لے
لیتے ساتھی میں بھی آ رہی ہوں۔ پھر نورما نے جھیل میں
چھلانگ لگا دی۔

ماریا نے دور سے اسے دیکھ لیا تھا۔ لہٰذا ماریا نے بھی
آ کر جھیل میں چھلانگ لگا دی اور ڈوبتی ہوئی نورما کو جو اب

بے ہوش ہو چکی تھی، اٹھا کر پانی مخاطب کیا جو اس فیصلے
کنارے پہ ڈال دیا اور اسے ہوش :
لگی۔ اسی دوران میں ڈلیوس کے دوستوں میں دوست کا جذبہ
آتا ماریا کو دکھائی دیا۔ وہ نورما کے پاس تھے
لڑکے نے شاید نورما کو دیکھ لیا تھا۔ وہ بھاگ کر اس کے
پاس آیا اور حیران ہو کر دیکھنے لگا کہ نورما نے شاید جھیل میں
کود کر خود کشی کی کوشش کی تھی جو اس کے بھیگے ہوئے کپڑوں
اور اس کی بے ہوشی سے ظاہر ہو رہا ہے۔ پھر اسے جھیل
سے نکالا کس نے ہے جو یہاں نظر نہیں آ رہا۔
ماریا خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ لڑکا نورما کو ہوش
میں لانے کی کوشش کرنے لگا اور تھوڑی ہی دیر کے بعد نورما
نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ اور اس لڑکے کو دیکھ کر کہا
جوزف تم ...... تم نے مجھے کیوں بچا لیا۔ میں تمہارے دوست
کے پاس جا رہی تھی۔ ڈلیوس میرا انتظار کر رہا ہوگا۔ نورما
فوراً اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور جھیل کی طرف بڑھتے ہوئے کہا
مجھے مر جانے دو، مجھے مر جانے دو۔
جوزف نے بڑھ کر نورما کو پکڑ لیا اور کہا نورما موت سے
پہلے کسی کو موت نہیں آ سکتی۔ ڈلیوس کا وقت پورا ہو چکا تھا
وہ ایک گریٹ آدمی تھا۔ تم ہماری کلاس فیلو رہ چکی ہو۔

پھر کسی نے نورما کو
کہ وہ تو نہ جانے کیصلہ کیا تھا تمہاری ویران اور بنجر زندگی
چیخنا شروع کر دیں گے اور یہ ثابت کر دکھائیں گے کہ
ہو کر خودکشی کو مقدر بنا لینا اور کسی کو منحوس سمجھ کر اس
کی زندگی پر اس نام کی مہر ثبت کر دینا کوئی انصاف نہیں۔
ڈیوس تمہاری طرح مجھے بھی پیارا تھا اور جس مشن کا آغاز
اس نے کیا تھا اسے انجام تک پہنچانا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں،
میں بوؤں گا خوشبوؤں کی فصل تمہاری زندگی میں۔ تمہارا
دامن میں پھولوں سے بھر دوں گا۔

نورما نے دکھ بھرے انداز میں کہا ساتھی میرے دامن
میں کانٹوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ میں وہ بنجر زمین ہوں جو کبھی
سرسبز نہ ہوگی۔ بار بار تجربہ کرنے سے کیا فائدہ۔ زندگی
بھر آنسو بہانے کے لئے ڈیوس کی جوان موت ہی کافی ہے۔

جوزف نے کہا۔ نورما میں نے فیصلہ کر لیا ہے میں تمہارے
ساتھ شادی کروں گا۔ اٹھو ہم جلد ہی شادی کر رہے ہیں۔

ماریا یہ سب کچھ سن رہی تھی اور اس جذبے کی قدر
کر رہی تھی جو پہلے ڈیوس کے اور اس کے بعد جوزف کے دل
میں اپنی کلاس فیلو نورما کے لئے تھا۔ یہ قربانی کا جذبہ کتنا
قابل تعریف تھا کہ اپنی زندگی دے کر دوسرے کے گھر کو
آباد کیا جائے۔ ماریا کو یہ ایثار بہت پسند آیا اور پھر

اس نے قریب ہی سے نورما کو مخاطب کیا جو اس فیصلے
پر تیار نہ تھی۔

ماریا نے کہا۔ "پیاری سہیلی تمہارے دوست کا جذبۂ
ایثار قابلِ تعریف ہے۔ اس کی بات مان جاؤ۔"

دونوں چونک پڑے کہ قریب و جوار ان کے علاوہ کوئی
دکھائی تو دیتا نہیں پھر یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ نورما
تو کانپ کر رہ گئی۔

ماریا نے کہا۔ "مجھ سے ڈرو نہیں میں بھی تمہاری ہی
طرح ایک لڑکی ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ تم مجھے دیکھ نہیں
سکتے۔ تمہارے دوستوں کا جذبہ قابلِ ستائش ہے۔ جوزف کی
بات مان جاؤ۔"

جوزف نے کہا۔ "تم کون ہو، اپنے متعلق کچھ بتاؤ۔ یہ
جان کر خوشی ہوئی کہ تم ہماری مخالف یا دشمن نہیں دوست ہو۔"

ماریا نے کہا۔ "بس مجھے اپنا ہمدرد اور دوست ہی سمجھو۔
میری زندگی ایک کتاب ہے جس کو پڑھنے اور سمجھنے میں کافی
دقت درکار ہے۔" پھر اس نے نورما سے مخاطب کرتے
ہوئے کہا۔ "سہیلی میں تمہیں یقین دلاتی ہوں۔ تمہاری یہ شادی
ضرور کامیاب ہوگی۔"

نورما نے کہا۔ "تمہیں کیسے یقین ہے۔"

ماریا نے کہا۔" میں شادی میں جوزف کو ایک ایسا تحفہ
دوں گی جو مجھے زندگی میں سب سے پیارا ہے اور جو اس
کی زندگی کی حفاظت کرے گا۔ میں اسے صلیبِ مقدس گلے
میں ڈالنے کے لئے دوں گی۔ یہ وہ تحفہ ہے جو اسے ہر قسم
کی بلا سے محفوظ رکھے گا۔ تمہیں شاید یقین نہ آئے یہ
تحفہ مجھے مقدس باپ نے اپنے ہاتھوں سے عنایت کیا تھا جو
قدم قدم پر مجھے بلاؤں اور جادو وغیرہ سے محفوظ رکھتا ہے۔
آج سے پہلے میں نے تمہیں اور ڈیوس کو اسی جھیل پر باتیں
کرتے دیکھا تھا۔ تم دونوں کی جوڑی مجھے بہت پسند آئی تھی۔
مجھے تمہاری ہی زبانی تمہاری شادیوں کا بھی علم ہوا تو میں
نے سوچا تھا۔ ڈیوس کو ہر بلا سے محفوظ رکھنے کے لئے
یہ تحفہ دوں گی اور تم دونوں کی شادی میں بھی شریک ہوں
گی۔ لیکن شاید ڈیوس کے دن ہی پورے ہو چکے تھے اس لئے
میں باوجود کوشش کے بھی نہ تو تمہاری شادی میں شریک ہو
سکی اور نہ ہی یہ تحفہ دے سکی۔"
نورما نے کہا۔" اچھی بہن کاش میں تمہیں دیکھ سکتی تو تمہارے
قدم چوم لیتی۔ تم نے ٹھیک ہی کہا ہے دکھی انسانیت کی خدمت
کرنا ہی سب سے بڑا ثواب ہے۔ یسوع نے یہی تعلیم
دی تھی۔ دوسرے کی راہوں کے کانٹے چن لینا خواہ اس میں

ہو جائے۔ انسانیت کی معراج ہے۔"
ماریا نے کہا۔" مجھے خوشی ہے کہ تم کافی سمجھدار ہو۔ لہٰذا
جوزف کی بات مان جاؤ۔"
نورما نے کہا۔" اگر تم ہماری مدد کا وعدہ کرو تو میں تیار
ہوں۔ کیونکہ مجھے کچھ معلوم نہیں کیا ہوتا ہے شادی کی رات
جب دولہا میرے کمرے میں آتا ہے تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ ایک
دم کمرے میں اندھیرا ہو گیا ہے اور پھر جب اجالا ہوتا ہے
تو دولہا کی لاش میرے سامنے ہوتی ہے۔ آج تک میں نے کسی
قاتل کو یا کسی بلا کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔"
ماریا نے کہا۔" تم فکر نہ کرو۔ شادی کی رات میں تمہارے
پاس رہوں گی اور اس رات صلیبِ مقدس کی برکت سے اندھیرا
نہیں ہو گا۔ بلکہ پھر تمہاری زندگی میں کبھی بھی اندھیرا
نہیں ہو گا۔"
نورما نے کہا۔" جوزف چل کر ڈیڈی سے مجھے مانگ لو میں
تمہارے ساتھ شادی کے لئے تیار ہوں۔"
پھر نورما اور جوزف دونوں نورما کی ممی اور ڈیڈی کے پاس
آئے اور جوزف نے نورما سے شادی کا اظہار اس کے باپ سے

کیا۔ پہلے دونوں نے اسے سمجھایا کہ تم بھی ہمیں نورما کی ہی
طرح سے پیارے ہو اور تمام حالات سے واقف ہو۔ لیکن
جب جوزف نے زیادہ شدّت سے اصرار کیا تو دونوں مان
گئے۔ ایک دفعہ پھر رشتہ داروں اور دوستوں میں چہ میگوئیاں
ہوئیں لیکن نورما اور جوزف سب کو نظر انداز کرتے ہوئے
رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔ دونوں کی شادی ہو گئی۔ جب
مہمان وغیرہ رخصت ہو گئے اور دونوں میاں بیوی تنہا رہ گئے
نورما نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا "جوزف اپنے وعدے
کے مطابق صلیب مقدس تمہیں دے رہی ہوں اسے گلے میں
پہن لو۔" پھر نورما سے کہا۔ "فکر مت کرنا میں تمہارے پاس
ہی ہوں گی۔"

ماریا نے صلیبِ مقدس اپنے ہاتھ سے جوزف کے گلے میں
پہنا دی۔ دن کا وقت دونوں نے ہنسی خوشی گزار دیا۔ پھر رات
آ گئی۔ دونوں کے دل دھڑک رہے تھے۔ نورما اپنے کمرے میں
بیٹھی تھی جبکہ جوزف کے دوستوں نے اسے کچھ دیر کے لئے
روک لیا تھا۔ نورما اکیلی کمرے میں ڈر کے مارے کانپ رہی
تھی اور اس کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی۔
اچانک اسے ماریا کا خیال آیا اور اس نے مرجھائے ہوئے
ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اور اپنا خشک گلا تھوک سے

تر کرتے ہوئے آہستہ سے کہا "سہیلی تم نے کہا تھا میں
تیرے ساتھ کمرے میں رہوں گی۔ کیا تم یہاں ہو؟"
ماریا جو قریب ہی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی، نے مسکرا کر
کہا۔ "میں تیرے پاس ہی ہوں نورما اور دیکھ رہی ہوں
تو بڑی بزدل ہے اور ڈر کے مارے کانپ رہی ہے۔"
نورما کا گلا رُندھ گیا اور آنکھیں بھر آئیں۔ اس نے رُک
رُک کر ماریا سے کہا۔ "اچھی سہیلی ذرا تصور کرو۔ اگر یہ
واقعہ تمہارے ساتھ اتنی مرتبہ پیش آیا ہوتا تو آج کی رات
تمہاری حالت کیا مجھ سے مختلف ہوتی؟"
ماریا نے کہا۔ "تو ٹھیک کہتی ہے۔ لیکن اس دفعہ میں
تیرے پاس ہوں۔ ڈر اور خوف کو اپنے دل سے نکال دے
اور پھر ابھی جوزف بھی آ جائے گا۔"
نورما نے کہا۔ "جوزف کا جب جی چاہے آئے۔ اب مجھے
کوئی خوف نہیں۔ تم جو میرے پاس ہو۔"
انہی باتوں کے درمیان جوزف بھی آ گیا اور نورما
کو باتیں کرتے دیکھ کر کہنے لگا اچھا تو ماریا صاحبہ یہاں براجمان
ہیں۔
ماریا نے کہا۔ "اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو۔۔۔"
جوزف نے کہا۔ "ارے نہیں بھئی تم نورما کی سہیلی ہو

اور میں تمہیں اپنی بہن سمجھتا ہوں۔"

ماریا نے کہا۔ "اب تم کمرے میں آ گئے ہو۔ میں کمرے سے باہر ہوں۔ لیکن فکر نہ کرنا۔ میں تم لوگوں سے زیادہ دور نہیں۔ اس کمرے میں داخل ہونے کے لئے کسی کو دروازے سے ہی گذرنا ہو گا اور میں اس دروازے میں تالے کی طرح موجود رہوں گی۔ اچھا خدا حافظ۔"

ماریا کمرے سے نکل کر باہر آ گئی اور بالکونی میں کھڑی ہو کر آسمان پر ستاروں کی بارات جاتی ہوئی دیکھنے لگی۔ آج چاند اپنے پورے شباب پر تھا اور ہر طرف چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا پھولوں اور پتوں سے سرگوشیاں کرتی ہوئی گذر رہی تھی۔ رات دبے پاؤں گذر رہی تھی۔ آدھی رات کے قریب تمام شہر محوِ خواب تھا۔

ماریا نے نورما کے گھر کے باہر چاندنی میں ایک سیاہ ہیولا دیکھا جو دیوار کے ساتھ لگی ہوئی پھولوں کی بیل کو پکڑ کر اوپر چڑھ رہا تھا۔ چونکہ ماریا تو کسی کو نظر آتی نہیں تھی لہٰذا وہ اطمینان سے اسے دیکھتی رہی۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہی وہ بلا ہے جو نورما کے شوہر کو ہلاک کرنے آ رہی ہے۔ ہیولا بیل کے سہارے اب بالکونی میں آ گیا تھا۔

ماریا نے اسے قریب سے دیکھا۔ سیاہ کفن میں لپٹا ہوا کوئی

وجود تھا جس نے اپنا چہرہ بھی ڈھانپ رکھا تھا۔ وہ دبے پاؤں نورما کے کمرے کی طرف چل پڑا۔ ماریا اس کے ساتھ ساتھ رہی۔ پھر اس نے دروازے کو چھو کر دیکھا جو اندر سے بند تھا اور اندر سے کنڈی لگی ہوئی تھی۔ سائے نے کچھ پڑھا۔ پڑھا اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ ماریا نے اس کے منہ سے شہد کی مکھیوں جیسی بھنبھناہٹ سنی اور پھر ایسا لگا جیسے کنڈی اپنے آپ کھل گئی ہے۔ سایہ اندر کمرے میں داخل ہو گیا۔ ماریا بھی ساتھ تھی لیکن اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ باوجود نورما اور جوزف کے جاگنے کے دونوں کو کوئی بھی آہٹ محسوس نہ ہوئی۔

سائے نے پھر کچھ اپنے منہ میں پڑھا اور ایک دفعہ پھر ماریا کو مکھیوں کی بھنبھناہٹ اس کے منہ سے سنائی دی۔ سایہ آگے بڑھ گیا اور پلنگ کے بالکل پاس پہنچ گیا۔ جوزف نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ماریا سمجھ گئی یہ صلیب مقدس کی برکت ہے ورنہ اس قاتل سیاہ کفن پوش نے تو اپنے منتر سے انہیں غافل کر دیا تھا۔ سائے نے سیاہ چادر سے چہرہ باہر نکالا ہی تھا کہ جوزف نے حیرت سے کہا۔ "فادر جوپیٹر آپ اس وقت یہاں؟"

سائے نے کہا۔ "تو کیا اس کمرے میں اندھیرا نہیں؟"

جوزف نے کہا۔ "آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ یہاں تو روشنی

ہے۔ میں آپ کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ فادر جوپیٹر ہیں۔
آج ہی تو آپ نے ہم دونوں کا نکاح پڑھوایا ہے"۔
جوپیٹر نے کہا۔ "وہ کونسی چیز ہے جس نے تمہیں سیاہ
چادر سے باہر نکال دیا ہے"۔
جوزف نے کہا۔ "میں سمجھا نہیں۔ قصہ کیا ہے۔ آپ اس
وقت یہاں کیسے تشریف لائے ہیں"۔
ماریا قریب ہی کرسی پر جا بیٹھی تھی۔ فادر پیٹر نے اپنا چمکدار
خنجر نکال لیا اور کہا آج پہلی مرتبہ میرا علم شکست کھا گیا ہے
لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لڑکے میں تیرے سوال کا
جواب ضرور دوں گا"۔
ماریا نے دیکھا۔ صرف جوزف ہی جوپیٹر کے منتر سے محفوظ
تھا۔ نورما پر اس کا اثر ہو چکا تھا اور وہ سو گئی تھی۔
جوپیٹر نے کہا "نورما بہت حسین لڑکی ہے۔ میں معاشرے
میں ایک اعلیٰ مقام رکھتے ہوئے مذہبی پیشوا ہونے کے باوجود
اس کے حسن کا اسیر ہو کر رہ گیا ہوں۔ میں دل سے اس
حسین لڑکی کو چاہتا ہوں۔ لیکن میں اس کا اظہار نہیں کر سکتا
ویسے بھی میں اس کے باپ کی عمر کا آدمی ہوں۔ اور یہ
بھی نہیں چاہتا کہ کوئی اس لڑکی کو اپنا لے۔ اس لئے میں
ہی نورما کے چھ خاوندوں کا قاتل ہوں"۔
جوزف نے حیرت سے کہا۔ "آپ فادر....."

"سنتے جاؤ لڑکے"۔ جوپیٹر نے کہا۔ "مجھے اس لئے کہ
صبح لوگوں کو اس کمرے سے تمہاری نعش بھی پہلے ہی
طرح ملے گی۔ کیونکہ میں اپنا رقیب برداشت نہیں کر سکتا۔
کالے علم کا ماہر ہوں اور اس علم نے میرے بدن میں
ہاتھوں کی طاقت بھر دی ہے۔ میں اپنے ایک ہی ہاتھ کی
طاقت سے تمہارا گلا دبا کر تمہیں ختم کر دوں گا"۔
جوپیٹر آگے بڑھا اور اپنا ہاتھ جوزف کے گلے کی طرف
بڑھایا ہی تھا کہ صلیبِ مقدس سے آگ کی لکیر نکل کر ہاتھ
پر پڑی اور ہاتھ میں آگ لگ گئی۔ ایک دبی ہوئی چیخ کے
ساتھ جوپیٹر نے اپنا ہاتھ سیاہ کفن میں کھینچ لیا۔ اب
اس کی نظر صلیبِ مقدس پر پڑ گئی تھی۔ اس کے چہرے پر
تکلیف کے آثار کے علاوہ گہری سوچ کا بھی پتہ چل رہا تھا۔
ایک دفعہ پھر مکھیوں کی بھنبھناہٹ سنائی دی۔ جوپیٹر نے
اپنی آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔
ماریا دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی اور جوزف کی سمجھ میں
نہیں آ رہا تھا کہ اس نے جو کچھ سنا ہے وہ حقیقت ہے یا
کوئی خواب ہے۔
جوپیٹر نے اپنی آنکھیں کھول دیں جو سرخ انگارہ ہو رہی
تھیں اور ان میں سے شعلے لپکتے دکھائی دے رہے تھے۔ اس
نے غصے سے ماریا کی طرف دیکھا اور ماریا کو محسوس ہوا کہ اسے

کسی نے برف کی سل پر لٹا دیا ہو۔ سردی سے اس نے اپنے جسم میں ایک کپکپی محسوس کی اور اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا کہ اس نے صلیبِ مقدس اپنے گلے سے جدا کر کے بہت بڑی حماقت کی ہے جس کی سزا بھگتنے کے لئے اسے تیار رہنا چاہئے۔ پھر جو پیٹر نے کہا۔ "بیوقوف لڑکی یہ سارا تیرا کیا دھرا ہے" وہ طنزیہ ہنسا اور کہا۔ "اس جرم کی سزا میں اب تو میرے ساتھ ہی جائے گی"

ایک دفعہ پھر اس نے کچھ پڑھ کے ماریا کی طرف پھونکا اور حکم دیا میرے ہاتھ کی ہتھیلی پہ آجا۔ ماریا کو محسوس ہوا اس کا قد گھٹ کر ایک بالشت کا ہو گیا ہے پھر تیز ہوا کا ایک جھونکا آیا اور اسے اڑا کر جو پیٹر کی پھیلی ہوئی ہتھیلی پہ لے گیا۔

جو پیٹر نے جوزف کی طرف دیکھ کر کہا افسوس میری طاقت صلیب کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ تو خوش قسمت ہے لڑکے تو نے فادر جو پیٹر سے نورما کو چھین لیا ہے۔ لیکن میں تجھے حکم دیتا ہوں جو کچھ تو نے دیکھا ہے اور جو سنا ہے، اسے بھول جا۔"

جو پیٹر نے ایک دفعہ پھر اپنی ہتھیلی پہ کھڑی ہوئی ماریا کو دیکھا اور اسے لے کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

ناگ دُلہن بن گیا

شادی کے منڈپ میں پنڈت کے سامنے مرلی دھر دولہا کے لباس میں اور پھول وتی یعنی ناگ دلہن کے لباس میں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ لیکن پنڈت کی آنکھیں پھول وتی پر جم کر رہ گئی تھیں۔ مرلی دھر نے دوبارہ پنڈت کو پھول وتی میں کھوئے دیکھ کر کہا۔

پنڈت جی! شروع کریں شادی کا مہورت نکلا جا رہا ہے۔

پھول وتی نے قہر بھری نظروں سے مرلی دھر کی طرف دیکھا اور اس سے پہلے کہ وہ منہ سے کچھ بولے پنڈت کی بھاری آواز نے سب کو چونکا دیا۔

یہ شادی نہیں ہو سکتی۔ بھلا آدمی کی شادی۔ چھی چھی چھی چھی۔

مرلی دھر نے حیرت سے پنڈت کی طرف دیکھا جن

کی نگاہیں پھول وتی پر جمی ہوئی تھیں۔ اور اس کی آنکھوں
سے شیطانیت جھانک رہی تھی۔

پھول وتی کو محسوس ہوا جیسے پنڈت کی نگاہیں سوئیوں
کی طرح اس کے چہرے پر چبھ رہی ہیں اور اس کو پنڈت
کی بدلتی ہوئی حالت سے خوف محسوس ہونے لگا۔ اور
سردی کی ایک لہر سی اس کے جسم میں دوڑ گئی۔ پنڈت
نے مرلی دھر سے کہا۔

سیٹھ جی آپ ذرا میرے ساتھ آئیے آپ سے کوئی
بات کرنی ہے۔

مرلی دھر اور پنڈت ایک طرف چلے گئے۔

پھول وتی سمجھ گئی کہ پنڈت کو اس کی اصل شخصیت
کا علم ہو گیا ہے۔ اس نے کوشش کی کہ یہاں سے بھاگ جائے
لیکن کوشش کے باوجود بھی وہ اپنے جسم کو جنبش نہ دے
سکی اسے لگا کہ اس کا جسم پتھر کی مورتی میں تبدیل ہو
گیا ہے۔

دوسری طرف پنڈت مرلی دھر کو بتا چکا تھا کہ جس لڑکی
سے وہ شادی کرنا چاہتا ہے وہ عورت نہیں پانچ ہزار
سالہ پرانا ناگ ہے۔

پھول وتی کی اصلیت جاننے کے بعد مرلی دھر کانپ کر

یا۔ سونے سے بھری ہوئی تھیلیاں دے کر اس نے
ن خرید لی تھی۔ وہ اب دوبارہ پھول وتی کے
منے آتے ہوئے ڈر رہا تھا۔ جبکہ پنڈت بہت خوش
تھا اور کہہ رہا تھا۔

سیٹھ مرلی دھر!

میری برسوں کی محنت آج وصول ہو گئی ہے۔ یہ ناگ
زمین کے اندر چھپے ہوئے خزانوں کا مالک و مختار
ہے۔ میں اسے اپنا غلام بنا کر دنیا جہاں کی دولت
سمیٹ لوں گا۔

مرلی دھر نے کہا۔

پنڈت جی! مگر میری چار سونے کے سکوں سے بھری
ہوئی تھیلوں کا کیا ہو گا۔ جس کے بدلے میں نے اسے
خریدا ہے۔

پنڈت نے کہا۔

نادان چار تھیلیوں کی بجائے میں تجھے دس تھیلیاں دوں
گا۔ تو جا کر تمام مہمانوں اور نوکروں کو یہاں سے رفو چکر
کر دے۔ پھر تنہائی میں بیٹھ کر میں اسے قابو کرنے کا
جاپ شروع کر دوں گا۔

مرلی دھر نے کہا۔

پنڈت جی! نوکر وغیرہ چلے گئے تو یہ بھاگ جائے گی۔

پنڈت نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

میں نے اس کا جسم کیل دیا ہے۔ وہ تو اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتا اور ابھی تیرے سامنے ہی میں اسے اصلی شکل میں لاتا ہوں۔ پہلے ان سب فالتو آدمیوں کو یہاں سے چلتا کر دو۔

مرلی دھر کو دس تھیلیوں کی پیشکش نے خوش کر دیا تھا اور اس کے مردہ جسم میں جان آ گئی تھی۔ اس نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا ابھی لو مہاراج! میں سب کو چلتا کر دیتا ہوں۔

پھر مرلی دھر نے آکر سب کو چلتا کر دیا اور اس نے سب سے کہہ دیا کہ پنڈت جی کہتے ہیں کہ آج شادی کی شبھ گھڑی نکل گئی ہے۔ اس لئے اب شادی ایک ہفتے بعد ہو گی۔ آپ لوگوں کی آمد کا شکریہ اب آپ لوگ جا کر کھانے کے کمرے میں کھانا کھائیں۔ اور پھر تشریف لے جائیں۔ اب آپ کو ایک ہفتہ بعد پھر تکلیف دی جائے گی۔

پھر اس نے اپنے نوکر سے کہا۔

تم سب جاؤ اور مہمانوں کو کھانا کھلاؤ میں تھوڑی دیر میں آؤں گا۔

سب مہمان نوکروں کے ساتھ یہاں سے چلے گئے۔

اب اس کمرے میں پھول وتی کے علاوہ مرلی دھر اور پنڈت ہی رہ گئے۔

پھول وتی یعنی ناگ نے بہتیری کوشش کی کہ اپنی ہیئت تبدیل کرے۔ لیکن کوشش کے باوجود بھی وہ کچھ نہ بن سکا۔ اب ایک دفعہ پھر پنڈت اس کے سامنے منڈپ میں آ بیٹھا تھا۔ اور اس نے منتر کا جاپ شروع کر دیا تھا۔

مرلی دھر ایک کمرے میں کھڑا کبھی پنڈت کو اور کبھی پھول وتی کو دیکھ رہا تھا۔ جس کے ماتھے پر پسینہ آ گیا تھا۔ اور چہرے سے بے چینی کا اظہار ہو رہا تھا۔ پھر جوں جوں پنڈت جاپ میں مصروف منتر پڑھتا رہا ناگ کو محسوس ہونے لگا کہ کسی نظر نہ آنے والی تیز آنچ سے موم کی طرح پگھل رہا ہے۔ لیکن مرلی دھر یہ عمل اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ کہ پھول وتی کا جسم واقعی موم کی طرح پگھل رہا تھا۔ اور یہ عورت سے سانپ کے روپ میں تبدیل ہو رہا تھا۔

پھر پنڈت نے عمل ختم کر کے پھول وتی کے جسم پر پھونک

ماری اور وہ مکمل طور پر سانپ میں تبدیل ہو گئی۔

ناگ نے اپنا پھن اٹھا کر پنڈت کی طرف دیکھا اور اس کی نگاہوں کی تاب نہ لا کر اپنا پھن جھکا لیا جس کا مقصد تھا کہ اس نے اپنی شکست تسلیم کر لی ہے۔

پنڈت نے جس کے چہرے سے خباثت ٹپک رہی تھی ہاتھ بڑھا کر ناگ کو اٹھا لیا اور گلے میں ڈال لیا پھر مرلی دھر سے کہا۔

اچھا سیٹھ مرلی دھر اب ہم چلتے ہیں۔ ہمارا کام ہو گیا ہے۔

مرلی دھر نے ہاتھ جوڑتے ہوئے ڈر کر کہا۔

مہاراج آپ کو اپنا وچن یاد ہے نا۔

پنڈت نے ہنستے ہوئے کہا

مجھے اپنا وچن یاد ہے مگر اس کے لئے ہمیں تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا۔

مرلی دھر نے کہا کوئی بات نہیں مہاراج میں اپنا دھن کے لئے عمر بھر انتظار کر سکتا ہوں۔

پنڈت نے ہنستے ہوئے کہا۔

نہیں نہیں مرلی دھر میں تمہیں لمبا انتظار نہیں کراؤں گا۔ بس آٹھ دن کی مہلت درکار ہے۔

مرلی دھر نے کہا۔

مہاراج جیسے آپ کی اچھیا۔

ناگ پنڈت کی گردن کے گرد لپٹا سوچ رہا تھا کہ دیوی کا سراپ ہی کیا کم مصیبت تھا۔ کہ یہ کم بخت دوسری مصیبت بن کر آ گیا ہے۔ لیکن یہ نہیں جانتا کہ میں زمین کے اندر کے خزانے اسے بتا تو سکتا ہوں لیکن اسے دلا نہیں سکتا۔ کیوں کہ یہ طاقت تو مہا ناگ رانی کلاوتی نے مجھ سے چھین لی ہے۔ جسے صرف عنبر ہی واپس دلا سکتا ہے اور خدا جانے اب عنبر سے کیا ملاقات ہو گی۔ فی الحال تو اس پنڈت نے اسے غلام بنا لیا تھا۔

پنڈت ناگ کو لے کر شیو جی کے مندر کی ایک کوٹھڑی میں آ گیا۔ جہاں اس کی رہائش تھی۔ اس نے ناگ کو ایک پٹاری میں بند کر کے رکھ لیا تھا۔ کیوں کہ رات ختم ہو رہی تھی اور اب اسے مندر میں گھنٹہ بجا کر آس پاس کے لوگوں کو مطلع کرنا تھا۔ کہ پوجا کا وقت آن پہنچا ہے۔ اٹھ جاؤ اور اشنان کرو اور مندر میں آ کر اپنا سر شیو جی کی مورتی کے سامنے جھکا کر اپنی دلی مرادوں کے لئے دعا کرو۔ گھنٹیوں کی آواز کے ساتھ ہی پنڈت کے چیلوں نے ناقوس بھی پھونکنا

شروع کر دیا اور سارا شہر بیدار ہو گیا۔

مندر میں پجاریوں کی آمد شروع ہو گئی۔ اور مندر کی دیو داسیاں پھولوں سے بھری تھالیاں لے کر پوجا کی تیاری میں مصروف ہو گئیں۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا مندر صندل کی خوشبو سے مہک اُٹھا اور ساز و نغموں کی آواز سے گونج اُٹھا۔ پھر لوگ پوجا سے فارغ ہو کر رشی منی اور سادھوؤں کو نذرانے پیش کرتے اور دان دیتے ہوئے واپس اپنے کاروبار میں جا کر مگن ہو گئے۔

پنڈت کو فرصت ہوئی تو سب سے پہلے اس نے چڑھاوے میں آئی ہوئی مٹھائی اور حلوہ پوری سے ڈٹ کر ناشتہ کیا اور پھر ایک پیالہ بھر دودھ لیا اور ناگ کو پٹاری سے نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا اور کہا ناگ مہاراج یہ آپ کی بھینٹ ہے۔

ناگ نے پیالے میں منہ ڈال دیا اور دودھ پینا شروع کر دیا۔

پنڈت نے سن رکھا تھا کہ شہر کے باہر راجہ ہریش چندر کے محلات کے کھنڈر ہیں۔ جہاں مشہور تھا کہ چڑیلوں نے قبضہ کر رکھا ہے۔

اس محل کے متعلق مشہور تھا کہ آج سے چار ہزار سال

راجہ ہریش چندر نے اس خوب صورت محل کو اپنی سب سے پیاری رانی پریم لتا کے لیے بنایا تھا۔ اس زمانے میں یہ محل دنیا کا خوب صورت ترین محل شمار ہوتا تھا۔ لیکن اب تو اس کے کھنڈر ہی باقی رہ گئے تھے دوسری روایت اس محل کے متعلق یہ بھی مشہور تھی کہ جب راجا کشن راؤ نے جو راجا ہریش چندر کا پڑوسی راجا اور دشمن تھا راجہ ہریش چندر کی راج دھانی پر حملہ کیا تو راجہ ہریش چندر نے اپنا سارا خزانہ راج دھانی سے لا کر اسی محل میں چھپا دیا۔ لیکن خود راجا ہریش چندر کا بھائی ہی غدار ہو گیا اور دشمن سے جا ملا اور راجا ہریش چندر کو شکست ہوئی۔ راجا ہریش چندر نے اپنا سارا خزانہ دشمن کے ڈر کی وجہ سے اس محل کے تہ خانے میں چھپا دیا تھا۔

فتح کے بعد راجا کشن راؤ نے ہر چیز پر قبضہ جما لیا لیکن اسے تلاش بسیار کے باوجود خزانہ نہ مل سکا۔ کیوں کہ اس کا راز صرف راجا ہریش چندر کو تھا جو جنگ میں مارا گیا تھا۔ یا اس کی رانی پریم لتا جانتی تھی جو پتی کی شکست کے بعد خود بھی ان داسیوں سمیت چتا میں جل مری تھی اور اسی چتا کی آگ میں

یہ خوب صورت محل بھی جل گیا تھا۔

بعض لوگوں کا خیال تھا کہ مہارانی پریم لتا نے چتا تیار کروا کر خود اپنے ہاتھوں سے پہلے محل کے چاروں طرف آگ لگائی تھی۔ جب آگ نے اچھی طرح اس محل کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تو پھر خود اپنی چتا میں جل مری اور اس کے ساتھ ہی محل بھی جل کر کھنڈر میں تبدیل ہو گیا۔

لوگوں کا خیال ہے کہ وہ خزانہ آج بھی ان کھنڈرات میں موجود ہے۔ جس پر چڑیلوں نے قبضہ جما رکھا ہے کیوں کہ ہر دور میں کئی جیالوں نے اس کی تلاش میں کھنڈرات کا رُخ کیا۔ لیکن پھر دوبارہ ان کو کسی نے بھی نہیں دیکھا۔ جس سے لوگوں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ لوگ چڑیلوں کی خوراک بن گئے۔ اور اب تو ڈر کے مارے رات کے وقت کوئی مسافر بھی ان کھنڈرات کے قریب سے نہیں گزرتا تھا۔

یہ ساری معلومات پنڈت کو اپنے چیلے سے جس کا نام امرناتھ تھا، سے اس وقت معلوم ہوئی تھیں۔ جب آج سے دس سال پہلے وہ پہلی مرتبہ اس مندر میں آیا تھا اور اب اس نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ وہ

ناگ کی مدد سے آج ہی رات کھنڈرات میں جا کر اس خزانے کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اسی دن کے لیے اس نے یہ سفلی عمل حاصل کیا تھا جادو میں باقاعدہ چلّہ کشی کر کے مہارت حاصل کی تھی کہ وقت آنے پر وہ چڑیلوں کا مقابلہ کر سکے۔

آج اس کی امیدوں اور آرزوؤں کے پورا ہونے کا دن آ پہنچا تھا۔ بھگوان نے اس کی فریاد سن لی تھی وہ گھڑیاں گن گن کر یہ دن گزار رہا تھا۔ پھر آخر کار اس دن کی بھی رات ہو ہی گئی۔

اس زمانے میں رات ہوتے ہی لوگ گھروں میں کے دروازے بند کر کے سو جایا کرتے تھے۔ سڑکوں بازاروں میں آج کی طرح سے بلب تو روشن نہ ہوتے تھے۔ دور دور فاصلے پر چوکوں میں قندیلیں روشن ہوتی تھیں۔ جن میں تیل کے دیئے جلائے جاتے تھے۔ اور رات ہوتے ہی شہر کے دروازے بند کر دیئے جاتے تھے۔

پنڈت رات ہوتے ہی ناگ کی پٹاری لے کر شہر کے دروازے سے باہر نکل گیا اور راجہ ہریش چندر کے محل کے کھنڈرات کا رُخ کیا جو شہر سے کافی دور تھے اس راز سے اس کا چیلا امرناتھ ہی واقف تھا۔ چلتے چلتے

تقریباً آدھی رات سے ذرا پہلے ہی پنڈت ان تک پہنچ گیا
اس نے کھنڈرات کے باہر ہی کچھ پڑھ کر ایک گول
دائرہ زمین پر کھینچ مارا اور اس کے درمیان ناگ کی
پٹاری رکھ کر منتر پڑھنا شروع کر دیا۔ آج اسے احساس ہو
رہا تھا کہ شہر میں یا مندر میں بیٹھ کر کوئی جاپ کرنا
کتنا آسان ہے۔ کیونکہ چاروں طرف اندھیرے میں اسے
طرح طرح کی ڈراؤنی صورتیں اور انتہائی دل ہلا دینے والی
آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ کئی دفعہ تو اسے دائرے
میں پڑھتے پڑھتے ٹھنڈے پسینے آئے اس کا جسم بید
مجنوں کی طرح ڈر سے کانپ رہا تھا۔
کھنڈر کی تمام چڑیلیں اپنے بلبے بلبے دانتوں اور پنجوں
سمیت دائرے سے باہر اپنے وحشیانہ رقص میں مصروف تھیں
ان میں ایسی ایسی خوف ناک شکل کی چڑیلیں بھی موجود تھیں
جن کو عام آدمی ایک نظر دیکھ لے تو اس کے دل
کی دھڑکن خوف سے بند ہو جائے۔
پنڈت کا جسم برف کی طرح ٹھنڈا ہو گیا تھا کئی دفعہ
اسے ایسا لگا کہ اس کی زبان بند ہو جائے گی لیکن ایسا
ہوا نہیں۔ کیوں کہ اس دائرے کے اندر کسی قسم کے جادو
کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا تھا۔ جوں جوں منتر ختم ہوتا

جا رہا تھا۔ چڑیلوں کا وحشیانہ رقص اور ان میں جوش و خروش
بڑھتا جا رہا تھا۔
پنڈت اپنی آنکھیں بند کئے منتر کا جاپ کئے جا رہا تھا
اور کبھی کبھی آنکھیں کھول کر وہ ایک نظر ناگ کو دیکھ لیتا
تھا۔ کیوں کہ اسے اس پر پڑھ کر پھونک مارنی پڑتی تھی
اور یہ کام آنکھ کھولے بغیر نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر ایک
دفعہ جو اس نے آنکھ کھولی تو عجیب ہی منظر دیکھا تمام چڑیلیں
وغیرہ وہاں سے غائب تھیں اور اس کے سامنے کھنڈرات
کی بجائے محل اپنی اصلی حالت میں موجود تھا۔ جس میں آگ
لگی ہوئی تھی اور وہ جل رہا تھا۔ اس پر دشمن کی فوجوں
نے حملہ کر رکھا تھا۔ اور لڑائی اپنے پورے عروج پر تھی۔
اچانک اس نے دیکھا کہ محل کی فصیل پر کھڑے سپاہیوں نے
اگن بان پر جلتا ہوا ایک بہت بڑا بھالے نما تیر چلّے پر چڑھایا اور
کمان کو جو بڑی تھی اور جسے پچاس سپاہیوں نے کھینچ رکھا تھا
اسے چھوڑ دیا چلتا ہوا تیر سیدھا پنڈت ہی کی طرف آیا اور
وہ اتنی تیزی سے آیا کہ ڈر کے مارے پنڈت منتر بھول گیا
اور اس کے منہ سے ایک فلک شگاف چیخ نکل گئی۔
دائرے کے اندر کی زمین پھٹ گئی اور پنڈت اس میں
گرتا ہی چلا گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ نہ ختم ہونے والی کسی گہرائی

میں گرتا ہی چلا جا رہا ہے۔ اُسے پاتال نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔
اندھیرا ہی اندھیرا تھا اور وہ ان اندھیروں کے نہ ختم ہونے
والے سفر پر گرتا ہی جا رہا تھا۔ اس کے منہ سے چیخیں اس
طرح نکل رہی تھیں جیسے کسی کو کُند چھری سے ذبح کیا جا
رہا ہو۔ اس کے جسم کے اندر ایک آگ لگی ہوئی تھی اور
وہ اندھیروں میں گرتا چلا جا رہا تھا۔

سویٹی بندروں کے قبضہ میں

سویٹی نے پتھر ہٹنے کی آواز سنی تو سمجھ گئی کہ صبح
ہو گئی ہے۔ بڑا بندر غار کے اندر داخل ہوا۔ سویٹی نے
محبت سے کہا۔

آ گئے۔

بڑے بندر نے تازہ پھل اس کے سامنے لا کر رکھ
دیئے۔ سویٹی نے اشارہ کیا کہ میں پہلے منہ ہاتھ دھو
آؤں پھر آ کر کھاؤں گی۔

بندر نے غوں غوں کر کے سر ہلایا جس کا مقصد تھا
کہ ٹھیک ہے پھر اس نے سویٹی کی انگلی پکڑی اور
اس کے ساتھ ہی غار سے باہر نکل کر سمندر کی طرف
چل دیا۔

عنبر زمین پر لیٹا ہوا تھا کہ اچانک آہٹ سن کر
اس نے گھوم کر دیکھا دُرِ ظلمات نے کہا۔

آقا! کیا دیکھ رہے ہو؟۔
عنبر کی باچھیں کھل گئیں اور اس نے کہا۔
دُرِ ظلمات یہی ہے وہ لڑکی خدا کا شکر ہے یہ زندہ ہے۔ اسی کی تلاش میں تو میں یہاں آیا تھا مگر یہ بندر۔
دُرِ ظلمات نے کہا۔
آقا حکم ہو تو اس کی ٹانگیں چیر دوں۔
نہیں دُرِ ظلمات یہ سویٹی کا دشمن نہیں محافظ ہے دیکھو کتنے پیار سے ساتھ ساتھ جا رہا ہے۔ شاید اسی بندر نے اس بچی کی جان بچائی ہے مگر یہ تنہا اس جزیرے پر نہیں ہو سکتا ابھی یہ لفظ عنبر کے منہ سے نکلے ہی تھے کہ ایک طرف سے بندروں کی پوری فوج تاریک جزیرے کے جنگل سے نکل کر سمندر کی طرف آتی ہوئی اُسے نظر آئی۔
عنبر نے کہا۔
میں پہلے ہی حیران تھا کہ یہ بندر تنہا یہاں ہرگز نہیں ہو سکتا۔
دُرِ ظلمات نے کہا۔
دیکھ لیجئے پوری فوج ظفر موج موجود ہے حکم ہو تو دو چار کا ناشتہ کر لوں۔

عنبر نے کہا۔
نہیں یار جب تک وہ کوئی حرکت ہمارے خلاف نہیں کرتے ہمیں بھی پہل نہیں کرنی چاہیئے۔
پھر عنبر بھی ٹیلے سے اُتر کر سمندر کی طرف چل دیا اس نے دیکھا سویٹی پانی سے منہ دھو رہی تھی اور بندر پاس ہی بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ اور پھر اس کی نقل بھی کر رہا تھا۔ پھر بقایا بندر بھی آ گئے اور سویٹی کی نقل کرنے لگے۔
عنبر کو ان کی حرکت پر ہنسی آ گئی عنبر نے قریب جا کر سویٹی کو آواز دی۔
جوں ہی سویٹی نے مُڑ کر دیکھا تو انکل عنبر کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ عنبر نے دوڑ کر سویٹی کو گود میں اُٹھا لیا۔
بندر نے عنبر کو سویٹی کو اُٹھاتے دیکھا تو عنبر پر حملہ کر دیا یہ الگ بات ہے کہ عنبر کی ٹھوکر کھا کر بندر دور جا گرا اور گھگھیانے لگا۔
اپنے سردار کی بے عزتی پر سارے بندر ناراض ہو گئے اور انہوں نے چاروں طرف سے عنبر کو گھیرے میں لے لیا۔

دُرِ ظلمات نے آؤ دیکھا نہ تاؤ آگے بڑھ کر بڑے بندر
کو دُم سے پکڑ کر اُٹھا لیا۔ لیکن سویٹی نے فوراً عنبر سے
سے کہا۔
یہ کون ہے آپ کے ساتھ۔ کیوں کہ اس وقت دُرِ ظلمات
دیو کی بجائے آدمی ہی کے روپ میں تھا۔
عنبر نے کہا۔
میرا دوست ہے۔
سویٹی نے کہا۔
انکل! اسے کہیں کہ اس بندر کو چھوڑ دے ان سب
نے ہی میری جان بچائی ہے اور یہ سب میرے ساتھی ہیں
دوست ہیں دشمن نہیں۔
عنبر کے کہنے پر دُرِ ظلمات نے بڑے بندر کو چھوڑ دیا
لیکن بڑے بندر کی آنکھوں میں خون اُتر آیا تھا۔ درندگی
اور حیوانانیت پوری طرح اس کی آنکھوں سے نظر آ رہی تھی
اس نے اپنی زبان میں تمام بندروں کو نہ جانے کیا کہا کہ سب
بندر لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو گئے۔
سویٹی نے عنبر کی گود سے اُتر کر بڑے بندر کو بڑا سمجھانے
کی کوشش کی لیکن وہ عنبر کو کھا جانے والی نظروں سے
دیکھ رہا تھا اور اس نے سویٹی کی بات ماننے سے انکار

کر دیا بلکہ اُسے گھسیٹ کر پیچھے کھڑے بندروں کی طرف
اچھال دیا اور انہوں نے سویٹی کو سنبھال لیا۔
عنبر سمجھ گیا کہ یہ بندر نہیں چاہتے کہ سویٹی ہمارے
ساتھ کوئی تعلق رکھے اور یہ ہمارا وجود اس جزیرے پر
برداشت کرنا نہیں چاہتے۔
عنبر بڑی مشکل میں پھنس گیا تھا وہ خوامخواہ بندروں کو
نقصان پہنچانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ بندروں کی
حالت اس بچے کی طرح ہے جس کے ہاتھ سے اچانک کوئی
کھلونا چھیننے کے لئے آ جائے جو اسے بہت عزیز ہو۔ یہ
سویٹی پر اپنا حق سمجھتے ہیں اور یہ بات ان کو پسند نہیں ہے
کہ سویٹی ہمارے پاس رہے کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ
ہم اس کھلونے کو ان سے چھین کر لے جائیں گے۔ آخر
بڑی سوچ بچار کے بعد عنبر نے سویٹی سے کہا۔
تم فکر نہ کرو یہ تمہارے لئے میرے دشمن ہوئے ہیں
اس لئے میں ان کو نقصان پہنچانا نہیں چاہتا فی الحال
تم ان کے پاس رہو میں تمہیں جلدی ہی یہاں سے لے جاؤں
گا رات ہونے دو۔
عنبر کو دیکھ کر ایک دفعہ پھر سویٹی کو اپنی ماں اور
ڈیڈی بڑی طرح یاد آنے لگے تھے۔ لیکن عنبر کے حکم

کے مطابق وہ بندروں کے ساتھ ہی چلی گئی جو اسے لے کر تاریک
جزیرے کے جنگل میں چلے گئے۔

عنبر نے دُرِ ظلمات سے کہا

تم اس طرح ان کا پیچھا کرو کہ یہ تمہیں دیکھ نہ سکیں اور
پھر جب تک ہمیں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ یہ سویٹی کو کہاں
رکھتے ہیں واپس نہ آنا۔ میں ساحل پر تمہارا انتظار کروں گا
ہمیں ہر حالت میں رات کو بچی کے ساتھ یہاں سے چلے
جانا ہے۔

دیو نے کہا۔

ہمیں ان بندروں سے کون سی رشتہ داری قائم کرنی ہے
آقا! آپ حکم دیں میں ان کی چٹنی بنا کر کھا جاؤں آپ تو
خوامخواہ انہیں اہمیت دے رہے ہیں۔

عنبر نے کہا۔

نہیں بھائی ہم خوامخواہ ان کی جان لے کر کیا کریں گے۔
خدا کی مخلوق ہے انہیں بھی زندہ رہنے کا حق ہے پھر ہم
چل کر ان کے گھر آئے ہیں اور اُن سے وہ گڑیا بھی چھین
لینا چاہتے ہیں جو سب بندروں کو عزیز ہے اب اگر وہ ہمارے
دشمن ہو گئے ہیں۔ تو اس میں وہ بے چارے حق
بجانب ہیں۔

دیو نے کہا۔

ٹھیک ہے آقا آپ جائیں میں مکھی بن کر اُن کے پیچھے
جا رہا ہوں۔

دُرِ ظلمات مکھی بن کر ان بندروں کے پیچھے ہی
اڑ گیا۔

دُرِ ظلمات کے مکھی بن جانے پر عنبر کو ناگ بُری طرح
یاد آ گیا اور وہ بے چین ہو گیا۔ کافی عرصہ گزر گیا تھا اِن
سب کو بچھڑے ہوئے نہ تو ناگ کا ہی کچھ پتہ تھا اور
نہ ماریا کا۔

پھر اس نے سوچا سویٹی کو اس کے ماں باپ کے پاس
چھوڑ کر وہ سب سے پہلے اپنے پیارے دوست اور
بھائی ناگ کو اور اپنی بہن ماریا کو تلاش کرے گا اس سلسلہ میں
دُرِ ظلمات اس کا بہت بڑا معاون ثابت ہو گا اور اس کی
وجہ سے عنبر مہینوں کا سفر گھنٹوں میں طے کر سکتا ہے وہ دنیا
کے کونے کونے میں ان کو تلاش کرے گا۔

اپنے آپ کو مطمئن کر کے عنبر سمندر کے کنارے بیٹھ گیا
اور منہ ہاتھ دھونے لگا اس نے سوچا تھا کہ وہ دن کے وقت
اس تاریک جزیرے کی سیر کرے گا لیکن دن کے وقت یہ
بندروں والا ناخوشگوار واقعہ ہو گیا۔ منہ ہاتھ دھو کر وہ

دُرِ ظلمات کے انتظار میں بیٹھ گیا اور ایک دفعہ پھر اس کا خیال
ماریا اور ناگ کی طرف چلا گیا اور وہ ان لمحات کو یاد
کر کے ہنسنے لگا جو اُن تینوں نے کبھی ایک ساتھ
گزارے تھے۔

دُرِ ظلمات کافی دیر کے بعد واپس آیا تو اس نے عنبر
کو بتایا۔

بندروں نے ایک غار میں سویٹی کو چھپا رکھا ہے۔
میں جگہ اچھی طرح دیکھ آیا ہوں اگر آپ اجازت دیں
تو ابھی جا کر سویٹی کو اٹھا لاؤں۔ اور اگر کوئی بندر
میرے راستے کی دیوار بنے گا تو وہ اپنی جان سے ہاتھ
دھو بیٹھے گا۔

عنبر نے کہا۔

نہیں دُرِ ظلمات ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے کہ ہمارے
ہاتھ سے کسی بندر کی جان ضائع ہو اور اس کی وجہ یہ ہے
کہ سویٹی مجھ سے بچھڑنے کے بعد کسی نہ کسی طرح ان
بندروں کے ہاتھ لگ گئی۔ تم نے دیکھا نہیں کہ وہ کس
طرح اس کا خیال رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ کیسی محبت
سے پیش آتے ہیں۔

دُرِ ظلمات نے کہا۔

آقا پھر آپ کیا چاہتے ہیں اور کس طرح ان سے سویٹی کو
حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

عنبر نے کہا۔

دیکھو دُرِ ظلمات! جب یہ سب بندر رات کو سو جائیں۔
تو تم رات میں سوتے میں سویٹی کو آرام سے اٹھا لاؤ گے
پھر ہم اس کو اس کے ماں باپ کے پاس پہنچا دیں گے
اور اس کے لئے ہمیں آدھی رات کا انتظار کرنا ہوگا۔

پھر آدھی رات کو جب سب بندر اطمینان سے سو
رہے تھے تو دُرِ ظلمات اس غار میں گیا۔ اس نے غار
میں دیکھا کہ بندروں کے گھیرے میں سویٹی بھی آرام
سے سو رہی ہے۔ اس نے آرام سے اسے اٹھا لیا اور
عنبر کے پاس لے آیا۔

سویٹی سو رہی تھی عنبر نے اُسے جگایا سویٹی نے جب
آنکھیں کھولیں تو انکل عنبر کو سامنے پا کر بہت خوش ہوئی
مگر دُرِ ظلمات کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئی اور عنبر سے
چمٹ گئی۔

عنبر نے اُسے تسلی دی اور کہا۔

یہ ہمارا دشمن نہیں ہمارا دوست ہے۔

عنبر اور سویٹی آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ دُرِ ظلمات

نے عنبر سے کہا۔

میرے لئے اب کیا حکم ہے ؟۔

عنبر نے کہا۔

تم ہمیں سویٹی کے ماں باپ کے گھر پہنچا دو۔

دُرِ ظلمات نے سویٹی اور عنبر سے کہا

اپنی آنکھیں بند کر لو۔

جب دونوں نے آنکھیں کھولیں تو وہ سویٹی کے گھر موجود تھے۔

سویٹی کی ماں سویٹی کے غم میں نڈھال ہو چکی تھی اور بہت کمزور لگ رہی تھی۔ سویٹی کا باپ اب پہلے سے بہتر ہو چکا تھا۔

دونوں نے جب سویٹی اور عنبر کو دیکھا تو خوشی کے مارے ان کے منہ سے الفاظ نہ نکل رہے تھے درِ ظلمات بھی یہ سب کچھ دیکھ کر برداشت نہ کر سکا۔ اس کے بھی آنسو نکل آئے عنبر کی آنکھیں بھی خوشی کے آنسوؤں سے پُر تھیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار تھا کہ جس نے یہ وعدہ پورا کرنے کی توفیق دی۔

تھوڑی دیر کے بعد دُرِ ظلمات نے عنبر سے پوچھا میرے لئے کیا حکم ہے ؟۔

عنبر نے کہا۔

تم اب آزاد ہو۔ ہزاروں سال کے بعد تمہیں آزادی ملی ہے اب اپنے وطن جاؤ اور اپنے عزیزوں کی خبر لو اور مجھے میرے حال پہ چھوڑ دو۔ میں رات یہاں آرام کرنے کے بعد صبح اپنے بھائی ناگ اور اپنی بہن ماریا کی تلاش میں نکل جاؤں گا۔

دُرِ ظلمات نے عنبر کا شکریہ ادا کیا۔ یاہو کا نعرہ لگایا اور اُڑ گیا۔

یہ سب سویٹی، سویٹی کی امی اور ابو بھی دیکھ رہے تھے۔ دُرِ ظلمات کے جانے کے بعد عنبر نے تمام واقعہ ان کو سنایا پھر وہ لوگ بڑی دیر تک آپس میں باتیں کرتے رہے اور پھر سو گئے۔

صبح جب عنبر کی آنکھ کھُلی تو وہ تمام منظر غائب تھا۔ اور اپنے آپ کو روم میں دیکھ رہا تھا۔

شیطان کا چیلا

پادری جوپیٹر کے جاتے ہی اس کا سحر ختم ہو گیا۔ نورما اور جوزف دونوں ہوش میں آ گئے۔ البتہ جوزف جو پہلے بھی ہوش میں تھا جو پیٹر کے کہنے پر سب کچھ بھول گیا۔ کیونکہ جوپیٹر نے اسے ہپناٹائز کے عمل سے حکم دیا تھا کہ سب کچھ بھول جاؤ۔ نورما اور جوزف نے خوش و خرم رات گذاری پھر جوزف کو زندہ اور خوش و خرم دیکھ کر نہ صرف نورما کے ممی اور ڈیڈی بلکہ تمام رشتہ دار اور دوست احباب سب ہی خوش ہو گئے۔

نورما اور جوزف یہ بھی بھول گئے کہ کسی نے اپنی قربانی دے کر ان کا گھر آباد کیا ہے اور جو خود اسیر ہو کر پادری جوپیٹر کی قید میں پڑی ہے۔

جبکہ فادر جوپیٹر بالشت بھر کی ماریا کو سامنے بٹھا کر کہہ رہا تھا۔ لڑکی تو نے میری پسند کو چھین کر اس لونڈے جوزف کی جھولی میں ڈال دیا ہے۔ تو نہیں جانتی۔ میں نے

نورما کے لئے اپنے مرتبے، اپنی بزرگی اور اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا۔ میں نے یسوع کی منت کی کہ یہ لڑکی مجھے عنایت کر دے۔ لیکن میری ساری زندگی کی عبادت اور ریاضت کا صلہ یہ ملا کہ یسوع نے بشارت دی۔ جو پیٹر خداوند کے کاموں میں کسی کو دخل نہیں اور خدا نے اس لڑکی کو کسی اور کو بخش دیا ہے۔ میں شیشے کی طرح سے ٹوٹ کر رہ گیا۔

میں نے اپنی روح کا سودا ابلیس سے کر لیا اور یہ راستہ اسی کا دکھایا ہوا ہے کہ جو کوئی بھی نورما کو بیاہنے آئے اسے پہلی رات ہی ختم کر دے۔ میں ابلیس کے کہنے پر ایسا ہی کرتا رہا اس لئے کہ ابلیس نے مجھے یقین دلا دیا تھا کہ آخر کار یہ تجھے مل جائے گی۔ آج سوچ کر پشیمان ہو رہا ہوں۔ میری پچاس سال کی عبادت چھوٹی سی غلطی سے برباد ہو گئی اور میں پادری سے مرتد ہو گیا۔ یسوع نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ خدا نے اس لڑکی کو کسی اور کے لئے رکھا ہے۔

ماریا نے کہا فادر خدا بڑا غفور الرحیم ہے۔ انسانوں کی غلطیاں معاف کر دیتا ہے۔ اپنے گناہوں کی معافی مانگ لو۔ خدا ضرور معاف کر دے گا۔

جوپیٹر نے کہا۔ لڑکی تو نہیں جانتی میں گناہوں ن دلدل میں اس طرح پھنس گیا ہوں کہ اب نکلنا مشکل ہے۔ ابلیس نے مجھ سے ایسے ایسے کام کروائے ہیں کہ یاد کر کے رونگٹے کھڑے ہو

جاتے ہیں اور معافی مانگتے ہوئے بھی شرم محسوس ہوتی ہے۔

کالا علم جس کا تعلق ابلیس سے ہے ایسا علم ہے جو حاصل کرنے سے پہلے انسان کو اپنے دل سے اس نورِ ربانی کو ختم کرنا پڑتا ہے۔ جو پیدائش ہی سے خداوند انسان کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ شاید اسی کو روح کہتے ہیں۔ یہ خدا کے نور کا ایک ذرہ ہے جو انسان لے کر دنیا میں آتا ہے۔ لہٰذا جب تک وہ انسان کے اندر موجود رہتا ہے۔ اس وقت تک انسان پر توبہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے اور اس وقت تک انسان کالا علم نہیں سیکھ سکتا۔ لہٰذا اس علم کو حاصل کرنے کے لئے نورِ خداوندی کو اپنے جسم سے خارج کرنا ہوتا ہے اور اس کے جدا ہوتے ہی انسان مکمل طور پر ابلیس کا مرید ہو جاتا ہے اور اس پر توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ سن لڑکی میرے اندر جہنم کا الاؤ دہک رہا ہے اس ناکامی نے مجھے پاگل بنا دیا ہے۔ تو نے میرے رقیب کے گلے میں صلیب ڈال کر میرے غیض و غضب کو للکارا ہے۔ ابلیس مقدس کی قسم میں اپنی ناکامی کا ذمہ دار صرف تمہیں سمجھتا ہوں۔ اور اب میں تم سے ایسا انتقام لوں گا کہ زمین و آسمان کانپ کر رہ جائیں گے۔

ماریا نے جواب دیا۔ جوپیٹر ہمارے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہماری تو زندگی ہی شیطانی طاقتوں سے نبرد آزما ہوتے گذری ہے۔ ہر ابلیس کا چیلا ہر دور میں ہمیں صفحۂ ہستی سے مٹانے کا عزم لے کر ہمارے سامنے آتا ہے اور خود ہی صفحۂ ہستی سے

مٹ جاتا ہے۔ ہم ہزاروں سال سے شیطانی طاقتوں کو شکست دیتے چلے آ رہے ہیں اور اب واپسی کا سفر طے کر رہے ہیں۔ خدا نے ہر دور میں فرعونوں کے لئے موسیٰ کو بھیجا ہے۔

جوپیٹر نے غصے سے ماریا کو شیشے کے مرتبان میں منتر پڑھ کر مچھلی بنا کر ڈال دیا اور کہا اب تمام عمر مچھلی بن کر یہاں قید رہ۔ دیکھتا ہوں تیرا خدا تجھے میرے انتقام سے کیسے بچاتا ہے۔

پھر جوپیٹر نے اپنے گرد حصار کھینچا اور شیطان کی عبادت میں مصروف ہو گیا۔ ماریا مرتبان میں مچھلی بنی اس کی حرکات و سکنات کو دیکھ رہی تھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد جوپیٹر کا جسم آگ میں ڈھلا ہوا معلوم ہونے لگا۔ کمرے میں جلتا ہوا چراغ مدھم ہو گیا اور کمرے میں تقریباً اندھیرا سا چھا گیا۔ پھر ایک اندھیرے کونے میں آگ کا ایک ہیولہ پیدا ہوا اور اس نے مکمل طور پر شیطان کی شکل اختیار کر لی اور کہا جوپیٹر میرے فرزند! بتا تو نے مجھے کیوں یاد کیا ہے۔

جوپیٹر نے جھک کر شیطان کو سجدہ کرتے ہوئے کہا۔ اے شہنشاہِ ظلمات! تیرا یہ حقیر بندہ شکست کھا گیا ہے۔ ایک نظر نہ آنے والی لڑکی نے جسے میں نے شیشے کے مرتبان میں مچھلی بنا کر قید کر دیا ہے۔ یسوع مسیح کی عطا کردہ صلیب نورما کے خاوند جوزف کے گلے میں پہنا کر اسے میرے انتقام سے بچا

لیا ہے اور وہ میری پسند کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے
میں انتقام کی آگ میں جل رہا ہوں۔ میں نے اس لڑکی کے لئے
اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا۔ میں نے خدا کو چھوڑ کر تجھ سے
ناطہ جوڑ لیا تھا۔ میری عمر بھر کی کمائی ہوئی ریاضت بھی
چلی گئی اور وہ لڑکی بھی حاصل نہیں ہوئی۔

شیطان نے جواب دیا۔ جوپیٹر وقتی طور پر ناکامی کو ناکامی
نہیں کہتے۔ یہ تو کامیابی کی پہلی سیڑھی ہوتی ہے جو انسان
کی ہمت کو مہمیز دے کر اسے بلندی کی طرف لے جاتی ہے۔
تو کہے تو تمام دنیا کا حسن لا کر تیرے قدموں میں ڈال دوں۔

جوپیٹر نے التجا کی۔ نہیں اے شاہ طلسمات۔ ساری دنیا کا
حسن نورما کے سامنے مجھے ہیچ نظر آتا ہے۔ میری ایک ہی خواہش
ہے۔ میری نگاہوں کا ایک ہی مرکز ہے اور وہ نورما ہے۔
میں ناکامی کی زندگی سے موت کو بہتر سمجھتا ہوں۔ میں زندگی
ہار سکتا ہوں۔ نورما کو نہیں ہار سکتا۔

شیطان نے کہا صبر سے کام لے جوپیٹر۔ تو جو چاہے گا
وہی ہوگا۔ نورما کو حاصل کرنا ہے تو تجھے تیس سال واپس جانا
ہوگا۔

جوپیٹر نے کہا۔ تیس سال واپس؟ میں نہیں سمجھا مرشد۔

شیطان نے قہقہہ لگایا اور کہا میں تجھے تیرے ماضی کی طرف
لے جاؤں گا۔ تیس سال پہلے تو نوجوان تھا۔ خوبصورت تھا۔ مگر

کی زیادتی نے تیرے چہرے پر جھریاں ڈال دی ہیں۔ تجھے
پھر نوجوان بننا ہوگا۔ نورما کے لئے۔ ایک دفعہ پھر مقابلہ ہوگا
تیرے اور تیرے رقیب کے درمیان۔ تو اپنی نئی شخصیت کے ساتھ
اس شہر میں داخل ہوگا۔ پھر تیری ملاقات نورما سے ہوگی جبکہ اس
کے خاوند سے یسوع کی صلیب کھو جائے گی اور میں اسے کوڑھ کے
مرض میں مبتلا کر دوں گا۔ تو طبیب کی حیثیت سے اس شہر میں
روشناس ہوگا۔ نورما اپنے خاوند کے علاج کے لئے تیرے سامنے
دامن پھیلائے گی۔ اس کا مریض خاوند بھی تیرے قبضے میں ہوگا
اور پھر یہ تمہارا انتقام لینے کا وقت ہوگا۔ اپنے خداوند کو سجدہ
شکر کر جوپیٹر جو بڑھاپے میں تجھے جوانی کی نعمت عطا کر
رہا ہے۔

"لیکن وہ صلیب جو جوزف کے گلے میں ہے، وہ اسے
کوڑھی نہیں ہونے دے گی خداوند۔" جوپیٹر نے کہا۔

شیطان نے ایک بار پھر قہقہہ لگایا اور کہا۔ "بیوقوف یہ
سوچنا تیرے خداوند ابلیس کا کام ہے۔"

جوپیٹر نے کہا۔ "لیکن اس لڑکی ماریا کا کیا ہوگا۔ جس سے
انتقام لینے کے لئے میں نے اسے مچھلی بنا دیا ہے۔"

شیطان نے کہا۔ "اس لڑکی سے انتقام لینے کا خیال دل سے
نکال دے۔ عقلمند آدمی لڑنے کے لئے سارے محاذ ایک ساتھ
نہیں کھول لیتا۔ یہ لڑکی تیرے بس کی نہیں۔ تو اسے مار نہیں

سکتا۔ اسے ہزاروں سال زندہ رہنا ہے اور اب یہی لڑکی جسے تو اپنی راہ کا کانٹا سمجھ رہا تھا تیری سب سے بڑی معاون ہوگی۔"

جوپیٹر نے حیرت سے کہا۔ "وہ کیسے خداوند؟"

شیطان نے کہا میں جوزف کے دل میں یہ خیال ڈال دوں گا کہ ماریا اپنی صلیب کے لئے مصیبت میں گرفتار جوپیٹر کے کمرے میں ہے اور اسے اس کے سحر سے بچنے کے لئے اس صلیب کی ضرورت ہے۔ میں اس کے دل میں احسانمندی کے جذبات ابھاروں گا۔ جوزف اور نورما ماریا کے احسان کا بدلہ دینے اس کمرے میں آئیں گے۔ یہاں ماریا حصار میں قید ہوگی لیکن تم یہاں نہیں ہوگے۔ جوزف صلیب کی وجہ سے حصار کے اندر داخل ہوگا اور صلیب اتار کر ماریا کو پہنا دے گا۔ جس سے ماریا آزاد ہو جائے گی اور پھر تینوں یہاں سے چلے جائیں گے۔ یہ اتوار کا روز ہوگا۔ جب تمام لوگ عبادت کے لئے گرجا آئیں گے تو وہاں پادری جوپیٹر کی لاش دیکھ کر حیران رہ جائیں گے۔ مذہبی رسوم کے بعد وہ تجھے تابوت میں بند کر کے دفنا دیں گے۔

اسی رات میں پھر تیرے مردہ جسم میں زندگی پیدا کردونگا اور اسے تجھے جوانی اور حسن کے تحفے سے نواز دوں گا۔ تیرے ہاتھ میں شفا ہوگی۔ تو کسی کو راکھ کی چٹکی بھی دے گا تو میں اسے اچھا کردوگا۔ ایک نوجوان طبیب بنکر تو نئے نام سے اس شہر میں داخل ہوگا۔ اور پھر جو کچھ ہوگا میں تجھے بتا ہی چکا

ہوں۔ اب میرے کہنے پر عمل کر۔ میں جا رہا ہوں۔ لیکن تو میری نگاہ میں ہوگا۔ آج ہفتہ ہے اور کل اتوار یعنی فادر جوپیٹر کی زندگی کا آخری دن۔

شیطان نے زوردار قہقہہ لگایا۔ جس سے کمرے کے در و دیوار تک ہل گئے۔ پھر وہ آگ کے شعلے میں تبدیل ہوا اور غائب ہو گیا۔

جوپیٹر نے حصار سے باہر نکل کر دوبارہ ماریا کو اس کی اصلی حیثیت میں تبدیل کر دیا۔ اب وہ پورے قد کے ساتھ اس کے سامنے کھڑی تھی لیکن اسے نظر آرہی تھی۔

ماریا نے جوپیٹر کو سامنے دیکھ کر طنز کی۔ فادر جوپیٹر اب کس انتقام کے لئے تم نے مجھے دوبارہ تبدیل کر دیا ہے۔

جوپیٹر کھسیانی ہنسی ہنسا اور بات بناتے ہوئے کہنے لگا۔

"ماریا! انسان غصے میں پاگل ہو سکتا ہے اور شعور کی حدیں توڑ کر نکل جاتا ہے۔ میں نے غصہ تم پر اتار دیا۔ لیکن جب حواس درست ہوئے تو میں نے غور کیا قصور تمہارا نہیں۔ تم نے میرے ساتھ دشمنی غیر دانستگی میں کی ہے۔ تمہیں یہ علم نہ تھا کہ نورما میری پسند ہے۔ تم نے تو ایک مصیبت کی ماری ایسی لڑکی کی مدد کی ہے جسے معاشرہ منحوس سمجھ کر ٹھکرا چکا تھا جو حسین ہونے کے باوجود اپنی بدقسمتی پر آنسو بہا رہی تھی۔ پھر تم نے ایک نیک کام کیا۔ مصیبت کی ماری لڑکی کی مدد کی۔ اور اپنی زندگی داؤ پر لگا کر

اسے سہاگن بنایا۔ اس لئے کہ تمہیں تصویر کا صرف ایک
ہی رُخ نظر آیا تھا۔ لہٰذا مجھے یہ زیب نہیں دیتا کہ اپنی
شکست کی ذمہ دار تمہیں سمجھ لوں۔ میری دشمنی تم سے نہیں
جوزف سے ہے۔ لہٰذا صرف آج کی رات تم میری قید میں
رہو گی۔ یہ تمہاری قید کا آخری دن ہے۔ میں یہاں سے
جا رہا ہوں۔ شاید پھر ملاقات نہ ہو سکے۔

جوپیٹر اس کمرے سے چلا گیا لیکن جونہی ماریا نے کمرے
سے نکلنا چاہا۔ دروازہ کھلا ہونے کے باوجود وہ باہر نہ جا
سکی۔ کیونکہ اس کے چاروں طرف نظر نہ آنے والا حصار قائم تھا۔
دوسری طرف کپڑے تبدیل کرتے وقت جوزف کی نظر صلیبِ
مقدس پر پڑی تو اسے ماریا یاد آ گئی اور اس نے نورما سے
کہا ہم نے شادی کی خوشی میں اپنی محسن کو بھی بھلا دیا جس
نے ہمیں صلیبِ مقدس کا تحفہ دیا اور جس کی برکت سے ہم
خوشحال زندگی بسر کر رہے ہیں۔

نورما نے کہا عجیب اتفاق ہے جوزف ہم دونوں کو ایک
ساتھ ہی ماریا کا خیال آیا ہے۔ رات میں نے خواب میں اسے
دیکھا ہے کہ وہ فادر جوپیٹر کے کمرے میں ہے اور کہہ رہی ہے
نورما جوزف سے کہو صلیبِ مقدس آ کر میرے گلے میں ڈال
دے۔ کیوں کہ میں ایک جادو کے حصار میں قید ہوں۔ صرف جوزف
صلیبِ مقدس کی برکت سے اس میں داخل ہو سکتا ہے۔ جب

صلیب میرے گلے میں پڑ جائے گی تو حصار خود بخود ٹوٹ جائیگا۔
جوزف ہنس پڑا اور کہا تم بھی کمال کرتی ہو ماریا کسی کو
نظر ہی کہاں آتی ہے جو صلیب اس کے گلے میں ڈال دی
جائے۔

نورما نے کہا یسوع کی قسم جوزف میں نے ماریا کو خواب
میں دیکھا ہے۔ سنہری بالوں والی نیلی آنکھوں والی نہایت ہی
حسین لڑکی ہے۔

جوزف نے کہا خواب اور حقیقت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ بہرحال
ہم دونوں فادر جوپیٹر کے کمرے میں جاتے ہیں۔ ماریا نہ بھی نظر
آئے لیکن وہ اگر وہاں ہوئی تو ہم سے بات تو کر سکتی ہے۔ پھر
وہ جیسے کہے گی۔ ویسے ہی کریں گے۔

نورما نے کہا، تو پھر دیر نہ کرو۔ آؤ چلیں۔

دونوں اپنے گھر سے گرجا گھر کی طرف روانہ ہو گئے اور پھر
انہیں فادر جوپیٹر کے کمرے میں پہنچتے دیر نہ لگی۔ جونہی دونوں
کمرے کے قریب پہنچے، کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ فادر جوپیٹر وہاں
نہیں تھا اور کمرے میں کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ دونوں کمرے
کے اندر داخل ہوئے۔ جوزف تو اندر داخل ہو گیا لیکن جونہی
نورما نے قدم بڑھایا کسی نہ نظر آنے والی دیوار سے ٹکرا کر واپس
گر پڑی۔

اسی وقت ماریا کی آواز سنائی دی جو کہہ رہی تھی۔ نورما میں

حصار میں قید ہوں جس میں صرف جوزف ہی قدم رکھ سکتا ہے۔ وہ بھی اس لئے کہ صلیبِ مقدس اس کے گلے میں ہے۔

جوزف نے کہا ہماری محسن تم قید ہو۔ بتاؤ ہم تمہارے لئے کیا کر سکتے ہیں۔ جبکہ تم ہمیں نظر ہی نہیں آ رہی ہو۔

ماریا کی آواز قریب ہی سے آئی اور اس نے کہا۔ جوزف تم حصار میں کھڑے ہو۔ اپنے گلے سے صلیبِ مقدس اتار کر ہاتھ آگے بڑھاؤ۔

جوزف نے صلیبِ مقدس اتار کر ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ ایک نظر نہ آنے والے ہاتھ نے صلیبِ مقدس والی زنجیر جوزف کے ہاتھ سے لے لی اور پھر ایک لمحہ کے بعد ہی ماریا نے کہا حصار ٹوٹ گیا ہے۔ آؤ میں باہر جا رہی ہوں۔

باہر نورما انتظار کر رہی تھی۔ ماریا نے قریب جا کر کہا پیاری نورما۔ تمہارا گھر آباد ہو گیا۔ مجھے بے انتہا خوشی ہے۔

نورما نے کہا۔ پیاری بہن یہ سب تمہاری اور صلیبِ مقدس کی برکت ہے۔ ہم تمہیں ساری زندگی یاد رکھیں گے۔

ماریا نے کہا میری دعا ہے تم دونوں ہمیشہ شاد اور آباد رہو اچھا خدا حافظ۔ مجھے اب اپنے بھائیوں کی تلاش میں جانا ہے۔

ناگ اور کالی چرن

پنڈت کے پاتال میں گرنے کے بعد ہی آسمان پر بہت زور سے بجلی چمکی اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا آسمان سیاہ بادلوں نے ڈھانپ لیا اور پھر موسلا دھار بارش ہونے لگی جس سے جلتے ہوئے محل کی آگ خود بخود بجھ گئی اور وہ کھنڈر میں تبدیل ہو گیا۔ اور جنگ و جدل کے تمام مناظر غائب ہو گئے اور پُر ہول سناٹا چھا گیا۔ ناگ نے جب غور کیا تو اسے محسوس ہوا کہ وہ ایک بار پھر پھول وتی کے روپ میں آ چکا تھا اور پنڈت کے جادو کا اثر زائل ہو چکا تھا۔ ناگ پھول وتی کے روپ میں سوچ رہا تھا ایک مصیبت سے تو جان بچ گئی ہے لیکن ابھی مہا ناگ رانی کلاوتی کا سراپ قائم ہے اور اس کی پُر اسرار طاقتیں واپس نہیں آئیں۔

پھول وتی سوچنے لگی اب تو گھر بار بھی ختم ہو چکا ہے اور خوبصورت عورت کے روپ میں وہ کہاں جا کر پناہ لے۔ اسے عنبر اور ماریا بہت یاد آئے۔ اگر وہ ہوتے تو اس مصیبت

سے چھٹکارا مل جاتا کیونکہ بقول مہا ناگ رانی کلاوتی ، عنبر کی
مدد ہی سے یہ سراپ ختم ہو سکتا ہے ۔ وہ سوچتی ہوئی
ایک سمت چل دی ۔ ابھی آدھی رات باقی تھی ۔ ابھی وہ تھوڑی
دور ہی گئی تھی کہ فضا گھوڑوں کی ٹاپوں سے گونج اٹھی اور
دیکھتے ہی دیکھتے پہاڑیوں میں سے چند سوار نکل کر پتھروں پر
پڑتے گھوڑوں کے سموں سے چنگاریاں بکھیرتے ہوئے اسی سمت چلے
آئے ۔ پھول وتی نے بھاگ کر چھپنے کی کوشش کی لیکن ان کے
سردار نے اس کی ایک جھلک دیکھ لی اور پھر اس کا سیاہ
گھوڑا ٹھیک اسی جگہ آکر رک گیا جہاں پھول وتی چھپی ہوئی تھی۔
اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا ۔ یہاں ویرانے میں جنگلی پھول۔
پھول وتی تھر تھر کانپ رہی تھی کہ سردار گھوڑے سے اُتر کر
اس کے قریب آیا اور اسے بالکل پھول کی طرح اٹھا لیا اور
اپنے آگے گھوڑے پر بٹھا کر ایک سمت روانہ ہو گیا۔
پھول وتی نے باتوں سے اندازہ لگا لیا یہ کالی چرن ڈاکو ہے
جو کہیں اپنے ساتھیوں کے ساتھ ڈاکہ ڈالنے جا رہا ہے ۔
ڈاکوؤں کے گھوڑے ہوا سے باتیں کرتے رہے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے
سمندر کے کنارے جا کر رک گئے ۔
کالی چرن نے دیکھا دور سمندر میں ایک جہاز کھڑا تھا جو مال
سے لدا ہوا تھا ۔ کالی چرن نے اپنے نائب بھوپت لال سے کہا
موقع اچھا ہے ۔ میرا خیال ہے اس جہاز پر حملے کے چند لوگ

ہی موجود ہیں ۔ جاؤ منگو چاچا سے کہو اپنی بڑی والی کشتی
لے کر آ جائے ۔
بھوپت نے کہا میں نے کالیے کو بھیج دیا ہے سردار ۔
ویسے شام ہی کو منگو چاچا کو کشتی تیار رکھنے کی اطلاع دے
دی تھی ۔ پھر اس نے دور دیکھ کر کہا وہ دیکھو سردار ! کشتی
آ رہی ہے ۔
کالی چرن نے کہا اپنے گھوڑے درختوں سے باندھ دو اور
ہتھیاروں کے ساتھ کشتی میں سوار ہو جاؤ ۔
بھوپت نے مسکراتے ہوئے کہا اس کا کیا کرو گے سردار ۔
کالی چرن نے کہا ارے اب اسے میرے ساتھ رہنا ہے۔
آج یہ بھی ہمارے ساتھ ڈاکہ ڈالے گی ۔ کیوں ری سُسری
چل باندھ منڈاسا اپنی چنری کا اور پکڑ بھالا ہاتھ میں ۔
مرتی کیا نہ کرتی ۔ پھول وتی نے اپنی چنری کا منڈاسا باندھا
لیا اور کالی چرن کے ہاتھ سے بھالا چھین کر گھوڑے سے چھلانگ
لگا دی ۔ کالی چرن نے کہا خوش رہ شیر کی بچی ۔
پھول وتی نے سوچا شائد اسی بہانے فرار کا کوئی موقع مل
جائے ۔ کشتی کنارے آ لگی تھی اور ڈاکو باری باری اس میں
سوار ہو رہے تھے اور آخر میں کالی چرن بھی پھول وتی کے
ساتھ کشتی میں سوار ہو گیا اور کشتی نہایت خاموشی سے جہاز
کی طرف روانہ ہو گئی ۔ تاریک رات سے ڈاکو پورا پورا فائدہ اٹھا

رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ وہ سوئے ہوئے عملے کے آدمیوں کو سوتے میں ہی دبوچ لیں گے۔

لیکن یہ ان کی خام خیالی تھی۔ جہاز والے پوری طرح سے چوکس تھے اور جس طرح تاریکی سے فائدہ اُٹھا کر ڈاکو کشتی میں بیٹھے ان کی طرف جا رہے تھے اسی طرح عملے کے بہادر آدمی اپنے کپتان کی قیادت میں چھوٹی توپیں بارود سے بھر رہے تھے اور کشتی کے رُخ پر ان کو کس رہے تھے۔ پھر جونہی کشتی پوری طرح سے ان کی زد میں آ گئی، جہاز کے کپتان نے چیخ کر کہا۔ "تم جو کوئی بھی ہو اپنی کشتی لے کر واپس چلے جاؤ اور اگر تم نے جہاز کے مال کو شیرِ مادر سمجھ کر ادھر کا رُخ کیا تو اپنی موت کی ذمہ داری تم لوگوں پر ہو گی۔"

کشتی سے کالی چرن نے للکار کر کہا۔ "او بے گیدڑ! کالی چرن جیسے شیر کو بھاگ جانے کا کہہ رہا ہے۔ ہم ڈاکو ہیں اور آج تک میرا آگے بڑھا ہوا قدم پیچھے نہیں ہٹا۔ اگر اپنی اور اپنے ساتھیوں کی زندگی چاہتا ہے تو چپ چاپ سارا مال میرے حوالے کر کے خالی جہاز لے کر نکل جا۔ اگر مقابلے کی کوشش کی تو مال کے ساتھ جان بھی جائے گی اور میں جہاز بھی جلا ڈالوں گا۔ کالی چرن سے واقف ہے تو ہاتھ اوپر اٹھا دے ہم تجھے معاف کر دیں گے۔"

پھول وتی کالی چرن کے پاس کھڑی نفرت سے سوچ رہی تھی کہ جہاز والوں کو ان ڈاکوؤں کو ضرور سزا دینی چاہیئے۔ پھر جہاز کے کپتان نے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے اور ڈاکوؤں نے اسے اپنی فتح سمجھتے ہوئے کالی چرن کی جے کا نعرہ لگایا لیکن اس کے ساتھ ہی توپوں نے آگ اگلنی شروع کر دی اور کشتی کے پرخچے اڑا کر رکھ دیئے۔ کچھ ڈاکو موقع پر ہی ہلاک ہو گئے اور باقی نے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں۔ اور پھول وتی جلتی ہوئی کشتی میں تنہا رہ گئی۔ اسی دوڑ دھوپ میں اس کا منڈاسا کھل گیا تھا اور اس کے بال بکھر کر شانوں پر لہرا رہے تھے۔ جہاز کے کپتان نے اپنی دوربین سے دیکھا اور پھر جلدی ہی عملے کے چند آدمیوں سے کہا کشتی لے کر جائیں اور اس خوبصورت لڑکی کی جان بچائیں۔ کشتی کے چاروں طرف آگ پھیلی ہوئی تھی اور شعلے اپنی زبانیں کھولے پھول وتی کو جلانے کے لئے اس کے چاروں طرف موت کی صورت رقص کر رہے تھے اور پھول وتی مدد مدد پکارتی آخرکار بے ہوش ہو کر کشتی میں گر گئی۔

O

ماریا جوزف اور نورما سے جدا ہو کر ایک سمت روانہ ہو گئی۔ اب اس کے سامنے صرف ایک ہی مقصد تھا کہ کسی طرح بھی ناگ اور عنبر کو تلاش کرے۔ وہ چلتی رہی اور پھر سورج غروب ہو گیا۔ اس نے دور سے آتی ہوئی ایک بگھی دیکھی جس کے گھوڑے اپنے مونہوں سے جھاگ اڑاتے طوفان کی طرح

بھاگے آرہے تھے اور اس کے ساتھ ایک عورت لٹک رہی تھی اور چیخ و پکار کر رہی تھی لیکن یہ چونکہ شہری آبادی سے باہر کا علاقہ تھا اور یہاں برائے نام ہی آمدو رفت تھی اور اس وقت تو دور دور تک کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا اور وہ عورت بگھی کے ساتھ گھسٹتی جا رہی تھی اور کافی زخمی ہونے کے باوجود اسے نہیں چھوڑ رہی تھی اور مدد کے لئے چیخ و پکار کر رہی تھی۔ جبکہ بگھی پر بیٹھا ہوا آدمی اس کی پرواہ کئے بغیر بگھی کے گھوڑوں پر متواتر چابک برسائے جا رہا تھا اور بگھی کے اندر موجود ایک بچہ کھڑکی سے ہاتھ پھیلائے اپنی ماں کو گھسٹتے دیکھ کر چیخیں مار مار کر رو رہا تھا۔

ماریا نے یہ منظر دیکھا تو اسے اس ظالم پر انتہائی غصہ آیا اور اس نے سوچ لیا کہ خواہ کچھ بھی ہو وہ اس ظلم کے خلاف ضرور سینہ سپر ہو جائے گی۔ بگھی قریب سے گزری تو اس نے عورت کی چیخیں سنیں جو کہہ رہی تھی یسوع مسیح کے لئے میری مدد کرو۔ یہ شیطان میرے بچے کو قتل کرنے لے جا رہا ہے۔ پھر اس سے پیشتر کہ ماریا کچھ کرے ٹھیک اس کے پاس آ کر ہی عورت کا ہاتھ چھوٹ گیا اور وہ لڑکھڑاتی ہوئی ماریا کے پاس ہی زخمی حالت میں لہو لہان گر پڑی اور پانی پانی پکارنے لگی۔ ماریا نے بھاگ کر قریب ہی بہتے ہوئے نالے سے پانی لا کر اس کے پاس رکھ دیا۔ جبکہ عورت کی آنکھیں آہستہ

آہستہ بند ہو رہی تھیں اور پانی پانی کی آواز ڈوبتی ہی جا رہی تھی۔

اب ماریا نے سوچا وہ کس طرح اس کی مدد کرے۔ بالآخر اس نے عورت کے کان میں کہا۔ "بہن تم نے مصیبت میں یسوع کو پکارا۔ اس نے تیری فریاد سن لی ہے۔ میں ایک روح ہوں اور مقدس باپ نے مجھے تمہاری مدد کے لئے بھیج دیا ہے۔ لیکن تم مجھے دیکھ نہیں سکتیں۔ تمہارے پاس ہی پانی پڑا ہے اٹھا کر پی لو۔"

عورت کو اپنے کانوں پر اعتبار نہیں آ رہا تھا۔ اس نے پھر آہ بھرتے ہوئے کہا۔ "بھلا جب اس بھری دنیا میں کوئی انسان میری مدد کے لئے نہیں آیا تو روح کیسے آ سکتی ہے۔"

ماریا نے کہا۔ "اعتبار کرو بہن یسوع نے تمہاری پکار سن لی ہے۔ مجھے بتاؤ ماجرہ کیا ہے؟"

جب عورت کو یقین ہو گیا تو وہ کراہتے ہوئے اٹھ بیٹھی ماریا نے سوچا۔ ہمت والی خاتون ہے اتنی زخمی ہونے کے باوجود بھی حوصلے کا یہ عالم ہے۔

عورت نے کہا۔ "نیک روح اگر تم میری مدد کرنی ہی چاہتی ہو تو میرے بچے کو اس کے ظالم چچا سے بچا لو۔ وہ اسے قتل کرنے کے لئے پرانے بادشاہوں کے قبرستان میں لے گیا ہے جو یہاں سے دور پہاڑوں میں واقع ہے۔"

ماریا نے کہا ۔" فکر مت کرو ۔ پہلے مجھے تمہارے زخموں سے
بہتے ہوئے خون کو بند کرنا ہوگا جو تیزی سے بہہ رہا ہے
اور تمہاری زندگی کے لئے خطرہ بنتا جا رہا ہے"۔
عورت نے کہا "اے نیک روح تجھے یسوع مسیح کی قسم تجھے
مقدس ماں کا واسطہ دیتی ہوں دیر نہ کر ۔ میری زندگی میرے
لال کی جان سے زیادہ قیمتی نہیں ہے ۔ پہلے اس ظالم نے میرے
خاوند کو دھوکہ سے زہر دے کر مار ڈالا اور اب اس معصوم
بچے کو ختم کرنے لے گیا ہے ۔"
ماریا نے کہا ۔" لیکن کیوں ؟"
عورت نے کہا ۔" جائداد اے نیک روح ۔ ایک بہت بڑی
جاگیر میرے خاوند کی ملکیت ہے ۔ اس نے اس بھائی کو
بیٹوں کی طرح پالا تھا ۔ لیکن اس کمینے نے دھوکے سے اسے
زہر دے کر مار ڈالا ۔ میں نے اس پر بھی صبر کر لیا ۔
لیکن جاگیر پر قبضہ کرنے کے لئے اب وہ اس کے معصوم
وارث کو بھی ختم کرنے لے گیا ہے ۔ میں اپنے لال کے
ساتھ چرچ سے عبادت کرکے نکل رہی تھی اس نے مجھے
بگھی میں بیٹھنے کے لئے کہا اور سیر کے بہانے ہم دونوں
ماں بیٹے کو بگھی میں بٹھا لیا اور پھر شہر سے دور آکر
مار کر بگھی سے گرا دیا اور خود اس معصوم کو لے کر
بگھی دوڑا دی ۔ میں نے یسوع کا نام لے کر

بگھی کو پکڑ لیا اور ساتھ گھسٹتی ہوئی چلی گئی ۔ لیکن یہاں
آکر ہمت نے جواب دے دیا اور ہاتھ چھوٹ گئے ۔ اگر تم
عیسائی ہو تو میں مقدس باپ کا واسطہ دیتی ہوں ۔ مقدس
ماں کے صدقے میں میرے لال کو بچا لو"۔
ماریا نے کہا "نیک خاتون مقدس باپ اور مقدس ماں پر
میری ہزار جانیں قربان ۔ میں جاؤں گی اور اس ظالم سے تمہارے
بیٹے کو بچا کر لاؤں گی ۔ لیکن یسوع کے لئے میرا انتظار کرنا"۔
عورت نے جواب دیا ۔" میری آنکھیں تیری ہی راہ پر لگی
ہوئی ہوں گی نیک روح جب تک زندگی وفا کرے گی تیرا انتظار
کروں گی ۔ جلدی ہی لوٹ آنا ۔ زندگی کا پیمانہ لبریز ہو چکا
ہے اور ہاں اگر دیر ہو جائے اور زندگی کا چراغ بجھ جائے
تو میرے لال کو فادر ڈیورڈ کے سپرد کر دینا ۔ وہ اسے اس
کے ماموں کے پاس پہنچا دے گا ۔ میرے بعد تم اس پر
بھروسہ کر سکتی ہو"۔
ماریا نے عورت کو خدا حافظ کہا اور بگھی کی سمت دوڑ
لگا دی ۔ ماریا کافی دوڑتی رہی اور پھر ایک جگہ اسے وہی
بگھی الٹی ہوئی نظر آ گئی ۔ لیکن اس میں نہ بچہ تھا اور
نہ ہی اس کا ظالم چچا ۔ ماریا کو عورت نے بتا دیا تھا کہ
وہ اسے بادشاہوں کے پرانے قبرستان میں قتل کرنے کے
لئے لے گیا ہے جو پہاڑوں میں ہے ۔ ماریا نے پہاڑوں کا

ہی رخ کیا اور وہ اڑنے والی دوڑ کے ساتھ ہی تیزی
کے ساتھ پہاڑوں کی سمت چلتی گئی اور پھر اسے پُر ہول
اندھیرے میں دور تک پھیلا ہوا قبرستان نظر آ گیا لیکن اس
اندھیرے میں کسی کو اتنے بڑے پرانے قبرستان میں تلاش کرنا
بھی تو مشکل تھا۔ وہ بھاگتی رہی بھاگتی رہی اور پھر اسے
سسکیوں کے ساتھ پتھر پر چھُری تیز کرنے کی آواز سنائی دی۔
وہ آواز کی طرف بھاگی اور پھر اس نے وہ انتہائی ظالمانہ
منظر دیکھا۔

بچے کے ہاتھ کمر کی طرف بندھے ہوئے تھے اور دونوں پاؤں
بھی اور وہ زمین پر پڑا اپنے ظالم چچا کو پتھر پر چھُری تیز
کرتے دیکھ رہا تھا۔ بچہ سسک رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔
انکل مجھے ممی کے پاس لے جاؤ۔ انکل مجھے مت مارو۔ انکل
مجھے یہاں اندھیرے میں ڈر لگ رہا ہے۔ ظالم چچا نے چھُری
تیز کرتے ہوئے کہا۔ تجھے تیرے باپ کے پاس پہنچا رہا ہوں۔
امید ہے اب تک تیری ممی بھی وہیں پہنچ گئی ہوگی۔ تو میرے
راستے کا کانٹا ہے اور میں اتنا نادان بھی نہیں کہ تجھے اپنی
راہ میں نشوونما پانے کا موقع دوں۔

ماریا انتہائی غصے کے عالم میں یہ منظر دیکھ رہی تھی۔
پھر جونہی چچا نے چھری کافی تیز کر کے ایک طرف رکھی اور
ایک قبر کے گڑھے کے پاس بھتیجے کو اٹھا کر لٹا دیا۔ ماریا

نے موقع ملتے ہی چھری اٹھا لی۔ جونہی چچا گڑگڑاتے اور
روتے ہوئے بھتیجے کو لاتوں اور تھپڑوں سے مارتے ہوئے چھری
لینے کے لئے مڑا، ماریا نے وہ انتہائی تیز چھُری اس کے
پیٹ میں اتار دی اور کہا۔ ظالم سفاک بھیڑیئے اگر موت سے
بھی زیادہ تکلیف دہ کوئی سزا ہوتی تو میں وہی تجھے دیتی۔ جس
قبر کے گڑھے میں تو اس معصوم کو دفن کرنا چاہتا تھا وہ
اب تیرے ہی کام آئے گا۔

بچہ حیرت سے آواز سن رہا تھا اور چچا کو مرتے دیکھ
رہا تھا لیکن اسے کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ آخر ظالم چچا نے
دم توڑ دیا تو ماریا نے ٹھوکر مار کر اس کی لاش گڑھے میں
لڑھکا دی اور پھر سہمے اور ڈرے ہوئے بچے سے کہا بیٹے مجھ
سے ڈرو نہیں۔ میں ایک نیک روح ہوں اور مجھے تمہاری
مدد کے لئے تمہاری ماں نے بھیجا ہے۔

ماریا نے ایک جگہ دیکھا اُلٹی ہوئی بگھی کا گھوڑا چر رہا
تھا۔ اس نے بچے کے ہاتھ پاؤں کھول دیئے اسے پیار کیا
تو بچے کا ڈر کم ہو گیا اور اس نے روتے ہوئے کہا مجھے ممی
کے پاس لے چلو۔

ماریا نے کہا۔ ہاں بیٹا آؤ۔ پھر ماریا نے بچے کو گھوڑے
پر بٹھایا اور خود بھی بیٹھ کر اسے سرپٹ چھوڑ دیا۔

مامتا کی ماری ماں زمین پر پڑی اپنی کھلی آنکھوں سے

اس راہ کو دیکھ رہی تھی جس سے اس کے بیٹے نے آنا تھا۔
آنکھیں کھلی تھیں لیکن روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی
تھی۔ ماریا پاس آکر گھوڑے سے اتری اور بڑے دکھ کے
ساتھ ماں کی آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔ میں نے وعدہ پورا
کر دیا ہے بہن تم ہی میرا انتظار نہ کر سکیں۔ بیٹا ماں کی
لاش سے لپٹ کر رونے لگا۔ ماریا نے پیار کرتے ہوئے
کہا اچھے بچے رویا نہیں کرتے۔ پھر اس نے عورت کی لاش
گھوڑے پر لاد لی اور بچے کو ساتھ بٹھایا اور چرچ میں
داخل ہو گئی۔

فادر اپنے کمرے میں انجیل مقدس کی تلاوت کر رہا تھا۔
اس نے گھوڑے پر لاش دیکھی اور بچے کو دیکھا تو اٹھ کر آگیا۔
پھر بچے نے رو رو کر ساری داستان فادر کو سنائی۔ فادر نے
کہا بیٹا صبر کرو پہلے مجھے تمہاری ماں کو سپردِ خاک کرنا ہے۔ پھر
میں تمہیں تمہارے ماموں کے پاس پہنچا دوں گا۔ تمہاری ماں
نے زندگی میں ہی اس خطرے کا اظہار کرتے ہوئے مجھ سے
کہا تھا کہ اگر میں اس دنیا میں نہ ہوئی تو میرے بچے کو اس
کے ماموں کے پاس مصر پہنچا دینا۔ اب یہ میرا فرض ہے کہ
مرحومہ کی آخری وصیت کو پورا کروں۔

ماریا نے دور گرجا گھر کا مینار دیکھا۔ جس کی گھنٹیاں بج
رہی تھیں۔ وہ اپنے بھائیوں کے لئے بے حد پریشان تھی اور

بہت تھک چکی تھی۔ اس نے سوچا گرجے جا کر مقدس باپ
کے حضور دعا کرے گی اور کہے گی مقدس باپ مجھے میرے
بھائیوں سے ملا دے جو کافی عرصے سے بچھڑے ہوئے ہیں
اور میں تلاش کرتے کرتے تھک چکی ہوں۔ وہ تیز تیز قدموں
سے گرجے کی عالیشان اور خوبصورت عمارت میں داخل ہو گئی۔
یہ ایک بہت بڑا ہال تھا جہاں لوگ اکٹھے ہو کر
عبادت کیا کرتے تھے۔ یہ عبادت کا وقت نہ تھا اس لئے
یہاں کوئی نہ تھا۔ وہ چلتی ہوئی ہال کے آخر میں دیوار کے
ساتھ کھڑے ہوئے یسوع کے بہت بڑے بت کے پاس آئی
جس کے ساتھ ہی مقدس ماں مریم کا بھی بت بڑے سوگوار
انداز میں اپنے بیٹے کو صلیب پر چڑھے دیکھ رہا تھا اور ان
کے قدموں میں سونے چاندی کے بڑے بڑے کینڈل سٹینڈ رکھے
ہوئے تھے جن میں بڑی بڑی موم بتیاں لگی ہوئی تھیں۔
ماریا نے تمام موم بتیوں کو روشن کر دیا۔ پھر اس نے
اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا اور یسوع کے سامنے جھک
گئی۔ ماریا بڑی عقیدت سے یسوع اور مقدس ماں کو دیکھ رہی
تھی۔ وہ نہایت احترام کے ساتھ یسوع کے قدموں میں بیٹھ
گئی اور مقدس باپ کو صلیب پر دیکھ کر اس کی آنکھوں سے
بے اختیار آنسو نکل کر مقدس باپ کے قدموں پر گرنے لگے۔ اس
نے عقیدت سے یہ پاؤں چوم لئے اور دعا کی مقدس باپ مجھے

بچھڑے ہوئے بھائیوں سے ملا دے ۔ وہ دیر تک دعا کرتی رہی
روتی رہی اور پھر اچانک ہی ہوا کا ایک معطر جھونکا آیا جس
سے سارا ہال مہک اٹھا اور اس کی خوشبو نے ماریا کو غنودگی
میں مبتلا کر دیا اور پھر اس نے خواب میں دیکھا وہ ایک نہایت
عالیشان باغ میں سنگ مرمر کے ایک تخت پر پڑی ہوئی ہے
جس میں ہیرے ۔ لعل اور یاقوت جڑے ہوئے ہیں اور جس
پر سونے چاندی کے پھولوں والے درختوں نے سایہ کر رکھا ہے
قریب ہی دودھ اور شہد کی نہریں بہہ رہی ہیں ۔ ہر طرف
معطر ہوائیں چل رہی ہیں اور آسمان سے شبنم موتی بن کر برس
رہی ہے ۔ چاروں طرف پھلدار درخت ہیں جن میں ہیرے ،
موتیوں ، لعل اور یاقوت کے بنے ہوئے پھل لٹک رہے ہیں ۔ سنہری
پروں والے سفید پرندے اپنی سریلی اور رسیلی آواز میں گیت
گاتے پھر رہے ہیں ۔ اور دو انتہائی خوبصورت حوریں سفید لباس
میں ماریا کو مورچھل جھل رہی ہیں اور اپنی مترنم آواز میں
کہہ رہی ہیں ۔ یہ لڑکی مقدس باپ کی مہمان ہے ۔

پھر ماریا کو محسوس ہوا کہ فضا میں ہر طرف نغمے بکھر
گئے ہیں ۔ آسمان سے پھولوں کی بارش شروع ہو گئی ۔ اس
نے آسمان کی طرف دیکھا ۔ مقدس باپ یسوع آسمانوں سے اتر
کر اس باغ میں آ رہے تھے ۔ ماریا عقیدت سے اٹھ کر کھڑی
ہو گئی ۔ مقدس باپ کی سواری اس کے پاس ہی اتری اور

یسوع نے مسکراتے ہوئے کہا ۔ میری بچی تو صرف انسانوں کی
خدمت کے لئے پیدا ہوئی ہے ۔ اس دنیا میں کوئی بھی
کسی کا نہیں ۔ انسان تنہا آتا ہے اور تنہا ہی لوٹ جاتا ہے
اگر کچھ دنیا سے اس کے ساتھ جاتا ہے تو اس کے اچھے
کام نیکیوں کی صورت ساتھ جاتے ہیں ۔ تو اداس تھی اور پھر
میری ہی مہمان تھی تو نے سچے دل سے مجھے پکارا ۔ میں
آگیا ہوں ۔ اچھی بیٹی تجھے ابھی لمبا سفر طے کرنا ہے ۔ جا
میری بیٹی ملک روم کا بادشاہ اس جہان سے کوچ کر گیا ہے
اور اس کا ظالم وزیر اور سپہ سالار اس کی ملکہ کو قتل کر کے
تخت پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں ۔ ملکہ خود تو رومن ہے ۔ لیکن بڑی
نرم دل ہے ۔ اس نے ہمیشہ ظلم کی چکی میں پستے ہوئے عیسائیوں کی
مدد کی ہے ۔ وہ عیسائی نہ ہوتے ہوئے بھی عیسائیت کو برا نہیں
کہتی اور ان پر ظلم کی مذمت کرتی ہے ۔ وہ مصیبت میں ہے ۔ جا
اس کی مدد کر ۔ تیرے بھائیوں نے چار سو سال پیچھے لوٹ جانا
ہے ۔ اس لئے تجھے بھی اسی دور میں پہنچائے دیتا ہوں ۔ پھر
چاروں طرف دھند چھا گئی اور ماریا کو اپنا تخت گھومتا ہوا نظر
آنے لگا ۔ ماریا ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی اور اس کی حیرت کی
انتہا نہ رہی یہ دیکھ کر کہ وہ روم شہر میں روم کے بادشاہ
کے شاہی باغ میں ایک جگہ لیٹی ہوئی ہے ۔ اسے خواب کی باتیں
یاد آنے لگیں اور سمجھ گئی مقدس باپ نے اسے چار سو سال
پیچھے تاریخ میں واپس بھیج دیا ہے ۔ ملکہ کی مدد کے لئے ۔

ناگ دمشق میں

پھول وتی جلتی ہوئی کشتی میں بیہوش پڑی تھی۔ پھر
ایک زور دار لہر نے کشتی کو ہی اُلٹ دیا اور پھول وتی
کشتی سے سمندر کی لہروں میں جا پڑی۔ لہریں اسے بہاتی
ہوئی دور بہت دور لے گئیں۔

بیہوش پھول وتی کو جب ہوش آگیا۔ آنکھیں کھولتے
ہی اس نے اپنے چاروں طرف دیکھا۔ وہ سنگِ مرمر کے ایک
کمرے میں بند تھی۔ اس نے چاروں طرف نگاہ کی تھی۔
ایک سمت ایک سفید ریش بزرگ کو خدا کی عبادت میں
مشغول پایا۔ اس کے پاس ہی دیوار سے ایک جھرنا بہہ رہا
تھا۔ اور اس کا پانی ایک پیالہ نما جگہ میں اکٹھا ہو رہا
تھا۔ دوسری طرف سیاہ رنگ کے انگوروں کی ایک بیل
تھی۔ جس میں بہتات سے انگوروں کے گچھے لٹک رہے تھے
جب بزرگ کو بھوک لگتی وہ انگور توڑ کر کھا لیتا اور
جب پیاس لگتی وہ پیالہ نما چشمے سے پانی پی لیتا۔ اس
سنگِ مرمر کی چار دیواری میں کوئی کھڑکی یا کوئی دروازہ
موجود نہ تھا لیکن اس کے باوجود انتہائی ٹھنڈی اور
تازہ ہوا بھی آ رہی تھی اور دیواروں سے چھن چھن کر

پھول وتی نے کہا۔" اے بزرگ میں مہاناگ رانی
کلاوتی کی بددعا سے اس روپ میں بڑا کٹھن وقت گزار
رہا ہوں۔ آپ خدا کے نیک بندے ہیں میرے لئے بھی
دعا کریں۔ میں بد دُعا کے اثر سے نکل جاؤں۔

بزرگ نے آنکھیں بند کیں پھر کچھ پڑھا اور تھوڑی
دیر بعد کہا۔ ناگ مجھے مہارانی کلاوتی سے ٹکرانے کی
اجازت نہیں ملی۔ لیکن تم میرے مہمان بنا کر بھیجے گئے
ہو اور یہ دمشق کا علاقہ ہے مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہیں
شہر کے باہر ایک پرانے مندر میں بھیج دوں اور وہیں
سے تمہاری دوسری زندگی کی ابتدا ہوگی۔

ناگ نے کہا اے بزرگ کچھ عنبر اور ماریا بہن کے
متعلق بھی بتائیے۔ جن کے لئے میں بہت اداس
ہوں۔ بزرگ نے کہا وہ دونوں بھی تاریخ میں چار سو سال
پیچھے چلے گئے ہیں۔ اور رومن دَور میں ہیں۔ اِس سے
سے زیادہ مجھے اجازت نہیں۔ مجھے جو حکم ہوا بتا دیا۔
اب تم اپنی آنکھیں بند کرو۔ ناگ نے اپنی آنکھیں بند
کیں اور تھوڑی دیر بعد جو کھولیں تو وہ سنگِ مرمر کے
کمرے کی بجائے دمشق شہر سے باہر ایک پرانے مندر
میں تھا اور اپنی اصلی حالت ناگ کے روپ میں تھا۔

اُس نے سوچا ذرا گھوم کر اِس مندر کی سَیر ہی کرنی چاہیئے۔ مندر غیر آباد تھا اس لئے اسے سانپ کے رُوپ میں کوئی خطرہ نہ تھا۔ اس نے گھوم گھام کر اندازہ لگایا تھا کہ یہ ہزاروں سال پرانا ناگ دیوتا کا ہی مندر ہے۔ کیونکہ اس نے ایک بڑے ہال نما کمرے میں بہت بڑا ناگ دیوتا کا بُت دیکھ لیا تھا۔ جسے دیکھتے ہی اس کا جسم کانپ کر رہ گیا تھا اور وہ محسوس کر رہا تھا کہ کوئی انہونی بات ہونے والی ہے۔ اسے بار بار ناگ رانی کلاوتی کا خیال آ رہا تھا کہ وہ اس کی مرضی کے بغیر اس کی بد دعا کے اثر سے نہیں نکل سکتا۔ اس بزرگ نے اس کی مدد کر کے ضرور ناگ رانی کو ناراض کر دیا ہے۔ اور اسی لئے ناگ نے مجھے یہ دکھایا ہے کہ خواہ میں کہیں بھی چلا جاؤں اُس کی دسترس سے نہیں نکل سکتا سینکڑوں میل دُور ہونے پر بھی میں ناگ دیوتا کے ہی مندر میں موجود ہوں۔ وہ انہیں خیالوں میں ایک اُجڑے ہوئے باغ میں آ نکلا۔

اُس کا جسم اب بھی آنے والے خطرے سے کانپ رہا تھا۔ پھر وہی ہوا جس کا اُس کو خطرہ تھا۔ آسمان پر اُڑتے ہوئے ایک باز نے غوطہ لگایا اور ناگ

کو دیکھتے ہی دیکھتے اپنے پنجوں میں اٹھا کر لے گیا۔ اور آسمانوں کی طرف اُڑ گیا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے بادلوں میں غائب ہو گیا۔ ناگ کو اپنے قرب وجوار میں سوائے دھند کے بادلوں کے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ اپنے جسم میں چبھتے ہوئے باز کے پنجوں کو محسوس کر رہا تھا۔ اچانک بجلی کی طرح اس کے ذہن میں اُس بزرگ کا خیال آ گیا اور اس نے چشمِ تصور میں انہیں اپنی مدد کے لئے آواز دی۔ باز کو خدا جانے کیسے علم ہو گیا۔ پھر اس باز نے ناگ رانی کی آواز میں کہا۔ ناگ اپنی برادری سے بھاگ کر غیروں کی پناہ تمہیں مہنگی پڑے گی۔ تمہیں اور سخت سزا دی جائے گی۔ اس لئے کہ تم نے میری دی ہوئی بد دعا کو ختم کرنے کے لئے غیر طاقت کا سہارا لیا ہے تم ہمارے ہو اور تمہارے جسم اور جان پر ہمیں پورا اختیار ہے۔

ناگ کوئی جواب دینے کی بجائے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اُس نے چاہا تھا ناگ رانی سے معافی مانگ لے۔ لیکن گلا خشک ہو گیا اور باوجود کوشش کے اُس کے منہ سے یہی صدا بلند ہوئی۔ اے بزرگ بابا جی میری مدد کریں۔

پھر اس دھند کے بادلوں میں زور سے بجلی چمکی اور باز سے چھوٹ گئی۔ باز کے پر جل گئے اور ایک چیخ کے ساتھ

ہی اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور ناگ اس کے پنجوں
سے نکل کر خلاؤں میں گرتا ہی چلا گیا۔ اس نے پھر کہا
باباجی اتنی بلندی سے گر کر میرا جسم پاش پاش ہو
جائے گا۔ ایک بادل کا ٹکڑا اُڑتا ہوا آیا اور اس نے
ناگ کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ اور آہستہ آہستہ
نیچے اُترنے لگا۔

لیکن اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ کہ بادل نے
بھی اُسے اُسی مقام ناگ دیوتا کے ہی مندر میں اتار دیا
اس نے دیکھا آسمان سے جلتا ہوا شعلہ زمین کی طرف آیا
اور ناگ دیوتا کے بت کے قدموں میں آکر گرا۔ ناگ نے
دیکھا یہ وہی باز تھا۔ باز ناگ دیوتا کے بت کے قدموں
میں لوٹنے لگا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ آگ کی لپیٹ سے
نکل گیا اور اُس باز نے مہا ناگ رانی کلاوتی کا روپ
دھار لیا۔

دوسری طرف آگ کا شعلہ پھول بن گیا اور اس میں
وہی بزرگ ہاتھ میں تسبیح لئے ہوئے نمودار ہوئے
مہاناگ رانی نے کہا۔ ناگ ہمارا ہے اُس کی جان اُس
کا جسم اور اُس کی ہر طاقت ہماری بخشی ہوئی ہے۔
پھر اس میں کسی غیر کو مداخلت کرنے کی کیا ضرورت ہے
کیا تعلق ہے آپ کا اس سے۔

بزرگ نے مسکراتے ہوئے کہا مہا ناگ رانی میں نے اپنی
مرضی سے کچھ نہیں کیا۔ میں نے اپنی ہستی عرصہ ہوا مٹا دی
ہے۔ میں وہی کرتا ہوں جس کا مجھے اُوپر والا حکم دیتا ہے
بے شک ناگ ایک سانپ ہے اور تمہاری برادری سے
اس کا جسمانی روحانی تعلق ہے لیکن اوپر والا ہی جانتا
ہے کہ وہ کیوں مجھے اس کی مدد کرنے کا حکم دے رہا
ہے۔ مہا ناگ رانی ناگ بہت اچھا ہے اور انسانی بھلائی
کے کاموں میں اپنی جان تک کی پروا نہیں کرتا۔ شاید
اسی لئے میرے خدا کو اس کی یہ بات پسند ہے اور
وہ مجھے بار بار حکم دیتا ہے اے بطلموس اس سانپ
کی مدد کرو۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے ناگ رانی تم اسے معاف
کر دو۔ مہاناگ رانی نے کہا اس کمینے کو غیروں کے آگے
ہاتھ پھیلانے کی کیا ضرورت تھی۔ مجھ سے رحم کی بھیک
مانگتا۔ میں اسے معاف کر دیتی۔ مگر اب یہ ناممکن ہے
میری زبان سے نکلا ہوا شبد واپس نہیں ہو سکتا۔ بہتر ہے
جا کر اپنی سنگِ مرمر کی قبر میں آرام کرو۔ ورنہ ہمارا
کرود تمہیں بھی معاف نہیں کرے گا۔ ہم تمہاری گستاخی
کو معاف کر دیتے ہیں۔

بزرگ بطلموس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ اور اُس
نے ڈانٹ کر کہا او ناگن تو اپنے آپ کو خدا سمجھ

لگی ہے۔ اب بلا لے اپنی تمام کالی طاقتوں کو اور اگر
تجھ میں ہمت ہے تو مجھے یہاں سے واپس بھیج دے۔ مہا
ناگ رانی نے ناگ دیوتا کے بُت کی طرف دیکھا۔ پھر اپنا
ہاتھ فضا میں بلند کیا۔ ایک چمکتی ہوئی تلوار اس کے
ہاتھ میں آ گئی۔

مہا ناگ رانی نے ناگ دیوتا کے بُت کو مخاطب کیا۔
پران ناتھ تیری یہ داسی اپنے خون کا بلی دان پیش
کرتے ہوئے تجھے اپنی مدد کے لئے پکار رہی ہے۔
یہ میرا ایمان نہیں ہے ناتھ آپ کا ایمان ہے اور پھر
اس نے تلوار سے اپنا ایک بازو کاٹ کر ناگ دیوتا کے
قدموں میں پھینک دیا اور خون کے نکلتے ہوئے فوارے
سے ناگ دیوتا کے بُت کو غسل دیا۔ بادل زور سے گرجا اور
پھر آسمان پر بجلیاں چمکنے لگیں۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے
ناگ دیوتا کا پتھر کا وجود موم کی طرح پگھل گیا اور اس
کے اندر سے ایک بہت بڑا سانپ سر پر سنہری تاج
پہنے کھڑا نظر آیا اور اس نے ناگ رانی سے کہا مہارانی تم
نے ہمیں مدد کے لئے پکارا اور ہمیں آسمانوں سے
آنا پڑ گیا۔ بولو کیا چاہتی ہو۔

مہا ناگ رانی نے کہا میرا دیوتا سب کچھ جانتا ہے۔
ناگ دیوتا نے کہا۔ بے شک مہارانی ہمیں معلوم ہے ایک غیر

طاقت نے تمہیں للکارا ہے پھر ناگ دیوتا نے ناگ کی
طرف نگاہ کرتے ہوئے کہا۔ ناگ ہماری مہربانیوں کا
یہی صلہ تھا۔ کہ تم ہماری رانی کا اپمان کرو۔ ناگ تو پسینے
میں نہایا ہوا تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اور اس کی نگاہیں
جھکی ہوئی تھیں۔ پانچ ہزار سال کی عمر میں اُس نے دوسری
بار اپنے دیوتا کے درشن کئے تھے۔ پھر ناگ دیوتا نے غصے
سے بزرگ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا آپ کو اصولاً اس
معاملے میں دخل نہ دینا چاہئے تھا۔ یہ ہماری برادری کا
معاملہ ہے اور پھر ناگ تو ابنِ آدم کا ازلی دشمن ہے۔
بزرگ نے مترنّم آواز میں کہا۔ میں کچھ نہیں جانتا سب
کچھ وہی جانتا ہے۔ جس نے انسان اور حیوان سب کو
پیدا کیا ہے۔ میں اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر رہا۔ اُس
کے حکم سے کر رہا ہوں۔ مجھے ناگ کی مدد کا حکم دیا
گیا ہے۔

ناگ دیوتا نے غصے میں آ کر اپنا ہاتھ اوپر اُٹھایا۔
بجلی کڑک کر اس کے ہاتھ میں آ گئی اور اُس نے اُسے
کوڑے کی طرح زور سے بزرگ کو مارا۔ بجلی رسی کی
طرح سے اس کے جسم سے لپٹ گئی اور بزرگ کی مشکیں
کس دیں۔ مہا ناگ رانی نے ناگ دیوتا کی جے کا نعرہ لگایا
بلند کیا۔ بزرگ نے آسمان کی طرف نگاہ کی اور بجلی

کہ یہ رسی پھنّوں میں تبدیل ہو گئی۔ ناگ دیوتا نے
لوٹ لگا کر شیطانی چمگادڑ کا روپ دھار لیا اور اپنے
بڑے بڑے پروں کو پھڑپھڑاتی اپنی خنجر کی طرح نوکیلی
چونچ اور اپنے خونی پنجوں کے تیز ناخن نکال کر بزرگ
پر حملہ آور ہو گئی۔

لیکن جوں ہی وہ بزرگ کے قریب پہنچی فضا سے ایک
تلوار نمودار ہوئی اور اس نے چمگادڑ کے دو ٹکڑے کر دیئے
چمگادڑ کے خون سے ایک اُڑنے والے سانپ نے سر ابھارا
اور جب اُس نے اپنی سانس چھوڑی تو مندر میں موجود
سوکھے پتوں اور گھاس پھونس کو آگ لگ گئی۔ پھر
اُس نے بڑھ کر ایک بھاری پتھر کو ڈس لیا۔ وہ ریزہ
ریزہ ہو گیا۔ پھر اس بالشت بھر کے سانپ نے بزرگ
کی طرف نگاہ اُٹھائی۔ ناگ دیوتا اپنے اصلی روپ میں موجود تھا۔
مہا ناگ رانی نے اپنا سر جھکا دیا۔ اور خود بھی خوف
سے کانپنے لگی۔ اس نے دیوتا کو کبھی اِتنے غصے میں نہیں
دیکھا تھا۔ لیکن جوں ہی اس سانپ نے اُڑ کر بزرگ پر حملہ
کرنا چاہا۔ ایک بلی کے جسم کے برابر نیولہ نہ جانے کہاں
سے نمودار ہوا۔ اور بزرگ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔
سانپ نے نیولے کو ڈسنا چاہا۔ نیولے نے وار خالی کر
دیا اور اُچک کر سانپ کی گردن منہ میں لے لی۔ اب دونوں

میں ایک خوفناک جنگ شروع ہو گئی۔ ساری غاریں
شیطانی طاقتوں کی خوفناک چیخیں اور ڈراؤنی آوازیں گشت
کر رہی تھیں۔ اور پھر اچانک ہی نیولے کے منہ سے سانپ
کی گردن نکل گئی اور سانپ بھیڑیا بن کر نیولے پر جھپٹ
پڑا۔ لیکن جلدی ہی نیولہ بھی شیر بن گیا اور اپنا پنجہ
زور سے بھیڑیے کو دے مارا۔ بھیڑیا زور سے کلابازی
کھا کر دُور جا گرا اور پھر باز بن کر اُڑ گیا اور فضا
میں لوٹ لگا کر بارہ سروں اور کئی درجن بازوؤں والی
بلا کے روپ میں آ گیا۔

اب یہ بلا اپنی پوری شیطانی طاقت سے بزرگ کے
سامنے موجود تھی۔ جو اس کی ذرا بھی پروا نہ کرتے
ہوئے تسبیح گھمانے میں مصروف تھے۔ پھر اس سے پہلے کہ
بلا بزرگ پر حملہ کرے گرج چمک کے ساتھ آسمان پر
اپنے سیاہ گھوڑوں کی رتھ پر اِندر کا رتھ اُڑتا
ہوا نظر آیا۔ بلا نے خوشی سے کہا وہ دیکھو میرا متر
میری مدد کے لئے آ گیا ہے۔ مہا ناگ رانی بھی اِندر
کو دیکھ کر سجدے میں گر پڑی۔ ناگ کا بُرا حال تھا اور
وہ انتہائی پریشانی کے عالم میں یہ سارا کھیل اس طرح
دیکھ رہا تھا کہ جیسے خواب ہے حقیقت نہیں۔ پھر مندر کے
پتھریلے فرش پر گھوڑوں کے سُموں سے چنگاریاں پھوٹ نکلیں

اور رتھ رُک گئی۔ اِندر کئی من وزنی سونے کا تاج پہنے
اپنی رتھ سے نمودار ہُوئے۔ ناگ دیوتا نے بلا کے
روپ میں اور ناگ رانی نے سر جھکا کر اسے تعظیم دی
اور اِندر نے اُن دونوں کو اشیرواد دی پھر بزرگ کی طرف
نگاہ کی اور ناگ دیوتا سے کہا۔ ناگ دیوتا اِس مقابلے
کو اب ختم کرو یہ تو دنیا کی ابتدا سے شروع ہے اور
دنیا کے خاتمے تک جائے گی۔ ناگ نے جو گستاخی کی ہے وہ
مہا ناگ رانی سے معافی مانگ لے۔ اور مہا ناگ رانی آخر
وہ تمہاری رعایا ہے اور سزا دینے پھر سے معاف کرنا
زیادہ بہتر ہے۔ پھر اِندر نے کہا ناگ اپنی مہا ناگ
رانی سے معافی مانگو۔ ناگ کی جان میں جان آئی اور وہ
رینگتا ہُوا مہا ناگ رانی کی طرف بڑھا اور اُس نے
مہا ناگ رانی کے قدموں میں لوٹ کر معافی مانگی۔ مہا ناگ
رانی نے مسکرا کر کہا۔ جاؤ میں نے تجھے معاف کیا۔ بزرگ
بھی مسکراتے ہوئے غائب ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے
ناگ دیوتا اپنے پتھر کے جسم میں سما گئے اور مہا ناگ
رانی بھی غائب ہو گئیں۔ ناگ نے خوش ہو کر اپنی
طاقت کو آزمانے کے لئے سانس کھینچا اور وہ انسان
کے روپ میں آگیا۔

اب اُس نے چاروں طرف گھوم کر مندر کی سیر کی۔

اور ایک دروازے پر بنے ہوئے بڑے سے سونے کے
گول چکر کے پاس آگیا جس میں ستاروں کی شکلیں بنی
ہوئی تھیں اور اس پر گرد جمی ہوئی تھی۔ ناگ نے اپنی
جیب سے رومال نکال کر اسے خوب رگڑ رگڑ کر صاف
کیا اور ایسا کرنے سے وہ چکر گھومتا رہا۔ اور پھر ناگ
کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ چکر نے بڑے زور سے
گھومنا شروع کر دیا۔ اور پھر جب یہ چکر رُک گیا تو
ہر چیز فضا میں اڑ گئی اور ناگ نے دیکھا کہ وہ مندر کی
بجائے ایک عالی شان باغ میں کھڑا ہے۔ بسیں اور موٹریں
خوبصورت سڑکوں پر بھاگتی پھر رہی ہیں۔ بڑی بڑی
عمارتیں آسمان سے کھڑی باتیں کر رہی ہیں۔

ایک اخبار بیچنے والا قریب سے گزرا تو ایک بوڑھے
نے اخبار خرید کر اپنی بوڑھی بیوی کو سنانا شروع کر دیا
ناگ کو بڑی حیرت ہوئی۔ وہ تو امریکہ میں بیٹھا تھا۔
اُس نے دیکھا۔ سامنے سفید عمارت پر امریکہ کا جھنڈا
لہرا رہا تھا اور بوڑھا عجیب و غریب قسم کی خبریں پڑھ
رہا تھا جس میں ایٹم بم اور میزائلوں کا ذکر تھا۔

آگے کیا ہُوا جاننے کے لیے نمبر ۵۳
"ناگ اور سپرمین" پڑھیے

ناگ اور سُپر مین

اے حمید

نیا مکتبہ اقرأ
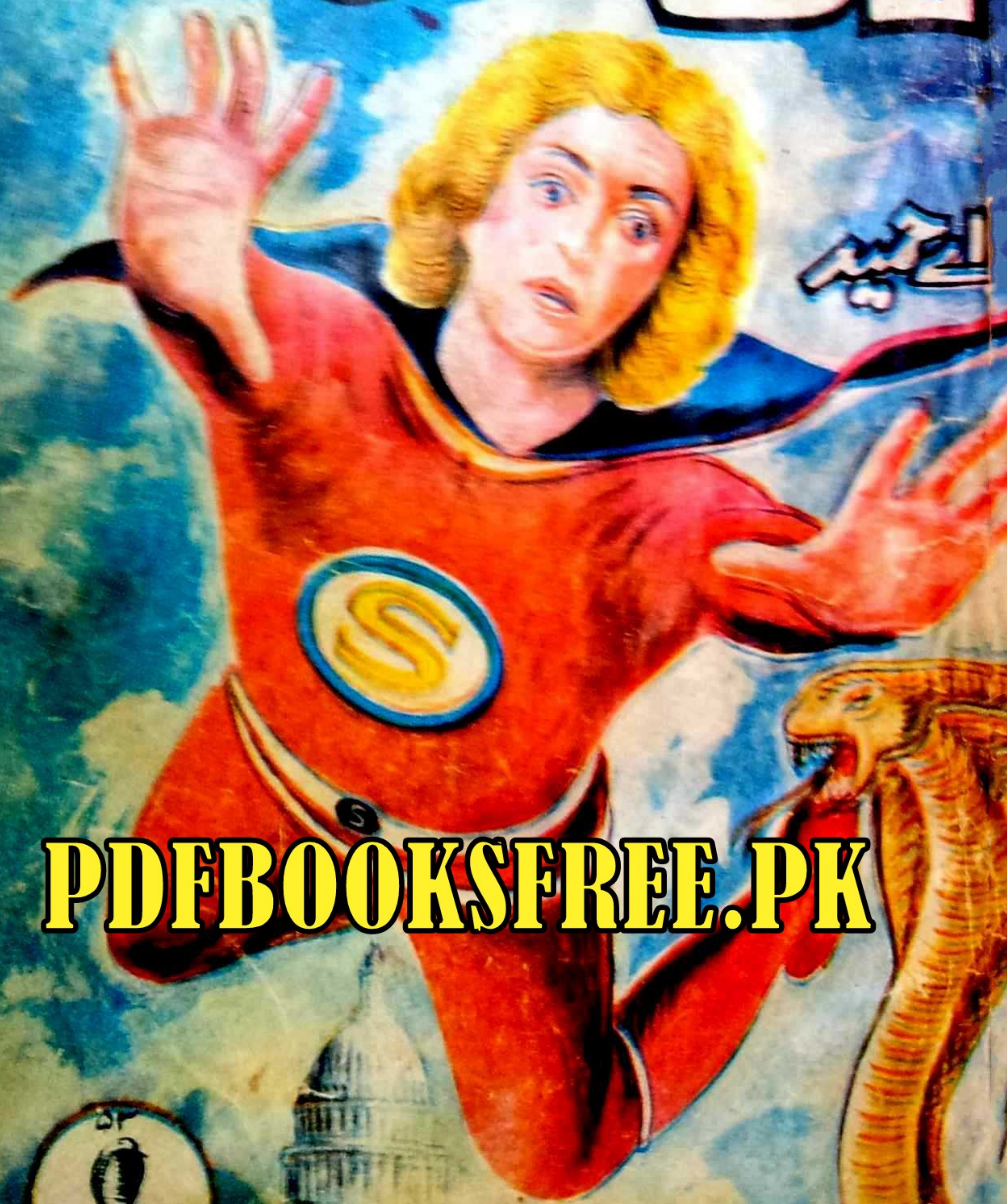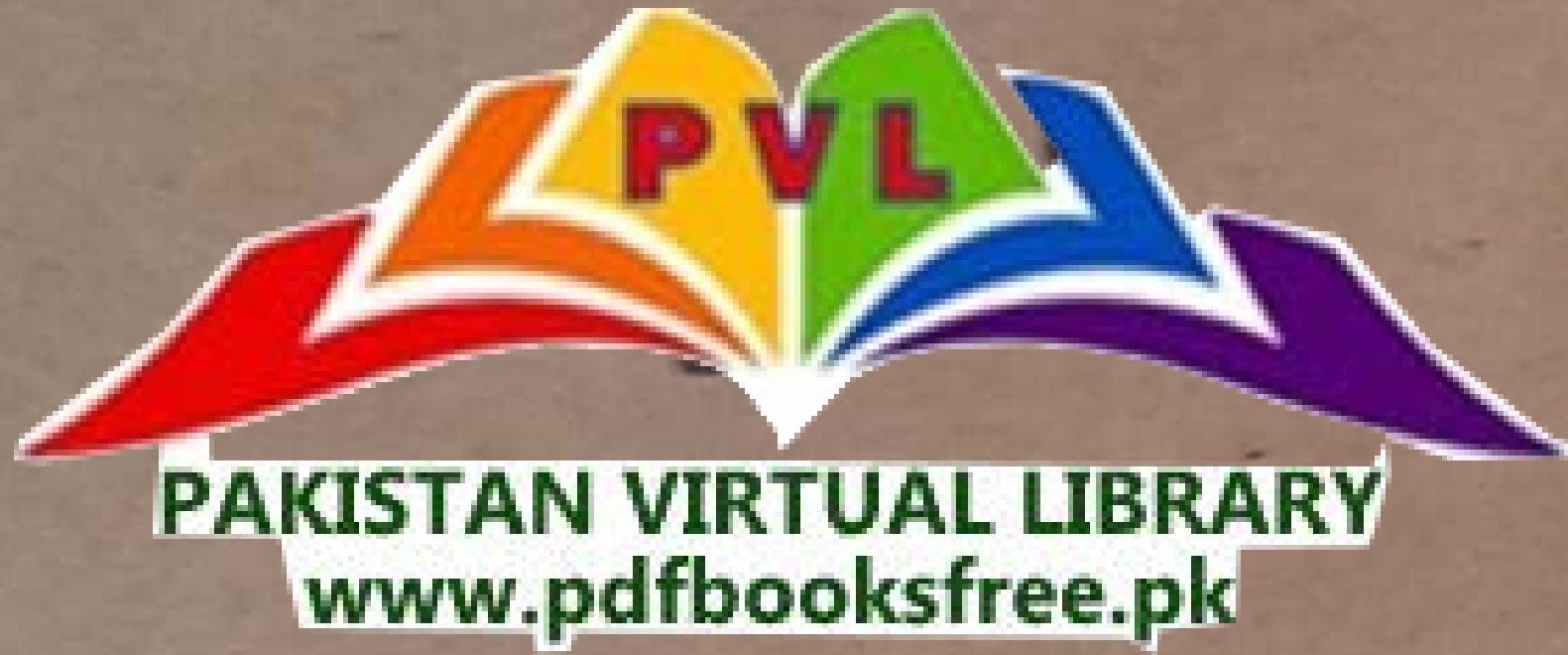
ناگ، ماریا اور عنبر کی واپسی
کے پانچ ہزار سالہ سفر کی سنسنی خیز داستان

ناگ اور سُپرمین

اے حمید

واشنگٹن (امریکہ)

دسمبر ۱۹۸۲ء

پیارے دوستو!

میں آپ کے لیے "عنبر ناگ ماریا کی واپسی" کی پُر اسرار داستان لاہور میں بیٹھا لکھ رہا تھا کہ مجھے کچھ دیر کے لیے یہاں امریکہ آنا پڑ گیا۔ چنانچہ اب میں نے یہاں یہ داستان لکھنی شروع کر دی ہے اور انشاء اللہ آپ کو واشنگٹن سے قسطیں لکھ کر بھیجتا رہوں گا۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ اس داستان کو بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ سب سے دلچسپ بات یہ ہوئی کہ واشنگٹن میں میری ناگ سے ملاقات ہو گئی جس کا ذکر آپ اسی قسط میں آگے چل کر پڑھیں گے۔ یہ بڑی عجیب و غریب ملاقات تھی اور میں ناگ کو واشنگٹن میں اپنی اپارٹمنٹ بلڈنگ کے باہر دیکھ کر بہت حیران ہوا پھر اس نے مجھے بتایا کہ وہ یہاں کس طرح پہنچا۔ یہ ایک الگ دلچسپ کہانی ہے جو میں نے اسی قسط میں بیان کی ہے۔ امید ہے آپ اسے بڑے شوق سے پڑھیں گے۔ ان دنوں یہاں واشنگٹن میں کرسمس کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ گیارہ دسمبر کی رات کو برف گرنے لگی اور ساری رات برف گرتی رہی۔ صبح اٹھ کر دیکھا تو درخت سڑکیں فٹ پاتھ سفید برف میں ڈوبے ہوئے تھے۔

قیمت: ۵۰/- روپے

بار اوّل ـــــ ۱۹۸۳ء

ناشر: نیا مکتبہ اقوار ۱۴ بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور

طابع: الفرید پرنٹرز، لاہور

ناگ واشنگٹن کے ایک ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے۔ وہ یہاں ایک زبردست خفیہ مہم پر کام کر رہا ہے جس کا حال آپ اسی قسط میں پڑھیں گے۔

مجھے بڑی خوشی ہے کہ مجھے امریکہ میں بھی آپ لوگوں کے خلوص بھرے خط ملتے رہتے ہیں جس میں آپ عنبر ناگ ماریا کے بارے میں مجھ سے سوال پوچھتے رہتے ہیں۔ میں آپ سب کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے یاد رکھا ہے۔ میں نے بھی آپ کو نہیں بھلایا اور ہر وقت یاد کرتا ہوں۔ انشا اللہ میں بہت جلد لاہور آ کر آپ سے ملاقات کروں گا اور سائنس فکشن پر مبنی سائنسی اور خلائی کہانیاں لکھنی شروع کروں گا۔ جسے پڑھ کر آپ بہت خوش ہوں گے۔ اب اجازت دیں۔ خدا حافظ

آپ کا دوست

اے حمید

واشنگٹن (امریکہ)

قاتل پتلا

کنیز کی لاش قالین پر پڑی تھی۔

اس کے سینے میں چھپ کر تیر چلانے والا غلام فرار ہو چکا تھا۔ روم کی نوجوان ملکہ پریشان کھڑی تھی۔ خوف سے اس کا چہرہ زرد تھا۔ کنیز نے گلاس میں زہر ڈال کر اسے ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی مگر ماریا نے ملکہ کی جان بچالی۔ ماریا بھاگ کر بالکونی میں گئی۔ کنیز پر تیر چلانے والا غلام بالکونی سے چھلانگ لگا کر نیچے باغ کے درختوں میں غائب ہو گیا تھا۔ ملکہ روم ماریا کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔ وہ اس لیے بھی گھبرائی ہوئی تھی کہ ماریا نے ملکہ کے کان میں کہا تھا کہ میں ایک روح ہوں اور تمہاری جان بچانے کے لیے یہاں شاہی خواب گاہ میں آئی ہوں۔ اور وہ روح ملکہ کو نظر نہیں آ رہی تھی۔

ملکہ نے تالی بجا کر حبشی خادماؤں کو بلایا اور کہا:

"اس لاش کو لے جا کر جنگل میں پھینک دو۔"

خادمائیں لاش اٹھا کر لے گئیں۔ کمرے میں اب اکیلی
ملکہ روم ہی تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا:
"اے آسمانی روح! کیا تم اسی کمرے میں ہو؟"
ماریا وہیں موجود تھی۔ مگر وہ بالکونی سے باہر جھانک رہی
تھی اور یہ معلوم کرنا چاہتی تھی۔ کہ غلام کہاں گیا ہوگا۔ ظاہر
ہے کہ اس غلام کو ان رومن سازشیوں نے بھیجا تھا جو
ملکہ کو ہلاک کر کے روم کے تخت پر قبضہ کرنا چاہتے تھے
ان سازشیوں میں سے ایک ملکہ کا وزیر تھا اور
دوسرا درباری جوتشی تھا۔ ماریا نے ملکہ کی آواز سنی تو
جلدی سے اس کے پاس آگئی۔ ملکہ روم اپنے شاندار پلنگ
کے پاس رات کا ریشمی لباس پہنے ٹہل رہی تھی۔ وہ گھبرائی
ہوئی تھی۔

ماریا نے کہا:
"میں تمہارے پاس ہوں ملکہ"
ملکہ نے پوچھا:
"اے آسمانی روح کیا تم بتا سکتی ہو کہ وہ کون لوگ
تھے، جنہوں نے مجھے زہر دے کر ہلاک کرنے
کی سازش کی تھی؟"
ماریا نے کہا:

"میں نہیں جانتی کہ وہ کون ہیں۔ مگر میں ان کی
شکلیں دیکھ کر پہچان سکتی ہوں"
ملکہ نے کہا:
"اب رات ہے۔ کیا تم صبح دربار میں آکر مجھے ان
لوگوں کے چہرے دکھا سکتی ہو اے مقدس روح؟"
ماریا نے جواب دیا:
"کیوں نہیں ملکہ! اب تم آرام کرو۔ میں صبح دربار
میں آؤں گی"
ملکہ نے پھر پوچھا:
"مگر مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ تم دربار میں آگئی ہو؟"
ماریا نے مسکرا کر کہا:
"اے ملکہ! میں اسی طرح تمہارے کان میں آکر کہوں گی
کہ میں آگئی ہوں"

ملکہ نے ماریا کا شکریہ ادا کیا اور پلنگ پر ریشمی کمبل
اوڑھ کر لیٹ گئی۔ ماریا کچھ دیر بالکونی میں کھڑی باہر ستاروں
کی روشنی میں نظر آتے درختوں کو تکتی رہی۔ اسے عنبر اور
ناگ کا خیال آ رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ تاریخ انہیں ایک
دم سے کتنی سو سال پیچھے لے گئی ہے۔ عنبر اور ناگ
بھی کتنی سو برس پیچھے جا کر کسی نہ کسی ملک میں نمودار

ہو گئے ہوں گے۔ مگر وہ کس ملک میں ہوں گے؟ کس
حال میں ہوں گے؟ ان سے کب اور کیسے ملاقات ہو
گی؟ بس یہی سوال ماریا کے ذہن میں چکر لگا رہے تھے۔
وہ ملکہ کی بھی حفاظت کرنا چاہتی تھی۔ مگر سونے سے پہلے
ملکہ نے چار حبشی غلاموں کو خواب گاہ کے باہر پہرے پر
لگا دیا تھا۔ ماریا نے سوچا کہ وہاں محل میں رہنے کی بجائے
کیوں نہ وہ شہر روم کے پرانے گلی کوچوں کی سیر کرے۔
صبح کو دربار میں آ جائے گی۔ وہ واپس نکلنے لگی تو دیکھا کہ
ملکہ کے کمرے کا دروازہ بند تھا اور باہر حبشی غلام ننگی
تلواریں لیے پہرہ دے رہے تھے۔ اس نے سوچا کہ اگر
دروازہ کھول کر باہر نکلی تو حبشی پریشان ہوں گے کہ
کون سی شے باہر نکل گئی ہے کہ جو نظر نہیں آئی۔ وہ ملکہ کو
جگا دیں گے اور ملکہ کی نیند پریشان ہو گی۔ یہ سوچ کر ماریا
نے فیصلہ کیا کہ وہ بالکونی سے نیچے اتر جائے گی۔ بالکونی زمین
سے کافی اونچی تھی مگر ماریا کے لیے کوئی مشکل بات نہیں
تھی۔ اس نے بالکونی سے نیچے چھلانگ لگا دی۔ وہ درختوں
کے درمیان اتر گئی اور شاہی محل سے نکل کر آج سے
سینکڑوں برس پہلے کے روم شہر کے اندھیرے میں ڈوبے
ہوئے گلی کوچوں کی طرف نکل گئی۔

پیارے بچو! عنبر اسی شہر کے باہر ایک ٹیلے کے اوپر
کسی دیوتا کے بت کے نیچے چبوترے پر بیٹھا تھا۔ وہ بھی
ماریا اور ناگ کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ خدا جانے
تاریخ میں کتنے سو سال ایک دم پیچھے آ جانے کے بعد اب
ان سے کہاں ملاقات ہو گی۔ رات آہستہ آہستہ گذر رہی تھی
اس کے سامنے روم کا پرانا شہر رات کے اندھیرے میں
ڈوبا ہوا تھا کہیں کہیں مشعلوں کی ٹمٹماتی روشنی دکھائی دے
رہی تھی۔ عنبر کو کبھی نیند نہیں آتی تھی۔ مگر چونکہ وہ رات گذار
کر صبح شہر میں جا کر ماریا اور ناگ کو تلاش کرنا چاہتا تھا
اس لیے وہ آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔

جیسا کہ آپ نے پچھلی قسط میں پڑھا ہو گا کہ ناگ
دمشق کی طرف روانہ ہوا تھا۔ اس کی ہم بعد میں خبر لیں گے
کہ کتنے سو سال ایک دم سے پیچھے چلے جانے کے بعد وہ
کہاں پر جا نکلا۔ پہلے ہم ملکہ روم کے محل میں آتے ہیں کیونکہ
وہاں ایک بڑا ہی بھیانک خونیں کھیل کھیلا جانے والا ہے۔
ماریا نے بڑی غلطی کی تھی کہ ملکہ کو اکیلی چھوڑ کر آ گئی۔

روم کے وزیر اور درباری جوتشی نے ملکہ کو زہر دے کر
روم کے تخت پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ کنیز پر نگاہ
رکھنے کے لیے انہوں نے ایک غلام کو پہلے ہی سے ملکہ

کی خواب گاہ میں چھپا دیا تھا کہ اگر کہیں کنیز شاہی رعب
میں آکر ملکہ کو زہر نہ دے سکے اور سارا راز بتانے کی
کوشش کرے تو اسے فوراً تیر مار ہلاک کر دیا جائے اور
ایسا ہی ہوا تھا۔ مگر غلام فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔
اس نے جاتے ہی وزیر اور جوتشی کو بتا دیا کہ ملکہ کو زہر
نہیں دیا جا سکا اور میں نے کنیز کو ہلاک کر دیا ہے دونوں
وزیر کے ماتھے پر بل گئے تھے۔ اس نے غلام کو انگلی کے
اشارے سے اپنے پیچھے آنے کو کہا اور اسے لے کر اپنے
کمرے کے خفیہ تہہ خانے میں اتر گیا۔ اصل میں وہ حبشی غلام
کو بھی ختم کر دینا چاہتا تھا تاکہ اس کی سازش کا یہ گواہ بھی
زندہ نہ رہے۔

تہہ خانے میں ایک جگہ دیوار میں سوراخ تھا جس کے
اندر سے مشک کافور کی بو آ رہی تھی۔ وہاں کچھ روز
ہوئے ملکہ کے ایک درباری کی لاش دفن کی گئی تھی۔
وزیر نے غلام سے کہا:
"اس سوراخ کے اندر جاؤ۔ وہاں تابوت میں سونے کا
ایک کنگن لاش کے سرہانے رکھا ہے۔ وہ اٹھا لاؤ"
غلام کی کیا مجال تھی کہ انکار کرتا۔ لپک کر سوراخ کے
اندر داخل ہو گیا۔ ادھر غلام سوراخ کے اندر داخل ہوا ادھر

وزیر نے دیوار میں ایک خفیہ ہتھی کو پکڑ کر زور سے پیچھے
کھینچ دیا۔ دیوار کا سوراخ پتھر کی ایک سل سے ہلکی سی
گڑگڑاہٹ کے ساتھ بند ہو گیا۔ دیوار کے پیچھے سے غلام کی
دبی دبی آوازیں سنائی دینے لگیں۔
"مالک! مجھے باہر نکالو۔ مالک میرا دم گھٹ رہا ہے
مجھے باہر نکالو مجھ پر رحم کرو۔"
مگر وزیر تہہ خانے سے باہر نکل چکا تھا۔ غلام کی دبی
دبی آوازیں رات کے پچھلے پہر تک دیوار کے پیچھے سے
بلند ہوتی رہیں۔ مگر وہاں اس کی فریاد سننے والا بھلا کون تھا
پھر یہ آوازیں آہستہ آہستہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش
ہو گئیں۔

آدھی رات ہو چکی تھی۔ وزیر تہہ خانے سے نکل کر سیدھا
شاہی جوتشی کے پاس پہنچا۔ جوتشی زائچہ بنا کر حساب لگا رہا تھا۔
وزیر نے اس کے قریب جا کر کہا:
"آخر ایسا کیوں ہوا کہ تمہارا لگایا ہوا حساب غلط نکلا۔
تم نے تو کہا تھا کہ ملکہ آج رات مار دی جائے گی
مگر وہ ابھی تک زندہ ہے!"
شاہی جوتشی نے مکاری سے مسکراتے ہوئے کہا:
"وزیر صاحب! ستاروں کا حساب اب بھی مجھے یہی بتا

رہا ہے کہ ملکہ سورج نکلنے سے پہلے پہلے مرجائیگی۔"

وزیر بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ بولا:

"مگر وہ ابھی تک زندہ ہے اور صبح ہونے میں چار گھڑیاں باقی رہ گئی ہیں"

شاہی جوتشی نے زائچے کی پوتھی تہہ کرتے ہوئے کہا:

"شاید یہ کام مجھے ہی کرنا ہوگا"

وزیر کے چہرے پر سے پریشانی کی لکیریں دور ہوگئیں۔ وہ خوش ہوکر کہنے لگا:

"کیا یہ کام تم کروگے؟"

"یہ کام ستارے مجھ سے کروائیں گے۔ آپ بے فکر ہوجائیں میں ملکہ کے کمرے کی طرف جا رہا ہوں۔ آپ اسی جگہ میرا انتظار کریں"

شاہی جوتشی نے ستاروں کے حساب سے بنایا ہوا تانبے کا ایک چھوٹا سا شیطان کا پتلا نکال کر اس پر ملکہ کا نام لکھ کر اس کے ہاتھ میں تیز دھار والا چاقو پکڑا دیا۔ وزیر بے چینی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ کیوں کہ صبح ہونے میں زیادہ دیر نہیں رہ گئی تھی اور اس نے شاہی فوجوں کے جرنیل سے مل کر طے کر رکھا تھا کہ سورج نکلتے ہی وہ ملکہ کے قتل ہونے کا اعلان کر کے محل پر قبضہ کرلے اور ملکہ کی وفادار

فوجوں کو قتل کر دے۔ جوتشی نے ملکہ کا پتلا جیب میں رکھا اور یہ کہہ کر ملکہ کی خواب گاہ کی طرف چلا:

"یہ پتلا ملکہ کا کام تمام کر دے گا۔"

وزیر اس فوجی محل کی طرف چل دیا جہاں رومی فوجوں کا جرنیل صبح ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ تاکہ ملکہ کی موت کی خبر آئے اور وہ فوجوں کو حکم دے کر محل پر قبضہ کر لیا جائے۔

ادھر ایسا ہوا کہ جب ماریا ملکہ کو اکیلا چھوڑ کر چلی گئی۔ تو پہلے تو ملکہ کو پتہ ہی نہ چل سکا کہ اس کی دوست روح چلی گئی ہے۔ ملکہ پریشان تھی۔ اسے اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ وزیر اب دوسری بار اس کو قتل کرانے کی کوشش کرے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فوج اس کے ساتھ مل گئی ہو اور رومی سپاہی اس کا دروازہ توڑ کر اندر گھس آئیں اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ ملکہ روم کا بھولا بھالا معصوم چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ اس نے دو ایک بار دوست روح یعنی ماریا کو آوازیں دیں مگر ماریا وہاں ہوتی تو جواب دیتی۔ وہ تو اس وقت رات کے اندھیرے میں روم شہر کے گلی کوچوں میں گھوم پھر رہی تھی۔ دل میں یہ خیال لیے کہ شاید عنبر یا ناگ کی کسی جگہ سے خوشبو آ جائے۔

جب ملکہ کو یقین ہو گیا کہ نیک دل روح جا چکی ہے تو اس کے دل نے فوراً ایک فیصلہ کر لیا۔

ملکہ اپنے شاندار ریشمی سرہانوں والے پلنگ کے قریب آئی۔ سرہانوں کو درمیان میں جوڑ کر اوپر ریشمی کمبل یوں ڈال دیا کہ معلوم ہوتا تھا ملکہ سو رہی ہے۔ اس نے محل سے فرار ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ چنانچہ اب اس کا دماغ بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ملکہ کے سونے کے کمرے میں سے ایک خفیہ راستہ شہر کی دیوار کے خفیہ دروازے کی طرف جاتا تھا۔ ایسے خفیہ راستے پرانے زمانے کے بادشاہ اپنے سونے کے کمروں میں ضرور بنوایا کرتے تھے تاکہ دشمن محل پر قبضہ کرے تو عورتوں بچوں کو وہاں سے نکالنے میں مدد ملے اور اگر موقع ملے تو بادشاہ خود بھی فرار ہو سکے۔

ملکہ نے شمع بجھا دی۔ خواب گاہ میں اندھیرا ہو گیا۔ اب صرف بالکونی کی طرف سے ستاروں کی دھیمی روشنی اندر آ رہی تھی۔ ملکہ نے دیوار کے آگے گرا ہوا سرخ کم خواب کا بھاری پردہ ایک طرف ہٹا دیا۔ سرخ پتھروں کی اینٹوں میں ایک جگہ سونے کا بنا ہوا گول چھلا لٹک رہا تھا۔ ملکہ نے چھلے کو پکڑ کر ایک طرف ذرا سا جھٹکا دیا۔

دیوار میں فرش کے قریب ایک چوکور شگاف بن گیا۔ ملکہ نے موم بتی روشن کر کے ہاتھ میں تھامی اور شگاف میں نیچے کو جاتی سیڑھیوں پر آ کر رک گئی۔ اس نے چوتھی سیڑھی کے ایک پتھر پر آہستہ سے پیر مارا۔ شگاف بند ہو گیا۔ ملکہ سیڑھیاں اتر گیا۔ سامنے ایک تنگ راستہ بائیں طرف گھوم گیا تھا۔ ملکہ اس غار میں بہت عرصہ ہوا ایک بار اپنے باپ روم کے بادشاہ کے ساتھ آئی تھی۔ روم کے بادشاہ نے اپنی بیٹی کو یہ غار اس لیے دکھایا تھا کہ اگر کبھی اس پر کوئی مصیبت نازل ہو تو اس راستے سے فرار ہو کر اپنی جان بچائے۔ ملکہ موم بتی تھامے غار میں آگے بڑھ رہی تھی۔ غار کی ہوا صاف نہیں تھی۔ ملکہ کو سانس لینے میں مشکل پیش آ رہی تھی مگر یہ اس کی زندگی اور موت کا معاملہ تھا۔ وہ آگے بڑھتی چلی گئی۔ موم بتی کی روشنی بھی اس کے ساتھ ساتھ جا رہی تھی۔ غار کا فرش پتھریلا تھا۔ مگر پتھر کی اینٹیں کہیں کہیں سے اکھڑی ہوئی تھیں۔ ملکہ سنبھل سنبھل کر چل رہی تھی۔ دو تین موڑ گھومنے کے بعد ملکہ کو غار میں تازہ اور ٹھنڈی ہوا کا احساس ہوا۔ وہ سمجھ گئی کہ شہر کی دیوار کا خفیہ دروازہ آنے ہی والا ہے۔ یہ تازہ ہوا خفیہ دروازے کے نیچے لگے ہوئے

خفیہ جھروں میں سے غار میں آ رہی تھی۔ غار ختم ہو
گئی۔ سامنے دیوار آ گئی۔ یہاں ایک طرف سے تازہ
اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آ رہے تھے۔ ملکہ اس طرف
آ گئی۔ یہاں سیاہ پتھروں سے بنائی گئی جالیاں دیوار میں
لگی تھیں۔ ہوا ان میں سے آ رہی تھی۔ ملکہ نے ایک
جگہ سے جالی کو اپنی طرف کھینچا۔ جالی کے کھنچتے ہی
اس کے اوپر ایک شگاف بن گیا۔ ملکہ نے شگاف میں
سے باہر دیکھا۔ باہر رات کے گہرے نیلے آسمان پر تارے
چمک رہے تھے اور پھولوں درختوں اور سبزے کی
خوشبو والی ہوا کے جھونکے چلے آ رہے تھے۔ ملکہ جلدی
سے شگاف سے باہر نکل آئی۔ وہ راتوں رات شہر
سے دور نکل جانا چاہتی تھی۔ روم شہر میں اس کے
لیے کسی جگہ پناہ لینا خطرناک ہو سکتا تھا۔ اگرچہ شہر
میں اس کی شاہی دایہ کی ایک پرانی حویلی تھی اور
وہ اس حویلی میں جا کر پناہ لے سکتی تھی۔ مگر ملکہ
کو خوب معلوم تھا کہ صبح جب وزیر کو پتہ چلے گا
کہ ملکہ محل سے فرار ہو گئی ہے۔ تو اس کی تلاش
جگہ جگہ چھاپے مارے جائیں گے اور شاہی دایہ
تو سب سے پہلے تلاشی لی جائے گی۔

ملکہ روم نے دیوار کے خفیہ دروازے کو پھر سے
بند کر دیا۔ آسمان پر مشرق کی طرف ستارے پھیکے پڑنا
شروع ہو گئے تھے اور پو پھٹنے ہی والی تھی۔ وقت
بڑا نازک تھا۔ ملکہ نے سوچا کہ وہ جتنا بھی تیز بھاگ
لے صبح ہونے تک شہر سے دو تین کوس سے زیادہ
دور نہیں جا سکے گی اور یہ کوئی فاصلہ نہیں تھا۔ رومی
فوج کے سپاہی گھوڑے دوڑاتے بہت جلد اسے آن
دبوچیں گے۔ پھر وہ کیا کرے؟ ملکہ کا دماغ بڑی تیزی
سے اپنے بچاؤ کی ترکیبیں سوچنے لگا۔ اب وہ صرف
یہ چاہتی تھی کہ کسی جگہ دن بھر چھپی رہے اور جب ایک
بار پھر رات کی تاریکی پھیلے تو کہیں سے کوئی گھوڑا حاصل
کر کے اندھیرے میں محل سے دور نکل جائے اور راتوں
رات سفر کر کے ملک سمرنا میں داخل ہو جائے۔ سمرنا کا
بادشاہ روم کی ملکہ کا رشتے دار تھا۔ وہ سارا دن غار کے
اندر بھی چھپی رہ سکتی تھی۔ لیکن اس میں ایک خطرہ تھا۔
ملکہ کو معلوم تھا کہ وزیر کو اس خفیہ راستے کا پتہ ہے اور وہ
ضرور اسے تلاش کرتا ہوا غار میں آئے گا۔
ملکہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا اور صبح کی روشنی
آسمان پر پھیلنے لگی تھی۔ اچانک ملکہ کے دماغ میں ایک

خیال بجلی کی طرح چمکا۔ وہ اٹھی اور اس نے شہر کی دیوار
کی جھاڑیوں میں سے نکل کر شہر کی فصیل کے ساتھ ساتھ
بنی ہوئی کھائی کے ساتھ مشرق کی طرف چلنا شروع کر دیا۔
کھائی میں پانی بھرا ہوا تھا اور یہ کوئی دو مرد گہری تھی۔
ملکہ تیز تیز چلی جا رہی تھی۔ ایک جگہ دیوار کے اوپر مشعل
روشن تھی اور دو رومی سپاہی نیزے اٹھائے چل پھر کر
پہرہ دے رہے تھے۔ وہ ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کی
باتیں بھی کر رہے تھے۔

ملکہ یہاں دیوار کے بالکل ساتھ لگ کر دبے پاؤں آگے
نکل گئی۔ وہ کسی جگہ سے پانی سے بھری ہوئی کھائی پار
کرنا چاہتی تھی۔ ایک جگہ چھوٹا سا پل بنا ہوا تھا۔ اس پل
پر سے رات کے وقت شہر کا کوڑا کرکٹ چھکڑوں پر لاد
کر شہر سے باہر لے جایا جاتا تھا۔ ملکہ نے یہاں سے
کھائی پار کی اور درختوں کے بیچوں بیچ جاتی ایک کچی
سڑک پر آ گئی۔ اب وہ بھاگ رہی تھی۔ ہر طرف خاموشی
تھی اور کوئی پرندہ بھی پر نہیں مار رہا تھا۔ ملکہ ان سب
راستوں کو جانتی تھی۔ سڑک پر بائیں جانب ایک پتھریلا
راستہ ٹیلے کی طرف جاتا تھا۔ یہ وہی ٹیلہ تھا جس کے اوپر
ایک طرف دیوتا اپالو کا بہت بڑا بت کھڑا تھا اور اس

کے چبوترے پر عنبر رات گزارنے کے لیے پڑا اونگھ رہا تھا۔
ملکہ ٹیلے کی چڑھائی چڑھنے لگی۔ وہ تھک گئی تھی۔ اس
کا سانس پھول رہا تھا۔ بے چاری نے بھلا ایسی مشقت
کب کی تھی۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ انسان کو عیش و آرام
کا عادی نہیں ہونا چاہیے، کیوں کہ کوئی پتہ نہیں آج کا
دولت مند آدمی کل کو مارا مارا پھر رہا ہو۔ پو پھٹ رہی
تھی۔ صبح کی ہلکی ہلکی روشنی میں سامنے درختوں کا ایک
بہت بڑا جھنڈ دکھائی دیا۔ اس کے ارد گرد دیوار بنی
ہوئی تھی۔ یہ روم کے بادشاہوں کا شاہی قبرستان تھا لیکن
ایک عرصے سے اب یہاں شاہی مردوں کو دفن نہیں کیا
جاتا تھا۔ اب بادشاہوں اور امیروں وزیروں کے مردوں
کو شہر کے اندر ہی ایک شاہی قبرستان میں دفنایا جاتا
تھا۔ ملکہ قبرستان کے پرانے دروازے میں سے قبرستان میں
داخل ہو گئی۔ پرانی قبروں پر گھاس اُگ رہی تھی۔ پتھروں
کے کتبے دھوپ اور بارش میں سیاہ پڑ گئے تھے۔ ایک
موٹا سا چوہا کسی قبر میں سے نکل کر ایک طرف کو بھاگ
گیا۔ ملکہ کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ مگر موت کا خوف اسے
قبروں کی طرف لے جا رہا تھا۔ صبح ہو رہی تھی۔ اچانک
شاہی محل کی طرف سے توپ کے گولے چلنے کی آوازیں

آئیں اور پھر یوں شور سا سنائی دیا جیسے محل میں بلوہ ہو گیا ہو۔ ملکہ تیز تیز چلنے لگی۔ وہ سمجھ گئی کہ اس کے فرار کا علم ہو گیا ہے اور محل پر وزیر کے سپاہیوں نے قبضہ کرنے کے لیے وفادار سپاہیوں سے جنگ شروع کر دی ہے۔ اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

سامنے ایک بہت بڑے چبوترے پر قبر بنی تھی چبوترے کے نیچے تنگ راستہ اندر جاتا تھا۔ ملکہ اس میں سے اندر داخل ہو گئی۔ یہاں ایک چھوٹی سی کوٹھڑی تھی جس کے درمیان میں اس کے چچا کا تابوت رکھا تھا۔ ملکہ نے سیڑھیوں کے آگے جھاڑیاں اٹھا کر ڈال دیں تا کہ باہر سے راستہ نظر نہ آئے اور چچا کے تابوت کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئی اور خدا کے آگے دعائیں کرنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

○

اب ذرا محل میں آتے ہیں جب ملکہ اپنے سونے کے کمرے سے نکل گئی تو تھوڑی دیر بعد شاہی جوتشی اس کے کمرے کے دروازے پر آکر رک گیا۔ اس نے پہرے پر کھڑے غلاموں کو بلا کر شاہی مہر دکھائی اور انہیں وہاں

سے چلتا کر دیا۔ پھر اس نے جیب سے خاص چابی نکال کر دروازے کو آہستہ سے کھولا اور تانبے کا پتلا جس کے ہاتھ میں چاقو تھا ملکہ کے کمرے میں داخل کر دیا۔ پتلا ہاتھ بھر کر ہو گا۔ وہ رک رک کر چلتا، ملکہ کے شاندار پلنگ کے پاس آ گیا۔ پھر اچھل کر گیند کی طرح ملکہ کے سرہانے پر سوار ہوا اور دھڑا دھڑ اس جگہ چاقو مارنے لگا جہاں ملکہ کا سر ہوا کرتا تھا۔ کیوں کہ اب تو ملکہ وہاں پر تھی ہی نہیں۔

کچھ وقت گزرا تو دروازے کے باہر کھڑے شاہی جوتشی کو خیال آیا کہ کیا وجہ ہے ملکہ کی چیخوں کی آوازیں نہیں آ رہی ہیں۔ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ تانبے کا پتلا پلنگ پر چڑھا کمبل کے نیچے سرہانے پر چاقو مارے جا رہا ہے اور سرہانے میں سے سنبل نکل نکل کر باہر گر رہا ہے۔ شاہی جوتشی نے لپک کر پتلے کو گردن سے پکڑ کر زمین پر پٹخ اور کمبل پرے اچھال دیا۔ نیچے ملکہ کی جگہ سرہانے رکھے ہوئے تھے۔ شاہی جوتشی غصے اور خوف سے کانپنے لگا۔ کیوں کہ اب اس کی خیر نہیں تھی۔ وزیر اب اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ مگر وزیر کے پاس جانے کے سوا دوسرا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ وہ بھاگم بھاگ وزیر کے پاس پہنچا تو جو رومی فوج کے جرنیل سے مل کر ابھی ابھی

واپس آیا تھا اور اسے کہہ آیا تھا کہ ملکہ قتل کی جا رہی ہے حملے کے لیے تیار رہے۔

اس نے شاہی جوتشی کو آتے دیکھا تو کہا:

"سب ٹھیک ہے کیا؟"

جوتشی نے سر جھکا کر کہا:

"زائچے کا حساب الٹا پڑ گیا۔ وزیر صاحب! ملکہ فرار ہو چکی ہے۔"

وزیر کا چہرہ غصّے سے لال ہو گیا۔ اس نے کھا جانے والی نظروں سے شاہی جوتشی کی طرف دیکھا پھر قریب آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا:

"شاہی جوتشی! ہم تمہاری وفاداری پر کبھی شک نہیں کریں گے کوئی بات نہیں۔ حساب الٹا پڑ گیا ہے تو کیا ہوا۔"

شاہی جوتشی بڑا خوش ہوا کہ اس کا قصور معاف کر دیا گیا ہے لیکن اچانک اسے ایک ہلکا سا جھٹکا لگا اور پھر اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔ اس کی زبان لکڑی کی طرح خشک ہو کر تالو سے لگ گئی اور وہ دھڑام سے فرش پر گر پڑا۔ وزیر کا زہر بھرا چھوٹا خنجر اپنا کام کر چکا تھا۔

شاہی جوتشی کی لاش کو وہیں چھوڑ کر وزیر ایک بار پھر شاہی جرنیل کے محل کی طرف بھاگا۔ شاہی جرنیل ملکہ کے قتل کی خبر آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ جب وزیر نے آ کر بتایا کہ ملکہ فرار ہو گئی ہے تو شاہی جرنیل نے نیام سے تلوار کھینچ کر کہا:

"دیوتا اپالو ہمارے ساتھ ہے۔ ہم محل پر قبضہ کریں گے اور ملکہ کو بھی تلاش کر کے سولی پر لٹکائیں گے۔"

وزیر کی جان میں جان آئی۔ شاہی جرنیل نے اسی وقت محل پر حملے کا حکم دے دیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ ملکہ روم شاہی قبرستان میں بڑی قبر کے چبوترے میں اترنے والی تھی کہ اسے محل کی طرف سے توپوں کے چلنے اور لوگوں کے ہلکے ہلکے شور و غل کی آوازیں سنائی دی تھیں۔

توپوں اور محل سے اٹھتے شور و غل کی ہلکی ہلکی آوازیں عنبر نے بھی سنیں اور ماریا نے بھی سنیں۔ عنبر اپالو دیوتا کے ٹیلے پر چبوترے پر بیٹھا یونہی اپنے مزے کے لیے اونگھ رہا تھا اور ماریا روم کے پرانے شہر کی ایک حویلی کے باہر بنے ہوئے چبوترے پر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ وہ دیر سے اسی طرح بیٹھی عنبر اور ناگ کے بارے

میں سوچ رہی تھی کہ خدا جانے وہ کہاں ہوں گے اور
ان کا یہ واپسی کا پانچ ہزار برس کا سفر کب ختم ہو گا۔
وہ جانتی تھی کہ وہ لوگ روم کے بادشاہوں کے زمانے
میں آ گئے ہیں اور اب پیچھے یونان اور بابل ونینوا کا
دور آئے گا اور پھر وہ اس پرانے زمانے سے گذر کر
قدیم مصر کے زمانے میں پہنچ جائیں گے اور ان کا واپسی کا
سفر ختم ہو جائے گا۔ کسی وقت اسے روم کے محل میں
لیٹی ملکہ کا خیال آ جاتا کہ اس پر دوبارا حملہ نہ کر دیا جائے
ماریا سوچنے لگی کہ اسے ملکہ کو اکیلی چھوڑ کر نہیں آنا چاہیے
تھا۔ وہ انہی خیالوں میں گم تھی اور صبح کی پھیکی پھیکی سفید
سی روشنی گلی کوچوں میں اترنے لگی تھی کہ اچانک محل
کی طرف سے توپوں کی دھائیں دھائیں اور شور وغل کی
آوازیں سنائی دیں۔

وہ چوکنی ہو گئی۔ ضرور محل میں کوئی گڑبڑ ہے۔ اچانک
اسے خیال آیا کہ ملکہ کی زندگی خطرے میں ہے۔ وہ شہر کی
گلیوں سے نکل کر محل کی طرف بھاگی۔ اب دن نکل آیا
تھا اور شہر کے لوگ مکانوں سے نکل کر محل کی طرف
اشارے کر رہے تھے جہاں سے توپوں کی آوازیں ابھی تک
آ رہی تھیں پھر توپوں کی آوازیں بند ہو گئیں اور رومی سپاہی

گھوڑوں پر سوار شہر میں آ گئے اور ہنٹر مار مار کر لوگوں کو
ان کے گھروں میں جانے کا حکم دینے لگے۔ ماریا کو نہ تو
وہ دیکھ سکتے تھے اور نہ اسے ان کا کوئی ہنٹر لگ سکتا
تھا۔ وہ بڑی تیزی سے محل میں پہنچ گئی۔ یہاں اب لڑائی
بند ہو چکی تھی۔ ملکہ کے وفادار سپاہی اپنی جانیں قربان کر
چکے تھے اور محل پر وزیر اور شاہی جرنیل کی فوجوں کا قبضہ
ہو چکا تھا۔ ماریا کو جلد معلوم ہو گیا کہ ملکہ محل سے فرار
ہو چکی ہے۔ اسے خوشی ہوئی کہ معصوم اور نوجوان ملکہ ان
ظالموں کے پنجے سے نکلنے میں کامیاب ہو گئی ہے۔

ماریا کو اب یہ سوال پریشان کرنے لگا کہ وہ کہاں چھپی
ہو گی اور کہیں پھر ان ظالموں کے ہتھے نہ چڑھ جائے۔
کیوں کہ اس نے محل میں آ کر دیکھ لیا تھا کہ ہر کوئی ملکہ
کی تلاش میں تھا اور سپاہیوں کے خاص دستے ملکہ کو
ڈھونڈنے کے لیے چاروں طرف روانہ کر دیئے گئے تھے۔
ملکہ بے گناہ تھی۔ وزیر اس کی جان کا دشمن تھا۔ ماریا ہر
حالت میں ملکہ کی جان بچانا چاہتی تھی۔ وہ سوچنے لگی
کہ ملکہ جان بچانے کے لیے کہاں گئی ہو گی۔ محل میں
وہ نہیں چھپ سکتی تھی۔ خفیہ تہہ خانوں میں وہ نہیں
چھپ سکتی تھی کیوں کہ محل کے خفیہ تہہ خانوں کا وزیروں

کو بھی علم ہوا کرتا ہے۔ ظاہر ہے وہ محل سے نکل کر رات کو فرار ہوئی ہو گی۔ اور ملکہ کو یہ بھی اچھی طرح سے معلوم ہو گا کہ وہ زیادہ دور نہیں جا سکے گی۔ ماریا اس نتیجے پر پہنچی کہ ہو نہ ہو ملکہ شہر سے باہر یا شہر میں کسی جگہ چھپی ہوئی ہو گی۔ ماریا نے سب سے پہلے ملکہ کو شہر میں تلاش کرنے کا فیصلہ کیا۔ کیوں کہ وہ شاہی محلوں کی سازشیں دیکھتی چلی آئی تھی اور خوب جانتی تھی کہ شہر میں بادشاہوں کے بعض ایسے وفادار ملازم رہا کرتے ہیں جو انہیں مصیبت کے وقت پناہ دیتے ہیں۔ اب سوال یہ تھا کہ شہر میں ملکہ کا وفادار غلام کون ہو سکتا ہے۔ ماریا جس حویلی کے چبوترے پر رات بھر پڑی رہی تھی وہ بڑی شاندار حویلی تھی۔ صاف لگتا تھا کہ وہ کسی شاہی ملازم کی حویلی ہے۔ ماریا نے سوچا کہ کیوں نہ اسی حویلی میں جا کر ملکہ کو دیکھا جائے۔ ہو سکتا ہے رات کو ملکہ کسی خفیہ راستے سے اس حویلی میں چلی آئی ہو۔ ماریا محل سے نکل کر حویلی کی طرف روانہ ہو گئی۔

دوسری طرف ملکہ روم شاہی قبرستان میں اپنے چچا کی قبر کے اندر تابوت کے پاس اسی طرح بیٹھی تھی۔ موت اسے سامنے دکھائی دے رہی تھی۔ اگرچہ اس نے تہہ خانے

کے دروازے کو جھاڑیوں سے ڈھانپ دیا تھا۔ پھر بھی اسے دھڑکا لگا کہ کسی بھی وقت باغی سپاہی اندر آ کر اسے گرفتار کر لیں گے اور وزیر کے حکم سے اسے سولی پر چڑھا دیا جائے گا۔ لیکن وہ ملکہ تھی۔ بادشاہ کی بیٹی تھی۔ اور اعلیٰ خاندان کے لوگ مصیبتوں میں گھبرایا نہیں کرتے اور اگر وقت آ جائے تو اپنی آن اور عزت پر جان بھی قربان کر دیتے ہیں۔ ملکہ سر جھکائے بیٹھی خدا کو یاد کر رہی تھی اور اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کر رکھا تھا کہ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔

دن کی روشنی روم شہر کے گلی کوچوں اور باغوں میں پھیل گئی تھی۔ محل کے سنہری برج اور سنگ مرمر کی دیواریں دھوپ میں دور سے چمکتی دکھائی دے رہی تھیں۔ شہر کی طرف سے اب شور و غل کی آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں۔

عنبر نے سوچا کہ چل کر ایک تو شہر کا حال معلوم کیا جائے دوسرے ماریا کا کھوج لگایا جائے۔ ہو سکتا ہے وہ بھی اسی شہر میں گھوم پھر رہی ہو۔

عنبر اپالو دیوتا کے چبوترے سے اتر کر ٹیلے کی کچی پگ ڈنڈی پر چل پڑا۔ یہ پگ ڈنڈی اسی شاہی قبرستان کے دروازے کے سامنے سے گزرتی تھی جس میں روم کی مفرور ملکہ چھپی ہوئی تھی۔ ابھی عنبر قبرستان کے نزدیک ہی پہنچا

تھا کہ اسے دور سے کچھ گھوڑ سوار آتے دکھائی دیئے۔
سمجھ گیا کہ رومی سپاہی اس کی تلاش میں نکلے ہیں۔ کیونکہ
وہ ایک غلام تھا اور پھانسی کے پھندے سے نکل بھاگا
تھا۔ عنبر نے سوچا کہ بھاگنے کی کیا ضرورت ہے جو ہو گا
دیکھا جائے گا۔ وہ کچے راستے سے ہٹ کر قبرستان کی دیوار
کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ اتنے میں گھوڑ سوار اس کے قریب
آ گئے۔ جو سپاہی سب سے آگے تھا اس نے گھوڑا روکا
اور عنبر کی طرف دیکھ کر کرخت آواز میں پوچھا:

"کیا تم نے کسی عورت کو ادھر سے بھاگ کر
جاتے دیکھا ہے؟"

عنبر نے جواب دیا:

"میں نے کسی عورت کو نہیں دیکھا۔"

"تم کون ہو۔ کہاں سے آ رہے ہو؟" گھوڑ سوار نے پوچھا

عنبر نے کہا:

"میں مسافر ہوں جڑی بوٹیوں کا کام کرتا ہوں۔ ان
کی تلاش میں ٹیلے میں گھوم رہا ہوں۔"

گھوڑ سوار نے سپاہیوں کو حکم دیا:

"اس پرانے قبرستان میں اسے تلاش کرو۔"

اور پانچوں سپاہی اپنے سردار سمیت گھوڑوں پر سوار
پرانے قبرستان کے دروازے میں داخل ہو گئے۔ عنبر نے
سوچا کہ یہ رومی سپاہی کس عورت کی تلاش میں ہو سکتے
ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب روم کے بادشاہ عیسائیوں پر
بڑے ظلم و ستم ڈھایا کرتے تھے۔ عنبر کو خیال آیا کہ ہو
سکتا ہے یہ کسی عیسائی راہبہ کی تلاش میں ہوں جو بیچاری
ان ظالموں سے جان بچائے کسی جگہ چھپی ہو۔ عنبر کے
دل میں اس عیسائی خاتون کے لیے جس کو ابھی اس
نے دیکھا بھی تھا بڑا رحم پیدا ہوا۔ اس نے فیصلہ کر لیا
کہ اگر عیسائی خاتون کو رومی سپاہیوں نے تلاش کر لیا
تو وہ خاتون کی مدد کرے گا اور ان ظالموں سے اسے
بچا لے گا۔ عنبر آگے جانے کی بجائے قبرستان کی ڈیوڑھی
میں آ کر تاریک اندھیری سیڑھیاں چڑھ کر ڈیوڑھی کی
چھت پر آ گیا۔ چھت پر دیوار کے ٹوٹے پھوٹے برج
پڑے تھے۔ عنبر ایک برج کے پیچھے چھپ کر رومی سپاہیوں
کو دیکھنے لگا جو اپنے گھوڑوں کے سموں سے قبرستان کی
قبروں کو لتاڑ رہے تھے۔ ان کی تلواریں ان کے لوہے
کے زرہ بکتر سے ٹکرا کر بج رہی تھیں۔ وہ عنبر کے خیال
کے مطابق عیسائی خاتون کو تلاش کر رہے تھے جو انہیں کہیں
دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔

سپاہیوں کے سردار نے ہاتھ بلند کر کے کہا:

"دریا کے پار والے جنگل کی طرف چلو۔ یہاں وہ کہیں نہیں ہے۔"

رومی سپاہی گھوڑے لیے اپنے سردار کے پیچھے پیچھے قبرستان کی ڈیوڑھی سے نکل کر دریا کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب سپاہی کافی دور چلے گئے تو عنبر چھت سے اتر آیا۔ وہ ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ ہو سکتا ہے عیسائی خاتون کسی دوسرے شہر کی طرف نکل گئی ہو اگر وہ قبرستان میں چھپی ہوتی تو سپاہی اسے ضرور تلاش کر لیتے۔

عنبر نے عیسائی خاتون کا خیال دل سے نکال دیا۔ وہ ماریا کی کھوج میں روم شہر میں ایک بار پھر جانا چاہتا تھا۔ اس کے وہاں پکڑے جانے کا بھی خطرہ تھا۔ مگر ماریا کا کھوج لگانا بھی بڑا ضروری تھا۔ یہ سوچ کر عنبر اٹھنے ہی لگا تھا کہ اس نے ایک جنگلی بھیڑیئے کو دیکھا کہ ایک جگہ سے جھاڑیاں پیچھے ہٹانے کی کوشش میں لگا ہے۔ وہ غرّا بھی رہا ہے۔

عنبر جانوروں اور درندوں کی خصلت سے خوب واقف تھا۔ فوراً سمجھ گیا کہ ان جھاڑیوں کے پیچھے یا تو کوئی انسان چھپا ہے یا کسی انسان کی تازہ لاش چھپائی گئی ہے۔

وہ جھاڑیوں کی طرف چلا۔ بھیڑیا عنبر کو دیکھ کر اس پر

جھپٹا۔ عنبر نے اسے ٹانگ سے پکڑ کر دو بار گھمایا اور پھر پوری طاقت سے اچھال دیا۔ بھیڑیا درختوں کے اوپر سے ہو کر قبرستان سے دور گھاٹی میں جا گرا۔

عنبر نے جھاڑیاں پیچھے ہٹائیں تو اسے یوں لگا کہ کسی نے جھاڑیوں کو اندر سے پکڑ کر پھر آگے کر دیا ہے۔

عنبر نے کہا:

"کیا تم بے گناہ عیسائی خاتون ہو؟"

ملکہ نے یہ جملہ سنا تو اسے کچھ حوصلہ ہوا کہ ایک تو رومی سپاہی باہر نہیں تھا اور دوسرے یہ کوئی عیسائیوں کا ہمدرد تھا۔

"میں عیسائی خاتون نہیں ہوں۔ مگر میں بے گناہ ہوں۔"

ملکہ یہ بھی کہہ سکتی تھی کہ ہاں میں بے گناہ عیسائی خاتون ہوں۔ مگر پیارے بچو! اعلیٰ خاندان اور بلند کردار کے لوگ جھوٹ نہیں بولا کرتے۔ اس لیے ملکہ نے سچ سچ کہہ دیا کہ وہ عیسائی خاتون نہیں ہے۔ عنبر نے جھاڑیاں پرے ہٹا دیں اور کہا:

"تم جو کوئی بھی ہو باہر آ جاؤ۔ جو سپاہی تمہاری تلاش میں آئے تھے جا چکے ہیں اور میں تمہارا ہمدرد ہوں۔"

ملکہ روم اگرچہ رات کے لباس میں محل سے بھاگی تھی اور اس نے چلتے چلتے نیلے رنگ کی چادر اوڑھ لی تھی۔ مگر ملکہ کی معمولی چادر بھی بڑی قیمتی اور خوبصورت تھی۔ اس کا رات کو پہنا جانے والا لباس بھی بڑا قیمتی تھا۔ شکل صورت اور لباس سے وہ اس پریشانی کی حالت میں بھی ملکہ یا شاہی خاندان کی خاتون لگتی تھی۔ وہ تابوت والے تہہ خانے سے باہر آ گئی۔ رات بھر جاگنے اور خوف سے اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ عنبر اسے دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ یہ کوئی معمولی عورت نہیں ہے۔ ملکہ نے بھی عنبر کو غور سے دیکھا۔ عنبر نے ملکہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے جھاڑیوں سے باہر نکالا۔ ملکہ نے قبرستان میں چاروں طرف دیکھا:

"کیا وہ چلے گئے؟"

"ہاں مگر رومی سپاہی تمہیں کیوں ڈھونڈ رہے تھے کیا تم نے کوئی جرم کیا ہے؟ مگر شکل صورت اور لباس سے تم بلند کردار کی عورت نظر آتی ہو۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم کون ہو؟"

ملکہ نے گہری نظروں سے عنبر کو دیکھا اور بولی:

"پہلے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور اگر میں تمہیں اپنا راز بتاؤں گی تو تم اسے کسی کو بتاؤ گے تو نہیں؟ کیوں کہ اس وقت مجھے ایک ہمدرد راز دار کی مدد کی ضرورت ہے۔"

عنبر نے کہا:

"اے خاتون! تمہارا راز میرے دل میں رہے گا اور مجھے اپنا ہمدرد سمجھو۔"

ملکہ روم نے کہا:

"تو پھر سنو۔ میں روم کی ملکہ ہوں۔"

عنبر بڑا حیران ہوا۔ اسے اتنا تو اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ کوئی اعلیٰ یا شاہی خاندان کی عورت ہے مگر یہ اسے کبھی خیال نہیں آیا تھا کہ وہ روم کی ملکہ ہو گی۔

○

خفیہ لفظ

ملکہ نے شروع سے آخر تک ساری داستان بیان کر دی۔

عنبر کو اب معلوم ہوا کہ رات کے پچھلے پہر محل کی جانب سے توپوں کے دھماکوں اور شور و غل کی آوازیں آئی تھیں ان کا مطلب کیا تھا۔ اس نے ملکہ کو حوصلہ دیا اور کہا کہ وہ ہر طرح سے اس کی مدد کرے گا۔ ملکہ نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا:

"تم بھی میری طرح سے بے بس و کمزور انسان ہو۔ اگر رومی سپاہیوں کی مجھ پر نظر پڑ گئی تو وہ میرے ساتھ تجھے بھی مار ڈالیں گے۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ میں بھی تمہاری طرح کا کمزور انسان ہوں مگر زندگی موت خدا کے ہاتھ میں ہے۔"

ملکہ بولی:

"اگر کسی طرح تم مجھے روم کی سرحد پار کرا دو تو میں ملک سمرنا نکل جاؤں گی جہاں میرے باپ کا خالہ زاد بھائی حکومت کرتا ہے۔"

عنبر نے کہا:

"میں تمہیں سرحد پار کرا دوں گا ملکہ! یہ میرا تم سے وعدہ رہا۔ مگر ابھی تمہیں اسی جگہ چھپے رہنا ہو گا۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم رات کے اندھیرے میں یہاں سے نکلیں تم یہیں ٹھہرو۔ میں تمہارے لیے شہر سے کچھ کھانے پینے کو لاتا ہوں اور شہر کا حال بھی معلوم کرتا ہوں۔"

عنبر نے ملکہ روم کو تابوت والے تہہ خانے میں چھوڑا تہہ خانے کے منہ کو جھاڑیوں اور پتھروں سے اس طرح ڈھانپ دیا کہ پھر کوئی بھیڑیا اس کے اندر داخل نہ ہو سکے اور خود خدا کا نام لے کر روم شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے پاس چند ایک رومی سکے باقی تھے۔ اسے اپنے پکڑے جانے کا بھی خطرہ تھا۔ مگر ملکہ بھوکی پیاسی تھی۔ اس کے لیے روٹی اور پانی لانا بھی ضروری تھا اور پھر ماریا کا بھی شہر جا کر کھوج لگانا تھا۔

عنبر نے چادر سر کے گرد لپیٹ کر آدھا چہرہ ڈھانپ لیا۔

شہر زیادہ دور نہیں تھا۔ شہر کے دروازے کھلے تھے
مگر ملکہ کے فرار کی وجہ سے شہر سے باہر نکلنے والے
اور شہر میں داخل ہونے والے ہر شخص کی پڑتال کی
جاتی تھی۔ عنبر کے لیے یہ ایک اور مصیبت تھی۔
یہاں وہ پکڑا جا سکتا تھا۔ مگر جانا بھی ضروری تھا۔ عنبر
نے خدا کا نام لیا اور شہر کے دروازے پر آ گیا۔
اس کے آگے آگے کچھ ایرانی مصری اور حبشی لوگ
سبزیاں دودھ اور اناج گدھوں پر لادے پڑتال کروانے
کے بعد شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ عنبر نے ایک
گدھے کے اوپر لدا ہوا ساگ کا گٹھا اٹھا کر اپنے سر
پر رکھ لیا۔ گدھے کے مالک کو کوئی خبر نہ ہوئی پہریدار
نے عنبر کو غور سے دیکھا۔ عنبر نے اپنے سر کی طرف
اشارہ کرتے ہوئے گونگوں کی طرح کہا:

"او غاں آؤ آؤ غاں غاؤں"!

رومن پہرے دار سمجھ گیا کہ غلام ہے اور کھیتوں
سے سبزیاں لا رہا ہے۔ اس نے عنبر کی گردن پر مکا
مار کر کہا:

"چلو اندر الو کی دُم"

اور عنبر شہر کے دروازے میں سے گذر کر شہر میں

داخل ہو گیا۔ سب سے پہلا کام اس نے یہ کیا کہ بھیڑ
میں اس شخص کو تلاش کیا جس کے گدھے پر سے اس
نے ساگ کا گٹھا اٹھایا تھا۔ گدھا عنبر کو نظر آ گیا۔ وہ لپک
کر وہاں گیا اور ساگ گدھے کے اوپر رکھ دیا۔ اب
گدھے کے مالک کی عنبر پر نگاہ پڑی۔

"یہ کیوں اٹھا رہے تھے" اس نے گرج کر کہا:

عنبر بولا:

"اٹھا نہیں رہا تھا۔ رکھ رہا تھا"

"تم نے ضرور اٹھایا ہو گا جو اسے رکھ رہے
تھے"۔ مالک بولا

عنبر نے کہا:

"نہیں بھائی! میں تو اٹھا کر دیکھ رہا تھا کہ کتنا
بھاری ہے۔ کیا لو گے اس ساگ کے گٹھے کا؟"

مالک کہنے لگا:

"چلو اپنا راستہ لو۔ آیا بڑا ساگ خریدنے والا۔ یہ
دکانداروں کے لیے ہے تمہارے لیے نہیں۔

عنبر نے مسکرا کر سلام کیا اور خوش ہوا کہ مصیبت سے
پیچھا چھوٹا۔ کیوں کہ اگر وہ شور مچا دیتا تو عنبر کو چوری
کے الزام میں فوراً پکڑ لیا جاتا۔ عنبر نانبائی کی دکان تلاش

کرنے لگا تا کہ ملکہ کے لیے نان گوشت اور پانی
کی چھاگل خریدے۔

ماریا بھی اسی شہر کے ایک محلے میں تھی۔ مگر کس
حالت میں تھی؟

ایسا ہوا کہ ماریا جب ملکہ کا کھوج لگانے کے لیے
اسی حویلی کے پاس آئی جس کے چبوترے پر وہ رات
بھر پڑی رہی تھی تو کیا دیکھتی ہے کہ اس کا تانبے کا
بڑا دروازہ بند ہے اور باہر ایک طرف دو عورتیں کھڑی
باتیں کر رہی ہیں۔ وہ بڑے راز داری کے انداز میں
باتیں کر رہی تھیں۔ ماریا ان کے قریب جا کر کھڑی ہو
گئی اور ان کی باتیں سننے لگی۔ ایک عورت دوسری عورت
سے کہہ رہی تھی۔

"کسی کو بتانا مت۔ سارا شہر یہی کہتا ہے کہ
ملکہ اسی حویلی میں اپنے وفادار بوڑھے غلام
کے پاس چھپی ہے۔"

دوسری عورت بولی:

"یہاں سے بھاگ چلو۔ رومن سپاہی کوئی دم میں
آتے ہی ہوں گے۔"

دونوں عورتیں ادھر اُدھر دیکھتی وہاں سے چلی گئیں۔

ماریا کو بہت حد تک یقین ہو گیا تھا کہ ملکہ اسی حویلی
میں چھپی ہوئی ہے۔ اسے دروازہ کھلوانے کی ضرورت نہیں
تھی۔ وہ تانبے کے بھاری بھرکم دروازے میں سے ایک
روح کی طرح گذر کر دوسری طرف نکل گئی۔ دوسری طرف
ایک لمبی ڈیوڑھی تھی۔ آگے چھوٹا سا صحن تھا جس میں
فوارہ چل رہا تھا۔ سنگ مرمر کے برآمدوں میں کچھ خشک
پتے بکھرے ہوئے۔ ایسا لگتا تھا کہ یہاں کبھی کسی نے
صفائی نہیں کی تھی۔ وہاں رہتا کوئی ضرور تھا۔ اگر حویلی
خالی ہوتی تو فوارہ بند ہوتا۔ ماریا ایک طرف سے سیڑھیاں
چڑھ کر دوسری منزل میں آ گئی۔ یہاں کئی کمرے بند
تھے جو کھلے تھے ان میں چیزیں پڑی تھیں مگر انسان کہیں
نظر نہیں آ رہا تھا۔ ماریا نے سوچا کہ ملکہ اگر اس حویلی
میں ہے تو اسے ضرور نیچے کسی تہہ خانے میں چھپایا گیا
ہو گا۔

یہ سوچ کر ماریا سیڑھیاں اتر کر صحن کے برآمدے میں
آ گئی اور تہہ خانے کو جانے والا راستہ تلاش کرنے
لگی۔ وہ برآمدے سے نکل کر دوسرے برآمدے کی طرف
جا رہی تھی کہ ایک بوڑھا آدمی ہاتھ میں روغنی روٹیوں
کا طشت لیے دالان میں سے نکلا اور سیڑھیاں اُتر گیا۔

ماریا نے سوچا کہ ہو نہ ہو یہ بوڑھا غلام ملکہ کے لیے
روٹی لے کر جا رہا ہے۔ وہ ضرور نیچے تہہ خانے میں
چھپی ہو گی۔ ماریا بھی سیڑھیوں کی طرف لپکی۔ بوڑھا غلام
غائب ہو چکا تھا۔ سیڑھیوں میں اوپر اوپر تو ان کی روشنی
تھی مگر نیچے جا کر اندھیرا ہو گیا تھا۔ مگر ماریا عنبر اور ناگ
تو اندھیرے میں بھی دیکھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ اندھیرے
میں بھی ماریا کو سیڑھیاں صاف تو نہیں مگر دھندلی دکھائی
دے رہی تھیں۔ وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے ایک بڑے دالان
میں آئی تو اسی بوڑھے آدمی کی ایک جھلک دکھائی دی۔
وہ ایک کوٹھڑی میں داخل ہو رہا تھا۔ ماریا بھی اس کے
پیچھے اندر چلی گئی۔

پہلے تو اسے اندھیرے میں کچھ نظر نہ آیا۔ پھر چیزیں
دھندلی دھندلی دکھائی دینے لگیں۔ یہ ایک گول کمرہ تھا۔
سامنے دیوار میں ایک طاق تھا جس کا ایک پٹ ابھی تک
کھلا تھا۔ ظاہر ہے بوڑھا غلام اسی طاق میں سے نکل کر
دوسری طرف گیا تھا۔ ماریا نے اندھیرے میں ایک خاص
چیز دیکھی کہ گول کمرے کی دیوار کے ساتھ ساتھ ایک
چھوٹی سی سرخ رنگ کی پٹی چلی گئی تھی جیسے چھوٹا سا
فٹ پاتھ ہوتا ہو۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ چھوٹا سا

فٹ پاتھ جو طاق تک چلا گیا ہے۔ کس لیے بنایا گیا ہے
جب کہ طاق تک فرش بھی خالی پڑا تھا اور انسان فرش
پر سے گزر کر بھی طاق تک جا سکتا تھا۔

ماریا نے فٹ پاتھ کی تو کوئی پروا نہ کی اور فرش پر
قدم رکھ کر آگے بڑھی۔ جونہی اس نے دوسرا قدم اٹھا کر
آگے رکھا فرش یوں بیٹھ گیا جیسے گھاس پھوس کا بنا ہوا
ہو اور ماریا فرش کے ساتھ ہی نیچے ہی نیچے گرتی چلی
گئی۔ وہ دو تین منزلیں نیچے نوکیلے پتھروں پر جا کر گر
پڑی۔ اگر اس کا جسم ہوتا تو پتھر کی نوکیں اس کے جسم کو
جگہ جگہ سے چھلنی کر چکی ہوتیں اور وہ ہرگز زندہ نہ
بچتی۔ مگر وہ روح تھی اور اپنے آپ کو بچا سکتی تھی۔ وہ
پتھروں پر سے اٹھی اور اندھیرے میں دیکھنے لگی۔ اس
نے دیکھا کہ وہ ایک گہرے کنوئیں میں پڑی ہے۔ کنوئیں
کی گول دیوار ایسے پتھر سے بنائی گئی تھی جس پر سے
پاؤں پھسل جاتے تھے۔ اوپر چڑھنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔
بس عنبر اور ماریا کی یہی ایک سب سے بڑی کمزوری تھی
کہ اگر وہ کسی گہرے کھڈ میں گرا دیئے جائیں تو ان کے
لیے از خود اوپر آنا مشکل تھا۔ ناگ تو سانپ بن کر یا
اڑ کر بھی باہر نکل سکتا تھا۔ ماریا ایک بار تو پریشان ہو گئی

کر ملکہ کو ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے وہ خود کس مصیبت میں
پھنس گئی۔

ماریا نے سوچا کہ یہ جال ضرور ملکہ کے دشمنوں
کے لیے پھیلایا گیا ہو گا۔ وہ تو ملکہ کی دشمن نہیں ہے۔
اسے چاہیے کہ آوازیں دے۔ شاید بوڑھا غلام اس کی مدد
کو آ جائے۔

ماریا نے زور سے آواز دی۔

"کوئی ہے۔ مجھے اس کنوئیں سے نکالو۔ کوئی
ہے۔ میں تم لوگوں کی دوست ہوں۔"

اس کنوئیں میں ایسا حساب رکھا گیا تھا کہ آواز کی لرزش
سے کنوئیں کی ایک پتھر کی سل اپنے آپ پرے ہٹ جاتی
تھی۔ ماریا نے آواز دی تو اس کی آواز کی لرزش سے ایک
جگہ سے پتھر کی سل ہلکی سی گڑگڑاہٹ کے ساتھ اپنے آپ
پرے ہٹ گئی۔ پتھر کے ہٹتے ہی ماریا کو اندر سے پانی
کی شپ شپاہٹ کی آواز سنائی دی۔ جیسے کوئی شے اندھیرے
میں پانی سے باہر نکل رہی ہو۔ ماریا غور سے دیکھنے لگی۔
چوکور سوراخ میں سے ایک بھیانک منہ والے تیندوے کے
کتنے ہی بازو باہر نکل کر اپنے شکار کو ڈھونڈنے لگے۔
لمبے لمبے نوکیلے بازو کنوئیں کے اندر ماریا کے اردگرد لہرا

رہے تھے اور تیندوے کے منہ سے خوفناک سسکاریں نکل
رہی تھیں خدا جانے وہ کب سے بھوکا تھا۔ مگر ماریا اس
کی پکڑ میں نہیں آ رہی تھی۔ کیونکہ ماریا کا کوئی جسم نہیں
تھا۔ ماریا تو پریشان تھی ہی مگر تیندوا اس سے زیادہ پریشان
ہو رہا تھا۔ کیوں کہ اسے انسانی خون کی بُو صاف آ
رہی تھی مگر وہاں کوئی انسان اسے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اب ایک اور مصیبت شروع ہو گئی۔ تیندوے کے
جسم سے ایک خاص قسم کی بُو نکل رہی تھی جس سے ماریا
کو سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔ تیندوا بڑے زور
زور سے بازو چلا رہا تھا۔ اور پھنکاریں مار رہا تھا۔ اس
کے منہ سے بھی وہی تیز بُو نکل رہی تھی۔ ماریا کو اپنا سانس
رُکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس نے تیندوے کو پیچھے دھکیلنے
کی کوشش کی مگر تیندوے کی تیز بُو نے ماریا کے ہاتھوں
سے طاقت چھین لی تھی۔ اس کے بازو نرم پڑنے گئے۔
اس کا سر گھومنے لگا اور وہ بے ہوش ہو کر کنوئیں میں
گر گئی۔ تیندوا کچھ دیر ہوا میں ہاتھ پاؤں مار کر اپنے شکار
کو تلاش کرتا رہا جب وہ ناامید ہو گیا تو واپس سوراخ
میں سے پانی میں ڈبکی لگا گیا۔

عین اس وقت کنوئیں کے اوپر گول کمرے کی دیوار

کے ساتھ ساتھ بنے ہوئے چھوٹے سے فٹ پاتھ پر وہی
بوڑھا غلام اور ایک بوڑھی عورت نمودار ہوئے۔ انہوں نے
جھک کر نیچے کنوئیں میں دیکھا۔

عورت نے کہا:

"کوئی آواز نہیں آ رہی۔"

بوڑھا بولا:

"وزیر کا کوئی سپاہی جاسوس تھا۔ ملکہ کی تلاش میں
آیا ہو گا۔ دیوتا ہماری ملکہ کو سلامت رکھے۔ ان
کا دشمن کنوئیں میں گر کر تیندوے کا لقمہ بن گیا
خدا جانے ہماری ملکہ کہاں ہو گی، کس حال میں
ہو گی۔"

بوڑھی عورت بولی:

"آؤ یہاں پھر سے گھاس پھوس کا فرش ڈال دیں۔"

بوڑھے نے کہا:

"رات کو دیکھا جائے گا۔ ہمیں دن کے وقت چوکس
رہنا ہو گا۔ ہو سکتا ہے وزیر کے کچھ اور سپاہی
ادھر آ نکلیں۔"

عورت نے کہا:

"پھر تو ہمیں یہاں گھاس کا فرش ضرور ڈالنا چاہیے۔"

بوڑھا کہنے لگا:

"دن کے وقت ہم فرش تیار نہیں کر سکتے۔ آؤ
میرے ساتھ۔ ہمیں خفیہ برج میں بیٹھ کر باہر نظر
رکھنی ہو گی۔"

وہ دونوں چلے گئے۔ ماریا کنوئیں میں بے ہوش پڑی
تھی۔ اس نے اس بوڑھے غلام اور اس کی بیوی کی باتیں
نہیں سنی تھیں۔

ٹھیک اس وقت عنبر اسی شہر روم کے ایک بازار
میں ایک دکان پر سے نان خرید رہا تھا۔ اس نے دو
نان اور خشک گوشت اور پانی کی ایک چھاگل خریدی اور
واپس شاہی قبرستان والے ٹیلے کی طرف روانہ ہو گیا۔ دوپہر
ہونے والی تھی جب وہ ٹیلے پر پہنچا۔ دھوپ خوب نکلی
ہوئی تھی مگر گرمی زیادہ نہیں تھی اور ہلکی ہلکی خنک ہوا
چل رہی تھی۔ عنبر نے شہر کے بازاروں اور گلی کوچوں میں
جگہ جگہ لمبے لمبے سانس لے کر ماریا کی خوشبو سونگھنے کی
بھی کوشش کی تھی مگر اسے اس کی بُو کہیں محسوس نہیں
ہوئی تھی۔ عنبر کو کچھ یقین سا ہو چلا تھا کہ ماریا روم کے
شہر میں نہیں ہے۔ اس کا خیال اب یہ تھا کہ ملکہ کو
ملک سمرنا میں سرحد پار اس کے رشتے دار بادشاہ کے

حوالے کر کے خود ماریا اور ناگ کی تلاش میں ملک دمشق
یا مصر کی طرف نکل جائے۔

ٹیلے پر خاموشی تھی۔ دھوپ میں چبوترے پر بنا ہوا
اپالو دیوتا کا سنگِ مرمر کا بت چمک رہا تھا۔ قبرستان کے
دروازے پر لٹکی ہوئی سرخ پھولوں والی بیلیں ہلکی ہلکی
ہوا میں جھول رہی تھیں۔ عنبر تیز تیز قدموں سے قبرستان
کے احاطے میں داخل ہو گیا۔ کیوں کہ اسے اس بات کی
بڑی فکر تھی کہ ملکہ نے صبح سے کچھ کھایا پیا نہیں۔ وہ
چبوترے کے پاس آ کر رُک گیا۔ اس نے چاروں طرف
دیکھ کر اطمینان کر لیا کہ کوئی اسے دیکھ تو نہیں رہا پھر
جھاڑیاں ہٹانے کے لیے نیچے جھکا تو اس کا دل دھک
سے رہ گیا۔ جھاڑیاں پہلے ہی ایک طرف ہٹی ہوئی تھیں
ایسا لگتا تھا کہ کسی نے انہیں اکھاڑ کر پرے پھینک
دیا ہے۔

عنبر نے آواز دی:

"ملکہ سلامت!"

کوئی جواب نہ آیا۔ عنبر پریشان ہو کر تہہ خانے میں
داخل ہوا۔ تابوت ویران تہہ خانے میں اکیلا پڑا تھا۔
ملکہ غائب تھا۔ عنبر نے نان اور چھاگل وہیں رکھی اور

جلدی سے باہر آ گیا۔ اب اسے جگہ جگہ گھوڑے کے سُموں
کے نشان دکھائی دیئے۔ سمجھ گیا کہ رومن سپاہی ملکہ کو
گرفتار کر کے لے گئے ہیں۔ پہلے تو اسے بڑا صدمہ ہوا
پھر اسے وزیر پر سخت غصّہ آیا کہ جب تخت پر اس
نے قبضہ کر لیا ہے۔ تو پھر ملکہ کو گرفتار کرنے کی کیا ضرورت
تھی۔ مگر اس زمانے میں جب بھی بغاوت ہوتی تھی تو ملکہ
یا بادشاہ کو پکڑ کر ضرور مار دیا کرتے تھے تاکہ رعایا ان
کو زندہ دیکھ کر ان کی حمایت میں بغاوت نہ کر دے۔ تاریخ
میں بھی کیا کیا ظلم ہوئے ہیں۔ اسی لیے ایک دانا آدمی نے
کہا تھا کہ تاریخ سے سبق سیکھو۔

عنبر ملکہ کے چچا کی قبر کے چبوترے پر بیٹھ کر سوچنے لگا
کہ اب وہ کیا کرے۔ ایک خیال اسے آیا کہ یہاں سے
ملک دمشق یا مصر کی طرف ماریا اور ناگ کی تلاش میں
نکل جائے۔ پھر اسے خیال آیا کہ اس نے تو روم کی ملکہ
سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کی مدد کرے گا اور اسے اپنی
حفاظت میں سمرنا کے ملک میں پہنچائے گا۔ اب اس
کا فرض بنتا تھا کہ وہ ملکہ کی جان بچا کر اسے روم کی سرحد
پار کرائے اور زندہ سلامت ملک سمرنا پہنچائے۔ یہ سوچ کر
عنبر قبرستان سے باہر نکل آیا۔ اس کا دماغ یہ غور کرنے لگا

کر ملکہ کو رومن سپاہی کہاں لے گئے ہوں گے۔ ضرور وہ
اسے شاہی محل کے قلعے میں لے گئے ہوں گے اور وہیں
اسے ہلاک کر دیا جائے گا اور پھر اس کا سر کاٹ کر شہر
کے دروازے میں لٹکا دیں گے تا کہ رعایا کو معلوم ہو جائے
کہ ملکہ زندہ نہیں رہی۔ عنبر کو سخت غصہ آیا اور اس نے
فیصلہ کر لیا کہ وہ ہر حالت میں ملکہ کو مرنے سے بچائے گا
اور ظالموں کے پنجے سے نکال کر اسے اس کے رشتے دار
بادشاہ کے پاس سمرنا پہنچا دے گا۔ وہ تیز تیز قدموں سے
محل کی طرف چلنے لگا۔ آسمان پر خدا جانے کہاں سے
بادل جمع ہونے شروع ہو گئے۔

عنبر نے دیکھا کہ ایک درخت کے نیچے چرواہا بیٹھا روٹی
کھا رہا ہے۔ عنبر اس کے پاس آ گیا۔ اس نے چرواہے سے
پوچھا کہ کیا اس نے وہاں سے گھوڑ سوار سپاہیوں کو گذرتے
دیکھا ہے۔

چرواہے نے کہا:

"ہاں تھوڑی دیر ہوئی رومن سپاہیوں کا ایک دستہ
ادھر سے گذرا تھا۔"

عنبر نے پوچھا:

"کیا ان کے ساتھ کوئی نیلی ریشمی چادر والی عورت

چرواہا بولا:

"نہیں — عورت تو کوئی نہیں تھی مگر میں نے
ایک سپاہی کے گھوڑے پر بہت بڑی گٹھڑی پڑی
دیکھی تھی۔"

عنبر سمجھ گیا کہ وہی ملکہ ہو گی۔ اس نے چرواہے کا شکریہ
ادا کیا اور محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ چل بھی رہا تھا
اور سوچ بھی رہا تھا کہ شاہی محل میں کس طرح داخل
ہو۔ ظاہر ہے کہ اس لباس میں اسے کوئی محل کے قریب
بھی نہیں پھٹکنے دے گا۔ وہ خواہ کتنا ہی طاقت ور ہے۔ وہ
خواہ لوگوں کو مارنا شروع کر دے مگر اتنی دیر میں وزیر ملکہ کو
قتل کروا دے گا۔ اس لیے ضرورت طاقت کی نہیں بلکہ عقل
کی تھی۔ عنبر کوئی ایسی تدبیر سوچنا چاہتا تھا کہ سانپ بھی
مر جائے اور لاٹھی بھی سلامت رہے۔ ترکیبیں اس کے
دماغ میں کئی آ رہی تھیں مگر وقت بہت کم تھا اور ملکہ
کی زندگی داؤ پر لگی تھی۔ ترکیبیں لمبی لمبی تھیں۔ ان کے
لیے اتنا وقت نہیں تھا۔ کیوں کہ ملکہ کو کسی وقت بھی ہلاک
کیا جا سکتا تھا۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ جتنی جلدی
ہو سکے محل میں داخل ہو کر بڑی دانائی کے ساتھ ملکہ کی
جان بچائی جائے۔

عنبر شہر کی دیوار کی اس طرف آ گیا جدھر شاہی محل اور
قلعہ تھا۔ یہاں کھائی پر کوئی پل نہیں تھا۔ ایک شاہی پل
تھا جو اوپر اٹھا ہوا تھا اور صرف اسی وقت گرایا جاتا
تھا جب شاہی سواری محل میں داخل ہوتی یا محل سے باہر
جاتی۔ عنبر اس پانی سے بھری ہوئی کھائی کے پاس جھاڑیوں
میں چھپ کر بیٹھ گیا اور غور کرنے لگا کہ محل میں کس طرف
سے داخل ہو۔ اتنے میں اسے اپنے پیچھے گھوڑوں کے
ہنہنانے اور ان کی ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیں۔ عنبر نے
پیچھے گھوم کر دیکھا۔ شاہی سواری آ رہی تھی۔ یہ وزیر یا
کسی ملکہ کی سواری نہیں تھی بلکہ محل کے امیروں اور وزیر
کی رشتے دار عورتیں تھیں جو ڈھکی ہوئی شاندار گاڑیوں میں
آ رہی تھیں۔ ہر گاڑی کے آگے چار چار گھوڑے جُتے
ہوئے تھے۔ آگے آگے پہرے دار سپاہی تھے۔ پیچھے بھی حفاظت
کرنے والے سپاہی گھوڑوں پر سوار چلے آ رہے تھے۔

عنبر کے دماغ نے ایک ترکیب سوچ لی تھی۔

شہر کے اس محل اور قلعے والے دروازے کے پہریداروں
نے شاہی سواری کو دور سے آتا دیکھ کر لکڑی کے پل کو
آہستہ آہستہ پانی سے بھری ہوئی کھائی کے اوپر گرانا شروع
کر دیا تھا۔ عنبر کی تیز آنکھوں نے ایک رومن گھوڑ سوار

سپاہی کو تاک لیا تھا جو شاہی قافلے سے ہٹ کر آگے
آگے جھاڑیوں کی طرف سے ہوتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ یہ شاہی
گارڈ تھا جس کا کام یہ دیکھنا تھا کہ شاہی سواری کو نقصان
پہنچانے کے لیے کوئی دشمن ادھر اُدھر جھاڑیوں میں تو
نہیں چھپا ہوا۔ عنبر اس شکار کے انتظار میں تھا۔ یہی
رومن سپاہی اس کی ترکیب تھی اور یہی اس کا شکار تھا
گھوڑ سوار آہستہ آہستہ ان جھاڑیوں کی طرف آ رہا تھا جہاں
عنبر چھپا ہوا تھا۔ شاہی سواری ابھی پیچھے تھی۔

گارڈ گھوڑ سوار عنبر کے بالکل قریب آ گیا۔ اسے
اس کے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز بالکل صاف سنائی
دینے لگی۔ آسمان پر اس وقت تک گہرے بادل چھا گئے
تھے۔ اور دھوپ غائب ہو چکی تھی۔ جونہی یہ گھوڑ سوار
عنبر کے قریب سے گذرا عنبر نے ایک چالاک چیتے کی
طرح اچھل کر گھوڑ سوار کو نیچے کھینچ لیا اور اس کی گردن
پر ایسا مکّا مارا کہ وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ یہ کام پلک
جھپکنے میں ہو گیا تھا۔ عنبر نے اسی تیزی سے گھوڑ سوار
کی وردی پہن کر سر پر رومن خود رکھا اور گھوڑے پر
بیٹھ کر جھاڑیوں میں یوں دیکھتا جیسے کسی دشمن کا کھوج لگا
رہا ہو پل کی طرف آ گیا۔

قلعے کا لکڑی کا پل اب کھائی کے اوپر آ کر ٹک
گیا تھا۔ شاہی سواری پیچھے پیچھے چلی آ رہی تھی۔ عنبر
آگے آگے گھوڑا دوڑاتے پل پر سے گذر کر شہر کے
قلعے والے دروازے کی ڈیوڑھی میں آ گیا۔ ایک رومن
پہرے دار نے عنبر سے پوچھا:

"سب ٹھیک ہے؟"

عنبر نے رومن انداز میں ہاتھ سینے پر رکھ کر کہا:

"بالکل ٹھیک ہے۔"

شاہی سواری پیچھے آ رہی تھی۔ عنبر کو اب اس سے
کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ گھوڑے پر سوار شاہی قلعے
میں داخل ہو گیا۔ یہاں اس نے گھوڑے کو ایک طرف
باندھا اور پتھر کی سیڑھیاں چڑھ کر قلعے کی دوسری منزل
پر آ گیا۔ یہاں جگہ جگہ پہرہ لگا تھا۔ چونکہ وہ خود رومن
سپاہی کی وردی میں تھا اس لیے اس پر کسی کو شک
نہیں ہو رہا تھا۔ عنبر کو اب صرف ایک ہی بات کی
کھوج تھی کہ ملکہ زندہ ہے کہ قتل کر دی گئی ہے اور
اگر وہ زندہ ہے تو کہاں پر ہے۔ یہ بات وہ کسی رومن
سپاہی ہی سے معلوم کر سکتا تھا۔ وہ قلعے کے اوپر والے
تختے پر آ گیا۔ یہاں کچھ سپاہی دیوار پر کھڑے پہرہ دے
رہے تھے۔ شاہی سواری قلعے میں داخل ہو چکی تھی اور
لکڑی کا پل دوبارا اوپر اٹھا لیا گیا تھا۔ عنبر نے ایک
سپاہی کو دیکھا۔ وہ دیوار سے نیچے جھانک رہا تھا۔ عنبر اس
کے پاس چلا گیا۔ خاص رومن انداز میں اس نے سپاہی کو
سلام کیا اور مسکرا کر کہا:

"نیچے دیکھنے کی ضرورت نہیں دوست! ہمارے
دشمن ختم کر دیئے گئے ہیں۔ اب کوئی آنکھ اٹھا کر
بھی رومن سلطنت کی طرف نہیں دیکھ سکتا۔"

سپاہی مسکرایا۔ کہنے لگا:

"دوست! جب تک ملکہ زندہ ہے ہمیں خوش نہیں
ہونا چاہیے کیونکہ رعایا ملکہ سے محبت کرتی ہے۔"

عنبر نے نفرت سے کہا:

"آخر ملکہ کو کس لیے زندہ رکھا گیا ہے۔ اسے قتل
کر کے اس کا سر شہر کے دروازے پر کیوں نہیں
لٹکا دیا جاتا؟"

سپاہی نے تعجب سے عنبر کی طرف دیکھا اور بولا:

"تم کیسے رومن سپاہی ہو۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ آج
دیوی ڈیانا کا یوم تشکرانہ ہے اور اس روز کسی کا
خون نہیں بہایا جاتا۔ ملکہ کو کل صبح سویرے پھانسی پر

چڑھا دیا جائے گا۔"

عنبر کچھ پریشان ہوا پھر جلدی سے سنبھل گیا اور کہنے لگا:

"یہی تو میں بھی کہہ رہا تھا کہ کاش دیوی ڈیانا کا یوم تشکرانہ ایک دن بعد آتا تاکہ ہم ملکہ کا کام تمام کر سکتے۔"

رومن سپاہی نے سانس بھر کر کہا:

"مجبوری ہے۔ دیوی ڈیانا کے یوم تشکرانہ کا احترام بڑا ضروری ہے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ کل صبح ملکہ زندہ نہیں ہو گی۔

عنبر نے کہا:

"لیکن ہمیں ملکہ پر سخت پہرہ لگانا ہو گا۔ اسے کسی ایسی جگہ قید میں رکھنا ہو گا کہ کوئی چڑیا پَر نہ مار سکے کیوں کہ شہر کے لوگ اسے بچا کر لے جانے کی بہت کوشش کریں گے۔"

رومن سپاہی قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ اس نے غور سے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا:

"مجھے ایسا لگتا ہے کہ تم رومن سپاہی نہیں ہو۔"

عنبر ذرا گھبرا گیا۔ مگر فوراً کڑک کر بولا:

"تم نے میرے رومن ہونے پر شک کیا ہے۔ میں تمہیں میدان میں آ کر جنگ کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔"

یہ رومن سپاہیوں کا خاص انداز ہوا کرتا تھا۔ سپاہی بڑا خوش ہوا۔ کہنے لگا:

"دوست! میں جانتا ہوں تم اصل رومن سپاہی ہو مگر کیا تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ ملکہ کو اس قلعے کے سب سے نچلے تہہ خانے میں چھپا کر قید کیا گیا ہے۔"

عنبر بولا:

"جانتا ہوں۔ پھر بھی سوچا کہیں ملکہ فرار نہ ہو جائے۔"

رومن سپاہی نے کہا:

"وہ اب مرنے کے بعد ہی فرار ہو سکے گی۔"

اتنے میں دوسری طرف سے گارڈ کیپٹن کی آواز گونجی:

"باتیں بند کرو۔ پہرہ دو۔"

رومن سپاہی اور عنبر نے سلیوٹ کیا اور اپنے اپنے پہروں پر چلے گئے۔ عنبر کے پاس تو کوئی پہرے کی ڈیوٹی نہیں تھی۔ وہ تو یونہی ادھر اُدھر گھوم رہا تھا کہ پتہ کرے ملکہ کہاں پر قید ہے۔ اب اسے پتہ چل گیا تھا۔ چنانچہ وہ کسی نہ کسی طرح قلعے کے سب سے نچلے تہہ خانے میں پہنچنا چاہتا تھا۔ یہ قلعے کی چھت تھی۔ کونے میں ایک طرف سے سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں۔ عنبر ادھر کو چلا گیا۔ وہ سیڑھیاں اتر کر قلعے کی پہلی منزل پر پہنچ گیا۔ یہاں سے پھر سیڑھیاں

نیچے جاتی تھیں۔ ان سیڑھیوں کو اترنے کے بعد ایک چوڑا
سا دالان آ گیا جس کی چھت زیادہ اونچی نہیں تھی۔ یہاں
پہرہ لگا تھا۔ ایک سپاہی نے عنبر سے پوچھا کہ وہ وہاں
کیا کر رہا ہے۔

عنبر نے غصے میں جواب دیا:
"کیا تم نہیں جانتے کہ میں شاہی گارڈ کا افسر ہوں۔
میں یہ دیکھنے آیا ہوں کہ تم لوگ پہرہ دے رہے
ہو کہ مچھر اڑا رہے ہو؟"

رومن سپاہی گھبرا گیا۔ جلدی سے بولا:
"نہیں جناب ہم تو پہرہ دے رہے ہیں۔"

عنبر نے گرج کر کہا:
"بکواس بند کرو اور اپنی ڈیوٹی ادا کرو۔"

رومن سپاہی نے سیلوٹ مارا اور تیزی سے ایک طرف
جا کر پہرے پر کھڑا ہو گیا۔ عنبر نے دیکھا کہ وہاں کل چار
سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ سامنے ایک راستہ نیچے کو
جاتا تھا۔ اس جگہ دو سپاہی آمنے سامنے کھڑے پہرہ دے
رہے تھے۔ عنبر سمجھ گیا کہ یہی راستہ اس تہہ خانے کو جاتا
ہے جہاں ملکہ قید ہے اور موت کا انتظار کر رہی ہے
چاروں کو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ شخص شاہی گارڈ کا سپاہی

ہے اور پہرے کا معائنہ کرنے وہاں آیا ہے۔ اس لیے
وہ بڑے چاق و چوبند ہو کر اپنی ڈیوٹی پر کھڑے تھے
عنبر نیچے جاتے راستے کے دروازے پر آ کر بولا:
"تم میں سے ایک میرے ساتھ نیچے آئے میں قیدی
ملکہ کا معائنہ کرنا چاہتا ہوں۔"

فوراً ہی ایک سپاہی عنبر کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ سیڑھیاں
نیچے ایک بند دروازے تک چلی گئی تھیں۔ سپاہی نے آگے
بڑھ کر دروازے کا تالا کھول دیا۔ عنبر نے کہا:
"میرے ساتھ آؤ۔"

عنبر سپاہی کو لے کر کوٹھڑی میں داخل ہو گیا۔ دیوار کے
طاق میں موم بتی روشن تھی۔ اس کی روشنی ملکہ پر پڑ رہی تھی۔
جو خدا کے حضور سر جھکائے دعا مانگ رہی تھی۔ اندر داخل
ہوتے ہی عنبر نے سپاہی کی گردن پر ایک ہلکا سا ہاتھ مارا۔ یہ
ہلکا سا ہاتھ اتنا زور دار تھا کہ رومن سپاہی کی گردن ٹیڑھی ہو
گئی اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اب ملکہ نے سر اٹھا کر
اپنے سامنے رومن گارڈ کو دیکھا تو بولی:
"کیا میری موت کا وقت آ گیا ہے؟"
عنبر نے سر سے تانبے کا ٹوپ اتار کر کہا:
"ملکہ سلامت آپ کی زندگی خدا کے ہاتھ میں ہے۔"

ملکہ نے فوراً عنبر کو پہچان لیا:

"تم آگئے۔ خدا کا شکر ہے۔"

پھر اداس ہو کر بولی:

"مگر تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ اب یہ لوگ تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

عنبر نے کہا:

"آپ فکر نہ کریں اور میرے ساتھ آئیں۔"

عنبر ملکہ کو ساتھ لے کر کوٹھڑی سے نکل کر سیڑھیوں میں آگیا۔ اس نے ملکہ کو ایک جانب دیوار کے ساتھ کیا اور خود اوپر آواز دے کر دوسرے سپاہیوں کو بلایا۔ اور تین سپاہی باقی رہ گئے تھے۔ تینوں اپنے افسر کی آواز سن کر جلدی سے نیچے آگئے۔

عنبر نے کڑک کر کہا:

"ملکہ کہاں ہے الو کے پٹھو! کوٹھڑی خالی ہے۔"

سپاہیوں کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ وہ جلدی سے کوٹھڑی میں گھس گئے۔ اس کے ساتھ ہی عنبر نے دروازہ بند کر کے باہر تالا لگا دیا۔ اور ملکہ کو ساتھ لے کر اوپر دالان میں آگیا۔ یہاں سے انہیں قلعے کی چھت پر جانا تھا اور پھر وہاں سے نیچے اتر کر قلعے سے فرار ہونا تھا۔ رات گزر رہی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ اگر کسی کو ملکہ کے فرار کا علم ہو گیا تو سارے قلعے میں ایک دم شور مچ جائے گا اور ملکہ کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ وہ بڑی ہوشیاری اور عقل مندی سے ملکہ کو وہاں سے نکال کر لے جانا چاہتا تھا۔ اس نے قلعے کی چھت پر آکر دیکھا کہ قلعے کی فصیل کے اوپر دو سپاہی چل پھر کر پہرہ دے رہے تھے۔ عنبر کو صرف ایک فائدہ حاصل تھا کہ وہ دشمن سپاہی کی وردی میں تھا۔ اس نے ملکہ کو اسی جگہ ٹھہرنے کو کہا اور خود باہر نکل کر ان سپاہیوں کے پاس آگیا۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ وہ ان سے باتیں کر کے گیا تھا۔ وقت گزرتا جا رہا تھا۔ عنبر نے سپاہیوں کی طرف دیکھ کر نیچے جاتی سیڑھیوں کی اشارہ کر کے کہا:

"نیچے پہرے دار تم دونوں کو بلا رہے ہیں۔"

ایک سپاہی بولا:

"کیا ان کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ہم نیچے چلے گئے تو یہاں ان کا باپ پہرہ دے گا۔"

عنبر نے کہا:

"یہاں میں ان کا باپ پہرہ دوں گا۔ نیچے کوئی گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔"

دوسرا سپاہی عنبر کے پاس آگیا اور عنبر کی آنکھوں میں

آنکھیں ڈال کر بولا:

"مجھے تم کوئی جاسوس معلوم ہوتے ہو۔ بتاؤ آج رات کا خفیہ لفظ کیا ہے؟"

عنبر کو خفیہ لفظ بالکل معلوم نہیں تھا۔ اب اس نے حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کہنے لگا:

"خفیہ لفظ تمہارا باپ ہے۔"

اس سے پہلے کہ سپاہی تلوار نکالتا۔ عنبر نے اس کے سر پر ایک بھرپور ہاتھ مارا۔ وہ لڑکھڑا کر ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھ سکا۔ دوسرا سپاہی تلوار نکال کر عنبر کی طرف لپکا۔ عنبر ذرا ایک طرف کو ہو گیا۔ سپاہی کی تلوار عنبر کے کندھے پر پڑی تلوار ٹوٹ گئی۔ عنبر نے سپاہی کو حیران ہونے کا موقع ہی نہ دیا۔ بس اس کے سر پر اپنے سر سے ایسی "ٹکر" ماری کہ وہ چکرا کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ عنبر سیڑھیوں کی طرف بھاگا۔ ملکہ دیوار کے ساتھ لگی۔ یہ سارا تماشا دیکھ رہی تھی۔ وہ حیران تھی کہ عنبر کے کندھے سے ٹکرا کر تلوار کیسے ٹوٹ گئی۔

عنبر نے کہا:

"جلدی سے میرے ساتھ آؤ۔"

ملکہ قلعے کے خفیہ دروازوں کو جانتی تھی۔ یہ خفیہ دروازہ گھوڑوں کے اصطبل میں سے ہو کر گذرتا تھا۔ انہیں دیکھ کر

گھوڑے زور سے ہنہنائے۔ ان کی آواز پر وہاں پہرہ دیتے رومن سپاہی چوکنے ہو گئے اور اصطبل کی طرف آئے۔ مگر ملکہ عنبر کو لے کر خفیہ راستے سے ہو کر قلعے کی اونچی دیوار کی دوسری جانب نکل چکی تھی۔ اس خفیہ راستے کا سپاہیوں کو بھی علم نہیں تھا۔ وہ تھوڑی دیر اصطبل میں ادھر اُدھر دیکھ کر واپس چلے گئے۔

عنبر اور ملکہ روم رات کے اندھیرے میں قلعے کے اردگرد جاتی پانی سے لبالب بھری ہوئی کھائی کے کنارے کھڑے تھے۔ ایک تو انہوں نے کھائی پار کرنی تھی دوسرے انہیں گھوڑوں کی ضرورت تھی۔ جن پر سوار ہو کر وہ روم شہر سے صبح ہونے تک جتنی دور ہو سکے نکل سکیں۔ عنبر نے ملکہ سے کہا کہ وہ ایک طرف جھاڑیوں میں چھپ کر اس کا انتظار کرے۔

ملکہ نے کہا:

"یہاں زیادہ دیر ٹھہرنا مناسب نہیں۔ میرے بھاگ نکلنے کا راز کسی وقت بھی نکل سکتا ہے۔"

عنبر کہنے لگا:

"ملکہ سلامت! میں جانتا ہوں۔ مگر تمہارا کچھ دیر یہاں انتظار کرنا ضروری ہے۔ میں ابھی کچھ انتظام کر کے

آتا ہوں۔"

مگر جھاڑیوں میں چھپ گئی۔ عنبر کھائی کے ساتھ ساتھ چل پڑا۔ چونکہ وہ سپاہیوں کی وردی میں تھا اس لیے اسے یہ آسانی تھی کہ وہ بے خوفی سے چل پھر سکتا تھا۔ وہ کوئی ایسی جگہ تلاش کر رہا تھا جہاں سے پانی سے بھری ہوئی کھائی عبور کی جا سکے۔ اچانک اس کی نظر ایک چھوٹی سی کشتی پر پڑی جو کنارے کی جھاڑیوں میں چھپا کر رکھی ہوئی تھی۔ عنبر نے کشتی کو باہر کھینچا تو اچانک کسی نے گرج دار آواز میں کہا:

"کیا کر رہے ہو اے رومن سپاہی۔"

عنبر نے پلٹ کر اندھیرے میں دیکھا۔ قریب ہی دیوار کے ساتھ ایک سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ وہ دیوار سے ہٹ کر عنبر کے پاس آ گیا۔ عنبر چونکہ سپاہی کی وردی میں تھا اس لیے آنے والے سپاہی کو زیادہ شک نہ ہوا۔ پھر بھی وہ حیران تھا کہ کیا اس سپاہی کو معلوم نہیں کہ یہ کشتی ہنگامی حالات کے لیے وہاں چھپا کر رکھی گئی ہے۔

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"بات دراصل یہ ہے کہ تمہاری ایک خالہ جان وہاں جھاڑیوں میں چھپی تمہارے خالو جان کو یاد کر رہی ہے میں اس کے لیے یہ کشتی لے جا رہا ہوں۔"

رومن سپاہی کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس نے فوراً تلوار کھینچ لی۔ عنبر خاموش کھڑا اس کی طرف دیکھ کر مسکراتا رہا۔ رومن سپاہی نے تلوار لہرا کر عنبر کی گردن پر ماری:

"کمینے! تمہاری یہ ہمت کہ مجھ سے مذاق کرو۔"

تلوار کا وہی حشر ہوا جو اس سے پہلے عنبر کی گردن سے ٹکرانے والی تلواروں کا ہوتا رہا تھا۔ رومن سپاہی پریشان سا ہو کر عنبر کو تکنے لگا۔ وہ سمجھا کہ اس کی تلوار عنبر کے تانبے کے ٹوپ سے ٹکرا گئی ہے۔ مگر پھر بھی تلوار ٹوٹ نہیں سکتی تھی۔ عنبر کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ اس نے سپاہی کی حیرانی کا کچھ اور نظارہ کرنے کی بجائے اس کے ہاتھ کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ سپاہی کے ہاتھ میں ٹوٹی ہوئی تلوار کا دستہ رہ گیا تھا۔ اس نے دستہ عنبر کے پیٹ میں گھونپنا چاہا۔ اس کا ہاتھ جیسے سیمنٹ کی دیوار سے ٹکرا کر مڑ گیا۔

عنبر نے کہا:

"میرا وقت ضائع نہ کرو تمہاری خالہ جان میرا انتظار کر رہی ہے۔ اب تھوڑی دیر کے لیے بے ہوش ہو جاؤ۔ میں تمہاری جان بخشی کرتا ہوں۔"

اس سے پہلے کہ سپاہی اپنا خنجر نکالتا عنبر نے اس کی

گردن پر ایک ہاتھ مارا۔ سپاہی بے ہوش ہو کر گر پڑا۔
عنبر نے کشتی جھاڑیوں میں سے کھینچ کر کھائی کے پانی
میں ڈالی اور چپو چلاتا اسے لے کر اس جھاڑی کے پاس
آگیا۔ جس کے پیچھے روم کی ملکہ چھپی ہوئی تھی!!

ناگ واشنگٹن میں

عنبر نے ملکہ کو کشتی میں بٹھایا اور کھائی پار کر لی۔
رات کا پچھلا پہر ہو گیا تھا۔ ملکہ کو کوٹھڑی سے لانے
کے لیے جلاد روانہ ہو چکا تھا، کیوں کہ اسے صبح منہ اندھیرے
پھانسی پر چڑھانا تھا۔ لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔
عنبر ملکہ کو لے کر اس کچے راستے پر چل پڑا جو نیچے وادی
کی طرف جاتا تھا۔ مگر اسے گھوڑوں کی ضرورت تھی۔ ملکہ
اتنا تیز نہیں چل سکتی تھی۔ گھوڑے وہاں دُور دُور تک
نظر نہیں آ رہے تھے۔ ادھر صبح کا اجالا آسمان پر پھیلنے لگا
تھا۔ ملکہ کے فرار کا راز کسی وقت بھی کھل سکتا تھا۔ ملکہ
تیز تیز چل رہی تھی۔ وہ تھک گئی تھی۔ اسے اس قسم کی
مشقت کی عادت نہیں تھی۔ ساری زندگی وہ مخمل کے
قالینوں پر چلی تھی۔ اس کے پاؤں دُکھنے لگے۔ مگر خاموش
رہی۔ یہ اس کی زندگی اور موت کا معاملہ تھا۔ عنبر کو بھی
اس بات کا احساس تھا۔ مگر وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن وہ
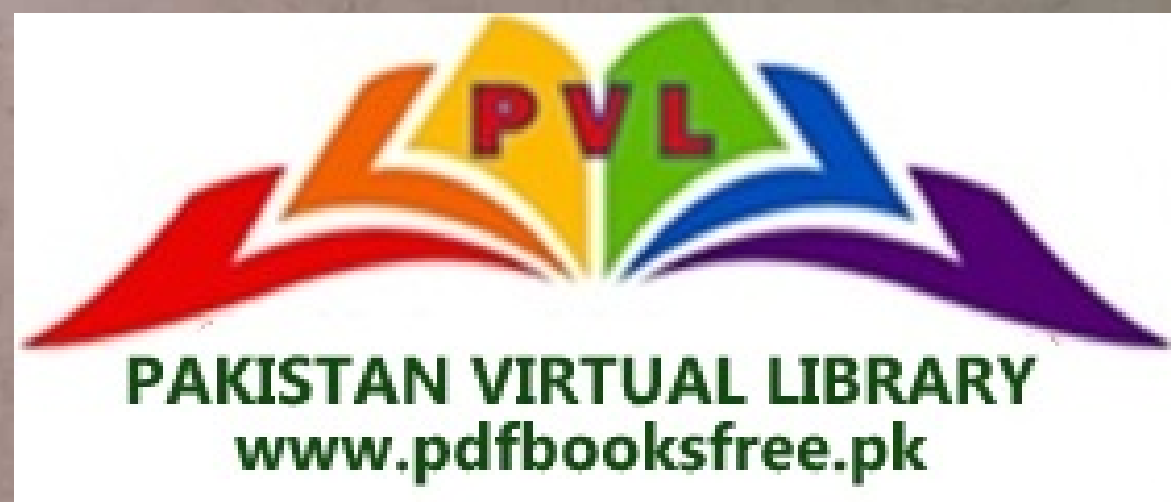
ملکہ کو زیادہ دیر تک نہیں چلا سکتا تھا۔ آخر وہی ہوا جس
کا اسے ڈر تھا۔ ملکہ کے ایک پاؤں میں پتھر کی نوک لگی
اور خون بہنے لگا۔ وہ درد سے لنگڑا کر چلنے لگی۔ اُدھر صبح
ہونے ہی والی تھی۔ ایک دم سے قلعے کی جانب سے
کی آوازیں آئیں۔ عنبر سمجھ گیا کہ ملکہ کے فرار کا پتہ چل
گیا ہے۔

اب ملکہ کی زندگی خطرے میں تھی۔ ابھی کوئی دم
قلعے سے فوج کے دستے ملکہ کی تلاش میں نکل کھڑے ہو
گے۔ ملکہ بھی پریشان ہو گئی۔ عنبر کے پاس سوچنے کے لیے
زیادہ وقت نہیں تھا۔ وہ قلعے سے زیادہ دور نہیں
تھے۔ موت سر پر منڈلا رہی تھی۔ اچانک عنبر نے دیکھا
سڑک سے ہٹ کر ایک پتھریلے مکان کے باہر ایک
گھوڑا کھڑا گھاس چر رہا ہے۔ عنبر نے ملکہ کو کندھے
اٹھایا اور اس مکان کی طرف بھاگا۔ مکان خالی پڑا تھا
گھوڑے پر زین کسی ہوئی تھی۔ عنبر نے جیب سے
کے چار سکے نکال کر جہاں گھوڑا کھڑا تھا وہاں رکھے
پہلے ملکہ کو گھوڑے پر بٹھایا۔ اس کے بعد خود بھی
ہو گیا اور گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑا کھیتوں سے
ہوا سے باتیں کرنے لگا۔

گھوڑا بہت تیز دوڑ رہا تھا۔ صبح ہونے تک وہ قلعے
سے بہت دور پہاڑیوں کے پار نکل چکے تھے۔ دوپہر تک
وہ گھوڑا دوڑاتے چلے گئے۔ دوپہر کے بعد انہوں نے ایک
جگہ نہر کے کنارے تھوڑا آرام کیا۔ پانی پی کر تازہ دم
ہوئے اور پھر سفر شروع کر دیا۔ ابھی ملک سمرنا کی سرحد
ایک رات کے فاصلے پر تھی۔ رات انہیں ردم کی
اونچی پہاڑیوں کی دوسری جانب ہوئی۔ ملکہ کا تھکان اور
بھوک سے بُرا حال تھا۔ مگر شاہی خاندان کی عورت تھی
اس لیے صبر کر کے بیٹھی تھی۔ ہائے بھوک لگی ہے کا
شور نہیں مچا رہی تھی۔ عنبر کو بھی احساس تھا کہ ملکہ نے
صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ جہاں انہیں رات پڑی وہاں
دور میدان میں ایک جگہ درختوں کا جھنڈ تھا جس کے
قریب ہی کچھ مکانوں میں روشنی ہو رہی تھی۔ عنبر نے ملکہ
کو ایک جگہ بٹھایا اور خود کچھ کھانے کو لانے کے لیے ان
مکانوں کی طرف چل دیا۔ یہاں کچھ کسان وغیرہ رہتے تھے
عنبر نے سونے کا سکہ دے کر ان سے روٹی گوشت اور
پانی خریدا اور ملکہ کو لا کر دیا۔ دونوں نے مل کر مزے
سے کھایا۔ عنبر یونہی ملکہ کے ساتھ کھا رہا تھا۔ دگرنہ اسے
کوئی بھوک پیاس نہیں لگتی تھی۔

ملکہ نے کہا:

"ہمیں رکنا نہیں چاہیے۔ ہو سکتا ہے سپاہی راتوں رات یہاں پہنچ جائیں۔"

عنبر نے جواب دیا:

"میں تو صرف تمہارے لیے رکا ہوں ملکہ! کیونکہ تم تھک گئی ہو اور تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔"

ملکہ نے کہا:

"ایسا آرام کس کام کا کہ میں گرفتار ہو جاؤں اور پھر سولی پر لٹکا دی جاؤں۔"

"تو پھر ہمیں اسی وقت یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"میں تیار ہوں۔" ملکہ بولی۔

تھوڑی دیر بعد عنبر اور ملکہ رات کے اندھیرے میں گھوڑے پر سوار چلے جا رہے تھے۔

صبح ہونے سے پہلے پہلے انہوں نے روم کی سرحد پار کر لی اور ملک سمرنا میں داخل ہو گئے۔ اب ملکہ کو کسی قسم کا فکر نہیں تھا۔ وہ محفوظ ہو چکی تھی۔ عنبر نے بھی خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے جس کام کا وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو گیا۔ کیوں کہ بہادر اور نیک کردار والے لوگ جو وعدہ کرتے ہیں اسے ہمیشہ پورا کرتے ہیں۔ چاہے انہیں

کتنی ہی تکلیف کیوں نہ اٹھانا پڑے۔ قرآنِ پاک میں بھی اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ جب وعدہ کرو تو اسے پورا کرو۔ اللہ تعالےٰ بھی وعدہ پورا کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

عنبر نے ملکہ روم کو سمرنا کے بادشاہ کے حوالے کیا اور خود وہاں سے ماریا اور ناگ کی تلاش میں روانہ ہو گیا۔ وہ واپس روم کی طرف نہیں گیا، کیوں کہ اس کا خیال تھا کہ ماریا روم میں نہیں ہے۔ حالانکہ وہ روم میں ہی تھی۔ وہ سمرنا سے نکل کر ملک مصر کی طرف چل پڑا جو اس وقت روم کے قبضے میں تھا۔ فرعون کا دور ختم ہو چکا تھا اور مصر پر رومی بادشاہ کا گورنر حکومت کرتا تھا۔ مصر عنبر کا وطن تھا۔ مگر ابھی وقت کی گردش نے پیچھے کی طرف ہزار بارہ سو سال کے چکر لگانے تھے پھر کہیں جا کر عنبر کو اپنے شہر کی گلیاں اور دریائے نیل کے کنارے اپنا مکان دکھائی دینا تھا۔ کیوں کہ وہ آگے جانے کی بجائے وقت کے پیچھے کی طرف جا رہا تھا جیسے کسی گھڑی کی سوئیاں پیچھے کی طرف چلنا شروع کر دیں۔

عنبر کے پاس سمرنا کے بادشاہ کا دیا ہوا شاندار گھوڑا تھا۔ اس نے رومن سپاہی کی وردی وہیں پھینک دی تھی اور اب ایک نیلے رنگ کی لمبی عبا اور سر پر ریشمی عمامہ

باندھے ہوئے تھا جو اس زمانے کے سوداگروں اور شریف
لوگوں کا لباس ہوا کرتا تھا۔

عنبر کو ہم اسی جگہ چھوڑتے ہیں اور اب واپس چل
کر ماریا کو دیکھتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہے۔ وہ روم
شہر کی ایک حویلی کے کنوئیں میں بے ہوش پڑی تھی۔
ساری رات بے ہوش رہنے کے بعد ماریا کو ہوش آیا
تو کنوئیں میں ہلکی ہلکی روشنی اوپر سے آ رہی تھی۔ اس نے
فیصلہ کر لیا کہ خواہ کچھ ہو جائے اسے وہاں سے کسی نہ
کسی طرح نکلنا ہو گا۔ ماریا نے اس سوراخ میں جھانک کر
دیکھا جہاں سے پانی کے بہنے کی آواز آ رہی تھی اور
جس کے اندر تیندوا رہتا تھا۔ اندر اندھیرا تھا۔ پانی کی آواز
کو اس نے غور سے سنا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ پانی آگے
جا کر کسی جگہ گر رہا ہے۔ ماریا نے خداوند کا نام لیا۔
حضرت مسیح علیہ السلام کو یاد کیا۔ سینے پر صلیب کا نشان
بنایا اور سوراخ میں سے گذر کر دوسری طرف پتھروں پر
پاؤں رکھ دیئے۔ پانی ٹھنڈا تھا اور اس کے ٹخنوں سے
ٹکرا رہا تھا۔ اچانک ایک طرف سے تیندوا اچھل کر
آیا اور اس نے اپنے لمبے لمبے بازو چلانے شروع کر
دیئے۔ مگر وہ ماریا کو اپنی پکڑ میں نہیں لے سکتا تھا۔
کیوں کہ ماریا غائب تھی۔

ماریا کو اندھیرے میں اب ہر شے دکھائی دے رہی تھی۔
یہ ایک غار تھا جس کی چھت بہت نیچی تھی۔ پانی
تیزی سے آگے کی طرف بہہ رہا تھا۔ تیندوا ایک کھوہ
میں بیٹھا باہر بازو چلا رہا تھا۔ ماریا پانی میں اتر گئی۔
پانی اس کی گردن تک تھا۔ مگر ماریا ڈوب نہیں سکتی تھی۔
وہ پانی کے اندر سے ہو کر بھی جا سکتی تھی۔ اس نے
پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہنا شروع کیا۔ کافی دور جا کر پانی
ایک چھوٹی سی آبشار کی طرح ایک ذرا چوڑی نہر میں گرنے
لگا۔ ماریا بھی پانی کے ساتھ ہی نہر میں آ گئی۔ یہاں غار بڑا
ہو گیا تھا۔ چھت بھی اونچی ہو گئی تھی۔ بہتے بہتے ماریا
بہت آگے نکل گئی۔ یہاں ایک طرف سے ہلکی سی روشنی
پانی پر پڑ رہی تھی۔ قریب جا کر ماریا نے دیکھا کہ بائیں
طرف ایک کوٹھڑی کا دروازہ بنا تھا جو کھلا ہوا تھا۔ روشنی
اس کوٹھڑی میں سے آ رہی تھی۔ ماریا پانی سے نکل کر
کوٹھڑی میں آ گئی۔ اس کوٹھڑی میں ہلکی ہلکی سفید رنگ کی
گیس پھیلی ہوئی تھی۔ جیسے دھواں ہو۔ ماریا نے کوئی خیال نہ
کیا اور جس طرف سے روشنی آ رہی تھی اس طرف چلنے لگی۔
یہ ایک اور دروازہ تھا گیس کا سفید دھواں اس دروازے

سے آ رہا تھا۔ ماریا دروازے میں سے گذر کر دوسری طرف
گئی تو یہاں پتھروں کی دیواروں میں سے ہلکے سفید رنگ
کا دھواں نکل رہا تھا۔ دھوئیں میں ماریا کا دم گھٹنے لگا۔
اس نے تیز تیز چلنا شروع کر دیا۔ وہ دھوئیں کے بادل
میں گھر چکی تھی۔ وہ بھاگتی چلی گئی۔ آخر وہ کھلی ہوا میں
آ گئی۔

اس نے ایک لمبا گہرا سانس لیا۔ اور آنکھیں کھول کر
دیکھا۔ وہ غار سے باہر نکل چکی تھی۔ اس کے ارد گرد سیاہ
پہاڑیاں تھیں۔ اور آسمان پر سورج کی روشنی
اچانک [illegible] روشن پھیلی تھی۔ مگر
[illegible] ماریا خوف سے کانپ اٹھی۔ اسے اپنا جسم اپنا ہاتھ
اپنے پاؤں اور سارا جسم دکھائی دینے لگا تھا۔ میرے خدا!
یہ کیا ہو گیا! وہ پریشان ہو گئی جس گیس میں سے وہ گذر
کر آئی تھی وہ ہزاروں سالوں سے پتھروں میں سے خارج
ہو رہی تھی۔ اس گیس میں کچھ ایسے اجزا تھے کہ جس نے
ماریا کے جسم کو ظاہر کر دیا تھا۔

ماریا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ اب وہ ایک عام عورت کی
طرح کمزور اور بے بس عورت تھی۔ اسے چوٹ لگ سکتی
تھی اور تیر یا تلوار کے وار سے ہلاک بھی ہو سکتی تھی۔
اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اب وہ کیا کرے گی۔ اس

سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ پھر کیسے غائب ہو گی۔
اسے خیال آیا کہ شاید گیس کا اثر جب ختم ہو جائے تو وہ
پھر سے غائب ہو جائے۔ مگر خدا جانے گیس کا اثر کب
ختم ہو۔ اور کیا معلوم یہ اثر کبھی ختم نہ ہو۔ اب اسے بھوک
بھی لگ رہی تھی۔ کیوں کہ جسم عام انسانوں کی طرح کام کرنے
لگا تھا اور اسے کھانے پینے کی ضرورت تھی۔ پھر بھی ماریا
چونکہ ایک بہادر عورت تھی اور بڑی بڑی مصیبتیں جھیل
چکی تھی اور مشکل سے مشکل حالات سے گذر چکی تھی اس
لیے اس نے ہمت نہ ہاری۔

وہ پہاڑیوں سے نکل کر باہر کھلی جگہ پر آ گئی۔ یہاں
دور دور تک کھیت تھے۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ بہت دُور
مکانوں کا جھرمٹ تھا جہاں ایک اونچا سفید ستونوں
والا رومن طرز کا بڑا مکان دکھائی دے رہا تھا۔ ماریا نے
اپنے لباس پر غور کیا۔ یہ لباس کافی پرانا تھا بلکہ یوں
کہنا چاہیے کہ چار سو برس آگے کے زمانے کا تھا۔ کیونکہ
وہ چار برس اچانک تاریخ کے پیچھے آ گئی تھی۔ ایک
طرف انگور کے باغ تھے۔ ماریا نے وہاں جا کر کچھ انگور
کھائے۔ چشمے پر منہ ہاتھ دھویا۔ اپنا چہرہ دیکھا۔ خدا جانے
کتنے سو سال کے بعد وہ اپنا خوبصورت چہرہ دیکھ رہی تھی۔

نیلی آنکھیں، سنہری بال۔ ماریا سچ مچ بڑی خوب صورت
لڑکی تھی۔ پرانے رومن دور میں خوبصورت لڑکی اگر لاوارث
ہوتی تھی تو اسے کنیز بنا کر فروخت کر دیا جاتا تھا اور
پھر اس کی عمر کسی امیر آدمی کے محل میں لوگوں کی جوتیاں
سیدھی کرتے اور خدمت کرتے گزر جاتی تھی۔ یہ سوچ
کر ماریا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ وہ ایک طاقتور عورت
سے ایک کمزور اور بے بس عورت بن گئی ہے۔

وہ منہ ہاتھ دھو کر چشمے سے اٹھی۔ اسے اور بھوک
محسوس ہوئی۔ انگور کھانے سے اس کا پیٹ نہیں بھرا تھا
وہ انگور کے باغ میں گھس گئی اور دیر تک سیاہ انگور
توڑ توڑ کر کھاتی رہی۔ اچانک کسی مرد کے مضبوط ہاتھوں
نے اسے پیچھے سے اپنی گرفت میں لے لیا۔ ماریا کے
منہ سے چیخ نکل گئی۔ یہ ایک سیاہ فام حبشی تھا جو سفید
دانت نکالے مسکرا رہا تھا۔

"کھاؤ۔ اور انگور کھاؤ۔ فکر نہ کرو۔ یہ میرا باغ ہے۔"

ماریا کو پہلی بار محسوس ہوا کہ وہ رومن زبان اتنی
جلدی اور آسانی سے نہیں سمجھ رہی جتنی وہ غائب ہو کر
سمجھ لیا کرتی تھی۔ اس نے ٹوٹی پھوٹی زبان میں سہمی ہوئی
آواز میں کہا:

"معاف کر دو۔"

حبشی ہنس پڑا۔ اس نے ماریا کے سنہری بالوں کا
گچھا ہاتھ میں لے کر کہا:

"تم بڑی قیمتی لڑکی ہو۔"

اور قہقہہ لگا کر ہنسا۔ ماریا خوف سے کانپ گئی۔ خدا
جانے یہ حبشی اس کے ساتھ کیا سلوک کرے۔ حبشی نے
اسے بازو سے پکڑا اور گھسیٹتا ہوا اپنے مکان میں لے گیا۔
اور وہیں اسے بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا۔ ماریا بیچاری
سر تھام کر بیٹھ گئی۔ اس کے مصیبت کے دن شروع
ہو گئے تھے۔ اب اسے افسوس ہونے لگا کہ وہ کیوں کنوئیں
سے باہر نکلی۔ وہیں پڑی رہتی آخر کبھی نہ کبھی کوئی نہ کوئی تو
کنوئیں میں آتا یا رسا لٹکا دیتا۔ اس کے جسم نے ظاہر ہو کر
اسے بے بس اور کمزور عورت کے روپ میں بدل دیا تھا۔
اسے عنبر اور ناگ یاد آنے لگے۔ اپنے ان پیارے دوستوں
اور بھائیوں کو یاد کر کے ماریا کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ
گئیں۔ کافی وقت گزرنے کے بعد باہر کسی رتھ کے کھڑے
ہونے اور گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی۔ پھر کوٹھڑی
کا دروازہ کھلا۔ سامنے وہی حبشی کھڑا تھا۔ اس کے پاس ہی
ایک موٹی توند والا گنجا رومن بھی کھڑا ماریا کو تک رہا تھا۔

حبشی ماریا کو کھینچ کر کوٹھڑی سے باہر روشنی میں لے آیا۔ رومن گنجے ماریا کے سنہری بال اور نیلی آنکھیں دیکھ کر مسکرایا حبشی نے سر جھکا کر کہا:

"میرے آقا! اب بتاؤ! کیا دام دو گے اس کے؟"

ماریا کا رنگ زرد ہو گیا۔ یہ حبشی اسے اس رومن گنجے کے پاس فروخت کر رہا تھا۔ گنجے رومن نے ماریا کو اِدھر اُدھر گھما کر دیکھا۔ پھر کمر کے ساتھ لٹکی ہوئی تھیلی میں سے سونے کے چند سکے نکال کر حبشی کو دیئے۔ حبشی بڑا خوش ہوا۔ رومن گنجے نے ماریا کے ہاتھ پیچھے باندھے اور رتھ پر سوار کرواتے ہوئے کہا:

"اب تم میری غلام ہو۔ میری کنیز ہو۔ میں جو تمہیں حکم دوں گا تمہیں ماننا پڑے گا۔ چلو میرے ساتھ"

ماریا نے تھوڑی سی جدوجہد کی مگر وہ اب ایک کمزور ناتواں سی لڑکی تھی۔ اس بھاری بھرکم طاقت ور گنجے رومن کے آگے بے بس تھی۔ وہ رتھ میں اس کے ساتھ سوار ہو گئی اور رتھ واپس مڑ کر سڑک پر دوڑنے لگا۔ کھیتوں سے گذر کر ایک چھوٹا سا شہر آ جاتا تھا۔ یہ رومن گنجہ اس شہر کا سب سے بڑا سوداگر تھا اور سفید ستونوں والی حویلی اسی کی تھی۔ حویلی کے باہر غلاموں نے جھک کر گنجے رومن

سوداگر کا استقبال کیا۔ کنیزیں آگے بڑھیں۔ اپنے مالک کے لباس پر سے گرد جھاڑی۔ اس کے پاؤں اپنے دوپٹوں سے صاف کیے۔ رومن سوداگر نے ماریا کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کنیزوں سے کہا:

"یہ بھی تمہاری طرح میری ایک غلام ہے۔ میری کنیز ہے۔ اسے لے جا کر نئے کپڑے پہناؤ۔ اس کے کپڑوں سے بُو آ رہی ہے۔ نہ جانے اس نے کس ملک کا لباس پہن رکھا ہے۔"

کنیزوں نے ماریا کو ساتھ لیا اور حویلی کے اندر لے گئیں۔ حویلی کا بڑا دروازہ بند کر دیا گیا۔ کنیزوں نے ماریا کے ہاتھ کھول دیئے۔ اسے نہلایا اور نئے کپڑے پہننے کو دیئے۔ جب ماریا نہانے کے بعد نئے کپڑے پہن کر آئی تو اس کی خوب صورتی کو دیکھ کر ساری کنیزیں اس پر رشک کرنے لگیں۔ ایک کنیز ادھیڑ عمر کی تھی۔ اس کا نام جونا تھا۔ وہ بڑی چالاک اور مکار کنیز تھی اور اپنے مالک کی جاسوس تھی۔ کوئی کنیز اگر وہاں سے فرار ہونے کی کوشش کرتی تو وہ اسے پکڑ کر مالک کے حوالے کر دیتی جو کنیز کو بھوکے کتوں کے آگے ڈال دیا تھا۔ ساری کنیزیں اس ادھیڑ عمر کنیز جونا سے بڑا ڈرتی تھیں۔ جونا بھی ماریا کی خوبصورتی سے جل بھن

گئی۔ اس نے ماریا کو بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا
اور کہا:

"یہاں تم کوئی بیگم صاحبہ نہیں ہو جو اس طرح بال
بنا کر آگئی ہو۔ تم غلام ہو۔ نوکرانی ہو۔ تمہیں پیسے
دے کر میرے مالک نے خریدا ہے۔ چلو جا کر
دالان کا فرش صاف کرو۔"

ماریا غصّے کو پی کر رہ گئی۔ وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔
اس نے مکار جونا کی طرف دیکھ کر سر جھکا کر آہستہ سے کہا:

"اچھا بیگم صاحبہ!"

ایک کنیز ہنس پڑی۔ جونا نے زور سے اس کے منہ
پر طمانچہ مارا کڑک کر کہا:

"خبردار جو منہ کھولا۔ بدتمیز۔"

اور بددماغی سے منہ پھیر کر باہر نکل گئی۔ شگوفہ نام کی
ایک کنیز ماریا کا بازو تھام کر اسے باہر دالان میں لے گئی
یہ ایران کی کنیز تھی اور ماریا اسے بڑی اچھی لگی تھی۔ دالان
میں لے جا کر اس نے ماریا کو لمبا سا جھاڑو دے کر کہا:

"دالان صاف کر کے سامنے باغ میں آجانا۔ میں وہاں پر
تمہیں ملوں گی۔ میرا نام شگوفہ ہے۔"

ماریا نے کہا:

"تم فارسی میں بات کرو۔ میں فارسی زبان جانتی ہوں
رومن زبان مجھے زیادہ نہیں آتی۔"

شگوفہ ہنس پڑی اور فارسی میں کہنے لگی:

"پھر تم میری بہن ہو۔ مگر تم ایرانی ہو کیا؟"

ماریا اسے کیا بتاتی کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آئی
ہے اور کہاں جا رہی ہے۔ اس نے کہا:

"نہیں! میں مصر کی رہنے والی ہوں۔ مگر میں پہلے
ایران میں ایک سوداگر کی کنیز رہ چکی ہوں۔ میری ماں بھی
ایران میں رہتی تھی۔"

شگوفہ نے مسکرا کر کہا:

"خدا حافظ! میں تمہارا باغ میں انتظار کروں گی۔"

شگوفہ چلی گئی اور ماریا جھاڑو سے دالان کا فرش صاف
کرنے لگی۔

○

پیارے دوستو! اس وقت عنبر اپنے ساتھی ناگ اور
ماریا کی تلاش میں سمرنا سے نکل کر ملک مصر کی طرف جا
رہا ہے اور ماریا ملک روم میں ایک سوداگر کی حویلی میں
کنیز بن کر دالان میں جھاڑو دے رہی ہے اور اب میں

آپ کو یہ بتاتا ہوں کہ ناگ کہاں ہے اور میری ناگ سے کیسے ملاقات ہوئی۔

میں آپ کے لئے بیٹھا کہانی لکھ رہا تھا کہ مجھے چائے پینے کی بڑی خواہش ہوئی دیکھا تو چائے کی پتی ختم ہو گئی تھی۔ میں اپنے اپارٹمنٹ سے نکل کر لفٹ میں بیٹھا اور نیچے ویٹ نامی سپر سٹور میں چائے کی پتی لینے آ گیا۔

میں نے چائے کی قیمت ایک ڈالر چھ سینٹ ادا کی اور جونہی سٹور باہر نکلا بچے بھاگتے ہوئے میرے آگے سے گذر گئے۔ وہ سانپ سانپ کا شور مچا رہے تھے۔ ویٹ نامی سٹور کا مالک بھی سانپ کا شور سن کر باہر نکل آیا۔ کچھ اور امریکی اور ویٹ نامی بھی وہاں آ گئے۔ نیگرو کالے بچے پرے کھڑے ہو کر ایک جھاڑی کی طرف اشارہ کر کے بولے:

"وہاں کالا سانپ ہے۔ ہم نے خود دیکھا ہے۔"

ویٹ نامی سٹور والا اندر سے لمبی سلاخ لے آیا۔ ایک امریکی نے پستول نکال لیا اور وہ جھاڑی کی طرف آہستہ آہستہ بڑھنے لگے۔ میں بھی ان کے پیچھے پیچھے چل پڑا جونہی میں جھاڑی کے قریب پہنچا، میرے قدم اپنے آپ رک گئے۔ مجھے ناگ کی خوشبو آ رہی تھی۔

پیارے دوستو! تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ میں اس سے پہلے ناگ عنبر ماریا کے سفر کی ایک سو قسطیں لکھ چکا ہوں اور اب ان کے واپس کے سفر کی قسطیں لکھ رہا ہوں۔ یہ لوگ اتنی دیر میں میرے دوست بن گئے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ میں بھی عنبر ناگ اور ماریا کے ساتھ ساتھ سفر کر رہا ہوں۔ اب مجھے بھی ان کی خوشبوئیں آتی ہیں۔ مگر ابھی تک میری ان میں سے کسی کے ساتھ بھی آمنے سامنے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

جب سے میں نے عنبر ناگ ماریا کی پر اسرار داستان بیان کرنی شروع کی ہے، یہ پہلا موقع تھا کہ پاکستان سے اتنی دور امریکہ کے شہر واشنگٹن میں مجھے ناگ کی خوشبو بالکل اپنے قریب سے آتی محسوس ہوئی تھی۔ میں نے چونک کر ادھر اُدھر دیکھا کہ کہیں ناگ میرے پاس تو نہیں کھڑا اور پیارے دوستو! میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ عنبر ناگ اور ماریا کی شکلوں سے بھی میں واقف ہو گیا ہوں۔ میں ان کو پہچان لیتا ہوں:

ناگ کی خوشبو برابر آ رہی تھی مگر وہ مجھے آس پاس کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ویٹ نامی سٹور والا سلاخ اٹھائے اور امریکی آدمی پستول نکالے جھاڑی کی طرف پھونک پھونک کر قدم اٹھاتے بڑھ رہے تھے۔ ناگ کی خوشبو زیادہ تیز ہو گئی۔ اچانک ویٹ نامی چیخا:

"وہ رہا سانپ! کالا سانپ ہے۔ یہ انڈین کوبرا ہے۔

میں نے انڈین کوبرا دیکھے ہیں۔"

امریکی نے پستول کا فائر کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک سانپ تیزی سے نکلا اور دوسری جھاڑی میں جا کر غائب ہو گیا۔ امریکی جھاڑی میں فائر کرنے لگا۔ اچانک میرا دل اچھل پڑا۔ خدا نہ کرے کہیں یہ ناگ تو نہیں ہے؟

یہ خیال بجلی کی طرح میرے دماغ میں چمک اٹھا۔ ناگ کی خوشبو کافی تیز ہو گئی تھی۔ ویٹ نامی جھاڑی پر سلاخیں مار رہا تھا اور امریکی ذرا پرے ہٹ کر کھڑا تھوڑی تھوڑی دیر بعد پستول کا فائر کر دیتا تھا۔ ناگ کا خیال آتے ہی میں نے ہاتھ اٹھا کر چلاتے ہوئے کہا:

"پلیز! رک جاؤ۔ اسے نہ مارو۔ یہ انڈین کوبرا ہے۔ میں سانپ پکڑنا جانتا ہوں۔ میں اسے پکڑ کر واشنگٹن کے چڑیا گھر والوں کو دے دوں گا۔"

ویٹ نامی اور امریکی رک گئے۔ اب وہاں دوسرے ہسپانوی، نیگرو اور امریکی مرد بچے اور عورتیں بھی جمع ہو گئی تھیں۔ بلڈنگ کی گیلریوں میں بھی کچھ عورتیں کھڑی تماشا دیکھ رہی تھیں۔ سب کو معلوم ہو گیا تھا کہ باغ میں سانپ نکلا ہے۔ میں جھاڑی کی طرف بڑھا۔ میرے دل میں یہ خوف بھی تھا کہ اگر یہ سانپ ناگ نہ ہوا تو وہ مجھے ڈس لے گا اور میرا زندہ بچنا محال ہو جائے گا۔ پھر میں عنبر ناگ اور ماریا

کے سفر کی اگلی قسطیں کیسے لکھ سکوں گا۔ لیکن ناگ کی تیز سے تیز تر ہوتی خوشبو میرا حوصلہ بڑھا رہی تھی اور مجھے جھاڑی کی طرف لیے جا رہی تھی۔ مجھے ایک ہی ڈر تھا کہ کہیں یہ لوگ سانپ کو ہلاک نہ کر دیں۔ کیونکہ اب مجھے یقین ہو چلا تھا کہ ہو نہ ہو جھاڑی میں جو سانپ ہے وہ ناگ ہی ہے۔ کیوں کہ اس کی خوشبو مجھے صاف محسوس ہو رہی تھی اور میں یہ بھی دیکھ رہا تھا کہ ویٹ نامی لوہے کی سلاخ لیے اور امریکی پستول تانے سانپ کو مارنے کے لیے بالکل تیار تھے۔ ادھر اُدھر کھڑی عورتیں بھی انہیں کہہ رہی تھیں کہ یہاں ہمارے بچے کھیلا کرتے ہیں سانپ کو مار ڈالو۔

میں جھاڑی کے پاس جا کر رُک گیا۔

اچانک جھاڑی میں سے ایک کالی بلی نکل کر نہانے والے تالاب کی طرف بھاگ گئی۔ لوگوں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ کیوں کہ وہ تو سانپ کی تلاش میں تھے۔ مگر میں نے اچانک محسوس کیا کہ ناگ کی خوشبو آنا بند ہو گئی تھی۔ اب میرا شک یقین میں بدل گیا کہ سانپ ناگ ہی تھا اور وہ خطرہ دیکھ کر بلی بن کر بھاگ گیا ہے۔ میں بے دھڑک جھاڑی میں گھس گیا۔ ویٹ نامی اور امریکی بھی میرے ساتھ آ کر جھاڑی میں سانپ کو تلاش کرنے لگے۔ مگر وہاں اب سانپ کہاں تھا

بھلا۔ میں نے کہا:

"میرا خیال ہے سانپ کسی بل میں گھس گیا ہے۔"

ایک امریکی بوڑھا بولا:

"میں فائر بریگیڈ والوں کو فون کرتا ہوں۔ وہ آ کر زمین کے اندر پانی ڈال کر سانپ کو باہر کھینچ لائیں گے۔"

مجھے ان سے اب کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں وہاں سے ہٹ گیا اور اس باغ کی طرف چلا جہاں ہماری بلڈنگ کا اپنا تالاب تھا۔ سردی کی وجہ سے تالاب بند پڑا تھا۔ بلّی اسی طرف بھاگ کر گئی تھی۔ تالاب کے پیچھے بیری کے بے شمار درخت اور جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ میں ان درختوں میں آ گیا۔ کسی نے خیال نہ کیا کہ میں ادھر کیا کرنے جا رہا ہوں۔ لوگ ابھی تک جھاڑی کے ارد گرد کھڑے سانپ کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہے تھے۔

ایک طرف سے مجھے ناگ کی خوشبو آئی۔ میں اس طرف کو چلا۔ تھوڑی دور جا کر دیکھا کہ ایک جگہ سے جھاڑیاں ہل رہی ہیں اور پھر ان جھاڑیوں میں سے لمبے قد کا سانولا خوش شکل نوجوان نکل آیا جس کی آنکھیں سرخی مائل گلابی تھیں اور جو اپنی پلکیں نہیں جھپک رہا تھا۔ میں نے اسے فوراً پہچان لیا۔ یہ ناگ تھا۔

تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔"

ناگ نے ہاتھ بڑھا کر میرا ہاتھ تھام لیا۔ میں نے کہا:

"مجھے بھی تم سے مل کر خوشی ہوئی ہے ناگ۔"

ناگ بولا: "میرے دل میں بڑی حسرت تھی کہ میں اس شخص کو دیکھوں جس نے میرے کردار کو تخلیق کیا ہے۔ آج میری یہ خواہش پوری ہو گئی۔"

میں نے کہا:

"مگر تم امریکہ میں کیسے نکل آئے۔ کیونکہ عنبر اور ماریا کو پرانے رومن زمانے میں جا چکے ہیں۔ عنبر اس وقت کئی سو برس پیچھے تاریخ کے دور میں سمرنا سے نکل کر تمہاری اور ماریا کی تلاش میں ملک مصر کی طرف جا رہا ہے۔"

ناگ نے میری بات کاٹ کر پوچھا:

"اور ماریا کہاں ہے؟"

میں نے کہا:

"مجھے افسوس ہے کہ ماریا اس وقت مشکل میں پھنسی ہوئی ہے۔ وہ ملک روم میں ایک گنجے رومن جاگیردار کی حویلی میں اس کی کنیز بن کر نوکرانیوں کا کام کر رہی ہے۔"

ناگ اداس ہو گیا:

"کاش! میں ماریا بہن کی کچھ مدد کر سکتا۔"

میں نے کہا:

"خدا نے چاہا تو اس کی مصیبت کٹ جائے گی۔"

ناگ نے کہا:

"مگر یہ کہانی تو خود تم لکھ رہے ہو۔ ایک طرح سے تم نے ہی اسے وہاں کنیز بنا کر رکھوایا ہے۔ تم اسے وہاں سے کیوں نہیں نکال دیتے۔"

میں نے جواب دیا:

"ناگ بھائی! اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کہانی میں ہی لکھ رہا ہوں۔ مگر اس پر میرا کوئی اختیار نہیں ہے پلاٹ جیسے جیسے آگے جاتا ہے۔ میں ویسے ویسے اس کے پیچھے چلتا جاتا ہوں۔ ایک طرح سے تمہارے واپسی کے سفر کی کہانی خود بخود مجھ سے لکھوائی جا رہی ہے۔ حالات جیسے بدلتے چلے جاتے ہیں میں انہیں لکھتا چلا جاتا ہوں۔ میں اپنی طرف سے نہ تو حالات کو بدل سکتا ہوں اور نہ اگر وہ خراب ہیں تو انہیں ٹھیک کر سکتا ہوں۔"

ناگ خاموش ہو گیا۔ ہم دھوپ میں آ کر ایک بنچ پر بیٹھ گئے سامنے سڑک پر ۱۹۸۲ء کے ماڈل کی خوبصورت کاریں بھاگی جا رہی

تھیں۔ دور کچھ لوگ جھاڑی کے پاس جمع ابھی تک سانپ کو تلاش کر رہے تھے۔

ناگ نے کہا:

"تم ٹھیک کہتے ہو دوست! ہماری کہانی اپنے آپ حالات اور واقعات کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہی ہے۔ اس میں نہ تم دخل دے سکتے ہو اور نہ ہم کچھ کر سکتے ہیں۔ بہر حال میں اب جلد از جلد ماریا کے پاس جانا چاہتا ہوں تاکہ اسے اس کی مصیبت سے نجات دلا سکوں۔"

میں نے ناگ سے کہا:

"خدا نے چاہا تو تم اس کے پاس ضرور پہنچ جاؤ گے مگر پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تم تو دمشق میں تھے جب تاریخ نے ایک دم سے چار سو سال کا پلٹا کھایا اور چار سو برس پہلے کا رومن دور آ گیا تھا پھر تم دو ہزار برس آگے ۱۹۸۲ء کے امریکہ میں کیسے نکل آئے؟"

ناگ کہنے لگا:

"مجھے خود معلوم نہیں کہ کیا ہوا۔ میں دمشق میں ایک پرانے مندر میں کھڑا ایک تانبے کے گول چکر کو دیکھ رہا تھا جس پر ستاروں کے نشان بنے ہوئے تھے۔ اصل

میں یہ چکر سالوں اور مہینوں کا حساب بتاتا تھا میں
نے اس چکر کو ہاتھ لگایا تو اس نے آگے کی طرف
چلنا شروع کر دیا۔ میرے دیکھتے دیکھتے چکر کی گردش
تیز ہو گئی۔ میں پیچھے ہٹا۔ مگر کیا دیکھتا ہوں کہ جس جگہ
میں کھڑا ہوں وہاں گرد و غبار سا اٹھنے لگا ہے۔ یہ
گرد و غبار ایک بگولا بن گیا اور اس بگولے نے مجھے
اپنے اندر لپیٹ لیا۔ یہ بگولا تانبے کے چکر کے ساتھ
ہی زور زور سے آگے کی طرف گردش کرنے لگا پھر
مجھے کچھ ہوش نہیں رہا اور میں بے ہوش ہو گیا جس
وقت مجھے ہوش آیا تو میں ایک ایسے باغ میں
گھاس پر پڑا تھا جس کے اندر ایک سفید عمارت پر
امریکہ کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ میرے قریب ہی سرخ و
سپید امریکی عورتیں بنچ پر بیٹھی سینڈوچ کھا رہی تھیں۔
مجھے تمہاری تلاش تھی۔ کیوں کہ مجھے معلوم تھا کہ تم آج
کل امریکہ کے شہر واشنگٹن میں والس آف امریکہ میں
کام کر رہے ہو۔"

میں نے ناگ سے جھٹ پوچھا،
"مگر تم تو مجھے پہچان ہی نہیں سکتے تھے۔ پھر تم مجھے
کیسے ملتے؟"
ناگ مسکرایا،

تمہاری کہانی تو تم لکھ رہے ہو مگر شاید تمہیں یہ
معلوم نہیں کہ ہمیں بھی تمہاری خوشبو آ جاتی ہے۔
میں خوشبو کی تلاش میں تھا اور پھر ایک طرف سے
مجھے تمہاری خوشبو آئی۔ میں اٹھ کر ادھر کو روانہ ہو
گیا۔ مصیبت یہ تھی کہ میرا لباس پرانے زمانے کا
تھا اور لوگ مجھے مڑ مڑ کر دیکھ رہے تھے۔ اوپر سے
ایک اور مصیبت یہ ہوئی کہ میں چونکہ سانپ ہوں
اور انسان کی شکل میں ہوں اس لیے آنکھیں نہیں
جھپکتا تھا۔ اس کا علاج میں نے یہ کیا کہ کسی کی طرف
دیکھتا ہی نہیں تھا۔ پھرتے پھراتے میں تمہاری اس بلڈنگ
کے پاس آ گیا۔ اس بلڈنگ کے ایک اپارٹ منٹ سے
مجھے تمہاری خوشبو آ رہی تھی۔ میں بلڈنگ میں جانے لگا تو
معلوم ہوا کہ چابی کے بغیر دروازہ نہیں کھلے گا۔ میں نے
فوراً سانپ کا روپ بدل لیا۔ بدقسمتی یہ ہوئی کہ کچھ
بچوں نے مجھے دیکھ لیا اور سانپ سانپ کا شور مچانا
شروع کر دیا۔ میں لپک کر جھاڑی میں چھپ گیا اس
کے بعد جو کچھ ہوا تمہیں معلوم ہی ہے۔"
میں ناگ کی کہانی بڑے غور سے سن رہا تھا اور حیران
تھا کہ دمشق کے مندر میں وقت کا چکر کیسے آگے کو گھومتا
ہوا اسے حضرت مسیح کے ایک سو سال بعد کے زمانے سے

اٹھا کر ۱۹۸۲ء کے ماڈرن واشنگٹن شہر میں لے آیا ہے۔ حالانکہ میں ناگ عنبر اور ماریا کی کہانی لکھ رہا ہوں۔ مگر مجھے معلوم نہیں تھا کہ ناگ کے ساتھ ایسا حادثہ گزرے گا۔ پیارے بچو! اب آپ کو بھی یقین آ گیا ہو گا کہ میں یہ کہانی نہیں لکھ رہا بلکہ جیسے جیسے کہانی آگے بڑھتی جاتی ہے میں اسے لکھتا چلا جاتا ہوں۔

میں نے ناگ سے کہا:

"اس وقت سب سے بڑا کام یہ ہے کہ تمہیں واپس عنبر اور ماریا کے پاس پہنچانا ہو گا۔ مگر تم کیسے اور کیوں کر جاؤ گے؟ مجھے خود معلوم نہیں۔"

ناگ بولا:

"میں ماریا کی مدد کرنے کو بے تاب ہوں۔ میری بہن سخت مشکل میں ہے۔"

میں نے کہا:

"میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔ کہانی کے واقعات جیسے آگے بڑھیں گے تمہیں بھی اس کے ساتھ چلنا ہو گا اور میں بھی ویسے ہی لکھتا جاؤں گا۔"

ناگ ماریا کے لیے پریشان تھا۔ اس نے ٹھنڈا سانس بھرا اور دور واشنگٹن کی اونچی اونچی خوب صورت چمکیلی عمارتوں کی طرف دیکھنے لگا۔

ناگ اور سپرمین

ناگ کو لے کر میں اپنی بلڈنگ میں داخل ہو گیا۔

میں نے اسے ایک طرف لفٹ کے پاس لے جا کر کہا:

"میں تم سے ایک مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔ میرے بچے بھی میرے ساتھ امریکہ آئے ہوئے ہیں اور اپارٹمنٹ میں ہی میرے ساتھ رہتے ہیں۔ اب تم آنکھیں نہیں جھپکتے، ہو سکتا ہے کہ بچے تمہیں دیکھ کر کچھ خوف کھائیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ تم اصل میں عنبر ناگ ماریا والے ناگ ہو۔ کیوں کہ دوسرے بچوں کی طرح میرے بچے بھی تمہاری قسطیں بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ تم ناگ ہو تو اس کا اثر تمہاری کہانی پر ٹھیک نہیں پڑے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہارا راز فاش ہو۔ کیوں کہ تم اور عنبر اور ماریا تاریخ کے پر اسرار کردار ہو اور تاریخ کے پیچھے کی طرف ایک

بڑا ہی پراسرار اور رازوں بھرا سفر طے کر رہے
ہو۔ وقت تمہارے ساتھ ساتھ پیچھے کی طرف جا رہا
ہے۔ سارے واقعات ایک زنجیر کی طرح اسی ترتیب
کے ساتھ ایک بار پھر دہرائے جا رہے ہیں۔ اگر اس
میں سے زنجیر کی ایک بھی کڑی ہل گئی تو سارا کام تہس
نہس ہو جائے گا اور پھر خدا جانے آج کے زمانے
میں اس کا کس قدر تباہ کن اثر پڑے۔ اسی لیے
میں تمہیں اپنے بچوں سے چھپا کر، تمہارے راز کو راز
ہی بنا کر رکھنا چاہتا ہوں۔ تمہارا کیا خیال ہے"؟
ناگ کہنے لگا:
"میں تمہارے خیال سے اتفاق کرتا ہوں۔ ہمارا راز راز
ہی رہنا چاہیے"
میں نے کہا:
"تو پھر تم کس شکل میں میرے ساتھ اپارٹمنٹ میں جانا
پسند کرو گے؟"
ناگ بولا:
"کیا چھوٹا سا سانپ نہ بن جاؤں۔ اصل میں کوئی دوسرا
جانور بننے میں مجھے بھوک پیاس لگے گی مگر سانپ بن
جانے سے میں بھوک پیاس سے بے پروا ہو جاتا ہوں"

"جیسے تمہاری مرضی"۔ میں نے کہا۔
ہم اوپر جانے والی لفٹ کے پاس کھڑے تھے۔ ایک
امریکی عورت بھی ہمارے پاس آ کر کھڑی ہو گئی اور لفٹ کے
نیچے آنے کا انتظار کرنے لگی۔ ناگ نے نظریں نیچی کر رکھی تھیں
تاکہ عورت کو یہ نہ پتہ لگ سکے کہ وہ آنکھیں نہیں جھپکا رہا۔ اتنے
میں لفٹ نیچے آ گئی۔ اس کا دروازہ کھلا۔ ہم اندر داخل ہو گئے۔ امریکی
عورت بھی ہمارے ساتھ ہی اندر آ گئی۔ میں نے نمبر چار کا بٹن
دبا دیا۔ کیونکہ میں چوتھی منزل پر نمبر ۴۰۱ اپارٹمنٹ میں رہتا تھا۔ لفٹ
کا دروازہ اپنے آپ بند ہو گیا اور وہ اوپر کو اٹھنے لگی۔ چوتھی
منزل پر لفٹ سے نکل کر ناگ نے کہا:
"کم بخت یہ امریکی عورت تو پیچھا نہیں چھوڑ رہی۔ اب کیا
کروں؟ کس جگہ سانپ بنوں؟"
میں نے ناگ کا ہاتھ پکڑا اور اسے ایک طرف لے گیا۔ آمنے
سامنے اپارٹمنٹ کے رنگین دروازوں کے درمیان میں ایک راستہ
دور تک چلا گیا تھا جس پر قالین بچھا ہوا تھا۔ جب میں نے دیکھا
کہ وہاں کوئی نہیں ہے تو میں نے ناگ کو اشارہ کیا۔ ناگ نے
سانس اوپر کو کھینچا اور ایک ہی پل میں قالین پر سبز رنگ کا
ایک چھوٹا سا سانپ کنڈلی مارے بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے ذرا جھک
کر سانپ کو اٹھایا اور جیب میں رکھ لیا۔ پھر میں نے اپنے اپارٹمنٹ

کی گھنٹی بجائی۔ میری بچی نے دروازہ کھولا اور میں اندر چلا گیا۔
کچھ دیر بیوی بچوں سے باتیں کرتا رہا۔ چائے کا ایک پیالہ پیا۔
سارا وقت میرا ہاتھ میری اس جیب میں ہی رہا۔ جس میں ناگ
سانپ کی شکل میں بیٹھا ہوا تھا۔ میرے بیٹے نے پوچھا:
"ابو! آپ جیب سے ہاتھ کیوں نہیں نکال رہے آج؟"
میں نے جلدی سے ہاتھ باہر نکال کر کہا:
"نہیں نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں بس یونہی جیب
میں ہاتھ ڈال رکھا تھا۔"
اب مجھے یہ خطرہ تھا کہ کہیں ناگ باہر نہ نکل آئے۔
کیوں کہ وہ سانپ کی شکل میں تھا اور اگرچہ باہر
سخت سردی تھی مگر اپارٹمنٹ کی فضا گرم تھی۔ اگر سانپ کو گرمی
لگی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ جیب سے باہر نکل آئے۔ ایک پریشانی
یہ تھی کہ میں اس سانپ کو کس جگہ چھپاؤں۔ اپارٹمنٹ کے سارے
کمرے بڑے صاف ستھرے تھے اور ہر کمرے میں قالین بچھا تھا
اور کہیں کوئی کوڑا کرکٹ بھی نہیں تھا کہ وہاں سانپ کو لے جا کر
ڈال دوں۔ کوڑا ایک چھوٹے سے ڈرم میں پلاسٹک کے بڑے لفافے
میں دن بھر جمع ہوتا رہتا تھا اور شام کو لفافہ بند کر کے ایک جگہ
سے نیچے کھسکا دیا جاتا تھا جہاں سے ایک بہت بڑا ٹرک آ کر
اسے اٹھا کر لے جاتا تھا۔ مجھے اپنی جیب میں کچھ سرسراہٹ سی

محسوس ہوئی۔ میں جلدی سے اٹھا اور بیڈ روم میں چلا گیا۔
میری بیوی نے آواز دی:
"چائے اور نہیں پئیں گے کیا؟"
میں نے بیڈ روم ہی سے جواب دیا:
"ابھی آ کر پیتا ہوں ذرا کپڑے تبدیل کر لوں۔"
مگر میں کپڑے بدلنے کی بجائے سانپ کو چھپانے کے لیے
کوئی مناسب جگہ تلاش کر رہا تھا۔ آخر میں نے کپڑے رکھنے والی
الماری میں ایک خالی ڈبہ دیکھا۔ میں نے سانپ کو اس ڈبے
میں بند کر دیا اور آہستہ سے کہا:
"میرے دوست ناگ! جب تک میں نہ تمہیں باہر
نکالوں تم یہاں سے ہرگز نہ ہلنا۔"
ناگ نے کوئی جواب نہ دیا۔ یا اگر دیا بھی ہو گا تو میں
سانپ کی زبان نہیں سمجھ سکتا تھا۔ میں بیڈ روم سے باہر سٹنگ
روم میں آیا تو میری بیوی نے کہا:
"آپ اندر کس سے بات کر رہے تھے؟"
مجھے حیرانی ہوئی کہ میں آہستہ بولا تھا مگر میری بیوی نے
میری آواز سن لی تھی۔ کسی نے سچ کہا تھا کہ بیویوں کے بڑے کان
ہوتے ہیں۔ خیر جناب وہ رات تو کسی نہ کسی طرح گزر گئی۔ میں
نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ ناگ کو سانپ کی شکل میں وہاں نہیں

رکھوں گا۔ میں اسے طوطا بلی یا کتا بنا کر بھی رکھ سکتا تھا مگر ہماری
بلڈنگ میں پالتو جانور اور پرندے رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔
رات بھر میں یہی سوچتا رہا تھا۔ آخر دل نے کہا کہ ناگ کو کسی
دوسری جگہ رہنا چاہیے۔ اگر وہ یہاں رہا تو اس کا راز کھل جائے گا
اور اگر راز کھل گیا تو سارا کھیل بگڑ جائے گا۔ ایک ہی طریقہ تھا
کہ ناگ اس وقت تک کسی ہوٹل میں ٹھہرے جب تک کہ
حالات کا اور وقت کا چکر پھر سے پیچھے کو نہیں گھومتا اور وہ
ایک ہزار نو سو برس تاریخ میں پیچھے کی طرف نہیں نکل جاتا۔
دوسرے روز میں دفتر جانے لگا تو بڑے طریقے سے سانپ کو
نکال کر جیب میں رکھا اور اپارٹمنٹ سے نکل کر سامنے بس شاپ
پر آ گیا۔ وہاں ٹیلی فون لگا تھا۔ میں نے وہاں سے دفتر فون کر
دیا کہ آج میں دفتر نہیں آؤں گا۔ اور ناگ کو لے کر واشنگٹن
کے چڑیا گھر کی طرف آ گیا۔

واشنگٹن کا چڑیا گھر بہت بڑا ہے۔ اور آدمی کو سارا چڑیا گھر
دیکھتے دیکھتے پورا دن لگ جاتا ہے۔ میں ٹیلے کی ایک ڈھلان پر
درختوں کے نیچے گھاس پر بیٹھ گیا اور سانپ کو جیب سے نکال
کر باہر گھاس پر رکھ دیا۔ سانپ نے کنڈلی ماری۔ میں نے جب
اپنی تسلی کر لی کہ میرے ارد گرد کوئی نہیں ہے تو سانپ کے
قریب منہ لے جا کر کہا:

"ناگ! اب تم انسانی شکل میں آ سکتے ہو۔"

پلک جھپکتے میں میرے سامنے ناگ اسی انسانی شکل میں بیٹھا
تھا۔ میں نے اسے ساری مشکل بیان کر دی کہ میرے اپارٹمنٹ
میں رہنے میں کیا مشکلات ہیں۔ ناگ غور سے سنتا رہا پھر بولا:
"کیوں نہ میں یہاں کسی سرائے میں رہ لیتا ہوں۔"
میں نے ہنس کر کہا:
"یہ امریکہ ہے۔ ۱۹۸۲ء کا امریکہ ہے اور تم اس وقت
امریکہ کے دارالحکومت اور امریکہ کے سب سے خوبصورت
اور ماڈرن شہر واشنگٹن میں بیٹھے ہو۔ یہاں سرائے کی بجائے
ساٹھ ساٹھ منزلہ ہوٹلوں کی عمارتیں ہیں جن کی چھتوں پر
درخت اگائے گئے ہیں اور جن کا ایک دن کا کرایہ چار سو
ڈالر ہے۔ اتنے پیسے کہاں سے آئیں گے۔"
ناگ ہنس پڑا۔ میں نے پوچھا:
"تم ہنسے کیوں ہو؟"
ناگ بولا: "ہنسا اس لیے ہوں کہ یہ تم کہہ رہے کہ میں پیسے
یا ڈالر کہاں سے لاؤں گا؟ جبکہ خود تم اپنی قسطوں میں
مجھ سے بادشاہوں کے خزانے کھدوا کر وہاں سے ہیرے
جواہرات نکلواتے رہے ہو۔"
میں نے جلدی سے کہا:

"تو کیا وہ میں اپنے لیے نکلواتا رہا ہوں؟ اگر میں وہ
خزانے اور دولت اپنے لیے نکلواتا تو مجھے اپنے پیارے
وطن پاکستان سے اتنی دور آ کر نوکری کرنے کی کیا ضرورت
تھی۔ میں تو پھر دنیا کا سب سے زیادہ امیر آدمی ہوتا۔
وہ تو جیسے کہانی آگے چلتی تھی تم کسی نہ کسی خزانے میں
سے ہیرے جواہرات یا سونے کی اشرفیاں نکال کر اپنے
اوپر خرچ کر لیتے تھے۔ میں نے تم سے ایک اشرفی بھی
کبھی ادھار مانگی ہے؟"

ناگ زور سے ہنسا کہنے لگا:

"تم میرا مطلب نہیں سمجھے۔ میں نے کب کہا ہے کہ میں
خزانے میں سے اشرفیاں نکال کر تمہیں دے دیا کرتا تھا۔
میرا مطلب تو یہ تھا کہ تم تو جانتے ہو کہ میں زمین کے
اندر چھپے ہوئے خزانوں کا پتہ چلا لیتا ہوں۔ بس یہاں واشنگٹن
میں بھی میں پتہ کر لوں گا کہ کہاں زمین کے اندر کوئی خزانہ
دفن ہے۔ بس اس میں سے اپنی ضرورت کی رقم نکال کر
خرچ کر لوں گا۔"

مجھے ذرا خیال آیا کہ ناگ تو ٹھیک کہہ رہا ہے۔ وہ تو زمین
میں دفن خزانوں کا پتہ لگانے کا ماہر ہے۔ اسے واشنگٹن میں کسی
ہوٹل میں رہنے کے لیے یہ پریشانی نہیں ہوگی کہ ہوٹل کے کرائے
اور اخراجات کے لیے ڈالر کہاں سے آئیں گے۔ میں نے بھی مسکراتے
ہوئے کہا:

"معاف کرنا میرے دوست! میں بھول گیا تھا۔ اصل میں
امریکہ میں زندگی بڑی مصروف ہوتی ہے۔ آدمی بہت کچھ
بھول جاتا ہے۔ اب تم امریکہ آ گئے ہو تمہیں بھی معلوم ہو
جائے گا۔"

ناگ نے جواب دیا:

"فکر نہ کرو دوست! امریکہ کی افراتفری کی زندگی میرا کچھ نہیں
بگاڑ سکے گی اور کچھ نہیں تو میں سانپ بن کر کسی دریا کے
کنارے پڑ کر سو جاؤں گا۔"

پھر کچھ سوچ کر بولا:

"مگر میں ایسا نہیں کر سکتا۔ مجھے ماریا کی فکر لگی ہے خدا جانے
اس پر کیا بیت رہی ہوگی۔"

ناگ نے پلکیں جھپکے بغیر میری طرف دیکھا اور کہا:

"کیا تم مجھے ماریا کے پاس نہیں پہنچا سکتے؟"

میں نے کہا:

"کاش میں ایسا کر سکتا۔ مگر میں مجبور ہوں۔ میں تمہاری واپسی
کی کہانی بیان کر سکتا ہوں۔ مگر تمہیں سترہ اٹھارہ سو برس
اچانک پیچھے کے زمانے میں پہنچانا میرے بس میں نہیں ہے۔"

ناگ اداس ہو گیا۔ وہ ماریا کے لیے اداس تھا۔ جس کے ساتھ وہ ایک بھائی کی طرح ہزاروں سال سے سفر کر رہا تھا۔ اسے عنبر کی بھی یاد آ رہی تھی۔ مگر وہ جانتا تھا کہ عنبر طاقت ور ہے اور اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ لیکن بے چاری ماریا کی غائب ہونے والی طاقت اس سے چھین لی گئی تھی اور اب وہ ایک عام کمزور عورت کی طرح دکھوں اور مصیبتوں کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ یہی بات ناگ کو کھائے جا رہی تھی۔ بھلا جس کی بہن تکلیف میں ہو اس کے بھائی کو کیسے چین آ سکتا ہے۔ لیکن میری بھی مجبوری تھی۔ میں اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

چڑیا گھر میں بچے عورتیں اور مرد سیر کرتے پھر رہے تھے۔ ناگ اپنے خیالوں میں گم تھا۔ اچانک اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور بولا:

"میرے دماغ میں ایک خیال آیا ہے۔ کیا یہاں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں ستاروں کی گردش کا پتہ چلایا جاتا ہو؟"

میں نے کہا:

"ایک جگہ ہے مگر وہاں جا کر تم کیا کرو گے؟"

ناگ بولا: "ہو سکتا ہے وہاں ستاروں کی گردش معلوم کرنے کے لیے کوئی ایسی مشین لگی ہو جو مجھے کسی نہ کسی طرح انہیں سو برس پیچھے کے زمانے میں لے جائے۔"

میں بھی کچھ چونکا۔ ناگ کو بڑی خوب ترکیب سوجھی تھی۔ کم از کم اس طرح سے ایک امید پیدا ہو گئی کہ ناگ تاریخ میں پیچھے جا سکتا ہے۔ میں نے کہا:

"یہاں واشنگٹن ڈی سی میں کیپیٹل ہل کے قریب ایک خلائی عجائب گھر ہے۔ بہت بڑا عجائب گھر ہے۔ اس میں وہ خلائی گاڑی بھی رکھی ہے جو امریکی خلا بازوں کو لے کر چاند پر اتری تھی۔ وہاں ستاروں کی گردش بتانے والی مشینیں اور کمپیوٹر بھی رکھے ہیں۔ اگر تم چاہو تو میں تمہیں وہاں لے جا سکتا ہوں۔"

ناگ اٹھ کھڑا ہوا:

"میں ابھی وہاں جانا چاہتا ہوں۔"

میں نے ناگ کو ساتھ لیا۔ ایک ٹیکسی کو روکا اور اس میں بیٹھ کر ہم کیپٹل ہلز کے قریب خلائی عجائب گھر میں آ گئے۔ یہ دو منزلہ بڑا کھلا اور خوبصورت عجائب گھر ہے۔ سیڑھیاں اپنے آپ اوپر اٹھتی چلی جاتی ہیں۔ چاند پر امریکی خلا بازوں کے اترنے کی فلم ہر وقت چلتی رہتی ہے۔ ناگ نے سب سے پہلے ستاروں کی گردش بتانے والی مشین اور کمپیوٹر دیکھے۔ کمپیوٹر کی سکرین پر ستاروں کی جھلملاہٹ تھی اور کبھی کبھی کوئی شہاب ثاقب ٹوٹ کر فضا میں بکھر جاتا تھا۔ ایک مشین بہت بڑی تھی۔ اس کے

اندر کئی کل پرزے لگے تھے اور ایک امریکی سپاہی وہاں پہرہ دے رہا تھا۔ اس مشین کا نام "زیوس" تھا۔ اس کے باہر لکھا تھا کہ اس مشین کے ذریعے آج سے ہزاروں برس بعد کے ستاروں کی شکل و صورت اور چال کے بارے میں معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔

ناگ نے میری طرف دیکھ کر کہا:

"اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مشین کے ذریعے ہزاروں برس پیچھے کا حال بھی معلوم کیا جا سکتا ہے۔"

"میرا خیال ہے ایسا نہیں ہے۔ اگر یہ بات ہوتی تو اس پر ضرور لکھا ہوتا۔"

اس کے بعد ہم اس خلائی گاڑی "لونا" کے پاس آ گئے جو پہلی بار چاند پر اتری تھی۔ اسے ایک چبوترے پر رکھا ہوا تھا اور امریکی مرد عورتیں اس کی تصویریں کھینچ رہے تھے۔ ناگ دیر تک اس گاڑی کو ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔ ایک دو امریکی عورتوں نے ناگ کو گھور کر دیکھا۔ شاید وہ اس بات پر حیران ہو رہی تھیں کہ ناگ آنکھیں کیوں نہیں جھپکا رہا۔ میں نے ناگ کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اسے عجائب گھر سے باہر لے آیا۔ باہر آ کر ناگ نے کہا:

"ایسا لگ رہا ہے کہ یہ "زیوس" مشین مجھے اُنیس سو

برس تاریخ میں پیچھے ماریا عنبر کے پاس لے جانے میں مدد دے گی۔ اس لیے اب میں واشنگٹن میں کچھ دیر رہنا چاہتا ہوں۔"

میں نے کہا:

"بڑے شوق سے رہو۔ مگر کہاں رہنے کا ارادہ ہے؟ کیا چڑیا گھر میں؟"

ناگ مسکرایا:

"تمہارے قریب قریب کون سا خوبصورت ہوٹل ہے؟"

میں نے کہا:

"ملٹن ہوٹل ہے۔ قریب بھی ہے اور شاندار بھی ہے مگر بڑا مہنگا ہے۔"

ناگ نے ہنس کر کہا:

"ان لوگوں سے ڈالر لے کر ان لوگوں کو ہی دے دونگا۔"

ہم ٹیکسی لے کر واپس روانہ ہوئے تو ناگ نے کہا:

"تم مجھے کسی ایسی جگہ لے چلو جہاں کبھی امریکہ کے کسی بادشاہ کا محل رہا ہو۔"

میں نے کہا:

"امریکہ میں کبھی کوئی بادشاہ نہیں تھا۔ یہاں تو شروع ہی سے جمہوریت رہی ہے۔ ہاں شروع میں

غلامی کا دور تھا۔ یہاں افریقہ کے حبشیوں کو غلام بنا
کر ان سے کام لیا جاتا تھا۔"
ناگ نے کچھ سوچ کر کہا:
"کیا یہاں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کبھی کوئی
جنگ لڑی گئی ہو۔ کیونکہ جرنیل جب جنگ لڑنے کے
لیے نکلتے تھے تو اپنے ساتھ پیچھے خزانہ ضرور رکھتے تھے۔"
میں نے کہا:
"ہاں یہاں قریب ہی آزادی کا مینار ہے۔ وہاں امریکہ
کی آخری جنگ لڑی گئی تھی۔"
ناگ جھٹ بولا:
"تم مجھے وہاں لے چلو۔"
ٹیکسی آزادی کی یاد میں بنائے ہوئے مینار کے پاس آ کر
رک گئی۔ یہ ایک بہت اونچا ایک بہت بڑی پنسل کی طرح
کا یا قلفی کی طرح کا بنا ہوا مینار ہے جس کے اندر ہی اندر اوپر
تک لفٹ جاتی ہے۔ اس کے ارد گرد وہ میدان ہے جہاں
کبھی امریکہ کی آخری جنگ آزادی لڑی گئی تھی۔ ناگ اس میدان
میں آ کر ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ پھر مجھے ایک جگہ بنچ پر بٹھا
کر بولا:
"میں اگر چاہوں تو امریکہ کے کسی بھی بینک سے ہزاروں

لاکھوں ڈالر اڑا کر لا سکتا ہوں۔ مگر میں نے ایسا کبھی
نہیں کیا۔ کیونکہ میں چوری نہیں کیا کرتا۔ چوری گناہ
ہے اور انسان کے کردار کو خراب کر کے اسے ذلیل
کر دیتی ہے۔ ہاں میں پرانے بادشاہوں کے اس خزانے
میں سے اپنے خرچ کی رقم ضرور لے لیتا ہوں جس پر
اب کسی کا بھی حق نہیں ہے۔"
میں نے کہا:
"میں جانتا ہوں کہ تم نے کبھی کسی دوسرے کا حق نہیں
مارا اور کبھی چوری نہیں کی۔"
ناگ بولا: "مجھے ایسے لگتا ہے کہ اس میدان کے
مغربی کونے میں خزانہ دفن ہے۔ میں ابھی پتہ کرتا ہوں۔"
ناگ میرے پاس ہی بنچ پر بیٹھ گیا۔ میدان میں بہت کم
لوگ تھے۔ زیادہ تر لوگ آزادی کے مینار کی سیر کر رہے تھے۔
ناگ نے آنکھیں بند کر کے کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ میں سمجھ گیا
کہ وہ اس زمین کے اندر دبے ہوئے خزانے کے سانپ کو بلا
رہا ہے۔ میں نے ناگ عنبر ماریا کی کہانی ضرور لکھی ہے اور لکھ
رہا ہوں مگر کسی سانپ کو خزانے کے اوپر سے اٹھ کر باہر آتے
کبھی نہیں دیکھا تھا۔
ناگ نے کوئی تین منٹ تک منتر پڑھا ہو گا کہ میں نے

سفید رنگ کے ایک چھوٹے سے سانپ کو اپنے پاؤں کے بالکل
قریب کنڈلی مارے بیٹھے دیکھا۔ میں تو ڈر گیا۔ پاؤں اوپر کرنے
لگا تو ناگ نے کہا:
"فکر نہ کرو۔ یہ تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔"
پھر ناگ نے سانپوں کی زبان میں اس سے باتیں شروع
کر دیں۔ وہ منہ سے سی سی کی آوازیں نکال رہا تھا۔ سانپ
بھی ایسی ہی آوازیں نکال رہا تھا۔ پھر سفید سانپ وہیں
گھاس میں گم ہوگیا۔ ناگ نے مسکرا کر کہا:
"میرا اندازہ درست نکلا۔ یہاں خزانہ موجود ہے۔ یہ سفید
سانپ اس خزانے کا پہرے دار ہے۔"
میں نے کہا: "کیا وہ خزانہ لینے گیا ہے؟"
"تم دیکھتے رہو۔"
تین منٹ بعد سفید سانپ گھاس میں پھر نمودار ہوا۔ اس کے
منہ میں ایک سفید چمکتا ہوا ہیرا تھا۔ ہیرا لا کر اس نے ناگ کے
قدموں میں ڈال دیا۔ سر جھکا کر سلام کیا اور واپس چلا گیا۔ ناگ نے
ہیرا اٹھا کر مجھے دکھایا:
"چلو اسے کسی جوہری کے پاس فروخت کرتے ہیں۔"
میں نے ہیرے کو غور سے دیکھا۔ آلوچے جتنا بڑا ہیرا تھا اور
اور بڑی خوب صورتی سے تراشا گیا تھا۔ امریکہ میں آپ جس جوہری

...ے پاس چاہیں ہیرے جواہرات بیچ سکتے ہیں۔ ڈاؤن ٹاؤن میں
...لوینیا ایونیو میں ہیروں کے ایک امریکی تاجر کی دکان تھی۔ میں ناگ
...ے کر وہاں آ گیا۔ تاجر نے ہیرے کو اور ہمیں غور سے دیکھا اور
...کھاتے ہوئے بولا:
"یہ ہیرا آپ کو کہاں سے ملا ہے؟"
ناگ نے کہا:
"میں ملک پاکستان سے آیا ہوں۔ میرا باپ لاہور میں
مزنگ کا راجہ تھا۔ اسے راجہ آف مزنگ کہا جاتا تھا
یہ میرا دوست ہے۔ اس کا باپ بھی لاہور کا راجہ تھا اور
اسے راجہ آف لنڈا بازار کہا جاتا تھا۔ اب ہماری لنڈا بازار
اور مزنگ کی ریاست باقی نہیں رہی۔ مگر ہم یہ اپنا
خاندانی ہیرا لے کر امریکہ آ گئے ہیں اور اسے فروخت
کرنا چاہتے ہیں۔"
امریکی تاجر رعب میں آ گیا:
"اچھا۔ تو آپ دونوں راجہ ہیں۔ بڑی خوشی ہوئی آپ
سے مل کر۔"
پھر اس نے ہیرے کو دیر تک جانچنے اور پرکھنے کے بعد کہا
"میں آپ کو اس ہیرے کے عوض ایک لاکھ ڈالر دے
سکتا ہوں راجہ صاحب!"

ناگ نے گردن اکڑا لی تھی۔ وہ اپنے آپ کو راجہ کہلوانے پر بڑا خوش تھا۔ بولا:

"ٹھیک ہے۔ ہمیں سودا منظور ہے۔"

اسی روز میں نے ناگ کا ایک بینک میں اکاؤنٹ کھلوا دیا جس میں اس کے نام ایک لاکھ ڈالر کا چیک جمع کرا دیا گیا۔ ناگ ایک دم سے امیر بن گیا تھا۔ مگر اس نے کبھی دولت عیاشیوں پر خرچ نہیں کی تھی۔ ہلٹن ہوٹل میں وہ ایک کمرے میں آکر ٹھک گیا۔ کچھ ڈالروں کے اس نے کپڑے اور ضرورت کی دوسری چیزیں خرید لیں۔ میں اسے ہوٹل میں چھوڑ کر واپس آ گیا۔

ان دنوں امریکہ میں اور خاص طور پر واشنگٹن میں سپرمین کا بڑا چرچا تھا۔ ایک تو ٹیلی ویژن پر اس کی فلمیں دکھائی جا رہی تھیں اور دوسرے واشنگٹن شہر میں یہ بات بڑی مشہور تھی کہ سپرمین رات کو شہر کے بازاروں اور عمارتوں کا چکر لگاتا ہے اور اگر کوئی چور چوری کر رہا ہو۔ کوئی کسی کو لوٹ رہا ہو۔ قتل کرنے کی کوشش کر رہا ہو یا کسی عورت یا بچے کو اغوا کرنے کی کوشش کر رہا ہو تو سپرمین اسے فوراً دبوچ کر پولیس کے حوالے کر کے خود فضا میں پرواز کر جاتا ہے۔ لوگ کہتے تھے کہ سپرمین کی وردی سرخ رنگ کی ہے اور اس کے سینے پر "S" کا نشان بنا ہوا ہے۔ میں نے تو اس قسم کی افواہوں پر کبھی یقین نہیں کیا تھا۔ لیکن ایک دن میں ناگ سے ملنے شام کے

ن اس کے ہوٹل گیا تو اس نے مجھے یہ بتا کر حیران کر دیا کہ وہ ہن سے ملا ہے۔ میں نے پوچھا:

"کیا سچ سچ تم سپرمین سے ملے ہو؟"

ناگ سوٹ پہنے صوفے پر بیٹھا اورنج جوس پی رہا تھا۔ کہنے لگا:

"رات کو وہ اُڑتا ہوا میرے کمرے کی بالکونی میں آ گیا اور مجھ ے دیر تک باتیں کرتا رہا۔"

"کیا اسے معلوم ہو گیا ہے کہ تم انسان کی شکل میں سانپ ہو؟"

"نہیں۔"

"پھر وہ تمہارے پاس خاص طور پر کیوں آیا؟"

"میری کھڑکی کا ایک پٹ کھلا تھا۔ وہ مجھے یہ کہنے آیا کہ مجھے رات کے وقت کھڑکی کا پٹ بند رکھنا چاہیے تاکہ چور اندر نہ گھس آئے پھر میں نے اسے اندر بلا لیا اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ وہ بڑا جوان اونچا لمبا اور ورزشی جسم والا خوبصورت نوجوان ہے۔ سرخ لباس اس کے جسم کے ساتھ لگا ہوا تھا اور سینے پر انگریزی میں "S" کا نشان بنا تھا۔ یعنی سپرمین کا نشان۔ جب وہ اڑا تو ایک سرخ عبا یا چادر اس کے کندھوں سے اٹکی پیچھے لہرا رہی تھی۔"

میں نے شوق سے پوچھا: "کیا وہ پھر بھی آئے گا؟"

"کیوں نہیں۔" ناگ کہنے لگا: "وہ آج ہی رات کو آ رہا ہے۔"

میں نے اسے کھانے پر بلایا ہے۔ اگرچہ وہ کچھ کھاتا پیتا
نہیں ہے مگر اس نے میری دعوت قبول کر لی ہے۔ تم
یہیں بیٹھے رہو۔ وہ رات کے ٹھیک نو بجے میرے کمرے
کی گیلری میں آکر اُترے گا۔"

پھر کچھ سوچ کر ناگ بولا:

"لیکن تمہیں دیکھ کر وہ یہاں نہیں آئے گا کیوں کہ اس نے
یہاں آنے کی ایک ہی شرط رکھی تھی کہ سوائے میرے
اور کوئی یہاں پر موجود نہ ہو۔"

میں نے کہا:

"مگر وہ تمہارے سامنے کیسے آ گیا؟"

ناگ نے کہا:

"یہی سوال میں نے بھی اس سے کیا تھا کہ اگر تم میرے
سامنے یہاں کمرے میں آ گئے ہو تو کیا دوسروں کے پاس
بھی اسی طرح جاتے ہو۔ تو اس نے کہا تھا کہ میں صرف پل
بھر کے لیے کسی کے پاس رُکتا ہوں۔ اس کے بعد وہاں
سے اڑ جاتا ہوں۔ پھر میں نے پیر بین سے کہا کہ وہ میری
دعوت کس لیے قبول کر رہا ہے تو اس نے جواب دیا تھا کہ
میں تمہارے اندر عام انسانوں سے کوئی الگ بات دیکھ
رہا ہوں۔"

میں نے کہا:

"اس کا مطلب ہے کہ اسے "تم پر شک ہو گیا ہے کہ تم
انسان نہیں بلکہ سانپ ہو؟"

ناگ نے جواب دیا:

"میں کہہ نہیں سکتا۔ ہو سکتا ہے اسے شک ہو گیا ہو اور
یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے شک نہ ہوا ہو۔ لیکن اتنا ضرور
ہے کہ اس نے میری آنکھوں میں کوئی خاص چیز دیکھ
لی ہے۔ کیونکہ وہ بھی اس دنیا سے تعلق نہیں رکھتا۔"

میں نے پوچھا:

"تو پھر کس دنیا سے تعلق رکھتا ہے؟"

ناگ بولا: "یہی میں آج اس سے پوچھنے والا ہوں۔ تم
ایسا کرو کہ دیوار کے بھاری پردے کے پیچھے چھپ کر
بیٹھ جاؤ اور جب وہ آئے تو اس کی باتیں خود سنو۔ مگر
خبردار کھانسنا وغیرہ مت۔"

میں نے کہا:

"فکر نہ کرو۔ میں پردے کے پیچھے چھپنے سے پہلے کافی
کھانس لوں گا۔"

اسی طرح باتیں کرتے کرتے رات ہو گئی۔ ناگ نے کھانا منگوا کر
میز پر سجا دیا اور نوکروں سے کہہ دیا کہ اب کوئی اس کے کمرے
میں نہ آئے۔ رات کے نو بجنے میں جب چار منٹ باقی رہ گئے
تو میں پردے کے پیچھے جا کر چھپ گیا۔ ہم نے پردے میں ایک

سوراخ کر رکھا تھا جس میں سے کمرے کا سارا نقشہ نظر آتا تھا۔ ٹھیک
نو بجے گیلری کے باہر رات کے سیاہ آسمان پر کپڑے کی پھڑپھڑاہٹ
سنائی دی۔ دور اونچی عمارتوں میں روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ ناگ
اٹھ کر گیلری کے پاس آ گیا۔ میں نے ایک سرخ چست لباس والے
خوبصورت نوجوان کو کسی پرندے کی طرح گیلری میں اترتے ہوئے
دیکھا۔ کمرے میں ٹیوب کی سفید روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ناگ نے
گیلری کی لمبی کھڑکی کا پٹ کھول دیا۔ پیرین کمرے میں آ گیا۔
اس نے ناگ سے ہاتھ ملایا اور کہا:

"میں کبھی لیٹ نہیں ہوتا۔ میں پیرین ہوں۔"

ناگ نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"پیرین! تشریف لاؤ۔ کھانا تمہارا انتظار کر رہا ہے۔"

پیرین کرسی پر آ کر بیٹھ گیا اور بولا:

"میں نے تمہیں کہا تھا نا کہ میں کھانا نہیں کھایا کرتا مجھے
کبھی بھوک پیاس نہیں لگتی۔"

ناگ نے کہا:

"تھوڑا بہت میری خاطر ہی کھا لو۔ یہ سیب کا جوس
ہی پی لو۔"

پیرین نے مسکرا کر جوس کا گلاس اٹھا لیا۔ میں یہ سارا منظر
پردے کے پیچھے سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ پیرین
ناگ کی طرف بڑے غور سے تک رہا تھا۔ صاف لگتا تھا کہ اسے

ل پر شک پڑ چکا ہے۔ ناگ کو بھی اس کا احساس تھا۔ چنانچہ ان پہلے
ے کہ پیرین ناگ سے کچھ پوچھتا۔ ناگ نے سوال کر ڈالا۔ اس
ے پوچھا:

"پیرین! کیا تم مجھے بتاؤ گے کہ تم ہوا میں کیسے اُڑ
لیتے ہو؟"

پیرین نے بے باکی سے مسکرا کر کہا:

"جیسے تم انسان سے سانپ بن جاتے ہو۔"

ناگ چونک پڑا۔ میں بھی حیران رہ گیا کہ پیرین کو کیسے پتہ
چل گیا کہ ناگ انسان نہیں سانپ ہے۔ پیرین نے ناگ کا اصل
راز اس کے دل سے نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔ اب
بھلا وہ کیسے کوئی بات چھپا سکتا تھا۔ پس ناگ نے بھی مسکراتے
ہوئے کہا:

"اب جب کہ تم نے میری اصل حقیقت کو پہچان لیا ہے
تو یہ بتاؤ کہ تم اصل میں کون ہو؟ کیوں کہ اس دنیا کا
کوئی آدمی سوائے خاندانی بوڑھے سپیرے کے میری اصل
حقیقت کو نہیں پہچان سکتا اور تم مجھے امریکہ کے سپیرے
نہیں لگ رہے۔"

پیرین اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ پھر وہ اس پردے کے
قریب آ گیا جہاں میں چھپا ہوا تھا۔ میرا دل دھڑکنے لگا۔ کہیں اسے
پتہ نہ چل گیا ہو کہ میں پردے کے پیچھے بیٹھا ہوں۔ ٹہلتے ٹہلتے پیرین

ناگ کے پاس جا کر باتیں کرنے لگا۔ وہ اسے کہہ رہا تھا۔
"میرا تعلق ایک ایسے سیارے سے ہے جہاں نہ دن
ہوتا ہے نہ رات۔ ہر وقت سرخ روشنی پھیلی رہتی ہے
اسی لیے میرا لباس سرخ ہے۔ ہمارا سیارہ تباہ ہو گیا۔
صرف میں باقی بچا تھا۔ وہ بھی اس لیے کہ میں کسی دوسرے
سیارے پر گیا ہوا تھا۔ پس میں اس دنیا میں آ گیا۔ اب میں
امریکہ کے آسمان پر ہواؤں میں اڑتا پھرتا ہوں۔ میرا ٹھکانہ
شہر سے دور ایک اونچے پہاڑ کی چوٹی پر ہے۔ ہمارے
سیارے پر کبھی کسی نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ چوری نہیں
کی تھی۔ کسی کو تنگ نہیں کیا تھا۔ کبھی کوئی لڑائی جھگڑا
نہیں کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ میں امریکہ میں جہاں کوئی برائی
دیکھتا ہوں اسے ختم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ہمارا ایسی
دنیا میں دم گھٹتا ہے جہاں کوئی چوری کرے۔ جھوٹ بولے
بڑوں کا ادب نہ کرے اور ایک دوسرے کو گالیاں دے
اور ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے۔"
ناگ نے پوچھا:
"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ مگر تم نے مجھے پہچانا کیسے؟"
سپر مین بولا:
"چونکہ ہمارے سیارے پر نیک لوگ بستے تھے۔ اس
لیے ان میں ایسی طاقت آ گئی تھی۔ کہ وہ دوسرے کے

دل میں جھانک کر معلوم کر لیں کہ بس یہ شخص کون ہے
اور کیا سوچ رہا ہے۔ اسی وجہ سے میں نے تمہیں پہچان
لیا کہ تم اصل میں سانپ ہو اور شکل بدل کر انسان بن
گئے ہو۔"
تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد سپرمین نے ناگ سے کہا:
"چونکہ تم شکل بدل سکتے ہو اس لیے میں تمہیں ایک خطرناک
راز بتا رہا ہوں۔ اس سلسلے میں تم میری اور ساری دنیا
کے انسانوں کی مدد کر سکتے ہو۔ غور سے سنو۔ تمہیں شاید
معلوم ہی ہو کہ اس وقت دنیا ایٹمی جنگ کے کنارے
پر کھڑی ہے۔ امریکہ اور روس دونوں کے پاس ایسے ایسے
ایٹم بم ہیں۔ جو ساری دنیا کو تباہ کر سکتے ہیں۔ امریکہ نے
ایسے میزائل تیار کیے ہیں جن کے آگے ایٹم بم لگا ہوتا ہے
اور جو ایک ملک سے دوسرے ملک میں جا کر پھٹتے
ہیں۔ اے۔ ایم ایکس میزائل کہا جاتا ہے۔ روس ان میزائلوں
کا راز چرانا چاہتا ہے اور ان میزائلوں کو امریکہ میں ہی
تباہ کر دینا چاہتا ہے تاکہ دوبارہ یہ میزائل تیار نہ ہو سکیں
اور وہ امریکہ سے اپنی من مانی شرطیں منوا سکے اور پھر
جس ملک پر چاہے ایٹم بم چلا کر اسے تباہ کر دے۔ کیونکہ
پھر اسے کوئی پوچھنے اور دھمکانے والا نہیں ہو گا۔ روس
نے اس کام کے لیے اپنا ایک خاص اور بڑا خطرناک

ایٹمی جاسوس یہاں واشنگٹن میں بھیج دیا ہے جو واشنگٹن کے
ایٹمی مرکز سے ایم ایکس میزائلوں کا راز چرانا چاہتا ہے اور
ایم ایکس میزائلوں کو تباہ کرنا چاہتا ہے اگر یہ میزائل پھٹ
گئے تو سارا واشنگٹن ختم ہو جائے گا اور اتنے بڑے شہر
میں کوئی بوڑھا جوان عورت اور بچہ سلامت نہیں رہے گا۔"

ناگ نے کہا:

"میں اس روسی جاسوس کو کہاں تلاش کر سکتا ہوں؟"

سپرمین بولا:

"یہی تو ہمیں معلوم کرنا ہے۔ یہ تم پتہ چلا سکتے ہو کیونکہ تم
پرندہ بن کر بھی اس کا کھوج لگا سکتے ہو۔ مجھے صرف اتنا
معلوم ہو سکا ہے کہ اس روسی جاسوس کی ایک آنکھ پتھر
کی ہے مگر بالکل اصلی لگتی ہے۔ اس کے ساتھ بڑا خطرناک
جاسوسوں کا گروہ ہے جو سارے واشنگٹن میں پھیلا ہوا ہے۔
یہ پتھر کی آنکھ والا جاسوس بڑا چالاک اور پتھر دل انسان ہے
وہ ایک سیکنڈ میں دشمن کو ذرا سی زہریلی نوک چبھو کر
ہلاک کر دیتا ہے۔"

ناگ نے پوچھا:

"وہ کہاں مل سکتا ہے؟"

سپرمین نے کہا:

"یہ معلوم ہوتا تو میں اب تک اسے ختم کر چکا ہوتا۔

مصیبت یہی ہے کہ اس کا کھوج لگانا پڑے گا اور
میں شہر کے بازاروں اور ہوٹلوں میں دوسرے انسانوں کی
طرح آزادی سے نہیں پھر سکتا۔ لوگ میرے پیچھے لگ
جائیں گے۔ ایک جمگھٹا لگ جائے گا اور روسی جاسوس میرے
قابو میں نہیں آ سکے گا۔ لیکن تم حلیہ بدل کر سب کام کر
سکتے ہو۔ مگر یہ کام تمہیں جلدی کرنا ہو گا۔ کیونکہ روسی جاسوس
اور اس کی ٹولی ایٹمی ایم ایکس میزائلوں کے پیچھے لگی
ہوئی ہے۔ اگر وہ اس کا راز چرا کر لے جانے میں کامیاب
ہو گئے تو وہ ایسے میزائل تیار کر کے امریکہ پر حملہ کر
دیں گے اور یہاں کے میزائل وہ پہلے ہی تباہ کر چکے
ہوں گے۔"

ناگ نے پوچھا:

"کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ اگر انہوں نے یہ میزائل تباہ
کیے تو وہ بھی ساتھ ہی ہلاک ہو جائیں گے؟"

سپرمین کہنے لگا:

"وہ اتنے معصوم نہیں ہیں۔ انہوں نے پہلے سے سارا
انتظام کر رکھا ہے۔ وہ ایٹمی میزائلوں کی لہروں کی رفتار
معلوم کر کے ساحل سمندر پر چلے جائیں گے وہاں ایک
روسی خفیہ آبدوز ان کا انتظار کر رہی ہو گی۔ وہ اس
آبدوز کشتی میں بیٹھ کر سمندر کے اندر چلے جائیں گے اور

پھر وہاں سے ریڈیو کنٹرول کے ذریعے ایم ایکس میزائلوں
کو چلا دیں گے جس کے بعد سارا واشنگٹن آگ کا گولہ بن
کر بھسم ہو جائے گا۔"

ناگ نے کہا: "مگر تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ میں
اس شخص کو کہاں تلاش کروں؟"

سپر مین بولا:

"اس کے لیے تمہیں روسی سفارت خانے کو نگاہ میں
رکھنا ہو گا۔ کیوں کہ وہ جاسوس روسی سفارت خانے میں
ضرور آتا جاتا ہو گا۔ اس کے بعد جس جگہ ایٹمی ایم ایکس
میزائل لگے ہیں تمہیں وہاں بھی چکر لگاتے رہنا ہو گا۔ کیا
تم پوری دنیا کے انسانوں کی زندگیوں کی خاطر یہ کام کرنے
پر تیار ہو ناگ؟"

ناگ نے کہا: "میں تیار ہوں۔"

سپر مین مسکرایا: "مجھے تم سے یہی امید تھی۔ میں تم سے
جہاں بھی ہو گے کبھی کبھی خود آ کر ملتا رہوں گا اور اس
خطرناک مگر بڑی اہم مہم میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔ اب
میں جاتا ہوں خدا حافظ!"

اتنا کہہ کر سپر مین کمرے سے نکل کر گیلری میں آیا۔ بازو ہوا میں
پھیلائے اور مرغ باز کی طرح اوپر ہوا میں اٹھا اور آسمان پر اڑتا
ہوا ستاروں میں کہیں غائب ہو گیا۔

پتھریلی آنکھ والا جاسوس

سپر مین کے پرواز کرتے ہی میں پردے سے باہر آ گیا۔
ناگ بڑا جذباتی ہو رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی بولا:

"دوست! یہ سپر مین تو کمال کا آدمی نکلا۔ ایک پل میں
مجھے پہچان گیا اور اب ساری دنیا کو ایٹم بموں کی تباہی
سے بچانے کی فکر میں ہے۔"

میں نے کہا: "سپر مین ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اس وقت دنیا
تباہی کے دہانے پر ہے۔ کسی ملک نے بھی ایک ایٹمی میزائل
دوسرے ملک پر داغ دیا تو ایک ایسی بھیانک جنگ شروع
ہو جائے گی کہ آدھ گھنٹے کے اندر اندر دنیا کا کوئی انسان
زندہ نہیں بچے گا۔"

ناگ بولا: "اسی وجہ سے تو جنگ نہیں ہو رہی کہ ہر ایک ملک
کو پتہ ہے کہ اگر میں نے ایٹمی میزائل چلایا تو میری بھی
خیر نہیں ہے۔"

میں نے جواب دیا:

"اسی لیے تو پیرین کو فکر ہے کہ امریکہ کے ایم ایکس میزائل نہ تو تباہ کیے جانے چاہئیں اور نہ ہی ان کے راز چرا لیے جانے چاہئیں۔ کیونکہ اگر امریکہ کے پاس میزائل نہ رہے اور دوبارہ میزائل تیار کرنے کا نقشہ بھی نہ رہا تو دوسرا دشمن ملک اس ملک پر بے دھڑک ایٹمی میزائل چلا کر پندرہ منٹ میں امریکہ کی ساری آبادی کو موت کی نیند سلا کر ساری دنیا کا فرعون بن بیٹھے گا۔"

ناگ نے میز پر ہاتھ مار کر کہا:

"میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ میں پتھر کی آنکھ والے روسی جاسوس کو جہاں بھی ملا ڈس کر ہلاک کر دوں گا۔"

میں نے ناگ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"پیارے دوست! ضرورت اس وقت غصے میں آنے کی نہیں بلکہ ٹھنڈے دل سے کام لینے کی ہے۔ ایک روسی جاسوس کے مر جانے سے تباہی نہیں رک سکے گی۔ ہمیں جاسوسوں کے پورے گروہ کا سراغ لگا کر حکومت یا پیرین کے حوالے کرنا ہے اور دوسری سب سے اہم بات یہ ہے کہ ایم ایکس میزائلوں کے راز کو چوری ہونے سے بچانا ہے۔ کیونکہ ایک بار یہ راز چوری ہو گئے اور امریکہ میں تہہ خانوں کے اندر لگائے ہوئے

میزائل پھٹ گئے تو پھر اس ملک کے ساتھ ساتھ دنیا کو کوئی بھی ملک تباہی سے نہ بچ سکے گا۔"

ناگ کچھ دیر ٹہل کر غور کرتا رہا۔ پھر گہرا سانس بھر کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس نے میری طرف پلکیں جھپکے بغیر دیکھتے ہوئے کہا:

"میرے دوست! ساری دنیا کے انسانوں، معصوم بچوں اور عورتوں کی خاطر میں ابھی پچھلے زمانے میں جا کر ماریا کی مدد کرنے کا پروگرام ملتوی کرتا ہوں۔ اب مجھے سب سے پہلے اس دنیا کے اربوں انسانوں کو ایٹمی جنگ کی تباہی سے بچانا ہے۔ میں بھی نہیں چاہتا کہ امریکہ کے ساتھ روس کے ملک کے پیارے اور معصوم بچے اور بے گناہ عورتیں ہلاک ہوں۔ میں انسان کی شکل میں ہوں اور یہ میرا انسانی فرض ہے۔"

میں ناگ کو اس کے ہوٹل میں غور و فکر کرتا چھوڑ کر واپس اپنے اپارٹمنٹ میں آ گیا۔ دوسرے روز میں نے اسے فون کیا تو ہوٹل کے کاؤنٹر پر بیٹھی امریکی لڑکی نے مجھے بتایا کہ مسٹر ناگا ہوٹل چھوڑ کر جا چکے ہیں۔ میں نے پوچھا۔ کہاں چلے گئے ہیں؟ تو اس نے جواب میں کہا کہ وہ کسی کو کچھ بتا کر نہیں گئے۔ میں نے کہا:

"مس ایک بات یاد رکھنا اگر وہ آئے تو انہیں مسٹر ناگا مت کہنا۔ ان کا نام ناگ ہے۔"

امریکی کاؤنٹر گرل ہنس پڑی۔ میں نے فون بند کر دیا۔ آخر ناگ
نے وہی کیا جس کا مجھے ڈر تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ میرے ساتھ
نہیں رہے گا۔ بلکہ میری کہانی کے ساتھ ساتھ رہے گا۔ میں جوان کی
واپسی کی داستان لکھ رہا ہوں تو وہ داستان کے ساتھ ساتھ چلتا چلا
جائے گا۔ مجھے ناگ کے بچھڑنے کا افسوس تو ضرور ہوا مگر میں سوائے
افسوس کے اور کر بھی تو کچھ نہیں سکتا تھا۔ اگرچہ ناگ امریکہ ایسے ماڈرن
ملک میں بالکل اکیلا تھا مگر مجھے اس بات سے تسلی تھی کہ وہ اپنی
حفاظت کرنا جانتا ہے اور اس کے پاس اپنے بچاؤ کے بڑے
طریقے ہیں۔

پیارے بچو! یہاں سے میرا اور ناگ کا ساتھ ابھی تک تو ختم
ہوتا ہے۔ ہاں اگر وہ مجھے دوبارہ یہاں مل گیا تو میں پھر اسے
ساتھ لے لوں گا۔ کیونکہ جہاں تک میرا خیال ہے وہ بھی واشنگٹن
میں ہی ہے اور میں بھی واشنگٹن میں ہوں۔ اب میں آپ کو ایک
کہانی بیان کرنے والا بن کر ناگ عنبر ماریا کی واپسی کی داستان
شروع کرتا ہوں۔ لو پیارے دوستو! سنو آگے کیا ہوتا ہے:

○

ناگ ہوٹل سے نکل کر روسی سفارت خانے کی طرف روانہ ہو گیا۔
اس نے ہوٹل ہی سے معلوم کر لیا تھا کہ سفارت خانے کی عمارت
ں ہے۔ اس نے اپنی آنکھوں پر سیاہ چشمہ چڑھا لیا تھا تاکہ
ں کی آنکھوں کو دیکھ کر کسی کو یہ خیال ہی نہ آئے کہ وہ پلکیں کیوں
ں جھپکا رہا۔ اس نے ایک نسواری رنگ کا سوٹ بھی خرید
پہن لیا تھا اور سر پر ہیٹ جما لیا تھا۔ وہ پورا ماڈرن امریکی
گیا تھا۔ انگریزی زبان سیکھنے کی اسے کوئی ضرورت نہیں تھی
ونکہ یہ تو آپ بھی جانتے ہیں کہ عنبر ناگ ماریا میں اتنی طاقت
ی کہ وہ دنیا کی ہر زبان بول اور سمجھ سکتے ہیں۔ ماریا بے چاری تو
سانی شکل میں ظاہر ہو گئی تھی جس کی وجہ سے اسے رومن زبان
جھنے میں مشکل ہو رہی تھی۔ کیونکہ غائب حالت سے انسانی جسم میں
نے سے اس کے اندر عورت کی تمام کمزوریاں پیدا ہو گئی تھیں۔

پیارے بچو! یورپ کے ملکوں کی طرح واشنگٹن میں بھی زمین کے
یچے ٹرین چلتی ہے جسے ٹیوب کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ زمین کے اندر ہی اندر
کھودی ہوئی بہت چوڑی سرنگ میں سے گزرتی ہے اور اس کی
رفتار ستر اسی میل فی گھنٹہ ہوتی ہے۔ واشنگٹن کی زمین دوز ریل
گاڑی کو میٹرو ٹیوب بھی کہتے ہیں۔ یہ بجلی کی مدد سے چلتی ہے۔
گرمیوں میں اس کے صاف ستھرے ڈبے ٹھنڈے ہوتے ہیں اور
سردیوں میں گرم ہوتے ہیں۔ اس ٹرین کا ٹکٹ ایک مشین کے
اندر پیسے ڈالنے سے خود بخود باہر نکل آتا ہے۔ پھر وہ ٹکٹ ایک
گیٹ کے سوراخ میں ڈالنے سے گیٹ کے آگے آیا ہوا لکڑی کا

خوبصورت تختہ اپنے آپ پرے ہٹ جاتا ہے۔ پلیٹ فارم تک
جانے کے لیے ایسی سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں جو اپنے آپ بجلی کی
مدد سے نیچے اترتی چلی جاتی ہیں۔ بس آپ سیڑھی پر کھڑے ہو
جائیں اور سیڑھی آپ کو لے کر نیچے زمین کے اندر چلی جائے
گی۔ نیچے جا کر روشنیاں ہی روشنیاں ہوتی ہیں۔ ایک بات یہاں
بڑی اچھی ہے کہ بسوں اور زمین کے اندر چلنے والی ریل گاڑیوں
میں سگریٹ پینے کی اجازت نہیں ہوتی۔ امریکہ میں بہت کم لوگ
سگریٹ پیتے ہیں۔ لوگ اس بری عادت کو چھوڑ رہے ہیں کیونکہ
یہاں کے ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ سگریٹ پینے سے عمر کم ہو جاتی
ہے اور پھیپھڑے سیاہ پڑ جاتے ہیں۔ آپ بھی ہرگز ہرگز کبھی سگریٹ
نہ پئیں۔ اگر آپ کا کوئی ساتھی آپ کو مجبور بھی کرے کہ یار تھوڑا
سا سگریٹ پی لو۔ منہ سے دھواں ہی نکال کر پھینک دو تو پیارے بچو
دوستو! اس کی باتوں میں نہ آنا اور سگریٹ کو ہاتھ بھی نہ لگانا۔
کیوں کہ اس طرح سے پھر عادت پڑ جاتی ہے اور پھر انسان
سگریٹ کے دھوئیں سے پیدا ہونے والی بیماریوں کا شکار ہو جاتا
ہے۔ تم دیکھ لو کہ عنبر ناگ اور ماریا بھی سگریٹ نہیں پیتے۔
اب میں ناگ کی کہانی بیان کرتا ہوں۔
ناگ روسی سفارت خانے کی طرف جا رہا تھا۔ رازلین زمین دوز
ریلوے سٹیشن تک وہ بس میں بیٹھ کر آیا۔ اس بس کو ایک نیگرو

چلا رہی تھی۔ نیگرو وہ کالے حبشی لوگ ہیں جو امریکہ میں آباد
ہو گئے ہیں۔ ان میں سے بہت سے مسلمان ہیں اور بڑے پکے
مسلمان ہیں۔ یہ لوگ بڑے محنتی ہوتے ہیں۔ رازلین کا ریلوے سٹیشن
زمین کے اندر کافی نیچے جا کر ہے۔ کیوں کہ یہاں سے زمین کی
... میں چلنے والی ریل واشنگٹن کے دریائے پوٹامک کے نیچے
سے ہو کر گذرتی ہے۔ انجینئروں نے دریا کے بہت نیچے سے
سرنگ کھود کر ریل گاڑی کو سرنگ میں سے گذارا ہے۔ جب
گاڑی دریا کے نیچے سے گذرتی ہے تو کافی تیز ہوتی ہے اور ہوا
کے دباؤ کی وجہ سے کان بند ہونے لگتے ہیں۔
ناگ اپنے آپ چلنے والی سیڑھیوں سے اتر کر پلیٹ فارم پر
آ گیا۔ یہاں ہر ایک منٹ کے بعد گاڑی آ جاتی ہے۔ ریل آئی۔ ناگ
اس میں بیٹھ گیا۔ رازلین سے کوئی چھ سٹیشن آگے فیڈرل سنٹر کا
سٹیشن آتا تھا۔ ناگ کو اس سٹیشن تک جانا تھا۔ ٹرین میں امریکی
عورتیں اور مرد بڑے سکون کے ساتھ سوار ہو کر اپنی اپنی جگہوں
پر بیٹھ گئے۔ کوئی اخبار پڑھ رہا تھا۔ کسی کے ہاتھ میں کتاب تھی۔
کوئی کسی سے زور زور سے باتیں نہیں کر رہا تھا۔ ٹرین کے
دروازے اپنے آپ بند ہو گئے۔ اور آگے روانہ ہو گئی۔ اب
... دریا کے نیچے سے گذر رہی تھی۔ ناگ کو اپنے کان بند ہوتے
محسوس ہوئے۔ اس نے کانوں میں انگلیاں دے لیں۔ ٹرین ہر

سٹیشن پر دس سیکنڈ رکتی اور پھر آگے چل پڑتی۔

فیڈرل سنٹر کے سٹیشن پر اتر کر ناگ بجلی کی سیڑھی پر کھڑا ہو گیا۔ اور سٹیشن سے باہر یعنی زمین کے اوپر نکل آیا۔ یہ واشنگٹن ڈی سی کا علاقہ تھا۔ یہ واشنگٹن شہر کا مرکزی علاقہ ہے اور اس جگہ امریکہ کے تمام سرکاری دفاتر ہیں۔ وزارتوں کے دفتر بھی یہیں ہیں۔ وہائٹ ہاؤس، لنکن مانومنٹ، واشنگٹن مانومنٹ جس کو مینارِ واشنگٹن بھی کہتے ہیں۔ اسی جگہ پر ہے۔ امریکہ کا خلائی ادارہ بھی اسی جگہ ہے۔ وہ جو آپ واشنگٹن کی گنبد والی بڑی عمارت دیکھا کرتے ہیں نا وہ بھی اسی علاقے میں ہے۔ اسے کیپیٹل ہل کہتے ہیں۔ یہ ایک طرح سے امریکہ کی اسمبلی کا دفتر ہے۔ یہاں سے کچھ دور آگے جا کر ایک ایسا خوب صورت علاقہ آ جاتا ہے۔ جہاں اکثر غیر ملکی سفارت خانے ہیں۔ روسی سفارت خانے کا دفتر بھی اسی جگہ ہے۔

ناگ سٹیشن سے نکل کر سفارت خانے کی طرف چل پڑا۔ وہ مال پر سے ہوتا ہوا امریکہ کے محکمہ خارجہ کی بہت بڑی عمارت کے آگے سے نکل کر جب اس گراؤنڈ کے قریب آیا جہاں سے مینارِ واشنگٹن کا بہت بڑا سبزہ زار شروع ہوتا تھا تو اسے ایک جانب لوگوں اور گاڑیوں کا ہجوم نظر آیا۔ اس نے پہلے بھی محسوس کیا تھا کہ سڑک پر سے پولیس کی تین چار گاڑیاں ٹوں ٹوں کرتی تیزی سے گزری تھیں اور آسمان پر ایک ہیلی کاپٹر بھی چکر لگا رہا تھا۔

ناگ ہجوم کی طرف بڑھا۔ یہاں پولیس کی کتنی ہی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ ان کی چھتوں پر گول سرخ روشنی جل بجھ رہی تھی۔ دو ایمبولینس گاڑیاں بھی تھیں۔ پولیس گیس ماسک پہنے تیار کھڑی تھی۔ ایک پولیس افسر لاؤڈ سپیکر پر لوگوں کو وہاں سے ہٹ جانے کو کہہ رہا تھا۔ پولیس کے سپاہی ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے وائرلیس سیٹ یعنی واکی ٹاکی لیے گھبرائے ہوئے سے پھر رہے تھے۔ ایک طرف تین عورتیں رو رہی تھیں اور اپنا آپ چھڑا کر مینار واشنگٹن کی طرف بھاگنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ پولیس انہیں بڑی مشکل سے سنبھالے ہوئے تھی۔

ناگ کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ اس نے ایک نیگرو سے پوچھا کہ وہاں کیا ہوا ہے؟ نیگرو نے چیونگ گم چباتے ہوئے کہا:

"تمہیں کچھ معلوم نہیں تو پھر یہاں کیا کر رہے ہو۔ جاؤ گھر جا کر آرام کرو۔"

ناگ کو غصہ تو بہت آیا۔ مگر خاموش رہا۔ نیگرو نے ناگ کو آنکھ مار کر کہا:

"دوست وہ اوپر دیکھ رہے ہو؟"

ناگ نے اوپر دیکھا۔ نیگرو نے کہا:

"مینار کے اوپر دیکھو تمہیں ایک آدمی نظر آئے گا۔ اس

کے ایک ہاتھ میں مشین گن اور دوسرے ہاتھ میں ایک
چھوٹا سا ٹرانسسٹر ریڈیو ہو گا۔ اس ٹرانسسٹر ریڈیو کے ایک
بٹن پر اس کی انگلی ہو گی اور وہ کچھ کہے گا۔ ذرا انتظار کرو"
پتہ چلا کہ ایک سرپھرا امریکی مینار کے اوپر چڑھ گیا ہے اس
نے پہلے مینار کے اندر ہی اندر چلنے والی لفٹ کے اندر اوپر جا کر
جگہ جگہ بارود لگایا۔ لفٹ میں جو دو بچے سوار تھے ان کو دبوچ
کر یرغمال بنایا اور پھر اوپر سے سپیکر کے ذریعے اعلان کیا کہ
افریقہ کے ملک یوگنڈا کے سفیر کو میرے حوالے نہ کیا گیا تو میں اس
مینار کو ٹرانسسٹر کا بٹن دبا کر بارود کے دھماکے سے اڑا دوں گا۔
اور اپنے ساتھ ان دو امریکی بچوں کو بھی لے مروں گا اور اس
مینار واشنگٹن کو بھی تباہ کر دوں گا۔ وہ تین عورتیں جو نیچے رو
رہی تھیں ان میں سے ایک ان بچوں کی ماں تھی اور دوسری
دو بہنیں تھیں۔ واشنگٹن کی ساری پولیس حرکت میں آ گئی۔ حکومت
کے محکموں میں بھی کھلبلی مچ گئی۔ یوگنڈا کے سفیر نے پیش کش کر
دی ہے کہ میں دو معصوم بچوں کی زندگی کی خاطر اپنے آپ کو اس
امریکی کے حوالے کرنا چاہتا ہوں۔ مگر یہ امریکی حکومت کی بڑی
بدنامی تھی۔ کیا خبر وہ یوگنڈا کے سفیر کو گولی مار کر ہلاک کر دے
ساری دنیا میں امریکہ پر لعن طعن کی جائے گی کہ امریکہ ایک
سرپھرے کو بھی نہ پکڑ سکا اور ایک سفیر کو ہلاک کر دیا۔

یہ امریکی سرپھرا کبھی یوگنڈا میں رہا کرتا تھا۔ وہاں کے سابق
صدر عیدی امین کے عہدِ حکومت میں اس کی جائیداد چھین کر
اسے ملک بدر کر دیا گیا تھا۔ اب وہ یوگنڈا کے سفیر کو ہلاک
کر کے اپنی تباہی کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ پولیس انسپکٹر اور امریکی
محکمہ جاسوسی کے افسر لاؤڈ سپیکر پر اسے یہ باور کرانے کی کوشش کر
رہے تھے کہ نیچے آ جاؤ۔ بچوں کو چھوڑ دو۔ یوگنڈا میں تمہاری جائیداد
کی پوری رقم تمہیں واپس دلا دی جائے گی۔ مگر سرپھرا امریکی کسی
کی بات نہیں سن رہا تھا۔ بس ایک ہی رٹ لگائے ہوئے تھا کہ
اگر ایک گھنٹے کے اندر اندر یوگنڈا کے سفیر کو میرے حوالے نہ کیا
گیا تو میں ٹرانسسٹر کا بٹن دبا کر اپنے ساتھ دونوں بچوں کو بھی
ہلاک کر دوں گا۔

جتنی اس نے مہلت دی تھی اس میں سے آدھ گھنٹہ گذر
چکا تھا۔

اچانک مینار کے اوپر گولی چلنے کی آواز بلند ہوئی۔ ساتھ ہی
یرغمالی بچوں کی ماں اور بہنوں کی چیخیں نکل گئیں۔ اتنے میں
ایک امریکی کا سر اوپر مینار پر نمودار ہوا۔ یہ مینار پچاس پچپن فٹ
بلند ہے اور اس کے اندر ہی اندر اوپر کی منزل تک لفٹ جاتی ہے
سرپھرے امریکی نے سپیکر پر کہا:

"صرف آدھ گھنٹہ باقی رہ گیا ہے۔ اگر آدھ گھنٹے میں
یوگنڈا کا سفیر تنہا ہو کر مینار کے اندر نہ آیا تو میں بم

چلا دوں گا۔"

نیچے امریکی پولیس دوربین والی رائفلوں سے سرپھرے امریکی
کے سر کا نشانہ لے رہی تھی کہ وہ جلدی سے پیچھے ہو گیا۔ اب
صرف چھوٹا سا لاؤڈ سپیکر ہی دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے چیخ
کر کہا:

"اگر مجھ پر گولی چلائی گئی تو یاد رکھو۔ میری انگلی بم کا
بٹن مرنے سے پہلے دبا چکی ہو گی اور پھر جو کچھ ہو گا
اس کی ذمے داری واشنگٹن پولیس پر ہو گی۔"

پولیس انسپکٹر کے ہاتھ کا اشارہ کرنے سے پولیس کے سپاہیوں
نے اپنی رائفلیں نیچے کر لیں۔ ناگ کے دل میں معصوم بے گناہ
بچوں اور ان کی بہنوں اور بلکتی ہوئی ماں کے لیے زبردست
ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوا۔ اس سے ان بے چاروں کی حالت نہیں
دیکھی جاتی تھی۔ حکومت یوگنڈا کے سفیر کو اس کے حوالے نہیں
کر رہی تھی اور کوئی تعجب نہیں تھا کہ سرپھرا امریکی ٹرانسسٹر
ریڈیو کا بٹن دبا کر خود بھی مر جائے اور معصوم بچوں کو بھی
ہلاک کر دے۔

ناگ نے فیصلہ کر لیا کہ بچوں کی جان بچانی چاہیے۔ وہ ہجوم
سے باہر نکلنے لگا تو اسی کالے حبشی نیگرو نے مذاق سے کہا:

"کیوں مسٹر! کیا اوپر مینار پر جا رہے ہو؟"

اور پھر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ ناگ کے جی میں آئی کہ پہلے اس

نیگرو سے نمٹ لیا جائے۔ مگر وقت ہاتھ سے نکلا جا رہا تھا۔ صرف
پچیس منٹ باقی تھے اور ابھی ناگ کو بہت کچھ کرنا تھا۔ اس نے
نیگرو کو کچھ نہ کہا۔ لوگوں میں سے نکل کر باہر اس طرف آگیا جہاں
پولیس کے سپاہی کھڑے تھے۔ ناگ سیدھا سرخ ٹماٹر ایسے چہرے
والے انسپکٹر کے پاس آگیا اور قریب ہو کر بولا:

"جناب! کیا آپ مینار والے مجرم کو تھوڑی دیر اور باتوں
میں لگا سکتے ہیں؟"

امریکی پولیس انسپکٹر نے غور سے ناگ کی طرف دیکھ کر پوچھا:

"مسٹر تم کون ہو؟"

ناگ نے کہا:

"میں بڑی خاص چیز ہوں اور اوپر مینار پر جو سرپھرا امریکی
بم لیے کھڑا ہے اسے پکڑنا چاہتا ہوں۔"

ناگ کا اتنا کہنا تھا کہ انسپکٹر نے اپنے ایک سپاہی سے کہا:

"اسے گرفتار کر لو۔"

کیوں کہ وہ کوئی ایسا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا کہ کسی آدمی
کی ذرا سی جذباتی کوشش سے سرپھرا امریکی غصے میں آ جائے
اور بم چلا دے۔ سپاہی ناگ کی طرف ہتھکڑی لے کر بڑھا۔ انسپکٹر
کا یہ خیال تھا کہ یہ شخص جذبات میں آگیا ہے اور ضرور کوئی
ایسی حرکت کر بیٹھے گا جس سے سرپھرا امریکی بم سے مینار کو اڑا
دے گا۔ چنانچہ اسے ابھی قابو کر کے رکھا جائے۔

ناگ نے کہا: "میں نے کیا جرم کیا ہے؟"
انسپکٹر نے کہا:
"میں تمہیں امن عامہ میں خلل ڈالنے کے الزام میں گرفتار کر رہا ہوں۔"
ناگ بولا: "مگر مجھے تو تمہاری واشنگٹن کی ساری پولیس بھی گرفتار نہیں کر سکتی۔"
انسپکٹر نے چیخ کر سپاہی کو حکم دیا۔
"اسے ہتھکڑی لگا کر ویگن میں بند کر دو۔"
سپاہی نے ناگ کا ہاتھ پکڑ کر ہتھکڑی لگا دی مگر پلک جھپکنے میں ناگ کا ہاتھ ہتھکڑی میں سے غائب ہو چکا تھا۔ ناگ بھی غائب ہو چکا تھا۔ انسپکٹر ہکا بکا ہو کر سپاہی کا اور سپاہی انسپکٹر کا منہ تکنے لگا۔ ارد گرد کھڑے لوگوں کو پتہ ہی نہ لگا کہ وہاں سے ایک آدمی غائب ہو گیا ہے۔ کیونکہ سب اوپر مینار کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جہاں سر پھرا امریکی سپیکر پر اعلان کر رہا تھا۔
"بیس منٹ باقی رہ گئے ہیں۔ اگر میرا مطالبہ نہ مانا گیا تو میں ان بچوں کو، اپنے آپ کو اور اس مینار کو بم سے اڑا دوں گا۔"
ناگ ایک چھوٹی سی زرد رنگ کی چڑیا کی شکل میں اڑتا ہوا مینار کے اوپر جا کر دیوار پر اس جگہ بیٹھ گیا جہاں سر پھرا امریکی بچوں کو رسی سے باندھے جھک کر بیٹھا سپیکر پر بول رہا تھا۔

یہ ایک ادھیڑ عمر کا امریکی تھا اور شکل سے کوئی پاگل آدمی لگتا تھا۔ بچے سہمے ہوئے بیٹھے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ بہہ کر خشک ہو گئے تھے۔ وہ پھٹی پھٹی ڈری ڈری آنکھوں سے پاگل امریکی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ پاگل امریکی کے قریب ہی فرش پر ایک ٹرانسسٹر پڑا تھا۔ جس میں سے ایک تار نکل کر نیچے مینار میں اس جگہ جا رہی تھی جہاں اس نے بارود لگا رکھا تھا۔ لفٹ کھڑی تھی۔ اس کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اس کے اندر دو مشین گنیں رکھی تھیں۔
بچوں نے چڑیا کو دیکھا۔ ایک بچی نے چلا کر کہا:
"پیاری چڑیا میری ماں سے کہو ہمیں یہاں سے نکال لے۔"
پاگل امریکی نے بچی کو جھڑک کر کہا:
"خاموش بدبخت! چڑیل کی بچی۔"
پاگل امریکی نے ناگ کی طرف زور سے ہاتھ ہلا کر شش کی آواز نکالی۔ وہ چڑیا کو اڑانا چاہتا تھا۔ ناگ اڑ کر لفٹ کے اندر آ گیا اور اس سے پہلے کہ پاگل امریکی اسے پکڑنے کی کوشش کرتا ناگ نے ایک مکھی کا روپ بدلا اور دیوار کے ساتھ چمٹ گیا۔ پاگل امریکی نے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر سوچا کہ شاید چڑیا اڑ گئی ہے اور سپیکر پر نیچے کھڑی پولیس کو دھمکیاں دینے لگا کہ میں پندرہ منٹ بعد بچوں کو ہلاک کر کے ایک ایک کر کے ان کی لاشیں نیچے پھینک دوں گا۔ دونوں بچے اتنا سن کر رونے لگے۔

پاگل امریکی نے زور سے ان کے منہ پر تھپڑ مارے۔ بچے خوف سے چپ ہو گئے۔

ناگ یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اسے غصہ سخت آیا۔ مگر اس وقت غصے کی نہیں عقل مندی کی ضرورت تھی۔ کیونکہ بم کے بٹن والا ٹرانسسٹر ریڈیو پاگل امریکی نے اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا۔ ناگ کی ذرا سی غلطی سے پاگل امریکی بٹن دبا کر دھماکے سے اڑا سکتا تھا۔ ناگ نے ایک پل کے لیے سوچا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ اگر وہ سانپ بن جائے گا تو وہاں افراتفری پھیل سکتی تھی اور اس افراتفری میں پاگل امریکی بم کا بٹن دبا سکتا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے تو اسے اس تار کو کاٹ دینا چاہیے جو ٹرانسسٹر ریڈیو کے ذریعے نیچے بم تک گئی ہوئی تھی۔ ناگ اڑ کر مینار کے اندر ہی اندر سے نیچے سیڑھیوں میں آ گیا۔ وہ مکھی سے گلہری بن کر دیوار کو تکنے لگا۔ تار نیچے جا رہا تھا۔ ناگ نے تار کو منہ میں لے کر کتر کر کاٹ دیا۔ بم بے کار ہو گیا تھا۔ اب اسے بچوں کی جان بچانی تھی۔ کیونکہ پاگل امریکی غصے میں آ کر بچوں کو ہلاک کر سکتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔

وقت بہت کم رہ گیا تھا مگر ناگ کو اس بات کی تسلی ہو گئی تھی کہ اب بم نہیں چل سکتا۔ مگر بچوں کی جان خطرے میں تھی۔ ناگ گلہری کی شکل میں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر ایک طرف ہو کر غور سے پاگل امریکی کو دیکھنے لگا۔ وہ پستول ہاتھ میں لیے دیوار کے ساتھ کھڑا بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنا سر نیچے کر رکھا تھا تا کہ نیچے سے کوئی گولی نہ مار دے۔ بچوں کی حالت بڑی خراب ہو رہی تھی۔ انہوں نے اب پھر رونا شروع کر دیا۔ پاگل امریکی نے ان کی طرف پستول کا رخ کر کے چیخ کر کہا:

"حرام خورو خاموش نہ ہوئے تو گولی مار دوں گا۔"

بچے کپکپاتے ہونٹوں کے ساتھ ایک دم چپ ہو گئے۔

پاگل امریکی نے سپیکر میں چلا کر کہا:

"پانچ منٹ رہ گئے ہیں۔ اگر میرا مطالبہ پورا نہ ہوا تو یہ عمارت بم کے دھماکے سے اڑ جائے گی۔"

نیچے افراتفری مچی تھی اور گاڑیوں کے سائرن کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ اچانک نیچے سے سپریمن سپریمن کا شور بلند ہوا۔ ناگ نے دیکھا کہ نیلے آسمان پر سرخ لباس میں اس کا دوست سپریمن ہوا میں اڑتا مینار کی طرف چلا آ رہا تھا۔ پاگل امریکی نے منہ اٹھا کر اوپر دیکھا اور سپیکر کا رخ آسمان کی طرف کر کے چلایا:

"سپریمن! اگر تم نے مینار پر آنے کی کوشش کی تو یاد رکھو ان دونوں بچوں کا خون کر دوں گا۔"

ناگ نے دیکھا کہ سپریمن مینار کے قریب آتے آتے ایک طرف کو گھوم گیا۔ اس نے بلند آواز میں پاگل امریکی کو مخاطب

کی کوشش کی وہ بچوں کو رہا کر دے مگر پاگل امریکی نہ مانا اور
اس نے بڑے زور سے چلا کر کہا،

"اگر اب تم نے کوئی بات کی تو میں اس عمارت کو بم
سے اڑا دوں گا۔"

سپرمین ہوا میں کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر مایوسی اور غصہ
تھا۔ وہ بچوں کی زندگیوں سے نہیں کھیل سکتا تھا۔ سپرمین واپس
مڑ گیا۔ اس کے واپس جاتے ہی پاگل امریکی نے سپیکر پر اعلان کیا۔

"ایک منٹ رہ گیا ہے میں پہلے ایک ایک کر کے بچوں
کی لاشیں نیچے پھینکوں گا۔"

نیچے عورتوں کی چیخوں کی آوازیں بلند ہوئیں۔

اب ناگ انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے باریک سیاہ کالے
سانپ کی شکل بدلی اور دیوار کے ساتھ ساتھ تیزی سے رینگتا
ہوا پاگل امریکی کے پاؤں کے پاس پہنچ گیا۔ بچوں نے شور مچایا۔
"سانپ" پاگل امریکی نے چونک کر نیچے دیکھا۔ اس کے پاؤں
کے قریب ایک کالا باریک سانپ کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ اس نے
پستول کا رخ سانپ کی طرف کر دیا۔ وہ گولی چلانا چاہتا تھا مگر
اسے یوں لگا جیسے اس کی انگلیاں اس کا کہا نہیں مان رہیں۔
اس کے ہاتھ میں جان نہیں رہی۔ اس کی ٹانگیں لرزنے لگیں۔
ناگ اپنا کام کر چکا تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ جو زہر اس نے

ابھی ابھی ایک پھوار کی شکل میں پاگل امریکی کے کپڑوں پر پھینکا
ہے وہ ہاتھی کو بھی ایک سیکنڈ میں نیچے گرا دے۔ اسی لیے جب
پاگل امریکی نے پستول کا رخ اس کی طرف کیا تو وہ سکون سے
بیٹھا رہا اور پھر ایسا ہی ہوا۔ بڑی مشکل سے ایک سیکنڈ گذرا ہو
گا کہ پاگل امریکی ایسے گرا جیسے کٹا ہوا درخت گرتا ہے۔ پستول ابھی
تک اس کے ہاتھ میں تھا مگر اس کا جسم اس کا ہاتھ اس کی انگلیاں
بے جان ہو چکی تھیں۔ سہمے ہوئے بچے حیرانی سے ایک دوسرے
کو دیکھ رہے تھے کہ اسے اچانک کیا ہو گیا ہے۔ ناگ رینگتا ہوا
سیڑھیوں میں آ گیا۔ یہاں اس نے ہلکی سی پھنکار ماری اور پھر سے
انسانی شکل میں آ گیا۔ اوپر آ کر سب سے پہلے اس نے بچوں کو
تسلی دی۔ انہیں پیار کیا اور ان کے ہاتھ پاؤں کھول دیئے۔ بچے
بے حد خوش ہوئے۔ ناگ نے سپیکر کا رخ نیچے کی طرف کر کے
چلا کر کہا:

"میں نے ملزم کو بے ہوش کر دیا ہے۔ گولی مت چلانا۔ میں
بچوں کو لے کر نیچے آ رہا ہوں۔"

ناگ نے جو زہر پاگل امریکی پر پھینکا تھا وہ اسے چوبیں گھنٹے
بے ہوش رکھنے کے لیے کافی تھا۔ ایک ہیلی کاپٹر اڑ کر اوپر آ گیا۔
ناگ نے ہاتھ ہلایا۔ بچوں نے بھی خوشی سے ہاتھ ہلائے۔ ہیلی کاپٹر
میں پولیس انسپکٹر سوار تھا۔ اس نے دوربین سے جب بچوں کو آزاد

پاگل امریکی کو بے ہوش پڑے اور اسی نوجوان کو کھڑے دیکھا جس
نے اس سے کہا تھا کہ کیا آپ پاگل امریکی کو دس بیس منٹ تک
باتوں میں لگا سکتے ہیں اور جس کی گرفتاری کا اس نے حکم دے
دیا تھا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ وہ حیران تھا کہ یہ نوجوان مینار
پر کیسے پہنچ گیا۔

ناگ بچوں کو ساتھ لے کر لفٹ میں آگیا۔ اس کے بعد
سوئچ کو کھول دیا اور لفٹ آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگی۔ جب
لفٹ نیچے پہنچی اور ناگ معصوم بچوں کو ساتھ لے کر مینار سے باہر
نکلا تو لوگ خوشی سے اچھل اچھل کر تالیاں بجا رہے تھے۔ بچوں
کی ماں اور بہنوں نے انہیں سینے سے لپٹا لیا۔ ان کی آنکھوں میں
خوشی سے آنسو بہہ رہے تھے۔ ناگ سے ہر کوئی ہاتھ ملا رہا تھا۔ بچوں
کی ماں اور بہنیں ناگ کا بار بار شکریہ ادا کر رہی تھیں۔ پولیس انسپکٹر
ناگ کو ایک طرف لے گیا اور اس سے پوچھا کہ وہ مینار پر کیسے
پہنچا؟ ناگ نے آہستہ سے آنکھ مار کر کہا:

"یہ تم ساری زندگی نہیں سمجھ سکو گے انسپکٹر! تمہارا مجرم
اوپر مینار میں بے ہوش پڑا ہے اور بم کا تار میں نے
کاٹ دیا ہے۔"

اتنا کہہ کر ناگ ہجوم کو پرے ہٹاتا باہر نکل گیا۔ لوگ اس
کو ابھی تک دیکھے جا رہے تھے۔ اچانک سامنے وہی نیگرو آگیا
جس نے یہ کہہ کر ناگ کا مذاق اڑایا تھا کہ مسٹر تم مینار پر چڑھنے

کی کوشش کر رہے ہو۔ اسے بالکل معلوم نہیں تھا کہ ناگ نے
پاگل امریکی کو پکڑوا کر بچوں کی جان بچائی ہے۔ اس نے ناگ کے
قریب آکر مذاق کرتے ہوئے کہا:

"کیوں مسٹر! مینار کی سیر کر آئے؟"

ناگ نے کہا: "ہاں۔ کیا تم سیر کرو گے؟"

نیگرو نے قہقہہ لگا کر کہا:

"تم کیا تمہارا باپ بھی مینار پر نہیں جا سکتا!"

ناگ نے چشمہ اتار دیا اور نیگرو کو گھور کر دیکھا۔ نیگرو کو یوں
لگا جیسے کسی زہریلے سانپ کی دو آنکھیں اسے تک رہی ہیں۔
وہ کچھ گھبرا کر پیچھے ہٹا۔ ناگ نے نیگرو کی گردن پر ہاتھ رکھ کر
گہرا سانس لیا۔ دوسرے ہی لمحے ایک سیاہ کالا سانپ نیگرو کی
گردن سے چمٹا، پھنکار رہا تھا۔ اور دہشت کے مارے نیگرو کا سارا
جسم تھرتھرا رہا تھا۔ لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے۔ مگر کسی میں
ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ کہ وہ نیگرو کی گردن سے سانپ کو اتارے۔
نیگرو کے حلق سے خوف کی وجہ سے عجیب عجیب آوازیں نکل
رہی تھیں۔ جب ناگ نے دیکھا کہ نیگرو کو کافی نصیحت مل چکی
ہے تو وہ اس کی گردن سے اتر کر نیچے گھاس سے گزرتا ہوا جھاڑیوں
میں گم ہو گیا۔

شام ہو چکی تھی جب ناگ واشنگٹن کے دریائے پوٹامک کے
پار اس علاقے میں پہنچا جہاں غیر ملکی سفارت خانوں کی خوبصورت عمارتیں

نہیں۔ یہاں اس نے بہت جلد روسی سفارت خانے کو تلاش کر لیا۔
باہر امریکی سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ ناگ اس سفارت خانے کو اس
لیے نگاہ میں رکھنا چاہتا تھا کہ اسے پتھر کی آنکھ والے روسی جاسوس
کی تلاش تھی جسے واشنگٹن میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ X-۳۱/ایم ایکس
میزائلوں کو تباہ کرنے اور ان کا راز چرانے کے لیے بھیجا گیا تھا۔
ان کا پروگرام یہ تھا کہ وہ ایم ایکس میزائلوں کے زمین کے اندر کے
تہہ خانوں میں خفیہ اور بڑے ہی طاقتور ٹائم بم لگا کر اور ایم ایکس
میزائلوں کا راز چرا کر سمندر کے کنارے ایک خاص جگہ پہنچ جائیں گے
جہاں سے آدھی رات کو ایک آبدوز کشتی انہیں لے کر سمندر کے اندر
چلی جائے گی اور پیچھے میزائل پھٹ کر پورے واشنگٹن اور بالٹی مور
کے علاقے کو جلا کر بھسم کر دیں گے۔

یہ بڑا خطرناک اور تباہ کن پروگرام تھا اور ناگ اس پروگرام کو ناکام
بنانے کے لیے وہاں آیا تھا اور اسے پتھر کی آنکھ والے جاسوس کی
تلاش تھی جو جاسوسوں کا سردار تھا۔ جاسوسوں کا لیڈر تھا۔ ناگ کچھ
دیر درختوں کے پیچھے کھڑا سفارت خانے کو دیکھتا رہا۔ وہ اس عمارت
کی ایک ایک شے اپنے ذہن میں بٹھا رہا تھا۔ اسے معلوم تھا،
جیسے کہ سپرین نے اسے بتایا تھا کہ پتھریلی آنکھ والا جاسوس اس
سفارت خانے کا جاسوس ہے اور یہاں سے ہی وہ ہدایات حاصل
کرتا ہے۔ سفارت خانے پر ایک بڑی ہی پراسرار خاموشی چھائی ہوئی
تھی۔ عمارت میں کھڑکیوں پر کہیں کہیں روشنی ہو رہی تھی۔ ناگ نے

سوچا کہ اسے اس عمارت کے قریب ہی کسی جگہ رہنا چاہیے تاکہ
وہ اسے نگاہ میں رکھ سکے۔ وہ درختوں میں سے نکل کر دریا
کے کنارے آ گیا۔

یہاں اسے ایک بلڈنگ کے اوپر "موٹل" کے الفاظ چمکتے ہوئے
نظر آئے۔ وہ اس طرف چل پڑا۔ ایک ہوٹل ہوتا ہے اور ایک
موٹل ہوتا ہے۔ موٹل وہ ہوتا ہے جہاں آپ اپنی موٹر کار کو ساتھ
ہی لے جا کر اپنی مرضی کے مطابق کھڑی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ امریکہ
میں موٹر گاڑیوں کو کھڑی کرنے کی بڑی مصیبت ہے۔ ناگ نے
سوچا کہ وہ اسی موٹل میں ایک کمرہ لے کر رہے گا۔ یہ موٹل چھ
منزلہ تھا۔ اس نے یہاں آ کر ایک کمرہ لیا اور بستر پر آ کر لیٹ
گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ صبح کو اپنا مشن شروع کرے گا۔ اس کا
پروگرام یہ تھا کہ صبح ایک پرندہ بن کر سفارت خانے کے دروازے
کے پاس والے درخت پر بیٹھ کر پتھریلی آنکھ والے جاسوس کا انتظار
کرے گا۔ رات ہو رہی تھی۔ اگرچہ ناگ کو نیند کی ضرورت نہیں
تھی پھر بھی اس نے سوچا کہ کچھ دیر انتظار کرنا چاہیے۔ اس نے
آنکھیں بند کر لیں اور تھوڑی دیر بعد وہ سو گیا۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ باہر زبردست
بجلی چمک رہی ہے۔ بادل گرج رہے ہیں اور بارش ہو رہی ہے۔
ناگ نے گھڑی کو دیکھا۔ رات کے بارہ بجے تھے۔ کھڑکی کا پردہ
ہوا میں اڑ رہا تھا۔ اچانک ناگ نے محسوس کیا کہ باہر سے کچھ آوازیں

آ رہی ہیں۔ یہ آوازیں ایسی تھیں جیسے پانچ چھ آدمی مل کر لمبے لمبے
سُر نکال کر آہستہ آہستہ ڈراؤنی آوازوں میں گانے کی کوشش کر
رہے ہوں۔ ناگ نے اٹھ کر کھڑکی کا پردہ ہٹایا اور شیشے میں
سے باہر دیکھا۔ دور اندھیری رات میں بجلی چمکی تو اسے کچھ آدمیوں
کے سائے گول دائرے میں رک رک کر قدم اٹھاتے ناچتے نظر
آئے۔ بجلی دوسری دفعہ چمکی تو ناگ نے دیکھا کہ ان آدمیوں کے
سروں پر درختوں کی بڑی بڑی شاخیں بندھی ہوئی تھیں۔ ناگ نے
فیصلہ کیا کہ چل کر دیکھا جائے یہ لوگ کون ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔
وہ ہوٹل سے باہر آگیا۔ طوفانی اور اندھیری رات میں سڑک
سنسان تھی اور بارش ہو رہی تھی۔ ناگ نے سانپ کا روپ بدلا
اور رینگتا ہوا اس جگہ کی طرف چلا جہاں اس نے عجیب و غریب
لوگوں کے رقص کرتے سائے دیکھے تھے۔ ناگ بڑی تیزی سے جا رہا
تھا اس نے وہ ساری جگہ دیکھ ڈالی۔ وہاں کوئی آدمی نہیں تھا۔
گانے کی آوازیں بھی اب نہیں آتی تھیں۔ صرف بادل کی گرج، بجلی
کی کڑک اور بارش کی آوازیں تھیں۔ ناگ کو اچانک کسی انسان کے
کراہنے کی آواز سنائی دی۔ وہ فوراً انسان کی شکل میں آگیا اور
آواز پر کان دھرے۔ یہ کسی عورت کے کراہنے کی آواز تھی۔ ناگ آواز
کی طرف بڑھا۔ چاروں طرف اندھیرا تھا۔ اب بجلی کبھی کبھی چمکتی تھی۔
اچانک بجلی بڑی تیزی سے چمکی اور ناگ نے اپنے سامنے زمین
پر جو کچھ دیکھا۔ اسے دیکھ کر مارے دہشت کے اس کا اوپر کا

سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔ اتنی سردی میں بھی ناگ
کو وہ دہشت ناک منظر دیکھ کر پسینہ آگیا۔ وہ آہستہ آہستہ آگے
بڑھنے لگا۔ بجلی دوسری بار چمکی تو ناگ نے ایک آدمی کا سر دیکھا
آدمی سارا زمین کے اندر دفن تھا۔ صرف اس کا سر زمین سے باہر
تھا اور اس کے منہ سے ہلکی ہلکی کراہنے کی آوازیں نکل رہی تھیں۔

O

زمین میں گردن تک دفن یہ آدمی کون تھا؟
ناگ کی پتھریلی آنکھ والے جاسوس سے کہاں ملاقات ہوئی؟
کیا ایمٹی X-۲۱ میزائلوں کا راز چوری ہوا؟
سپیرن سے ناگ پھر کہاں ملا؟
اور کیا ناگ ماریا کے پاس پہنچا؟
ان تمام سوالوں کے جواب آپ "عنبر ناگ ماریا کی واپسی"
کی آئندہ قسط نمبر میں پڑھیے جس کا عنوان ہے۔
"پتھریلی آنکھ والا جاسوس"۔

موت کے تعاقب کی

عنبر ناگ ماریا

۵ ہزار سالہ سفر کی پُراسرار اور سنسنی خیز داستان

مُصنّف: اے حمید

سلسلہ

۱۔ لاش سے ملاقات ۵/-
۲۔ جہاز ڈوب گیا ۵/-
۳۔ مندر کی چڑیل ۵/-
۴۔ پُراسرار غار کی مُورتی ۵/-
۵۔ ناگ لندن میں ۵/-
۶۔ تابوت میں سانپ ۵/-
۷۔ موت کا دریا ۵/-
۸۔ سانپ کا انتقام ۵/-
۹۔ سانپ کی آواز ۵/-
۱۰۔ ناگ کا قتل ۵/-
۱۱۔ شاہ بلوط کا خزانہ ۵/-
۱۲۔ پتھر کا ہاتھ ۵/-
۱۳۔ طوفانی سمندر کا بھوت ۵/-
۱۴۔ ڈائنا سورس کا جزیرہ ۵/-
۱۵۔ سیاہ پوش سایہ ۵/-
۱۶۔ انسانی بلی ۵/-
۱۷۔ سانپوں کا جنگل ۵/-
۱۸۔ ماریا اور بن مانس ۵/-
۱۹۔ قبر نما انسان ۵/-
۲۰۔ لکشمی دیوی کا انتقام ۵/-
۲۱۔ ناگ اور جادو کی ترشول ۵/-
۲۲۔ ناگ عنبر مقابلہ ۵/-
۲۳۔ لاش کی چیخ ۵/-

۲۴۔ آسیب کی رات ۵/-
۲۵۔ ۹۹ سیڑھیوں کا راز (سلور جوبلی نمبر) ۱۵/-
۲۶۔ عنبر پھانسی کی کوٹھڑی میں ۵/-
۲۷۔ ماریا اور جادوگر سانپ ۵/-
۲۸۔ نقلی ناگ کی سازش ۵/-
۲۹۔ بابل کی بدرُوحیں ۴/-
۳۰۔ قبر کی دُلہن (خاص نمبر) ۷/۵۰
۳۱۔ آدھا گھوڑا آدھا انسان ۵/-
۳۲۔ ناگ ناگن مقابلہ ۵/-
۳۳۔ ایک آنکھ والی عورت ۶/-
۳۴۔ مُردوں کی شہزادی ۶/-
۳۵۔ سانپوں کا دربار ۶/-
۳۶۔ قبر اور ڈھانچہ ۶/-
۳۷۔ عقرب دیوتا کا پجاری ۶/-
۳۸۔ کٹا ہُوا زندہ ہاتھ ۶/-
۳۹۔ عنبر لاہور میں ۶/-
۴۰۔ چڑیلوں کی ملکہ (خاص نمبر) ۱۳/-
۴۱۔ مُردہ ہونٹ اور ماریا ۸/-
۴۲۔ رات کا کالا کفن ۶/-
۴۳۔ کھنڈرات کی بدرُوحیں ۶/-
۴۴۔ مہاطوطش اور ناگ ۶/-
۴۵۔ ماریا سونے کی مُورتی ۶/-
۴۶۔ ناگ غائب ہوگیا ۵۰/-

۴۷۔ خون کی آبشار ۷/۵۰
۴۸۔ شیشے کی آنکھ پتھر کا دل ۷/۵۰
۴۹۔ خونی لومڑی ۷/۵۰
۵۰۔ کھوپڑیوں کا محل (گولڈن جوبلی نمبر) ۱۵/-
۵۱۔ ماریا بوتل میں بند ہوگئی ۷/۵۰
۵۲۔ خون کی پیاس ۷/۵۰
۵۳۔ ناگ اور سپرمین
۵۴۔ پتھریلی آنکھ والا جاسوس
۵۵۔ ناگ اور ناگن رنگامتی
۵۶۔ چار پُراسرار سپیرے
۵۷۔ امبا دیوی کی مُورتی
۵۸۔ خفیہ منتر کی تلاش
۵۹۔ موت کا وعدہ
۶۰۔ اور قبر کھل گئی
۶۱۔ شاہی لاش کا راز
۶۲۔ ماریا قتل ہوگئی
۶۳۔ خالی تابوت یا قوتی سانپ
۶۴۔ ماریا اور ممی کی لاش
۶۵۔ نیلی قبر کا خفیہ راستہ
۶۶۔ عنبر سانپ بن گیا

پتا مکتبہ اقراء ۱۴/بی شاہ عالم مارکیٹ، لاہور

پتھریلی آنکھوں والا جاسوس

اے حمید

۵۴

ناگ، ماریا اور عنبر کی واپسی
کے پانچ ہزار سالہ سفر کی سنسنی خیز داستان

پتھریلی آنکھ والا جاسوس

اے حمید

قیمت: ۵۰/۷ روپے

بار اوّل ——— ۱۹۸۳ء

ناشر: نیا مکتبہ اقرا، ۱۴ بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور
طابع: الفرید پرنٹرز، لاہور

پیارے دوستو!

اس سے پہلی قسط میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ ناگ ایک اتفاق سے آج کے زمانے میں امریکہ کے شہر واشنگٹن میں نمودار ہو جاتا ہے۔ جب کہ عنبر اور ماریا پچھلے زمانے میں سفر کر رہے ہیں ناگ کی واشنگٹن میں مجھ سے ملاقات ہوتی ہے۔ پھر وہ مجھ سے بچھڑ جاتا ہے اور ایک رات کو جب کہ باہر بادل گرج رہے ہیں اور طوفانی بارش ہو رہی ہے وہ واشنگٹن سے کچھ فاصلے پر ایک ہوٹل کی کھڑکی سے اندھیرے میں مشعلوں کی روشنی دیکھتا ہے کچھ آدمی مشعلیں اٹھائے رقص کر رہے ہیں اور عجیب آوازوں کے ساتھ کچھ پڑھ بھی رہے ہیں۔ ناگ ہوٹل سے نکل کر اس مقام پر جاتا ہے تو دیکھتا ہے کہ وہاں نہ کوئی مشعل روشن ہے اور نہ کوئی آدمی گاتے ہوئے رقص کر رہا ہے۔ نیز بارش میں اسے ایک طرف سے کسی کے کراہنے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ وہ اس طرف جاتا ہے تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک آدمی گردن تک زمین میں دفن ہے اور اس کی آنکھیں باہر کو نکلی ہوئی ہیں۔ وہ درد اور خوف سے کراہ

رہا ہے۔ ناگ اس آدمی کو زمین کے اندر سے نکالتا ہے۔ وہ آدمی ناگ کو ایک بہت ہی خفیہ راز بتا کر مر جاتا ہے۔

ناگ کو اس خفیہ راز کے ذریعے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دشمن ملک نے امریکہ کے ایک شہر میں زمین کے اندر رکھے ہوئے تباہ کن میزائلوں کو تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا ہے جو اگر تباہ ہو گئے تو دنیا میں تیسری عالمگیر ایٹمی جنگ چھڑ جائے گی اور دشمن ملک امریکہ کے شہروں کے بے گنا انسانوں کو نیست و نابود کر دے گا۔ ناگ انسانیت کو اس بھیانک تباہی سے بچانے کے لیے اپنے مشن پر نکل کھڑا ہوتا ہے۔ سپر ہین بھی اس کے ساتھ ہے مگر بدقسمتی سے دشمن ملک کا ایک پتھریلی آنکھ والا جاسوس سپر ہین کو ایک خطرناک سازش کر کے اپنے پھندے میں پھنسا لیتا ہے۔ سپر ہین کی ساری طاقت جاتی رہتی ہے۔ پھر کیا ہوتا ہے؟ یہ آپ خود پڑھیے گا۔

اے۔حمید

خونی سازش

ناگ انسانی شکل میں تھا۔

اس نے جھک کر زمین میں گردن تک دفن آدمی کو دیکھا۔ اس کی حالت بڑی خراب تھی۔ اس کے منہ سے خون بہہ کر بارش کے پانی میں مل رہا تھا۔ ناگ نے فوراً زمین کھودنی شروع کر دی۔ بدقسمت آدمی کا سر ادھر اُدھر گر رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ اس کی گردن کی طاقت ختم ہو گئی تھی۔ ناگ نے بڑی تیزی سے مٹی ادھر اُدھر کر کے اُدھ موئے آدمی کو گڑھے سے باہر نکالا اور ایک طرف درخت کے نیچے لٹا دیا۔ وہ اسے اٹھا کر اپنے ہوٹل کے کمرے میں لانا چاہتا تھا مگر ادھ موئے آدمی نے ہاتھ کے اشارے سے ناگ کو منع کیا اور بڑی کمزور آواز میں بولا:

"میں مر رہا ہوں۔ یہیں لٹا دو۔"

ناگ نے پوچھا:

"تمھیں کس نے زمین میں دفن کیا؟ تمھارے گرد ناچنے والے انسانی سائے کون تھے"؟

وہ رُک رُک کر بولا:

"میں مر رہا ہوں۔ میری بات غور سے سنو۔ میں سیون الیون ہوں۔ میں روسی مسلمان ہوں میرے ذمے امریکی M-X میزائل تباہ کرنے کا کام تھا۔ میں نے کروڑوں بے گناہ انسانوں کو ہلاک کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ مجھے یہاں لے آئے اور ریڈ انڈین کے جلاد قبیلے کے حوالے کر دیا جو مجھے زمین میں زندہ گاڑ کر چلے گئے۔"

ناگ نے پوچھا:

"کیا تم پتھریلی آنکھ والے جاسوس کا پتہ بتا سکتے ہو؟"

وہ بولا:

"وہ۔۔۔ وہ دو ہزار چار سو پانچ میں ہے۔"

ناگ نے جلدی سے پوچھا:

"یہ کس کا نمبر ہے؟"

مگر وہ شخص مر چکا تھا۔ اس نمبر سے آگے وہ ناگ کو کچھ نہ بتا سکا۔ ناگ نے اس بدقسمت شخص کو وہیں دفن کر کے فاتحہ پڑھی اور واپس اپنے موٹل میں آگیا۔ اس نے اپنی نوٹ بک میں دو ہزار چار سو پانچ کا نمبر لکھ لیا اور غور کرنے لگا کہ یہ کس کا نمبر ہو سکتا ہے۔ وہ رات ناگ نے سوچتے سوچتے اور غور کرتے گذار دی۔ دن نکلا تو موٹل کا ملازم کمرہ صاف کرنے آ

گیا۔ وہ حبشی تھا۔ ناگ نے یونہی اس سے پوچھا کہ دو ہزار چار سو پانچ سے کیا مراد ہو سکتی ہے؟

نیگرو حبشی نے گردن جھٹک کر کہا:

"یہ تو کسی بلڈنگ کا نمبر ہو سکتا ہے۔"

ناگ چونک اٹھا۔ امریکہ میں تمام بلڈنگوں کے نمبر ہوتے ہیں ڈاک کے لفافے پر یہ نمبر لکھنا بڑا ضروری ہوتا ہے۔ نیگرو کمرہ صاف کر کے چلا گیا تو ناگ نے اپنے علاقے کی کمیٹی یعنی کاؤنٹی کے دفتر میں فون کر کے پوچھا کہ دو ہزار چار سو پانچ نمبر کی بلڈنگ کہاں ہو گی؟ اُدھر سے ایک امریکی لڑکی بول رہی تھی۔ اس نے کہا: انتظار کریں میں دیکھ کر بتاتی ہوں۔ کافی دیر بعد لڑکی بولی:

"اس نمبر کی واشنگٹن میں کوئی بلڈنگ نہیں ہے۔"

ناگ کو بڑی ناامیدی ہوئی۔ اس نے ٹیلی فون بند کر دیا اور بستر پر لیٹ کر ایک بار پھر غور کرنے لگا کہ یہ بلڈنگ اگر واشنگٹن میں نہیں تو پھر کس جگہ ہو سکتی ہے۔ اسے خیال آیا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان جاسوسوں نے اپنے خفیہ ٹھکانوں کے الگ خفیہ نمبر رکھے ہوں اور یہ بھی کسی عمارت کا خفیہ نمبر ہو۔ ناگ جس قدر غور کرتا چلا گیا معاملہ اور زیادہ اُلجھتا گیا۔

وہ اُٹھ کر باتھ روم میں چلا گیا۔ گرم پانی سے غسل کیا۔ کپڑے

بدلے۔ ناشتہ کیا۔ اور صوفے پر بیٹھ کر ٹی وی لگا کر خبریں سننے
لگا۔ یہاں امریکہ میں سارا دن اور ساری رات ٹیلی ویژن کے
پروگرام ہوتے رہتے ہیں۔ باہر موسم سرد تھا۔ بادل چھائے ہوئے
تھے مگر بارش نہیں ہو رہی تھی۔ خبروں میں موسم کا حال بتایا جا رہا
تھا۔ ناگ کا دماغ کوئی ایسی سکیم سوچ رہا تھا۔ جس کے ذریعے
اسے ایک تو دو ہزار چار سو پانچ نمبر والی بلڈنگ کا علم ہو جائے
اور دوسرے پتھریلی آنکھ والے جاسوس کا پتہ چل سکے۔ زندہ
زمین میں گاڑ دیئے جانے والے آدمی کا نمبر سیون الیون تھا۔
اس کی باتوں سے اندازہ ہو گیا تھا کہ دشمن کے جاسوس M-X
میزائلوں کو تباہ کرنے کا پروگرام بنا چکے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ
انہوں نے M-X میزائلوں کے راز بھی چرا لیے ہوں۔ ناگ کو اپنی
سرگرمیاں تیز کرنے کی ضرورت تھی۔ مگر اس کی سمجھ میں یہ نہیں
آ رہا تھا کہ وہ اپنا کام کہاں سے شروع کرے۔ آخر اس کے
ذہن میں یہی ایک بات آئی کہ اسے سب سے پہلے پتھریلی
آنکھ والے جاسوس کے سفارت خانے میں جا کر دیکھ بھال کرنی
چاہیے کہ وہاں کیا ہوتا ہے اور کیا ہو رہا ہے۔

سفارت خانہ وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا مگر ناگ شام
ہونے کا انتظام کرنا چاہتا تھا تاکہ اندھیرا پھیل جائے۔ تو وہ اپنا
کام شروع کرے۔ کیونکہ وہ انسانی شکل میں سفارت خانے میں

داخل ہونا نہیں چاہتا تھا۔ شام تک ناگ موٹل کے کمرے میں
بیٹھا اپنے پروگرام پر غور کرتا رہا۔ جب شام کے سائے پھیل
گئے اور واشنگٹن ڈی سی کی اونچی اونچی بلڈنگوں میں روشنیاں
جگمگانے لگیں تو ناگ نے کمرے کو تالا لگا کر چابی نیچے کاؤنٹر
پر دی اور چپکے سے باہر نکل آیا۔

باہر موسم ٹھنڈا تھا۔ بارش کی وجہ سے سردی بڑھ گئی
تھی۔ ناگ تیرہ نمبر سٹریٹ پر سے ہوتا ہوا لافاں پلازا کی
طرف آ گیا۔ یہاں تمام سرکاری دفتر تھے جو بند ہو چکے تھے
مگر ان کی بتیاں جگمگا رہی تھیں۔ یہاں سے نکل کر ناگ سمتھ
سونین کی طرف چلا اور روٹ ففٹ کے پل کے نیچے سے
ہو کر اس علاقے میں آ گیا جہاں غیر ملکی سفارت خانوں کی
خوبصورت عمارتیں تھیں۔ ان عمارتوں پر ایک پراسرار سی
خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کمروں میں روشنیاں بہت کم ہو رہی
تھیں۔ ناگ نے دور ہی سے اس سفارت خانے کا دروازہ
دیکھ لیا جس کے گیٹ کے اوپر دھندلی دو بتیاں
روشن تھیں اور جس کے اندر اسے جانا تھا۔ موٹر کاریں اس
کے قریب سے ہو کر گزر رہی تھیں۔ ڈیو لوائنٹ کی طرف اونچی
اونچی ہائی رائز بلڈنگوں کے اپارٹمنٹ نگینوں کی طرح روشن
تھے۔ شام کے وقت واشنگٹن کس قدر خوب صورت لگ رہا تھا

ناگ ایک بس سٹاپ کے پیچھے چھوٹے سے پلاٹ میں آکر
رُک گیا۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا کہ کوئی اسے دیکھ تو
نہیں رہا۔ سخت سردی میں وہاں کوئی نہیں تھا۔ اب اسے
اپنی شکل بدلنی تھی۔ اچانک اسے جھاڑیوں کی طرف سے کسی
عورت کی چیخ سنائی دی۔ پھر ایک عورت جھاڑیوں کے پیچھے
سے نکل کر بھاگی۔ اس کے پیچھے ایک نیگرو حبشی لگا ہوا تھا۔
ناگ سمجھ گیا کہ یہ کوئی راہزن یعنی راستے میں لوگوں کو لوٹنے
والا کوئی چور ہے جو عورت کا پرس چھیننا چاہتا ہے۔ کیونکہ
واشنگٹن ڈی سی کے علاقے میں اکثر کالے حبشی رہتے ہیں
اور یہاں رات کو سنسان علاقوں میں چوری اور قتل کی اکثر
وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔ اگر کسی کے پاس ایک ڈالر بھی نہ
نکلے تو کالے حبشی اسے گولی مار کر ہلاک کر دیتے ہیں اور
بھاگ جاتے ہیں۔

ناگ جھاڑی کی طرف لپکا۔ وہ اس مظلوم عورت کو بچانا
چاہتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ کالے حبشی نے امریکی عورت
کو ایک درخت کے پاس نیچے گرا رکھا ہے اور اسے ٹکّے
مار رہا ہے۔ ناگ تیزی سے وہاں پہنچ گیا۔ اس نے کالے
حبشی کو پرے دھکیل کر عورت کو زمین پر سے اٹھایا۔ یہاں
سڑک پر لگی بتی کی روشنی آ رہی تھی۔ کالے حبشی نے جیب

سے ریوالور نکال لیا اور اس کا رُخ ناگ کی طرف کر کے بولا:

"تمہاری یہ ہمت ذلیل آدمی۔"

ناگ نے کالے حبشی کو پہچان لیا۔ یہ وہی حبشی تھا جو
دو روز پہلے اسے مینارِ واشنگٹن کے پاس ملا تھا اور اس
نے ناگ کا مذاق اُڑایا تھا۔ اور ناگ اسے مزا چکھانا چاہتا
تھا مگر وہ بے گناہ بچوں کی جان بچانے کے لیے مینار کی طرف
چلا گیا تھا۔ اس کالے حبشی نے بھی ناگ کو پہچان لیا اور خونخوار
درندوں کی طرح دانت نکال کر غرّایا:

"تو یہ تم ہو گدھے کے بچے! اس روز تو تم بھاگ گئے
تھے مگر آج میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

امریکی عورت اس دوران میں بھاگ کر سڑک عبور کر کے
کہیں غائب ہو چکی تھی۔ ناگ نے سوچا کہ یہ بھی اچھا ہوا کہ
عورت بھاگ گئی۔ اس کالے سے تو میں ایسا سلوک کروں گا
کہ ساری زندگی یاد رکھے گا۔ ناگ نے کالے حبشی کی طرف سانپ
کی آنکھوں سے دیکھا۔ کالے حبشی پر جیسے جادو سا ہونے لگا۔
اس کا ریوالور والا ہاتھ وہیں کا وہیں رہ گیا اور وہ پتھرا کر
ٹکٹکی باندھے ناگ کی طرف تک رہا تھا۔ ناگ نے یہ طریقہ پہلی
بار استعمال کیا تھا۔ اس نے کالے حبشی ڈاکو کی گردن پر ہاتھ
رکھ کر کہا:

"اب اس درخت پر چڑھ جاؤ۔"

حبشی لٹیرا جیسے ناگ کے حکم کا پابند ہو چکا تھا۔ چپکے سے ریوالور جیب میں ڈال کر درخت پر چڑھنے لگا۔

ناگ نے کہا:

"اور اوپر چڑھ جاؤ۔"

جب وہ درخت کی اونچی شاخ پر پہنچ گیا تو ناگ نے نیچے سے حکم دیا:

"چھلانگ لگا دو۔"

حبشی لٹیرے نے درخت سے نیچے چھلانگ لگا دی۔ وہ دھڑام سے زمین پر گرا اور کراہنے لگا۔ اس کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ چکی تھیں اور ناگ بھی یہی چاہتا تھا کہ کم بخت مرے نہ بلکہ اس کی ٹانگیں ٹوٹ جائیں۔ تاکہ ہسپتال میں رہے اور کچھ دیر تو واشنگٹن کی عورتوں کو اس سے نجات ملے۔

ناگ اس کے قریب جا کر بولا:

"اچھا دوست رخصت میں جا رہا ہوں بلکہ غائب ہو رہا ہوں۔"

ناگ نے دوسری طرف منہ کر کے سانس کو آہستہ سے اندر کی طرف کھینچا اور انسان سے سیاہ رنگ کی چھوٹی سی چڑیا بن کر پھر سے اُڑ گیا۔ زخمی حبشی لٹیرا اپنی تکلیف

بھول کر پھٹی پھٹی نگاہوں سے تکنے لگا کہ یہ کون جن بھوت تھا یا آسیب تھا۔ ناگ سیاہ چڑیا کا روپ دھار کر سفارتخانے کے دروازے کے اوپر سے ہوتا ہوا ایک دیوار کے پاس جھاڑیوں میں بیٹھ گیا۔ سفارت خانے کی عمارت کے کسی کمرے میں ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔ ناگ وہاں سے اڑا اور دوسری منزل کی ایک کھڑکی میں آ گیا۔ شیشے کا پٹ بند تھا اور آگے پردہ گرا ہوا تھا۔ اندر سے دو آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی۔ ناگ نے اندر جھانک کر دیکھنے کی بہت کوشش کی مگر کھڑکی کا پردہ بھاری تھا۔ اس میں سے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

ناگ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اندر کون لوگ ہیں اور کیا باتیں کر رہے ہیں۔ ان کی آواز بڑی مدھم تھی۔ ایک لفظ بھی ناگ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ اڑ کر دوسری کھڑکیوں کے پاس گیا۔ کسی کھڑکی کے اندر سے باتیں کرنے کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ اب اس کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ وہ ان لوگوں کی باتیں سنے جو روشن کھڑکی کے پردے کے پیچھے باتیں کر رہے تھے۔ وہ ایک بار پھر اسی کھڑکی کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

اس نے کھڑکی کے شیشے پر زور زور سے چونچیں ماریں

شروع کر دیں۔ مگر اندر سے کسی نے کھڑکی نہ کھولی۔ بس ایک
بار اندر کی طرف سے پردہ ایک طرف ہٹا اور ایک سفید ڈاڑھی
والے گنجے آدمی نے شیشے پر جھک کر دیکھا اور پردہ گرا کر پھر واپس
چلا گیا۔ ناگ نے سوچا کہ اس طرح سے کام نہیں چلے گا۔ اسے
کوئی زبردست سکیم بنانی ہو گی۔ وہ ہوا میں جھولتا ہوا نیچے عمارت
کے لان میں آگیا۔ یہاں برآمدے میں ایک طرف سے لفٹ اوپر
جا رہی تھی۔ باہر ایک آدمی پہرہ دے رہا تھا۔ وہ وردی پہنے
ہوئے تھا۔

ناگ اب اس انتظار میں تھا کہ کسی طرح لفٹ کا دروازہ
کھلے تو وہ اس میں داخل ہو کر اوپر چلا جائے۔ اس نے معلوم
کر لیا تھا کہ روشنی والی کھڑکی عمارت کی تیسری منزل پر
ہے۔ اتنے میں ایک آدمی رجسٹروں کا پلندہ اٹھائے ایک کمرے
سے نکل کر لفٹ کے پاس آگیا۔ پہرے دار نے فوراً بٹن دبا
دیا۔ تھوڑی دیر میں لفٹ نیچے آگئی اور اس کا دروازہ کھل
گیا۔ ناگ نے اڈاری ماری اور پھر سے اڑ کر لفٹ کے
اندر جا کر چھت کے ساتھ لگے ایک کنڈے پر بیٹھ گیا۔ دونوں
آدمیوں نے سیاہ چڑیا کو دیکھا اور مسکرا دیئے۔ رجسٹروں کے
پلندے والا آدمی لفٹ میں آگیا۔ لفٹ اوپر اٹھنے لگی۔ اس
نے اتفاق سے تیسری منزل کا بٹن دبایا تھا۔ وہ اسی روشنی

والے کمرے میں جا رہا تھا۔ ناگ بھی چڑیا کی شکل میں لفٹ سے
باہر نکل آیا۔

یہاں دو آدمی سامنے سے آ رہے تھے۔ انہوں نے سیاہ
چڑیا کو دیکھ کر کہا:

"یہ چڑیا کہاں سے آگئی ہے۔ اسے باہر نکالو۔"

دوسرے آدمی نے نوکروں کو آواز دی۔ دو آدمی آ گئے
اور چڑیا کو پکڑنے کی کوشش کرنے لگے۔ اس عرصے میں ناگ
نے دیکھ لیا تھا کہ روشنی والے کمرے کا دروازہ راہ داری کے
آخر میں تھا۔ اسی کمرے میں رجسٹروں والا آدمی داخل ہوا تھا۔ مگر
اب ان لوگوں سے بھی جان بچانا ضروری تھا۔

ناگ اڑ کر راہ داری کے کونے میں چلا گیا۔ یہاں کچھ اندھیرا
تھا۔ دونوں نوکر اسے پکڑنے کے لیے بڑھے۔ ناگ نے سانپ
بن کر جو اپنا پھن اٹھا کر پھنکار ماری تو دونوں سر پر پاؤں رکھ
کر بھاگ گئے۔ وہاں سانپ سانپ کا شور مچ گیا۔ اتنے میں
ناگ کو پھر سے چڑیا بن کر روشنی والے کمرے میں داخل ہونے
کا موقع مل گیا۔ اندر دو آدمی اور ایک عورت بیٹھی تھی۔ ایک بڈھا
ڈاڑھی والا گنجا تھا اور دوسرا نوجوان اور نوکیلی ڈاڑھی والا تھا
عورت بھاری بھر کم تھی اور میز پر رکھے رجسٹروں کو دیکھ رہی تھی
سانپ کا شور سن کر بڈھے نے پوچھا:

"یہ سانپ یہاں کہاں سے آگیا؟"
نوجوان بولا:
"وہ لوگ اسے پکڑ لیں گے۔ آپ اپنی بات جاری رکھیں۔"
ناگ چھت کے بیچ میں لگے بجلی کے جھاڑ کے اوپر جا کر
بیٹھ گیا تھا۔ بوڑھے نے رجسٹروں والے آدمی کو باہر نکال کر دروازہ
اندر سے بند کر دیا اور بولا:
"میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہمارا مشن تقریباً مکمل ہو چکا ہے۔
امریکی ایم ایکس میزائلوں کا راز اس وقت ہمارے
سفارت خانے کے تہہ خانے کی خفیہ تجوری میں بند ہے۔
اسے ہم کل سفارتی تھیلے میں بند کر کے روس بھجوا رہے
ہیں اور اس کی ایک نقل ہم یہاں اپنے پاس بھی
رکھیں گے۔ اب باقی کام ایم ایکس میزائلوں کو تباہ
کرنے کا ہے۔"
نوجوان نوکیلی ڈاڑھی والے نے کہا:
"اس کے لیے آپ نے کیا سوچا ہے؟"
بھاری بھرکم عورت نے رجسٹر بند کر کے کہا:
"ہمیں میزائلوں کے پھٹنے سے کم از کم ایک روز پہلے
یہاں سے خفیہ طور پر نکل جانا ہوگا۔"
بوڑھا اپنے گنجے سر پر ہاتھ پھیر کر بولا:

"میں بھی بات کرنے والا تھا۔ ہم کب یہاں سے نکل
سکیں گے اور میزائل کب پھٹیں گے؟ اس سلسلے
میں جب تک ہمیں ہمارا خاص جاسوس کراسکی ہمیں
اشارہ نہیں کرتا ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ میزائلوں
کے انتہائی خفیہ امریکی تہہ خانوں میں جا کر وہاں ٹائم بم
لگانا اس کا کام ہے۔"
نوکیلی ڈاڑھی والا نوجوان بولا:
"مسٹر کراسکی تو چھ روز سے غائب ہے۔"
بوڑھے نے کہا:
"وہ اپنا کام کر رہا ہے۔ ہمیں اس پر بھروسہ کرنا ہوگا
وہ ہمارے ملک کا سب سے زیادہ ہوشیار چالاک
اور خطرناک جاسوس ہے۔ اپنے ملک کے لیے جاسوسی
کرتے ہوئے وہ اب تک کچھ نہیں تو ایک ہزار آدمیوں
کو خاموشی سے ہلاک کر چکا ہے۔ ابھی آج رات اس
نے روس کے ایک مسلمان ساتھی جاسوس کو ریڈ انڈین
لوگوں سے قتل کروایا ہے۔ کیوں کہ اس مسلمان جاسوس
نے میزائلوں کو تباہ کرنے سے انکار کرتے ہوئے امریکہ
میں سیاسی پناہ لینے کی کوشش کی تھی۔ اس لیے ہمیں
اس کی چابکدستی اور چالاکی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ وہ

بہت جلد سفارت خانے میں آ کر ہمیں یہاں سے
چلے جانے کی خوش خبری سنائے گا۔"

عورت بولی:

"یہاں واشنگٹن میں ہمارے سفارت خانے کے ایک دم
سے خالی ہو جانے سے چہ میگوئیاں ہو سکتی ہیں اور
واشنگٹن کی تباہی کے بعد روس پر اس تباہی کا الزام
لگایا جا سکتا ہے۔"

بوڑھا بولا:

"ہم کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دیں گے۔"

نوجوان نے کہا:

"مگر باہر امریکی پولیس پہرہ دے رہی ہے۔ وہ ہم
سب کو ضروری کاغذات سمیت یہاں سے نکلتا دیکھ کر
اپنی حکومت کو خبر کر دے گی۔"

بوڑھے نے کہا:

"ہم باہر کے گیٹ سے نہیں بلکہ سفارت خانے کے
ایک خفیہ دروازے سے باہر نکلیں گے۔"

ناگ ان کی ساری باتیں بڑے غور سے سن رہا تھا اور ایک
ایک راز اس کے سامنے کھلتا جا رہا تھا۔ یہ کراسکی نام کا آدمی
ضرور پتھریلی آنکھ والا جاسوس ہی ہو سکتا تھا۔ ناگ نے سوچا ابھی

تک اس کی سمجھ میں دو ہزار چار سو پانچ کے نمبر کا معمہ نہیں
آیا تھا کہ یہ نمبر کس کا ہے۔ آیا یہ کسی خفیہ عمارت کا نمبر ہے
یا کسی خفیہ کمپیوٹر کے تالے کا نمبر ہے۔

مگر تھوڑی ہی دیر بعد یہ معمہ بھی حل ہو گیا۔ بھاری بھرکم
عورت نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا:

"ہمیں ایم ایکس میزائیلوں کا راز جتنی جلدی ممکن ہو
سکے۔ اپنے ملک بھجوا دینا چاہیے۔ اگرچہ یہاں سفارتخانے
میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ پھر بھی ہمیں اس کام میں
دیر نہیں کرنی چاہیے۔"

گنجے آدمی نے کہا:

"اس معاملے میں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔
ایم ایکس میزائلوں کے راز کی نقل نیچے تہہ خانے
کی جس خفیہ تجوری میں پڑی ہے اس کا کوڈ نمبر سوائے
میرے اور کراسکی کے اور کسی کو معلوم نہیں ہے ہم
دو ہی آدمی اسے نکال سکتے ہیں۔ دوسرا کوئی آدمی
اگر تجوری کو دستی بم بھی مار دے تو اسے نہیں کھول
سکتا۔ تجوری بم پروف ہے۔"

ناگ چڑیا کی شکل میں چھت سے لٹکتے ہوئے جھاڑ پر بیٹھا
تھا۔ سوچنے لگا کہ ہو سکتا ہے یہ نمبر خفیہ تجوری کے کمپیوٹر کے

تانبے کا بنا ہو۔ ناگ اب یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ خفیہ
تجوری سفارت خانے کے تہہ خانے میں کس جگہ پر ہے مگر
اس سے پہلے وہ پتھریلی آنکھ والے جاسوس کراسکی کو تلاش
کرنا چاہتا تھا تاکہ ایم ایکس میزائلوں کو تباہ ہونے سے بچایا
جا سکے۔ واشنگٹن کے لاکھوں بچوں عورتوں اور نوجوانوں اور
بوڑھوں کو ہلاک ہونے سے بچایا جا سکے۔ وہ ان کی باتوں کو
ایک بار پھر غور سے سننے لگا۔

بوڑھا ایک رجسٹر کے پاس گیا۔ اسے کھولا اور اس میں سے
نیلے کاغذ کا ٹکڑا نکال کر بولا:

"یہ وہ خفیہ لفظ ہے جسے اگر ہم اپنے وائرلیس پر بولیں
تو اس کی فریکوئنسی ہمارے خطرناک ترین جاسوس کراسکی کے
جیب میں رکھے ہوئے چھوٹے سے وائرلیس سیٹ سے جا
ملے گی اور ہم اس سے بات کر سکیں گے۔ میں ابھی اس
سے بات کر کے پتہ کرتا ہوں کہ اس کا کام کس مقام
تک پہنچا ہے۔"

بوڑھے نے دوسری دراز میں سے چھوٹا سا وائرلیس سیٹ
نکال کر نیلے کاغذ پر لکھا ہوا لفظ بولا۔ کمرے میں خاموشی تھی۔
دوسرے لمحے ادھر سے جاسوس کراسکی کی ہلکی سی آواز آئی۔ پندرہ
سیکنڈ تک انہوں نے دبی زبان میں باتیں کیں جنہیں ناگ نہ

سن سکا۔ وائرلیس سیٹ بند کر دیا گیا۔

بوڑھے نے کہا:

"شاید آپ نے بھی سن لیا ہو گا کہ میزائلوں کی تباہی کا
دن بہت قریب آ رہا ہے۔"

تینوں کے چہروں پر خوشی کی چمک آ گئی۔ اتنے میں دروازے
پر دستک ہوئی۔ ایک نوجوان لڑکی نے اندر آ کر کہا کہ سفیر صاحب
بلا رہے ہیں۔ بوڑھے نے دراز کو بند کیا۔ نیلے رنگ کے کاغذ
کو رجسٹر میں ایک جانب چھپا کر رکھا اور اپنے ساتھیوں کو لے
کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ ناگ کو باہر سے تالہ لگانے کی آواز
آئی۔ جب کمرہ خالی ہو گیا۔ تو ناگ اڈاری مار کر نیچے میز پر آ گیا۔
یہاں آ کر اس نے انسانی شکل بدلی اور سب سے پہلے کمرے کی
اندر سے چٹخنی چڑھا دی۔

پھر اس نے رجسٹر میں سے نیلا کاغذ نکال کر اس کو غور سے
دیکھا۔ اس پر روسی زبان کا ایک لفظ "تانیا" لکھا تھا۔ ناگ عنبر اور ماریا
جیسا کہ آپ جانتے ہیں ہر زبان پڑھ لکھ اور بول سکتے ہیں۔ چنانچہ
ناگ نے اس لفظ کو یاد کر لیا اور نیلے کاغذ کو پھر سے رجسٹر میں
رکھ دیا۔ کمرے کی چٹخنی کھول دی اور دوبارہ سیاہ ننھی چڑیا بن کر
ایک بڑی کرسی کے پیچھے ریوالور کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ وہ سوچ
رہا تھا کہ سفارت خانے کے تہہ خانے میں پہنچ کر ایم ایکس میزائلوں

کا راز کیوں کر اڑایا جائے۔ کیوں کہ یہ لوگ دو ایک دن کے اندر
اندر میزائلوں کا راز واشنگٹن سے اپنے ملک پہنچانے والے تھے
رات کے دس بجنے والے تھے اور سفارت خانے کی بلڈنگ میں
خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

ناگ کو خیال آیا کہ اس نے غلطی کی جو ان لوگوں کے ساتھ
سفیر کے کمرے میں نہیں گیا۔ اسے معلوم کرنا چاہیے تھا کہ سفیر ان
لوگوں کے ساتھ کس قسم کی میٹنگ کر رہا ہے۔ پھر اس نے سوچا
کہ اسے اس سفارت خانے سے صرف ایم ایکس میزائلوں کے راز
کی فائل نکال کر واپس امریکی محکمہ دفاع کو پہنچا دینی چاہیے۔ کیوں کہ
جب تک امریکہ کے پاس بھی ایم ایکس میزائل ہوں گے دنیا کی
کوئی دوسری طاقت جنگ نہیں شروع کر سکے گی اور اس طرح
دنیا تباہی سے بچ جائے گی۔ سوال یہ تھا کہ وہ تہہ خانے میں
کس طرح پہنچے؟

اسی سوال پر ناگ چڑیا کی شکل میں بڑی آرام کرسی کے
پیچھے دیوار کے ساتھ لگا بیٹھا غور کر رہا تھا۔ چڑیا کی شکل میں
نیچے جانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا اور ویسے بھی اس طرح نیچے
جانا مشکل تھا کیونکہ تہہ خانے میں سخت پہرا تھا اور وہاں نہ
کوئی روشن دان تھا۔ نہ کھڑکی تھی۔ صرف لوہے کا دروازہ ہو گا جو
کمپیوٹر کے ذریعے کھلتا ہو گا۔ ناگ نے اس سے پہلے بھی اس

قسم کے تہہ خانے دیکھے تھے۔ اسے تہہ خانے میں داخل ہو کر
خفیہ تجوری سے رازوں کی فائل نکالنی تھی اور پھر اسے وہاں سے
لے کر باہر بھی نکلنا تھا۔ اس وقت ناگ کو ماریا بہن بہت یاد
آئی۔ وہ غائب ہو کر بڑے آرام سے تہہ خانے میں داخل ہو سکتی
تھی اور پھر باہر بھی آ سکتی تھی۔ ماریا کو یاد کر کے ناگ اداس
ہو گیا۔ بے چاری سترہ سو سال پیچھے رومن زمانے میں کسی ظالم
جاگیردار کی حویلی میں نوکروں کا کام کر رہی ہو گی اور وہ بھی ایک
کمزور عورت کی شکل میں، کیوں کہ غار میں سے نکلتی شعاعوں کے
اثر سے اس کی طاقت جاتی رہی تھی اور وہ ایک کمزور عورت کی
شکل میں ظاہر ہو گئی تھی۔ ناگ اپنی بہن کو آسانی سے نہیں مل
سکتا تھا۔ وہ تاریخ کے صفحوں پر بہت ہی آگے ماڈرن زمانے کے
امریکہ میں نکل آیا تھا۔ اسے واپس جانے کی صرف ایک ہی امید
نظر آ رہی تھی اور وہ تھی واشنگٹن کے خلائی عجائب گھر میں لگی
ہوئی ستاروں کی گردش بتانے والی وہ کمپیوٹر مشین جس پر ستاروں کا
گول چکر لگا ہوا تھا۔ لیکن جب تک ناگ دنیا کے کروڑوں انسانوں
اور معصوم بچوں کو ایٹمی میزائلوں اور خطرناک زہریلی گیس کے بموں
کی تباہی سے بچا نہیں لیتا وہ واشنگٹن سے نکل کر سترہ سو سال تاریخ
کے پچھلے زمانے میں نہیں جا سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ناگ اس کام
کو جلدی سے جلدی ختم کرنا چاہتا تھا۔

اچانک ناگ کو سپرمین کا خیال آیا کہ اگر وہ کسی طرح یہاں
تہہ خانے میں پہنچ سکے تو ایم ایکس میزائلوں کا راز اڑانے میں آسانی
ہو سکتی ہے۔ مگر سوال یہ تھا کہ سپرمین اگر یہاں آ گیا تو سفارت خانے
میں سب کو پتہ چل جائے گا۔ ٹھیک ہے ان لوگوں کی گولیوں سے
وہ خود نہیں مر سکے گا مگر وہ ایم ایکس
میزائلوں کے راز کی فائل بھی یہاں سے نہیں لے جا سکے گا۔ کیونکہ
سفارت خانے کے محافظ اس پر آگ اگلنے والے پائپ سے آگ
کا شعلہ پھینک کر فائل کو جلا کر بھسم کر ڈالیں گے۔ اس طرح سے
یہ راز امریکہ کے ہاتھ سے بھی نکل جائے گا اور دوسرا طاقتور ملک
حملہ کر کے کروڑوں انسانوں کو ہلاک کر سکے گا۔

ناگ نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ یہ کام اسے اکیلے کو کرنا ہو گا
اور سپرمین سے بعد میں کسی دوسری مہم میں مدد لی جائے گی۔
اب اس کا دماغ اپنی کسی نئی سکیم پر تیزی سے غور کرنے لگا۔
آخر ایک نئی سکیم اس کے دماغ میں آ گئی۔ جیسا کہ آپ سب
کو معلوم ہی ہے ناگ میں اتنی طاقت تھی کہ وہ جس انسان کا
چاہے روپ بدل سکتا تھا۔ لیکن اس میں ایک مشکل یہ تھی
کہ وہ جس عورت یا آدمی کی شکل اختیار کرتا ہے اس آدمی
یا عورت کی یادداشت حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ یعنی اگر وہ سفیر
کی شکل اختیار کرے تو اسے یہ یاد نہیں رہ سکتا تھا کہ سفیر کے

ماں باپ کون ہیں۔ وہ کس جگہ پیدا ہوا اور اس کے دفتر کے
خاص خاص نمبر نام اور راز کیا ہیں۔ مگر وقت بہت کم تھا۔
ناگ کو ہر حالت میں یہ خطرہ مول لینا ہی تھا۔

ناگ نے سوچا کہ اسے نوکروں، پہرے داروں کا روپ بدلنے
کی بجائے سیدھے سبھاؤ سفیر کا ہی روپ بدل لینا چاہیے تاکہ
جلدی سے جلدی کام ہو سکے۔ مگر اس کے لیے ضروری تھا کہ
وہ سفیر کے سامنے جائے اور اسے نظر بھر کر دیکھے۔ ناگ نے
فوراً ایک باریک سے بھورے رنگ کے سانپ کا روپ بدلا
اور بند دروازے کے نیچے سے نکل کر باہر راہ داری کے قالین
پر رینگتا ہوا کسی ایسے کمرے کو تلاش کرنے لگا جس کے اندر سے
آدمیوں کی آوازیں آ رہی ہوں۔ کیوں کہ اسے یقین تھا کہ اسی
کمرے میں سفیر اپنے آدمیوں کے ساتھ بیٹھا کوئی خفیہ بات چیت
کر رہا ہو گا۔

راہ داری میں دھیمی سی روشنی تھی۔ کوئی انسان دکھائی نہیں
دے رہا تھا۔ ناگ کے لیے یہ بڑی اچھی بات تھی۔ وہ رینگتا
ہوا ایک جانب گھوم گیا۔ راہ داری کے آخر میں اسے ایک
کمرے کے نیچے سے روشنی آتی دکھائی دی۔ وہ تیزی سے کمرے
میں داخل ہو کر دیوار کے ساتھ قالین کے نیچے چلا گیا۔ پھر
اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ یہ ایک شاندار کمرہ تھا۔ دیواروں پر

سرخ پردے پڑے تھے۔ درمیان میں ایک بہت بڑی میز کے
پیچھے ایک سنہری فریم کی عینک والا ادھیڑ عمر آدمی سرخ گاؤن
پہنے بیٹھا سگار پی رہا تھا۔ اس کا سر درمیان سے گنجا تھا۔ کناروں
پر تھوڑے تھوڑے بال تھے۔ یہ شخص روسی سفیر تھا۔ اس کے
آس پاس وہی لوگ بیٹھے تھے جو اس سے پہلے والے کمرے
میں موجود تھے۔ یہ لوگ امریکی ایم ایکس میزائلوں کے راز کی باتیں
کر رہے تھے۔ باقی آدمی اور عورت سفیر کو جناب کہہ کر پکار رہے
تھے۔ ناگ سمجھ گیا کہ یہی سفیر ہے اور اسے اسی کی شکل اختیار
کرنی ہے۔ مگر اس کے لیے ضروری تھا کہ اصلی سفیر کو بے ہوش
کر کے کسی ایسی جگہ بند کیا جائے۔ جہاں سے وہ کم از کم ایک
ہفتہ باہر نہ نکل سکے۔ دیکھنے میں یہ بڑا مشکل کام تھا۔
مگر ناگ کے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ سفارت
کی عمارت میں بے شمار کمرے تھے۔ وہ سفیر کے جسم میں بے ہو
کا زہر داخل کر کے اسے کسی بھی کمرے میں ہفتہ بھر کے لیے
بند کر سکتا تھا۔ مشکل صرف اس بات کی تھی کہ وہ سفیر کو اٹھا
کر کیسے لے جاتے۔ ناگ نے کمرے کو غور سے دیکھا۔ یہ بہت
بڑا کمرہ تھا اور اس میں بڑی بڑی الماریاں اور صندوق بھی
پڑے تھے۔ اس کے ذہن میں خیال آیا کہ کیوں نہ وہ سفیر
کو بے ہوش کر کے اسی کمرے میں کسی الماری یا صندوق

اندر بند کر دے۔ کسی کو شک بھی نہیں پڑے گا۔ کوئی اسے تلاش
بھی نہیں کرے گا۔ کیوں کہ سفیر کی شکل میں وہ خود وہاں
موجود ہو گا۔

ناگ اپنے اس خیال پر خوش ہو گیا۔ اب وہ انتظار کرنے
لگا کہ یہ باقی لوگ باہر جائیں تو وہ اپنا کام شروع کرے۔
بس ایک ہی خطرہ تھا کہ کہیں سفیر بھی ان لوگوں کے ساتھ
ہی باہر نہ نکل جائے۔ ناگ ان کی باتیں سنتے ہوئے انتظار
کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد سفیر نے گھڑی دیکھ کر کہا:

"ساتھیو! وقت بہت ہو گیا ہے۔ اب ہمیں آرام
کرنا چاہیے۔"

دونوں آدمی اور ادھیڑ عمر کی عورت اٹھ کھڑی ہوئی۔ سفیر بھی
ساتھ ہی اٹھا۔ ناگ نے کہا یہ تو برا ہوا۔ اس کم بخت کو نہیں
جانا چاہیے۔

اچانک سفیر رک گیا اور بولا:

"تم لوگ آرام کرو۔ میرا خیال ہے میں یہ کام ختم کر کے
ہی جاؤں گا۔"

وہ لوگ باہر نکل گئے اور کمرے میں سفیر اور ناگ اکیلے رہ گئے۔
ناگ کے لیے اپنی سکیم پر عمل کرنے کا یہ سنہری موقع تھا۔ کمرے میں
خاموشی چھا گئی۔ سفیر میز پر جھکا فائل پر کچھ لکھ رہا تھا۔ ٹیبل لیمپ

کی روشنی میں اس کی عینک کا سنہری فریم اور تمغہ چمک رہا تھا۔
ناگ وقت ضائع کیے بغیر رینگتا ہوا سفیر کی کرسی کے پیچھے کی
جانب پہنچ گیا۔ سفیر کے پاؤں میں سلیپر تھے اور اس نے گرم جرابیں
پہن رکھی تھیں۔ ناگ بڑے آرام سے سفیر کی کرسی پر رینگتا ہوا
اس کے کندھے پر آ گیا اور اس سے پہلے کہ سفیر ہاتھ مار کر اسے
نیچے گراتا، ناگ نے سفیر کی گردن پر ڈس لیا اور اس کے جسم میں
دیر تک بے ہوش کرنے والا زہر داخل کر دیا۔ یہ زہر اس قدر
تیز تھا کہ سفیر کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی اور وہ بے ہوش ہو گیا۔

O

خفیہ راز کی چوری

ناگ فوراً انسان کی شکل میں آ گیا۔
اس نے سفیر کو کرسی پر سے اٹھا کر قالین پر لٹا دیا۔ پھر
دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ اسے اب سفیر کی شکل اختیار
کرنی تھی۔ ناگ زندگی میں شاید پہلی بار یہ تجربہ کر رہا تھا۔ اس
نے یاد کر کے ایک پُراسرار منتر پڑھنا شروع کر دیا۔ اس
کی آنکھیں بند تھیں اور ہونٹ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے۔
تھوڑی دیر بعد ہی ناگ کے چہرے پر دھند سی چھانے لگی۔
پھر اس کے سر پر ایک سفید سانپ نے ظاہر ہو کر اپنا پھن
پھیلا دیا۔ ناگ آنکھیں بند کیے برابر منتر پڑھے جا رہا تھا۔
سفید سانپ کی سرخ آنکھوں سے روشنی کی کرنیں نکل کر سفیر
کے چہرے پر پڑنے لگیں۔ پھر روشنی کی یہی کرنیں سفیر کے
چہرے سے نکل کر ناگ کے سارے جسم پر پڑنے لگیں۔
دیکھتے ہی دیکھتے ان کرنوں نے ناگ کے سارے جسم کو اپنی
لپیٹ میں لے لیا۔ یہ منظر پانچ منٹ تک قائم رہا۔ اس کے

بعد روشنی کم ہونے لگی اور ناگ کے چہرے سے دھند غائب
ہو گئی اور اس کے سر پر بیٹھا ہوا سفید سانپ بھی غائب
ہو گیا۔

ناگ کی شکل سفیر کی شکل میں بدل چکی تھی۔ وہ ہو بہو
سفیر لگ رہا تھا۔ وہی گنجا سر، سرخ و سفید رنگ اور
آنکھوں پر سنہری فریم والی عینک۔ اس کا لباس نہیں بدلا
تھا۔ ناگ نے جلدی سے سفیر کے ساتھ اپنا لباس بدلا اور
کمرے میں کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں وہ بے ہوش سفیر
کو چھپا سکے۔ ناگ ادھیڑ عمر بھی ہو گیا تھا۔ مگر اس کے اندر
طاقت جوانوں ایسی تھی۔ کمرے کے کونے میں سب سے پیچھے
ایک پرانا لکڑی کا بڑا سا صندوق پڑا تھا۔ ناگ نے سفیر کو
اس صندوق میں لٹا کر باہر تالہ لگا دیا۔ ناگ کے زہر میں بے ہوشی
کے اثر کے ساتھ ساتھ وہ طاقت بھی تھی جو سفیر کو چھ سات
روز تک زندہ رکھ سکتی تھی۔ اس کام سے فارغ ہو کر ناگ
نے دیوار سے لگے بڑے آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا۔ وہ اپنے
آپ کو پہچان نہ سکا۔ وہ جوان ناگ سے ایک ادھیڑ عمر
سرخ و سفید گنجے سر اور سنہری فریم والی عینک والا سفیر بن
گیا تھا۔ اسے صرف اتنا معلوم تھا کہ وہ سفیر کی صورت میں
ناگ ہے اور اسے تباہ کر دینے والے ایم ایکس میزائلوں کے

[illegible] یہاں سے اڑا لے جانے ہیں۔

سب سے بڑی تبدیلی جو اس نے اپنے اندر محسوس کی
وہ یہ تھی کہ اسے یہ یاد نہیں آ رہا تھا کہ تہ خانے کی میز
کی تالے والی تجوری کو کھولنے کا نمبر کیا ہے اور پتھر کی آنکھ
والے جاسوس سے بات کرنے کا خفیہ لفظ کیا ہے۔ حالانکہ ابھی
چند منٹ پہلے وہ یہ تمام سن چکا تھا۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا
تھا کہ اس کی بیوی بچوں کا کمرہ کون سا ہے اور اس کی
بیوی بچوں کے نام کیا ہیں۔ مگر اب اسے وہاں سے نکل کر
اپنے بیوی بچوں کے پاس جانا تھا۔ ناگ زندگی میں پہلی
بار کچھ گھبرایا گھبرایا سا تھا۔ اس نے نہ کبھی شادی کی تھی۔
نہ اس کے کبھی بچے ہوئے تھے۔ اب پہلی مرتبہ وہ اپنے
بچوں اور بیوی کے پاس جا رہا تھا۔ اسے نہ اپنی بیوی
کے بارے میں پتہ تھا کہ وہ کون ہے۔ کس کی بیٹی ہے
اور اس کی کب شادی ہوئی تھی اور نہ اسے یہ معلوم تھا
کہ بیوی کو کس نام سے پکارنا ہے۔ اسے بس اتنا یاد تھا کہ
وہ ناگ ہے۔ عنبر اور ماریا اس کے بہن بھائی اور پرانے
ساتھی ہیں اور اس نے ایم ایکس میزائلوں کا راز شکار گاہ
سے اڑا لے جانے کے لیے سفیر کی شکل بدل لی ہے۔

کمرے سے باہر نکل کر اس نے دروازہ بند کیا اور گاؤں

کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے۔ راہ داری میں ایک طرف چل پڑا۔
راہ داری میں ہلکی روشنی تھی۔ وہ ایسے اعتماد کے ساتھ چل
رہا تھا کہ معلوم ہو کہ وہ سفیر ہے اور سفارت خانے کا
سب سے بڑا عہدیدار ہے۔ پہلی مشکل جو اس کے سامنے
آن کھڑی ہوئی یہ تھی کہ اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس
کا کمرہ کہاں ہے۔ چلتے چلتے وہ راہ داری کے کونے تک پہنچ
گیا۔ یہاں سامنے دیوار آگئی۔ ناگ نے رک کر اپنا سر کھجایا۔
اسے اپنے گنجے سر کو کھجاتے ہوئے بڑا افسوس ہوا کہ اس کے اتنے
گھنے سیاہ بال تھے۔

لیکن اس وقت سب سے بڑی ضرورت اپنا کمرہ یعنی
سفیر کا کمرہ تلاش کرنے کی تھی۔ اس نے کلائی پر وقت دیکھا۔
رات کے دو بج رہے تھے۔ وہ واپس مُڑا ایک جگہ سیڑھی
اوپر کو جاتی تھی۔ وہ یونہی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ سیڑھیاں اوپر
ایک گیلری میں جا کر ختم ہو گئیں۔ یہاں بہت بڑا شیشہ لگا تھا
جس میں سے رات کے وقت واشنگٹن شہر کی عمارتوں کی جگمگاتی
روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔

اتنے میں ایک طرف سے چوکیدار نے قریب آ کر بڑے ادب
سے کہا: "جناب آپ کو آرام کرنا چاہیئے۔"

ناگ نے پلٹ کر چوکیدار کو دیکھا اور مسکرا کر اسی کی زبان میں کہا۔

"ہاں۔ ذرا یہ روشنیوں کا منظر دیکھنے یہاں آگیا تھا۔"

اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے چوکیدار سے کہا:
"ذرا میرے کمرے کے دروازے پر دستک دے کر پتہ
کرو کہ بچے سو گئے ہیں۔ اگر سو گئے ہوں تو میری
بیوی سے کہو کہ یہاں آکر واشنگٹن کی خوب صورت رات
کا منظر دیکھے۔"

چوکیدار ادب سے سلام کر کے واپس مُڑا۔

اس کے جاتے ہی ناگ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔
وہ اس لئے اپنی بیوی اور بچوں کا کمرہ دیکھنا چاہتا تھا۔
سیڑھیاں اتر کر اس نے سر باہر نکال کر دیکھا۔ چوکیدار ایک
طرف کو گھوم گیا۔ ناگ بڑی تیزی سے لپک کر راہ داری کے
کونے پر آگیا۔ اور تھوڑا سا سر نکال کر دیکھنے لگا۔ اس نے
دیکھا کہ چوکیدار ایک کمرے پر آہستہ سے دستک دے رہا تھا۔ ناگ
کے پاس آکر بولا:

"شکریہ کامریڈ! میں نے ارادہ بدل لیا ہے۔ میرا خیال ہے
مجھے آرام کرنا چاہیے۔"

"شب بخیر جناب!"

"شب بخیر"

چوکیدار چلا گیا۔ اتنے میں کمرے میں سے ایک عورت کی
آواز آئی:

"کیا بات ہے؟"

ناگ نے کہا:

"میں ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد ایک ادھیڑ عمر عورت نے دروازہ کھولا۔ وہ ساٹن کے سلیپنگ گاؤن میں تھی۔ سر کے بالوں کی ایک لٹ سفید تھی اور رنگ گورا اور سرخ تھا۔ یہ ناگ کی، یعنی ہمارا مطلب ہے کہ سفیر کی بیوی تھی۔

اس نے تعجب سے پوچھا:

"نکولائی۔ تم نے دستک کیوں دی۔ کیا تم بھول گئے کہ دروازے کی ایک چابی ہمیشہ تمہارے گاؤن کی جیب میں رہتی ہے۔"

تو میرا نام نکولائی ہے۔ ناگ نے سوچا۔ اس کم بخت کا کیا نام ہے؟ یہ بھی تو معلوم ہونا چاہیے۔ ناگ نے مسکرا کر جیب میں ہاتھ ڈالا اور کہا:

"بھول گیا۔"

اس کی بیوی نے اور زیادہ حیران ہو کر پوچھا:

"تم نے مجھے اپنے پسندیدہ اولگا کے نام سے نہیں پکارا؟"

ناگ اندر آ گیا۔ بڑا ہی شاندار بیڈ روم تھا۔ کسی بادشاہ کا بیڈ روم لگتا تھا۔ ناگ نے گنجے سر کھجا کر کہا:

"بھول گیا اولگا ڈارلنگ۔"

ایک بہت بڑے پلنگ پر ریشمی چادریں، کمبل اور سرہانے رکھے تھے۔ دونوں جانب بڑے قیمتی ٹیبل لیمپ روشن تھے۔ ناگ پلنگ پر چپکے سے لیٹ گیا اور اپنی بیوی سے بولا:

"مجھے نیند آ رہی ہے۔"

بیوی نے حیرانی سے کہا:

"تم رات کو سیب کا جوس پینا بھی بھول گئے۔"

ناگ نے سوچا کہ اس کا اصلی خاوند سفیر ضرور رات کو سیب کا جوس پیتا ہو گا۔ خدا جانے وہ کیا کیا کرتا ہو گا۔ ناگ نے پلنگ پر اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا:

"سوری اولگا ڈارلنگ۔ بھول گیا۔"

"یہ آج تم ہر بات کیوں بھول رہے ہو۔ تم نے دوسرے کمرے میں جا کر مشکا اور تشنکا کو بھی پیار نہیں کیا۔"

ناگ نے سوچا کہ میں کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ مگر اسے یہ سب کچھ کرنا پڑ رہا تھا۔ فوراً اٹھ کر ساتھ والے بیڈ روم میں گیا۔ وہاں دو بچے سو رہے تھے۔ ان میں سے خدا جانے کون مشکا تھا اور کون تشنکا تھی۔ بہرحال ناگ نے دونوں کے ماتھوں پر بوسہ دیا۔ اس کی بیوی اولگا اس کے پیچھے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ واپس آ کر ناگ نے سیب کا جوس پیا اور بستر

پر لیٹ گیا۔

"ٹیبل لیمپ بجھا دو ڈارلنگ"

وہ بولی:

"مگر تم تو ہمیشہ ٹیبل لیمپ جلا کر سوتے ہو۔"

ناگ نے سر پکڑ لیا:

"خدا کے لیے اسے آج بجھا دو۔"

اس کی بیوی کچھ نہ سمجھ سکی کہ آج اس کے خاوند نکولائی کو کیا ہو گیا ہے۔ اس نے ٹیبل لیمپ بجھا دیا۔ دوسرا ٹیبل لیمپ وہ پہلے ہی بجھا چکی تھی۔ بیڈ روم میں باہر سے آنے والی ہلکی ہلکی روشنی پھیل گئی۔ اس کی بیوی اس سے اپنی بوڑھی ماں کے بارے میں باتیں کرنے لگی جو پولینڈ میں تھی اور جسے اس نے ابھی تک بیس ہزار ڈالر نہیں بھیجے تھے۔

ناگ نے جان بوجھ کر نیند والی آواز بنا کر کہا:

"کل بھجوا دوں گا۔ اب سو جاؤ۔"

اس کی بیوی بڑی حیران ہوئی کہ ابھی شام تک تو اس کا خاوند کہہ رہا تھا کہ میں پہلے ہی بڑا مقروض ہوں تمہاری ماں کو کہاں سے بیس ہزار ڈالر بھجواؤں اور اب یہ ایک دم سے مان گیا ہے۔ یہ بیس ہزار ڈالر کہاں سے بھجوائے گا؟ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا اور وہ سونے کی کوشش کرنے لگی۔

ناگ جاگ رہا تھا۔ اسے نیند بالکل نہیں آ رہی تھی۔ اس کا دماغ یہی سوچ رہا تھا کہ تجوری میں سے ایم ایکس میزائلوں کے رازوں والی فائل کب اڑائی جائے۔ اچانک اس کے سرہانے دھرے ہوئے سرخ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ ساتھ ہی ایک بتی روشن ہو گئی۔

ناگ نے کہا:

"یہ کم بخت اس وقت کون تنگ کر رہا ہے۔ دیکھو تو کون الّو کا پٹھا ہے؟"

اس کی بیوی نے چونک کر کہا:

"نکولائی! تم نشے میں ہو کیا؟ تمہیں معلوم نہیں کہ سرخ ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی ہے اور تمہارے ملک کا وزیر اعظم تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔"

ناگ جلدی سے اُٹھ بیٹھا۔ ایک بار تو اس کو پسینہ آ گیا کہ جانے یہ وزیر اعظم اس سے کیا پوچھ بیٹھے۔ اور وہ اسے کیا اوٹ پٹانگ جواب دے دے۔ اس نے ریسیور اٹھا کر آہستہ سے کہا:

"ہیلو!"

دوسری طرف سے وزیر اعظم کی کرخت آواز آئی:

"تم نے ہاٹ لائن پر بات کرنے میں اتنی دیر کیوں کی؟"

ناگ نے جھٹ کہا:

"سوری سر! میں ابھی ابھی تھکا ہوا آیا تھا۔ ذرا اُونگھ گیا تھا۔"

وزیر اعظم بولا:

"میری بات غور سے سنو۔ کل صبح سات بجے تمہیں میری حکومت کا ایک خاص آدمی آکر ملے گا۔ وہ تم سے خاص بات پر گفتگو کرے گا۔ اور جو کچھ آگے کرنا ہے تمہیں بتا دے گا۔ تم کو معلوم ہے نا کہ وہ خاص بات کیا ہے؟"

ناگ نے فوراً جواب دیا:

"میں جانتا ہوں جناب۔"

حالانکہ اس کے فلک کو بھی پتہ نہیں تھا کہ وہ خاص بات کیا ہے جس پر روس کی طرف سے حکومت کا ایک خاص آدمی صبح سات بجے آکر اس سے بات کرنے والا تھا۔ وزیر اعظم نے ٹیلی فون بند کر دیا۔ اس کی بیوی نے پوچھا:

"کوئی خاص بات تھی کیا؟"

ناگ نے کہا:

"ہاں ایک خاص بات تھی۔"

"مجھے نہیں بتاؤ گے؟"

ناگ بولا:

"وہ خاص بات میں کسی کو نہیں بتا سکتا۔"

اس کی بیوی خاموشی سے آنکھیں بند کر کے سو گئی۔ ناگ دیر تک سوچتا رہا کہ خاص بات کون سی ہو سکتی ہے۔ پھر اس کو بھی نیند آگئی۔ کیونکہ اب وہ ناگ نہیں بلکہ سفیر تھا۔ ایک دوسرے انسان کی شکل میں تھا اور انسان کی ساری کمزوریاں اس کے اندر آگئی تھیں۔ اب اسے بھوک بھی لگتی تھی اور نیند بھی آتی تھی اور کمزوری اور سر درد بھی محسوس ہوتا تھا۔ وہ صبح چھ بجے تک سوتا رہا۔ چھ بجے اٹھا۔ غسل کے بعد کپڑے پہن کر تیار ہو گیا۔ اس کے بچے اسے مل کر سکول چلے گئے۔ ناشتے پر اس نے دودھ پینے کی خواہش ظاہر کی تو اس کی بیوی جھنجھلا کر بولی:

"نکولائی! تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔ تم نے تو کبھی دودھ کو ہاتھ تک نہیں لگایا اور آج دودھ مانگ رہے ہو!"

ناگ نے سر جھٹک کر کہا:

"جانے کل سے کیا ہو گیا ہے۔ ہر بات بھول جاتا ہوں بہرحال اب دفتر جا رہا ہوں۔ ماسکو سے ایک خاص آدمی ملنے آرہا ہے۔"

سفیر کا دفتر سفارت خانے میں ہی تھا۔ ناگ سب سے
پہلے اس کمرے میں گیا جہاں اس نے اصلی سفیر کو بے ہوش
کر کے ایک صندوق میں بند کر رکھا تھا۔ اس نے صندوق کھول
کر دیکھا۔ سفیر بے ہوش پڑا تھا۔ وہ کمرے سے نکل کر اپنے
دفتر کی طرف چلا۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس کا دفتر
کس کمرے میں ہے۔ سفارت خانے کے ملازم اسے سلام
کر کے آگے سے ہٹ جاتے تھے۔ وہ یونہی ایک کمرے
میں داخل ہو گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہاں ناشتہ تیار ہو رہا ہے
یہ باورچی خانہ تھا۔ ملازم سفیر کو دیکھ کر کھڑے کے کھڑے رہ
گئے کہ یہ کہاں آگیا آج۔ ناگ نے مسکرا کر کہا:

"سب کام ٹھیک ہے نا دوستو؟"

"جی ہاں۔ شکریہ!"

ملازم بڑے خوش ہوئے کہ سفیر کو ان کا کتنا خیال ہے
ناگ اب۔ پھر ایک طرف راہ داری میں چل پڑا۔ ایک کمرے
کے باہر اسے دو ملازم وردیاں پہنے کھڑے نظر آئے۔ اس
کے دل نے کہا کہ یہی اس کا دفتر ہے۔ وہ آگے بڑھا۔ نوکروں
نے دروازہ کھول دیا۔ سامنے اس کا دفتر تھا جو خوب آراستہ
اور سجا ہوا تھا۔ اپنی بڑی کرسی پر بیٹھ کر اس نے دراز کھولا
ایک طرف پستول پڑا تھا۔ پاس ہی سگاروں کا بکس تھا۔ اس

کو معلوم تھا کہ سفیر سگار پیتا ہے۔ اس نے سگار سلگایا اور
یونہی اسے پھونکنے لگا۔ اس کے اسسٹنٹ وغیرہ طرح طرح
کے رجسٹر، بل، کاپیاں اور فائلیں لے کر آنے لگے جن پر
وہ دستخط کرتا چلا گیا۔ اسے سات بجنے کا انتظار تھا۔ جب
پورے سات بجے تو ایک ذرا ذرا ٹیڑھی گردن والا دبلا پتلا
آدمی اندر داخل ہوا۔ اس نے ہیٹ اتار کر میز پر پھینکا اور
سفیر سے کہا:

"فون پر اپنی سیکرٹری کو کہہ دو کہ کسی کو اندر نہ آنے دے۔"

ناگ نے کہا:

"آپ ماسکو سے خاص۔۔۔۔"

"ہاں ہاں میں خاص آدمی ہوں جس کے بارے میں تمہیں
وزیر اعظم نے کہا تھا۔"

ناگ نے اپنی سیکرٹری سے کہہ دیا کہ وہ کسی کو اندر نہ
آنے دے۔ خاص آدمی نے اپنے لمبے کوٹ کے بٹن کھول
دیئے اور سفیر کے ساتھ ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ پھر ناگ کی
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا:

"تم نے مجھے نہیں پہچانا؟"

ناگ نے غور سے دیکھا۔ اس شخص کی ایک آنکھ پتھر
کی تھی۔ وہ فوراً سمجھ گیا کہ یہی پتھریلی آنکھ والا جاسوس ہے۔

ناگ نے مسکرا کر کہا:

"تانیا؟"

پتھریلی آنکھ والا جاسوس بالکل نہ مسکرایا۔ کہنے لگا:

"اب تم نے مجھے پہچان لیا۔ اب میری بات غور سے سنو۔"

پتھریلی آنکھ والے جاسوس نے جیب سے ایک تصویر نکال کر ناگ کو دکھائی۔ ناگ نے تصویر میں اپنے دوست سپرمین کو فوراً پہچان لیا۔ مگر وہ تصویر میں بڑی پریشان حالت میں تھا۔ وہ ایک کرسی پر سر جھکائے بیٹھا تھا اور اس کے دونوں بازو کرسی کے پیچھے تک لٹک رہے تھے۔

ناگ نے انجان بن کر پوچھا:

"یہ کس کی تصویر ہے؟"

پتھریلی آنکھ والے جاسوس نے کہا:

"تمہیں معلوم ہو گا کہ امریکہ میں ایک سپرمین کسی دوسرے سیارے سے آیا ہوا ہے جس نے امریکہ میں برائیوں کو ختم کرنے کا عہد کر رکھا ہے۔ اس کے اندر بے پناہ طاقت ہے۔ اس پر نہ توپ کے گولے کا اثر ہوتا ہے نہ اسے ایک ہزار وولٹ بجلی کا جھٹکا کچھ کہہ سکتا ہے۔

ناگ نے پوچھا:

"مگر جناب یہاں تو یہ سپرمین بڑی بھیگی بلی بن کر بیٹھا ہوا ہے۔"

پتھریلی آنکھ والے جاسوس نے بڑی مکاری سے مسکرا کر کہا:

"اسے بھیگی بلی میں نے بنایا ہے۔ تم جانتے ہو کہ ہم نے امریکہ کے ایم ایکس میزائلوں کے راز کی اصل فائل چرا کر یہاں اسی سفارت خانے کے تہہ خانے کی تجوری میں رکھی ہوئی ہے۔ جسے ہم کل تک یہاں سے اپنے ملک لے جائیں گے اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ ہم امریکہ کے ایم ایکس میزائل تباہ کرنے والے ہیں۔ ہمارے اس راز کا کسی طرح سپرمین کو پتہ چل گیا۔ اسے یہ تو معلوم نہ ہو سکا کہ ہم نے ایم ایکس میزائلوں کے راز چوری کر لیے ہیں۔ مگر اسے یہ معلوم ہو گیا کہ ہم امریکہ کے اندر لگے ہوئے سارے ایم ایکس میزائل تباہ کرنے والے ہیں۔ اس کے بعد نہ صرف امریکی حکومت نے ان تہہ خانوں کے گرد جہاں یہ میزائل لگے ہوتے ہیں پہرہ سخت کر دیا بلکہ سپرمین بھی وہاں چوبیس گھنٹے پہرہ دینے لگا۔ ہمارے لیے یہ ایک بہت بڑی رکاوٹ

تھی۔ چنانچہ ہم نے سخت محنت کے بعد پتہ چلایا کہ
اگر کسی طرح مریخ سیارے میں سے پتھر کا ایک ٹکڑا
لا کر اسے پگھلا کر اس کا لوہے کا تعویذ بنا کر کسی طرح
سے سپرمین کے گلے میں ڈال دیا جائے تو اس کی
ساری طاقت ختم ہو جائے گی اور اس میں اتنی طاقت
بھی نہیں رہے گی کہ اپنے گلے میں سے لوہے کا تعویذ
اتار سکے۔ ہمارے تین مصنوعی سیارے مریخ سیارے کے
گرد چکر لگا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک مصنوعی
سیارے نے ہمارا یہ کام کر دیا۔ ہم نے پتھر کو پگھلا کر
اس کا تعویذ بنایا اور ایک خاص سازش سے ایک
یہاں کے آدمی کی مدد سے اس وقت سپرمین کے
گلے میں ڈلوا دیا جب وہ پہرہ دے رہا تھا۔ سپرمین
کی ساری طاقت غائب ہو گئی اور وہ بے ہوش
اور بے حس ہو گیا۔ پھر ہم نے اسے اٹھا کر شہر سے
باہر ایک خفیہ جگہ میں لے جا کر بند کر دیا۔ اب ہمارے
راستے کی تمام رکاوٹیں دور ہو چکی ہیں۔ ہمارے خاص
جاسوسوں نے ایم ایکس میزائلوں کے تہہ خانے میں
جا کر خاص جگہ پر ٹائم بم لگا دیا ہے۔ کل ہم یہاں
سے میزائلوں کا راز اپنے ملک میں بھجوا رہے ہیں۔

آئندہ ایک ہفتے کے اندر اندر ہمارے اس سفارت خانے
کا عملہ اور امریکہ میں آباد ہمارے ملک کے سارے باشندے
امریکہ سے نکل جائیں گے۔"
ناگ پتھریلی آنکھ والے جاسوس کی خوفناک باتیں بڑے
غور سے سن رہا تھا۔ اس نے پوچھا:
"اس سلسلے میں میرے لیے کیا حکم ہے؟"
پتھریلی آنکھ والا جاسوس بولا:
"سب سے پہلا کام تمہیں یہ کرنا ہے کہ کل رات کے
ٹھیک ایک بجے ایک سیاہ رنگ کی موٹر کار تمہارے
سفارت خانے میں آئے گی۔ تمہیں ایم ایکس میزائلوں
کے رازوں کی فائل بریف کیس میں بند کر کے موٹر کار
میں بیٹھے ہوئے آدمی کے حوالے کر دینی ہو گی۔ دوسرا کام
تمہیں یہ کرنا ہو گا کہ اپنے دفتر کے سارے عملے کو
خفیہ طریقے سے ایک ایک کر کے یہاں سے اس طرح
نکالنا ہو گا کہ باہر پہرہ دیتے امریکی فوجیوں کو ذرا سا
بھی شک نہ پڑے۔ سب سے آخر میں تمہیں اپنے
بچوں کے ساتھ یہاں سے نکل جانا ہو گا۔"
ناگ نے پوچھا:
"آپ لوگ یہاں سے کیوں کر فرار ہوں گے؟"

جاسوس نے کہا:

"میں کل آدھی رات کے بعد ایم ایکس میزائلوں کے راز کی فائل لے کر موٹر کار والے آدمی کے ساتھ ہی یہاں سے نکل جاؤں گا۔ بالٹی مور کے ساحل سے بیس میل دور سمندر میں ہماری ایک خفیہ آبدوز ہمارا انتظار کر رہی ہو گی۔ وہ آبدوز ہمیں لے کر یہاں سے نکل جائے گی۔"

ناگ نے یونہی پریشانی دکھاتے ہوئے پوچھا:

"میں اور میرے بچے کیسے یہاں سے نکلیں گے؟"

جاسوس بولا:

"جب تم سفارت خانے کا سارا عملہ یہاں سے نکلوا چکو گے تو آخر میں تم کسی بھی ہوائی جہاز پر بیٹھ کر ماسکو پہنچ سکتے ہو۔"

پھر وہ اُٹھ کھڑا ہوا:

"اب میں جاتا ہوں۔ کیوں کہ تم سے جو کہنا تھا کہہ چکا۔ اب تم آرام کرو۔ کل آدھی رات کو ایم ایکس میزائلوں کے راز کی خفیہ فائل بریف کیس میں رکھ کر تیار رہنا۔ کالی موٹر کار ٹھیک رات کے ڈیڑھ بجے یہاں داخل ہو گی۔ اس کا نمبر خفیہ ہو گا۔"

پھر جاسوس نے اس کا خفیہ نمبر ناگ کی خفیہ ڈائری میں
لکھوایا اور ناگ سے ہاتھ ملا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ ناگ
کچھ دیر اکیلا کمرے میں ادھر اُدھر ٹہلتا اور سوچتا رہا کہ اسے
یم ایکس میزائلوں کی فائل کس وقت تجوری سے اڑانی چاہیے۔
سے ایک نمبر ابھی تک یاد تھا جو بارش کی رات میں گردن
ک زمین میں دھنسے ہوئے روسی جاسوس نے مرنے سے پہلے
سے بتایا تھا اور وہ نمبر تھا دو ہزار چار سو پانچ (۲۴۰۵)
ک کو یقین تھا کہ خفیہ تجوری کا یہی نمبر ہے۔

وہ بیڈ روم میں پہنچا تو اس کی "بیوی" پریشانی سے اس کی
ہ دیکھ رہی تھی۔ ناگ نے اسے صرف اتنا بتایا کہ پریشانی
ی کوئی بات نہیں ہے وہ لوگ کچھ ضروری معاملات پر بات
رنے آئے تھے۔ ناگ کی بناوٹی بیوی سو گئی۔ جب ناگ کو
س کے خراٹوں کی ہلکی ہلکی آواز آنے لگی تو وہ خاموشی کے ساتھ
ستر سے اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ اسے اتنا اندازہ ہو
یا تھا کہ تہہ خانے کو کون سا راستہ جاتا ہے۔ تہہ خانے میں
رنے کے بعد جب وہ اس چھوٹے سے کمرے کی طرف بڑھا
س کے اندر دیوار میں لوہے کی الماری میں خفیہ رازوں والی
ائل پڑی تھی تو اس کے سامنے ایک وردی والا پہرے دار پہرہ
تا دکھائی دیا۔ اپنے سامنے سفیر کو دیکھ کر پہرے دار نے سلیوٹ

کیا اور پوچھا:

"محترم سفیر آپ اس وقت؟"

ناگ نے کہا:

"ہاں — میں تجوری میں کچھ ضروری کاغذات رکھنا چاہتا ہوں۔"

ناگ نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا:

پہرے دار نے جواب دیا:

"مگر محترم سفیر آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ ہمیں خفیہ کوڈ دکھائے بغیر کسی کے لیے تجوری والا کمرہ کھولنے کی اجازت نہیں ہے۔"

ناگ نے سر کھجاتے ہوئے کہا:

"اوہ! ہاں۔ یاد آیا۔ مگر میں خفیہ کوڈ اپنے بیڈ روم میں بھول آیا ہوں۔"

پہرے دار نے حیرانی سے کہا:

"مگر آپ کو دو روز پہلے اس کا نمبر زبانی یاد تھا۔ آپ اس کا نمبر بتا دیں۔ کیوں کہ میں نمبر بتائے بغیر کمرے کا دروازہ نہیں کھول سکتا۔"

ناگ عجیب اُلجھن میں پھنس گیا تھا۔ اس نے یونہی دو ہزار چار سو پانچ کہہ دیا۔ پہرے دار اور زیادہ حیران ہوا۔ کہنے لگا:

"جناب یہ تو خفیہ کوڈ کا نمبر نہیں ہے۔"

وہ ناگ کے قریب آ گیا اور اس نے اچانک جیب سے پستول نکال کر اس کا رُخ ناگ کی طرف کر کے کہا:

"تم کون ہو؟"

ناگ اب وار کرنے کے لیے مجبور ہو گیا تھا۔ اس نے ایک گہرا سانس اندر کو کھینچا اور باریک کالا سانپ بن کر ہوا میں اڑتا ہوا پہرے دار کی گردن سے جا چمٹا۔ اس سے پہلے کہ پہرے دار اسے کھینچ کر الگ کرے ناگ اپنا کام کر چکا تھا۔ پہرے دار دھڑام سے نیچے گر پڑا۔ ناگ نے دوبارا سفیر کی شکل بدلی۔ پہرے دار کی جیب سے چابیاں نکال کر کمرے کا دروازہ کھولا۔ پہرے دار کو گھسیٹ کر اندر کمرے میں ڈالا اور کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ یہ چھوٹا سا کمرہ تھا۔ نیچی چھت سے نیلی روشنی والا بلب روشن تھا۔ سامنے دیوار میں لوہے کی تجوری کا بند دروازہ تھا جس پر قفل پڑا تھا اس قفل پر نمبر لکھے تھے۔ ناگ نے ان نمبروں کو تین بار "تانبا" کے نمبروں سے ملایا تو قفل کھل گیا۔ الماری کے ایک خانے میں ایم ایکس میزائلوں کی سیاہ فائل پڑی تھی۔ ناگ نے فائل میں سے نیلے رنگ کے سارے کاغذ نکال کر جیب میں رکھے۔ جیب سے دوسرے کاغذ نکال کر فائل میں پر دنے

اور نمبر ملا کر الماری کا قفل دوبارا بند کر دیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر ناگ نے پہرے دار کی لاش
کمرے سے باہر نکالا۔ کمرے کا دروازہ بند کر کے دوبارا قفل
لگایا اور لاش کو گھسیٹ کر تہہ خانے کے کونے میں ایک
بڑے صندوق کے پیچھے ڈال دیا۔ پھر اس نے ہر جگہ سے
کے ساتھ اپنی انگلیوں کے نشان مٹا دیئے اور چپکے سے
روم میں آ کر بستر پر لیٹ گیا۔ ایم ایکس میزائلوں کے راز
کے خفیہ کاغذات ابھی تک اس کی جیب میں پڑے
باقی رات اس نے جاگ کر گذار دی۔ صبح صبح ناگ ا
میزائلوں کے خفیہ کاغذوں کو باتھ روم کے کونے میں ر
بڑے گملے میں نیچے چھپا کر اوپر مٹی ڈالی اور منہ ہاتھ
کپڑے بدل کر باہر ٹہلنے نکل گیا۔

دن چڑھا تو پہرے دار کی تلاش شروع ہوئی۔
ناگ نے کہا:

"اسے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے خود اسے
ایک نہایت ضروری مشن پر بھیجا ہے۔"

سفیر کا اتنا کہہ دینا ہی کافی تھا۔ سب چپ ہو گئے
اب رات ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ دن بھر وہ دفتر
ادھر ادھر کے احمقانہ کام کرتا رہا۔ اس کی سیکرٹری کئی

حیرانی سے اسے دیکھتی رہی کہ سفیر کو کیا ہو گیا ہے۔ ہر
بات بھول گیا ہے۔ اسے کچھ بھی یاد نہیں رہا۔ یوں ہی دن
گذر گیا، شام ہو گئی۔ پھر رات کا کھانا اس نے اپنی مصنوعی بیوی
اور بچوں کے ساتھ مل کر کھایا۔ اس کی بیوی بچے کھانے کے
بعد باغ میں آ کر شیشے کے بند خیمے میں آ کر بیٹھ گئے جہاں
بے شمار ہرے بھرے پودوں والے گملے رکھے تھے۔ اچانک
ایک گملے کے پیچھے سے سانپ نکل آیا۔ خدا جانے یہ کہاں
سے آ گیا تھا۔ ورنہ واشنگٹن کے ایسے صاف ستھرے علاقے میں
سانپ نہیں ہوا کرتے۔ یہ رٹیل سانپ تھا یعنی جس کی دم زور
زور سے گھنٹی بجاتی تھی اور اس کے منہ سے پھنکار کی
آوازیں نکل رہی تھیں۔ ناگ کے بیوی بچے ڈر کر شیشے کی
دیوار کے ساتھ لگ گئے۔

سانپ اس کی بیوی کے بالکل سامنے چلا گیا اور اسے ڈسنے
کی تیاری کرنے لگا۔ ناگ کی بیوی کا رنگ زرد ہو گیا۔

ناگ نے کہا:

"گھبراؤ نہیں ڈارلنگ"!

اس کے بعد ناگ سانپ کے قریب آ گیا۔ اس کی بیوی
اور بچوں نے دیکھا کہ اچانک سانپ کی دُم نے گھنٹی بجانا
بند کر دی۔ اس کی پھنکاریں بھی ختم ہو گئیں اور وہ ناگ کے

پاس آکر اپنا سر اس کے پاؤں کے قریب ڈال کر لیٹ گیا
بچے اور اس کی بیوی یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ سانپ کو اچانک
یہ کیا ہو گیا ہے۔

ناگ نے سانپوں کی زبان میں کہا:

"احمق! تم ادھر کہاں نکل آئے تھے؟ کیا تمہیں معلوم
نہیں تھا کہ میں یہاں پر موجود ہوں؟"

سانپ نے کہا:

"میرے آقا! مجھے معاف کر دو۔ مجھ سے بھول ہو گئی۔
میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری کھال موٹی ہو گئی ہے
جس پر باہر کی لہروں کا اثر نہیں ہوتا۔"

ناگ نے کہا:

"تو پھر جتنی جلدی یہاں سے دفع ہو سکتا ہے دفع ہو جا
نہیں تو میں ابھی پھونک مار کر تمہیں بھسم کر دوں گا۔"

سانپ بولا:

"حضور! مجھے معاف کر دیں۔ میں ابھی جا رہا ہوں۔"

اتنا کہہ کر سانپ زمین کے اندر غائب ہو گیا۔ ناگ کی بیوی
بولی:

"تم نے سانپ پر یہ کیا جادو کر دیا۔ وہ تو دم دبا کر
بھاگ گیا۔"

ناگ نے مسکرا کر کہا:

"میں ان سانپوں کا بادشاہ ہوں۔ یہ مجھ سے ڈرتے ہوں۔"

اس کی بیٹی بولی:

"ڈیڈی! کیا آپ سانپوں پر حکم چلاتے ہیں؟"

ناگ نے کہا:

"ہاں بیٹی! سانپ میرا حکم مانتے ہیں!"

اس کا بیٹا کہنے لگا:

"ڈیڈی! سانپ کو پھر حاضر کریں۔"

ناگ نے کہا:

"ابھی بلوا لیتا ہوں۔"

اس پر اس کی بیوی نے ڈانٹ کر کہا:

"نکولائی! یہ احمقانہ باتیں بند کرو۔ چلو یہاں سے نکل چلیں
میں آج ہی اس جگہ کی کھدائی کروا کر سانپ کو ہلاک
کرواتی ہوں۔"

ناگ تھوڑا تھوڑا مسکراتا ہوا خیمے سے باہر آگیا۔

رات کے گیارہ بجے ناگ کے بچے اور بیوی سو گئے۔ اس
نے اپنی بیوی کو بتا دیا تھا کہ آج آدھی رات کو کچھ لوگ اس
سے ملاقات کرنے آ رہے ہیں۔ اس لیے وہ سو جائے۔ جب رات
کے بارہ بجے تو ناگ سفارت خانے کی لابی میں آگیا۔ اس نے

تجوری والے کمرے کے باہر ایک دوسرا پہرے دار لگا دیا تھا۔
اور خفیہ کوڈ بھی معلوم کر لیا تھا۔ ناگ تہہ خانے میں صندوق
کے پیچھے بڑے پہرے دار کی لاش کو بھی دیکھ آیا تھا اور اس
کی تسلی ہو گئی تھی۔

ٹھیک رات کے ایک بجے سفارت خانے کا دروازہ کھلا
اور ایک کالی موٹر کار اندر داخل ہوئی۔ ناگ سمجھ گیا کہ خفیہ
فائل لینے پتھریلی آنکھ والے جاسوس کا آدمی آ گیا ہے۔ موٹر کار
اس کے قریب آ کر رک گئی۔ ناگ نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔
اندر ایک بڑی خطرناک شکل والا آدمی بیٹھا اس کی طرف دیکھ
کر مسکرا رہا تھا۔

ناگ نے کہا:

"تشریف لائیے۔ کچھ دیر آرام کیجیے۔"

خطرناک چہرے والے جاسوس نے دانت کٹکٹاتے ہوئے کہا:

"اس کی ضرورت نہیں۔ جو میں لینے آیا ہوں، وہ میرے
حوالے کرو۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

ناگ نے جھک کر کہا:

"ایک منٹ میں لاتا ہوں۔"

اور ناگ لپک کر سیڑھیاں اترتا تہہ خانے میں آ گیا۔ پہریدار
کو خفیہ کوڈ بتا کر کمرے کا دروازہ کھلوایا۔ پھر تجوری کا دروازہ

کھول کر ایم ایکس میزائلوں کی وہ فائل نکالی جس میں سوائے
ردی کاغذوں کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ اسے ایک بریف کیس
میں بند کر کے چھوٹا سا تالا لگایا اور تہہ خانے سے نکل کر
خطرناک جاسوس کے حوالے کرتے ہوئے کہا:

"آپ کی چیز حاضر ہے جناب"

خطرناک جاسوس نے کہا:

"تم بھی میرے ساتھ بیٹھو۔"

ناگ حیران ہوا کہ یہ شخص اسے کیوں موٹر گاڑی میں
بٹھانا چاہتا ہے۔ مگر اس وقت عقل مندی اسی میں تھی کہ
جو وہ کہے ناگ اس پر اعتراض کیے بغیر عمل کرتا چلا جائے۔
ناگ موٹر کار میں خطرناک جاسوس کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے
اشارہ کیا۔ موٹر کار سفارت خانے کے گیٹ سے باہر نکل کر
دریا کی طرف روانہ ہو گئی۔

واشنگٹن شہر کی روشنیاں آدھی رات کے بعد بھی جگمگا
رہی تھیں۔ کار سٹریٹ نمبر ۱۴۱ سے نکل کر لنکن برج سے گزرتی
دریائے پوٹامک کے کنارے آ گئی۔ یہاں سے ڈرائیور نے ایک
موڑ گھوم کر کار آرلنگٹن کے تاریخی قبرستان کی طرف ڈال دی۔
قبرستان میں خاموشی چھائی تھی۔ یہاں جگہ جگہ زمین پر قبروں کی
جگہ پتھر کی چوکور سلیں پڑی تھیں۔ اور پیچھے صلیب کے نشان

کھڑے تھے۔ دریا کا گدلا پانی پل کی دھیمی روشنیوں میں اور
بھی گدلا دکھائی دے رہا تھا۔ کار ایک جگہ جھیری کے درختوں
کے پاس رک گئی۔ راستے میں کسی نے کوئی بات نہ کی تھی۔
پتھریلی آنکھ والے جاسوس نے ناگ کی طرف مسکرا کر دیکھا اور
بریف کیس پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"ہمیں حکومت کی طرف سے حکم ملا ہے کہ فائل کے
کاغذوں کو تمہارے سامنے خود کھول کر دیکھیں۔ ہم اسی
لیے اس ویران جگہ پر آئے ہیں۔"

تھوڑی دیر کے لیے ناگ پریشان ہو گیا۔ اس کا راز چند
سیکنڈ بعد فاش ہونے والا تھا۔ فائل میں ایم ایکس میزائل کے
رازوں کی بجائے ردی کاغذ بھرے ہوئے تھے۔ پتھریلی آنکھ والے
جاسوس کے آدمی نے بریف کیس کھول کر فائل باہر نکالی
اس کے گرد لپٹا ہوا سیاہ فیتہ کھولا اور فائل کا فلیپ الٹا۔
ناگ اسی لمحے کا انتظار کر رہا تھا۔ پتھریلی آنکھ والے جاسوس
کے آدمی کو جب فائل میں ردی کاغذوں کے سوا کچھ نہ ملا
تو اس کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا۔ اس نے ناگ کی طرف
دیکھ کر کہا:

"یہ تو ایم ایکس والی فائل نہیں ہے۔"

ناگ نے مسکرا کر کہا:

"وہ اب تم کبھی حاصل نہ کر سکو گے۔"

جاسوس کو اس جواب کی توقع نہیں تھی۔ اس نے جھٹ پستول
نکالا اور ناگ پر فائر کر دیا۔ گولی ناگ کی گردن کے
قریب سے ہوتی ہوئی موٹر کار کی کھڑکی کا شیشہ توڑ کر باہر
نکل گئی۔ ڈرائیور نے بھی چاقو نکال کر ناگ پر حملہ کر دیا۔ مگر
اس دوران میں ناگ اپنی انسانی شکل بدل چکا تھا۔ جاسوس
اور ڈرائیور پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔
سفیر کہاں غائب ہو گیا؟ ان میں سے ہر ایک کے چہرے پر
یہی ایک سوال تھا۔ مگر اس کا جواب ان میں سے کسی کے پاس
بھی نہیں تھا۔

اچانک اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ڈرائیور کے ہاتھ سے
خنجر گر پڑا۔ اس کی آنکھیں سفید ہو گئیں جسم تھرتھرایا اور وہ
اوندھے منہ گر پڑا۔ ناگ کا زہر اپنا کام کر چکا تھا۔ جاسوس جلدی
سے ڈرائیور کو اٹھانے کے لیے جھکا۔ پھر اس کے ہاتھ سے بھی
پستول گر پڑا۔ اور وہ بھی مرے ہوئے ڈرائیور کے اوپر گر کر
ڈھیر ہو گیا۔ ناگ نے کار سے باہر نکل کر پھر سے انسان یعنی
سفیر کا روپ بدلا اور دونوں لاشوں کو نکال کر دریا میں لڑھکا
دیا۔ پھر اس نے نقلی فائل کو بریف کیس میں بند کیا اور کار
لے کر اپنے سفارت خانے کی طرف تیزی سے روانہ ہو گیا۔

سفارت خانے میں آکر اس نے نقلی فائل کار میں ہی رہنے دی۔ خود بیڈ روم میں آیا۔ اس کی بیوی سو رہی تھی۔ وہ غسل خانے میں گیا۔ گملے کے نیچے سے اصل فائل نکال کر کوٹ کے اندر چھپائی اور سفارت خانے سے نکل کر کار میں سوار ہو کر امریکہ کے سیکرٹری دفاع کی کوٹھی کی طرف تیزی سے چل پڑا۔

○

پتھریلی آنکھ والا جاسوس

امریکی سیکرٹری دفاع کی کوٹھی پر پہرہ لگا تھا۔

ناگ نے پہرے دار سے کہا کہ میں ایک غیر ملکی سفیر ہوں اور بہت ضروری کام کے سلسلے میں اسی وقت سیکرٹری سے ملنا چاہتا ہوں۔ پہرے دار نے خفیہ ٹیلی فون پر سیکرٹری کو جگا کر بات کی۔ اس نے کہا کہ میں آ رہا ہوں۔ دروازہ کھول کر سفیر کو اندر آنے دو۔ پہرے دار نے بٹن دبا کر دروازہ کھول دیا۔ ناگ کار لے کر کوٹھی کے پورچ میں آ گیا۔ تھوڑی دیر میں امریکی سیکرٹری دفاع گاؤن پہنے آ گیا۔ ناگ نے کوٹ کے اندر سے فائل نکال کر کہا:

"زیادہ باتیں کرنے کا میرے پاس وقت نہیں ہے۔ آپ کے ایم ایکس میزائل کی خفیہ فائل غیر ملکی جاسوس نے چرا لی تھی۔ میں اسے واپس کرنے آیا ہوں۔ اس کی پہلے سے زیادہ حفاظت کریں۔"

ناگ نے فائل سیکرٹری کے حوالے کی اور اسے حیران پریشان

چھوڑ کر کار سٹارٹ کر کے وہاں سے نکل گیا۔ رازلین کے بڑے
پل کے نیچے آ کر اس نے کار کھڑی کی۔ کار سے باہر نکل کر
پل کے فٹ پاتھ پر آ کر خفیہ منتر پڑھنا شروع کر دیا۔ وہی سفید
سانپ نمودار ہوا۔ اس کے منہ سے سفید دھواں نکل کر ناگ
کے جسم پر چھا گیا۔ پھر سانپ غائب ہو گیا۔ دھواں چھٹا تو
ناگ سفیر سے دوبارا اپنی اصلی شکل میں واپس آ چکا تھا۔ اس
نے جیب سے خفیہ وائرلیس نکال کر اس کا بٹن دبایا اور کہا:

"تانیا! تانیا! ہیلو تانیا!"

جس ملک کا وہ سفیر بنا تھا اس ملک کے سب سے خطرناک
جاسوس کراسکی کا کوڈ نمبر تھا۔ دوسری طرف سے کراسکی کی آواز
آئی:

"میں تانیا ہوں تم کون ہو؟"

ناگ نے کہا:

"ہمیں ایکس میزائل کی خفیہ فائل مل گئی ہے۔ مگر سپرمین
کی جانب سے خطرہ ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ اس کے
گلے میں ڈالے گئے مریخ کے پتھر کے تعویذ کا اثر صبح
زائل ہو جائے گا۔"

کراسکی نے کہا:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

ناگ بولا:

"مجھے اپنے ملک کے بڑے سائنس دان کا پیغام ملا ہے۔"

"تم کون ہو؟" کراسکی نے پوچھا۔

ناگ نے کہا:

"میں وزیر اعظم کی طرف سے یہاں پر خفیہ مشن پر
بھیجا گیا ہوں۔ بڑے سائنس دان نے مجھے ایک سفوف
بھجوایا ہے جو اگر سپرمین کے جسم پر نہ ملا گیا تو صبح
اس میں پھر سے طاقت واپس آ جائے گی اور ہمارا
سارا کام دھرے کا دھرا رہ جائے گا۔"

کراسکی نے کہا:

"تم اس وقت کہاں ہو؟"

ناگ بولا:

"میں رازلین کے بڑے پل کے نیچے ہوں۔ مجھے سپرمین
کے پاس لے جانے کا انتظام کیا جائے۔"

کراسکی اپنے ملک کے خطرناک وزیر اعظم سے بہت ڈرتا
تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ جب چاہے اسے ختم کرا سکتا ہے۔
چنانچہ وہ اس کے بھیجے ہوئے خاص آدمی یعنی ناگ کا ہر حکم
ماننے پر مجبور تھا اور پھر وہ ایک بڑا اہم پیغام لایا تھا۔
اگر سپرمین کی طاقت واپس آ گئی تو وہ ان کے سارے کیے

کرائے پر پانی پھیر دے گا۔ اور وزیرِ اعظم کراسکی کو گولی
مروا دے گا۔ چنانچہ اس نے جلدی سے کہا:
"میں آ رہا ہوں۔ یہیں میرا انتظار کرو۔"
ناگ خاموشی سے سیاہ موٹر کار میں آ کر بیٹھ گیا اور
کراسکی کا جو اپنے ملک کا سب سے بڑا اور خطرناک جا
تھا انتظار کرنے لگا۔ رات آہستہ آہستہ ڈھل رہی تھی۔
تھوڑی دیر بعد کراسکی کی کار آ کر ناگ کی کار کے قریب رک
گئی۔ ناگ نے دیکھا کہ ایک دبلا پتلا ادھیڑ عمر کا آدمی
لمبا کوٹ پہنے کار سے نکل کر ناگ کی طرف بڑھا۔ ناگ نے
آگے بڑھ کر اس سے پوچھا:
"کیا آپ کا نام کراسکی ہے؟"
کراسکی نے اندھیرے میں چمکتی ہوئی تیز آنکھوں سے ناگ
کو گھور کر دیکھا اور کہا:
"تمہارا کیا خیال ہے کہ میں کوئی چور اچکا ہوں۔ یہ
بتاؤ کہ تمہارا نمبر کیا ہے؟"
ناگ نے سخت غصے میں جواب دیا:
"تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ وزیر اعظم کے خاص
جاسوسوں کو نمبر بتانے کی اجازت نہیں ہوتی اگر تم
نے پھر میرا نمبر پوچھا تو میں تمہارا نمبر وزیر اعظم کو

بتا کر تمہاری شکایت کر دوں گا۔"
کراسکی گھبرا گیا۔ وہ اپنے ملک کے وزیر اعظم سے بہت ڈرتا
تھا۔ اس نے مسکرا کر کہا:
"میں تو تمہارا امتحان لے رہا تھا دوست!"
ناگ نے کہا:
"فضول باتوں کے لیے میرے پاس وقت نہیں ہے۔
مجھے فوراً اس جگہ لے چلو جہاں سپر بن نیند ہے۔
سفوف میرے پاس ہے۔ میں سفوف چھڑک کر اس کی
بحال ہوتی طاقت کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔"
کراسکی بولا:
"میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔"
کراسکی کار لے کر آگے بڑھا۔ ناگ اس کے پیچھے چل پڑا۔
واشنگٹن کی رات کی جگ مگ کرتی روشنیوں میں کراسکی
کی موٹر کار شہر کے درمیانی حصے سے نکل کر اس بڑی سڑک
پر آ گئی جو سیدھی نیو یارک شہر کو جاتی تھی۔ یہ ہائی وے تھا۔
بہت کھلی سڑک تھی۔ ایک وقت میں چار گاڑیوں کے آنے جانے
کا راستہ بنا تھا۔ کراسکی کی گاڑی ستر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جا رہی
تھی۔ ناگ اس کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔ ڈیڑھ گھنٹے کے بعد
کراسکی کی گاڑی ایک چھوٹی سڑک پر گھوم گئی۔ یہ سڑک ایک جنگل

کے درمیان سے گزرتی تھی۔ گنجان درختوں کے جھنڈ چاروں طرف پھیلے تھے۔ آس پاس اندھیرا تھا۔ جنگل کے درمیان ایک چھوٹا سا کھپریل چھت والا مکان آ گیا۔ دونوں گاڑیاں اس مکان کے پچھواڑے جا کر رک گئیں۔ کراسکی نے ناگ کو ساتھ لیا۔ مکان کے تہہ خانے کا دروازہ کھول کر اسے ایک اندھیرے کمرے میں لے گیا۔ ٹارچ روشن کی۔ سامنے ایک دروازے پر تالہ لگا تھا۔ کراسکی نے تالا کھول کر دروازہ کھولا اور بتی جلا دی۔ ناگ کیا دیکھتا ہے کہ ایک کرسی پر اس کا دوست سپر مین دونوں بازو لٹکائے سر جھکائے نیم بیہوشی کی حالت میں بیٹھا ہے۔ اس کے گلے میں پتھر کا تعویذ لٹک رہا ہے۔ کراسکی نے سپر مین کو غور سے دیکھا اور پھر ناگ کو گھور کر دیکھتے ہوئے بولا:

"تم تو کہتے تھے کہ سپر مین کی طاقت واپس آ رہی ہے مگر یہ تو اسی طرح بے ہوش پڑا ہے۔"

کراسکی کو ناگ پر شک ہو گیا تھا۔ آخر تجربہ کار جاسوس تھا۔ فوراً جیب سے پستول نکال کر بولا:

"مجھے وہ سفوف دکھاؤ جسے وزیر اعظم نے تمہیں دیا ہے۔"

ناگ کے پاس تو کوئی سفوف نہیں تھا۔ مگر ناگ بھی کوئی احمق اور بے وقوف آدمی نہیں تھا۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا اور غائب ہو گیا۔ کراسکی ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔ کہ ایک جیتا جاگتا

زندہ انسان اس کی آنکھوں کے سامنے ایک دم سے کیسے غائب ہو گیا۔ مگر ناگ غائب نہیں ہوا تھا۔ وہ ایک سیاہ سانپ کی شکل میں کراسکی کی پنڈلی کو ڈس چکا تھا۔ اچانک کراسکی کا جسم کانپنے لگا۔ اس کے ہاتھوں کی طاقت جواب دے گئی اور پستول اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ اس کے ساتھ ہی وہ خود بھی دھڑام سے سپر مین کی کرسی کے پاس گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ ناگ فوراً انسان کی شکل میں واپس آیا اور سب سے پہلا کام اس نے یہ کیا کہ سپر مین کے گلے سے مریخ کے پتھر کا تعویذ اتار کر پھینک دیا۔ تعویذ کے اترتے ہی سپر مین ہوش میں آ گیا اور اس کی طاقت بھی واپس آ گئی۔ اس نے ناگ کو اپنے سامنے دیکھا تو بولا:

"میں یہاں کیسے آ گیا؟"

ناگ نے کہا:

"یہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا دوست — پہلے یہاں سے نکل چلو۔"

سپر مین نے کراسکی کو بے ہوش پڑے دیکھ کر پوچھا:

"یہ کون ہے؟"

ناگ بولا: "یہ وہ آدمی ہے جس نے تمہیں سپر مین سے ایکسٹرا مین بنا دیا تھا۔"

سپرمین زمین پر پڑا ہوا پتھر کا تعویذ اٹھانے لگا تو ناگ
نے چیخ کر کہا :
"خدا کے لیے اسے ہاتھ نہ لگانا۔ یہ بڑی خطرناک شے
ہے آؤ میرے ساتھ۔"
ناگ اور سپرمین پر اسرار مکان سے باہر نکل آئے۔ ناگ
نے سپرمین کو ساری کہانی سنا دی اور کہا کہ اب ہمیں جتنی جلدی
ہو سکے ایم ایکس میزائلوں کے اڈے میں لگے ہوئے بم ضائع
کرنے ہوں گے۔

سپرمین بولا :
"میرے ساتھ آؤ۔ میں جانتا ہوں حکومت نے یہ
خطرناک میزائل کہاں لگا رکھے ہیں۔"
پھر ناگ کی طرف دیکھ کر بولا :
"دوست! کیا تم میرے ساتھ ہوا میں اڑ سکو گے؟"
ناگ نے مسکرا کر کہا :
"میں ہزاروں برسوں سے ہوا میں اڑ رہا ہوں ممکن
ہے میں تم سے آگے نکل جاؤں۔"

سپرمین اور ناگ رات کے اندھیرے میں جنگل سے نکل
کر کھلی جگہ پر آ گئے۔ سپرمین دونوں بازو پھیلا کر فضا میں اچھلا
اور ایک دم سے لہراتا ہوا درختوں کے اوپر آ گیا۔ ایک چکر

لگا کر ناگ سے کہنے لگا :
"اوپر ہوا میں آ جاؤ۔ اگر نہیں آ سکتے تو میں تمہیں اپنے
کندھے پر بٹھا لیتا ہوں۔"
ناگ نے کہا :
"آ رہا ہوں۔"
اتنا کہہ کر ناگ نے لمبا سانس بھرا اور ایک دم سے سفید
باز کی شکل اختیار کر لی اور سپرمین کے سر کے اوپر ایک
لمبا چکر لگایا۔ سپرمین نے ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کیا اور
تاروں بھری رات میں اڑنے لگا۔ ناگ اس کے ساتھ ساتھ
اڑ رہا تھا۔ وہ نیویارک جانے والی سڑک سے ہٹ کر نیشنل
ائیرپورٹ کے اوپر آ گئے۔ ایک جیٹ ہوائی جہاز بڑی تیزی
سے ان کے قریب سے گزر گیا۔ ایک مسافر نے کھڑکی کے
شیشے میں سے سپرمین کو ہوا میں اڑتے دیکھا تو اس کے
ہاتھ میں پکڑی ہوئی پلیٹ نیچے گر پڑی۔

سپرمین ناگ کو لے کر واشنگٹن کی روشنیوں بھری بلند
عمارتوں کے اوپر چکر لگاتا شہر سے دور نکل گیا۔ آدھ گھنٹہ ہوا
میں اڑتے رہنے کے بعد سپرمین ایک جھیل کے کنارے ویران
پہاڑی کے دامن میں اتر گیا۔ ناگ بھی اس کے ساتھ ہی نیچے
آ گیا۔ ناگ انسان کی شکل میں آ چکا تھا۔ سپرمین نے زمین پر

پاؤں مار کر کسی بات کا اندازہ لگایا اور ناگ سے کہنے لگا،
"ایم ایکس میزائل اس پہاڑی کے اندر لگے ہوئے ہیں
ہمیں گیٹ میں سے کوئی اندر نہیں جانے دے گا اور
اگر ہم نے پہرے داروں یا افسروں سے کہا بھی کہ
میزائیلوں کے نیچے دشمن نے بم لگا دیئے ہیں تو وہ
ہمیں پاگل سمجھ کر وہیں روک لیں گے پھر وہ اپنے
افسروں سے بات کریں گے۔ وہ افسر اپنے افسروں
سے ٹیلی فون پر بات کریں گے اور اس طرح دیر ہو
جائے گی اور بم پھٹ جائیں گے۔ میزائل تباہ ہو
جائیں گے اور ان کے ایٹم بموں کی تابکاری سے ارد گرد
کا سارا علاقہ برباد ہو جائے گا۔ اور ساٹھ میل تک
کوئی انسان کوئی پرندہ زندہ نہیں بچے گا۔"
ناگ نے پوچھا:
"پھر تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"
سپرمین بولا:
"میں یہاں سے زمین میں سوراخ کر کے اس تہہ خانے
میں جاؤں گا جہاں میزائل لگے ہیں تم بھی میرے ساتھ
آؤ۔ مگر سانپ کی شکل میں تاکہ اگر کوئی پہرے دار
ہمیں روکے تو تم ہلکا سا زہر اس کے جسم میں داخل

کر کے اسے بے ہوش کر دینا۔"
"ایسا ہی ہو گا۔"
ناگ نے جواب دیا۔
سپرمین ایک جگہ کھڑا ہو گیا اور پھر وہ اتنی تیزی سے
گھومنے لگا جس طرح زمین میں سوراخ کرنے والا برما گھومتا
ہے۔ زمین میں گہرا شگاف پڑتا چلا گیا۔ سپرمین زمین کے اندر
ہی اندر اترتا جا رہا تھا۔ ناگ بھی سانپ کی شکل اختیار کر کے
سپرمین کے پیچھے پیچھے سوراخ کے اندر اترنے لگا۔ وہ پہاڑی
کے اندر ایک غار میں آ گئے۔ یہاں اندھیرا تھا۔
سپرمین نے ناگ سے کہا:
"میرے ساتھ ساتھ رہنا دوست!"
ناگ سانپ بن کر سپرمین کے ساتھ ساتھ رینگ رہا تھا دونوں
دوست آگے بڑھے۔ غار آگے جا کر بائیں ہاتھ کو گھوم گیا۔
ادھر سے ہلکی روشنی آ رہی تھی۔ پھر انہیں دو آدمیوں کی انگریزی
میں باتیں کرنے کی آواز آئی۔
سپرمین نے آہستہ سے کہا:
"یہ گارڈ ہیں جو ڈیوٹی دے رہے ہیں۔"
ناگ بھی یہ آوازیں سن رہا تھا۔ سپرمین دیوار کے ساتھ
لگ کر آگے کھسک رہا تھا۔ اب اس نے سامنے ذرا فاصلے پر

ایک لوہے کا دروازہ دیکھا جس کے باہر دو امریکی فوجی کھڑے
پہرہ دے رہے تھے۔ سپریمن نے ناگ کے منہ کے قریب
منہ لے جا کر کہا:

"اس دروازے کے پیچھے وہ تہہ خانہ ہے جہاں ایم
ایکس میزائل لگے ہیں تم ان دونوں کو کسی طرح تھوڑی
دیر کے لیے بے ہوش کر دو۔"

سپریمن ناگ کی زبان نہیں سمجھ سکتا تھا مگر ناگ سپریمن
کی بلکہ دنیا کی ہر زبان سمجھ لیتا تھا۔ وہ غار کے اندھیرے میں
دیوار کے ساتھ ساتھ چھت کے قریب رینگتا ہوا پہرہ دیتے
سپاہیوں کے پاس آ گیا۔ سپاہی سٹول پر بیٹھ گئے تھے اور
مشین گنیں ان کے کندھوں سے لٹک رہی تھیں۔ ناگ رینگتا
ہوا اس جگہ آ گیا جہاں سپاہیوں کی گردنیں اسے مدھم روشنی میں
صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ اس نے ہلکی سی چھلانگ لگائی
اور ایک سپاہی کی گردن سے چمٹ گیا اور فوراً ہی اسے ڈس
دیا۔ ناگ کے زہر نے فوراً اثر کیا اور سپاہی سٹول پر بیٹھے بیٹھے
ایک طرف کو جھکا اور پھر فرش پر گر پڑا۔ دوسرا سپاہی پریشان
ہو کر اٹھا اور بے ہوش سپاہی پر جھک کر اس کا چہرہ اوپر اٹھایا:

"جونی! کیا بات ہے؟ تم ہوش میں ہو؟"

اتنی دیر میں ناگ دوسرے سپاہی کی گردن سے لپٹ گیا۔ اس

نے زور سے گردن پر ہاتھ مارا۔ ناگ نے اس کے ہاتھ پر ڈس
دیا۔ دوسرا سپاہی جلدی سے اٹھا اور جیب سے سیٹی نکال کر
بجانے لگا کہ گارڈ روم کو خبردار کر دے۔ مگر ناگ کے زہر نے
اسے اتنی مہلت نہ دی اور وہ بھی اپنے ساتھی کے اوپر گر کر
بے ہوش ہو گیا۔ جب سپریمن نے دونوں کو بے ہوش پڑے
دیکھ لیا تو وہ اندھیرے میں سے نکل کر لوہے کے دروازے کے
پاس آ گیا۔ اس نے ناگ کو سٹول پر کنڈلی مارے بیٹھا دیکھ
تو کہا:

"نہیں سانپ ہی کی شکل میں میرے ساتھ اندر جانا ہو گا
کیوں کہ تمہاری اندر بھی ضرورت پڑ سکتی ہے۔"

لوہے کے دروازے کو کمپیوٹر کے تالے سے بند کیا گیا تھا۔ مگر
سپریمن کے لیے کوئی بات ناممکن نہیں تھی۔ اس نے دروازے
کے سوراخ میں انگلی ڈال کر اسے ہلکا سا جھٹکا دیا۔ دروازہ
اپنے آپ کھل گیا۔ سپریمن اور ناگ اندر داخل ہو گئے۔ یہ
ایک گول کمرہ تھا۔ جس کے درمیان میں تھوڑے تھوڑے فاصلے
پر دس بڑے بڑے بارہ بارہ منزلہ ایم ایکس خطرناک میزائل
لگے تھے جن کے اوپر کے سروں پر ایٹم بم فٹ کیے ہوئے
تھے۔ سپریمن نے ناگ سے کہا:

"ہمارے پاس وقت بہت کم ہے اور یہاں کوئی پہریدار

بھی دکھائی نہیں دیتا اس لیے ہمیں جتنی جلدی ہو سکے
ایم ایکس ایٹی میزائلوں کے نیچے لگے ہوئے بم تلاش
کر کے انہیں ضائع کر دینا ہو گا۔"

ناگ اور سپر مین، دونوں نے مل کر خفیہ بموں کی تلاش
شروع کر دی۔ ناگ کو یہ سہولت تھی کہ چونکہ وہ سانپ کی
شکل میں تھا۔ اس لیے میزائلوں کے نیچے اندر تک جا کر
چھان بین کر سکتا تھا۔ وقت گزرتا چلا جا رہا تھا۔ انہیں معلوم
تھا کہ آدھ گھنٹے بعد ڈیوٹی پر دوسرے سپاہی آ جائیں گے اور
سارا بھید کھل جائے گا۔ پندرہ منٹ کی سخت کوشش کے بعد
انہوں نے سات میزائلوں کے نیچے لگے ہوئے بم تلاش
کر کے انہیں ضائع کر دیا۔ باقی تین میزائل رہ گئے تھے۔
انہوں نے ان کی بھی چھان بین شروع کر دی۔ کافی تلاش کے
بعد دو میزائلوں کے بم بھی ضائع کر دیئے گئے۔ ایک بم باقی
رہ گیا تھا۔

اتنے میں باہر کچھ گڑبڑ ہوئی۔ آدمیوں کے تیز تیز باتیں
کرنے اور چلنے کی آوازیں آئیں۔ اس وقت ناگ دسویں میزائل
کا بم بھی ڈھونڈ کر سپر مین کو دکھا چکا تھا اور سپر مین بم
کے خفیہ پن باہر نکال رہا تھا۔ اچانک لوہے کا دروازہ زور
سے کھل گیا اور چھ امریکی فوجی مشین گنیں تانے دھڑ دھڑاتے

ہوئے اندر آ گئے۔ سپر مین نے ان کی کوئی پروا نہ کی اور بم
کا خفیہ پن باہر نکال کر بم کو ناکارہ کر دیا۔ اس نے امریکہ کو،
بلکہ ساری دنیا کو ایک بہت بڑی تباہی سے بچا لیا تھا۔
ایک فوجی نے اسے ہینڈز اپ کر لیا اور ساتھ ہی گولی چلا
دی۔ مشین گن کی چھ گولیاں سپر مین کو اور سات گولیاں دسویں
میزائل کو لگیں۔

ناکارہ بم کا بارود ابھی تک میزائل کے نیچے اسی طرح پڑا
تھا۔ سپر مین نے چلا کر کہا:

"شوٹنگ بند کر دو۔ میزائل کو خطرہ ہے۔"

مگر سپاہی احمق تھے۔ انہوں نے کچھ سوچے سمجھے بغیر ایک
بار پھر سپر مین کو گولیوں کی باڑ مار دی۔ اس دفعہ کچھ گولیاں
سپر مین کے جسم سے ٹکرا کر بم کے بارود کو جا لگیں۔ ایک
زور دار دھماکہ ہوا اور دسویں میزائل کے ایندھن کو آگ
لگ گئی۔ بے پناہ شور کے ساتھ میزائل کے نیچے سے شعلے
نکلنے لگے اور میزائل آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگا۔ اب
فوجیوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ انہوں نے سپر مین کو
وہیں آگ کے شعلوں کے پاس چھوڑا اور خود کنٹرول ٹاور
کی طرف بھاگے کہ میزائل کو روکنے کا کوئی بندوبست کریں۔
مگر میزائل اوپر اٹھ رہا تھا اور چھت میں اپنے آپ ایک

راستہ بن گیا تھا تاکہ میزائل باہر نکل کر دشمن ملک پر گر کر اس کے کسی شہر کو تباہ کرنے کے لیے روانہ ہو جائے۔

ناگ فوراً انسانی شکل میں آگیا۔ اس نے سپرمین سے کہا:

"اس میزائل کو روکو۔ نہیں تو سارے کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا اور دشمن ملک کے میزائل امریکہ کے شہروں اور یورپ کے شہروں میں بھی تباہی پھیلا دیں گے۔"

اس وقت دسواں میزائل سوراخ سے باہر نکل چکا تھا۔ سپرمین نے کہا:

"میرے ساتھ آؤ۔ میں اسے روکنے کی کوشش کرتا ہوں"

سپرمین اڑ کر سوراخ میں سے باہر نکل آیا۔ ناگ بھی پرندہ بن کر اس کے ساتھ ہی باہر نکل آیا۔ انہوں نے دیکھا کہ ایٹمی میزائل بڑی تیز رفتاری سے اڑتا ہوا آسمان کی بلندیوں میں ایک خاص سمت کو چلا جا رہا تھا۔ اس کی دم میں سے شعلے اور دھواں نکل رہا تھا۔ میزائلوں کے اڈے میں سے چار فوجی ہیلی کاپٹر اوپر اٹھ رہے تھے۔ سپرمین بھی میزائل کے پیچھے پیچھے اڑتا چلا جا رہا تھا۔ رات کا اندھیرا اب دن کی روشنی میں بدلنے لگا تھا۔

ایم ایکس ایٹمی میزائل واشنگٹن کے علاقے سے بہت دور نکل چکا تھا۔ آسمان پر چھ جیٹ لڑاکا طیاروں کی دو ٹولیاں نمودار ہوئیں اور میزائل کے قریب سے زنّاٹے کے ساتھ گذر گئیں۔ سپرمین میزائل کے اوپر ہو کر اڑ رہا تھا ناگ بھی پرندے کی شکل میں اس کے ساتھ ساتھ اڑا چلا جا رہا تھا۔ پھر ناگ سپرمین کے کندھے پر آکر بیٹھ گیا۔

ناگ نے انسانی آواز میں کہا:

"تم اسے کب روکو گے؟ یہ تھوڑی دیر میں بحرالکاہل کے اوپر سے گذر رہا ہو گا اور پھر دشمن کا ملک وہاں سے زیادہ دور نہیں رہ جائے گا۔"

سپرمین بولا:

"یہ بڑا جدید ترین میزائل ہے۔ اسے راستے میں بھی کسی دوسرے میزائل سے تباہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسے کمپیوٹر کے ذریعے اس راستے پر ڈال دیا گیا ہے۔ میں نے اگر اپنی طاقت کے بل پر اس کا رخ دوسری طرف بدل بھی دیا تو یہ پھر اسی رُخ پر واپس آجائے گا۔"

ناگ نے کہا:

"تو کیا تم چاہتے ہو کہ دنیا میں تباہی پھیل جائے؟"

سپرمین بولا:

"میں اسے سمندر میں گرانے کی کوشش کروں گا۔"

کچھ دیر بعد ایم ایکس میزائل بحرالکاہل کے اوپر سے گزر رہا تھا۔ نیچے سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ فوج کے جیٹ طیارے میزائل کو راکٹ سے بھی تباہ نہیں کرنا چاہتے تھے کیوں کہ اس صورت میں اس کے آگے لگا ہوا ایٹم بم پھٹ جاتا اور ارد گرد کے علاقوں میں تباہی پھیل جاتی۔ سپرمین میزائل کے اوپر بیٹھ گیا۔ وہ کھسکتا ہوا میزائل کی نوک کی طرف بڑھنے لگا وہ میزائل کی نوک پر لگے ہوئے ایٹم بم کو نکال کر نیچے گرا دینا چاہتا تھا تاکہ ایٹم بم کی تباہی کا خطرہ جاتا رہے۔ کیوں کہ ایٹم بم کو ایک خاص وقت کے بعد اپنے آپ پھٹ جانا تھا۔ جیٹ طیاروں کے امریکی ہوا باز سپرمین کو حیرت سے تک رہے تھے۔ سارے امریکہ میں شور مچ گیا تھا اور سپرمین اور میزائل کو امریکہ بھر میں سیٹلائٹ کے ذریعے ٹیلی ویژن پر دکھایا جا رہا تھا۔ صدر اپنی تعطیل منسوخ کر کے واشنگٹن آ گیا تھا۔ تینوں فوجوں کے چیف اس کے گرد جمع تھے۔ انہیں ایک ہی امید تھی کہ سپرمین بم کو میزائل کی نوک سے نکالنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

یہ ایم ایکس میزائل اتنا جدید اور زبردست تھا کہ اس کی خبر دشمن کے ملک کو صرف اس وقت ہو سکتی تھی جب

وہ ان کے کسی شہر کے اوپر پہنچ جاتا۔ ورنہ دشمن ایک ایسا راکٹ چھوڑ سکتا تھا جو ایٹمی میزائل کو امریکہ کے اوپر ہی تباہ کر ڈالتا۔ اس طرح بھی بڑی تباہی کا خطرہ تھا۔ سپرمین اب میزائل کی نوک پر پہنچ گیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ نوک کے آگے بڑے تربوز کے سائز کا تکونا ایٹم بم لگا ہوا ہے۔ سپرمین اچک کر ایٹم بم کے اوپر آ کر بیٹھ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ یہ ایٹم بم صرف اسی وقت پھٹے گا جب اندر سے اس کی سوئی ایک نشان پر پہنچ جائے گی یا پھر اس پر کسی راکٹ کی زبردست ضرب لگے گی۔ سپرمین ایٹم بم سے لپٹ گیا۔ نیچے سمندر کی لہریں شور مچا رہی تھیں۔ ناگ اس کے ساتھ ساتھ اڑتا چلا جا رہا تھا۔ سپرمین نے ایٹم بم کے گرد بانہیں ڈال کر اسے ایک زور دار جھٹکا دیا۔ سپرمین کی طاقت کوئی معمولی طاقت نہیں تھی۔ اس کے جھٹکے میں بڑی شدت تھی۔ دوسری بار جھٹکا دینے سے ایٹم بم نوک سے الگ ہو گیا اور سپرمین کے ساتھ نیچے گرنے لگا۔ سپرمین نے اسے ہاتھ سے اوپر اٹھایا اور فضا میں پیچھے کو اڑنے لگا۔ فوجی طیاروں میں بیٹھے ہوا بازوں نے خوشی سے نعرہ لگایا۔ ٹیلی ویژن دیکھنے والے لاکھوں امریکیوں نے بھی سکھ کا سانس لیا۔

سپرمین ایٹم بم کو لے کر سمندر کی طرف نیچے اترنے لگا۔

ناگ اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ خالی میزائل اسی طرح اڑا چلا
جا رہا تھا۔ جیٹ طیاروں میں سے ایک ساتھ چھ راکٹ
نکلے اور خالی میزائل سے جا ٹکرائے۔ ان کے ٹکراتے ہی
میزائل ٹکڑے ٹکڑے ہو کر سمندر میں گر پڑا۔ آدھا خطرہ ٹل
گیا تھا۔ ایٹم بم کے چلنے کا خطرہ ابھی باقی تھا۔ مگر سپرمین
نے ایٹم بم کو پوری طرح سے اپنی مضبوط گرفت میں لے
رکھا تھا۔ سمندر کی سطح پر لہریں اوپر کو اٹھ رہی تھیں۔ سپرمین ہٹے
ہوں سے آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگا اور پھر اس نے سمندر
میں چھلانگ لگا دی۔ وہ ایٹم بم کو لے کر سمندر کے نیچے
آ گیا۔ سمندر میں وہ جس جگہ اترا وہاں بڑی بڑی خون خوار
شارک مچھلیاں رہتی تھیں جو انسان کو ثابت نگل جاتی تھیں۔
ایک شارک مچھلی نے سپرمین کو دیکھا تو تیزی سے دم گھما
کر اس کی طرف حملہ کرنے کے لیے بڑھی۔ سپرمین نے اسے
دیکھ لیا تھا۔ شارک اپنا بھیانک منہ کھولے اس کے قریب
آئی کہ اسے نگل لے۔ سپرمین نے ایک ہاتھ شارک کے
سر پر اتنی زور سے مارا کہ شارک مچھلی کا آدھا سر کٹ کر
پانی میں گر پڑا اور وہ وہیں ٹھنڈی ہو گئی۔ سپرمین نے
سمندر میں ایک غار دیکھا جس کے اندر سے تین بڑے بڑے
کچھوے باہر نکل رہے تھے۔

وہ ایٹم بم لے کر غار کے اندر چلا گیا۔ یہاں اس نے
ایٹم بم کا سیفٹی پن نکال کر اسے ایک گڑھے میں دفن کر کے
اوپر ایک بھاری پتھر رکھ دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر
وہ غار سے باہر نکلا اور سمندر کی سطح کی طرف اوپر کو اٹھنے
لگا۔ ناگ ابھی تک سمندر کے اوپر چکر لگا رہا تھا۔ امریکی
ائر فورس کے جیٹ طیارے جا چکے تھے۔ اور اب ان کی جگہ
ائر فورس کے دو ہیلی کاپٹر اوپر چکر لگا رہے تھے۔ ناگ نے دیکھا
کہ سپرمین سمندر میں سے باہر نکلا اور تیر کی طرح اوپر بادلوں
میں آ گیا۔ ہیلی کاپٹر کے پائلٹ اور فوجی افسر آنکھیں کھولے سپرمین
کو بادلوں میں گم ہوتا دیکھتے رہے۔

ناگ سپرمین کے ساتھ ساتھ تھا۔ دن کی روشنی چاروں
طرف پھیلی ہوئی تھی۔ ناگ کو سپرمین نے بتایا کہ بم ضائع
کر دیا گیا ہے۔ اور خطرہ ٹل گیا ہے۔

"سمندر کا پانی بم کے خول کو ناکارہ کر دے گا۔"

سپرمین نے اڑتے ہی اڑتے ناگ سے پوچھا کہ اب
اس کا کیا پروگرام ہے؟

ناگ نے اسے بتایا کہ آج آدھی رات کو واشنگٹن کے
قریب خلیج چیسپی سے کچھ میل دور سمندر میں روس کی ایک
خفیہ جنگی آبدوز کشتی ابھرے گی۔ وہ روسی سفیر کو لینے آئے

گی۔ سپرمین نے پوچھا:

"مگر روسی سفیر تو تم بنے ہوئے تھے۔"

ناگ نے کہا:

"میں نقلی تھا۔ اصلی سفیر اور اس کی بیوی بچے سفارت خانے میں ہی ہیں۔ اصلی سفیر کو ہوش آچکا ہو گا اور جب روس کی خفیہ پولیس کو پتہ چلے گا کہ ایم ایکس میزائلوں کے بم نہیں پھٹے اور میزائلوں کی فائل نقلی اور جعلی تھی تو وہ روسی سفیر اور اس کی بیوی بچوں کو روس لے جا کر ہلاک کر دیں گے۔"

"پھر تم کیا چاہتے ہو؟" سپرمین نے پوچھا۔

ناگ کہنے لگا:

"روسی سفیر اور اس کی بیوی اور بچے بے گناہ ہیں میں ان کی زندگی بچانا چاہتا ہوں۔"

سپرمین نے کہا:

"پھر ایسا کرو کہ تم رات بارہ بجے سے پہلے واشنگٹن کی خلیج چیپی کے کنارے پہنچ جاؤ۔ وہاں ماؤنٹ ورنن نام کا ایک ریستوران ہے۔ تم وہاں میرا انتظار کرنا۔ میں ٹھیک بارہ بجے وہاں

پہنچ جاؤں گا۔"

سارا معاملہ طے کرنے کے بعد سپرمین جنوب کی طرف مڑ گیا اور ناگ اُڑتا ہوا واشنگٹن کی جانب چل پڑا۔

○

سفید اژدہا

رات کے بارہ بجے تھے۔

ماؤنٹ ورنن ریستوران میں اکا دکا لوگ بیٹھے کافی اور کوکاکولا وغیرہ پی رہے تھے۔ خلیج کے سیاہ پانیوں میں ہوٹل کی روشنیوں کا عکس پڑ رہا تھا۔ ناگ انسانی شکل میں لمبا اوورکوٹ اور ہیٹ پہنے ایک میز کے پاس کرسی پر بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بار بار گھڑی کی طرف جاتی تھیں۔ وہ سپر مین کا انتظار کر رہا تھا۔ رات کے ٹھیک بارہ بج چکے تھے مگر سپر مین کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ناگ اُٹھ کر ریستوراں سے باہر آ گیا اور لابی میں ٹہلنے لگا۔ خفیہ روسی آبدوز کو وہاں سے دس میل دور سمندر میں آدھ گھنٹے بعد ابھرنا تھا۔ روس کے خفیہ محکمے کے۔جی۔بی کو پتہ چل گیا تھا کہ ان کی سکیم فیل ہو چکی ہے اور روسی سفیر ایم ایکس میزائلوں کی فائل حاصل کرنے اور ایم ایکس میزائلوں کو ٹائم بم سے تباہ کرنے میں ناکام رہا ہے۔ روسی جاسوس کراسکی

بھی عتاب نازل ہو گیا تھا اور اسے واشنگٹن میں ہی روس کی خفیہ پولیس نے گرفتار کر لیا تھا۔ روسی سفیر اور اس کی بیوی اور دونوں بچوں کو حراست میں لے کر ایک ہیلی کاپٹر میں سوار کروا دیا گیا تھا اور ہیلی کاپٹر رات کے اندھیرے اور خاموشی میں سمندر میں اس مقام کی طرف روانہ ہو گیا تھا جہاں آدھی رات کو خفیہ روسی آبدوز ابھرنے والی تھی۔

یہاں آنے سے پہلے ناگ روسی سفارت خانے کا چکر لگا آیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ روسی سفیر اور اس کے بچوں کو گرفتار ہونے سے پہلے وہیں اپنی حفاظت میں لے کر کسی محفوظ مقام پر پہنچا دے۔ لیکن افسوس کہ ناگ کے پہنچنے سے پہلے ہی روس کے خفیہ جاسوس سفارت خانے کے عملے کی مدد سے وہاں جا کر روسی سفیر اور اس کے بیوی بچوں کو گرفتار کر کے ہیلی کاپٹر میں بٹھا کر لے جا چکے تھے۔

ناگ نے وقت دیکھا۔ رات کے بارہ بج کر دس منٹ ہو گئے تھے۔ سپر مین ابھی تک نہیں آیا تھا۔ معاملہ بڑا نازک ہو رہا تھا۔ ناگ اگر سپر مین کا انتظار کرتا ہے تو اُدھر روس کی خفیہ آبدوز روسی سفیر اور اس کے بیوی بچوں کو لے کر روس کی طرف روانہ ہو جاتی ہے جہاں پہنچ کر روسی سفیر اور اس کے خاندان کو گولی مار کر ہلاک کر دیا جانا تھا۔ ناگ نے

آخری بار تاروں بھرے آسمان کی طرف دیکھا۔ سپریٹن کہیں
دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ناگ ریستوران کے پچھواڑے آگیا۔
یہاں سناٹا چھایا تھا۔ کوئی انسان آس پاس نظر نہیں آ رہا تھا۔
ناگ نے سانس کھینچ کر باز کی شکل اختیار کی اور سمندر کے
اوپر اُڑنے لگا۔

یہاں سے بارہ میل دور سیاہ سمندر میں ایک مقام تھا
جہاں سے خفیہ روسی آبدوز ابھرنے والی تھی۔ ناگ نے
سوچا کہ کیوں نہ راستے میں ہی اس ہیلی کاپٹر کو اغوا کر لیا
جائے جس میں روسی سفیر اور اس کا خاندان گرفتار کر کے
لایا جا رہا ہے۔ مگر اس میں ایک خطرہ تھا۔ ہوا باز اپنی جان
پر کھیل کر ہیلی کاپٹر کو سمندر میں گرا کر سب کو تباہ کر سکتا
تھا۔ اس سے پہلے روسی خفیہ پولیس کے لوگ ایسا کرتے
رہے تھے۔ ناگ نے اب یہ پروگرام بنایا کہ جب روسی سفیر
کو آبدوز میں سوار کرا دیا جائے تو پھر خفیہ آبدوز کو اغوا کر کے
اس پر قبضہ کر لیا جائے اور اسے مجبور کیا جائے کہ وہ امریکی
ساحل کی طرف چلے۔ اس کے ساتھ ہی امریکی بحریہ کو وائرلیس
پر اطلاع دے دی جائے۔ ناگ اب بھی امریکی بحریہ کو اطلاع
دے سکتا تھا۔ مگر اس میں روسی سفیر اور اس کے بچوں کے
ہلاک ہونے کا ڈر تھا۔ جونہی روسی آبدوز کے کپتان کو پتہ چلتا کہ

امریکی بحریہ نے اسے دیکھ لیا ہے اور اس پر گولہ باری کرنے
والی ہے تو وہ ہیلی کاپٹر کے ہوا باز کو خبردار کر دیتا اور
ہیلی کاپٹر میں سوار روسی خفیہ محکمے کے جاسوس وہیں گولی مار
کر روسی سفیر اور اس کے بچوں کو قتل کر دیتے۔

پس ناگ کو یہی ترکیب پسند آئی کہ کسی طرح روسی آبدوز
کو اغوا کیا جائے۔ اڑتے اڑتے وہ سمندر میں اپنے اندازے
کے مطابق اس جگہ پر آگیا جہاں سے روسی خفیہ آبدوز نے ابھرنا
تھا۔ وہ سمندر کے اوپر ایک کافی بڑے گول دائرے کی شکل
میں چکر لگانے لگا۔ اسے اب بھی امید تھی کہ شاید سپریٹن ادھر
آ جائے۔ ابھی چند منٹ ہی گذرے ہوں گے کہ ناگ نے دیکھا
کہ سمندر میں ایک جگہ لہریں گول چکر میں گھومنے لگی ہیں۔ وہ
سمجھ گیا کہ خفیہ آبدوز سمندر کی سطح پر آ رہی ہے۔ سمندر کی لہریں
اب اوپر نیچے ہو رہی تھیں۔ چاروں طرف آدھی رات کا گہرا
سیاہ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ سمندر کی لہروں کے ہلکے ہلکے شور
کے سوا وہاں کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ سمندر میں جس
جگہ سے روسی آبدوز کو ابھرنا تھا وہاں لہریں ادھر اُدھر ہٹنے لگیں
اور سفید جھاگ نمودار ہوئی۔

ناگ نے اس جگہ پر اپنی آنکھیں جما دیں۔ اندھیرے میں
آبدوز کے برج کا کنارہ سمندر سے باہر نکلا اور پھر ایک بہت

بڑی سیاہ رنگ کی روسی آبدوز کا برج اور ڈیک سمندر کی سطح
پر نمودار ہو گئے۔ ناگ نے خاموشی سے پروں کو سمیٹ کر
نیچے غوطہ لگایا اور آبدوز کے ڈیک یعنی عرشے پر ایک طرف
بیٹھ گیا۔ اندھیرے میں وہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اور اگر اسے
کوئی دیکھ بھی لیتا تو یہی سمجھتا کہ پرندہ اڑتے اڑتے وہاں
آ کر بیٹھ گیا ہے۔

آبدوز کے اندر سے عرشے کے گول سوراخ کا ڈھکنا
اٹھا کر دو روسی نمودار ہوئے اور برج کے جنگلے پر آ کر دوربین
لگا کر آسمان پر ہیلی کاپٹر کو تلاش کرنے لگے۔ ان کی وردیاں
سیاہ رنگ کی تھیں۔ اور سروں پر بھی کالی ٹوپیاں تھیں۔ ناگ
کو بھی ہیلی کاپٹر کا انتظار تھا جس میں روسی سفیر اور اس کی
بیوی بچے گرفتار ہو کر موت کے منہ میں جانے کے لیے
آ رہے تھے۔

ناگ عرشے پر سے آہستہ سے اڑ کر اس جنگلے کے قریب
نیچے ہو کر بیٹھ گیا جس پر دونوں روسی فوجی کھڑے دوربین
سے آسمان کو تک رہے تھے۔ ناگ ان کی باتیں سننا چاہتا تھا۔
ان میں سے ایک آبدوز کا کپتان تھا۔ کیونکہ دوسرے فوجی
نے اسے کپتان کہہ کر بلایا اور کہا:

"سر! اب تک انہیں آ جانا چاہیے تھا۔ ہمارا یہاں امریکہ

کے سمندر میں امریکی دارالحکومت کے ساحل پر زیادہ
دیر رکنا ٹھیک نہیں۔"

کپتان نے دوربین کو آنکھوں سے ہٹا کر ادھر ادھر دیکھا
اور کہا:

"میں جانتا ہوں کہ ہمارا یہاں رہنا ٹھیک نہیں اور ہم
پر حملہ ہو سکتا ہے مگر مجھے حکم ملا ہے کہ روسی سفیر اور
اس کی فیملی کو گرفتار کر کے لاؤں۔"

اتنے میں دور سے ہیلی کاپٹر کی ہلکی ہلکی گونج سنائی دی۔ دونوں
روسی فوجی چونکے۔ انہوں نے دوربینیں آنکھوں سے لگائیں اور
آسمان میں ہیلی کاپٹر کو تلاش کرنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک
چھوٹا ہیلی کاپٹر آسمان میں نمودار ہوا اور بڑی تیزی سے ایک چکر
لگا کر آبدوز کے عرشے پر آ کر رک گیا۔ دروازہ کھلا اور اس
میں سے روسی سفیر، اس کی بیوی اور دونوں بچے باہر نکلے۔
ان سب کے ہاتھ پیٹھ کے پیچھے بندھے ہوئے تھے اور زرد
چہروں پر موت کا خوف چھایا ہوا تھا۔ صاف لگ رہا تھا کہ
انہیں اپنی موت سامنے دکھائی دے رہی ہے۔ آبدوز کے جنگلے
میں جو دو روسی فوجی کھڑے تھے وہ جلدی سے آگے بڑھے۔

ناگ کے لیے یہی موقع غنیمت تھا۔ اسی لمحے ناگ نے
آبدوز کے اندر جانے کا فیصلہ کیا اور پرندے سے ایک چھوٹے

سانپ کی شکل بدلی اور عرشے پر رینگتا ہوا کھلے ڈھکنے والے سوراخ میں سے گذر کر چکر دار چھوٹی سیڑھی پر سے ہو کر آبدوز کے اندر چلا گیا۔ وہ جلدی سے دیوار پر ہو گیا اور رینگتے ہوئے اس طرف نکل گیا جدھر چھت کے ساتھ بڑے بڑے پائپ بندھے ہوئے تھے۔ وہ ایک بڑے پائپ کے پیچھے چھپ کر گردن اٹھا کر تکنے لگا۔

روسی سفیر اپنے بچوں کے ساتھ سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا۔ اس کے آگے پیچھے روسی فوجی تھے۔ انہوں نے پستول تان رکھے تھے۔ وہ روسی سفیر اور اس کے خاندان کو لے کر آبدوز کی پچھلی جانب چلے گئے۔ جہاں آرام کرنے کے کیبن بنے ہوئے تھے۔ ان کے آبدوز میں آتے ہی کپتان نے چلا کر آبدوز کو سمندر میں لے جانے کا حکم دیا۔

غوں غوں غوں کی آوازوں کا شور بلند ہوا اور آبدوز نے سمندر کے نیچے جانا شروع کر دیا۔ سمندر کے نیچے ایک خاص گہرائی تک پہنچنے کے بعد آبدوز اپنی منزل یعنی روس کی طرف روانہ ہو گئی۔

ناگ چھوٹے سانپ کی شکل میں پائپ کے پیچھے بیٹھا دیر تک سوچتا رہا کہ اسے آبدوز کو اغوا کرنے کے لیے کون سے طریقے پر عمل کرنا چاہیے۔ وہ ہر حالت میں روسی سفیر اور اس کے

بال بچوں کی جان بچانا چاہتا تھا۔ کیوں کہ روسی خفیہ محکمے کی جو سکیم فیل ہو گئی تھی اس میں اس سفیر اور اس کے بال بچوں کا کوئی قصور نہیں تھا۔ یہ ساری سکیم ناگ نے ناکام بنا ڈالی تھی چنانچہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ بے گناہ سفیر اور اس کے بال بچوں کو موت کے گھاٹ اترتے دیکھے۔

آبدوز سمندر کے نیچے ہی نیچے اپنا سفر طے کر رہی تھی۔ کپتان جا چکا تھا۔ صرف ایک فوجی وہاں کھڑا پہرہ دے رہا تھا۔ ناگ رینگتا ہوا اس طرف چلا جدھر کیبن بنے ہوئے تھے اور روسی سفیر کو لے جایا گیا تھا۔ آبدوز کافی بڑی تھی اور لمبائی کے رخ پر دور تک چلی گئی تھی۔ ناگ وہاں پہنچ گیا جہاں آمنے سامنے چار کیبن بنے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک کیبن میں روشنی ہو رہی تھی اور انسانوں کے باتیں کرنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ناگ دیوار پر سے اتر کر کیبن کے دروازے کے پاس آ گیا۔ یہاں بہت کم روشنی تھی اور کوئی پہرے دار نہیں تھا۔ ناگ کیبن کے دروازے کے نیچے سے ہو کر اندر چلا گیا۔ اور اندر جاتے ہی بڑی تیزی سے گھوم کر ایک کرسی کے نیچے جا کر چھپ گیا۔ مگر اس نے اپنی گردن باہر نکال رکھی تھی تاکہ یہ دیکھ سکے کہ بے گناہ روسی سفیر کے ساتھ کیا سلوک برتا جا رہا ہے۔

روسی سفیر اور اس کے بیوی بچوں کے ہاتھ کھول دیئے
گئے تھے۔ کپتان اور اس کا ساتھی پاس ہی کرسیوں پر بیٹھے
انہیں گھور رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں پستول تھے۔ سفیر
کی بیوی نے بچوں کو پلنگ پر سلا دیا تھا۔ اور خود اپنے خاوند
کے پاس پریشان چہرہ لیے بیٹھی تھی۔ سفیر کے ماتھے پر گھبراہٹ
کے مارے پسینہ آ رہا تھا۔ آبدوز کے کپتان نے پستول کی نالی
کا رخ سفیر اور اس کی بیوی کی طرف کرتے ہوئے کہا:

"تم یہاں سے فرار نہیں ہو سکتے۔ یہاں سے بھاگ
نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ پھر بھی اگر تم نے کیبن
سے نکل کر کسی قسم کی کوئی حرکت کرنے کی کوشش
کی تو سب سے پہلے تمہارے دونوں بچوں کو تمہاری
آنکھوں کے سامنے گولی مار دی جائے گی۔ اس کے
بعد تمہاری ایک آنکھ نکالی جائے گی اور اسی حالت
میں روس پہنچایا جائے گا۔"

سفیر نے ماتھے پر آیا ہوا پسینہ پونچھ کر آہستہ سے گھبرائی
ہوئی آواز میں کہا:

"مجھے اپنے بچوں کی زندگی اپنی زندگی سے زیادہ عزیز
ہے۔ میں فرار ہونے کی کوشش نہیں کروں گا۔"

کپتان مسکرایا:

"شاباش! آدمی تم عقل مند ہو۔ مگر تم نے غداری کی ہے
اور غداری کی سزا ہمارے ملک میں کیا ہوتی ہے اس
کو تم بڑی اچھی طرح سے جانتے ہو۔"

اتنا کہہ کر کپتان اور اس کا ساتھی کیبن کا دروازہ کھول کر
باہر نکل گئے۔ انہوں نے دروازے کو باہر سے تالا لگا دیا۔ روسی
سفیر کی بیوی نے اپنا سر تھام لیا اور سسکیاں بھر کر رونے لگی۔
سفیر نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا:

"صبر سے کام لو بیگم۔ رونے سے کچھ نہیں ہو گا۔
اب اذیت ناک موت سے ہمیں کوئی نہیں بچا سکتا۔"

سفیر کی بیوی نے سوتے ہوئے بچوں کی طرف دیکھ کر کہا:

"مگر ان کا کیا قصور ہے۔ یہ تو بے گناہ ہیں۔"

سفیر بولا:

"قصور میرا بھی کوئی نہیں۔ میں بھی بے گناہ ہوں۔
میں نے اپنے ملک کے خلاف کوئی سازش نہیں
کی۔ جو سکیم فیل ہوئی ہے اس میں میرا کوئی عمل
دخل نہیں تھا۔ میں تو سفارت خانے کے کمرے میں
بے ہوش پڑا تھا۔ مگر یہ لوگ مانتے ہی نہیں انہیں
کون سمجھائے۔"

پھر اس نے آہ بھری اور بیوی کے سر پر ہاتھ رکھ دیا:

"ہماری قسمت میں یہی لکھا تھا بیگم۔ اب ہمت اور حوصلے کے ساتھ جان دو۔"

اس کی بیوی سسکیاں بھرنے لگی۔ اپنے سوئے ہوئے بچوں کو دیکھ کر سفیر کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔

ناگ یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ سب کچھ سن رہا تھا۔ اس کا دل بھر آیا۔ مگر اس نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ وہ بے گناہ سفیر اور اس کے خاندان کو اس طرح مرنے نہیں دے گا۔ اور انہیں ان درندوں کے چنگل سے بچا لے گا۔ ناگ نے سوچا کر ان لوگوں پر اپنا آپ ظاہر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ اسے اصل کام کرنا چاہیے۔ یعنی خفیہ آبدوز کو اغوا کرنے کی سکیم پر غور کرنا بلکہ عمل کرنا چاہیے۔ یہ سوچ کر ناگ کرسی کے پیچھے سے نکل کر رینگتا ہوا کیبن سے باہر آ گیا۔ راہ داری میں زیادہ روشنی نہیں تھی۔ ہلکا ہلکا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ناگ دیوار کے ساتھ ساتھ رینگتا انجن روم کی طرف آ گیا۔ آبدوز کے ملاح اپنا اپنا کام کر رہے تھے کسی کی نظر ناگ پر نہ پڑی۔ یہاں جگہ جگہ کمپیوٹر لگے ہوئے تھے۔ ناگ واپس چل پڑا۔ وہ کپتان کے کیبن کے پاس آ کر رک گیا۔ سوچنے لگا اگر وہ کپتان کو بے ہوش کر کے خود اس کا روپ بدل لے تو خفیہ آبدوز کو اپنی مرضی کے

مطابق کسی جگہ کھڑا کر کے سفیر اور اس کی بیوی بچوں کی جان بچا سکتا ہے۔ یہ ترکیب اسے اچھی لگی۔

وہ دروازے کے نیچے سے کپتان کے کیبن میں داخل ہو گیا۔

کپتان میز پر کہنیاں ٹکائے ٹیبل لیمپ کی روشنی میں رجسٹر پر کچھ لکھ رہا تھا۔ وہ بالکل اکیلا تھا۔ ناگ رینگتا ہوا اس کی کرسی پر چڑھ گیا۔ کپتان بے خبر تھا۔ ناگ نے کپتان کی گردن پر چھلانگ لگا کر ڈس دیا۔ بے ہوش کرنے والے زہر نے ایک سیکنڈ میں کپتان کو بے ہوش کر دیا۔ ناگ جلدی سے انسانی شکل میں آ گیا۔ اس نے کپتان کی وردی اتار کر پہنی۔ اس کے بے ہوش جسم کو گھسیٹ کر الماری کے پیچھے چھپا کر اوپر کمبل ڈال دیئے۔ اور فرش پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے منتر پڑھنے شروع کر دیئے ابھی تک اس کی شکل کپتان کی شکل نہیں بنی تھی۔ وہ اپنی اصلی صورت میں تھا۔ ناگ کپتان کی شکل کو اپنی آنکھوں کے سامنے لا کر منتر پڑھ رہا تھا۔ پہلے کی طرح ایک سفید سانپ نمودار ہوا۔ اس کے منہ سے سفید دھواں نکلا جس نے ناگ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جب دھواں ہٹ گیا تو ناگ ہو بہو آبدوز کے کپتان کی شکل اختیار کر چکا تھا اور

سفید مقدس سانپ غائب تھا۔

ناگ نے آئینے میں اپنی شکل دیکھی۔ اس کی شکل آبدوز کے کپتان کی شکل میں تبدیل ہو چکی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ آبدوز کے سارے کل پرزوں سے بھی واقف ہو گیا ہے اور اسے سارے ملاحوں کے نام معلوم ہو گئے ہیں۔ خفیہ آبدوز سمندر کے اندر بڑی تیزی سے سفر کر رہی تھی۔

ناگ نے اسی وقت فون پر انجن روم سے کہا کہ آبدوز کا رخ واپس امریکہ کی طرف موڑ دیا جائے کیوں کہ ایک ضروری فائل وہاں رہ گئی ہے۔ اس کا نائب کپتان اور چیف انجنیئر بھاگ کر اس کے کیبن میں آگئے اور پوچھنے لگے کہ یہ خطرناک فیصلہ اس نے کس لیے کیا ہے اور وہ کون سی ایسی فائل ہے جس کے لیے وہ آبدوز کو دوبارا خطرے میں ڈال رہا ہے۔

ناگ نے کہا:

"مجھے ابھی ابھی ماسکو سے اطلاع ملی ہے کہ فائل نمبر زیرو فور سفارت خانے کے تہہ خانے میں رکھی ہے اسے ہر حالت میں اپنے ساتھ لاؤ۔"

چیف انجنیئر کہنے لگا:

"مگر سر! آپ نے شاید ریڈیو پر وائس آف امریکہ کی

وہ خبر نہیں سنی۔"

"کون سی خبر؟" ناگ نے پوچھا

نائب کپتان بولا:

"سر! امریکہ کو ہماری آبدوز کا پتہ چل گیا ہے اور امریکی محکمہ دفاع نے ساحل کے ساتھ ساتھ بارودی سرنگوں کا گھنا جال بچھا دیا ہے اور امریکہ کی ایٹمی آبدوزیں اور راڈار ہماری تلاش میں گھوم رہی ہیں۔ اب اگر ہم واپس گئے تو پکڑے جائیں گے۔"

چیف انجنیئر نے کہا:

"بہت ممکن ہے کہ امریکی آبدوزیں اور جنگی جہاز تارپیڈو مار کر ہماری آبدوز کو غرق کر دیں۔ یہ ہماری زبردست تباہی ہو گی۔"

ناگ سوچ میں پڑ گیا۔ چیف انجنیئر اور نائب کپتان ٹھیک کہہ رہے تھے۔ انہیں جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں تھی کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ سفیر کی جان بچاتے بچاتے اسے موت کے منہ میں لے جائے۔ اس نے سر اٹھا کر کہا:

"تو پھر آبدوز کو سمندر میں کسی جزیرے کے کنارے کھڑی کر دو۔"

نائب کپتان اور چیف انجنیئر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے

کہ کپتان کس قسم کے آرڈر دے رہا ہے۔

ناگ نے پوچھا:

"تم کیا سوچ رہے ہو؟ میرے سوال کا جواب دو۔"

نائب کپتان نے کہا:

"سر! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جس راستے پر ہم جا رہے ہیں وہاں سات سو میل تک کوئی جزیرہ نہیں ہے۔"

ناگ غصے میں بولا:

"مگر میں آبدوز کو کسی قریبی جزیرے پر روکنا چاہتا ہوں مجھے ماسکو سے حکم ملا ہے کہ فائل ساتھ لاؤ۔ میں جزیرے پر ٹھہر کر خود فائل لینے واپس جاؤں گا۔"

چیف انجینئر نے پوچھا:

"مگر آپ کس پر سوار ہو کر جائیں گے؟"

ناگ سٹ پٹا گیا۔ گرج کر بولا:

"بکواس بند کرو اور فوراً کسی قریبی جزیرے پر آبدوز کو کھڑی کرنے کا بندوبست کرو۔"

چیف انجینئر نے سر جھکا کر کہا:

"آئی آئی سر! لیکن نقشے کے حساب سے قریبی جزیرہ یہاں سے دو سو میل جنوب مشرق میں ہے اور وہاں

ہم کل پہنچیں گے۔"

ناگ نے چیخ کر کہا:

"ٹھیک ہے۔ میں آنے والے کل کا انتظار کروں گا۔"

دوسرے روز خفیہ آبدوز بحرالکاہل کے پانیوں میں ایک گمنام چھوٹے سے جزیرے کے قریب آ کر سمندر سے باہر نکلی اور کھڑی ہو گئی۔ ناگ نے اتر کر جزیرے کا جائزہ لیا۔ یہ ایک بے آباد جزیرہ تھا جس میں سوائے پتھروں اور چٹانوں کے اور کچھ نہیں تھا۔ ناگ نے سوچا کہ سفیر کو یہاں اتارنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ جزیرہ آباد ہوگا۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہاں ہوائی اڈہ بھی ہو اور وہ سفیر کو بچا کر لے جائے۔ اب جو اس نے جزیرے کو بے آباد پایا تو حکم دیا کہ آبدوز آگے روانہ ہو جائے۔

آبدوز ایک بار پھر روس کی طرف روانہ ہو گئی۔

ناگ اس کا یہ راستہ بدلنا چاہتا تھا۔ اس کے پاس خفیہ فائل کا بہانہ پہلے سے موجود ہی تھا۔ اصل میں وہ براہِ راست بغیر کسی وجہ کے روس کے راستے کو بدلنے کا حکم دے کر دوسرے افسروں کو یہ موقع نہیں دینا چاہتا تھا کہ وہ آبدوز پر قبضہ کر کے اسے پکڑ لیں۔ اس میں سفیر اور اس کے بچوں کے ہلاک ہو جانے کا خطرہ تھا۔ وہ بڑی سوچ بوجھ سے کام لے رہا تھا۔

اس نے برج روم میں جا کر نقشہ دیکھا۔ جزائر بھاماز وہاں سے
جنوب مشرق کی جانب دو سو میل کے فاصلے پر تھے۔ یہ بڑا سنہری
موقع تھا۔ وہ آبدوز کو ان جزیروں میں سے کسی ایک جزیرے پر
رکوا کر سفیر اور اس کے خاندان کو وہاں اتار سکتا تھا۔

ناگ نے آبدوز کو جزائر بھاماز کی طرف لے جانے کا حکم
دیا۔ چیف انجینئر اور نائب کپتان بڑے تلملائے مگر ناگ کپتان
کی شکل و صورت میں تھا۔ اس لیے وہ انکار نہیں کر سکتے تھے۔
نائب کپتان نے اتنا ضرور کہا کہ یہ جزیرے بھی امریکہ کے زیر اثر
ہیں اور ان کی آبدوز کو حراست میں لیا جا سکتا ہے۔ مگر ناگ نے
اس پر کوئی دھیان نہ دیا۔ آبدوز کا رُخ جزائر بھاماز کی طرف
موڑ دیا گیا۔

اب ایسا ہوا کہ جس کیبن میں اصلی کپتان کو ناگ نے
بے ہوش کر کے الماری کے پیچھے چھپا رکھا تھا ادھر فرش
صاف کرنے والے پاؤڈر کے ڈبے بھی رکھے ہوئے تھے۔ صفائی
کرنے والا ملاح کیبن کی طرف چلا۔ دروازہ کھول کر وہ اندر
داخل ہوا اور بتی روشن کر کے پاؤڈر کے ڈبے اٹھا کر ٹرالی
میں رکھنے لگا۔ اچانک اس کی نگاہ الماری کے پاس فرش پر
پڑی۔ وہاں آبدوز کے کپتان کی وردی کا ایک سنہری بٹن پڑا
تھا جو ناگ نے جب کپتان کی وردی بدلی تھی تو ٹوٹ کر

گر پڑا تھا۔ ملاح بٹن اٹھانے کے لیے جھکا تو اسے کسی انسان
کا ہاتھ نظر آیا جو الماری کے نیچے ایک طرف تھوڑا سا باہر
نکلا ہوا تھا۔ ملاح نے جھک کر دیکھا تو وہاں فرش پر
آبدوز کا کپتان صرف بنیان اور انڈر ویئر میں بے ہوش
پڑا تھا۔

وہ گھبرا کر باہر کو بھاگا کہ دوسروں کو خبر کرے کہ کپتان
بے ہوش پڑا ہے۔ وہ نائب کپتان کے کیبن میں آ گیا۔ نائب
کپتان کرسی پر بیٹھا میز پر جھکا اپنے کام میں مگن تھا۔ ملاح
نے جب اسے بتایا کہ کپتان ساتھ والے کیبن میں بے ہوش
پڑا ہے تو نائب کپتان جلدی سے اٹھا اور ملاح کے ساتھ
دوسرے کیبن میں آ گیا۔ وہاں اُس نے سچ مچ کپتان کو وردی کے
بغیر بے ہوش پڑا دیکھا تو چکرا گیا کہ ابھی ابھی تو وہ آبدوز کے
کپتان کو اس کے کیبن میں چھوڑ کر آیا ہے پھر وہ یہاں آ کر
بے ہوش کیسے ہو گیا اور اس کی وردی کون اتار کر لے گیا؟

وردی کے خیال سے اچانک اس کا ماتھا ٹھنکا۔

اس نے ملاح کو وہیں ٹھہرنے کو کہا اور خود کپتان یعنی
ناگ کے کیبن کی طرف آ گیا۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔

ناگ نے اندر سے کہا:

"آ جاؤ۔"

نائب کپتان اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ آبدوز کا کپتان وردی
پہنے بیٹھا نقشے پر نشان لگا رہا ہے۔ ہو بہو وہی شکل و صورت
وہی قد کاٹھ، وہی گورا رنگ اور بھورے بال — ایک بار
پھر نائب کپتان چکر کھا گیا۔ مگر اس نے اپنی پریشانی ناگ
پر ظاہر نہ ہونے دی اور یونہی کوئی بات کر کے باہر نکل گیا۔
وہ سیدھا چیف انجنیئر کے پاس گیا اور اسے سارا ماجرا سنایا۔
چیف انجنیئر نے بھی کیبن میں جا کر بے ہوش اصلی کپتان کا
معائنہ کیا اور پھر نائب کپتان سے پوچھا کہ کیا اس نے اپنی
آنکھوں سے کپتان کو کیبن میں دیکھا ہے؟

"میں نے ان آنکھوں سے اسے دیکھا ہے۔ وہ وردی
میں ہے۔ تم خود جا کر اسے دیکھ لو۔ وہ اپنے کیبن
میں بیٹھا ہے۔"

چیف انجنیئر پیشانی پر انگلی رگڑتے ہوئے بولا:

"ہمارے ساتھ زبردست دھوکہ کیا جا رہا ہے۔ مگر ہمیں
بڑی عقلمندی سے کام لینا ہوگا۔ یہ شخص جو اصلی
کپتان کا بھیس بدل کر اور اس کی شکل و صورت
اختیار کر کے آبدوز کا کپتان بنا بیٹھا ہے کوئی جادوگر
لگتا ہے۔ ہمیں ماسکو سے رابطہ قائم کرنا ہوگا۔"

نائب کپتان نے کہا:

"ہمیں ساری صورت حال ماسکو کو بتا دینی چاہیے یہ
جعلی کپتان آبدوز کو دشمن کے پاس لے جا رہا ہے؟"

ملاح پاس ہی کھڑا تھا۔ اس نے کہا:

"کیوں نہ ہم اسے ابھی ہلاک کر دیں؟"

نائب کپتان بولا:

"ہو سکتا ہے اس نے آبدوز میں خفیہ بم لگا رکھے
ہوں جو آدمی دوسرے کی شکل و صورت اختیار کر
سکتا ہے۔ وہ ضرور زبردست طاقت رکھتا ہے۔"

چیف انجنیئر نے پوچھا:

"مگر ہم اس کو اچانک پیچھے سے گولی مار کر ہلاک
کر دیں گے۔ وہ کسی قسم کی جوابی کارروائی نہیں کر
سکے گا۔"

نائب کپتان نے سر اٹھا کر کہا:

"یہ کام میں کروں گا۔"

یہ فیصلہ کر کے تینوں کیبن سے باہر نکل گئے۔

ادھر یہ سازش ہو رہی تھی ادھر اپنے کیبن میں بیٹھا ناگ
یعنی نقلی کپتان اپنی سانپ کی زبردست طاقت کی وجہ سے
ان کی ساری باتیں سن رہا تھا۔ ان کی آوازوں کی لہریں ناگ
کے جسم سے ٹکرا رہی تھیں اور اسے ان کی باتوں کا سارا مفہوم

یعنی مطلب سمجھا رہی تھیں۔ ناگ نے جب یہ سنا کہ نائب
کپتان اسے ہلاک کرنے آ رہا ہے اور اصلی بے ہوش کپتان
کا راز کھل گیا ہے تو وہ سانپ کی شکل بدل کر اپنے کیبن سے
بڑی تیزی کے ساتھ نکلا اور اندھیرے میں رینگتا ہوا اس
کیبن میں آ گیا جہاں اصلی کپتان بے ہوش پڑا تھا۔ اب وہ
کسی قسم کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس
کی اپنی جان تو محفوظ تھی مگر وہ سفیر اور اس کے خاندان
کی ہر حالت میں جان بچانا چاہتا تھا۔

ناگ بے ہوش کپتان کے قریب آ کر کنڈلی مار کر بیٹھ
گیا۔ اس نے سانپ کی پھنکارتی ہوئی آوازوں میں کچھ جادو
کے خاص منتر پڑھنے شروع کر دیئے۔ اچانک ایک سفید
اژدہا کا سر نمودار ہوا۔ اس کی چھ زبانیں تھیں اور بہت
بڑا پھن تھا۔ ناگ نے سفید اژدہا کی آنکھوں میں آنکھیں
ڈال کر کہا:

"اے اژدہوں کے بادشاہ! اس بے ہوش انسان کو
اپنی حفاظت میں لے لے اور جب تک میں نہ کہوں
اسے اپنی حفاظت میں رکھ۔"

سفید اژدہا نے اپنی چھ زبانیں لہرائیں۔ ناگ کے کانوں
میں آواز آئی:

"ایسا ہی ہو گا ناگ دیوتا۔"

پھر سفید اژدہا کا پھن بے ہوش کپتان کے اوپر آ گیا۔
اژدہا کے چھ زبانوں والے منہ سے سبز اور سرخ شعاعیں نکلیں
ان شعاعوں نے بے ہوش کپتان کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔
جب شعاعیں غائب ہوئیں تو بے ہوش کپتان کی لاش غائب
تھی۔ کیبن کا فرش خالی تھا۔

اژدہا نے کہا:

"ناگ دیوتا! یہ انسان مرا نہیں مگر غائب ہے۔ وہ
اسی جگہ پر بے ہوش پڑا ہے۔ مگر کسی کو دکھائی نہیں
دے گا اور کوئی انسان اسے چھو بھی نہیں سکے گا۔"

ناگ نے مسکرا کر کہا:

"شکریہ اژدہوں کے بادشاہ! اب تم جا سکتے ہو۔"

اژدہا غائب ہو گیا۔ ناگ بڑی تیزی سے رینگتا ہوا کیبن
کے کونے میں گیا۔ فوراً کپتان کی انسانی شکل اختیار کی۔
وردی اتار کر صندوق میں رکھی اور صرف بنیان اور انڈرویئر
میں اس جگہ آ کر لیٹ گیا جہاں تھوڑی دیر پہلے آبدوز
کا اصلی کپتان بے ہوش پڑا تھا اور جسے سفید اژدہا نے
اپنی شعاعوں سے غائب کر دیا تھا۔ ناگ نے آنکھیں بند کر لیں
وہ ہو بہو اصلی کپتان لگ رہا تھا۔

اُدھر نائب کپتان پستول جیب میں ڈال کر نقلی کپتان کے کیبن کے باہر آ کر رُک گیا۔ اس نے سانس درست کی اور ایک دم سے دروازہ کھول دیا۔

پستول اس کے ہاتھ میں تھا اور اس کا رخ نقلی کپتان کی کرسی کی جانب تھا۔ مگر یہ کیا؟ کرسی خالی پڑی تھی۔ نقلی کپتان غائب تھا۔ نائب کپتان پریشان ہو کر باہر نکلا۔ اس نے دبے پاؤں چل کر دو تین کیبن دیکھے نقلی کپتان کہیں بھی نہیں تھا۔ وہ برج پر آ گیا۔ وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ وہ بھاگ کر چیف انجینئر کے پاس گیا اور سارا ماجرا سنایا:

"وہ کہاں جا سکتا ہے؟" چیف انجینئر نے کہا

نائب کپتان نے پستول جیب میں ڈال کر کہا:

"یہی تو میں سوچ کر حیران ہوں کہ وہ کہاں چلا گیا؟"

چیف انجینئر نے کہا:

"وہ کوئی زبردست جادوگر ہے۔ ہو سکتا ہے غائب ہو گیا ہو۔"

"پھر اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"میرے خیال میں ہمیں اصلی کپتان کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کے بعد جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

چیف انجینئر کے اس مشورے پر عمل کرتے ہوئے نائب کپتان نے اسے اپنے ساتھ لیا اور اس کیبن میں آ گیا جہاں اصلی کپتان بے ہوش پڑا تھا۔ ان میں سے کسی کو معلوم نہیں تھا کہ جسے وہ اصلی کپتان سمجھ رہے ہیں وہ ناگ یعنی نقلی کپتان ہی ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ اصلی کپتان اسی طرح بنیان اور انڈرویئر میں ملبوس الماری کے پیچھے فرش پر بے ہوش پڑا تھا۔ حالانکہ ناگ ہوش میں تھا اور ذرا ذرا آنکھیں کھول کر اس نے نائب کپتان اور چیف انجینئر کو اپنی طرف آتے دیکھ لیا تھا۔

دونوں ناگ کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگے۔ تھوڑی دیر میں ناگ نے آنکھیں کھول دیں۔

چیف انجینئر نے کہا:

"خدا کا شکر ہے کیپٹن کہ تم ہوش میں آ گئے۔"

نقلی کپتان یعنی ناگ نے جھوٹ موٹ حیران ہو کر پوچھا:

"میں یہاں کیسے آ گیا؟ میری وردی کون لے گیا ہے۔ یہ سب کیا تماشا ہے؟"

نائب کپتان نے ناگ کو چند لفظوں میں سارا قصہ سنا دیا کہ کس طرح ایک شخص جادو کے زور سے اس کی شکل بنا کر اس کی وردی پہن کر اور اسے بے ہوش کر کے آبدوز کا کپتان

بن بیٹھا تھا۔ اور آبدوز کو جزائر بھاماز کی طرف لے جا رہا تھا۔
ناگ نے اٹھتے ہوئے کہا:

"وہ حرامی نقلی کپتان کہاں ہے؟ میں اسے ابھی اپنے
ہاتھوں سے گولی مار دوں گا۔"

چیف انجینئر نے کہا:

"خدا جانے وہ ناہنجار کہاں چلا گیا ہے۔"

ناگ کو بڑا غصہ آیا۔ یہ کم بخت اسے ناہنجار کہہ رہا تھا۔
اس لئے ڈانٹ پلائی:

"بکواس بند کرو۔ میری نئی وردی صندوق میں سے لاؤ۔"

انہوں نے فوراً صندوق میں سے نئی وردی یعنی وہی
وردی جو ناگ نے تھوڑی دیر پہلے اتار کر رکھی تھی نکالی اور
ناگ کو پہنا دی۔ ناگ پھر سے آبدوز کا کپتان بن کر ان
کے ساتھ برج روم میں آ گیا۔

چیف انجینئر نے کہا:

"سر! ہماری آبدوز کا رخ جزائر بھاماز کی طرف ہے۔"

ناگ یہ نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے کہا:

"ہمیں اس کا رخ دوبارہ روس کی طرف موڑ دینا چاہیے۔
مجھے نقشہ دکھاؤ۔"

وہ نقشے پر جھک گیا اور بولا:

"ہم جزائر بھاماز کے بہت قریب آ چکے ہیں اور
امریکی بحریہ کے راڈار کی زد میں ہیں۔ ہم یہاں سے
واپس مڑے تو امریکی راڈار ہمیں چیک کر لے گا۔
کیوں کہ ہمیں چکر لگا کر واپس مڑنا پڑے گا۔"

چیف انجینئر بولا:

"لیکن ہم یہاں رک بھی نہیں سکتے۔"

ناگ نے کہا:

"میں اس سمندر سے خوب واقف ہوں۔ ہم ستر ڈگری
کا زاویہ بنا کر بائیں جانب سے ہو کر جزائر بھاماز
کے پیچھے ایک ویران مقام پر ابھر کر حالات کا
جائزہ لیں گے۔ اگر ہمارے کمپیوٹر نے امریکی راڈار
کو چیک کر لیا تو ہم پیچھے ہٹ کر سمندر کی تہہ
میں چلے جائیں گے۔ اگر راڈار نے چیک نہ کیا تو
وہاں سے دائیں پہلو ہو کر ساحل کے ساتھ ساتھ
ہوتے جنوب کی طرف کھلے سمندر میں نکل جائیں گے۔"

ناگ نے چیف انجینئر اور نائب کپتان کو منوا لیا اور
آبدوز وہاں سے ستر ڈگری کا زاویہ بنا کر جزائر بھاماز کے
عقب میں جا کر کچھ دیر بعد ایک اجاڑ سے ٹاپو کے قریب
سمندر سے باہر نکل آئی۔ شام ہونے والی تھی۔ اور آسمان پر

سیاہ گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ ناگ نے برج ہیڈ کی گیلری میں
آکر دوربین سے اجاڑ ٹاپو کا معائنہ کیا۔ پھر کمپیوٹر کو دیکھا
امریکی راڈار کے سگنل صاف سنائی دے رہے تھے۔ ناگ کی
سکیم کامیاب ہو گئی تھی۔ اس نے نائب کپتان اور چیف انجینئر
سے کہا:

"ہم امریکی راڈار کی زد میں ہیں۔ ہمیں یہاں سمندر میں
کچھ دیر انتظار کرنا ہوگا۔"

چیف انجینئر بولا:

"مگر کب تک سر؟"

"جب تک کہ سمندر میں تیز ہواؤں کا طوفان نہیں
آتا۔ کیوں کہ تیز ہوا کی موجیں امریکی راڈار سے ہماری
آبدوز کو بچا لیں گی۔ اس کے سگنل ہمیں چیک
نہیں کر سکیں گے۔"

خفیہ آبدوز وہاں رک گئی۔

اب ناگ اپنی دوسری سکیم پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔
ناگ نے دوربین میں سے ٹاپو کے آخری کنارے پر
ایک تکونی چھت دیکھ لی تھی جس کے اوپر راڈار کا انٹینا لگا
ہوا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ امریکی بحریہ کے کوسٹ گارڈ کی چوکی
ہے۔ وہ کسی نہ کسی طرح روسی سفیر اور اس کے بچوں کو اس

ی تک پہنچانا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کوسٹ گارڈ کے
کافی اسلحہ بھی ہوتا ہے اور روسی سفیر وہاں محفوظ
جائے گا۔

جب رات ہو گئی اور تیز ہواؤں کے طوفان کا انتظار کرتے
تے چیف انجینئر اور نائب کپتان اپنے اپنے کیبنوں میں چلے
۔ تو ناگ شب خوابی کے لباس میں اپنے کیبن سے نکلا۔
اس کیبن میں آ گیا جہاں روسی سفیر اور اس کی بیوی
قید تھے۔ ان کے ہاتھ کھول دیئے گئے تھے مگر وہ سخت
ت زدہ تھے۔ اور ان کے چہرے اترے ہوئے تھے۔ سفیر کی
ں تو بچوں کو گود میں سلائے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ناگ
ک رہی تھی جو اس وقت خفیہ آبدوز کے روسی کپتان کی
ل میں تھا۔ سفیر پرانے بستر پر اپنی بیوی کے پاس خاموش
تھا۔ اس نے کپتان کی طرف اپنی ویران آنکھیں اٹھا کر دیکھا
مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا:

"کیپٹن! ہماری قسمت میں کیا لکھا ہے میں جانتا ہوں۔
ماسکو میں موت ہمارا انتظار کر رہی ہے۔ لیکن یقین
کرو اس کے لیے میں تمہیں الزام نہیں دوں گا۔
تم اپنا فرض ادا کر رہے ہو۔ اس میں تمہارا کوئی قصور
نہیں ہے۔"

ناگ نے خاموشی سے لوہے کی خالی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا:
"قصور اصل میں میرا ہی ہے اور میں اپنے اسی قصور
کی قیمت ادا کر رہا ہوں۔"
سفیر تعجب سے بولا:
"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا کیپٹن!"
سفیر کی بیوی بھی حیرانی سے ناگ یعنی کپتان کا منہ تکنے
لگی۔ ناگ نے کہا:
"آپ لوگ نہیں سمجھ سکیں گے۔ مگر خیر ان باتوں کو
چھوڑیں۔ وقت آنے پر آپ کو بتا دوں گا کہ میرا کیا
قصور تھا۔ اس وقت آپ مجھے یہ بتائیں کہ کیا آپ
امریکہ میں اپنے بال بچوں سمیت سیاسی پناہ لینے پر
تیار ہیں؟ میرا مطلب ہے اگر میں آپ کو امریکی حکام
کے حوالے کر دوں تو کیا آپ اس پر رضا مند ہیں؟"
سفیر بڑا حیران تھا کہ روسی آبدوز کا کپتان جس کے ذمے ان
ان لوگوں کو موت کے منہ میں لے جانے کی ڈیوٹی لگائی گئی ہے،
اسے کیا کہہ رہا ہے۔ اس نے کہا:
"مگر کیا ہم روسی ساحل پر نہیں آ گئے؟"
ناگ نے کہا:
"نہیں۔ اس وقت ہم جزائر بھاماز کے ایک ویران

ساحل پر کھڑے ہیں جو امریکہ کا دوست ملک ہے
اور جس کے ساحل پر امریکی فوج کے کوسٹ گارڈ
بھی پہرہ دے رہے ہیں۔"
سفیر کی بیوی نے پوچھا:
"لیکن کیپٹن تم ہمیں فرار ہونے کا موقع دے کر اتنا
بڑا خطرہ کس لیے مول لے رہے ہو؟ کیا تمہیں
واپس روس نہیں جانا؟"
ناگ بولا:
"آپ ان باتوں کو اس وقت بھول جائیں۔ صرف
میرے سوال کا جواب دیں۔ اگر میں آپ کو امریکی
حکام کے حوالے کر دوں تو کیا آپ امریکہ میں سیاسی
پناہ لے کر باقی زندگی گزارنے پر تیار ہیں؟"
سفیر نے جھٹ کہا:
"ہم موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ میں ہر قیمت
پر اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی زندگی بچانا چاہتا
ہوں۔"
ناگ بولا:
"ٹھیک میں آدھے گھنٹے بعد آؤں گا۔ آپ یہاں سے
فرار ہونے کے لیے تیار ہو جائیں۔"

اتنا کہہ کر ناگ سفیر اور اس کی بیوی کو حیران مگر خوش
چھوڑ کر باہر چلا گیا۔

ناگ کیبن سے باہر نکلا تو ایک سایہ بھاگ کر آبدوز کے
پچھلے حصے میں جا کر اندھیرے میں گم ہو گیا۔ کوئی شخص باہر
کیبن کے ساتھ لگا ان کی باتیں سن رہا تھا۔ مگر ناگ کو اب
کسی کی پروا نہیں تھی۔ اس نے اپنی سکیم پر کھل کر عمل کرنا
شروع کر دیا تھا۔ وہ تیز تیز قدموں سے اپنے کیبن میں
آیا۔ اس نے میز کی دراز میں سے ریوالور نکال کر اس میں
گولیاں بھریں۔ واپس سفیر کے کیبن میں جا کر بھرا ہوا ریوالور
سفیر کو دے کر کہا:

"اسے ضرورت کے وقت کام میں لانا ہوگا۔ میں آدھ
گھنٹے بعد آکر آپ لوگوں کو یہاں سے لے جاؤں گا۔"

ناگ دوبارا کیبن سے باہر نکلا تو سامنے راہداری کی
ہلکی روشنی میں نائب کپتان کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں
خطرناک چمک تھی۔ اس نے اچانک پستول نکال لیا اور
ناگ کی طرف اس کا رُخ کر کے کہا:

"کیپٹن! میں سوویت روس کی حکومت کی جانب سے
تمہیں گرفتار کرتا ہوں۔ کیوں کہ تم نے حکومت کے
خطرناک قیدیوں کو بچانے کی کوشش کی ہے اور تم

غداری کے مرتکب ہوئے ہو۔"

ناگ نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے اور کہا:

"تم مجھے گرفتار کر سکتے ہو۔"

یہ ناگ کی چال تھی۔ نائب کپتان نے سفیر والے کیبن
باہر تالا ڈال دیا اور ناگ کو آگے لگا کر چیف انجینئر کے
ن میں آ گیا۔ چیف انجینئر بھی وہاں سٹین گن لیے اوٹ میں
ا تھا۔ انہوں نے ناگ کو کرسی پر بٹھا کر رسیوں سے
د دیا اور ماسکو وائرلیس پر سگنل دیا کہ آبدوز کے کپتان
سرکاری قیدیوں کو فرار کرانے کی سازش کی تھی اور ہم نے
گرفتار کر لیا ہے۔ ادھر سے سگنل کی شکل میں جواب
"تم نے بہت اچھا کیا۔ اس وقت تم آبدوز کے کپتان
جتنی جلدی ہو سکے غدار کپتان اور قیدی سفیر کو لے کر
ں کی طرف روانہ ہو جاؤ۔"

نائب کپتان اپنے کارنامے پر بڑا خوش تھا۔ اس نے ناگ
منہ پر ایک زور دار طمانچہ مارا اور کہا:

"ماسکو پہنچ کر میں تمہیں اپنے ہاتھوں گولی سے اڑاؤں گا۔"

ناگ کا ایک دم سے خون کھول اٹھا۔ یہ بے عزتی اس
کبھی برداشت نہیں کی تھی۔ کہ کوئی اس کے منہ پر طمانچہ
ے۔ اس کی سکیم کچھ اور تھی مگر نائب کپتان نے جب اس

کے منہ پر تھپڑ مارا تو ناگ دیوتا کی عزت جوش میں آگ
نائب کپتان کو معلوم ہی نہیں تھا کہ اس کے کس شخص
کے منہ پر تھپڑ مار دیا ہے۔ ناگ کی آنکھوں میں خون ا
آیا۔ نائب کپتان اور چیف انجنیئر واپس دروازے کی طر
مڑ رہے تھے کہ ناگ کے منہ سے ایک زور دار پھنکار
آواز نکلی اور وہ ایک انتہائی مہلک اور خطرناک ال
والا سیاہ سانپ بن گیا۔ پھنکار کی آواز پر دونوں نے
مڑ کر دیکھا۔ کرسی خالی پڑی تھی۔ رسیاں نیچے گری ہوئی
اور نائب کپتان نے دیکھا کہ ایک سیاہ سانپ اڑ کر
کے ساتھ اس کی طرف لپکا اور آن کی آن میں اس
گردن سے لپٹ کر اپنا پھن اس کی گال کے ساتھ ل
نائب کپتان کی چیخ نکل گئی۔

چیف انجنیئر نے سٹین گن کا رخ نائب کپتان کے چہ
کی طرف کر دیا۔

اس نے چلا کر کہا:

"گولی مت چلانا"

چیف انجنیئر نے گن نیچے کر لی۔ وہ گولی چلاتا تو نائ
کپتان کا چہرہ سانپ کے ساتھ ہی گولیوں سے چھلنی ہو
وہ ڈر کر باہر کو بھاگا۔ ناگ نے منہ کھولا اور نائب کپتا

نچلے ہونٹ پر ڈس کر قاتل زہر اس کے خون میں ڈال دیا۔
یہ زہر کیا تھا۔ ایک دہکتی ہوئی آگ تھی جس نے نائب کپتان
کے سارے بدن میں آگ لگا دی۔ ناگ اس کے جسم سے
الگ ہو کر زمین پر گرا اور فوراً اپنی اصلی ناگ والی شکل
میں آ گیا۔ اب وہ کپتان کی شکل میں نہیں بلکہ اپنی اصلی
ناگ والی شکل میں تھا۔ تھپڑ کی وجہ سے ابھی تک اس کی
آنکھوں سے چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔ نائب کپتان سانپ
کو انسانی شکل میں آتے دیکھ کر اور زیادہ دہشت زدہ
ہو گیا۔ مگر اس کے بدن میں آگ لگی تھی اور خون گرم ہو کر
کھولنے لگا تھا۔ دیکھتے دیکھتے وہ جھلس کر سیاہ کوئلے کی
طرح ہو گیا۔

ناگ اب چیف انجنیئر کی طرف بھاگا۔ جونہی کیبن سے
باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہے کہ چیف انجنیئر اور آبدوز کے سارے
ملاح سپاہی ہاتھوں میں مشین گنیں لیے ادھر آ رہے ہیں۔ ناگ
جلدی سے کیبن میں واپس آ گیا۔ گہرا سانس بھرا اور سانپ کی
شکل بدل کر رینگتا ہوا باہر نکل کر اندھیرے میں ایک طرف ہٹ کر دیوار
سے چپک گیا۔ چیف انجنیئر اور ملاح مشین گنیں لیے کیبن میں آ گئے۔
وہاں نائب کپتان کی جلی ہوئی کوئلے ایسی لاش دیکھ کر دم بخود رہ
گئے۔ چیف انجنیئر نے چلا کر کہا:

"سانپ کو مار ڈالو۔ وہ یہیں کہیں ہو گا۔"

ناگ کو اب یہ فکر تھی کہ کہیں یہ لوگ اس افراتفری میں گھبرا کر سفیر اور اس کی بیوی بچوں کو ہلاک نہ کر دیں۔ اب اس نے ایک چال چلی۔ وہ سانپ ہی کی شکل میں ان لوگوں کے سامنے آ گیا۔ دیکھا جائے تو ایک بے گناہ میاں بیوی اور اس کے دو معصوم بچوں کی جان بچانے کے لیے بہت بڑا خطرہ مول لے لیا تھا۔ محض اس لیے کہ ناگ کے ضمیر میں یہ بات چبھ رہی تھی کہ یہ خاندان اس کی وجہ سے موت کے منہ میں جا رہا ہے اور وہ اپنی جان پر کھیل کر بھی ان کی زندگیاں بچانا چاہتا تھا۔ اس کے سامنے آبدوز کے ملاح مشین گنیں تھامے اس کی جان لینے کو تیار کھڑے تھے۔ مگر وہ سامنے آ گیا۔ اس پر تڑاتڑ فائر کھول دیا گیا۔ ناگ تڑپ کر اچھلا اور مشین روم کی طرف بھاگا۔ ملاح گولیاں برساتے اس کے پیچھے لپکے۔ ناگ یہی چاہتا تھا۔ وہ انہیں اپنے پیچھے لگانا چاہتا تھا۔ ناگ مشین روم میں داخل ہو گیا۔

یہ مشین روم ایک کیپسول یعنی بوتل کی طرح بنا ہوا تھا۔ اس کے منہ پر فولاد کا گول دروازہ تھا جسے اگر باہر سے بند کر کے کھٹکا لگا دیا جائے تو اندر سے اس کا کھولنا محال تھا۔ ملاح بھی ناگ کے پیچھے پیچھے مشین روم میں آ گئے۔ وہ گولیاں

برسا رہے تھے اور ہر حالت میں سانپ کو ہلاک کر دینا چاہتے تھے۔ مگر ناگ اندر داخل ہوتے ہی مشین روم کے فولادی دروازے کی اوٹ میں چھپ گیا تھا۔ جب سارے ملاح مشین روم میں آ کر سانپ کو ادھر ادھر تلاش کرنے لگے تو ناگ پھرتی سے باہر آ گیا۔

باہر آتے ہی اس نے اپنی اصلی انسانی شکل اختیار کی اور ایک سیکنڈ میں مشین روم کا گول فولادی دروازہ زور سے بند کر کے کھٹکا لگا دیا۔ سارے کے سارے ملاح آبدوز کے اس بوتل نما مشین روم میں بند ہو گئے۔ ناگ لپک کر سفیر کے کیبن میں آ گیا۔ سفیر اور اس کی بیوی گولیوں کی آوازوں سے سہمے ہوئے بیٹھے تھے۔ ان کے بچے بھی سہم کر ماں باپ کے ساتھ لگے تھے۔ سفیر نے ایک اجنبی شکل والے نوجوان یعنی ناگ کو اندر آتے دیکھا تو جیب سے اس کا دیا ہوا ریوالور نکال لیا۔

ناگ نے ہاتھ اٹھا کر کہا:

"ریوالور جیب میں رکھیں اور میرے ساتھ آئیں۔ میں آپ کو یہاں سے نکالنے آیا ہوں۔"

سفیر نے کہا:

"مگر تم کون ہو؟ کیپٹن کہاں ہے؟ ہم تمہارے ساتھ نہیں جائیں گے؟"

ناگ نے کہا:

"فضول باتوں میں وقت ضائع نہ کریں۔ اگر اس وقت آپ لوگ میرے ساتھ نہ گئے تو پھر آپ کو دنیا کی کوئی طاقت موت کے منہ سے نہ بچا سکے گی۔"

کیوں کہ ناگ کو معلوم تھا کہ چیف انجینئر نے مشین روم سے ماسکو وائرلیس کر دیا ہو گا کہ آبدوز پر دشمن نے قبضہ کر لیا ہے اور ماسکو نے قریبی دوست ملک کیوبا کو خبر کر دی ہو گی اور کیوبا کے جیٹ لڑاکا طیارے اور جنگی آبدوز تھوڑی دیر میں وہاں پہنچنے والے ہوں گے۔ سفیر نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا۔ اس کی بیوی نے سر ہلا کر ہاں کر دی۔ ناگ سفیر اور اس کے خاندان کو لے کر رات کے اندھیرے میں آبدوز سے باہر نکل آیا۔

○

آبدوز کی تباہی

ناگ نے ربڑ کی کشتی سمندر میں پھینکی۔

اس سے پہلے ناگ نے آبدوز کے اندر ہی سے ایک ٹائم بم ...ے کر اسے تارپیڈو یعنی بموں کے کمرے کے باہر لگا کر اسے ... دیا تھا۔ اس بم کو آدھ گھنٹے بعد پھٹ کر آبدوز کو تباہ کر دینا تھا۔ ربڑ کی کشتی پانی میں ڈال کر وہ سب اس میں سوار ہو گئے اور اندھیرے میں یہ گول کشتی سمندری لہروں پر ساحل کی طرف چل پڑی۔ دس منٹ بعد وہ جزیرے کے ساحل پر جا کر اتر گئے۔ یہاں سے کوسٹ گارڈ کی چوکی ایک میل کے فاصلے پر تھی۔

ناگ نے سفیر سے کہا:

"ہمارے پاس صرف بیس منٹ ہیں۔ ہمیں جتنی جلدی ہو سکے چوکی تک پہنچنا ہو گا۔ ہو سکتا ہے کیوبا کی آبدوز یا لڑاکا جیٹ یہاں راکٹ برسانا شروع کر دیں۔ اس کے علاوہ کیوبا کے گوریلے بھی ان جزیروں میں موجود ہیں۔ وہ بھی وائرلیس پر اطلاع پا کر ہم پر حملہ

کر سکتے ہیں۔"
ابھی کوسٹ گارڈ کی چوکی دو فرلانگ کے فاصلے پر تھی کہ
سمندر میں ایک زور دار دھماکہ ہوا۔ ٹائم بم پھٹ گیا تھا۔
اس کے بعد دھماکوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہ آبدوز کے تارپیڈو
پھٹ رہے تھے۔ سمندر کی جانب آسمان آگ کے شعلوں سے
روشن ہو گیا۔ چوکی کی طرف سرچ لائٹ روشن ہوئی اور سمندر
میں جہاں دھماکے ہوئے تھے۔ نصف دائرے میں چکر لگانے لگی۔
ناگ اور سفیر کا خاندان تیزی سے چوکی کی طرف بھاگ
رہا تھا۔ چوکی کے قریب امریکی سپاہیوں نے انہیں روکا اور پکڑ
کر چوکی میں لے گئے۔ یہاں پہنچ کر روسی سفیر نے اپنا آپ
ظاہر کر کے ساری داستان بیان کر دی اور امریکہ میں سیاسی پناہ
حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ امریکی چوکی کے کمانڈر نے واشنگٹن
میں فون کر کے وزارت داخلہ سے روسی سفیر کو واپس واشنگٹن
بھیجنے کی اجازت لی اور سفیر اور اس کی بیوی سے کہا کہ انہیں
صبح ایک خاص ہیلی کاپٹر میں واشنگٹن روانہ کر دیا جائے گا۔ اگلے
دن سفیر اور اس کی بیوی بچے واشنگٹن روانہ ہو گئے۔ ناگ نے
انہیں گرم جوشی سے رخصت کیا۔ دو روز وہاں ٹھہرنے کے بعد
ناگ بھی ایک بحری جہاز میں سوار ہو کر واشنگٹن روانہ ہو گیا۔ کیونکہ
اسے واپس ماریا اور عنبر کی تلاش میں جانا تھا۔ اسے اتنا پتہ چل

گیا تھا کہ وہ تاریخ میں ایک حادثے کی وجہ سے آگے اور عنبر
ماریا تاریخ میں پیچھے نکل گئے ہیں۔ وہ بھی عنبر اور ماریا کے ساتھ
مل جانے کے لیے واشنگٹن کے خلائی عجائب گھر میں لگی۔ اس
مشین سے مدد حاصل کرنا چاہتا تھا جس میں ستاروں کی گردش ظاہر
کرنے والا گول چکر لگا تھا۔
بحری جہاز نے دو روز کے سمندری سفر کے بعد ناگ کو
بالٹی مور کی بندرگاہ پر پہنچا دیا۔ یہاں سے ریل گاڑی میں سوار
ہو کر ناگ واشنگٹن کے یونین ریلوے سٹیشن پر آ کر اتر گیا۔
اس وقت رات کے دس بج رہے تھے۔ واشنگٹن روشنیوں سے
جگ مگ کر رہا تھا۔ ناگ کے پاس صرف چھ ڈالر تھے۔ اسے
ڈالروں کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ وہ کسی بھی باغ یا پارک میں
رات بسر کر سکتا تھا۔ صرف ایک مشکل تھی کہ سردی بہت
شدید ہو گئی تھی۔ اور ناگ کسی جگہ گرم ہو کر رات بسر کرنا چاہتا
تھا۔ اس کے لیے بہترین جگہ کسی ہوٹل کا کمرہ ہی ہو سکتا تھا۔
مگر واشنگٹن میں سستے سے سستے ہوٹل کے کمرے کا رات بھر کا
کرایہ پچاس ساٹھ ڈالر سے کم نہیں ہوتا۔
ناگ شہر میں چڑیا گھر والے علاقے میں آ گیا۔ یہاں ایک
اونچی عمارت والا ہوٹل تھا جس کے کتنے ہی کمرے تھے۔ ناگ نے
سوچا کہ یہاں جو کمرہ خالی ہو گا وہاں پڑ کر سو رہوں گا اور

صبح اٹھ کر خلائی عجائب گھر یعنی سپیس میوزم کی طرف روانہ ہو
جاؤں گا۔ ناگ ہوٹل کی لابی میں آ گیا۔ اس نے کمروں کا چارٹ
دیکھا جو دیوار کے ساتھ لگا تھا۔ اس میں یہ لکھا تھا کہ کون
سے نمبر میں کون صاحب ٹھہرے ہوئے ہیں اور کون سے نمبر
کا کمرہ خالی پڑا ہے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اسی کمرے میں
رات بسر کی جائے وہ لفٹ میں سوار ہو کر گیارھویں منزل پر آ
گیا۔ کاریڈار میں دیوار پر تیر کا نشان لگا کر لکھا تھا کہ گیارہ سو
ایک سے لے کر گیارہ سو پچاس نمبر تک کے کمرے اس جانب
ہیں۔ ناگ کمرہ نمبر گیارہ سو تین کے پاس آ کر رک گیا۔ کمرہ بند
تھا۔ دروازے پر تالا لگا تھا۔ ناگ کو دروازہ کھولنے کی ضرورت ہی
نہیں تھی۔ اس نے دائیں بائیں دیکھ کر تسلی کی کہ وہاں کوئی نہیں
ہے اور پھر چھوٹے سے باریک سانپ کی شکل میں بدل کر دروازے
کے نیچے سے کمرے میں داخل ہو گیا۔ کمرے میں بتی بند تھی۔ اندھیرا
تھا مگر جو کھڑکی سڑک کی جانب کھلتی تھی اس میں سے باہر کی عمارتوں
کی ہلکی ہلکی روشنی آ رہی تھی۔

ناگ دوبارا انسان کی شکل میں آ گیا۔ کمرہ بڑی خوب صورتی
سے سجا ہوا تھا۔ کمرے کی فضا گرم تھی اور پلنگ پر سفید چادر
لحاف اور سرہانے لگے تھے۔ ناگ نے کھڑکی کا بھاری پردہ گرا دیا۔
اس پردے کے گرنے سے جو تھوڑی سی باہر کی روشنی اندر آ رہی تھی
بھی بند ہو گئی۔ کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔ ناگ پلنگ پر لیٹ
گیا اور پتلا لحاف اوپر کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا۔ اس
کی آنکھیں کھلی تھیں اور وہ عنبر اور ماریا کے بارے میں سوچ
رہا تھا کہ وہ کہاں اور کس زمانے میں اور کس ملک میں ہوں
گے۔ دونوں کی یاد بڑی طرح ستا رہی تھی اور وہ جلد سے جلد
ان کے پاس پہنچ جانا چاہتا تھا۔ مگر یہ بات اس کے بس میں
نہیں تھی۔

اسے لیٹے ابھی چھ سات منٹ ہی ہوئے تھے کہ اس نے
محسوس کیا کہ اندھیرے کمرے میں بند دروازے پر ہلکی ہلکی روشنی
سی ابھر رہی ہے۔ پہلے تو اس نے کوئی خیال نہ کیا مگر جب یہ
روشنی پھیلتی گئی اور پھر ایک انسانی ہیولے کی شکل اختیار کر
گئی تو وہ پلنگ پر اٹھ کر بیٹھ گیا اور اس روشنی کے انسانی
ہیولے کو غور سے دیکھنے لگا۔ یہ ایک لڑکی کا ہیولا تھا جس
کے بال کھلے تھے۔ گلے میں پھانسی کا پھندا پڑا ہوا تھا۔ گردن
ایک طرف کو جھکی ہوئی تھی اور اس کے منہ سے ہلکی ہلکی
کراہنے کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ ناگ بڑی حیرانی سے اس
لڑکی کو دیکھنے لگا جو کوئی روح معلوم ہو رہی تھی۔ اس کی وجہ
سے کمرے میں دھیمی روشنی پھیل گئی تھی۔ لڑکی کی مصیبت زدہ
روح آہستہ آہستہ چل کر ناگ کے پلنگ کے قریب پائنتی کی جانب

آکر کھڑی ہوگئی۔ پھر اس نے آہستہ آہستہ گردن گھمائی اور اس
کے چہرے کا رُخ ناگ کی طرف ہوگیا۔ پھانسی کا پھندا لڑکی کی
گردن میں تھا اور رسہ اوپر جا کر غائب ہوگیا تھا۔ ناگ نے
دیکھا کہ روح کی آنکھوں میں سے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ
آنسو بھری آنکھوں سے ناگ کو بڑی حسرت سے تک رہی تھی۔
ناگ نے آہستہ سے پوچھا:

"تم کون ہو؟"

لڑکی کی روح کے ہونٹوں سے آتی کراہنے کی آواز رُک گئی۔
روح نے ناگ کو ٹکٹکی باندھ کر ایک پل کے لیے دیکھا اور پھر
ناگ کو ایک لڑکی کی مدھم سی آواز سنائی دی:

"اس کمرے میں جو کوئی آیا میں نے اس سے بات کرنے
کی کوشش کی مگر وہ ڈر کر یا بے ہوش ہوگیا یا بھاگ
گیا۔ ایک مدت سے یہ کمرہ بند پڑا ہے۔ یہاں کوئی
نہیں آتا۔ آج تمہیں یہاں دیکھا تو میں آگئی۔ مجھے یقین
تھا تم بھی ڈر کر بھاگ جاؤ گے یا بے ہوش ہو جاؤ
گے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ اس سے مجھے حوصلہ ہوا ہے۔"

ناگ نے پھر وہی سوال کیا:

"مگر تم کون ہو؟ اور تمہاری گردن میں یہ پھانسی کا پھندا کس
نے ڈالا ہے؟"

لڑکی کی روح نے کہا:

"میرا نام یوریشیا ہے۔ جس جگہ آج یہ ہوٹل بنا ہوا ہے
یہاں آج سے چھ سو برس پہلے کافروں کا ایک بت خانہ
تھا۔ یہاں بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ میرا باپ اس بت خانے
کا پجاری تھا۔ اس جگہ کافر قوم کا ایک بہت بڑا
شہر آباد تھا۔ اس شہر پر میرا پجاری باپ حکومت کرتا
تھا۔ میں اس کی اکلوتی بیٹی تھی اور اپنے باپ کے ساتھ
بتوں کی پوجا کیا کرتی تھی۔ ہم بتوں کو خدا سمجھتے تھے۔
ایک دن ایسا ہوا کہ شہر میں ایک بزرگ درویش داخل
ہوا۔ وہ مسلمان تھا اور ملک عرب سے وہاں دین
اسلام کی تبلیغ کرنے آیا تھا۔ میرے باپ کو خطرہ محسوس
ہوا کہ اگر لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تو بت خانہ
اجڑ جائے گا اور اس کی بادشاہت ختم ہو جائے گی
میرے باپ نے اس بزرگ کو قتل کرنے کا فیصلہ کر
لیا۔ ایک روز اس نے اس بزرگ کو بت خانے میں
یہ کہہ کر بلایا کہ اگر وہ میرے باپ کو قائل کر دے تو
وہ اسلام قبول کر لے گا۔ یہ اس کی سازش تھی۔ مسلمان
بزرگ آگیا۔ اس کا چہرہ بڑا نورانی تھا اور وہ سفید
پاکیزہ لباس پہنے ہوئے تھا۔"

میرے باپ نے اس بزرگ کو ہلاک کرنے کے لیے مجھے
استعمال کیا:

"مجھے شربت کا ایک پیالہ دیا اور کہا کہ جب میں اشارہ
کروں تو وہ شربت کا پیالہ بزرگ کو پیش کر دینا۔ یاد
رکھو اس میں ایسا زبردست زہر ملا ہوا ہے کہ آدمی پیتے
ہی فوراً ہلاک ہو جاتا ہے۔ میں خود اس مسلمان بزرگ
کو ہلاک کر دینا چاہتی تھی کیونکہ وہ ہمارے بتوں کے
خلاف تھا اور کہتا تھا کہ اسے توڑ ڈالو اور ایک خدا کی
عبادت کرو۔"

لڑکی کی روح خاموش ہو گئی۔ اس کے منہ سے ہلکی آہ نکلی
میں نے پوچھا:

"پھر کیا ہوا؟"

روح نے ایک ٹھنڈا سانس بھر کر کہا:

"پھر میرے باپ نے شربت لانے کا اشارہ کیا۔ میں
زہر ملا شربت کا پیالہ لے آئی اور مسلمان بزرگ
کو پیش کیا۔ مسلمان بزرگ نے میری طرف شفقت
بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔ بیٹی اس شربت میں
زہر تو نہیں ملایا گیا؟ میں نے کہا۔ نہیں۔ بزرگ نے
کہا۔ میں تمہاری بات پر اعتبار کرتا ہوں۔ اور یہ کہہ کر
شربت پی لیا۔ شربت کے پیتے ہی زہر نے اثر کر
دیا اور مسلمان بزرگ وفات پا گئے۔ میرے پجاری باپ
نے مجھے شاباش دی اور مسلمان بزرگ کی لاش کو ٹھکانے
لگانے کے لیے چھری سے اس کے ٹکڑے کرنے کا ارادہ
کیا اور چھری نکال کر مسلمان بزرگ کی لاش کی
طرف بڑھا۔ اچانک لاش میں سے روشنی کی شعاعیں پھوٹیں
ایک شعاع میرے باپ کے جسم پر پڑی اور وہ
جل کر کوئلہ ہو گیا۔ میں ڈر کر پیچھے ہٹی تو مسلمان بزرگ
کی آواز سنائی دی۔ تم کسی دوسری طرح سے ہلاک کی
جاؤ گی۔ تمہیں اپنے گناہ کی سزا ملے گی اور پھر مسلمان
بزرگ کی لاش غائب ہو گئی۔ اس رات شہر میں
زبردست آندھی چلی۔ درخت جڑوں سے اکھڑ گئے۔
مکان گر پڑے۔ شہر برباد ہو گیا۔ بت خانے کے سارے
بت ایک ایک کر کے گر کر پاش پاش ہو گئے۔ میں
بڑی مشکل سے جان بچا کر بت خانے کے تہہ خانے
کی طرف بھاگی۔ تہہ خانے میں اندھیرا تھا۔ تہہ خانے میں
ایک چبوترا تھا۔ جس پر ایک بت بنا ہوا تھا۔ اچانک
اس بت نے مجھے اپنے پتھر کے بازوؤں میں جکڑ لیا۔
میری چیخ نکل گئی۔ پھر جیسے کسی نے میرے گلے میں

پھانسی کا رسہ ڈال کر مجھے چھوڑ دیا۔ میں ایک کنوئیں
میں گر پڑی۔ مجھے ایک زبردست جھٹکا لگا اور میری
گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ میری گردن ایک طرف ڈھلک
گئی جیسی کہ اس وقت تم دیکھ رہے ہو اور میں مر
گئی۔ مگر میں مری نہیں تھی۔ میری روح زندہ تھی۔
وہ میرے جسم سے الگ ہو گئی۔ میری روح کی گردن
میں اسی طرح پھندا پڑا تھا اور درد سے میں کراہ رہی
تھی۔ میری روح ایک عذاب میں گرفتار ہو گئی۔ میں چھ
سو برس سے بھٹک رہی ہوں۔ میری گردن پھانسی کے
پھندے میں پھنسی ہوئی ہے۔ میں نے ایک نیک دل
مسلمان بزرگ کو زہر دے کر ہلاک کر دیا تھا۔ مجھے
میرے گناہ کی سزا ملی ہے۔ درد سے میرا برا حال ہو
رہا ہے۔ مگر کوئی میری فریاد نہیں سنتا۔ میں چھ سو سال سے
ہر رات اس کمرے میں آتی ہوں۔ کیوں کہ اسی جگہ مجھے
پھانسی دی گئی تھی۔ میں چاہتی ہوں کوئی میری فریاد سنے
اور مجھے اس عذاب سے نجات دلائے مگر آج تک کسی
نے میری فریاد نہیں سنی۔ لوگ مجھے دیکھ کر بے ہوش
ہو جاتے یا بھاگ جاتے رہے ہیں۔ تم پہلے آدمی ہو جس نے
میری درد بھری داستان سنی ہے۔"

ناگ خاموشی سے اس عذاب میں گرفتار روح کی کہانی سنتا رہا جب
لڑکی کی روح خاموش ہو گئی تو اس نے کہا۔
"میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔ میں تمہیں اس عذاب سے
کیسے نجات دلا سکتا ہوں؟"
لڑکی کی روح نے درد سے کراہتے ہوئے کہا:
"مجھے یقین ہے کہ جس بزرگ کو زہر دے کر ہلاک کرنے
کی پاداش میں خدا نے مجھے یہ سزا دی ہے وہ زندہ
ہے۔ اگر کسی طرح تم اس کا کھوج لگا کر اس کے پاس
جاؤ اور وہ اپنی زبان سے کہہ دے کہ میں نے پورشیا
کو معاف کر دیا ہے تو میری روح کو اس عذاب سے
نجات مل جائے گی۔"
ناگ نے کہا:
"وہ مسلمان بزرگ مجھے کہاں ملیں گے؟"
لڑکی کی روح نے کہا:
"کاش یہ مجھے معلوم ہوتا۔ میں نے اس کے بعد سے
اس بزرگ کی صورت نہیں دیکھی۔ لیکن مجھے یقین ہے
کہ وہ امریکہ میں ہی کسی جگہ پر موجود ہوں گے اور اگر
یہاں نہ ہوئے تو پھر جہاں کہیں بھی وہ ہوں تم ان
کا کھوج لگانا اور میرے گناہ کی ان سے میری طرف

سے معافی مانگنا۔ میں تمہیں قیامت تک دعائیں دیتی
رہوں گی۔ کیا تم ایک عذاب میں گرفتار لڑکی کی روح
کے لیے یہ کام کرو گے؟"

ناگ نے کہا:

"اگر ایسا کرنے سے تمہیں عذاب سے نجات مل جائے
گی تو میں تمہارے لیے اس مسلمان بزرگ کو تلاش کروں
گا اور تمہاری معافی ان تک پہنچاؤں گا۔ میں وعدہ
کرتا ہوں۔"

لڑکی کی روح نے پھانسی کے پھندے کی وجہ سے درد سے کراہتے
ہوئے سکھ کا گہرا سانس لیا اور ناگ کی طرف شکریے کی نگاہوں سے
دیکھتے ہوئے کہا:

"چھ سو برس کے عذاب میں آج پہلی بار میں نے سکون کا
ایک لمحہ محسوس کیا ہے۔"

ناگ نے پوچھا:

"اس مسلمان بزرگ کی تلاش میں اگر مجھے امریکہ سے باہر
کسی دوسرے ملک میں جانا پڑا تو پھر تم سے کیسے
ملاقات ہو گی؟"

لڑکی کی روح بولی:

"تم مجھے جہاں یاد کرو گے میں وہاں پہنچ جاؤں گی۔"

ناگ نے سوال کیا:

"کیا تم بتا سکتی ہو کہ وہ بزرگ پہلے پہل آج سے چھ
سو برس پہلے امریکہ میں کس جگہ اُترے تھے؟"

روح نے کہا:

"میرے پجاری باپ نے مجھے بتایا تھا کہ وہ بزرگ سمندر
کنارے ایک گھنے جنگل میں پہلے پہل نمودار ہوئے
تھے۔ وہاں وہ ایک درخت کے نیچے جھونپڑی میں دو
سال خدا کی عبادت کرتے رہے تھے۔ یہ درخت مغرب
میں سمندر کنارے کسی جنگل میں ہے۔"

ناگ نے کہا:

"اب ایک آخری سوال ــــ کیا تم مجھے اس بزرگ کا
نام بتا سکتی ہو؟"

لڑکی کی روح بولی:

"ان کا نام مجھے یاد نہیں۔ مگر لوگ انہیں یاقوت یمانی
کہہ کر پکارا کرتے تھے۔"

اتنا کہہ کر لڑکی کی روح نے ایک بار پھر ناگ کا شکریہ ادا
کیا۔ اس کی گردن پھانسی کے پھندے میں جکڑی ایک طرف
کو ڈھلکی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر درد کے اثرات تھے مگر
ایک سکون بھی تھا کہ شاید اب اس کا عذاب ختم ہو جائے گا۔

وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتی دروازے کی طرف گئی اور ناگ کی طرف دیکھتی ہوئی غائب ہو گئی۔

کمرے میں پھر سے اندھیرا چھا گیا۔

ناگ نے اٹھ کر کھڑکی کے آگے گرا ہوا بھاری پردہ ہٹا دیا۔ واشنگٹن کی عمارتوں کی روشنی کمرے میں آنے لگی۔ ناگ بستر پر لیٹ کر سوچنے لگا کہ اس لڑکی کی عذاب میں گرفتار روح کی نجات کے لیے اسے مسلمان بزرگ یاقوت یمانی کو کہاں تلاش کرنا چاہیے امریکہ کے مغرب میں سمندر کے کنارے کتنے ہی گھنے جنگل تھے۔ وہ کس جنگل میں جا کر آج سے چھ سو برس پہلے غائب ہو چکے بزرگ کا کھوج لگائے۔ لیکن ناگ کو دل میں پورا یقین تھا کہ وہ ایک نہ ایک دن ان مسلمان بزرگ کو ضرور تلاش کر لے گا۔ اور ان سے عذاب میں گرفتار ان کی قاتل روح کی معافی مانگ کر اسے نجات دلائے گا۔ باقی ساری رات ناگ نے یہی سوچتے سوچتے جاگ کر گزار دی۔ جب صبح کی روشنی آسمان پر پھیلی اور وہ سانپ بن کر باہر نکلنے لگا تو اچانک اسے آبدوز کے کپتان کا خیال آ گیا۔ جس کو اس نے سفید اژدہا کی مدد سے غائب کروا دیا تھا۔ ناگ کمرے کے پلنگ پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور منتر پڑھ کر پھونک ماری۔ فضا میں سفید اژدہے کا سر نمودار ہوا۔ اس نے اپنی زبان میں اژدہے سے پوچھا کہ آبدوز کا

کپتان جس کو اس نے اپنی شعاعوں سے غائب کیا تھا کہاں ہے؟
سفید اژدہے نے جواب دیا کہ وہ فضاؤں میں غائب ہے۔ ناگ نے سفید اژدہے کو حکم دیا کہ آبدوز کے کپتان کو اس کے ملک روس اس کے بال بچوں کے درمیان پہنچا دے۔

اژدہے نے اپنا پھن جھکا کر کہا:

"جو حکم ناگ دیوتا!"

اور غائب ہو گیا۔

ناگ تھوڑی دیر بعد سانپ بن کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ ہوٹل کے کاریڈار میں کوئی نہیں تھا۔ اس نے انسانی شکل بدلی اور لفٹ میں سوار ہو کر گیارہویں منزل سے نیچے پہلی منزل پر ہوٹل کی لابی میں آ گیا۔ امریکی مرد اور عورتیں گرم لباس پہنے خوشبوئیں اڑاتے ادھر اُدھر چل پھر رہے تھے۔ کچھ لوگ شیشے کی دیوار کے پیچھے ہال میں بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ ناگ کوئی اگلا قدم اٹھانے سے پہلے وہاں آرام سے بیٹھ کر غور کرنا چاہتا تھا کہ وہ مسلمان بزرگ یاقوت یمانی کی تلاش میں کس علاقے کی جانب روانہ ہو۔ ظاہر ہے انہیں فوت ہوئے چھ سو برس کا عرصہ گزر چکا تھا اور اب اگر ملاقات ہوئی تو اس بزرگ کی روح سے ہی ملاقات ہو گی۔ ناگ لابی میں کونے والے ایک صوفے پر بیٹھ گیا اور غور کرنے لگا۔ اس کا ذہن تیزی سے سوچ

رہا تھا کہ شمال مغرب کی طرف باسٹن اور نیو یارک کے شہر تھے۔
اور اوپر جا کر کینیڈا کے جنگل شروع ہو جاتے تھے اور پھر آگے
قطب شمالی کا برفانی علاقہ آ جاتا تھا۔ سمندر وہاں بھی تھا مگر
برف بن کر جما ہوا تھا۔ ناگ کسی ایسے اشارے کا انتظار کر رہا
تھا جو اسے کہے کہ فلاں علاقے کی طرف چل پڑو اور وہ ادھر
کو چل پڑے۔ یہ اشارہ اس کے ذہن نے دینا تھا۔

پیارے بچو! یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ ناگ اصل میں
سانپ تھا اور ایک ہزار سال تک زندہ رہنے کی وجہ سے اس
میں اتنی طاقت پیدا ہو گئی تھی کہ وہ جو شکل چاہے اختیار کر سکتا
تھا۔ اس نے اپنے لیے انسانی شکل پسند کی تھی اور اسی شکل میں
چلتا پھرتا تھا۔ مگر انسان کی طرح آنکھیں نہیں جھپکتا تھا۔ کتنی کتنی
دیر تک اس کی آنکھیں بغیر پلک جھپکے کھلی رہتی تھیں اور ان میں
ایک مقناطیسی طاقت بھی تھی۔ اب چونکہ اسے انسانوں میں چلتے
پھرتے سینکڑوں بلکہ ہزاروں برس گزر چکے تھے اس لیے وہ کبھی
کبھی پلکیں جھپک لیتا تھا تا کہ لوگوں کو شک نہ ہو۔

ناگ واشنگٹن کے اس ہوٹل کی لابی میں صوفے پر بیٹھا اپنے
خیالات میں گم تھا کہ اس نے محسوس کیا کہ کاؤنٹر کے پاس کھڑی
ایک سرخ و سفید خوبصورت امریکن لڑکی اسے بار بار گردن گھما کر
دیکھ لیتی ہے۔ اس لڑکی کے بال سونے کی طرح سنہری تھے۔
اس نے سفید ریشمی قمیص اور جورڈیش کی نیلی جینز پہن رکھی تھی
ناگ سوچنے لگا کہ یہ لڑکی اسے کیوں تک رہی ہے؟ اتنے میں
وہ لڑکی اٹھ کر ناگ کے پاس آ گئی اور مسکرا کر بولی:

"کیا تم ملک شام کے رہنے والے ہو؟"

امریکہ میں اگر کوئی شخص کسی کو بلانا چاہے تو بلا جھجک بلا لیتا
ہے۔

ناگ نے کہا:

"نہیں۔ میں ملک مصر کا رہنے والا ہوں۔"

لڑکی نے ہاتھ بڑھا کر کہا:

"میرا نام شیلی ہے۔ شیلی شمٹ۔ اور تمہارا نام؟"

ناگ نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا:

"مجھے ناگ کہتے ہیں۔"

لڑکی نے سنہری بالوں کو پیچھے جھٹک کر چونکتے ہوئے کہا:

"یہ تو بھارت میں کوبرا سانپ کو کہتے ہیں۔"

ناگ حیران ہوا کہ اس امریکی لڑکی کو کوبرا سانپ کا کیسے
علم ہو گیا۔

لیکن لڑکی نے بہت جلد اس کی حیرانی دور کر دی:

"میں اپنے باپ کے ساتھ چھ سات برس بھارت کے
شہر مدراس میں رہ چکی ہوں۔ کیا تم میرے ساتھ کافی

پینا پسند کرو گے؟"

ناگ اس لڑکی کے ساتھ کاؤنٹر پر آ گیا اور وہ کافی پینے لگے۔ لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا:

"تم حیران ہو گے کہ میں نے تمہیں کیوں بلا لیا؟ بات اصل میں یہ ہے کہ یہاں ایک آدمی مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔ میں اسے پسند نہیں کرتی۔ میں نے تمہیں اس لیے اپنے ساتھ رکھ لیا ہے کہ اسے کہہ سکوں کہ میرا بوائے فرینڈ میرے ساتھ ہے۔ اس لیے میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتی۔ ہے تو یہ خود غرضی مگر مجھے امید ہے کہ تم میری اس خود غرضی کو معاف کر دو گے۔ میں اس آدمی کے ساتھ نہیں جانا چاہتی۔ وہ جرائم پیشہ آدمی ہے اور دو بار جیل جا چکا ہے۔"

ناگ مسکرایا:

"کوئی بات نہیں شیلی! میں تھوڑی دیر کے لیے تمہارا بوائے فرینڈ بننے کو تیار ہوں۔"

امریکی لڑکی نے آہستہ سے کہا:

"وہ آ رہا ہے۔"

ناگ نے گھوم کر دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ وہ خاموشی سے کاؤنٹر کے ساتھ لگ کر سٹول پر بیٹھا کافی پیتا رہا اتنے میں ایک بھاری بھرکم باکسر قسم کا امریکی وہاں آیا اور

اس نے شیلی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"شیلی! میرے ساتھ چلو۔"

شیلی نے اپنی گھبراہٹ چھپاتے ہوئے مسکرا کر کہا:

"سوری رکی! میرا بوائے فرینڈ میرے ساتھ ہے۔ پھر کبھی سہی۔"

ناگ نے دیکھا کہ امریکی بڑا طاقتور تھا اور شکل سے ہی قاتل اور ڈاکو لگ رہا تھا۔ اس نے شیلی کو بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا:

"تمہیں میرے ساتھ چلنا ہو گا۔"

شیلی نے ہاتھ جھٹک کر غصے سے کہا:

"تم میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے۔ میں پولیس کو بلا لوں گی۔"

دوسرے لوگ بھی ادھر دیکھنے لگے۔ امریکی بدمعاش رکی خاموش ہو گیا۔ غصے سے اس کا خون کھول رہا تھا۔ مگر وہ جانتا تھا کہ امریکہ میں کوئی کسی کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتا۔ غصے سے پھنکارتے ہوئے بولا:

"او۔ کے! میں تمہیں دیکھ لوں گا اور تمہارے اس بوائے فرینڈ سے بھی نمٹ لوں گا۔"

امریکی بدمعاش چلا گیا۔ شیلی پرس سے کنگھی نکال کر اپنے سنہری بالوں میں پھیرتے ہوئے بولی:

"میں ایک شریف باپ کی بیٹی ہوں۔ یہ غنڈہ میرے

پیچھے لگا ہوا ہے۔ مجھے تنگ کرتا رہتا ہے۔ میں پولیس
میں بھی رپورٹ کر چکی ہوں۔ مگر یہ پولیس کو جُل دے
کر بھاگ جاتا ہے۔ اب تو مجھے اس سے جان کا
خطرہ پڑ گیا ہے۔"

ناگ خاموش بیٹھا تھا۔ اس نے کہا:

"کیا اب میں جا سکتا ہوں؟ تمہارا دشمن چلا گیا ہے۔"

شیلی نے بے اختیار ناگ کا ہاتھ پکڑ کر کہا:

"کیا تم مجھے میرے گھر نہیں پہنچاؤ گے۔ میں تمہاری بہت
بہت شکر گزار ہوں گی۔"

ناگ کہنے لگا:

"اگر تم چاہتی ہو تو میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑے دیتا
ہوں۔ تم کہاں رہتی ہو؟"

"ڈیل سٹی میں — یہاں سے بیس منٹ کا راستہ ہے۔ میرے
پاس کار ہے۔"

ناگ امریکی لڑکی شیلی کو لے کر ہوٹل کی لابی سے باہر نکل آیا۔
باہر کتنی ہی موٹر کاریں کھڑی تھیں۔ سڑک پر بھی موٹریں آ جا رہی
تھیں۔ سرد ہوا چل رہی تھی۔ آسمان پر ہلکے سے بادل چھائے
ہوئے تھے۔ ناگ امریکی لڑکی شیلی کے ساتھ کار کی اگلی سیٹ پر
بیٹھ گیا۔ شیلی نے کار پارکنگ لاٹ سے باہر نکالی اور سڑک پر
آ گئی۔ وہ روٹ ففٹی سے نکل کر ڈیل سٹی جانے والی سڑک پر

آئی تو اس نے کار کے شیشے میں سے پیچھے دیکھ کر کہا:

"وہ ہمارا تعاقب کر رہا ہے۔"

ناگ نے کہا:

"پھر کیا ہوا۔ وہ تمہارا کیا کر لے گا۔"

شیلی گھبرا گئی تھی۔ کہنے لگی:

"وہ میری جان کا دشمن ہے۔ مجھے اس سے اپنی جان
کا خطرہ ہے۔ یہ پہلے بھی ایک لڑکی کو قتل کر کے
جیل بھگت چکا ہے۔"

ناگ نے سکون سے کہا:

"تم خاموشی سے موٹر چلاؤ۔ کچھ نہیں ہو گا۔"

امریکی غنڈہ رکی اپنی موٹر کو نکال کر شیلی کی کار کے برابر
لے آیا اور اس کی طرف غضب ناک نظروں سے دیکھ کر چلایا:

"تم مجھ سے بچ کر کہیں نہیں جا سکو گی شیلی! اب بھی
وقت ہے میرے ساتھ چلی چلو۔ میں تم سے شادی کرنا
چاہتا ہوں۔"

شیلی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس وقت بوندا باندی شروع
ہو گئی۔ ڈیل سٹی کا علاقہ واشنگٹن شہر سے پچاس میل کے
فاصلے پر تھا۔ کار ایک ویران سڑک پر جا رہی تھی۔
جس کے پاس درختوں کے
جھنڈ تھے۔ غنڈہ رکی کار کو آگے لے گیا اور پھر شیلی کی کار کو

مجبور کر دیا کہ وہ سڑک کی ایک طرف کچی سڑک پر جنگل کی طرف اتر جائے۔ شیلی مجبور ہو گئی۔ اگر وہ جنگل والی کچی سڑک پر نہ آتی تو اس کی موٹر اُلٹ جاتی۔ جنگل میں آ کر امریکی غنڈے نے کار روک دی اور باہر نکل کر شیلی کی کار کے بونٹ پر زور سے لات مار کر بولا:

"اب میں دیکھوں گا کہ تمہارا بوائے فرینڈ تمہیں مجھ سے کیسے بچاتا ہے۔ سیدھی طرح میرے ساتھ چلی چلو۔"

اس کے ساتھ ہی امریکی غنڈے نے پستول نکال لیا۔ امریکی لڑکی شیلی کا رنگ زرد ہو گیا۔ اس کے ہونٹ کپکپانے لگے۔ ناگ نے شیلی سے کہا:

"جیسے میں کہتا ہوں۔ ویسے ہی کرو۔ چپکے سے اس کی موٹر میں جا کر بیٹھ جاؤ۔ باقی میں سنبھال لوں گا"

شیلی ڈرتی ڈرتی کار سے باہر نکل آئی۔ امریکی غنڈے نے مکارانہ ہنسی کے ساتھ کہا:

"میرے دل کا اور میری کار کا دروازہ کھلا ہے۔ اگر تم نے کسی قسم کی کوئی حرکت کی تو میرے پستول کی گولی اپنا نشانہ خوب پہچانتی ہے۔"

شیلی نکلنے کو تو گاڑی سے باہر نکل آئی تھی مگر اس نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ مرنا گوارا کر لے گی مگر ایک قاتل اور غنڈے کے ساتھ شادی نہیں کرے گی۔ وہ پیچھے سے ہو

کر کار کی اگلی سیٹ کی طرف آئی تو اس نے دیکھا کہ جنگل میں درختوں کے درمیان ایک راستہ جاتا تھا۔ وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ ذرا جھکی اور جنگل کو جانے والے راستے پر بھاگ نکلی۔ غنڈے نے گولی چلا دی۔ شیلی بچ گئی تھی۔ امریکی قاتل اس کے پیچھے بھاگ کھڑا ہوا۔ ناگ یہ سارا ڈرامہ دیکھ رہا تھا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ وہ ایک بے گناہ امریکی لڑکی کی مدد کرے۔

ناگ گاڑی میں سے نکل کر جنگل کے درختوں میں تیز تیز قدموں سے ایک طرف چلنے لگا۔ یہ پہاڑی جنگل تھا اور بہت گنجان تھا۔ جگہ جگہ جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ شیلی جنگل میں بھاگی جا رہی تھی۔ امریکی قاتل اس کے پیچھے لگا تھا۔ شیلی چھوٹے ٹیلوں پر سے ہو کر دوسری طرف نکل گئی۔ امریکی قاتل بھی اس طرف آ گیا۔ شیلی درختوں اور جھاڑیوں میں گم ہو گئی تھی۔ قاتل غصے میں لال سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے دو تین فائر بھی کیے۔ وہ ٹیلے کی چڑھائی چڑھ کر پہاڑی کی چوٹی پر آ گیا۔ دوسری طرف گہری کھڈ تھی۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ وہ شیلی کو گالیاں دے رہا تھا اور بار بار چیختا تھا:

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس جنگل میں تمہاری قبر بنے گی۔ جہاں ہو باہر نکل آؤ۔"

اچانک ایک درخت کے پیچھے سے ایک آدمی نکل کر اس کے سامنے آ گیا۔ امریکی قاتل ہکی نے پستول تان لیا۔ پھر پستول اس

کے ہاتھ میں پکڑا رہ گیا۔ اس میں اتنی جرأت نہ ہوئی کہ گولی چلائے۔ وہ
پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے سامنے کھڑے آدمی کو تک رہا تھا۔
وہ جو کچھ دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔
اس کے سامنے بالکل اسی کی شکل کا ایک اور امریکی قاتل
کھڑا تھا۔ ہو بہو وہی شکل۔ وہی ناک نقشہ۔ اس کے ہاتھ
میں پستول نہیں تھا۔ یہ ناگ تھا جو خفیہ منتر پڑھ کر امریکی
قاتل بکی کی شکل اختیار کر کے اس کے سامنے آ گیا تھا۔

ناگ نے مسکرا کر کہا:

"کیا تم اپنے آپ پر گولی چلاؤ گے۔ میں تمہارا ہم زاد ہوں
ہمیشہ تمہارے ساتھ ساتھ رہتا ہوں۔ اب اس لڑکی کی
جان بچانے کے لیے تمہارے سامنے آ گیا ہوں۔ دیکھ
لو میری شکل تمہاری شکل ہے۔ میرا قد کاٹھ اور جسم اور
لباس بالکل تمہاری طرح کا ہے۔ اگر تم مجھ پر گولی
چلاؤ گے یہ گولی سیدھی تمہارے دل میں جا کر لگے گی۔
میں تو زندہ رہوں گا۔ کیوں کہ میں تمہارا ہم زاد ہوں۔
مگر تم ہلاک ہو جاؤ گے۔"

امریکی قاتل بکی کی گھگھی بندھ گئی تھی۔ رنگ فق تھا۔ ہونٹ
خشک ہو گئے تھے۔ اس نے ایسا منظر زندگی میں پہلے کبھی نہیں
دیکھا تھا۔ اس کے ہاتھ سے پستول گر گیا اور وہ ڈر کر پیچھے ہٹنے
لگا۔ ناگ نے ہاتھ اٹھا کر کہا:

"تمہارے پیچھے کھڈ ہے۔ ادھر مت جاؤ۔"

مگر امریکی قاتل دہشت زدہ تھا۔ وہ پیچھے ہٹتا گیا اور
پھر اس سے پہلے کہ ناگ اسے پکڑے وہ ایک چیخ کے ساتھ
نیچے گہری کھڈ میں جا گرا۔ ناگ نے پستول بھی اس کے ساتھ
ہی کھڈ میں پھینک دیا اور واپس پلٹا تو سامنے امریکی لڑکی
شیلی کھڑی تھی۔ اس نے اپنے سامنے امریکی قاتل کو دیکھا تو
چیخ مار کر پیچھے بھاگی۔ ناگ لپک کر جنگل میں دوسری طرف نکل گیا۔
ایک جگہ جھاڑیوں کے پاس جا کر اس نے اپنی اصلی شکل اختیار
کی اور ایک چکر کاٹ کر شیلی کے راستے میں آ کر کھڑا ہو گیا۔
سامنے سے شیلی بھاگتی ہوئی آ رہی تھی۔

ناگ کو دیکھ کر وہ چلائی:

"وہ میرا پیچھا کر رہا ہے۔ مجھے بچاؤ۔"

ناگ نے اسے اپنے بازوؤں میں تھام لیا اور تسلی دیتے
ہوئے کہا:

"ڈرو نہیں شیلی! وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔"

"مگر میں نے اسے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ وہ
ٹیلے کی چوٹی پر کھڑا تھا۔"

ناگ نے کہا:

"یہ تمہارا وہم تھا۔ آؤ میں تمہیں اس کی لاش دکھاتا ہوں۔"

اور ناگ شیلی کو لے کر ٹیلوں میں سے ہوتا نیچے کھڈ میں

آ گیا۔ یہاں امریکی قاتل کی لاش پتھروں میں بے جان پڑی تھی
شیلی کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ کیوں کہ اس نے
خود اپنی آنکھوں سے امریکی قاتل کو زندہ حالت میں ابھی ابھی
پہاڑی کی چوٹی پر دیکھا تھا۔ ناگ اسے ساتھ لے کر کچی سڑک
پر آ گیا جہاں شیلی کی گاڑی کھڑی تھی۔ شیلی اس پریشانی سے
گزرنے کے بعد کمزور اور نیم جان سی دکھائی دے رہی تھی۔
اس نے ناگ سے کہا:

"مجھے میرے گھر چھوڑ آؤ۔"

ناگ اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ شیلی گاڑی
سٹارٹ کر کے اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔ شیلی کا گھر سٹ
ڈیل میں دریائے پوٹامک کے شمالی کنارے سے کوئی دو سو
گز کے فاصلے پر تھا۔ یہ درختوں میں گھرا ہوا لکڑی کا ایک پرانا
سا کاٹج تھا۔ جس کی چمنی میں سے دھواں نکل رہا تھا۔ سامنے
احاطے میں مرغیاں دانہ چگ رہی تھیں۔ شیلی نے مکان کے
سامنے گاڑی روک دی:

"میں تمہیں اپنے باپ سے ملاتی ہوں۔ وہ تمہیں مل کر
بڑا خوش ہو گا اور تمہارا شکریہ ادا کرے گا کہ تم نے
اس کی بیٹی کی عزت بچائی ہے۔"

ناگ نے گاڑی سے اترتے ہوئے پوچھا:

"تمہارا باپ کیا کرتا ہے؟"

شیلی نے کہا:

"وہ کلبوں اور ہوٹلوں میں جا کر سانپوں کے کھیل تماشے
دکھاتا ہے۔ اس نے کتنے ہی سانپ پال رکھے ہیں۔
آؤ۔ تمہیں دکھاتی ہوں۔"

ناگ ایک دم سے ٹھٹھک گیا۔ وہ ایسے آدمی سے نہیں
ملنا چاہتا تھا۔ مگر شیلی اسے ہاتھ سے پکڑ کر مکان کے اندر
لے گئی۔ شیلی کا باپ چولہے کے پاس کھڑا انڈا تل رہا تھا۔
گول میز پر کافی کی چینک اور پیالیاں پڑی تھیں۔ بند کمرہ
گرم تھا اور عجیب قسم کی پر اسرار سی بو پھیلی ہوئی تھی۔ شیلی
نے ناگ سے اپنے باپ کا تعارف کروایا اور سارا ماجرا بیان
کیا۔ شیلی کے باپ نے ناگ کو غور سے دیکھا اور ذرا سا
چونکا۔ پھر مسکرایا اور ناگ کا شکریہ ادا کرنے لگا کہ اس نے
اس کی بیٹی کی جان بچائی۔ شیلی کا باپ ادھیڑ عمر کا دبلا سا امریکی
تھا۔ سر درمیان سے گنجا تھا۔ رنگ امریکیوں کی طرح گورا نہیں
تھا۔ سانولا سا ہو گیا تھا۔ صاف لگتا تھا کہ وہ افریقہ اور ہندوستان
کے گرم جنگلوں میں سانپوں کی تلاش میں گھومتا پھرتا رہا ہے۔
آنکھوں میں ایک مقناطیسی چمک تھی۔ ناگ اس سے ملنے کو
بالکل تیار نہیں تھا مگر تقدیر اسے امریکی لڑکی پورشیا کی عذاب
میں گرفتار روح کی نجات کے لیے یہاں لے آئی تھی۔ یہ ہمیں
آگے چل کر معلوم ہو گا۔

شیلی کے باپ کا نام گرینڈلے تھا۔ وہ سانپوں کا بڑا ماہر
تھا اور اس کی ساری زندگی سانپوں کو پکڑتے اور ان سے
کھیل تماشے کرتے گذری تھی۔ ناگ نے سوچا کہ اسے وہاں
سے چلے جانا چاہیے۔ خوامخواہ سانپوں کے چکر میں پڑنے کی
کیا ضرورت ہے۔ ابھی اسے مسلمان بزرگ یاقوت یمانی کی تلاش
کی مہم پر بھی نکلنا تھا۔ اس نے پورشیا کے باپ گرینڈلے سے
اجازت لینی چاہی تو وہ بولا:

"نہیں بیٹا تمہیں ہمارے ساتھ کھانا کھا کر جانا ہوگا اور
پھر آج واشنگٹن کے کولمبس ہوٹل میں میرا تماشہ بھی ہے۔
میں چاہتا ہوں کہ تمہیں اپنے ساتھ لے چلوں۔ وہاں سو
ڈالر ٹکٹ ہے۔ مگر تم میرے ساتھ مفت چلو گے"۔

ناگ نے فیصلہ کیا کہ وہ کھانا کھا کر چلا جائے گا۔ گرینڈلے
نے ناگ اور شیلی کے ساتھ مل کر ناشتہ کیا اور پھر ناگ کو
اپنے سانپ دکھانے مکان کی دوسری منزل پر لے گیا۔ یہاں
شیشے کے مرتبانوں میں کئی قسم کے چھوٹے بڑے زہریلے پھندار
سانپ بند تھے۔ ناگ کے دوسری منزل پر آتے ہی سانپوں
میں ایک ہل چل سی مچ گئی۔ مرتبانوں میں انہوں نے اچھلنا
اور پھنکارنا شروع کر دیا۔ گرینڈلے نے ایک مرتبان کی طرف
ہاتھ بڑھایا تو سانپ زور سے پھنکارے۔ اس نے ہاتھ پیچھے
ہٹاتے ہوئے کہا:

"آج انہیں کیا ہو گیا ہے۔ یہ تو بڑے غضب ناک
ہو رہے ہیں"۔

ناگ کو معلوم تھا کہ سانپ اس کی وجہ سے بے چین ہو
رہے ہیں۔ سانپوں نے ناگ دیوتا کی مقدس بو سونگھ لی تھی۔
اور اب وہ بے تاب تھے کہ مرتبانوں سے باہر نکل کر ناگ
دیوتا کو سجدہ کریں۔ ناگ خاموش رہا۔ شیلی کا باپ بڑا حیران
تھا کہ ان سانپوں کو آج کیا ہو گیا ہے۔ وہ تو اسے دیکھ کر
بڑے سکون اور پیار کے ساتھ اپنی دُمیں ہلایا کرتے تھے۔
ان سانپوں میں ایک سانپ رٹیل سینک بھی تھا جسے چند
روز ہوئے گرینڈلے نے کیلی فورنیا کے صحرا میں پکڑا تھا۔
یہ سانپ بھی مرتبان میں بڑے جوش میں چکر لگا رہا تھا۔
گرینڈلے بولا:

"میرا خیال ہے موسم کے اثر کی وجہ سے سانپ بے چین
ہیں۔ ابھی نیچے چلتے ہیں۔ کھانے کے بعد تمہیں ان
کے تماشے دکھاؤں گا۔ یہ میرے دوست ہیں۔ کئی
سانپ تو رات کو میرے ساتھ بستر میں سو جاتے ہیں"۔

گرینڈلے ناگ کو لے کر مکان کی نچلی منزل میں آ گیا:
شیلی دوپہر کا کھانا تیار کرنے میں لگی ہوئی تھی۔ گرینڈلے
اور ناگ میز پر بیٹھ گئے" اور گرینڈلے ناگ کو افریقہ کے
جنگل کے قصے سنانے لگا کہ کس طرح وہ تن تنہا دلدلی جنگل

میں نکل جاتا اور سانپوں کو زندہ پکڑتا۔ شیلی کسی کام سے
مکان کی دوسری منزل میں گئی۔ تھوڑی دیر بعد اوپر سے اس
کی چیخ کی آواز سنائی دی۔ اس کا باپ گرینڈلے اور ناگ
بھاگ کر اوپر گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک مرتبان کا ڈھکنا کھلا
پڑا ہے اور اس میں سے ریٹل سینک باہر نکل کر شیلی کی گردن
سے لپٹا ہوا ہے۔ شیلی کی آنکھیں باہر کو اُبل آئی تھیں اور
اس کے منہ سے ہلکی ہلکی چیخیں نکل رہی تھیں۔ اس کے
باپ نے کہا:

"حرکت نہ کرنا شیلی۔ میں آ رہا ہوں۔"

اس سے پہلے کہ ناگ سانپ کو اترنے کا حکم دیتا گرینڈلے
نے ایک ہاتھ سے اپنے گلے میں ٹنگے ہوئے تعویذ کو قمیض سے
باہر نکالا۔ اسے سانپ کے آگے لہرایا اور کہا:

"یمانی کے حکم سے واپس چلا جا۔"

یمانی کا نام سن کر ناگ چونک پڑا۔ سانپ بھی یمانی کا
نام سن کر وہیں نرم پڑ گیا اور بڑے آرام سے شیلی کی گردن
سے اتر کر مرتبان میں داخل ہو گیا۔ گرینڈلے نے جلدی سے
مرتبان کا ڈھکنا بند کر دیا۔ دوسرے مرتبانوں میں سانپ ایک بار
پھر ناگ کو دیکھ کر جوش میں آ گئے تھے اور باہر نکلنے کی کوشش
کر رہے تھے۔ گرینڈلے نے اپنی نیم بے ہوش بیٹی شیلی کو گلے
سے لگا لیا اور نیچے لا کر گرم گرم دودھ پلایا تو اس کی جان

میں جان آئی۔

"یہ ابھی وحشی سانپ ہے۔ دو ایک روز میں ٹھیک
ہو جائے گا۔"

شیلی نے بتایا کہ وہ غضبناک ہو کر مرتبان سے باہر آ گیا
تھا اور پھر اس کی گردن سے لپٹ گیا۔ ناگ نے گرینڈلے سے
پوچھا کہ یہ یمانی کون تھا جس کا تعویذ اس نے اپنے گلے میں ڈال
رکھا ہے۔

گرینڈلے کہنے لگا:

"پچھلے سال میں سانپوں کی تلاش میں ہندوستان کے شہر
مدراس گیا ہوا تھا۔ وہاں میں نے ایک بزرگ کی بڑی
خدمت کی۔ انہوں نے مجھے یہ تعویذ دے کر کہا کہ کتنا
ہی زہریلا سانپ کیوں نہ ہو یہ تعویذ اسے دکھا کر یمانی
کا حکم سنانا وہ تمہارا غلام ہو جائے گا۔"

ناگ نے پوچھا:

"کیا اس بزرگ کا نام یمانی تھا؟"

گرینڈلے نے کہا:

"نہیں۔ یمانی اس بزرگ کے مرشد کا نام ہے۔"

"وہ کہاں رہتے ہیں؟" ناگ نے پوچھا۔

گرینڈلے بولا:

"یہ مجھے نہیں معلوم۔"

ناگ نے پوچھا:

"مدراس میں یہ بزرگ جو یمانی کے مرید ہیں کس مقام پر ہیں اور ان کا نام کیا ہے؟"

گرینڈلے نے ناگ کو بتایا کہ اس بزرگ کا نام القادری تھا اور وہ مدراس سے چار سو میل دور رامیشورم کے پرانے مندروں کو جانے والی سڑک کے کنارے ایک پرانی مسجد کے حجرے میں رہتے ہیں۔

"مگر تم یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہے ہو؟" گرینڈلے نے سوال کیا۔

ناگ مسکرا دیا:

"بس یونہی۔ اپنی معلومات کے لیے۔"

شام کو پورشیا کا باپ ناگ کو اپنے ساتھ کولمبس ہوٹل لے جانے کی تیاری کرنے لگا۔ اس نے سانپوں کے بادشاہ کا سا لباس پہنا اور دوسری منزل میں آ کر سانپوں کے مرتبانوں کے پاس آیا کہ انہیں اٹھا کر سوٹ کیس میں بند کر کے کولمبس ہوٹل اپنے ساتھ لے جا کر وہاں کھیل دکھائے۔ ناگ کو دیکھ کر سانپ پھر جوش میں آ گئے تھے۔ گرینڈلے حیران تھا کہ یہ قصہ کیا ہے۔ انہیں آج کیا ہو رہا ہے۔

"ایسا لگتا ہے کہ یہ مجھے آج کھیل نہیں دکھانے دیں گے۔"

جونہی شیلی کا باپ گرینڈلے سانپوں کے مرتبانوں کے پاس

آیا سانپوں نے مرتبانوں کے ڈھکن تڑاخ سے توڑ ڈالے اور سارے سانپ مرتبانوں سے باہر نکل آئے۔ وہ پریشان ہو کر پیچھے تو ہٹا کہ سانپوں کو قابو میں کرے مگر سانپوں نے اپنے پھن اور گردنیں اٹھائیں اور ناگ کے سامنے آ کر کنڈلیاں مار کر بیٹھ گئے اور جھومنے لگے۔ پھر سارے کے سارے سانپ سجدے میں گر گئے اور اپنے سر ناگ کے سامنے فرش پر لگا دیئے۔

گرینڈلے کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ کبھی وہ سانپوں کو اور کبھی ناگ کو حیرانی سے تکتا۔ ناگ نے اپنا ہاتھ فضا میں بلند کیا اور سانپوں کی زبان میں کہا:

"میں نے تمہاری سلامی قبول کی۔ اب تم واپس مرتبانوں میں چلے جاؤ تا کہ تمہارا مالک ہوٹل میں جا کر تماشا دکھا سکے۔ یہ اس کی روزی کا معاملہ ہے۔"

سانپوں نے فرش کے ساتھ لگی ہوئی گردنیں اٹھائیں اور بڑی خاموشی سے اپنے اپنے مرتبانوں میں چلے گئے۔ پورشیا کا باپ اور زیادہ حیران ہوا جب سانپ مرتبانوں میں چلے گئے اس نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا:

"یہ میں نے کیا دیکھا ہے؟ سچ سچ بتاؤ تم کون ہو؟"

ناگ نے کہا: "میں بھی تمہاری طرح سانپوں کا ماہر ہوں۔"

گرینڈلے نے کہا: "نہیں۔ سانپوں نے تمہیں سجدہ کیا ہے۔

وہ سانپوں کے ماہر کو سجدہ کرتے تو سب سے پہلے مجھے سجدہ کرتے۔ تم کوئی اور شے ہو۔"

ناگ نے کہا: "میں تو محض ایک انسان ہوں۔"

اتنا کہہ کر ناگ نے گہرا سانس لیا اور زرد رنگ کی چڑیا بن کر اڑ گیا۔ گرینڈلے کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ ناگ اُڑ کر دریا کے کنارے آ گیا اور انسانی شکل میں آ کر واشنگٹن کے ہوائی اڈے ڈیلیس ائرپورٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اب اس کی منزل ہندوستان کا شہر مدراس تھی جہاں وہ القادری بزرگ سے مل کر یاقوت یمانی بزرگ کی روح سے عذاب میں گرفتار امریکی لڑکی کی روح کی معافی کی سفارش کرنا چاہتا تھا۔

○

ناگ کی چھ سو سال پہلے کے بزرگ یاقوت یمانی سے ملاقات کیسے ہوئی؟

عنبر مصر میں کس مقام پر ظاہر ہوا؟

ماریا پر ایک لونڈی کی شکل میں کیا گزری؟

ان تینوں کی ملاقات کہاں ہوئی؟

ان سوالوں کے جواب عنبر ناگ ماریا کی واپسی کی اگلی قسط میں پڑھیے گا جس کا نام "ناگ اور ناگن رنگامتی" ہے۔

عنبر ناگ ماریا

موت کے تعاقب کی وا...

۵ ہزار سالہ سفر کی پُراسرار اور سنسنی خیز داستان

مُصنّف: اے حمید

پتا مکتبہ اقرأ ۱۴۔ بی شاہ عالم مارکیٹ، لاہور

ناگ اور ناگن
رنگا متی

۵۵

اے حمید

نیا مکتبہ اقرأ

ناگ، ماریا اور عنبر کی واپسی

کے پانچ ہزار سالہ سفر کی سنسنی خیز داستان

ناگ اور ناگن زلگامتی

اے حمید

بار اوّل ـــ ۱۹۸۳ء

ناشر: نیا مکتبہ اقرا، ۴۳ بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور
طابع: الفرید پرنٹرز، لاہور

قیمت: سات روپے

ترتیب

پیارے دوستو!

ناگ عذاب میں گرفتار امریکی لڑکی کی روح کی نجات
کے لیے بزرگ یاقوت یمانی کی تلاش میں ملک ہندوستان کو
روانہ ہو گیا اور ادھر ماریا آٹھ سو برس آگے مصر کی رومن
سلطنت میں کنیز بنا کر ایک شیطان کیمیاگر ہتھاروکیش کو تحفے
میں دے دی جاتی ہے۔ ماریا کی ساری طاقت ضائع ہو
چکی ہے اور وہ غائب حالت میں نہیں ہے۔ یہاں اس
کا خون نکال کر روزانہ ایک ایسی لاش کو دیا جا رہا
ہے جسے شیطان ہتھاروکیش زندہ کرنا چاہتا ہے اور اس پر
ایک خوفناک تجربہ کر رہا ہے۔ ماریا یہاں سے کیسے نکلتی
ہے۔ لاش زندہ ہو کر کیا کرتی ہے؟ ماریا کی طاقت کیسے
واپس آتی ہے۔ عنبر مصر میں ناگ اور ماریا کی تلاش میں
کیسے ایک ایسی پُراسرار حویلی میں پہنچ جاتا ہے جہاں
دولہن شہزادی اور دولہا شہزادے کا تین سو برس پرانا دردناک

واقعہ اماوس کی ہر تاریک رات کو دہرایا جاتا ہے۔ اُدھر ناگ
کی ہندوستان کے ایک جنگل میں ایک ایسی لڑکی سے
ملاقات ہوتی ہے جس کا نام رنگامنی ہے اور جو خود ایک
ناگن ہے اور لڑکی کے روپ میں ایک کالج میں لڑکیوں کو
پڑھا رہی ہے۔ حیرت انگیز دلچسپ اور رونگٹے کھڑے کر
دینے واقعات کے ساتھ عنبر ناگ ماریا کی واپسی کی قسط نمبر
آپ کی خدمت میں ہے۔ شوق سے پڑھیے۔

آپ کا دوست
اے حمید

عذاب میں گرفتار روح

ناگ اب پر اسرار بزرگ یاقوت یمانی کی تلاش میں تھا۔
اس کی آنکھوں کے سامنے اس خوبصورت امریکی
لڑکی کی روح کی تصویر پھر رہی تھی جسے اس نے واشنگٹن
کے ایک ہوٹل کے کمرہ نمبر ۱۱۰۳ میں آدھی رات کو
دیکھا تھا۔ جس کی گردن میں پھانسی کا پھندا تھا جس
کے بال کھلے تھے۔ اور جس کے ہونٹوں سے درد کی دبی
دبی چیخیں نکل رہی تھیں۔ اس لڑکی نے چھ سو برس پہلے
ایک مسلمان بزرگ یاقوت یمانی کو زہر دے کر ہلاک کر
دیا تھا جس کی سزا اسے یہ ملی کہ ایک بہت بڑے بُت
نے اس کی گردن میں رسّی ڈال کر پھانسی دے دی۔ اب
اس لڑکی کی روح چھ سو برس سے بھٹک رہی تھی۔ اس کی
گردن میں پھانسی کا پھندا تھا۔ اور اس نے درد سے کراہتے
ہوئے ناگ سے فریاد کی تھی کہ وہ پر اسرار مسلمان بزرگ
یاقوت یمانی سے کہے کہ وہ اسے معاف کر دے تاکہ اس

کی عذاب میں گرفتار روح کو نجات مل سکے۔

ناگ کو شیلی کے باپ سے یہ معلومات ملی تھیں کہ
ہندوستان کے شہر مدراس سے چار سو میل دور رامیشورم کے
مندروں کو جانے والی سڑک کے کنارے کچھ دور جنگل میں
ایک پرانی مسجد کے حجرے میں القادری نام کے ایک پارسا
بزرگ مسلمان بزرگ رہتے ہیں۔ ان سے یاقوت یمانی کا پتہ
معلوم کیا جا سکتا ہے۔

بزرگ یاقوت یمانی کو بظاہر وفات پائے چھ سو برس
گذر چکے ہیں۔ ناگ کو اس بات سے بھی پریشانی تھی کہ وہ
ایک مرے ہوئے بزرگ سے یا اس کی روح سے کہاں اور
کس طرح ملاقات کر سکے گا۔ بہرحال وہ اللہ کا نام لے کر
چل پڑا تھا۔ اس کے دل میں صرف ایک ہی خیال تھا کہ
اس نے ایک عذاب میں گرفتار روح کی مدد کرنی ہے اور اسے
دردناک عذاب سے نجات دلانی ہے۔

ناگ واشنگٹن کے علاقے ڈیل سٹی کے بس سٹاپ پر آ کر
ایک بس میں سوار ہوا جس نے اسے شہر میں پہنچا دیا۔ یہاں
ایک فضائی کمپنی کے دفتر سے وہ ائیر لائن کی بس میں سوار
ہو کر واشنگٹن کے دوسرے بڑے ہوائی اڈے ڈیلس ائیرپورٹ
پر آ گیا۔ اس نے وہاں سے معلوم کر لیا تھا کہ برٹش ائیرویز

کا ایک جہاز رات نو بجے نیویارک کی ائیرپورٹ سے لندن روانہ
ہو گا۔ ڈیلس ائیرپورٹ سے ناگ کسی بھی ہوائی جہاز میں سوار
ہو کر شام سے پہلے پہلے نیویارک پہنچ جانا چاہتا تھا۔ اس
کے پاس نہ تو پاسپورٹ تھا اور نہ ٹکٹ تھی۔ اسے ان کی ضرورت
بھی نہیں تھی۔

ڈیلس ائیرپورٹ پر آ کر اسے معلوم ہوا کہ T.W.A کا ایک
جہاز ایک گھنٹے بعد نیویارک کو روانہ ہونے والا ہے۔ کاؤنٹر
پر مسافر اپنا اپنا سامان رکھوا رہے تھے۔ ناگ وہاں سے نکل
کر ائیرپورٹ کے لاؤنج میں کافی شاپ پر آ کر بیٹھ گیا۔ اس
نے گرم لمبا کوٹ اور سر پر ہیٹ پہن رکھا تھا۔ اس کی
جیب میں چند ایک ڈالر تھے۔ اس نے کافی کا ایک چھوٹا
گلاس خریدا اور کرسی پر بیٹھ کر ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگا۔
اس کے بالکل سامنے گیٹ نمبر دس تھا۔ تھوڑی دیر بعد
لاؤڈ سپیکروں پر انگریزی میں اعلان ہوا۔

خواتین و حضرات! نیویارک جانے والا T.W.A کا
طیارہ پرواز کے لیے تیار ہے۔ براہ مہربانی گیٹ
نمبر گیارہ سے تشریف لائیں"

گیٹ نمبر گیارہ قریب ہی تھا۔ امریکی عورتیں اور مرد
ہاتھوں میں بریف کیس تھامے گیٹ نمبر گیارہ کی طرف چل پڑے

ناگ نے کافی شاپ کی لڑکی سے پوچھا کر باتھ روم کدھر ہے؟ اور سیدھا باتھ روم میں چلا گیا۔ دروازہ بند کر کے اس نے باتھ روم کا جائزہ لیا۔ دروازے کے اوپر ایک چوکور خانہ تھا جس کی جالی اوپر کو اٹھی ہوئی تھی۔ ناگ نے گہرا سانس لے کر ایک چھوٹی سی زرد چڑیا کی شکل اختیار کی اور دروازے کے اوپر والے چوکور خانے کی جالی کے نیچے سے اڑ کر باہر نکل گئی۔

کافی شاپ والی لڑکی نے جب دیکھا کہ کافی دیر گذر گئی ہے اور جو آدمی باتھ روم میں گیا تھا باہر نہیں آیا تو اس نے ائرپورٹ کی سیکورٹی کو اطلاع کر دی۔ سیکورٹی والے فوراً وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے دروازے کو بار بار کھٹکھٹا کر آوازیں دیں مگر اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ انہوں نے تالا توڑ کر دروازہ کھولا تو باتھ روم خالی تھا۔

سیکورٹی افسر نے کافی شاپ کی لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا:

"باتھ روم تو خالی ہے؟"

لڑکی حیرانی سے بولی:

"مگر میری آنکھوں کے سامنے ایک آدمی اندر گیا تھا۔ اس نے لمبا کوٹ پہن رکھا تھا۔ اس کے سر پر ہیٹ تھا۔ اور اس کی عمر زیادہ نہیں تھی اور

اس کا قد...."

وہ باتیں کرتی جا رہی تھی کہ سیکورٹی افسر نے اپنے ساتھی سے کہا:

"آئندہ اس لڑکی کی شکایت پر کبھی کان نہ دھرنا اس کے دماغ کا کوئی پرزہ ڈھیلا ہو گیا ہے۔"

وہ بے چاری سچی تھی۔

کیوں کہ ناگ باتھ روم میں گیا تھا اور اب وہ ملک کی اندرونی پرواز کے ایک طیارے میں ایک ننھی سی چڑیا کی شکل میں کسی نہ کسی طرح گھس کر فسٹ کلاس کے کیبن میں ایک آرام دہ سیٹ کے نیچے دبکا بیٹھا تھا۔ طیارہ رن وے سے بلند ہو کر نیویارک کی طرف پرواز کر گیا۔ موسم خراب تھا۔ بادل چھائے ہوئے تھے۔ طیارہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد ہچکولے کھا رہا تھا۔ ڈیڑھ گھنٹے بعد طیارہ نیویارک پہنچ گیا۔ یہاں سے ناگ ایک بہت بڑے جمبو جیٹ طیارے میں سوار ہو گیا۔ نیویارک سے یہ جمبو جیٹ طیارہ رات کے نو بجے روانہ ہوا اور ساڑھے سات گھنٹوں کے بعد لندن کے ہیتھرو ائرپورٹ پر اتر گیا۔ لندن میں صبح ہو رہی تھی۔ ناگ چڑیا کی شکل میں ائرپورٹ کے لاؤنج کے ایک باتھ روم میں آ گیا۔ باتھ روم خالی تھا۔ ناگ نے

پھر سے انسانی شکل اختیار کی اور منہ ہاتھ دھو کر باہر آ گیا۔

لندن اسے تین گھنٹے انتظار کرنا پڑا۔ انڈین ائرلائنز کا ایک ہوائی جہاز دن کے سات بجے نئی دلی روانہ ہونے والا تھا۔ ناگ اس جہاز میں سوار ہو کر نئی دلی پہنچنا چاہتا تھا۔ وہ تین گھنٹے ائرپورٹ پر ادھر اُدھر گھومتا پھرتا رہا۔ اس کے دل میں بار بار عنبر اور ماریا کا خیال آ رہا تھا کہ وہ کہاں ہوں گے۔ کس عالم میں ہوں گے۔ ظاہر ہے وہ تاریخ میں چار سو برس پیچھے کی جانب چلے گئے تھے جب کہ ناگ بیسویں صدی ہی میں اکیلا رہ گیا تھا اور اب ایک عذاب میں پھنسی ہوئی روح کی نجات کی خاطر ہندوستان کے دور دراز جنگلوں کی جانب بزرگ یاقوت یمانی کی تلاش میں روانہ ہو رہا تھا۔ پھر اسی طرح ننھے سے پرندے کا روپ بدل کر ناگ انڈین ائرلائنز کے جمبو جیٹ طیارے میں سوار ہو گیا اور جہاز ایک زبردست گڑگڑاہٹ کے ساتھ پرواز کر کے نئی دلی کی طرف چل پڑا۔

ناگ کو ہم انڈین ائرلائنز کے اس ہوائی جہاز میں چھوڑتے ہیں اور ذرا تاریخ میں چار سو سال پیچھے جا کر یہ معلوم کرتے ہیں کہ ماریا اور عنبر کس حال میں ہیں۔

پیارے بچو! اس سے پہلی قسط یعنی ناگ اور سپیرن میں تم پڑھ چکے ہو کہ ایک پراسرار غار میں سے گزرتے ہوئے ماریا کو سفید غبار نے اپنے گھیرے میں لے لیا اور جب وہ غار سے باہر نکلی تو وہ غائب نہیں تھی بلکہ ظاہر ہو چکی تھی۔ وہ اپنے آپ کو دیکھ سکتی تھی۔ لوگ بھی اسے دیکھ سکتے تھے۔ اس کی ساری طاقت جاتی رہی تھی اور وہ غائب ہونے والی طاقت ور ماریا سے ایک عام کمزور عورت بن کر رہ گئی تھی۔ وہ آج سے چار سو برس پہلے کے روم میں پہنچ گئی تھی جہاں ایک حبشی نے اسے پکڑ کر ایک رومن سوداگر کے ہاتھوں فروخت کر دیا تھا جس کی سفید ستونوں والی حویلی تھی اور جہاں پہلے ہی سے بہت سی کنیزیں ملازم تھیں۔ یہاں کی بڑی کنیز کا نام جونا تھا جو بڑی بددماغ تھی اور ماریا کے سنہری بالوں اور خوب صورت شکل کی وجہ سے اس سے جلتی تھی۔ اس نے ماریا کو جھڑک کر کہا تھا کہ یہ تمہارے باپ کا گھر نہیں ہے جہاں تم بناؤ سنگھار کر کے آ گئی ہو۔ چلو جا کر دالان کا فرش صاف کرو۔ اسی حویلی میں شگوفہ نام کی بھی ایک کنیز تھی جو ماریا کی سہیلی بن گئی تھی اور جو ایران کی رہنے والی تھی اور فارسی زبان میں بات کرتی تھی۔

اس نے ماریا سے کہا تھا:

"تم دالان میں جا کر فرش صاف کرو۔ میں تمہیں
وہیں آ کر ملوں گی"۔

دوسری طرف عنبر بھی ملکہ روم کو اس کے دشمنوں
سے نجات دلا کر ملک سمرنا میں اس کے چچا کے ہاں پہنچا
کر ناگ اور ماریا کی تلاش میں ملک مصر کی طرف روانہ ہو
گیا تھا۔ عنبر ابھی ایک قافلے کے ساتھ ملک مصر کی طرف
سفر کر رہا ہے ہم اسے وہیں چھوڑتے ہیں اور پہلے ماریا
کی طرف آتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہے اور اس کے ساتھ
کیا گذرنے والی ہے۔

ماریا نے اپنے سنہری بالوں کو سرخ رومال سے باندھ
رکھا تھا اور وہ بے چاری مصیبت کی ماری لمبے جھاڑو سے
رومن سوداگر کی سفید ستونوں والی حویلی کے دالان کا فرش
صاف کر رہی تھی۔ دل ہی دل میں وہ ناگ اور عنبر کو
بھی یاد کر رہی تھی اور اپنی قسمت پر آنسو بھی بہا رہی
تھی کہ اپنی طاقت کے چلے جانے سے وہ کس مشکل میں
پھنس گئی ہے۔ خدا جانے وہ غبار کس قسم کا تھا کہ جس
میں سے گذرنے کے بعد وہ غائب حالت سے ظاہر حالت
میں آ گئی تھی۔ اب وہ ایک لونڈی تھی اور کچھ پتہ نہیں

تھا کہ اس کا انجام کیا ہونے والا ہے۔

جب وہ فرش صاف کر چکی تو باغ میں آ گئی۔ یہاں
کنیز شگوفہ پھول توڑ کر گلدان میں سجا رہی تھی۔ ماریا کو دیکھ
کر وہ مسکرائی اور بولی:

"آؤ تم بھی پھول توڑو"۔

ماریا بھی پھول توڑ توڑ کر گلدان میں سجانے لگی۔ اتنے
میں ایک حبشی غلام نے آ کر انہیں ڈانٹتے ہوئے کہا:

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارے مالک کا ایک معزز
مہمان کھانے پر آنے والا ہے؟ جاؤ یہ گلدان دیوان
خاص میں جا کر سجاؤ"۔

شگوفہ اور ماریا گلدان لے کر دیوان خاص کی طرف بھاگیں۔
دیوان خاص میں ریشمی قالین بچھے تھے۔ گاؤ تکیے لگے تھے۔
دستر خوان پر طرح طرح کے کھانے چنے جا رہے تھے۔ کنیزیں
اور غلام کام میں لگے تھے۔ ماریا اور شگوفہ بھی چیزیں اٹھا
اٹھا کر سجانے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد رومن سوداگر یعنی حویلی
کا مالک اپنے معزز مہمان کے ساتھ داخل ہوا۔ ان کے پیچھے
پیچھے دوسرے مہمان بھی تھے۔ ماریا نے دیکھا کہ معزز مہمان
ایک بوڑھا آدمی تھا جس کی ڈاڑھی سینے پر لہرا رہی تھی اور
اس نے بڑی خوب صورت ریشمی عبا پہن رکھی تھی۔ کمر سے

پر گانے والیوں نے دف بجا کر گیت گائے اور رقص کرنے والیوں نے رقص کیا۔ کھانے کے بعد رومن سوداگر نے تالی بجا کر ماریا کو اپنی طرف بلایا۔ ماریا خاموشی سے جا کر اس کے پاس کھڑی ہو گئی۔ رومن سوداگر نے اپنے بوڑھے مہمان کی طرف دیکھ کر ماریا کی جانب اشارہ کیا اور کہا:

"اے بزرگ تھاردکیش! ملک ایران کی یہ خوبصورت کنیز میں تمہیں تحفے میں دیتا ہوں۔"

ماریا کا تو یہ سن کر رنگ اڑ گیا کہ یہ بڈھا کھوسٹ کہاں اس کے پلے پڑ گیا۔ مگر وہ ایک حقیر لونڈی اور کنیز تھی۔ اس کی مجال نہیں تھی کہ انکار کر سکتی۔ بوڑھے تھاردکیش نے ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مسکرا کر ماریا کو دیکھا اور کہا:

"میرے رومن دوست! میں اس تحفے کو قبول کرتا ہوں۔"

اسی روز ماریا کو بڈھے یونانی تھاردکیش کے ساتھ رخصت کر دیا گیا۔

یہ بوڑھا تھاردکیش ملک یونان کا ایک کیمیا گر تھا جو اپنے ملک سے ہجرت کر کے ملک روم میں آ کر آباد ہو گیا تھا۔ اس زمانے میں ملک روم کی سلطنت مصر تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس بوڑھے کیمیا گر کی حویلی مصر کی سرحد پر سکندریہ

میں تھی۔ وہ ستاروں کا ماہر تھا اور اس نے طرح طرح کی چیزیں ایجاد کر رکھی تھیں۔ سکندریہ شہر میں وہ ایک پُراسرار بڈھا سمجھا جاتا تھا۔ وہ اپنی حویلی میں مختلف تجربے کرتا رہتا تھا اور بہت کم لوگوں سے ملتا تھا۔ وہ اسی شام اپنا قافلہ لے کر سکندریہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

ماریا اس کے ساتھ تھی اور ایک اونٹ کے کجاوے میں بیٹھی سفر کر رہی تھی۔ قافلہ صحراؤں، میدانوں اور جنگلوں میں سے گزرتا چھ روز کے بعد سکندریہ پہنچ گیا۔ بڈھے تھاردکیش کی حویلی صحرائی ٹیلوں کے پاس ایک ہزاروں سال پرانے اہرام مصر کے پاس واقع تھی۔ وہ ایک قلعے کی طرح تھی جس کے بڑے پھاٹک پر حبشی غلام پہرہ دیتے تھے۔ اتنی بڑی حویلی میں تھاردکیش اکیلا رہتا تھا۔ اس نے حویلی میں آتے ہی اپنی لمبی ڈاڑھی کی گرد صاف کرتے ہوئے ایک حبشی عورت سے کہا:

"ماریا کو اوپر والے کمرے میں پہنچا دو۔"

یہ حبشی عورت کوئی چڑیل لگتی تھی۔ اس نے ماریا کو ساتھ لیا اور دوسری منزل کا ایک کمرہ کھول کر اندر دھکیل کر کہا:

"اب تم اس کمرے سے کبھی باہر نہ نکل سکو گی۔ ساری عمر اسی کمرے میں رہو گی اور یہاں سے تمہاری

لاش ہی باہر نکلے گی"۔

اس نے دروازہ بند کر کے باہر تالا ڈال دیا۔ ماریا تو سر پکڑ کر بیٹھ گئی کہ اے خداوند یہ میں کس مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔ اس سے تو رومن سوداگر کی لونڈی بن کر رہنا ہی اچھا تھا۔ مگر وہ سوائے افسوس کرنے کے اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ کمرے میں زمین پر پرانا سا قالین بچھا تھا۔ ایک بڑا پلنگ تھا۔ غسل خانے میں نہانے کا رومن طرز کا ٹب تھا۔ الماری میں کچھ کپڑے پڑے تھے۔ اوپر ایک روشن دان تھا جس پر لوہے کی باریک جالی چڑھی ہوئی تھی۔ وہاں سے کمرے میں روشنی آ رہی تھی۔ کونے میں تانبے کا شمع دان تھا جس کے پاس ہی وہ پتھر رکھا تھا جسے رگڑ کر شمع دان کی موم بتی روشن کی جاتی تھی۔ ماریا پلنگ پر بیٹھ گئی۔ عنبر اور ناگ کو یاد کر کے اس کی آنکھوں میں خود بخود آنسو آ گئے۔ انہیں ماریا کے حال کی خبر ہوتی تو اڑ کر اس کی مدد کو آتے۔ مگر وہ خود نہیں جانتی تھی کہ وہ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں۔

شام کو حبشن لونڈی کمرے میں آئی۔ اس نے ماریا کے آگے کھانا رکھا۔ شمع روشن کی اور کوئی بات کیے بغیر باہر نکل گئی۔ جب سے ماریا کا جادو ٹوٹا تھا اسے عام عورتوں

کی طرح بھوک بھی لگتی تھی۔ اس نے تھوڑا بہت کھانا زہر مار کیا اور پلنگ پر لیٹ کر اپنے اور عنبر ناگ کے پانچ ہزار سال کے واپسی کے سفر پر غور کرنے لگی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کی غائب ہونے کی طاقت پھر واپس آ جائے گی۔ ایک دم سے اس کا جی بھر آیا۔ وہ پلنگ پر بیٹھ گئی اور ہاتھ جوڑ کر آنکھیں بند کر کے دعا مانگنے لگی:

"اے مقدس یسوعؑ! میرے حال پر رحم فرما۔ مجھے ظالموں کے ظلم سے بچانا۔ مجھے میری کھوئی ہوئی طاقت واپس مل جائے اور میں ایک بار پھر عنبر اور ناگ کو اپنے سامنے دیکھوں"۔

دعا مانگنے سے اس کے دل کو تسلی سی ہو گئی۔

حبشن لونڈی دروازے کا تالا کھول کر دوبارا کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں چاندی کا گلاس تھا۔ گلاس ماریا کو دے کر بولی:

"یہ اناروں کا شربت ہے۔ اسے پی کر سو جاؤ۔ یہ مقدس تھاروکیش کا حکم ہے۔ وہ تمہارا مالک ہے۔ تمہیں اس کا حکم ماننا ہو گا"

حبشن لونڈی چلی گئی۔ ماریا نے اناروں کے شربت کا ایک گھونٹ پیا۔ بہت شیریں اور خوشبو دار تھا۔ وہ سارا شربت

پی گئی۔ پھر اسے نیند آنے لگی اور وہ سرہانوں سے ٹیک لگا
کر بستر پر لیٹ گئی۔ آہستہ آہستہ اسے محسوس ہوا کہ اس
کی نیند غائب ہو رہی ہے مگر جسم سن ہونے لگا ہے پہلے
وہ ہاتھ پیر ہلا سکتی تھی۔ اب وہ جیسے پتھر کے ہو گئے
تھے۔ ماریا گھبرا گئی۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر اپنی
جگہ سے ایک انچ بھی نہ ہل سکی۔ اس نے چیخ مار کر کسی
کو بلانا چاہا مگر آواز اس کے حلق سے نہ نکل سکی۔

ماریا کو اپنی بے بسی پر رونا آ گیا۔ اس کی آنکھوں
سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ باہر رات کا اندھیرا اور خاموشی
تھی۔ شمع دھیرے دھیرے جل رہی تھی۔ کچھ دیر بعد تالے
میں چابی گھمانے کی آواز آئی۔ ماریا اپنی گردن کو بھی نہ
ہلا سکتی تھی۔ صرف اس کی آنکھیں ادھر ادھر حرکت کر
سکتی تھیں۔ دروازہ کھلا اور پھر بوڑھا کیمیا گر تھاردکیش اس
کے پلنگ کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ شمع کی روشنی میں اس
کے چہرے پر بڑی بے رحم سی مسکراہٹ تھی۔ اس کی
لمبی ڈاڑھی ماریا کو اور بھی لمبی لگ رہی تھی۔ تھاردکیش نے
اپنی عبا کی جیب میں سے ایک سرنج نکالا جو چاندی کا تھا
اور جس کے آگے لمبی سوئی لگی تھی۔ ماریا بستر سے اچھل کر
بھاگ جانا چاہتی تھی مگر وہ اپنی جگہ سے ذرا سی بھی حرکت

نہ کر سکی۔

تھاردکیش نے کہا:

"میں نے جس مقصد کے لیے تمہیں حاصل کیا ہے
میں وہ مقصد پورا کرنے یہاں آیا ہوں۔"

وہ مسکرا رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ میں سفاکی اور بے رحمی
تھی۔ پھر وہ سرنج لے کر ماریا پر جھکا۔ ماریا کا بازو اٹھا کر
قمیض ہٹائی اور سرنج کی سوئی اس کے بازو میں چبھو دی۔
ماریا کو ہلکی سی درد کا بھی احساس نہ ہوا۔ تھاردکیش ماریا کے
جسم سے خون نکال رہا تھا۔ جب سرنج ماریا کے سرخ خون
سے بھر گیا تو وہ خوش ہو کر بولا:

"میں کل رات پھر تمہارا خون لینے آؤں گا۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا اور تالا لگا کر چلا گیا۔

ماریا کو کمزوری کا احساس ہونے لگا۔ اس کی آنکھیں بوجھل
ہونے لگیں اور پھر اسے نیند آ گئی۔ جب اس کی آنکھ کھلی
تو دیوار کے اوپر والے روشن دان کی جالیوں میں سے صبح کی
روشنی اندر آ رہی تھی۔ ماریا کا جسم اب بے حس نہیں تھا۔ وہ
بستر پر سے اٹھی۔ اس نے چل پھر کر دیکھا۔ وہ بالکل ٹھیک
ٹھاک تھی۔ صرف اس کا سر چکرا رہا تھا۔ صبح صبح کوئی کمرے
میں آ کر شمع بجھا گیا تھا۔ ماریا وہاں سے فرار ہونے کی ترکیبوں

پر غور کرنے لگی۔ مگر وہاں سے فرار ہونے کا کوئی راستہ نہیں
تھا۔ روشن دان دیوار پر کافی بلندی پر تھا۔ وہاں تک وہ
نہیں پہنچ سکتی تھی اور پھر وہ اتنا چھوٹا تھا کہ ماریا اس میں
سے باہر نہیں نکل سکتی تھی۔ دوپہر کو دو حبشی غلام اس کا
کھانا لے کر اندر آئے۔ ان کے پاس تلواریں تھیں۔ شام کو
بھی اسی طرح مسلح پہرے دار اسے کھانا دے کر چلے گئے۔ رات
ہوئی تو حبشی لونڈی اناروں کا شربت لے کر تو نہ آئی لیکن
ماریا کے جسم نے سن ہونا شروع کر دیا۔ یہ وہی وقت تھا
جب ایک روز پہلے حبشی لونڈی نے اسے شربت پلایا تھا۔
ماریا کمرے میں ٹہلنے لگی کہ شاید ٹہلنے سے شربت کا اثر
ضائع ہو جائے۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ اس کی ٹانگیں بھاری ہونے لگیں۔
ہاتھ پاؤں سے جیسے جان نکلنے لگی۔ پھر اس کے لیے قدم اٹھانا
مشکل ہو گیا۔ وہ پلنگ پر گر پڑی۔ اور پہلی رات کی طرح
بے حس اور پتھر بن گئی۔

کل کی طرح ٹھیک وقت پر مکار بوڑھا تھاروکیش آیا
اور اس کے جسم سے خون نکال کر چلا گیا۔ اس کے بعد ماریا
کو نیند آ گئی۔ اگلے روز پھر وہی ڈرامہ کھیلا گیا۔ اب ہر روز
دن کے وقت ماریا کا جسم ٹھیک ہو جاتا۔ شام کو اس پر
بے حسی چھانے لگتی اور رات کو مکار کیمیا گر تھاروکیش اس کا

خون نکال کر لے جاتا۔ ماریا زندگی میں اتنی بے بس کبھی نہیں
ہوئی تھی۔ وہ کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ دن کے وقت اس
کی آنکھوں کے آگے تارے سے ناچنے لگتے تھے۔ وہ اپنے
آپ کو پنجرے میں بند پرندے کی طرح محسوس کرتی تھی جیسے روز
تھوڑا تھوڑا ذبح کیا جا رہا ہو۔

جب پندرہ بیس روز گذر گئے تو ماریا کا سرخ و سفید
رنگ زرد پڑ گیا اور آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے نمودار ہو
گئے۔ اسے اپنی موت بالکل سامنے کھڑی نظر آنے لگی۔ اتنا وہ
سمجھ گئی تھی کہ مکار تھاروکیش کیمیا گری کا کوئی تجزیہ کر رہا ہے
جس کے لیے اسے کسی نوجوان لڑکی کے خون کی ضرورت ہے۔

ایک رات جب تھاروکیش اس کا خون نکال کر جا چکا تھا
تو ماریا نے دل میں پکا ارادہ کر لیا کہ وہ سوئے گی نہیں۔ نیند
اس پر بار بار حملہ کر رہی تھی۔ اس کا جسم سن تھا مگر ماریا
نیند سے لڑتی رہی اور جاگنے میں کامیاب ہو گئی۔ جب اس
نے نیند پر قابو پا لیا تو اس نے محسوس کیا کہ اس کے جسم
کی طاقت آہستہ آہستہ واپس آ رہی ہے۔ یہ ماریا کے ارادے
کی کامیابی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ بستر سے اٹھ کر کمرے میں
خاموش قدموں سے ٹہلنے لگی۔ اس کے جسم کی طاقت واپس آ
گئی تھی۔ اس نے دروازے کے سوراخ میں سے باہر جھانک کر

دیکھا۔ باہر اندھیرا تھا۔ دروازے کو باہر سے تالا لگا تھا۔ ماریا نے اوپر روشن دان کا ایک بار پھر جائزہ لیا۔ اگرچہ روشندان چھوٹا تھا مگر ماریا بھی دبلی پتلی تھی۔ اگر وہ کوشش کرے تو اس میں سے گزر سکتی تھی۔ اس نے بڑی مشکل سے پلنگ کو کھڑا کر کے دیوار کے ساتھ لگا دیا۔ پھر شمع کا گل جھاڑنے والی لوہے کی آگے سے مڑی ہوئی سلاخ پکڑی اور پلنگ پر چڑھ کر روشن دان کے پاس آ گئی۔ یہ اس کی زندگی اور موت کا سوال تھا۔

ماریا کو ہر حالت میں روشن دان کو کھولنا تھا۔

اسے یہ بھی ڈر تھا کہ ذرا سا شور ہوا تو پہرے دار وہاں آ جائیں گے۔ اس نے بڑی آہستگی سے مڑی ہوئی سلاخ جالی کے سوراخ میں ڈالی اور اسے اوپر کو کھینچنا شروع کر دیا۔ آدھے گھنٹے کی کوشش کے بعد وہ ایک طرف سے جالی اکھاڑنے میں کامیاب ہو گئی۔ اس کامیابی سے ماریا کے جسم میں نئی طاقت آ گئی۔ اس نے سلاخ کی مدد سے جالی کو اکھاڑنا شروع کر دیا۔ آخر وہ جالی کو اکھاڑنے میں کامیاب ہو گئی۔ اس نے روشندان میں سے سر نکال کر دوسری طرف دیکھا۔ نیچے راہ داری تھی جہاں دور کونے میں ایک شمع جل رہی تھی۔ ماریا نے پہلے اپنی ٹانگیں روشن دان سے باہر نکالیں۔

پھر وہ اپنا جسم باہر نکالنے کی کوشش کرنے لگی۔ بڑی مشکل سے یہ مرحلہ بھی طے ہو گیا۔ ماریا دوسری طرف دیوار کے ساتھ لٹک گئی۔ راہ داری کا فرش کوئی سات فٹ کے فاصلے پر تھا۔ اس نے آہستہ سے چھلانگ لگا دی۔ ہلکی سی دھپ کی آواز پیدا ہوئی۔ ماریا سہم کر وہیں بیٹھی رہی جب اسے یقین ہو گیا کہ اس کی آواز کسی نے نہیں سنی تو وہ آہستہ سے اٹھی اور دیوار کے ساتھ لگ کر ایک طرف چل پڑی۔ تھوڑی دور جانے کے بعد سیڑھیاں آ گئیں۔ ماریا سیڑھیاں اتر گئی۔ آگے پھر تنگ سا راستہ تھا۔ یہاں بالکل اندھیرا تھا۔ ماریا پھونک پھونک کر قدم اٹھاتی دیوار کو ٹٹول ٹٹول کر آگے چلنے لگی۔ ایک جگہ دروازہ آ گیا۔ جس کے اندر سے ہلکی ہلکی روشنی آ رہی تھی۔ ماریا نے ایک درز میں سے اندر جھانک کر دیکھا۔ یہ ایک چھوٹی سی کوٹھڑی تھی۔ ماریا دروازہ کھول کر اندر آ گئی۔ طاق میں چراغ روشن تھا۔ سامنے پھر ایک دروازہ تھا جس کے نیچے سیڑھیاں اترتی تھیں۔

ماریا کے لیے اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ سیڑھیاں اترنے لگی۔ آگے پھر ایک دروازہ آ گیا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ کسی تہہ خانے میں آ گئی ہے۔ کیوں کہ وہاں نمی اور ٹھنڈک تھی۔ یہاں اسے ایک مرد اور ایک عورت

کی باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔ ماریا نے دروازے کے
سوراخ میں سے جھانک کر دیکھا۔

دوسری طرف ایک چوڑا گول کمرہ تھا جس کی چھت نیچی
تھی۔ یہاں عجیب عجیب قسم کے شیشے کے مرتبان اور نلکیاں
لگی تھیں۔ بڈھے تھاردکیش کے پاس وہی حبشن لونڈی کھڑی تھی۔
پتھر کی میز پر ایک قوی ہیکل گرانڈیل آدمی کی لاش پڑی تھی
جس کے سر میں ایک لمبی میخ ٹھکی ہوئی تھی۔ لاش کو چمڑے
کے پیٹے سے جگہ جگہ سے باندھ دیا گیا تھا۔ مکار تھاردکیش لاش
کے پیٹ کو ٹانکے لگا رہا تھا۔ حبشن لونڈی اوزاروں کا طشت
لیے پاس کھڑی تھی۔ تھاردکیش لاش کے پیٹ میں سوئے سے
لمبے لمبے ٹانکے لگاتے ہوئے کہہ رہا تھا:

"اس مُردے کے پیٹ میں ماریا کے جوان خون کے
ساتھ ملا کر میں نے ایسا زبردست تیزابی مادہ بھر دیا
ہے جو اس مُردے میں ایک ہزار ہاتھیوں کی طاقت
پیدا کر دے گا۔ اس کے ہاتھوں سے آسمانی بجلی کی
کڑکتی ہوئی شعاعیں نکلیں گی۔ یہ شعاعیں شاہی محلات
کو جلا کر بھسم کر دیں گی۔ اس کی مدد سے میں
روم کے تخت پر قبضہ کر کے اس عظیم سلطنت کا
بادشاہ بن جاؤں گا اور تم میری ملکہ ہو گی۔"

حبشن لونڈی نے کہا:

"ابھی اس مُردے کے زندہ ہونے میں کتنی دیر
باقی ہے؟"

تھاردکیس مُردے کا پیٹ سی چکا تھا۔ اس پر پٹی باندھتے
ہوئے بولا:

"تم دیکھ رہی ہو کہ اس لاش کے دل نے تھوڑی
تھوڑی دیر کے بعد دھڑکنا شروع کر دیا ہے۔ یہ
آہستہ آہستہ سانس بھی لے رہا ہے۔ کل رات میں
آخری بار ماریا کے جسم سے خون نکال کر اس
لاش کے دل میں داخل کر دوں گا۔ جب سکندریہ شہر
میں رات کے بارہ بجیں گے تو یہ لاش اٹھ کھڑی
ہو گی اور میرے حکم سے سکندریہ کے رومن گورنر
کے محل کو تباہ کر کے اس کے خاندان کو ہلاک
کر دے گی اور میں شہر پر قبضہ کر لوں گا۔ پھر
میں اسے روم کے قلعے کو تباہ کرنے کے لیے
روانہ کر دوں گا۔"

مکار بڈھا مکروہ ہنسی ہنسا۔ ماریا دروازے کی درز میں
سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ سن رہی تھی۔ خوف سے
اس کی ٹانگیں کپکپا رہی تھیں۔ کہ یہ شیطان بڈھا کس قسم کا

بھیانک کھیل کھیلنے والا ہے جو نہ جانے کتنے بے گناہ
لوگوں کو موت کی نیند سلا دے گا:
حبشی لونڈی نے کہا:
"ماریا کا کیا ہو گا؟"
بڈھا بولا:
"اسے کل رات خون نکالنے کے بعد زہر کا ٹیکہ
لگا کر ہلاک کر دیا جائے گا تاکہ یہ راز اس کے
ساتھ ہی اس کی قبر میں دفن ہو جائے۔"
ماریا کانپ اٹھی۔ حبشی لونڈی نے طشت ایک طرف رکھ
دیا۔ شیطان بڈھا مردے کی آنکھوں میں جھانک کر بولا:
"میرے دوست! کل تم زندہ ہو جاؤ گے۔"
لونڈی نے مردے کے سر میں ٹھکی ہوئی لمبی میخ کو
چھو کر کہا:
"یہ میخ لاش کے سر سے کب نکالو گے؟"
تھاروکیش مسکرایا:
"ابھی نہیں۔ اسے کل بارہ بجنے سے پہلے نکال
دوں گا۔ اگر یہ ابھی نکال دی گئی تو میرا تجربہ
ادھورا رہ جائے گا اور یہ لاش ایک جھٹکے سے
اٹھ کھڑی ہو گی اور ارد گرد کی ہر شئے کو تباہ

کر کے رکھ دے گی۔"
پھر کپڑے سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولا:
"اب ہمیں لاش کو اکیلا چھوڑ دینا چاہیے تاکہ اس
کے پیٹ میں رکھے ہوئے تیزابی مادے کو کام
کرنے کا موقع مل سکے۔"
شیطان بوڑھا تھاروکیش اور حبشی لونڈی کمرے کے
دوسرے تنگ سے دروازے میں سے باہر نکل گئے انہوں
نے دروازے کو باہر سے تالا لگا دیا تھا۔ ماریا کچھ دیر خوف
کے مارے سہمی کھڑی رہی کیونکہ اب وہ ایک عام
عورت تھی اور اسے بھی عام عورتوں کی طرح ڈر لگتا تھا۔
خوف محسوس ہوتا تھا۔ پھر اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ بیگناہ
مخلوق کو اس قاتل عفریت سے نجات دلائے گی۔ اس نے
دروازے کو آہستہ سے دھکیلا۔ دروازے کو دوسری طرف سے
کنڈی لگی تھی۔ ماریا نے زور لگانا شروع کر دیا۔ دروازے
کی کنڈی اکھڑ کر گر پڑی اور دروازہ کھل گیا۔ ماریا اس
گول کمرے میں آ گئی۔ فضا میں دواؤں کی تیز بو پھیلی
ہوئی تھی۔ دیوار کے ساتھ ساتھ شیشے کے بڑے بڑے
مرتبان لگے تھے جن میں تیزاب بھرا ہوا تھا۔ وہ ڈرتے
ڈرتے لاش کے قریب آ گئی۔

لاش ایک بڑے تنومند گرانڈیل آدمی کی تھی۔ اس کی گردن کاٹ کر دوبارہ ٹانکے لگائے گئے تھے۔ ماریا نے بڑی مشکل سے اپنے خوف پر قابو پایا اور جھک کر لاش کے سر میں ٹھکی ہوئی میخ کو تکنے لگی۔ اس نے میخ کو ہاتھ لگایا۔ یہ لوہے کی موٹی اور لمبی کیل تھی جو آدھی لاش کی کھوپڑی میں گھسی ہوئی تھی۔ کیل سخت تھی۔ اس کے ہاتھ لگاتے ہی لاش کے جسم میں ایک ہلکی سی جنبش پیدا ہوئی اور لاش نے ایک دم سے آنکھیں کھول کر ماریا کو دیکھا۔ ماریا کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

وہ ڈر کر پیچھے ہٹ گئی۔ اس کا سانس تیز تیز چلنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد جب اس کے حواس ٹھیک ہوئے تو وہ لاش کی طرف بڑھی۔ اصل میں وہ لاش کے سر میں ٹھکی ہوئی لوہے کی موٹی کیل باہر نکالنا چاہتی تھی۔ شہر کے بے گناہ لوگوں کو قیامت خیز تباہی اور بے رحم موت کے منہ سے بچانے کی یہی ایک ترکیب تھی۔ ماریا نے دیکھا کہ لاش کی آنکھیں کھلی تھیں اور وہ چھت کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی۔ اس کا سانس آہستہ آہستہ چل رہا تھا اور پٹیوں سے بندھا ہوا پیٹ اوپر نیچے ہو رہا تھا۔ ماریا نے بڑی مشکل سے حوصلہ کر کے لاش کے سر میں دھنسی

ہوئی کیل کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا اور اسے زور لگا کر باہر نکالنے کی کوشش کرنے لگی۔ مردے کے منہ سے ہلکی سی کراہ کی آواز نکلی۔ جیسے اسے تکلیف ہو رہی ہو۔ ماریا نے کوئی خیال نہ کیا اور اپنے کام میں لگی رہی۔ مردے کے منہ سے اب آہ آہ کی آوازیں نکلنا شروع ہو گئیں۔ جیسے اسے تکلیف ہو رہی ہو۔

کھوپڑی میں ٹھکی ہوئی کیل اپنی جگہ سے ہل گئی تھی۔ اور کھوپڑی میں سے خون نکلنے لگا۔ لاش کو تکلیف ہو رہی تھی اور وہ کراہنے لگی تھی۔ ماریا کے ہاتھ خوف سے کانپ رہے تھے۔ اسے یہ بھی ڈر تھا کہ بڈھے کیمیا گر کے کہنے کے مطابق جب کیل لاش کی کھوپڑی میں سے نکل گئی تو وہ اٹھ کر تباہی مچا دے گی۔ ماریا کو اپنی جان کا خطرہ بھی تھا لیکن وہ ہزاروں بے گناہ انسانوں کی زندگیاں بچانے کے لیے اپنی جان پر کھیل رہی تھی۔

ماریا نے آخری بار زور سے جھٹکا دیا۔ تو کیل کھوپڑی میں سے نکل کر اس کے ہاتھ میں آ گئی۔ لاش کے منہ سے ایک دھیمی سی چیخ نکلی اور پھر جیسے اسے سکون آ گیا۔ لاش نے کوئی حرکت نہ کی۔ ماریا نے سوچا کہ شاید لاش بے جان ہو گئی ہے۔ وہ اس پر جھکی تو ڈر کر پیچھے ہٹ گئی۔ لاش

کے ہونٹوں پر بڑی قہر آلود غصیلی مسکراہٹ تھی اور اس کے
لمبے دانت باہر نکلنے لگے تھے۔

ماریا بھاگ کر دروازے کے پاس آ گئی۔

ایک زبردست جھٹکے کے ساتھ لاش نے اپنے جسم
کے گرد لپٹے ہوئے چمڑے کے پٹے توڑ ڈالے۔ وہ پتھر کی
سل پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کے سر سے خون کی ایک لکیر
نکل کر اس کی آنکھوں کے درمیان بہہ رہی تھی۔ لاش کی
آنکھوں سے چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔ ماریا وہاں سے بھاگ
جانے کے لیے دروازے کو کھولنا چاہا تو وہ باہر سے بند
تھا۔ بڈھا تھارڈکیش جاتی دفعہ دروازے کو باہر سے بند کر
گیا تھا۔ ماریا دوسرے دروازے کی طرف آنا چاہتی تھی جو
اس کے خیال کے مطابق کھلا تھا اور جہاں سے وہ اندر
داخل ہوئی تھی۔ مگر اب لاش نے اپنے آپ کو آزاد کر لیا
تھا۔ وہ پتھر کی سل پر سے اٹھی اور لڑکھڑاتے قدموں
سے چل کر اس دروازے کی طرف بڑھی جدھر ماریا کو جانا تھا۔
ماریا کو اور تو کچھ نہ سوجھا وہ لپک کر بڑے بڑے مرتبانوں
کے پیچھے چھپ گئی۔ ماریا کا پاؤں کسی چیز سے ٹکرا گیا جس
سے ہلکی سی آواز پیدا ہوئی۔ لاش نے تیزی سے پلٹ کر
مرتبانوں کی طرف دیکھا۔ وہ چل کر مرتبانوں کے پاس آ گئی

اور تیزاب سے بھرے ہوئے ایک مرتبان کو اٹھا کر پوری
طاقت سے سامنے والی دیوار پر دے مارا۔ ایک دھماکہ ہوا
اور دیوار کے پاس رکھی چیزوں کو آگ لگ گئی۔ لاش نے
دوسرا مرتبان بھی اٹھا کر دیوار پر دے مارا۔ ایک اور دھماکہ
ہوا اور آگ زیادہ بھڑک اٹھی۔ کمرے میں سفید اور نارنجی
رنگ کا دھواں پھیلنے لگا۔ لاش دروازے کی طرف بڑھی۔ اس
نے پاؤں کی ٹھوکر سے دروازے کو توڑ کر گرا دیا۔ اور اوپر
سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ ماریا تیزابی دھوئیں میں پھنس گئی۔ وہ کھانسنے
لگی اور آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔ دھواں تیز تھا اور کمرے میں
شعلوں کی تپش بڑھ رہی تھی۔ ماریا کو دھوئیں میں کچھ دکھائی
نہیں دیتا تھا۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی اور اس نے
دھوئیں میں ہاتھ پیر مارنے شروع کر دیئے۔ وہ ایک طرف کو
اندازے سے بھاگی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ دروازے کے پاس
پہنچ جائے گی۔ اس کا ہاتھ ٹوٹے ہوئے دروازے کی چوکھٹ کو لگا۔
آگے سیڑھیاں تھیں۔ وہ دیوانہ وار سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ اسے معلوم
تھا کہ لاش اسی طرف گئی ہے مگر اسے آگ میں جل کر مرنا
بھی گوارا نہیں تھا۔ دھواں سیڑھیوں میں بھی آ گیا تھا۔ ماریا جب
سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئی تو اسے اندھیرے میں لوگوں کی
گھبراہٹ کی آوازیں سنائی دیں۔ یہاں دھواں نہیں تھا۔ ماریا نے

دیوار کے ساتھ لگ کر تازہ ہوا کا ایک گہرا سانس لیا۔ اور
خداوند کا شکر ادا کیا کہ آگ اور دھوئیں سے اس کی جان
بچ گئی تھی۔ اب اسے یہ خطرہ تھا کہ وہ پکڑی گئی تو بڑھا
ستاردکیش اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ حویلی میں لاش نے طوفان
مچا رکھا تھا اور دھوئیں کے بادل سیڑھیوں سے نکل کر حویلی کی
راہ داری میں پھیل رہے تھے۔

○

زندہ لاش اور پُراسرار خانقاہ

ماریا کو زندہ لاش کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔
اسے یہ بھی خوف لگا کہ لاش اسے زندہ نہیں چھوڑے
گی۔ کیوں کہ اس نے اس کی کھوپڑی میں سے وقت سے
پہلے لوہے کی میخ نکال دی ہے۔ وہ راہ داری کی دوسری
سیڑھیاں چڑھ کر پہلی منزل پر آگئی۔ یہاں ایک کنیز بھاگتی
ہوئی اس کے قریب سے گذر گئی۔ وہ بدحواس تھی۔ ایسا
لگتا تھا کہ لاش دوسری طرف تباہی مچا رہی تھی۔ پھر ماریا
نے حبشن کنیز کو دیکھا جو شیطان ستاردکیش کی ساتھی تھی۔
وہ بھی گھبرائی ہوئی تھی اور بھاگتی ہوئی ماریا کے قریب
سے نکل گئی۔ یہاں شمع کی روشنی تھی۔ مگر حیرانی کی بات
تھی کہ اس نے ماریا کو کچھ نہیں کہا تھا۔ نہ وہ اس بات
پر حیران ہوئی تھی کہ ماریا کو کس نے آزاد کر دیا۔ اچانک
ماریا کی نظر اپنے ہاتھوں اور بازوؤں پر پڑی۔ اس کو
اپنے ہاتھ اور بازو نظر نہ آئے۔ اب جو اس نے دیکھا تو

خوشی سے اس کی چیخ نکل گئی۔ وہ پھر سے غائب ہو چکی
تھی۔ ماریا کی طاقت بھی واپس آ گئی تھی۔ اس نے خدا وند
تعالیٰ کا سجدے میں گر کر شکر ادا کیا اور حویلی میں تھارڈکیش
کے بڑے ہال کمرے کی جانب بھاگ کر گئی۔ دھواں باقی حویلی
میں بھی پھیل رہا تھا۔

لیکن ماریا کو نہ تو دھواں محسوس ہو رہا تھا اور نہ آگ
کی تپش اس پر کوئی اثر کر رہی تھی۔ پھر اس کی نظر اچانک
لاش پر پڑ گئی۔ یہاں بھی شمع دان روشن تھے۔ زندہ لاش
ایک بند دروازے کو توڑ رہی تھی۔ دروازہ ٹوٹ کر گر پڑا اور
لاش حویلی کے سب سے بڑے کمرے میں گھس گئی۔ یہ شیطان
تھارڈکیش کا کمرہ تھا اور وہ اسی جگہ چھپا ہوا تھا۔ ماریا بھی
لاش کے ساتھ ہی کمرے میں چلی گئی۔

کیا دیکھتی ہے کہ شیطان تھارڈکیش نے کسی تیزاب کی
بوتل ہاتھ میں پکڑی ہوئی ہے اور لاش کو ڈرانے کی کوشش
کر رہا ہے۔ مگر لاش برابر اس کی طرف بڑھتی گئی۔ اس کے
پیچھے اس کی چڑیل ساتھی جبشن کھڑی تھی۔ تھارڈکیش نے
جب لاش کو اپنے قریب آتے دیکھا تو اس پر تیزاب
پھینک دیا۔ لاش کے جسم پر جہاں جہاں تیزاب گرا وہ جلنے
لگا۔ لاش کی گردن پر بھی تیزاب گرا تھا۔ وہاں سے دھواں

اٹھنا شروع ہو گیا۔ لیکن لاش پہ اس کا کوئی اثر نہیں ہو
رہا تھا۔ اس نے لپک کر شیطان تھارڈکیش کو اپنے پنجوں
میں دبوچ لیا۔ تھارڈکیش کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ جبشن
پیچھے کو بھاگنے ہی والی تھی کہ لاش نے ایک ہاتھ سے اس
کے بالوں کو پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹ لیا۔ زندہ لاش
پاگل ہو گئی تھی۔ اس نے جبشن کی گردن پہ اپنا پاؤں
رکھ کر اسے کچل ڈالا۔ تھارڈکیش تھر تھر کانپ رہا تھا۔
زندہ لاش نے اسے پکڑ کر زور سے بھینچا۔ بڈھے شیطان
کی ہڈیوں کے کڑکڑا کر ٹوٹنے کی آواز ماریا نے صاف
سنی۔ وہ مردہ ہو کر فرش کے قالین پہ گر پڑا۔

زندہ لاش کا جسم جگہ جگہ سے جل رہا تھا۔ وہ واپس
مڑی۔ ماریا پیچھے کھڑی تھی۔ اسے یوں لگا جیسے لاش نے
اسے غور سے گھور کر دیکھا ہو۔ اس کی آنکھوں سے بھی اب
سفید سفید دھواں خارج ہونے لگا تھا۔ لاش کے قدم لڑکھڑا
رہے تھے۔ وہ دروازے کے پاس جا کر گر پڑی اور اس
کے سارے بدن کو آگ لگ گئی۔ ماریا حویلی کے صحن میں
آ گئی۔ دھوئیں اور آگ نے ساری حویلی کو اپنی لپیٹ
میں لے لیا تھا۔ ماریا حویلی سے باہر نکل کر ریت کے ایک
ٹیلے کے پاس کھڑی ہو کر اس حویلی کو آگ میں جلتے دیکھنے

لگی جس کے اندر انسانوں کے ساتھ درندوں ایسا سلوک کیا
جاتا تھا اور جہاں سکندریہ شہر کے بے گناہ غریب لوگوں کو
ہلاک کرنے کی سازش کی جا رہی تھی۔

حویلی جل رہی تھی۔ شیطان تھاردکیش کی لاش جل رہی
تھی۔ اس آگ میں زندہ لاش بھی ایک بار پھر جل کر بھسم
ہو رہی تھی۔ حویلی کے ملازم اور کنیزیں ماریا کے قریب
ہی کھڑی حویلی کی تباہی کا عبرت انگیز انجام دیکھ رہی تھیں
ان میں سے کسی کو خبر نہ تھی کہ ماریا بھی ان کے پاس ہی
کھڑی ہے۔ ماریا پانچ ہزار برس سے تاریخ میں ظالم انسانوں
کے ایسے عبرت ناک انجام دیکھتی آئی تھی۔ جب حویلی جل
کر راکھ کا ڈھیر بن گئی تو ماریا نے ریت کے ٹیلوں میں
اس راستے پر چلنا شروع کر دیا جو سکندریہ شہر کی طرف
جاتا تھا۔

رات ڈھل رہی تھی۔ آسمان پر ستارے ماند پڑنے لگے تھے
تھوڑی دیر میں صبح ہونے والی تھی۔ ماریا پاؤں سے ننگی تھی
اور ریت ٹھنڈی تھی۔ اسے ٹھنڈک کا معمولی سا احساس ہو رہا
تھا۔ اسے جوتوں کی حاجت نہیں تھی۔ اس کے کپڑے بھی
پرانے ہو چکے تھے۔ اس نے سوچا کہ شہر میں چل کر نئے
کپڑے اور جوتے کہیں سے حاصل کیے جائیں۔ ماریا کے دل

میں یہ خیال بھی تھا کہ ہو سکتا ہے اس شہر میں اس کی
عنبر اور ناگ سے بھی ملاقات ہو جائے۔ مگر ناگ تو اس
سے چار سو برس آگے کے زمانے میں پہنچ گیا تھا اور
اس وقت انڈین ائر لائنز کے ایک بوئنگ جیٹ طیارے
میں سوار لندن سے بمبئی جا رہا تھا۔

دوسری طرف عنبر مصر کے ملک میں داخل ہو کر ایک
سرائے میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ بھی دن کو شہر میں گھوم پھر
کر ناگ اور ماریا کو تلاش کرتا اور شام کو سرائے میں
آ کر پڑ رہتا۔

ماریا سکندریہ کے شہر میں آ کر ایک باغ کے صحن میں
بیٹھ گئی اور صبح کی روشنی پھیلنے کا انتظار کرنے لگی۔ شہر سو
رہا تھا۔ جب سورج نکلا تو لوگ گھروں سے نکل آئے۔
تھوڑی دیر بعد شہر میں چہل پہل شروع ہو گئی۔ لوگوں نے
دکانیں کھولیں اور کاروبار میں لگ گئے۔ ماریا بھی شہر کے
چھتے ہوئے پرانی طرز کے بازاروں میں گھومنے لگی۔ ایک
دکان میں عورتوں کا لباس فروخت ہو رہا تھا۔ عورتیں اپنی
اپنی پسند کے لباس خرید رہی تھیں۔ ماریا دکان میں داخل
ہو گئی اور پیچھے جا کر اس نے ایک ڈھیری میں سے اپنا
پسند کا لباس اٹھا کر پہن لیا۔ پھر اونٹ کی کھال کا ایک

جوتا پہنا اور بڑے مزے سے چل کر دکان سے باہر آ گئی۔
سکندریہ کا شہر مصر کے ملک میں ہی تھا اور دریائے
نیل کی دوسری جانب واقع تھا۔ ماریا کو معلوم نہیں تھا کہ
عنبر بھی اسی ملک میں موجود ہے اور شہر لکسر کی ایک سرائے
میں ٹھہرا ہوا ہے۔ دونوں ہی ایک دوسرے سے بے خبر
تھے۔ اس وقت مصر کا ملک شہنشاہ روم کے قبضے میں
تھا اور لکسر شہر میں رومن بادشاہ کا ایک رومن گورنر راج
کرتا تھا۔ اس کا شہر کے درمیان ایک بہت بڑا محل
تھا۔ اس محل میں باغ تھا جس میں چاندی کے فوارے لگے
تھے۔ محل کے دروازے بھی سونے چاندی کے تھے۔ رومن
گورنر بڑا سنگدل اور ظالم شخص تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر
انسانوں کو بھوکے کتوں کے آگے پھنکوا دیتا اور ان کو
ہاتھی کے پاؤں تلے کچلوا دیتا۔ غریب لوگ اس کے ظلم
سے تنگ آ چکے تھے مگر اس کے خلاف کوئی آواز نہ
اٹھا سکتا تھا۔ کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ شکایت کا
ایک لفظ بھی زبان پر لائے۔ غریب لوگ بڑی مشکل
سے اپنا پیٹ بھرتے تھے۔ جب کہ رومن گورنر کے محل
میں سالم بکرے بھنے جاتے اور پلاؤ کی دیگیں دم کی جاتیں
گورنر کے سپاہی جس مکان میں چاہتے گھس کر مرغیاں اور

بکرے اور گھی چاول اٹھا کر لے جاتے۔ کوئی غریب آواز
بلند کرتا تو سپاہی وہیں کھڑے کھڑے اسے نیزہ مار کر ہلاک
کر دیتے۔
لوگوں نے تنگ آ کر مصر سے ہجرت شروع کر دی۔
گورنر نے فوراً حکم صادر کر دیا کہ جو شخص بھی شہر چھوڑ کر
جاتا دکھائی دے اسے وہیں درخت کے ساتھ پھانسی پر
لٹکا دیا جائے۔ دس بارہ لوگوں کی لاشیں درختوں کے ساتھ
لٹکتی نظر آئیں تو لوگوں نے شہر چھوڑنے کا خیال دل سے
نکال دیا اور بجھے بجھے دلوں کے ساتھ کھیتی باڑی اور
کام دھندا کرنے لگے۔ ان لوگوں میں عیسائی بھی تھے، یہودی
بھی تھے۔ عیسائی لوگوں پر رومن لوگ بڑا ظلم کرتے تھے۔ رومن
لوگ کافر تھے اور بتوں کو دیوتا بنا کر ان کی پوجا کرتے تھے۔
عیسائیوں کو گرجا بنانے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ چھپ چھپ
کر گھروں کی کوٹھڑیوں میں صلیب لٹکا کر عبادت کرتے اور
پھر صلیب کو چھپا دیتے۔ رومن سپاہیوں کو جب خبر ملتی کہ
فلاں گھر میں عیسائی صلیب لٹکا کر عبادت کر رہے ہیں تو
وہ چھاپہ مارتے اور سب گھر والوں کو قتل کر ڈالتے۔ شہر
میں عیسائی خوف کی حالت میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ پھر
بھی انہوں نے لکسر شہر سے باہر دریائے نیل کے پار اہرام

کے قریب کھجور کے جھنڈوں میں ایک خفیہ خانقاہ بنا رکھی تھی۔

اس خانقاہ میں ایک بڑے نیک اور پارسا عیسائی بزرگ کی قبر تھی۔ قبر کی زیارت کے بہانے عیسائی لوگ وہاں ہر اتوار کو جمع ہوتے۔ دعا مانگتے اور عبادت کرتے۔ اس وقت دو آدمی باہر پہرہ دیتے کہ کہیں کوئی رومن سپاہی نہ آ جائے۔

اس روز بھی اتوار کا دن تھا جس روز ماریا شہر میں پہنچی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس شہر میں عنبر بھی ایک سرائے میں موجود ہے۔ وہ سکندریہ سے ایک قافلے کے ساتھ یہاں دوپہر کے وقت پہنچی تھی۔ شہر کی سیر کرتے کراتے وہ دریائے نیل کی دوسری جانب نکل آئی۔ عنبر کی طرح اسے بھی اس شہر سے وطن کی خوشبو آتی تھی۔ کیونکہ عنبر اور ماریا دونوں اسی ملک کے رہنے والے تھے۔ عنبر تو خاص طور پر مصر کا باشندہ تھا

ماریا دریا کنارے سیر کرتی جب ایک پرانے اہرام کے

پاس آئی تو اس نے دیکھا کہ کھجوروں کے جھنڈ میں ایک خانقاہ بنی ہوئی ہے۔ اس کا گنبد نیلے رنگ کا تھا اور دروازے کی دیواروں پر بیل چڑھی ہوئی تھی۔ ماریا سمجھ گئی کہ یہ کسی بزرگ عیسائی پادری کا مزار ہے۔ اس قسم کے مزار ماریا نے دمشق اور یروشلم میں بھی دیکھے تھے۔ وہ خانقاہ کے قریب آئی تو دروازے پر اسے عیسائیوں کا ایک خفیہ نشان دکھائی دیا۔ اس زمانے تک ابھی عیسائیوں کو کھلے عام عبادت کرنے اور گرجا بنانے کی اجازت نہیں تھی۔ ماریا خود بھی عیسائی تھی۔ وہ خانقاہ کو دیکھ کر بڑی خوش ہوئی اور اس نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ جب تک وہ مصر میں ناگ اور عنبر کو تلاش کرے گی اسی خانقاہ میں ٹھہرے گی۔

خانقاہ کے اندر ٹھنڈا ٹھنڈا اندھیرا سا تھا۔ درمیان میں ایک قبر بنی تھی جس کے سرہانے ایک پتھر لگا تھا۔ پتھر پہ لاطینی زبان میں بزرگ کا نام لکھا تھا۔ اس بزرگ کو فوت ہوئے بیس برس گزر چکے تھے۔ وفات کی تاریخ بھی لکھی تھی۔ خانقاہ کی گول دیوار میں کسی جگہ کوئی ایسا دروازہ نہیں تھا کہ جس سے یہ پتہ چلے کہ نیچے تہہ خانے کو بھی کوئی راستہ جاتا ہے۔ حالانکہ اس زمانے میں خانقاہوں میں تہہ خانے

مزدور بنائے جاتے تھے۔

تھوڑی دیر خانقاہ میں ٹھہرنے کے بعد ماریا باہر نکل آئی اور کھجور کے درختوں کے سائے میں ایک جگہ بیٹھ گئی دن ڈھلنے لگا تھا۔ درختوں کے سائے لمبے ہونے لگے تھے صحراؤں میں شام بہت جلد پڑ جاتی ہے۔ شام کے سائے پھیل رہے تھے۔ ماریا نے دیکھا کہ ادھر ادھر سے نکل کر اکا دکا آدمی آتا ہے اور دائیں بائیں یہ دیکھ کر کہ کوئی اسے دیکھ تو نہیں رہا خانقاہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس طرح کوئی بیس پچیس آدمی جن میں عورتیں بھی تھیں خانقاہ میں داخل ہو گئے۔ خانقاہ کے اندر موم بتیاں روشن کر دی گئیں اور خداوند کی حمد گانے کی دھیمی دھیمی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ ماریا سمجھ گئی کہ یہ شہر کے عیسائی لوگ ہیں اور اتوار کی شام کو خانقاہ میں دعا مانگنے آئے ہیں

ماریا کا دل چاہا کہ وہ بھی ان کی دعا میں شریک ہو۔ وہ خانقاہ کی طرف چل پڑی۔ خانقاہ کا دروازہ بند تھا۔ مناجات کی ہلکی ہلکی آوازیں آ رہی تھیں۔ ماریا کو اب دروازہ کھولنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ بند دروازے میں سے گزر گئی۔ خانقاہ میں موم بتیاں روشن تھیں۔ کمرہ عبادت کرنے والوں سے بھرا ہوا تھا۔ ماریا نے دیکھا

کہ دیوار کے ساتھ زنجیر سے باندھ کر ایک صلیب لٹکا دی گئی ہے۔ یہ صلیب پہلے یہاں نہیں تھی۔ کیونکہ صلیب لٹکانے اور گلے میں ڈالنے والے کو رومن گورنر کے حکم سے پھانسی پر چڑھا دیا جاتا تھا۔

مناجات ختم ہوئیں تو لوگوں نے ایک ایک کر کے صلیب کو چوما اور باہر نکلنا شروع کر دیا۔ آخر میں وہاں ایک بوڑھا سفید ڈاڑھی والا عیسائی رہ گیا۔ باقی سب چلے گئے۔ یہ عیسائی راہب تھا۔ جب خانقاہ خالی ہو گئی تو راہب نے دیوار پر سے صلیب اتاری۔ خانقاہ کا دروازہ بند کر کے اندر سے کنڈی لگا دی۔ پھر وہ دیوار کے پاس ایک جگہ آیا اور جھک کر دیوار میں سے ایک اینٹ باہر نکال کر کسی چیز کو گھمایا۔ اس کے ساتھ ہی قبر کے برابر میں ایک جگہ سے دیوار پرے ہٹ گئی۔ ماریا نے آگے ہو کر دیکھا۔ وہاں دو چار سیڑھیاں نیچے اتر رہی تھیں۔ راہب صلیب لے کر نیچے اتر گیا۔ ماریا بھی اس کے پیچھے پیچھے تہہ خانے میں اتر گئی۔ یہ ایک چھوٹا سا تہہ خانہ تھا۔ راہب نے موم بتی روشن کی۔ اس کی روشنی میں ماریا نے دیکھا کہ دیوار پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر بنی ہے۔ راہب نے صلیب تصویر کے ساتھ لٹکا دی۔ ہاتھ باندھ کر سر کو جھکایا اور پڑھنے

ادب سے پیچھے ہٹ کر تہہ خانے سے باہر نکلنے لگا۔ سیڑھیاں چڑھ کر اس نے پھر وہیں دیوار میں سے پتھر ہٹا کر کسی چیز کو دبایا۔ فرش کا سوراخ بند ہو گیا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہاں کبھی کوئی سوراخ نہیں تھا۔

ماریا کے لیے یہ سمجھنا کوئی مشکل بات نہیں تھی کہ یہ عیسائی لوگ چھپ چھپ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں۔ کیونکہ رومن گورنر نے اس عبادت پر پابندی لگا رکھی ہے اور جو کوئی گھر میں صلیب یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کوئی تصویر رکھتا ہے اسے صلیب چڑھا دیا جاتا ہے۔ راہب بھی خانقاہ سے باہر نکل آیا۔ اس نے دروازے کو تالا لگایا اور اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

جوں جوں رات گہری ہو رہی تھی صحرا میں خاموشی چھا رہی تھی۔ آسمان پر ستارے چمکنا شروع ہو گئے تھے۔ ماریا سوچ رہی تھی کہ خانقاہ میں بیٹھ کر رات بسر کرے یا شہر میں چل کر ناگ اور عنبر کو تلاش کرے۔ اتنے میں کیا دیکھتی ہے کہ سامنے اہرام مصر کی تکونی دیوار کے پیچھے سے دو سائے دوڑتے ہوئے خانقاہ کی طرف آ رہے ہیں۔ جب قریب آئے تو ماریا نے راہب کو پہچان لیا

وہ ابھی ابھی خانقاہ کو تالا ڈال کر گیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک سولہ سترہ سال کی نوجوان لڑکی تھی۔ لڑکی پریشان تھی اور راہب کے پیچھے پیچھے بھاگی چلی آ رہی تھی۔ راہب نے جلدی سے خانقاہ کا تالا کھولا اور لڑکی کو لے کر خانقاہ میں چلا گیا۔ ماریا بھی لپک کر اندر آ گئی۔ وہ پتہ کرنا چاہتی تھی کہ ماجرا کیا ہے۔ اتنے میں راہب تہہ خانے کا دروازہ کھول کر لڑکی کو نیچے لے جا چکا تھا۔ ماریا سیڑھیاں اتر کر تہہ خانے میں آ گئی۔ لڑکی دیوار کے ساتھ فرش پر بچھے ہوئے بوریئے پر بیٹھی تھی۔ وہ پریشان تھی اور راہب اسے کہہ رہا تھا:

"گھبراؤ نہیں بیٹی! وہ لوگ یہاں نہیں آ سکتے تم یہاں بالکل محفوظ ہو۔"

لڑکی نے سانس درست کرتے ہوئے کہا:

"بابا! وہ ہمارا پیچھا کر رہے تھے۔ وہ اس خانقاہ میں ضرور آئیں گے۔"

راہب بولا:

"میں نے دروازہ اندر سے بند کر دیا ہے۔ تم اطمینان سے یہاں آج کی رات اور کل کا دن بسر کرو۔ میں انتظام کر کے کل آدھی رات کو تمہیں

یہاں سے نکال کر کسی نہ کسی طرح سرحد کے پار
پہنچا دوں گا تم ملک ہندوستان کی طرف نکل جانا
وہاں تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ وہاں ہمارے
بہت سے عیسائی بھائی آزادی کی زندگی بسر
کرتے ہیں۔"

لڑکی نے گلے میں ڈالی ہوئی صلیب کو ہاتھ میں لے
کر چوما اور کہا:

"یسوع مسیح میری مدد کریں گے۔"

ماریا خاموش ایک طرف دیوار کے ساتھ لگی ان کی باتیں
سن رہی تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ عیسائی لڑکی یتیم ہے اور
اپنی خالہ کے گھر رہتی تھی۔ اس کو یسوع مسیح سے بے حد
پیار اور عقیدت تھی جس کی وجہ سے اس نے گلے میں
صلیب لٹکا لی۔ دشمن سپاہیوں کو اس کی خبر ہو گئی۔ چنانچہ
رات کو انہوں نے لڑکی کی خالہ کے گھر چھاپہ مارا۔ اس کی
خالہ نے لڑکی کو راہب کے ساتھ فرار کروا دیا۔ اور
راہب لڑکی کو لے کر خانقاہ میں آ گیا تھا۔

اچانک خانقاہ کے دروازے پر زور سے دستک ہوئی۔
لڑکی کانپ اٹھی:

"وہ آ گئے ہیں۔"

راہب بھی گھبرا گیا:

"تم یہیں بیٹھی رہو۔ کوئی آواز نہ نکالنا۔"

یہ کہہ کر راہب تہہ خانے سے جلدی سے نکل گیا۔ ماریا
پہلے ہی باہر جا چکی تھی۔ دروازے کو اب توڑا جا رہا تھا۔
راہب نے جلدی جلدی تہہ خانے کے فرش کو بند کر کے
دیوار میں پتھر کی اینٹ اپنی جگہ پر لگائی اور دروازہ کھول
دیا۔ دروازہ کھلتے ہی تین دشمن سپاہی تلواریں ہاتھوں میں
لہراتے خانقاہ میں گھس آئے اور انہوں نے راہب کو
گردن سے دبوچ کر نیچے فرش پر گرا دیا:

"وہ لڑکی کہاں ہے؟ جلدی بتاؤ نہیں تو تلوار سے
تمہارا سر قلم کر دیا جائے گا۔"

راہب نے بڑے وقار سے اپنا سفید بالوں والا سر
بلند کیا اور کہا:

"تم میری کھال بھی کھینچ لو گے تو میں تمہیں نہیں
بتاؤں گا کہ لڑکی کہاں ہے۔"

اس پر دشمن سپاہیوں کو سخت طیش آ گیا۔ ایک سپاہی
نے چلا کر کہا:

"اسے قتل کر دو۔"

دوسرے نے کہا:

"اسے قتل کر دیا تو لڑکی کا پتہ کون بتائے گا۔ اسے ساتھ لے جا کر دہکتی ہوئی آگ کے اوپر لٹکا دیتے ہیں۔ اپنے آپ لڑکی کا پتہ بتا دے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ باندھ کر لے چلو اسے۔"

سپاہیوں نے بوڑھے راہب کو ٹھوکریں ماریں اور اس کے دونوں ہاتھ پیچھے باندھ کر باہر نکل گئے۔ ماریا یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ وہ بالکل تیار تھی کہ اگر راہب کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ اس کی جان بچا لے گی۔ لیکن اب سنگدل وحشی رومن سپاہی اسے درد ناک اذیت دینے لے جا رہے تھے۔ یہ اذیت موت سے زیادہ تکلیف دہ تھی۔ وہ خانقاہ سے باہر آگئی۔

درختوں میں سپاہیوں کے گھوڑے کھڑے تھے۔ ماریا نے پہلا کام یہ کیا کہ گھوڑوں کے پاس جا کر ان کی رسیاں کھولیں اور لاتیں مار کر انہیں بھگا دیا۔ گھوڑوں کو بھاگتے دیکھ کر رومن سپاہی ہڑبڑا اٹھے۔

"انہیں پکڑو۔ یہ کیوں بھاگ اٹھے۔ پکڑو۔"

دو سپاہی گھوڑوں کے پیچھے بھاگے۔ ایک سپاہی بندھے ہوئے راہب کو لے کر وہیں خانقاہ کے باہر کھڑا رہا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ ماریا اس کے پیچھے آ

گئی۔ اس نے زمین پر سے پتھر اٹھا کر زور سے رومن سپاہی کی کلائی پر مارا۔ سپاہی کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر گر پڑی اور وہ درد سے چیخ اٹھا۔ مگر وہ اس بات پر سخت حیران تھا کہ اس کی کلائی پر پتھر کس نے مارا ہے؟ راہب بھی تعجب سے سپاہی کی گری ہوئی تلوار کو دیکھنے لگا۔ سپاہی تلوار اٹھانے کے لیے جھکا تو ماریا نے اس کی پیٹھ پر زور سے لات ماری۔ وہ اوندھے منہ گر پڑا۔ پھر تیزی سے تلوار اٹھا کر راہب پر حملہ کرنے ہی والا تھا کہ ماریا نے اس کی تلوار چھین کر پرے پھینکی اور گرج کر کہا:

"زمین پر لیٹ جاؤ۔ نہیں تو کچا چبا جاؤں گی۔"

"چ چ چ چڑیل ....."

رومن سپاہی کی خوف کے مارے گگھی بندھ گئی۔ وہ اوندھے منہ زمین پر لیٹ گیا۔ راہب نے بھی ماریا کی آواز سنی تھی۔ اس نے سن رکھا تھا کہ خانقاہ کے آس پاس راتوں کو چڑیلوں کی آوازیں آیا کرتی ہیں۔ مگر وہ کبھی نہیں ڈرا تھا۔ کیوں کہ وہ ایک نیک اور پاک آدمی تھا اور جو لوگ نیک اور پاک ہوتے ہیں اور صرف خدا کی ذات سے ڈرتے ہیں ان کے دل سے چڑیلوں اور بھوتوں

کا خون نکل جاتا ہے۔

اتنے میں دوسرے دو سپاہی بھی آ گئے۔ وہ تینوں گھوڑوں
کو پکڑ لائے تھے اور درخت کے ساتھ اچھی طرح سے
باندھ کر راہب کے پاس آئے تو اپنے ساتھی کو زمین
پر اوندھا پڑا دیکھ کر غضب میں آ گئے۔

ایک سپاہی غصے سے چلایا:

"الو کے پٹھے زمین پر کیوں لیٹے ہو؟ اٹھو اور اس
بڈھے کو لے کر چھاؤنی چلو۔"

دوسرے سپاہی نے راہب کے ہاتھوں میں بندھی
ہوئی رسی کو تھام لیا۔ پہلے والے نے زمین پر اوندھے
پڑے سپاہی کو اٹھانا چاہا تو وہ پریشان ہو گیا۔ زمین پر
پڑا ہوا سپاہی بے ہوش ہو چکا تھا۔

"یہ تو بے ہوش ہے۔"

"ضرور اس بڈھے نے کچھ کیا ہو گا۔ ابھی اسے
اس کا مزا چکھاتے ہیں۔ لے چلو ان دونوں کو
گھوڑے پر ڈال کر۔"

ماریا ایک بار پھر حرکت میں آ گئی۔ ایک سپاہی زمین
پر بے ہوش پڑے سپاہی کو اٹھا رہا تھا۔ دوسرا سپاہی
بڈھے راہب کو گھسیٹ کر گھوڑے کی طرف لے جا رہا تھا

کہ اچانک اس کی گردن پر کسی نے اتنے زور سے ہاتھ
مارا کہ وہ چکر کھا کر زمین پر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔
جو سپاہی اپنے پہلے والے بے ہوش ساتھی کو اٹھا رہا
تھا اس کی گردن پر بھی ایک دھکا سا ہوا اور وہ بھی
بے ہوش ہو کر اپنے بے ہوش ساتھی کے اوپر گر پڑا۔
ماریا راہب کے ہاتھ کھولنے لگی۔

راہب نے کہا:

"تم کون ہو؟ مجھے یقین ہے کہ تم چڑیل نہیں ہو
کیوں کہ اگر تم چڑیل ہوتیں تو مجھے بھی زندہ
نہ چھوڑتیں۔"

ماریا نے کہا:

"مقدس باپ! میرا نام ماریا ہے۔ میں ایک عیسائی
لڑکی ہوں۔"

"کیا تم انسان ہو؟"

"ہاں — میں بھی آپ ہی کی طرح ایک انسان ہوں۔"

"پھر تم نظر کیوں نہیں آتیں؟"

"یہ ایک ایسی کہانی ہے۔ اتنی لمبی کہ اگر میں ہر روز کے
واقعات سنانے بیٹھوں تو ہزاروں سال گزر جائیں
اور کہانی ختم نہ ہو۔"

راہب نے کہا:

"کیا تم جادوگرنی ہو؟"

ماریا بولی:

"نہ میں جن بھوت ہوں نہ جادوگرنی ہوں۔ میں ایک سیدھی سادی عیسائی لڑکی ہوں۔ مگر ایک خاص حادثے کی وجہ سے غائب کر دی گئی ہوں۔ میرے اختیار میں نہیں ہے کہ میں اپنے آپ کو ظاہر کر کے دوسرے انسانوں کی طرح زندگی بسر کروں۔"

راہب خاموش تھا۔

ماریا نے سانس بھر کر کہا:

"مقدس باپ! میرے خیال میں ہمارے پاس ان باتوں کے لیے زیادہ وقت نہیں ہے۔ ہمیں ابھی تہہ خانے میں جا کر لڑکی کو باہر نکالنا ہے۔"

راہب نے چونک کر پوچھا:

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ تہہ خانے میں ایک لڑکی موجود ہے؟"

"ہاں مقدس باپ! جب آپ اسے نیچے چھپانے لے گئے تھے تو میں آپ کے ساتھ ساتھ تھی۔"

راہب نے ڈاڑھی کھجاتے ہوئے کہا:

"میں یہ سب کچھ زندگی میں پہلی بار دیکھ رہا ہوں مگر تم نے کہا ہے کہ ابھی تہہ خانے سے ہمیں لڑکی کو نکالنا ہے۔ میں تو اسے وہیں چھپائے رکھنا چاہتا ہوں۔"

ماریا نے کہا:

"مقدس باپ! یہ تین رومن سپاہی بے ہوش پڑے ہیں۔ ہو سکتا ہے صبح تک ان میں سے ایک دو مر جائیں۔ کیوں کہ غائب ہونے کے بعد مجھ میں انسانوں کے مقابلے میں زیادہ طاقت پیدا ہو گئی ہے اور میں نے ایک دو ہاتھ گردن پر سخت مارے تھے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ اس سے پہلے کہ رومن فوج ان سپاہیوں کی کھوج میں یہاں آ جائے۔ لڑکی کو تہہ خانے سے باہر نکال کر کسی دوسری محفوظ جگہ چھپا دیں۔"

راہب بولا:

"بیٹی! اس سے زیادہ محفوظ جگہ سارے ملک میں اور کہیں نہیں ہے۔"

ماریا نے کہا:

"تو پھر ہمیں چاہیے کہ لڑکی کو ساتھ لے کر اسے
مصر کی سرحد سے پار لے جائیں تاکہ یہ دشمنوں کی زد
سے محفوظ ہو جائے اور کسی قافلے میں شامل ہو کر
ملک ہندوستان پہنچ جائے۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں" راہب نے کہا۔

ماریا بولی:

"میں نے آپ کو اس خواہش کا اظہار کرتے سن
لیا تھا۔ اسی لیے اس سکیم کو دہرایا ہے۔ آپ کا
کیا خیال ہے؟ میری تو یہی رائے ہے کہ اس
وقت ہمارے پاس گھوڑے بھی موجود ہیں۔ ہمیں
یہاں سے راتوں رات نکل جانا چاہیے۔"

راہب نے کہا:

"میں تمہاری رائے سے اتفاق کرتا ہوں۔"

ماریا اور راہب تہہ خانے میں چلے گئے۔ راہب
نے عیسائی لڑکی کو ماریا کے بارے میں کچھ نہ بتایا۔
بس یہی کہا کہ رومن سپاہی آئے تھے۔ ناامید ہو کر
واپس چلے گئے ہیں اور یہ کہ اسے اس کے
ساتھ ملک سے باہر چلنا ہو گا۔ لڑکی پہلے ہی وہاں
بڑی گھبرائی ہوئی تھی۔ جلدی سے چلنے پر تیار ہو گئی۔

راہب نے باہر آ کر اسے ایک گھوڑے پر سوار کر دیا۔
دوسرے گھوڑے پر خود سوار ہو گیا۔ تیسرے گھوڑے
پر ماریا سوار ہو گئی۔ مگر وہ عیسائی لڑکی کو دکھائی نہیں
دے رہی تھی۔ اسے گھوڑا خالی نظر آ رہا تھا۔

اس نے راہب سے پوچھا:

"بابا! یہ خالی گھوڑا آپ کس لیے ساتھ لے جا
رہے ہیں۔ اسے یہیں چھوڑ دیں۔"

راہب نے جواب میں کہا:

"یہ میرے ایک دوست کی امانت ہے بیٹا! میں
اسے واپس کرنا چاہتا ہوں۔"

ماریا مسکرا دی۔

بوڑھے راہب کو راستے کا پتہ تھا۔ اس نے دریائے
نیل کے کنارے گھوڑے کو ڈال دیا۔ ان
راستوں سے ماریا بھی واقف تھی۔ وہ یہاں ایک
عرصے تک رہی تھی۔ رات آدھی گزر چکی تھی۔
صحرا کی فضا ٹھنڈی ٹھنڈی تھی۔ بوڑھا راہب
اور عیسائی لڑکی دونوں ساتھ ساتھ گھوڑوں پر سوار
جا رہے تھے۔ ماریا ان کے پیچھے تھی۔ ادھر
یہ لوگ صحرا میں مصر کی سرحد عبور کرنے جا

رہے تھے اور دوسری طرف عنبر مصر کے شہر لکسر
میں ایک سرائے کی چھت پر اکیلا لیٹا ناگ اور ماریا
کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ وہ کس حال میں ہوں گے
اور کہاں ہوں گے ۔

آسیبی روحوں کا دردناک کھیل

مصر کا آسمان تاروں سے بھرا ہوا تھا۔

جس وقت ماریا، بوڑھے راہب اور عیسائی لڑکی کو ساتھ
لے کر راتوں رات ملک مصر کی سرحد کی طرف جا رہی تھی۔
عین اس وقت عنبر مصر کے دارالحکومت لکسر کی ایک سرائے
کی چھت پر قالین پر لیٹا ستاروں کو تک رہا تھا۔ آج
سے ایک ہزار برس پہلے مصر کے دارالحکومت کا نام قاہرہ
نہیں بلکہ لکسر تھا۔ اس سے بھی تین ہزار برس پہلے مصر کے
دارالحکومت کا نام تھیبز تھا۔ یہی وہ شہر تھا جہاں سے پانچ
ہزار برس کے طویل اور ایڈونچرس سفر پہ نکلا تھا۔

عنبر اس وقت ناگ اور ماریا کے بارے میں سوچ
رہا تھا۔ شہر خاموش تھا۔ گلیوں اور بازاروں میں سناٹا چھایا
ہوا تھا۔ دریائے نیل کی جانب سے کبھی کبھی ٹھنڈی ہوا
کا جھونکا آ جاتا تھا۔ عنبر کو نیند تو کبھی آتی ہی نہیں تھی۔
ہاں جب کبھی اس کا سونے کو دل چاہتا تھا تو وہ

سو جاتا تھا۔ عنبر کو اپنا بچپن اور اپنا پرانا وطن بھی یاد
آ رہا تھا۔ یہی اس کا وطن تھا۔ مگر اس کا حلیہ اور
گلیوں بازاروں اور مکانوں کا نقشہ وہ نہیں تھا جو چار ہزار
سال پہلے تھا۔ اسے تین ہزار سال پہلے کے زمانے میں
جانا تھا جب مصر پر فرعونوں کی حکومت ہوا کرتی تھی۔
اس وقت تو رومن بادشاہ مصر پہ حکومت کرتا تھا۔
عنبر کا خیال تھا کہ وہ کچھ دیر کے لیے سو جائے لیکن اسے
نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ اٹھ کر چھت پر ٹہلنے لگا۔ دور
سے فاصلے پر اسے اہرام مصر کے خاکے نظر آ رہے
تھے۔ آج سے چار ہزار برس پہلے مصر میں صرف دو تین
اہرام تھے۔ باقی اہرام بعد میں آنے والے فرعونوں نے
بنوائے تھے۔ انہی اہراموں کے قریب دریائے نیل کے
کنارے عنبر کا گھر تھا۔

وہ ٹہلتے ٹہلتے چھت کی دیوار کے پاس آ کر نیچے کھیتوں

اور انگور کے باغ کی جانب دیکھنے لگا۔ کھیتوں اور باغ میں
اندھیرا چھایا تھا مگر عنبر اس اندھیرے میں بھی کھیتوں میں اناج
کے ڈھیروں کو دیکھ رہا تھا۔ جس بازار میں یہ سرائے تھی وہ
بھی سنسان تھا۔ بازار کے کونے میں سرائے کے پاس ہی ایک
پرانی عمارت تھی۔ یہ ویران اور اُجڑی ہوئی تھی۔ یہاں اندھیرا
چھایا تھا۔ اس پرانی حویلی کے بارے میں لوگوں نے مشہور کر
رکھا تھا کہ یہاں آسیب چھایا ہے اور اماوس کی رات کو
یعنی جب آسمان پر چاند کہیں نہیں ہوتا اور بھیانک اندھیرا
چھایا ہوتا ہے تو آدھی رات کو اس حویلی میں سے کسی عورت
کے رونے کی آواز آتی ہے۔ لوگ دن کے وقت بھی اس
حویلی سے کترا کر گزرتے تھے۔

عنبر نے آسمان کی طرف دیکھا۔ چاند کہیں نہیں تھا۔ ہر
طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ یہ اماوس کی رات تھی شاید
عنبر نے اس قسم کی آسیبی حویلیاں اور قلعے بہت سے دیکھے
تھے۔ اور اس پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ وہ چھت
کی دیوار سے واپس ہٹنے ہی لگا تھا کہ اسے نیچے کچی سڑک
پر دور سے ایک رتھ آتا دکھائی دیا۔ اس رتھ کے آگے
بن جُن کی طرح کے چھ سیاہ گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ مگر
حیرانی کی بات یہ تھی کہ گھوڑے دوڑتے ہوئے آ رہے تھے

مگر ان کے قدموں کی آواز بالکل نہیں آ رہی تھی۔

عنبر غور سے اندھیرے میں آگے بڑھتے ہوئے اس رتھ کو غور سے دیکھنے لگا۔ اس رتھ کو ایک حبشی غلام چلا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ایک عورت کھڑی تھی۔ جس کا لباس چاندی کی طرح سفید تھا اور سر پر کنول کے سفید پھولوں کا تاج تھا۔ قدیم مصر میں جب کسی شہزادی کی شادی ہوا کرتی تھی تو اسے ایسا لباس پہنایا جاتا تھا۔ یعنی وہ کوئی شہزادی دلہن تھی۔ گھوڑے رتھ کو اڑائے لیے چلے آ رہے تھے لیکن ان کے قدموں کی ہلکی سی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ رتھ حویلی کے پرانے دروازے کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

دلہن شہزادی رتھ سے نیچے اتری اور حویلی کے دروازے میں سے گزر کر اندھیرے میں گم ہو گئی۔ غلام نے رتھ کو واپس موڑا اور گھوڑوں کو دوڑاتا رتھ لے کر جدھر سے آیا تھا ادھر واپس چلا گیا۔ عنبر کو تعجب ہوا کہ یہ دلہن شہزادی کون ہے۔ جو آدھی رات کو اس ویران اجاڑ اور اندھیری حویلی میں ایک ایسے رتھ پر سوار ہو کر آئی ہے جس کے گھوڑوں کے قدموں کی آواز ہی پیدا نہیں ہوتی۔ یہ سب کچھ عنبر کو بہت پراسرار اور کسی آسیب کی طرح لگ رہا تھا۔

ابھی وہ اس پر غور ہی کر رہا تھا کہ اسے ایک ایسی گونج سنائی دی جیسے تیز ہوا کا جھونکا اس کے کانوں کے قریب سے ہو کر گزر گیا ہو۔ اس کی نگاہیں اپنے آپ آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ کیا دیکھتا ہے کہ آسمان پر درختوں کے اوپر ایک قالین اڑتا ہوا چلا آ رہا ہے۔ اس قالین پر ایک خوبصورت نوجوان زر و جواہر کا تاج اور شاہی لباس پہنے بیٹھا ہے۔ یہ اڑن قالین درختوں کے اوپر سے چکر کاٹ کر پراسرار حویلی کی چھت پر اتر گیا۔ عنبر یہ سارا کھیل حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ حویلی کے اندر جا کر دیکھے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے یا ہونے والا ہے۔

وہ چھت سے اترا اور سرائے کا دروازہ کھول کر حویلی کی طرف چل پڑا۔ کچی سڑک رات کے اندھیرے میں خاموش تھی۔ اس نے غور سے دیکھا۔ کچے راستے پر گھوڑوں کے سموں اور رتھ کے پہیوں کے کوئی نشان نہیں تھے۔ وہ حویلی کے دروازے پر آ کر رک گیا۔ حویلی کا پرانا بھاری بھرکم دروازہ بند تھا۔ تھوڑا سا دروازہ زمین کے اندر دھنسا ہوا تھا۔ صاف لگ رہا تھا کہ یہ دروازہ برسوں سے نہیں کھولا گیا۔ پھر وہ مصری شہزادی کیسے اندر داخل ہو گئی؟

عنبر حویلی کے پیچھے آگیا۔ یہاں ایک درخت دیوار کے
ساتھ حویلی کی چھت تک چلا گیا تھا۔ عنبر درخت کے ذریعے
چھت پر چڑھ گیا۔ سامنے ایک ڈیوڑھی تھی جس کی سیڑھیاں
نیچے جا رہی تھیں۔ عنبر نے دیکھا کہ چھت پر وہی قالین
ایک طرف پڑا ہے۔ جس پر سوار ہو کر ابھی ابھی ایک شاہی
لباس والا نوجوان وہاں اترا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا
سیڑھیاں اترنے لگا۔

سیڑھیوں میں اندھیرا گھپ تھا۔

عنبر آخری سیڑھی پر پہنچا تو اسے ہلکی روشنی نظر آئی۔ اس
نے دیوار کے ساتھ لگ کر دوسری طرف دیکھا۔ ایک پرانا
کمرہ تھا جس کی چھت سے جالے لٹک رہے تھے۔ کونے میں
ایک پتھر کا چھوٹا سا چبوترہ بنا تھا۔ اس چبوترے کے اوپر
ایک روشن دان تھا۔ یہ روشنی اس روشن دان میں سے
آ رہی تھی۔ عنبر گرد سے بھرے ہوئے کمرے میں چل کر چبوترے
کے پاس آ کر رک گیا۔ چھت سے لٹکے ہوئے جالے اس کے
سر میں الجھ گئے تھے۔ اس نے جالوں کو صاف کیا اور چبوترے
پر چڑھ گیا۔ اس نے روشندان کے ساتھ منہ لگا کر دوسری
جانب دیکھا۔

کیا دیکھتا ہے کہ صاف ستھرے کمرے میں دیواروں پر
اطلس و کمخواب کے بھاری پردے لٹک رہے ہیں۔ درمیان
میں ایک تخت بچھا ہے۔ اس تخت پر وہ مصری شہزادی جو
قالین پر سوار ہو کر آئی تھی اور وہ نوجوان جو قالین پر سوار ہو کر
آیا تھا۔ پاس پاس بیٹھے ہیں۔ ان کے آگے دائیں بائیں چار آدمی
خاموش کھڑے ہیں۔ انہوں نے سروں پر لمبے لمبے سرخ ٹوپ
پہن رکھے ہیں جن میں سے بارہ سنگھوں کی طرح کے سینگ
نکلے ہوئے ہیں۔ ان کے چہرے سیاہ نقابوں میں چھپے ہوئے
ہیں۔ ان میں سے ایک آدمی نے آگے بڑھ کر شہزادی اور
شہزادے کی طرف دیکھ کر کہا!

"اے مصر کی شہزادی اور ملک یمن کے شہزادے،
تمہاری محبت جیت گئی اور ہم ہار گئے۔ ہم اپنی
شکست مان رہے ہیں، اب تمہاری خواہش کے مطابق تم
دونوں کی شادی کر دی جائے گی۔"

اس آدمی نے ایک طرف اشارہ کیا۔ ادھر بھاری پردے
کے پیچھے سے ایک اسی طرح کا سینگوں والا آدمی نکلا۔ اس
کے ہاتھ میں طشتری تھی جس میں ہیرے کی دو انگوٹھیاں اور
کالے مرغ کے خون سے بھرا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا۔ شادی
کروانے والے نے انگوٹھیاں شہزادی اور شہزادے کو پہنا کر
مرغ کے خون کے پیالے میں انگلی ڈبو کر دونوں کے ماتھوں پر

نشان لگایا اور کہا:

"آج سے تم میاں اور بیوی ہو۔ تم جہاں چاہو آزادی سے جا کر زندگی بسر کر سکتے ہو۔"

یہ کہہ کر وہ چاروں آدمی پردے کے پیچھے چلے گئے مصری شہزادی اور یمن کا شہزادے بہت خوش تھے۔ ایک دم سے پردہ ہٹا اور ایک خوبصورت عورت ناگن کا لباس پہنے، سر پر ناگ کے پھن کا تاج رکھے آئی۔ اس کے ہاتھوں میں چاندی کا ایک گلاس تھا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ اس نے ادب سے جھک کر شہزادی اور شہزادے کو آداب کیا اور کہا:

"شادی مبارک ہو۔ اس خوشی کو دوبالا کرنے کے لیے وزیر اعظم نے مجھے ناگن رقص پیش کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ یہ شربت پی کر اپنی خوشیوں میں اضافہ کریں اور میرا ناگن رقص دیکھیں۔"

اس نے چاندی کا پیالہ شہزادی اور شہزادے کی طرف بڑھایا۔ دلہن شہزادی نے مسکراتے ہوئے پیالہ تھام لیا۔ اس میں سے چند گھونٹ پی کر پیالہ شہزادے کی طرف کر دیا۔ شہزادے نے بھی اس میں سے چند گھونٹ پیے اور پیالہ تخت پر رکھ دیا۔ اب ناگن رقاصہ نے تیزی سے رقص کرنا شروع کر دیا۔ وہ کبھی سانپ کی طرح بل کھاتی، زمین پر لوٹ

لگاتی تخت کے قریب جاتی۔ کبھی جلدی سے پیچھے ہٹ جاتی۔ کبھی اپنے مصنوعی پھن کو شہزادی اور شہزادے کے پاس لا کر ایسی اداکاری کرتی جیسے انہیں ڈسنے لگی ہو پھر مسکرا کر پیچھے کو بھاگ جاتی اور ایک پاؤں پر گردش کرنے لگتی۔ وہ اتنی تیزی اور جوش کے ساتھ ناگن رقص کر رہی تھی کہ اس کے گلے کا ہار ٹوٹ گیا اور اس کے موتی فرش پر بکھر گئے۔

ادھر دلہن شہزادی اور شہزادے پر غنودگی طاری ہونے لگی تھی۔ عنبر نے محسوس کیا کہ انہیں شربت میں کچھ ملا کر پلا دیا گیا ہے۔ وہ ان کی اب کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ وہ یہ سارا ڈرامہ خاموشی سے دیکھتا رہا۔ دلہن شہزادی اور شہزادے کو پسینے آ گئے۔ وہ تخت پر سے اٹھے مگر لڑکھڑا کر گر پڑے اور بے حس و حرکت ہو کر وہیں پڑے رہے۔ ناگن رقاصہ نے اچانک رقص بند کر دیا اور تالی بجائی۔ وہی چاروں منحوس آدمی پردے کے پیچھے سے نکلے اور شہزادی اور شہزادے پر جھک گئے۔ پھر ناگن رقاصہ کو شاباش دے کر کہا:

"تم نے وزیر اعظم کی ایک بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔ ہم تمہیں شاہی رقاصہ سے ملکہ مصر بنانے کی

سفارش کریں گے۔"

دوسرا بولا:

"سانپ کے زہر نے بڑی جلدی اپنا اثر دکھایا ہے
دونوں مر چکے ہیں۔"

تیسرے نے کہا:

"ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ ان کی لاشیں صبح
دریائے نیل میں پھینک دی جائیں گی۔"

چوتھا بولا:

"ناگن رقاصہ! اب یہ تمہارا کام ہے کہ صبح ہونے تک
ان لاشوں پر پہرہ دو۔"

رقاصہ نے سہم کر کہا:

"حضور! اگر آپ اجازت دیں تو میں صبح صبح آ کر
ان کی لاشوں کو ٹھکانے لگا دوں گی۔"

"اجازت ہے۔" پہلے آدمی نے کہا۔

اس کے بعد چاروں آدمی اور ناگن رقاصہ وہاں سے
چلے گئے۔ تخت پر صرف شہزادی اور شہزادے کی لاشیں
پڑی رہ گئیں۔ عنبر ان لاشوں کے پاس جانے کی اچانک سوچ
ہی رہا تھا کہ اچانک چھت کی طرف سے ایک عورت کا
ہیولا اتر کر ان لاشوں کے پاس آ گیا۔ یہ ایک ادھیڑ عمر کی

خاتون تھی مگر شاہی لباس پہنے ہوئے تھی۔ وہ کوئی ملکہ لگ
رہی تھی۔ تخت کے پاس آ کر وہ شہزادے کی لاش سے
لپٹ گئی اور بین کرنے لگی:

"میرے شہزادے بیٹے! تیرے ساتھ یہ ظلم کس نے کیا؟
تو اپنی بوڑھی ماں کو اکیلا چھوڑ کر چل دیا۔ میرے
دلہا بیٹے — تیری شادی کا سہرا ظالم موت نے
نوچ کر پھینک دیا۔"

یہ عورت بین کرتے ہوئے آہستہ آہستہ رو رہی تھی۔ عنبر
سمجھ گیا کہ اماوس کی رات کو اسی عورت کے رونے کی
آوازیں اس حویلی سے آیا کرتی ہوں گی۔ اس کی آنکھوں کے
سامنے ایک خونی ڈرامہ کھیلا گیا تھا۔ اچانک اس کے ذہن
میں ایک خیال آیا۔ شہزادی اور شہزادے کو جس زہر سے
ہلاک کیا گیا تھا وہ سانپ کا زہر تھا۔ سانپ کے زہر کو
اس کے منہ کی تھیلی سے نکال کر شربت میں اس صفائی
اور مہارت سے ملا دیا گیا تھا کہ اس کی کڑواہٹ ختم
ہو گئی تھی۔

عنبر روشندان سے ہو کر اس کمرے میں کود گیا۔
بین کرتی بوڑھی عورت نے چونک کر عنبر کو دیکھا اور
ایک دم سے پیچھے ہٹ کر دیوار کے قریب آ گئی۔ اس کے چہرے

پر حیرت تھی۔

عنبر نے کہا:

"تم کون ہو خاتون! اور یہ سب کچھ حقیقت ہے یا
میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں؟"

خاتون نے درد بھری آواز میں کہا:

"میں ملک یمن کی ملکہ ہوں۔ یہ میرا شہزادہ بیٹا ہے
آج سے تین سو برس پہلے کی بات ہے کہ میرا
بیٹا مصر کی شہزادی پر عاشق ہو گیا اور شادی کی
خواہش ظاہر کی۔ اسے ایک جادوگر نے اڑنے والا
قالین دے رکھا تھا۔ مصر کی شہزادی اس حویلی میں اپنے
باپ کے پاس رہتی تھی۔ میرا بیٹا اڑنے والے قالین
پر بیٹھ کر ہر اماوس کی رات کو جب رات تاریک
ہوتی اسے ملنے اس حویلی میں آیا کرتا تھا۔ شہزادی
کا باپ اس شادی کا مخالف تھا اور ہمارا دشمن
تھا۔ اس نے وزیر اعظم سے مل کر میرے بیٹے اور
اپنی بیٹی کو ہلاک کرنے کی خونی سازش کی۔ اسے اپنی
بیٹی کے ساتھ شادی کا کہہ کر دھوکے سے اس
حویلی میں ایک رات بلایا اور پھر ان دونوں کو زہر
دے کر ہلاک کر دیا۔ یہ دردناک کھیل اب ہر اماوس

کی رات کو پچھلے تین سو برس سے کھیلا جاتا ہے
اسی طرح شہزادی دلہن بن کر رتھ پر سوار ہو کر
آتی ہے۔ میرا بیٹا ملک یمن سے قالین پر بیٹھ
کر آتا ہے۔ دونوں کی شادی کروائی جاتی ہے اور
اور پھر انہیں زہر دے کر ہلاک کر دیا جاتا ہے۔
میری روح آسمانوں میں اپنے بیٹے کی موت کا
سن کر بے چین ہو جاتی ہے اور میں آسمانوں
سے اتر کر اس حویلی میں آتی ہوں اور اپنے بیٹے
کی لاش کے پاس بیٹھ کر روتی ہوں۔ بین کرتی ہوں"

عنبر نے کہا:

"تمہارے شہزادے اور شہزادی کو سانپ کا زہر
دیا گیا ہے۔ میرے پاس ایک ایسا منتر ہے کہ
جس کے پڑھنے سے میں سانپوں کے بادشاہ کو
یہاں بلوا دوں گا اور وہ تمہارے بیٹے اور شہزادی
کے جسم سے سارا زہر واپس چوس لے گا اور یہ
دونوں پھر سے زندہ ہو جائیں گے اور ہنسی خوشی
زندگی بسر کرنے لگیں گے"۔

یمن کی ملکہ کی روح کانپ سی گئی۔ اس نے ایک ٹھنڈی
آہ بھر کر کہا:

"کاش آج سے تین سو برس پہلے تم مجھے یہ بات کہتے۔ اب ایسا نہیں ہو سکتا۔ تاریخ میں میرا بیٹا اور شہزادی مر گئے تھے۔ اب اگر انہیں زندہ کر دیا گیا تو تاریخ کی زنجیر کی ساری کڑیاں درہم برہم ہو جائیں گی۔ تین سو برس سے لے کر اب تک اس ملک میں جو جو واقعات ہوئے ہیں وہ الٹ پلٹ ہو جائیں گے۔ اس کا اثر آج کے واقعات پر پڑے گا اور ہر طرف ایک تباہی اور افرا تفری مچ جائے گی۔ نہیں نہیں۔ اب ایسا نہیں ہو سکتا۔ اب ایسا نہیں ہو سکتا..... نہیں نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا کاش تم تین سو برس پہلے آج ہی کی رات مجھے یہاں ملتے۔ پھر میرا بیٹا نہ مرتا۔ میرا بیٹا نہ مرتا۔ کاش ـــــ کاش ـــــ"

اور خاتون کی روح روتے ہوئے بین کرتے ہوئے چھت کی طرف اوپر اٹھی اور نظروں سے غائب ہو گئی۔ عنبر نے محسوس کیا کہ روح بالکل صحیح کہہ رہی تھی۔ کسی شخص کو اتنی اجازت نہیں دی جا سکتی تھی کہ وہ تاریخ کے گزرے ہوئے واقعات کو الٹ پلٹ کر کے رکھ دے۔

عنبر نے پلٹ کر شہزادی اور شہزادے کی لاشوں کو دیکھا۔ دونوں کے چہروں پہ معصوم سی مسکراہٹ تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ گہری نیند سو رہے ہیں۔ اچانک ایک بھیانک مکروہ قہقہے کی آواز بلند ہوئی۔ عنبر نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ ناگن رقاصہ پردے کے پیچھے سے نمودار ہوئی اور عنبر کی طرف بڑھی پھر اس نے اس تخت کے ارد گرد رقص شروع کر دیا جس پر شہزادی اور دولہا شہزادے کی لاشیں پڑی تھیں۔ عنبر ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ کیوں کہ یہ جو کچھ اس کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا ایک بار پہلے بھی ہو چکا تھا اور عنبر اس میں ذرا سا بھی دخل نہیں دینا چاہتا تھا۔ تاریخ کے اس واقعے میں دخل دینے کا انجام بڑا بھیانک ہو سکتا تھا۔

ناگن رقاصہ بھی اب عنبر سے بے خبر ہو گئی تھی۔ رقص کرتے کرتے اس کے سر پہ لگا ہوا سانپ کے پھن کا تاج گر پڑا۔ اس کے سیاہ لمبے بال کھل گئے پھر اس کا چہرے پر جھریاں پڑ گئیں۔ سر کے بال سفید ہو گئے اور لمبے لمبے دانت ہونٹوں سے باہر نکل آئے۔ وہ لاشوں کے ارد گرد اسی طرح رقص کرتی رہی۔ وہ چڑیل کے روپ میں آ گئی تھی۔ لاشوں کی بھی حالت خراب ہونے لگی تھی۔ ان کی ہڈیاں اور سفید کھوپڑی نظر آنے لگی۔ اور پھر رقص کرتے کرتے چڑیل ایک چیخ مار کر غائب ہو گئی۔ اس کے

غائب ہوتے ہی دلہن شہزادی اور دلہا شہزادے کی لاشیں
بھی غائب ہو گئیں۔ اس کے بعد تخت، دیواروں پر لگے ہوئے
اطلس و کم خواب کے شاہی پردے بھی غائب ہو گئے۔ اب
وہ کمرہ جو پہلے کسی محل کی شاہی خواب گاہ لگتی تھی ایک
ویران کمرے میں تبدیل ہو گیا۔ چھت سے جالے لٹکنے لگے۔
دیواروں سے مٹی گرنے لگی۔ شمع بجھ گئی اور حویلی کے اس
آسیب زدہ کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔

عنبر خاموشی سے کچھ دیر کھڑا رہا۔ اس کی آنکھوں نے
تین سو برس پہلے گزرے ہوئے تاریخ کے ایک دردانگیز
واقعے کو اپنی آنکھوں سے ایک بار پھر سے دہرائے جاتے
دیکھا تھا۔ وہ تاریخ کا بھٹکا ہوا مسافر تھا۔ تاریخ کے اس
قسم کے کتنے ہی درد بھرے واقعے اس نے دیکھے تھے۔ مگر
اس واقعے کو ایک بار پھر سے دہراتے ہوئے دیکھ کر اس کا
دل بھی اداس ہو گیا۔ اسے قتل ہو چکے شہزادے کی بین کرتی ماں
کے الفاظ یاد آنے لگے:

"کاش! تم آج سے تین سو برس پہلے یہاں آئے
ہوتے۔ پھر میرا بیٹا شاید شادی کے سہرے لگا کر موت
کے منہ میں نہ جاتا۔"

عنبر اس منحوس حویلی سے اب باہر نکل جانا چاہتا تھا۔

وہ واپس جانے کے لیے پلٹا تو اسے ایک جگہ زمین پر اندھیرے
میں سرخ رنگ کی روشنی چمکتی نظر آئی۔ قریب جا کر دیکھا
تو وہ ایک مرغی کے انڈے کے برابر ایک سرخ لعل تھا۔
عنبر نے اسے اٹھا لیا۔ لعل بڑا شفاف تھا اور اس میں
سے روشنی کی سرخ شعاعیں نکل رہی تھیں۔ پھر اسے محسوس ہوا
کہ لعل کے اندر چھوٹے چھوٹے سائے حرکت کر رہے ہیں۔
اس نے حیران ہو کر لعل کو آنکھوں کے قریب لا کر دیکھا تو
اس کے اندر صحرا کا ایک سین نظر آیا۔ چھوٹے چھوٹے ٹیلے ہیں۔
رات کا وقت ہے اور تین گھوڑے ریت کے راستے پر چلے
جا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک گھوڑے پر لمبی عبا والا ایک
بوڑھا راہب سوار ہے۔ دوسرے گھوڑے پر کوئی لڑکی بیٹھی
ہے۔ ان کے پیچھے پیچھے ایک اور گھوڑا چل رہا ہے
جو خالی ہے۔

عنبر اس منظر کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ حیران تھا
کہ اس سرخ لعل میں یہ سین کیسے ابھر آیا اور یہ لوگ
کون ہیں اور کدھر جا رہے ہیں۔ اچانک اس کے کان میں
کسی مرد کی دھیمی سی آواز سنائی دی۔

"اے تاریخ کے عظیم مسافر! اس منظر میں تو جس
گھوڑے کو خالی دیکھ رہا ہے اس پر تمہاری جنم

جنم کی ساتھی بہن ماریا سوار ہے۔"
عنبر کے منہ سے بے اختیار نکل گیا:
"ماریا؟"
"ہاں" دھیمی آواز پھر ابھری۔ "اس پر ماریا بیٹھی ہے۔"
عنبر نے پوچھا:
"یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں اور اس وقت کہاں
ہیں۔ میں ماریا کے پاس جانا چاہتا ہوں"
آواز نے کہا:
"یہ بوڑھا ایک نیک دل پاک باز عیسائی راہب
ہے۔ اس کے ساتھ جو لڑکی گھوڑے پر سوار ہے
وہ ملک مصر کی ایک عیسائی خاتون ہے یہ لوگ
رومن قوم کے ظلم و ستم کے مارے ہوئے ہیں
رومن گورنر کے سپاہی ان کے خون کے پیاسے
تھے۔ ماریا نے ان کی جان بچائی اور اب انہیں لے
کر مصر کی سرحد پار کروانے جا رہی ہے۔"
عنبر نے کہا:
"اے نیک دل روح! تم جو کوئی بھی ہو۔ مجھے ماریا
کے پاس لے چلو۔"
آواز نے کہا:

"اس لعل کو جیب میں رکھ کر حویلی کی چھت پر
آ جاؤ۔ وہاں تمہیں شہزادے کا قالین پڑا ملے گا۔
اس قالین پر سوار ہو کر کہنا۔ اے قالین! مجھے اس
جگہ لے چل جہاں سے ماریا گزر رہی ہے۔ قالین
تمہیں لے کر اڑ جائے گا۔"
عنبر نے پوچھا:
"قالین کے وہاں پہنچنے تک تو ماریا وہاں سے آگے
نکل گئی ہو گی۔ کیا یہ قالین اس کے پاس
پہنچا دے گا؟"
آواز نے کوئی جواب نہ دیا۔ حویلی پر وہی پہلے ایسی
ایسی بھیانک خاموشی چھا گئی۔ عنبر نے لعل کو جیب سے
نکال کر ایک بار پھر دیکھا۔ دونوں گھوڑ سوار اور تیسرا
ماریا کا گھوڑا ایک صحرائی ٹیلے کے قریب سے ہو کر گزر
رہے تھے۔ عنبر نے جلدی سے لعل کو جیب میں ڈالا اور
حویلی کی چھت پر آ گیا۔ وہاں شہزادے کا سرخ قالین ویسے
کا ویسا پڑا تھا۔ عنبر قالین پر بیٹھ گیا اور بولا:
"اے قالین! مجھے ماریا کے پاس پہنچا دے۔"
قالین میں ہلکی سی لرزش پیدا ہوئی۔ وہ چھت پر سے ایک
فٹ بلند ہوا اور چھت کے اوپر سے ہو کر اڑتا ہوا کھجور کے

درختوں کا ایک چکر کاٹ کر اندھیری رات میں اڑنے لگا۔
ہوا عنبر کے بالوں کو ادھر اُدھر اُڑا رہی تھی۔ قالین زمین سے
کافی بلندی پر اڑا چلا جا رہا تھا۔ شہر بہت پیچھے رہ گیا تھا اور
اب قالین سنگلاخ اور ریتلی پہاڑیوں کے اوپر سے ہوتا ہوا اڑا
چلا جا رہا تھا۔

عنبر کو خیال آیا کہ ماریا کا اتا پتہ تو اسے مل گیا ہے۔ کیوں نہ
لعل میں ناگ کو تلاش کرنے کی کوشش کرے۔ اس نے جیب
میں سے لعل نکالا تو گھبراہٹ میں وہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ
کر قالین پر گر پڑا۔ عنبر اسے پکڑنے کے لیے جھپٹا تو وہ قالین
سے اچھل کر نیچے گہرائیوں میں پہاڑیوں کے درمیان کہیں گم
ہو گیا۔

عنبر نے جلدی سے قالین سے کہا:

"اے قالین! نیچے چل کر مجھے لعل کو تلاش کرنے دے۔"

قالین خاموشی سے اڑتا چلا گیا۔

عنبر نے پھر کہا:

"اے قالین! اے مقدس روح! مجھے میرا لعل واپس
کر دے۔"

مگر اسے کوئی جواب نہ ملا۔ کسی کی آواز سنائی نہ دی۔
لعل اس سے جدا ہو گیا تھا۔ ہمیشہ کے لیے گم ہو گیا تھا۔

عنبر قالین کو پکڑ کر بیٹھ گیا۔ قالین کی رفتار اب کافی تیز ہو گئی تھی۔ عنبر
کے کپڑے پھڑپھڑا رہے تھے اور بال ہوا میں اڑ رہے تھے۔ صبح
ہونے والی تھی کہ اڑنے والا قالین ملک شام میں مصر کی سرحد
کے قریب ایک نخلستان میں اتر گیا۔ عنبر سمجھ گیا کہ ماریا یہیں
کہیں ہو گی۔ اسی لیے قالین یہاں اتر گیا ہے۔ وہ قالین سے
کود آیا۔ جونہی اس نے قالین سے اپنے آپ کو نیچے اتارا قالین
ہلکے سے دھماکے کی آواز کے ساتھ غائب ہو گیا۔

عنبر ملک شام کے نخلستان میں اکیلا رہ گیا۔
اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ کس مقام پر ہے اور شہر
وہاں سے کتنی دور ہے دل میں اتنا یقین ضرور تھا کہ قالین
اسی جگہ اترا ہے ماریا وہاں قریب ہی کہیں ہو گی۔ صبح کا
اجالا صحرا میں پھیلنے لگا تھا۔ اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو یہ
وہی علاقہ تھا جو اس نے لعل کے اندر دیکھا تھا۔ ماریا دوسرے
مسافر سواروں کے ہمراہ وہیں سے گزری تھی۔ قالین اسے ماریا
کے پاس لے جانے کی بجائے اس جگہ پر لے آیا تھا جہاں سے
ماریا گزری تھی۔

عنبر نے سوچا کہ چلو یہ بھی غنیمت ہے کہ وہ اس مقام
تک تو آ گیا جہاں سے ماریا گزر کر گئی ہے۔ اب وہ ماریا کو
تلاش کر لے گا۔ پو پھٹنے لگی۔ عنبر نے صبح کی ہلکی نیلی روشنی

ہیں دیکھا کہ ریت پر تین گھوڑوں کے قدموں کے نشان ایک طرف جا رہے تھے۔ عنبر ان نشانوں کے ساتھ ساتھ چلنے لگا یہ نشان نخلستان سے نکل کر صحرا میں سے گزرتے ایک چھوٹے سے راستے پر آ گئے تھے۔ یہ ایک ریتلا راستہ تھا۔ جو اونٹوں کے قافلوں نے بنا دیا تھا۔ عنبر ان راستے پر روانہ ہو گیا۔ دوپہر تک وہ اس راستے پر چلتا رہا۔ آگے دور دور تک صحرا دکھائی دے رہا تھا۔ بہت دور شمال مشرق کی طرف اسے دھوپ میں کوئی شے چمکتی دکھائی دی۔ یہ کسی عمارت کی برجی تھی جو کسی صحرائی پتھریلے ٹیلے پر بنی ہوئی تھی۔ گھوڑوں کے نشان اسی طرف جا رہے تھے۔ دوپہر کے وقت اچانک زرد اور سیاہ رنگ کی دھاریوں والی آندھی چڑھی۔ عنبر ریت کے بلند ٹیلے کے پیچھے چھپ گیا۔ دیکھتے دیکھتے صحرا میں اندھیرا چھا گیا اور تیز آندھی ہزاروں من ریت اڑا اڑا کر اس پر پھینکنے لگی۔ ٹیلے کی ساری ریت عنبر کے اوپر گر چکی تھی۔ آندھی بڑی قیامت کی چل رہی تھی۔

عنبر ریت کے ٹیلے کے نیچے دب چکا تھا۔ اس نے کافی دیر بعد زور لگا کر اپنے آپ کو ریت کے ٹیلے کے اندر سے باہر نکالا۔ آندھی ختم ہو چکی تھی۔ صحرا کا نقشہ ہی بدل چکا تھا۔ جہاں پہلے چھوٹے چھوٹے ٹیلے تھے وہاں اب

پاٹ ریتلا میدان تھا اور جہاں پہلے ریتلا میدان تھا۔ وہاں اب بڑے بڑے ٹیلے بن چکے تھے۔ ریت پر گھوڑوں کے پاؤں کے نشان مٹ چکے تھے۔ مگر عنبر نے اندازے سے دور اس برجی کی طرف چلنا شروع کر دیا جو اسے اب بھی نظر آ رہی تھی۔

قبر والی کھڑکی

سورج نکلا تو ماریا شام کی سرحد پر پہنچ گئی۔

مصر کی سرحد ختم ہو گئی تھی۔ ماریا، راہب اور عیسائی لڑکی کو رومی حکومت کے ظلم و ستم سے نکال کر ملک شام کی سرحدوں میں لے آئی تھی۔ راستے میں عیسائی خاتون کو معلوم تک نہ ہوا تھا کہ ان کے پیچھے پیچھے جو خالی گھوڑا چلا آ رہا ہے اس پر نظر نہ آنے والی ماریا سوار ہے۔ بوڑھے راہب نے بھی اسے شک نہیں ہونے دیا تھا۔ اب وہ شام کی سرحد میں داخل ہو گئے تھے۔ راہب اور عیسائی خاتون بڑی خوش تھی۔ راہب سے نہ رہا گیا۔ اس نے پیچھے خالی گھوڑے کی طرف منہ کر کے کہا:

"تمہارا شکریہ دوست! تم مدد نہ کرتے تو یہ عیسائی بچی اور میں زندہ نہ بچتے۔"

عیسائی خاتون نے بوڑھے راہب کی طرف دیکھ کر کہا:

"مقدس باپ! آپ کس کا شکریہ ادا کر رہے ہیں۔

گھوڑے پر تو کوئی بھی سوار نہیں ہے۔"

اب راہب کو اپنی جذباتی غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے ذرا سا کھانس کر کہا:

"ہیں ـــ میرا مطلب ہے میں اس گھوڑے کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔"

"مگر بابا گھوڑے نے تو ہماری کوئی مدد نہیں کی۔"

بوڑھا راہب مسکرایا:

"بیٹی! اگر اس کی مدد نہ ہوتی تو تم یہاں اس وقت زندہ و سلامت نہ ہوتیں۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں مقدس باپ! گھوڑا بے چارہ تو اس وقت سے ہمارے ساتھ یونہی چلا آ رہا ہے۔"

بوڑھا راہب مسکرایا:

"چھوڑو ان باتوں کو اب یہ بتاؤ کہ تم کہاں جانا چاہتی ہو؟ میرا ارادہ تمہیں یہاں سے ملک ہندوستان پہنچانے کا ہے۔ یہاں سے قافلے ہندوستان کو جایا کرتے ہیں۔ کیا ملک شام میں تمہارے کوئی رشتے دار ہیں ـــ؟"

عیسائی خاتون نے کہا:

"نہیں مقدس باپ! یہاں میرا کوئی رشتے دار نہیں ہے۔"

بوڑھے راہب نے کہا:

"پھر تمہیں میں ہندوستان جانے والے قافلے کے ساتھ روانہ کر دوں گا۔ تم فکر نہ کرو میں تمہیں قافلے کے سردار کے حوالے کر دوں گا۔ وہ تمہیں اپنی حفاظت میں ہندوستان پہنچا دے گا۔"

ماریا ان دونوں کی باتیں خاموشی سے سن رہی تھی۔ وہ گھوڑے پر سوار ان کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ وہ پرانے کھنڈروں میں سے ہو کر گزر رہے تھے۔ ماریا کی نظر اتفاق سے ایک کھنڈر پر پڑی تو وہ چونک اٹھی۔ دو آدمی تیر کمان جوڑے بوڑھے راہب اور عیسائی خاتون کا نشانہ لے رہے تھے۔ ماریا کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

"ایک طرف ہٹ جاؤ بابا!"

اور اس کے ساتھ ہی پلک جھپکنے میں ماریا نے اپنے گھوڑے کو دوڑا کر مقدس باپ اور عیسائی خاتون کے گھوڑوں کو ٹکر ماری۔ دونوں گھوڑے بدک کر ایک طرف کو بھاگ اٹھے۔ ذرا آگے جا کر گھوڑے رک گئے۔ عیسائی خاتون گھبرا گئی تھی۔ ایک تو اسے کسی عورت کی آواز سنائی دی تھی۔ دوسرے اس کے گھوڑے کو کسی نے پیچھے سے ٹکر ماری تھی:

"آواز کس عورت کی تھی مقدس باپ؟ ہمارے گھوڑوں کو کس نے دھکیلا تھا؟"

بوڑھا راہب سمجھ گیا تھا کہ ماریا نے انہیں کسی خطرے کو دیکھ کر خبردار کیا تھا۔ وہ کھنڈر کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے دو آدمی کھنڈر کی دیوار پر سے چھلانگیں لگاتے آئے۔ ان کے ہاتھوں میں تیر کمان تھے۔ عیسائی خاتون نے انہوں کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ کچھ خوف زدہ تھی۔

"مقدس باپ! کیا آپ نے ایک عورت کی آواز سنی تھی؟"

بوڑھے راہب نے کھنڈر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں تو۔ میں نے نہیں سنی۔"

خطرے کو وہ بھانپ گیا تھا۔ اس نے سن رکھا تھا کہ شام اور مصر کے راستوں پر بڑے خوفناک قسم کے ڈاکو کھنڈروں میں رہتے ہیں اور آتے جاتے مسافروں کو لوٹ کر انہیں ہلاک کر دیتے ہیں۔ اچانک ادھر ادھر سے چار پانچ ڈاکو نکل کر آگئے اور انہوں نے بوڑھے راہب اور عیسائی خاتون کو گھیر لیا۔ ایک ڈاکو نے عیسائی خاتون کی گردن پر خنجر رکھ دیا اور کہا:

"خاموشی سے میرے گھوڑے پر آ جاؤ۔ اگر بھاگنے کی کوشش کی تو خنجر گردن میں اتار دوں گا۔"

عیسائی خاتون کا خون خشک ہو گیا تھا۔ ایک مصیبت سے نکل کر وہ دوسری مصیبت میں پھنس گئی تھی۔ بوڑھا راہب

بھی پریشان تھا۔ ڈاکوؤں نے اسے بھی قابو میں کر لیا تھا اور
اس کی تلاشی لے رہے تھے۔ انہوں نے تیسرے گھوڑے
کو خالی سمجھ کر پکڑ لیا تھا۔ ماریا اس گھوڑے پر سوار یہ
سارا تماشا دیکھ رہی تھی اور کسی موقع کے انتظار میں تھی۔
اس وقت عیسائی خاتون کی جان کا خطرہ تھا۔ ڈاکو انہیں
لے کر ایک غار میں آ گئے۔

یہاں لوٹ کا مال جگہ جگہ رکھا ہوا تھا۔ ڈاکوؤں کا سردار
ایک صندوق پر بیٹھا تھا اور کھلا خنجر اس کے ہاتھ میں تھا
دوسرے ڈاکوؤں نے بوڑھے راہب اور عیسائی خاتون کو لاکر
سردار کے آگے پھینک دیا۔ سردار نے ان کی طرف ایک
نظر دیکھا اور خنجر کو آستین پر رگڑتے ہوئے پوچھا:

"کوئی مال نکلا ان سے؟"

ایک ڈاکو نے کہا:

"نہیں سردار — اس عورت کی گردن میں یہ پیتل
کی صلیب پڑی تھی۔"

سردار غصے میں اٹھ کھڑا ہوا:

"اس صلیب کو لے کر میں کیا کروں گا۔"

اور اس نے آگے بڑھ کر صلیب کو ڈاکو کے ہاتھ سے
نوچا اور زمین پر پھینک دیا۔ پھر اس پر پاؤں رکھ کر مسل
ڈالا۔ ماریا سے یہ برداشت نہ ہو سکا وحشی ڈاکو نے مقدس صلیب

کی بے ادبی کی تھی۔ وہ ڈاکوؤں کے سردار کو اس گستاخی
کا مزا چکھانے ہی والی تھی کہ اچانک زمین میں گڑگڑاہٹ
کی آواز سنائی دی اور غار کی دیواریں اور چھت ہلنے لگی۔
زلزلہ آ گیا تھا۔ ڈاکو گھبرا کر ادھر ادھر ہلنے لگے۔

سردار نے چیخ کر کہا:

"خبردار اگر کوئی اپنی جگہ سے ہلا۔ ایسے بھونچال میں
نے بہت دیکھے ہیں۔ ان دونوں کو لے جا کر قید کر
دو میں جانے سے پہلے خود ان دونوں کی گردنیں
اتاروں گا۔"

زلزلے کا ایک اور جھٹکا لگا۔ بوڑھا راہب اور عیسائی
خاتون بھی گھبرا گئے۔ ماریا چھت کو تکنے لگی۔ اس جھٹکے
سے چھت میں دراڑ پڑ گئی تھی۔ زمین برابر ہل رہی تھی۔
ڈاکو پریشان تھے۔ ڈاکوؤں کے سردار نے خنجر ایک طرف پھینک
کر تلوار نیام سے باہر نکالی اور کہا:

"میں ابھی ان عیسائیوں کا کام تمام کیے دیتا ہوں۔"

جونہی اس نے تلوار اٹھائی۔ زلزلے کا ایک تیسرا جھٹکا
آیا اور چھت میں سے پتھر کی ایک سل ٹوٹ کر سیدھی سردار
کے سر پر آن گری۔ وہ گر پڑا۔ اس کا سر کچلا گیا تھا اور
گردن ٹوٹ گئی تھی۔ دوسرے ڈاکو باہر کو بھاگے۔

ماریا نے ایک بار پھر چیخ کر کہا:

"مقدس باپ، غار سے نکل جائیں۔"

بوڑھے راہب نے عیسائی خاتون کو ساتھ لیا اور بھاگ کر غار سے باہر آ گیا۔ عیسائی خاتون کا رنگ زرد تھا۔ زلزلے اور ڈاکوؤں کے سردار کی موت سے وہ خوف زدہ تھی۔ اس نے ایک بار پھر اسی عورت کی آواز سنی تھی۔ زلزلے کے جھٹکے بند ہو گئے تھے۔ ڈاکو ڈر کے مارے ان کھنڈروں میں ہی کہیں روپوش ہو گئے تھے۔ عیسائی خاتون نے غار سے باہر آ کر بوڑھے راہب سے کہا:

"میری مقدس صلیب غار میں ہی رہ گئی ہے۔ میں اسے لینے جا رہی ہوں۔"

صلیب ماریا کے پاس تھی۔ وہ غار سے نکلتے وقت اسے اٹھا لائی تھی۔ اس نے چپکے سے صلیب بوڑھے راہب کے ہاتھ میں تھما دی۔ صلیب پکڑتے ہوئے بوڑھے راہب کا ہاتھ ذرا سا آگے کو اٹھا۔ اس نے عیسائی خاتون سے کہا:

"صلیب میرے پاس ہے بیٹی! یہ لو۔ میں اسے غار سے تمہارے لیے لے آیا تھا۔"

عیسائی خاتون نے صلیب کو پکڑ کر چوما اور اپنے گلے میں ڈال لی۔ پھر اس نے کچھ تعجب کے ساتھ راہب سے کہا:

"بابا! مجھے یاد ہے آپ میرے ساتھ ہی غار سے باہر کی طرف دوڑتے تھے۔ میں نے آپ کو صلیب اٹھاتے

نہیں دیکھا تھا۔ پھر یہ صلیب آپ کے پاس کہاں سے آ گئی؟ اور غار میں اسی عورت کی دوبارہ آواز کہاں سے آئی تھی؟"

ماریا کو اس خاتون کی یہ کرید اچھی نہ لگی۔ بھلا اس کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ اس قسم کے سوال بار بار پوچھے۔ ماریا کو شرارت سوجھی۔ وہ عیسائی خاتون کے پاس ہی کھڑی تھی۔ اس نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر کہا:

"وہ میری آواز تھی۔"

عیسائی خاتون نے کندھے پر کسی کا ہاتھ محسوس کیا۔ آواز سنی مگر اسے کوئی عورت دکھائی نہ دی۔ دہشت سے اس کا رنگ فق ہو گیا۔ خوف کے مارے وہ گرنے ہی لگی تھی کہ بوڑھے راہب نے اسے تھام لیا اور کہا:

"بیٹی! یہ آواز ہماری دوست ماریا کی ہے۔ وہ ہمارے ساتھ سفر میں بھی تھی اور یہ صلیب تمہارے لیے وہی غار سے اٹھا کر لائی تھی۔"

عیسائی خاتون نے سینے پر صلیب کا نشان بنایا اور لرزتی آواز میں کہا:

"کیا یہ کوئی بھوت ہے؟"

ماریا نے کہا:

"اگر میں بھوت ہوتی تو تم لوگ مصر سے نکل کر یہاں

خیریت سے نہ پہنچے۔ کیا یہ بات اس کا ثبوت
نہیں ہے کہ میں تمہاری دوست ہوں اور بھوت
چڑیل نہیں ہوں۔"

عیسائی خاتون نے پوچھا:

"کیا۔ کیا تم کوئی انسان ہو؟ میرا مطلب ہے کیا
میری طرح کی گوشت پوست والی عورت ہو؟"

"ہاں" ماریا نے کہا۔

"پھر تم دکھائی کیوں نہیں دیتیں؟"

ماریا بولی:

"نہیں یہ معلوم کرنے کی اتنی کوئی خاص ضرورت
نہیں ہے۔"

پھر وہ بوڑھے راہب سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔

"مقدس باپ! ہمیں جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے نکل
جانا چاہیے۔ ڈاکو دوبارا حملہ کر سکتے ہیں۔

بوڑھا راہب بولا:

"شہر یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ میں چاہتا
ہوں کہ کسی کارواں سرائے میں جا کر معلوم کیا جائے
کہ ہندوستان کو جانے والا قافلہ کب روانہ ہو گا
اور پھر بیٹی کو اس قافلے کے سردار کے حوالے
کر کے رخصت کیا جائے۔"

ماریا نے کہا:

"اچھا خیال ہے؟"

عیسائی خاتون اس طرف دیکھ رہی تھی جدھر سے ماریا
کی آواز آئی تھی۔ اسے کوئی عورت وہاں دکھائی نہیں دیتی
تھی۔ وہ حیران اور پریشان سی ہو رہی تھی۔ ان کے گھوڑے
غار کے باہر ایک جگہ ویسے ہی کھڑے تھے۔ وہ گھوڑوں
پر سوار ہوئے اور شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

دوپہر کے وقت عین اس وقت یہ لوگ ملک شام
کے اس شہر میں پہنچے جس وقت عنبر کو صحرا میں آندھی نے
گھیر لیا تھا۔ شہر میں خوب رونق تھی۔ ملک ملک کے لوگ
چل پھر رہے تھے۔ بوڑھا راہب پوچھتے پوچھتے ایک
بہت بڑی کارواں سرائے میں انہیں لے آیا۔ یہاں آ کر پتہ
چلا کہ ہندوستان کو جانے والا قافلہ تھوڑی دیر بعد روانہ
ہونے ہی والا ہے۔ ماریا اور بوڑھا راہب بہت خوش
ہوئے۔ خوش قسمتی سے قافلے کا سالار بھی ایک خدا ترس
عیسائی تھا۔ بوڑھے راہب نے سالار کو سارا واقعہ سنا
دیا کہ کس طرح مصر میں رومی گورنر عیسائیوں پر ظلم کرتا ہے
اور وہ عیسائی خاتون کی جان بچا کر وہاں تک پہنچا ہے۔
سالار نے وعدہ کیا کہ وہ عیسائی خاتون کو اپنی حفاظت میں
ہندوستان پہنچا دے گا۔

جب قافلہ روانہ ہونے لگا تو عیسائی خاتون بوڑھے راہب
سے مل کر رونے لگی۔ بوڑھے راہب نے اسے تسلی دی
اور کہا کہ خداوند اس کو اپنی پناہ میں رکھے گا۔ عیسائی
خاتون نے یونہی ایک طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"ماریا بہن! اگر تم اس طرف کھڑی ہو تو میرا دلی
شکریہ قبول کرو۔ تم نے ہماری جس طرح مدد کی ہے
میں اسے زندگی بھر یاد رکھوں گی۔"

وہ خدا حافظ کہہ کر اونٹ کے کجاوے میں چڑھ کر
بیٹھ گئی اور قافلہ ملک ہندوستان کی طرف روانہ ہو گیا۔
جب قافلے کے اونٹ شہر سے باہر نکل گئے تو بوڑھے
راہب نے اپنی طرف سے ایک بار پھر ماریا کے ہمدردانہ سلوک
کا شکریہ ادا کیا اور بولا:

"بیٹی! اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟ میں تو واپس مصر
جاؤں گا۔ اگرچہ وہاں مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے
مگر میرے دوسرے مسیحی بھائی میری راہ دیکھ رہے
ہیں۔ انہیں میری ضرورت ہے میں ان کی خدمت
کرنا چاہتا ہوں۔"

ماریا نے کہا:

"اگر آپ کا یہی فیصلہ ہے تو میں آپ کو اس نیک
اور مقدس کام سے نہیں روکوں گی۔"

بوڑھے راہب نے پوچھا:

"بیٹی تم کہاں جاؤ گی؟"

ماریا نے کہا:

"مجھے اپنے دو بھائیوں ناگ اور عنبر کو تلاش کرنا ہے
جو مجھ سے عرصہ ہوا بچھڑ گئے ہیں۔"

بوڑھے نے پوچھا:

"کیا تم اسی ملک شام میں رہ کر انہیں تلاش کرو
گی یا کسی دوسرے ملک چلی جاؤ گی؟"

ماریا نے کہا:

"کچھ کہہ نہیں سکتی۔ جیسے حالات ہوں گے ویسا ہی
کروں گی۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔ میں جاؤں گی۔"

بوڑھے راہب نے کہا:

"کاش میں تم سے ہاتھ ملا کر اسے چوم سکتا۔ تم نے
جس طرح ہماری مدد کی ہے اس کا شکریہ ادا کرنے
کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔"

ماریا نے مسکرا کر جواب دیا:

"مقدس باپ! میں نے صرف اپنا فرض ادا کیا ہے۔
مصیبت میں پھنسے ہوئے بے گناہ انسانوں کی مدد
کرنا ہر انسان کا فرض ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ یہ

دنیا کی سب سے بڑی عبادت ہے۔"

"خدا تمہیں اس کا اجر دے گا بیٹی۔"

"خدا حافظ مقدس باپ"

"خدا حافظ بیٹی"

بوڑھا راہب ہاتھ ہلانے لگا۔ ایک آدمی نے اس کے قریب سے گذرتے ہوئے تعجب سے بوڑھے راہب کو دیکھا اور پوچھا:

"بابا! کیا پاگل ہو گئے ہو جو ہوا میں یوں ہی ہاتھ ہلا رہے ہو؟"

بوڑھے راہب نے مسکرا کر کہا:

"ہاں بیٹا میں پاگل ہو گیا ہوں۔"

ماریا کو اس آدمی پر سخت غصہ آیا۔ اس نے بوڑھے راہب کو پاگل کیوں کہا تھا۔ ماریا نے پیچھے سے آ کر اس آدمی کا بازو اوپر اٹھایا اور زور زور سے ہوا میں ہلانا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھی نے جب اپنے دوست کو یونہی ہوا میں ہاتھ ہلاتے دیکھا تو کہا:

"ارے کیا تم بھی پاگل ہو گئے ہو؟"

وہ آدمی صاف محسوس کر رہا تھا کہ کسی جن بھوت نے اس کا بازو پکڑ رکھا ہے اور اسے زور زور سے ہلا رہا تھا۔

ماریا نے اس آدمی کے کان میں کہا:

"اگر پھر تم نے کسی بزرگ آدمی کو پاگل کہا تو میں تمہیں کچا چبا جاؤں گی۔"

وہ آدمی خوف کے مارے دھڑام سے بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ماریا نے مسکراتے ہوئے نیک دل راہب کو آخری بار خدا حافظ کہا اور ایک طرف روانہ ہو گئی۔ بوڑھا راہب مسکرا رہا تھا اور اس کے ہونٹ ماریا کے لیے دعا مانگ رہے تھے۔ پھر وہ بے ہوش آدمی کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔

ماریا شام تک شہر کے بازاروں اور گلی کوچوں میں گھوم پھر کر عنبر اور ناگ کی خوشبو سونگھنے اور انہیں کسی جگہ دیکھنے میں مصروف رہی۔ جب شہر پر رات کا اندھیرا چھا گیا اور چراغ جل اٹھے تو ماریا نے سوچا کہ کسی باغ یا سرائے میں چل کر رات گذاری جائے اور اگلے دن پھر نئے سرے سے عنبر اور ناگ کی تلاش شروع کی جائے۔ اتنے میں ماریا نے کچھ آدمیوں کو دیکھا کہ ایک جنازہ کندھوں پر اٹھائے میت کو دفنانے کے لیے لے جا رہے ہیں۔ ایک آدمی ہاتھ میں جلتی ہوئی مشعل لیے آگے آگے چل رہا تھا۔ جب یہ جنازہ ماریا کے قریب سے گذرا تو ماریا نے

سنا۔ ایک آدمی دوسرے سے مرنے والے کی بے حد تعریف کر رہا تھا کہ اتنا نیک آدمی اب شہر میں چراغ لے کر تلاش کرو تب بھی نہیں ملے گا۔ ماریا کے دل میں اپنے آپ اس نیک آدمی کے جنازے میں شامل ہونے کی خواہش پیدا ہوئی اور اس نے جنازے کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کر دیا۔ قبرستان شہر سے زیادہ دور نہیں تھا۔ جنازہ قبرستان میں ایک جگہ لا کر رکھ دیا گیا۔ قبر تیار تھی۔ لوگوں نے میت کو جنازے میں سے ہاتھوں میں اٹھایا اور قبر میں اُتر کر لٹا دیا۔ یہ بڑی سیدھی سادی قبر تھی۔ ماریا بھی قبر میں اتر گئی اور میت پر مٹی ڈالی تاکہ اسے ثواب حاصل ہو۔ ماریا کے پاس ایک بڑی قیمتی اور یادگار انگوٹھی تھی جو اسے ایک زمانے میں مصر میں اس کی ایک سہیلی نے دی تھی۔ ماریا اس انگوٹھی کو بہت سنبھال کر رکھتی تھی۔ کیونکہ یہ اس کی پیاری سہیلی کی یادگار تھی۔ جب وہ قبر میں اُتر کر میت کو اس کی آخری آرام گاہ میں لٹانے کے لیے دوسرے لوگوں کی مدد کر رہی تھی تو یہ قیمتی انگوٹھی اس کی انگلی سے اتر کر قبر میں گر پڑی۔ مگر ماریا کو اس کی خبر نہ ہوئی۔ قبر کے اوپر تختہ ڈال کر اینٹیں رکھ دی گئیں۔ لوگ اپنے گھروں کو واپس روانہ ہو گئے۔

ماریا بھی قبرستان سے نکل کر شہر کی طرف چل پڑی۔ رات کا پہلا پہر تھا۔ شہر کے چوک میں کہیں کہیں دکانیں کھلی تھیں اور لوگ بیٹھے ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ ماریا نے ایک بہت بڑا حویلی نما مکان دیکھا جو کئی منزلہ تھا اور اس میں شمعیں روشن تھیں۔

ماریا نے سوچا کہ کیوں نہ اس بڑے مکان کے کسی خالی کمرے میں رات بسر کی جائے۔ اس خیال سے وہ محل کی طرف بڑھی تو اچانک اس کا ہاتھ اپنی انگلی سے ٹکرایا۔ اس کو معلوم ہوا کہ اس کے ہاتھ میں جو اپنی پرانی سہیلی کی نشانی انگوٹھی ہوا کرتی تھی وہ نہیں ہے۔ ماریا پریشان ہو گئی سوچنے لگی کہ اچانک انگوٹھی کہاں غائب ہو گئی۔ جب کہ صبح تک انگوٹھی اس کی انگلی میں تھی۔

ایک دم سے اسے خیال آیا کہ ہو نہ ہو انگوٹھی اس قبر میں گر پڑی ہے جس میں وہ شہر کے ایک نیک آدمی کی میت اتارنے اتری تھی۔ ماریا وہیں سے واپس ہوئی اور قبرستان کی طرف چل دی۔ قبرستان میں اب اندھیرا چھا چکا تھا۔ قبریں اندھیرے میں ڈھیریوں کی طرح دکھائی دے رہی تھیں۔ ماریا نے تازہ بنی ہوئی قبر پہچان لی۔ اس پر اسی طرح اینٹیں رکھی ہوئی تھیں۔ ماریا نے جلدی جلدی

قبر کی اینٹیں ہٹائیں قبر کی مٹی کھود کر ایک طرف کی۔ نیچے
قبر کی لحد دکھائی دینے لگی، ماریا قبر میں اتر گئی۔ قبر میں اندھیرا
تھا مگر ماریا اندھیرے میں بھی دیکھ سکتی تھی۔ اس کی انگوٹھی
تازہ کھدی ہوئی مٹی پر وہیں پڑی تھی۔ اس نے خدا کا شکر
ادا کیا اور انگوٹھی انگلی میں پہن لی۔ لیکن اسے ایک بات
پر سخت حیرانی ہوئی کہ قبر میں نیک آدمی کی لاش نہیں تھی۔
تعجب کرنے لگی کہ اتنی جلدی قبر سے لاش کون نکال کر
لے گیا۔

اس نے سوچا کہ ہو سکتا ہے کوئی کفن چور آیا ہو۔
پھر خیال آیا کہ کفن چور تو کفن لے جاتے ہیں لاش کو کچھ
نہیں کہتے عجیب کہ وہاں کفن تو موجود تھا مگر لاش غائب
تھی۔ ماریا کو قبر کے دائیں کونے میں دیوار میں سے ہلکی
ہلکی نیلی روشنی نکلتی دکھائی دی۔ وہ جھک کر روشنی کی طرف
بڑھی تو کیا دیکھتی ہے کہ قبر میں ایک کھڑکی کھلی ہے۔ ماریا
نے جھانک کر دیکھا۔ سامنے ایک پر فضا باغ اسے نظر
آیا جس کے درختوں پر رنگین پرندے نغمے گا رہے تھے۔
جگہ جگہ پھولوں کے تختے بنے تھے۔ سنگ مرمر کے فوارے
چل رہے تھے اور ہرے بھرے تختوں کے بیچ میٹھے پانی
کی نہریں بہہ رہی تھیں۔ ماریا قبر کے اندر جنت کا یہ منظر

دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ وہ کھڑکی میں سے گزر کر باغ
میں داخل ہو گئی۔

اس خوب صورت باغ کے ساتھ ہی اسے ایک ویران
سا میدان دکھائی دیا جہاں آگ پر بڑی بڑی دیگیں چڑھی تھیں
ان میں پانی ابل رہا تھا۔ ان دیگوں میں گناہ گار آدمیوں کو
ڈالا جا رہا تھا۔ وہ چیخیں مارتے باہر کو نکلتے تو دوزخ کے
فرشتے انہیں گرز مار کر واپس دیگوں میں دھکیل دیتے۔
ایک آدمی جس کی زبان باہر لٹک رہی تھی اور بال کھلے
تھے بھاگتا ہوا اس کے قریب سے گزر گیا۔ وہ چیخ چیخ
کر کہہ رہا تھا:

"میں آئندہ گناہ نہیں کروں گا۔ میں کبھی جھوٹ
نہیں بولوں گا۔"

ماریا کی روح میں خوف کی ایک لہر دوڑ گئی۔ وہ باغ
کی سیر کرنے لگی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی پھواریں تھیں، خوشبوؤں سے لدی
ہوئی ہوا چل رہی تھی۔ اس نے ایک جگہ اس نیک آدمی
کو دیکھا جس کے جنازے میں وہ شریک ہوئی تھی۔ اس نے
مرے ہوئے نیک آدمی کی شکل پہچان لی۔ کیوں کہ قبر میں
دفن کرنے سے پہلے سب کو اس کا منہ کھول کر دکھایا گیا تھا
وہ آدمی ایک سنگ مرمر کے تخت پر بیٹھا تھا۔ تخت کے

نیچے نہر بہہ رہی تھی۔ اس کے سامنے طرح طرح کے میٹھے
پھل رکھے تھے اور وہ بڑے مزے سے لے کر انہیں کھا
رہا تھا۔ وہ بڑا خوش تھا۔ حوریں اور فرشتے اُس سے کہتے تھے۔

"اے خدا کے نیک بندے! تو نے دنیا میں ساری
زندگی نیک کام کیے۔ بھوکا رہا مگر حرام کی کمائی کا
ایک نوالہ بھی نہ چکھا تو ہمیشہ خدا سے ڈرتا رہا
اور لوگوں سے بھلائی کرتا رہا۔ اس کے بدلے خدا
نے تمہیں جنت میں اپنی نعمتوں سے نوازا ہے۔
اب ہمیشہ کے لیے یہاں رہ کر خدا کی نعمتوں کا شکر
ادا کرو۔"

ماریا یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ اچانک اس نیک آدمی
کی نظر ماریا پر پڑ گئی۔ اس نے ماریا کو اشارے سے اپنے
پاس بلایا۔ ماریا پریشان سی ہو گئی۔ اس نیک آدمی نے
ماریا کو غائب حالت میں بھی دیکھ لیا تھا۔ وہ ماریا کو اپنے
پاس آنے کے اشارے کر رہا تھا۔ ماریا اپنے آپ کسی غیبی
طاقت کے اثر سے اس کی طرف بڑھنے لگی۔ جب وہ اس
نیک آدمی کے قریب گئی تو اس نے پوچھا:

"تم یہاں کیسے آ گئی ہو؟"

ماریا نے انگوٹھی کا سارا قصہ بیان کر دیا۔ وہ نیک آدمی بولا:

"جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے واپس چلی جاؤ۔ کیوں کہ
ابھی تم یہاں داخل نہیں ہو سکتیں۔"

اتنے میں سامنے والے باغ سے دو فرشتے ماریا کی طرف
لپکے۔ وہ اسے پکڑنا چاہتے تھے۔ ماریا وہاں سے تیزی کے
ساتھ واپس بھاگی۔ وہ ہوا میں اڑتی ہوئی واپس جا رہی تھی۔
آخر وہ کھڑکی آ گئی جو نیک آدمی کی قبر میں کھلتی تھی۔ ماریا نے
کھڑکی میں سے قبر میں چھلانگ لگا دی۔ جونہی وہ قبر میں
گری۔ کھڑکی اپنے آپ بند ہو گئی۔ ماریا نے خدا کا شکر ادا کیا کہ
پھر سے زندہ لوگوں کی دنیا میں آ گئی۔ اگرچہ ابھی جنت سے
واپس آنے کو ماریا کا دل نہیں چاہتا تھا مگر اسے عنبر اور
ناگ ایسے پیارے ساتھیوں کا خیال واپس لے آیا تھا۔
ویسے بھی کچھ خبر نہ تھی کہ وہ فرشتے بغیر اجازت جنت میں
داخل ہونے پر اس کے ساتھ کیا سلوک کرتے۔ ہو سکتا تھا
کہ وہ اسے دوزخ میں پھینک دیتے۔

ماریا قبر میں سے باہر نکل آئی۔

قبرستان میں اسی طرح اندھیرا پھیلا ہوا تھا اور موت ایسی
خاموشی چھائی تھی۔ لیکن ماریا کو قبروں میں سے گزرتے ہوئے
احساس ہوا کہ یہ وہ قبرستان نہیں ہے۔ یہاں قبریں ضرور تھیں
مگر ان قبروں سے مختلف تھیں جو اس نے پہلے دیکھی تھیں۔

ان کے پیچھے اونچے اونچے کتبے لگے تھے اور ان پر قرآنی آیات
لکھی تھیں۔ اس کے علاوہ ماریا نے ایک اور بات نوٹ
کی کہ قبرستان میں اونچے کھمبے لگے تھے جن پر گول گول
انڈے روشنی کر رہے تھے۔ اسی قسم کی روشنیاں اسے قبرستان
سے باہر سڑک کے کنارے کنارے دور تک جاتی دکھائی دے
رہی تھیں۔ وہ کچھ گھبرائی کہ یا خدا یہ کیا ماجرا ہے۔ وہ کس ملک
میں اور کس زمانے میں نکل آئی ہے۔ اتنا اسے یقین ہو گیا
تھا کہ یہ اس شہر کا قبرستان نہیں ہے جہاں وہ نیک دل راہب
اور عیسائی خاتون کو لے کر داخل ہوئی تھی۔

ماریا قبرستان سے باہر نکلی تو اس نے ایک پختہ کشادہ
سڑک دیکھی۔ سڑک کی دونوں جانب روشنی کے گول انڈے چمک
رہے تھے۔ کھمبوں کے ساتھ تاریں لگی تھیں۔ ایک موٹر کار
تیزی سے اس کے قریب سے گزر گئی۔ اس قسم کی چار پہیوں
پر چلنے والی گاڑی ماریا نے پہلے بھی ایک بار دیکھی تھی جب
وہ ایک حادثے کے بعد ۱۹۹۰ء کے زمانے میں ہندوستان میں
نکل آئی تھی۔ اسے کچھ کچھ شبہ ہونے لگا کہ وہ اب بھی کہیں
بیسویں صدی کے دور میں تو نہیں نکل آئی۔

قبر کی کھڑکی میں داخل ہونے کے بعد اس نے جنت کے
منظر میں بڑی مشکل سے دس منٹ گزارے تھے کہ باہر نکل کر

دیکھا دنیا ہی بدل چکی ہے۔ وقت کتنے سو سال آگے نکل
چکا تھا۔ سات آٹھ سو برس گزر چکے تھے اور وہ ۱۹۸۴ء
کے زمانے میں پہنچ گئی تھی۔ ماریا یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ
وہ کون سے ملک میں ہے اور سن کون سا ہے۔ وہ سڑک
پر چلنے لگی۔ پھر وہ ایک بس سٹاپ پر آ گئی۔ ایک بس
وہاں آ کر رک گئی۔ دو عورتیں اتریں جنہوں نے شلوار قمیض
پہن رکھی تھی۔ ماریا بس میں سوار ہو گئی۔ بس بڑی سڑک
پر سے گزر کر دس منٹ بعد شہر میں پہنچ گئی۔ یہاں
بھی جگہ جگہ مکانوں اور دکانوں میں بجلی کے بلب روشن تھے
رات کے دس بج رہے تھے۔ ریستورانوں میں ریکارڈنگ ہو
رہی تھی اور فلمی گانوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ماریا نے اس
قسم کا ماحول آج سے کچھ عرصہ پہلے بھی دیکھا تھا۔ اب زمانہ
اور زیادہ ترقی کر گیا تھا۔ کچھ باتیں اس کی سمجھ میں آ رہی تھیں
اور کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ اس نے ایک دکان پر
ٹیلی ویژن لگا تھا۔ ایک عورت خبریں پڑھ رہی تھی۔ ماریا دیر
تک وہاں کھڑی اس عجیب و غریب چیز کو دیکھتی رہی۔

وہ سمجھ گئی کہ سائنس نے بہت زیادہ ترقی کر لی ہے
اور وہ بہت زیادہ ترقی یافتہ دور میں آ گئی ہے۔ ایک ریستوران
پر شہر کا نام ساہیوال اور آگے پاکستان لکھا تھا۔ اس کا مطلب

یہ تھا کہ وہ ایک ایسے ملک میں آ گئی ہے جس کا نام پاکستان ہے۔ شہر زیادہ بڑا نہیں تھا۔ پھر بھی بڑا بارونق تھا۔ چلتے چلتے ماریا ایک نہر کے پل پر آ گئی۔ موسم خوشگوار تھا اور نہر کے کنارے جھاڑیوں اور پودوں پر پھول کھلے تھے۔ ماریا پل پر بیٹھ کر سوچنے لگی کہ اسے کیا کرنا چاہیے اور کہاں جانا چاہیے اور عنبر اور ناگ سے وہ کیوں کر مل سکتی ہے۔ دنیا ہی بدل گئی تھی۔ کہاں رومن بادشاہوں کا زمانہ اور کہاں ٹیلی ویژن اور ہوائی جہازوں کا زمانہ۔ وقت میں زمین آسمان کا فرق آ گیا تھا۔

رات کے ساڑھے دس بجے تھے مگر شہر کے اکثر مکانوں کی روشنیاں گل ہو گئیں۔ ماریا نہر کے پل پر بیٹھی سوچتی رہی کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے اور کہاں جانا چاہیے اور عنبر اور ناگ سے اس کی ملاقات کہاں ہو سکتی تھی۔ دل میں بار بار یہ خیال آتا تھا کہ اب ناگ اور عنبر سے ملاقات قسمت کے ساتھ ہی ہو گی۔ وہ پل پر سے اٹھی اور ایک طرف روانہ ہو گئی۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ نہر کا پانی خاموشی سے بہہ رہا تھا۔ وہ ریلوے سٹیشن پر پہنچ گئی۔ ابھی ابھی ایک گاڑی کراچی کی طرف سے آ کر کھڑی ہوئی تھی۔ مسافر اپنا اپنا سامان اٹھائے سٹیشن سے باہر نکل رہے تھے۔ ماریا ریلوے کے جنگلے

کے پاس کھڑی ہو کر مسافروں کو اور ان کے لباسوں کو دیکھنے لگی۔ کسی نے دھوتی پہن رکھی تھی۔ کوئی پتلون اور کوئی شلوار قمیض میں تھا۔ دو آدمی اس کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے۔ انہیں ماریا دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اپنی طرف سے وہ وہاں اکیلے کھڑے تھے۔ وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے:

پہلا آدمی —— برکت ابھی تک باہر کیوں نہیں نکلا۔

دوسرا آدمی —— کم بخت ہمیشہ پیچھے رہ جاتا ہے۔

پہلا —— ہمارے پاس آج ہی رات ہے۔ بس جو کچھ کرنا ہے۔ آج ہی کر لینا چاہیے۔ پھر شاید موقع نہ ملے اور ہم اس طرح تیاری بھی نہ کر سکیں۔

دوسرا آدمی —— تمہارا چاقو کہاں ہے؟

پہلا آدمی —— میری صدری کی جیب میں ہے۔

دوسرا آدمی —— ٹھیک ہے۔ آج ہم چوہدری کو ختم کر دیں گے اور اس کی لڑکی کو بھی ٹھکانے لگا دیں گے جو ہم سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی مگر شہزاد کو خود چائے بنا کر پلاتی ہے۔

پہلا آدمی —— وہ برکت آ گیا!

تیسرا آدمی آیا۔ تو یہ تینوں شہر کی طرف جانے والے ایک تانگے میں سوار ہو گئے۔ ماریا سمجھ گئی کہ یہ ایک آدمی اور ایک

لڑکی کو قتل کرنے جا رہے ہیں۔ اس نے لڑکی اور اس کے باپ
کی جان بچانے کا فیصلہ کر لیا اور تانگے کی اگلی سیٹ پر کوچوان
کے ساتھ جا بیٹھی۔ نہ تو کوچوان کو پتہ چلا اور نہ ہی سواریوں
کو معلوم ہوا کہ ان کے ساتھ ماریا جا رہی ہے۔ ماریا کو
وہ نہ تو دیکھ سکتے تھے۔ اور نہ چھو کر محسوس کر سکتے تھے۔
تانگہ شہر میں داخل ہو کر ایک مکان کے آگے رک گیا۔
تینوں آدمی اتر گئے۔ اور تانگہ کرایہ لے کر واپس چلا گیا۔
ایک آدمی نے دروازے کی گھنٹی بجائی۔ تھوڑی دیر بعد
ایک ادھیڑ عمر کے آدمی نے دروازہ کھولا:

"سلام وعلیکم چوہدری!

"وعلیکم السلام! تم لوگ اس وقت کہاں سے آ رہے ہو؟"

"اندر چل کر بات کرتے ہیں۔"

چوہدری انہیں اندر ڈرائینگ روم میں لے آیا۔ یہاں
ٹیلی ویژن کے سامنے صوفوں پر چوہدری کی لڑکی روبینہ اور
چوہدری کے ایک دوست کا لڑکا شہزاد بیٹھے تھے۔ آنے
والوں نے دونوں کو گھور کر دیکھا۔ روبینہ اٹھ کر اندر چلی گئی۔
شہزاد بھی ساتھ ہی دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ تینوں آدمی
صوفوں پر بیٹھ گئے۔ ایک بولا:

"چوہدری! ہم نے تمہیں جو دو ہزار روپے قرض

دیئے تھے وہ واپس لینے آئے ہیں۔ ہمیں پیسوں کی
اچانک ضرورت پڑ گئی ہے۔"

چوہدری ایک دبلا پتلا کمزور سا آدمی تھا جو ریلوے میں
ملازم تھا اور اب ریٹائر ہو چکا تھا اور پنشن پر گزارہ کر رہا
تھا۔ اس کی دو بڑی لڑکیوں کی شادی ہو چکی تھی اور بیوی
فوت ہو گئی تھی۔ وہ اپنی بیٹی کے ساتھ اکیلا اس مکان
میں رہتا تھا۔ لڑکی کالج میں پڑھتی تھی اور گھر میں سلائی کڑھائی
کا کام بھی کرتی تھی۔

چوہدری قرض کی واپسی کے تقاضے سے پریشان ہو گیا۔

"اس وقت تو میرے لیے اتنی بڑی رقم واپس کرنا
مشکل ہے آپ لوگوں نے کچھ دیر پہلے کہہ دیا ہوتا تو
میں کچھ انتظام کر دیتا۔"

دوسرا آدمی کہنے لگا:

"چوہدری کہتے کیا ضرورت تھی۔ تمہیں خود احساس
ہونا چاہیے تھا کہ تم نے قرض لیا ہے اور اب اسے
واپس بھی کرنا ہے"

چوہدری بولا:

"مجھے اس بات کا احساس ہے۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ
مجھے کچھ مہلت دی جائے۔"

تیسرا آدمی کہنے لگا:

"ہم نے پہلے بھی تمہیں کتنی بار مہلت دی ہے مگر تم نے رقم ادا نہیں کی۔ چلو ہم اس بار بھی تمہیں مہلت دے دیتے ہیں مگر ایک بات میں ضرور کہوں گا کہ تمہاری بیٹی جوان ہے تمہارے گھر میں اس طرح ایک جوان لڑکے کا آنا مناسب نہیں لگتا۔"

چوہدری نے کہا:

"شہزاد میرے دوست کا لڑکا ہے اور میرے بیٹوں کی طرح ہے۔"

دوسرا آدمی بولا:

"آج کل کے زمانے میں تم کسی پر اعتبار نہیں کر سکتے۔"

چوہدری تیز لہجے میں بولا:

"مگر شہزاد ایک شریف نوجوان ہے۔"

تیسرے آدمی نے کہا:

"ہم بھی کوئی بدمعاش نہیں ہیں۔ مگر تمہاری لڑکی ہمارے پاس بیٹھ کر کبھی ٹیلی ویژن نہیں دیکھتی۔ وہ تو ہمیں دیکھ کر اٹھ کر چلی جاتی ہے۔"

چوہدری نے غصے سے کہا:

"آپ لوگوں کو میری بیٹی کے بارے میں اس قسم کی

باتیں کہنے کا کوئی حق نہیں۔ میں نے آپ کی رقم دینی ہے دے دوں گا۔"

پہلا آدمی بولا:

"ناراض کیوں ہوتے ہو چوہدری۔ ہم تمہارے دشمن نہیں ہیں۔ ٹھیک ہے تم جو چاہو کرو یہ تمہارا معاملہ ہے ہم دخل دینے والے کون ہیں بھلا۔"

اتنے میں روبینہ نے آکر پوچھا:

"کھانا لاؤں ابا جی؟"

مہمانوں نے کہا کہ وہ کھانا کھا کر آئے ہیں۔

چوہدری نے پوچھا:

"بیٹی شہزاد کو کھانا دے دو۔"

"وہ چلا گیا ہے ابا جی"

یہ کہہ کر لڑکی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ تینوں آدمی مشتبہ نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ چوہدری نے جس محبت سے شہزاد کے بارے میں پوچھا تھا۔ اس سے انہیں سخت غصہ آیا تھا۔ مگر وہ خاموش رہے کیوں کہ وہ آج قصہ ہی ختم کرنے کے ارادے سے وہاں آئے تھے۔

ماریا اس کمرے میں موجود تھی اور ایک صوفے پر بیٹھی ان کی باتیں سن رہی تھی۔

ایک آدمی کہنے لگا:

"رات زیادہ ہو گئی ہے۔ ہم واپس نہیں جا سکتے۔
چوہدری! ہمیں یہیں کہیں چارپائیاں ڈال دو۔ سو
جائیں گے۔ صبح واپس اپنے گاؤں روانہ ہو جائیں گے۔"

چوہدری انہیں اپنے گھر میں نہیں سلانا چاہتا تھا مگر ان
کے آگے مجبور تھا۔ کیوں کہ اس نے دو ہزار کی رقم ان
سے قرض لے رکھی تھی۔ اسی لیے بزرگوں کا کہنا ہے کہ
کبھی کسی سے قرض نہیں لینا چاہیے۔ قرض لینے سے انسان
کی عزت گھٹ جاتی ہے اور عزت ہی آدمی کی سب سے
بڑی دولت ہے اگر جاتی رہے تو انسان کا کچھ بھی باقی نہیں
رہتا خواہ وہ کتنا ہی دولت مند کیوں نہ ہو۔ چنانچہ چوہدری نے
مجبور ہو کر انہیں برآمدے میں چارپائیاں ڈال دیں اور کہا:

"یہاں سو جائیں۔"

یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا اور دروازہ اندر سے
بند کر کے سو گیا۔ اس کی بیٹی روبینہ بھی اپنے کمرے کا دروازہ
بند کر کے سو گئی۔ یہ تینوں قاتل بھی چارپائیوں پر یوں لیٹ
گئے جیسے سو رہے ہوں۔ مگر وہ جاگ رہے تھے اور تھوڑی
دیر میں انہوں نے اٹھ کر باپ بیٹی کو قتل کر دینا تھا۔
ماریا ان کی چارپائیوں کے قریب ہی کھڑی تھی۔ جب رات

ری ہو گئی اور خاموشی چھا گئی تو وہ تینوں اٹھ کھڑے
ئے اور سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگے:
تم چوہدری کے کمرے میں جا کر اسے قتل کر دو۔"
یں روبینہ کی گردن دبا دیتا ہوں۔"
یں یہاں پہرہ دوں گا۔"
خبردار اونچی آواز مت نکالنا۔ چوہدری کا بھی پہلے
گلا دبانا اور پھر اس کی گردن چاقو سے کاٹ دینا۔"

ایک قاتل اٹھ کر روبینہ کے باپ کے کمرے کی طرف اور
را روبینہ کے کمرے کی طرف گیا۔ وہ چاقو کی مدد سے بند
وازے کو کھولنے کی کوشش کرنے لگے۔ ماریا ان تینوں کو
ا گھر میں ہلاک نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کیوں کہ اس طرح روبینہ
ا ان کے باپ پر تین آدمیوں کے قتل کا الزام لگ
تا تھا۔ ماریا نے دل میں ایک فیصلہ کیا اور اس قاتل کی
ن بڑھی جو روبینہ کے کمرے کے دروازے کو کھولنے کی کوشش
رہا تھا۔ ماریا کو جادو کا ایک منتر یاد تھا جو اس نے کبھی
تعمال نہیں کیا تھا۔ اس منتر کا اثر یہ تھا کہ اگر کسی پر پڑھ کر
ونک دیا جائے تو وہ شخص اپنی اگلی پچھلی ساری یادداشت
ول جاتا تھا اور مرد سے کھسرا بن جاتا تھا اور اسے سولئے
سروں کی طرح ناچنے گانے اور تالیاں بجانے کے اور کوئی

بات یاد نہیں رہتی تھی۔

ماریا نے اس جادو کے منتر کو آزمانے کا فیصلہ کیا اور منتر پڑھ کر اس آدمی کے سر پر پھونک دیا جو روبینہ کے کمرے کا چاقو کی مدد سے دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب اس کے سر پر ماریا نے منتر پڑھ کر پھونک ماری تو وہ دروازہ کھولتے کھولتے ایک دم رک گیا۔ وہ مسکرایا پھر عورتوں کی طرح شرمایا اور چاقو پرے پھینک کر تالی بجا کر کھسروں کی طرح گانے لگا:

تو چھٹی لے کے آ جا بالما

اس کے دونوں ساتھی گھبرا کر اس کی طرف بڑھے کہ اسے کیا ہو گیا ہے۔

"برکت پاگل ہو گیا ہے کیا۔ خاموش ہو جا"

مگر برکت ناچ رہا تھا۔ ماریا نے ایک بار پھر منتر پڑھا اور دوسرے قاتل کے سر پر پھونک ماری وہ بھی پہلے ہنسا پھر عورتوں کی طرح شرمایا اور پھر تالی بجا کر کھسروں کی طرح تھرک تھرک کر ناچنے اور گانے لگا:

جیا بے قرار ہے
چھائی بہار ہے
آ جا میرے بالما
تیرا انتظار ہے

تیسرا آدمی چکر کھا گیا کہ یہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔

ماریا نے اسے زیادہ دیر حیران ہونے کا موقع نہ دیا اور اس پر بھی منتر پڑھ کر پھونک مار دی۔ وہ بھی ایک پاؤں پر گھوم اور ایڑی زمین پر مار کر گانے اور ناچنے لگا:

گملوں میں رنگ بھرے
باد بہار چلے میرے بالما

ایک ہی وقت میں تینوں کھسرے تالیاں بجا بجا کر فرش پر زور زور سے پاؤں مار مار کر پھٹی ہوئی آواز میں گا رہے تھے۔ گھر میں شور مچ گیا۔ روبینہ اور اس کا باپ دروازہ کھول کر باہر نکلے تو دیکھا کہ ان کے مہمان کھسروں کی طرح ناچ رہے ہیں۔ وہ حیران ہوا کہ انہیں کیا ہو گیا ہے۔ روبینہ نے کہا:

"یہ پاگل ہو گئے ہیں ابا جی!"

تینوں مہمان کھسروں کی طرح باری باری روبینہ کے باپ کے پاس آ کر کہتے:

"اللہ دی امان! گھر وسدا رہوئے وے چوہدری جی
تیری پھوپھی خدا بخش آں!"

دوسرے قاتل نے کھسروں کی طرح ناک پہ انگلی رکھ کر کہا:

"میں ماسی اللہ دتا آں۔ تین سیر چاول لوں گی۔ ہاں ۔۔
اللہ دی امان!"

اسی طرح تیسرا قاتل گڑ مٹکا کر بولا:

"میں تیری آپاں تا جی آں۔ سوا سو روپیہ دھی رانی نوں وار کے دے دے دے چوہدریا!"

اور گرد کے مکانوں والے بھی جاگ پڑے کہ روبینہ کے گھر میں آدھی رات کو کھسرے کہاں سے آ گئے ہیں۔ وہاں ایک شور مچ گیا۔ ماریا ایک طرف کھڑی تھی اور ہنس ہنس کر اس کا برا حال ہو رہا تھا۔ تینوں قاتل بھول گئے تھے کہ وہ روبینہ اور اس کے باپ کو قتل کرنے آئے تھے۔ اور اب ان کی یادداشت کبھی واپس نہیں آ سکتی تھی۔ ماریا یہی چاہتی تھی۔ اس نے روبینہ اور اس کے باپ کو قتل ہونے سے بچا لیا تھا مگر بڑے انوکھے طریقے سے!!

○
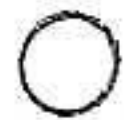
ناگ اور ناگن رنگامتی

وہ رات ماریا نے ساہیوال شہر میں بسر کی۔

دوسرے روز وہ ٹرین میں سوار ہو کر لاہور کی طرف روانہ ہو گئی۔ ماریا لاہور کی طرف جا رہی ہے اور عنبر اڑھائی سو برس پیچھے تاریخ کے دور میں ہے اور رومی سلطنت سے نکل کر ملک شام میں داخل ہو چکا ہے۔ اور صحرا کی خوفناک آندھی کے بعد اب وہ صحرا میں ایک شہر کی طرف چلا جا رہا ہے جس کی ایک عمارت کی برجی اسے دور سے دکھائی دے رہی تھی۔

عنبر اور ماریا کو ہم تھوڑی دیر کے لیے یہاں چھوڑتے ہیں اور واپس ناگ کے پاس چلتے ہیں۔ ہم نے جب اسے چھوڑا تھا تو وہ لندن سے انڈین ایئر لائنز کے ایک جیٹ طیارے میں سوار تھا اور ہندوستان کے شہر بمبئی کی طرف جا رہا تھا۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ ناگ ایک عذاب میں گرفتار امریکی لڑکی کی روح کی نجات کے لیے ہندوستان جا

رہا تھا جہاں اسے مسلمان بزرگ یاقوت یمانی کی روح سے
رابطہ قائم کر کے امریکی لڑکی کی روح کی طرف سے معافی مانگنی
تھی تاکہ اسے عذاب سے نجات مل جائے۔ یہ امریکی لڑکی کی
روح ناگ کو واشنگٹن کے ایک ہوٹل میں آدھی رات کو ملی
تھی۔ اس کی گردن میں پھانسی کا پھندا تھا اور وہ درد سے
کراہ رہی تھی۔ اس نے ناگ کو بتایا تھا کہ چھ سو برس
پہلے وہ اسی جگہ ایک بہت بڑے بتکدے کے پجاری
کی بیٹی تھی اور اس نے ایک مسلمان بزرگ یاقوت یمانی
کو زہر دے کر شہید کر دیا تھا جس کی سزا اسے یہ ملے کہ
ایک بت نے اس کے گلے میں پھندا ڈال کر اسے پھانسی
دے دی تھی اور اب اس کی روح گلے میں پھانسی کا پھندا
لیے بھٹکتی پھر رہی تھی۔

"جب تک بزرگ یاقوت یمانی کی روح اسے
معاف نہیں کرتی وہ اسی طرح عذاب میں مبتلا تا قیامت
تک بھٹکتی رہے گی۔"

ناگ کو واشنگٹن ہی میں ایک امریکی لڑکی شیلی کے باپ
سے پتہ چلا تھا کہ یاقوت یمانی کی روح کے ساتھ ایک
زندہ بزرگ الفاوری کی مدد سے رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے جو
ہندوستان کے شہر مدراس سے جنوب کی طرف رامیشورم جانے والی

سڑک سے کچھ فاصلے پر ایک مسجد کے حجرے میں رہتے ہیں۔
چنانچہ ناگ اب انڈین ائر لائن کے جیٹ ہوائی جہاز میں
بیٹھا بمبئی جا رہا تھا تاکہ وہاں سے مدراس جا کر مسلمان بزرگ
الفاوری سے ملا جائے اور یاقوت یمانی کی روح سے رابطہ
قائم کیا جائے۔

ساڑھے سات گھنٹے کی پرواز کے بعد جہاز بمبئی کے ہوائی
اڈے پر اتر گیا۔ اس وقت بمبئی میں رات کا ایک بج رہا
تھا۔ ناگ کے پاس کوئی سامان نہیں تھا جس طرح وہ اپنی
شکل بدل کر ہوائی جہاز میں سوار ہوا تھا اسی طرح شکل بدل
کر جہاز سے نیچے اتر آیا۔ راستے میں شیلا نام کی ایک ہندو
ائر ہوسٹس اس کی دوست بن گئی تھی۔ کیوں کہ ناگ نے سانپوں
کے بارے میں اسے بڑی ہی دلچسپ باتیں بیان کی تھیں اور
وہ اس کی گرویدہ ہو گئی تھی۔ شیلا کو یقین تھا کہ ناگ کے
پاس لندن سے بمبئی تک کا ہوائی جہاز کا ٹکٹ ضرور ہو گا ورنہ
وہ جہاز میں سفر کیسے کر رہا تھا۔ لیکن اسے کیا خبر تھی کہ ناگ
بغیر ٹکٹ کے سفر کر رہا ہے اور ننھی سی چڑیا کی شکل میں
ہوائی جہاز میں سوار ہوا تھا۔ ناگ نے شیلا کو اپنا نام ناگ
ہی بتایا تھا۔

شیلا نے مسکرا کر کہا تھا:

"شاید اسی لیے تم نے اپنا نام بھی سانپوں ایسا رکھا ہے۔ کیونکہ سانپوں کے بارے میں تم بہت کچھ جانتے ہو۔"
جب جہاز رکا تو شیلا نے ناگ سے کہا:
"تم رات کہاں ٹھہرو گے؟"
ناگ بولا:
"کسی ہوٹل میں چلا جاؤں گا۔"
شیلا کہنے لگی:
"تم ہمارے گھر کیوں نہیں چلے آتے۔ میرے ڈیڈی اور ممی تم سے مل کر بڑے خوش ہوں گے۔ آدھی رات کو کہاں ہوٹلوں کی تلاش میں پھرو گے۔"
ناگ نے شیلا کو بتایا تھا کہ وہ اصل میں ہندوستان کا رہنے والا ہے مگر ایک عرصے سے لندن میں ایکسپورٹ امپورٹ کا کاروبار کر رہا ہے اور اب کاروباری دورے پر ہندوستان جا رہا ہے۔ ناگ شیلا کے ہاں نہیں ٹھہرنا چاہتا تھا مگر شیلا نے اسے اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کر دیا۔
ناگ نے کہا:
"اچھا میں تمہیں لاؤنج میں ملوں گا۔ ذرا باتھ روم جا رہا ہوں۔"
شیلا نے کہا:

"میں تمہارا انتظار کروں گی۔"
اور وہ دوسری ائیر ہوسٹسوں کے ساتھ جہاز سے اتر گئی۔ ناگ تھوڑی دیر کے لیے باتھ روم میں گیا۔ اس نے دروازہ تھوڑا سا کھلا رکھا تھا۔ پھر وہی زرد رنگ کی چھوٹی سی چڑیا بن کر پھر کی آواز سے باتھ روم سے باہر نکلا اور ہوائی جہاز کے اندر اڑتا ہوا جہاز سے باہر کھلی فضا میں نکل گیا۔ وہ ایک بار پھر انسانی شکل میں ائیرپورٹ کے لاؤنج میں آ کر شیلا کی راہ دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر میں وہ آ گئی اور اسے اپنے ساتھ موٹر میں بٹھا کر اپنے گھر لے گئی۔ شیلا ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھی اور بمبئی شہر کے ایک خوب صورت علاقے میں رہتی تھی۔ اس نے ناگ کا اپنے ماں باپ سے تعارف کروایا اور پھر ناگ ایک کمرے میں آ کر پلنگ پر لیٹ کر سوچنے لگا کہ کل اسے کیا کرنا ہوگا۔
سب سے پہلے تو اسے پیسوں کی ضرورت تھی۔ کیونکہ اس کے پاس ایک روپیہ بھی نہیں تھا۔ پھر اسے یہ معلوم کرنا تھا کہ مدراس کو کون سا جہاز کس وقت روانہ ہوتا ہے۔ ناگ کے لیے یہ ملک اجنبی نہیں تھا۔ کیوں کہ وہ ایک بار پہلے بھی اپنے ہزاروں سال کے واپسی کے سفر کے دوران اسی طرح کسی حادثے کی وجہ سے اس ملک میں آ چکا تھا۔

مگر اس وقت یہ ملک اتنا ترقی یافتہ نہیں تھا اور اس پر انگریزوں کی حکومت تھی۔ ناگ نے اسی طرح لیٹے لیٹے رات گزار دی۔

دوسرے روز اس نے شیلا کی ممی اور ڈیڈی کے ساتھ ناشتہ کیا اور شیلا نے فون پر معلوم کر کے اسے بتایا کہ مدراس کو ایک ہوائی جہاز گیارہ بجے جائے گا۔ شیلا کسی کام سے باہر چلی گئی۔ اس کے ڈیڈی اور ممی نے ناگ سے باتیں شروع کر دیں کہ وہ کیا بزنس کرتا ہے۔ لندن میں کہاں اس کا دفتر ہے۔ اس کی ممی نے پوچھا:

"بیٹا تم ہندو ہو ناں؟"

اس نے کہا:

"میں انسان ہوں اور میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔"

شیلا کی ممی اور ڈیڈی نے اس کے مذہبی خیالات کے بارے میں بہت کرید کرید کر پوچھا مگر ناگ نے بات کو ٹال دیا اور اٹھتے ہوئے بولا:

"مجھے ایک ضروری کام سے شہر جانا ہے ہو سکتا ہے وہیں سے جہاز پکڑ کر مدراس روانہ ہو جاؤں۔"

اور ناگ شیلا کی کوٹھی سے باہر آ گیا۔

دوسری کار باہر کھڑی تھی۔ اس نے ڈرائیور سے کہا:

"شہر چلو۔"

موٹر کار بمبئی شہر کی طرف روانہ ہو گئی۔ ناگ سب سے پہلے پیسے پیدا کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ جس زمانے میں تھا وہاں پیسوں کے بغیر کوئی کام نہیں چلتا تھا۔ موٹر کار بمبئی کے مضافات میں سے گزر رہی تھی۔ یعنی شہر کے باہر کے علاقے میں سے گزر رہی تھی۔ سڑک کی دونوں جانب اونچے اونچے درخت اُگے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں کھیت بھی تھے۔ ایک جگہ ناگ کو چھوٹا سا ٹیلہ دکھائی دیا جس کے سائے میں ایک بارہ دری بنی ہوئی تھی۔ یہ کوئی پرانی بارہ دری تھی۔ ناگ اسی قسم کی جگہ کی تلاش میں تھا۔ اس نے ڈرائیور سے کہا:

"اس بارہ دری کے پاس چلو۔"

ڈرائیور حیران ہوا کہ یہ صاحب اس ویران بارہ دری میں کس لیے جا رہا ہے۔ اس نے گاڑی بارہ دری سے کچھ فاصلے پر سڑک کے کنارے لا کر کھڑی کر دی۔

ناگ نے کہا: "اب تم واپس جاؤ۔"

ڈرائیور نے تعجب سے ناگ کی طرف دیکھا اور پھر سلام کر کے گاڑی کو لے کر واپس روانہ ہو گیا۔

ناگ نے بارہ دری میں آ کر اس کا جائزہ لیا۔ وہ مغلیہ

دور کی کوئی عمارت لگ رہی تھی۔ ستونوں پر بیل بوٹے مدھم
پڑ گئے تھے اور بارہ دری کی چھت بھی ٹوٹ پھوٹ چکی
تھی۔ وہاں دور دور تک کوئی انسان نہیں تھا۔ ناگ
بارہ دری کے فرش پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ اس نے
خفیہ منتر پڑھنے شروع کر دیئے۔ پانچ منٹ بھی نہ گذرے
تھے کہ اسے شیش ناگ سانپ کی شوکر کی آواز سنائی دی۔
پھر ایک سیاہ پھن والا کوبرا ناگ پھن اٹھائے ٹیلے پر
سے اتر کر بارہ دری میں آکر ناگ کے سامنے سر جھکا کر
کنڈلی مارے بیٹھ گیا اور ادب سے بولا:

"اے عظیم ناگ دیوتا! آپ کا اس علاقے میں آنا
مبارک ہو۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں"

ناگ نے کہا:

"کیا اس ٹیلے کے آس پاس کوئی خزانہ موجود ہے؟"

شیش ناگ بولا:

"آج سے دو سو برس پہلے یہاں ایک رانی حکومت
کرتی تھی۔ اس کا ایک خزانہ یہاں بارہ دری کے
نیچے دفن ہے۔ آپ کا حکم ہو تو میں سارا خزانہ
لا کر آپ کی خدمت میں پیش کر دوں"

ناگ نے کہا:

"نہیں۔ مجھے سارے خزانے کی ضرورت نہیں ہے۔
یہ بتاؤ اس خزانے میں سونے کے ٹکڑے یا زیور
بھی ہیں؟"

شیش ناگ نے کہا:

"نہیں عظیم دیوتا! یہ صرف ہیروں اور موتیوں کا
خزانہ ہے"

ناگ نے کہا:

"ایسا کرو اس خزانے میں سے ایک قیمتی ہیرا لا کر
مجھے دے دو"

"جو حکم میرے عظیم دیوتا!"

اتنا کہہ کر شیش ناگ واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد
واپس آیا تو اس نے منہ میں ایک بڑا ہی قیمتی چمکیلا
اور شفاف ہیرا پکڑ رکھا تھا۔ یہ ہیرا اس نے ناگ کے
قدموں میں لا کر ڈال دیا۔ ناگ نے ہیرا اٹھا کر جیب
میں رکھ لیا۔ شیش ناگ کا شکریہ ادا کیا اور کہا:

"اب تم جا سکتے ہو"

شیش ناگ سلام کر کے چلا گیا۔ ناگ کو خبر ہی نہیں
تھی کہ ایک آدمی درخت کے پیچھے کھڑا یہ سارا ماجرا دیکھ
رہا تھا۔ جونہی شیش ناگ جھاڑیوں میں غائب ہوا یہ آدمی

جیب سے چاقو نکال کر ناگ کے سر پر آن کھڑا ہوا اور
چاقو ناگ کی گردن پر رکھ کر بولا :

"بڑے چالاک سپیرے ہو۔ سانپوں سے خزانے کے
ہیرے موتی منگواتے ہو۔ چپکے سے یہ ہیرا میرے
حوالے کر دو نہیں تو چاقو سے گردن کاٹ دوں گا"

ناگ کو بڑا افسوس ہوا کہ یہ شخص خواہ مخواہ صبح صبح خودبخود
موت کے منہ میں آ گیا ہے۔ اس لئے کہا:

"بھائی یہ چاقو اٹھا لو اور اپنی جان بچا کر یہاں
سے چلے جاؤ۔ تمہاری خیریت اسی میں ہے۔

وہ آدمی کوئی بدمعاش ڈاکو تھا۔ قہقہہ مار کر ہنسا اور
چاقو کی نوک ناگ کی گردن میں تھوڑی سی دبا کر بولا :

"تمہارا یہ فراڈ مجھ پر نہیں چلے گا۔ زندگی پیاری ہے
تو ہیرا میرے حوالے کر دو"

ناگ نے جیب سے ہیرا نکال کر اس کے حوالے کر دیا۔
بدمعاش ڈاکو نے جھپٹ کر ہیرا چھین لیا اور پرے ہٹ
کر بولا :

"اب یہاں سے اٹھو اور خاموشی سے واپس چلے
جاؤ خبردار جو پیچھے مڑ کر دیکھا"

ناگ کو ایک بار پھر شیش ناگ کی تیز بو محسوس ہوئی۔

شیش ناگ واپس آ گیا تھا۔ ناگ ابھی دو قدم ہی چلا
تھا کہ اسے اس بدمعاش کی چیخ کی آواز سنائی دی۔ پلٹ
کر دیکھا کہ شیش ناگ نے اس بدمعاش کی گردن کو اپنے
شکنجے میں جکڑ رکھا تھا۔ چاقو اس کے ہاتھ سے گر پڑا تھا۔
اور آنکھیں باہر کو نکل آئی تھیں۔ ناگ شیش ناگ کو منع
کرنے ہی والا تھا کہ شیش ناگ نے بدمعاش کو ڈس دیا۔
شیش ناگ کا زہر جب اس بدمعاش کے خون میں داخل ہوا
تو اس نے آگ لگا دی۔ شیش ناگ پرے ہٹ گیا تھا۔
بدمعاش ڈاکو کے جسم میں سے پہلے دھواں نکلا پھر اس
کے کپڑوں میں آگ لگ گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے جل
کر راکھ ہو گیا۔

شیش ناگ نے ہیرا اٹھا کر ناگ کی خدمت میں پیش
کیا اور سر جھکا کر واپس چلا گیا۔ ناگ کو اس آدمی کے
مرنے کا افسوس ہوا۔ کم بخت نے خواہ مخواہ اپنی جان گنوائی۔ لالچ
نہ کرتا تو زندہ رہتا۔ مگر اس کی قسمت میں یہی لکھا تھا۔ ناگ
ہیرا جیب میں ڈال کر شہر جانے والی سڑک پر آ گیا۔ ایک
ٹرک ڈرائیور نے اسے اپنے ٹرک میں بیٹھا کر شہر پہنچا دیا۔
ناگ لوگوں سے پوچھ پوچھ کر شہر کے صرافہ بازار میں آ گیا۔
اور ایک جوہری کو ہیرا دکھا کر اس کا بھاؤ لگوایا۔ جوہری ہیرے

کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ بڑا قیمتی ہیرا تھا۔ پھر اس نے ناگ
کو دیکھا۔ ناگ سوٹڈ بوٹڈ بن تھا جوہری سمجھ گیا کہ یہ شخص کوئی
چالاک بدمعاش ہے اور یہ ہیرا کہیں سے اڑا کر لایا ہے۔ کہنے لگا:
"بابو جی کیا لو گے اس ہیرے کا؟"
ناگ نے کہا:
"تم کیا دو گے؟"
"پچاس ہزار ٹھیک رہیں گے؟"
ناگ نے کہا:
"ایک لاکھ نہیں دو گے؟"
ہیرا دس لاکھ کا تھا۔ جوہری نے کان کھجاتے ہوئے کہا:
"چلو ستر ہزار پر سودا طے کر لیتے ہیں۔ کیا خیال ہے؟"
"ٹھیک ہے۔"
ناگ نے ہیرا جوہری کے حوالے کیا۔ ستر ہزار روپے کے
سو سو کے نوٹ لے کر کوٹ کی اندر والی جیبوں میں ٹھونسے
اور ٹیکسی لے کر شیلا کی کوٹھی پر آگیا۔ شیلا واپس آچکی تھی۔
اس نے شیلا کو نوٹ دے کر کہا:
"یہاں مجھے ایک آدمی سے یہ رقم لینی تھی۔ کم بخت
نے نقد دے دی ہے۔ میں بیس ہزار روپے اپنے پاس
رکھ کر باقی تمہارے پاس رکھوانا چاہتا ہوں۔ مدراس سے

واپس آؤں گا تو لے لوں گا۔"
شیلا نے کہا:
"تم اسے بینک میں کیوں نہیں جمع کروا دیتے؟"
ناگ بولا:
"مجھے بینک سے زیادہ تم پر بھروسہ ہے۔"
شیلا مسکرائی:
"اوکے ڈارلنگ!"
دن کے گیارہ بجے ناگ ہوائی جہاز میں سوار ہو کر مدراس
روانہ ہو گیا۔ مدراس پہنچ کر وہ سیدھا ایک ہوٹل میں گیا۔
منہ ہاتھ دھو کر کچھ دیر آرام کیا اور ایگمور کے ریلوے سٹیشن
پر آکر رامیشورم جانے والی ٹرین میں بیٹھ کر اپنی منزل کی
جانب روانہ ہو گیا۔ مدراس کے آسمان پر بادل چھائے ہوئے
تھے مگر بارش نہیں ہو رہی تھی۔ ٹرین ساری رات چلتی رہی۔
دوسرے دن ناگ رامیشورم کے شہر میں پہنچ گیا۔ یہ کافی
خوب صورت شہر تھا۔
واشنگٹن میں شیلی کے باپ نے کہا تھا کہ اللہ دتی نامی
مسلمان بزرگ رامیشورم سے کافی دور ایک مسجد کے حجرے میں
رہتے ہیں۔ ناگ کسی مسلمان بزرگ سے ان کے بارے میں
معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ وہ شہر کی سب سے بڑی جامع

مسجد میں آکر اس کے امام صاحب سے ملا اور بزرگ القادری
کی بات کی۔ امام صاحب نے اسے بتایا کہ القادری بہت
بڑے درویش ہیں۔ یہاں سے دو سو میل جنوب میں ترچپا
نامی گاؤں کے قریب جنگل میں ایک پرانی مسجد کے حجرے
میں رہتے ہیں اور بہت کم کسی سے ملتے ہیں۔ ناگ بس
میں سوار ہو کر ترچپا نامی گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔
راستے میں رات ہو گئی اور بارش بھی شروع ہو گئی۔ دوسری
مصیبت یہ آن پڑی کہ بس کچھ ایسی خراب ہوئی کہ اس نے
چلنے سے انکار کر دیا۔ مسافر تو وہیں بیٹھے گئے۔ مگر ناگ کسی
سواری کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ وہاں سواری ملنی بہت
مشکل تھی۔ ناگ کا خیال تھا کہ شاید ادھر کو جاتا کوئی ٹرک
اسے ترچپا تک لے جائے۔ وہ بارش میں سڑک کے کنارے
دور جا کر کھڑا ہو گیا۔ سڑک پر کوئی گاڑی نہ گذری۔ کوئی
ٹرک بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ناگ ناامید ہو کر واپس
جانے لگا تو اسے دور سے کسی گاڑی کی روشنیاں نظر آئیں۔
روشنیاں جب قریب آئیں تو اس نے لفٹ لینے کے لیے
ہاتھ دیا۔ موٹر کار اس کے قریب سے گذر گئی مگر آگے جا
کر رک گئی۔

موٹر وہاں سے واپس آئی اور ناگ کے پاس آ کر رک گئی۔

ناگ نے جھجک کر کہا:

"کیا ترچپا گاؤں تک مجھے لفٹ مل جائے گی؟"

گاڑی ۱۹۸۲ء ماڈل کی تھی اور اسے ایک سانولے رنگ کی
صورت دبلی پتلی لڑکی چلا رہی تھی جس کے ماتھے پر سرخ
لگا تھا اور اس نے بڑی قیمتی ساڑھی پہن رکھی تھی۔

لڑکی نے مسکرا کر کہا:

"بیٹھ جائیں۔ میں بھی ترچپا جا رہی ہوں۔"

ناگ اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ لڑکی نے
گاڑی سٹارٹ کر دی۔ ناگ کو اس نے ڈیش بورڈ سے چھوٹا تولیہ
نکال کر دیا۔

"اس سے منہ اور سر پونچھ لیں۔ آپ بارش میں بھیگ
رہے ہیں۔"

ناگ نے شکریہ ادا کیا اور تولیے سے سر کے بال اور
منہ پونچھنے لگا۔ لڑکی نے کہا:

"آپ ترچپا گاؤں کسی رشتے دار سے ملنے جا رہے ہیں؟"

ناگ نے کہا:

"جی نہیں۔ میں سیاح ہوں۔ بس سفر کرتا پھر رہا ہوں
کیا آپ ترچپا میں رہتی ہیں؟"

لڑکی نے مسکرا کر کہا:

"جی نہیں۔ میں رامیشورم میں لڑکیوں کے کالج میں پروفیسر ہوں۔ ترچنا گاؤں میں اپنی ایک سہیلی کے پاس چھٹیاں گزارنے جا رہی ہوں۔"

ناگ نے کہا:

"کیا میں آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں؟"

"میرا نام رنگامتی ہے۔"

"کیا آپ کا خاوند بھی رامیشورم میں رہتا ہے؟"

لڑکی نے کہا:

"میری شادی نہیں ہوئی۔"

ناگ خاموش ہو گیا۔ گاڑی بارش میں سنسان سڑک پر بھاگی جا رہی تھی۔

اچانک لڑکی نے زور سے بریک لگا دی۔ گاڑی کو ایک دھچکا لگا اور گھسٹتی ہوئی ایک درخت کے تنے کے پاس جا کر رک گئی جو سڑک پر گرا ہوا تھا۔

ناگ نے کہا:

"اگر آپ بریک نہ لگاتیں تو گاڑی درخت سے ٹکرا کر الٹ جاتی۔"

لڑکی نے کہا:

"شاید بارش کی وجہ سے درخت گر پڑا ہے۔"

مگر اس کا خیال غلط تھا۔ اسی لمحے جنگل میں سے دو آدمی

نکل کر کار کے پاس آ گئے۔ ان کے ہاتھوں میں خنجر تھے۔ چہرے ڈاکوؤں ایسے تھے اور ماتھے پر رومال بندھے ہوئے تھے۔

انہوں نے آتے ہی چلا کر کہا:

"آدمی کو گاڑی میں چھوڑ کر ہمارے ساتھ چلو۔"

ناگ نے دیکھا کہ لڑکی کے چہرے پر ذرا بھی گھبراہٹ نہیں تھی۔ بلکہ تھوڑا تھوڑا مسکرا رہی تھی۔

اس نے آہستہ سے ناگ کو کہا:

"اب اگر تم کوئی حیرت ناک بات دیکھو تو ڈر مت جانا۔ میں انہیں ایک سبق سکھانا چاہتی ہوں۔"

ایک ڈاکو نے ٹھوکر ماری اور کار کے دروازے کو کھول کر لڑکی کے سینے پر خنجر رکھ دیا۔ دوسرے ڈاکو نے ناگ کی گردن پر خنجر کی نوک رکھ دی۔

ناگ سانپ کے روپ میں آنے کے بارے میں غور کر رہا تھا کہ لڑکی نے ڈاکو سے کہا:

"تم خنجر پیچھے کرو گے تو میں باہر نکلوں گی۔"

ڈاکو نے خنجر ذرا پیچھے کر دیا اور کہا:

"باہر نکلو۔ تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہو گا۔"

"کہاں؟" لڑکی نے پوچھا۔

"جہاں بھی ہم لے جائیں۔" ڈاکو نے جواب دیا۔

لڑکی نے کہا:

"میں تمہارے ساتھ جانے کو تیار ہوں۔"

ناگ کو اس لڑکی پر سخت غصہ آیا کہ کم بخت ڈاکوؤں کے ساتھ جانے پر تیار ہو گئی ہے۔ وہ شکل بدل کر ڈاکوؤں پر حملہ کرنے ہی والا تھا کہ لڑکی ذرا پیچھے ہٹی۔ ناگ نے دیکھا کہ لڑکی نے ایک گہرا سانس اندر کی طرف کھینچا اور انسان سے ایک سیاہ پھن دار ناگن بن گئی اور بجلی کی تیزی کے ساتھ اس نے اپنے سامنے والے ڈاکو کو ڈس دیا۔ ناگ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ وہ اپنی زندگی میں پہلی بار اپنے علاوہ کسی دوسرے انسان کو اپنی شکل بدل کر سانپ کے روپ میں آتے دیکھ رہا تھا۔ ناگن نے وہیں سے ایک چھلانگ لگائی اور دوسرے ڈاکو کے ماتھے پر گر کر ڈس دیا۔ دوسرا ڈاکو بھی تڑپ کر مر گیا۔

ناگ ہکا بکا بیٹھا تھا۔ ناگن کار کی اگلی سیٹ پر آئی۔ اپنی لال لال انگاروں ایسی آنکھوں سے ناگ کو گھور کر دیکھا اور ایک دم سے پھر لڑکی بن گئی۔

ناگ نے جو کچھ دیکھا اسے اس پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ کیا یہ لڑکی بھی ناگ تھی؟ کیا یہ بھی اصل میں ناگن ہے اور انسان کی شکل میں ظاہر ہو گئی ہے۔ لڑکی جس کا نام زنگامتی تھا کار کی کھڑکی میں منہ ڈال کر ناگ سے پوچھا:

"تم ڈرے کیوں نہیں؟"

ناگ بھلا اس سے کیا ڈرتا۔ وہ خود سانپ بن کر ایسا کام کیا کرتا تھا۔ پھر بھی اس نے بناوٹی گھبراہٹ کے ساتھ کہا:

"میں تو اس وقت سے سہما بیٹھا ہوں کہ تم انسان ہو کر سانپ کیسے بن گئیں۔ کیا تم کوئی جادوگر ہو؟"

لڑکی زنگامتی نے مسکراتے ہوئے کہا:

"میں جادوگر نہیں ہوں۔ مگر ان باتوں کو چھوڑو۔ یہ باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔ تم نے ابھی ابھی جو کچھ دیکھا ہے اس کو بھول جاؤ۔ باہر نکل کر میرے ساتھ درخت سڑک پر سے ہٹاؤ تاکہ ہم آگے جا سکیں۔"

ناگ کار سے باہر نکل آیا۔ وہ اس طرح کی ایکٹنگ کر رہا تھا جیسے اس سے ڈر رہا ہو اور خوف زدہ ہو۔ لڑکی ناگ کی یہ حالت دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ انہوں نے مل کر درخت سڑک سے ہٹایا اور ان کی کار آگے روانہ ہو گئی۔ لڑکی ناگن تھی۔ ناگ سوچ رہا تھا کیا یہ کسی دوسری شکل میں بھی ظاہر ہو سکتی ہے یا صرف سانپ ہی بن سکتی ہے؟ مگر وہ اس سے پوچھنا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ اس پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ خود بھی ناگ ہے اور جو شکل چاہے اختیار کر سکتا ہے۔ ناگن زنگامتی نے ناگ سے کہا:

"مجھ سے وعدہ کرو کہ ابھی ابھی تم نے مجھے انسان سے

ناگن بنتے دیکھا ہے اس کا کسی سے ذکر نہیں کرو گے۔"

ناگ نے کہا: "میں وعدہ کرتا ہوں۔"

ناگن رنگامتی ہنس دی:

"شاباش! اب میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گی۔"

ناگ کسی بھی سانپ کی بو سونگھ سکتا تھا اور سانپ اس کی بو لے لیتے تھے مگر ایک ناگ دوسرے کسی ایسے انسان کی بو نہیں پا سکتا تھا جو اصل میں ناگن یا ناگ ہو۔ انسان کی شکل میں آنے کے بعد اس کی بہت سی بوئیں ختم ہو جاتی تھیں۔ ایسا انسان جب ناگ یا ناگن بن جاتا ہے تب بھی وہ کسی دوسرے ناگ یا ناگن کی بو نہیں سونگھ سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو رنگامتی جب ناگن بنی تھی تو فوراً ناگ کے آگے سر جھکا دیتی کیوں کہ ناگ محض سانپ ہی نہیں بلکہ سانپوں کا ایک عظیم دیوتا تھا۔ مگر ناگن نے ایسا نہیں کیا تھا۔ کیوں کہ اسے ناگ کے انسانی جسم سے ناگ دیوتا کی بو نہیں آئی تھی۔ اس لیے کہ وہ خود انسان کی شکل اختیار کر سکتی تھی۔

نرچنا کا گاؤں آ گیا۔ ناگن رنگامتی نے کار روک دی اور ناگ سے کہا:

"خبردار! کسی سے ذکر تک نہ کرنا کہ رامیشورم گرلز کالج کی پروفیسر رنگامتی اصل میں ایک ناگن ہے۔ نہیں تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

ناگ کو اس پر غصہ آ گیا۔ وہ اسے بار بار کیوں دھمکا رہی تھی۔ ناگ کا غصہ بہت بڑا تھا۔ ناگ نے کہا:

"یہ بات ہے تو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں کون ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی ناگ نے گہرا سانس لیا اور اصلی ناگ دیوتا کی شکل اختیار کر لی جس کے دس سر تھے اور آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ ناگن رنگامتی تھر تھر کانپنے لگی۔ وہ بھی ناگن بن گئی اور ناگ دیوتا کے آگے سر رگڑ رگڑ کر اپنی گستاخی کی معافی مانگنے لگی۔ اب ناگ دیوتا بن کر ناگ کو معلوم ہوا کہ یہ عورت اصل میں آج سے تین سو برس پہلے ایک سپیرے کی ناگن تھی۔ اتفاق سے یہ ایک ایسے جنگل میں جا کر بل میں رہنے لگی جہاں یہ تین سو برس تک زندہ رہی اور پھر اس میں اتنی طاقت آ گئی کہ یہ ناگن سے انسان اور انسان سے پھر ناگن بن سکتی تھی۔ ناگن کے سوا یہ اور کسی جانور یا پرندے کا روپ اختیار نہیں کر سکتی تھی۔ ناگ دوبارہ انسان کی شکل میں آ گیا۔ ناگن بھی سانپ سے رنگامتی بن گئی۔ وہ ہاتھ باندھ کر ناگ کے آگے جھک گئی۔

"اے عظیم ناگ دیوتا! مجھے معاف کر دو۔ مجھ سے غلطی ہو گئی میں نہیں جانتی تھی کہ تم عظیم الشان

ناگ دیوتا ہو۔ میری خطا معاف کر دو۔"

ناگ نے مسکراتے ہوئے رنگامتی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"میں نے تمہیں معاف کیا۔ مگر یاد رکھو۔ آئندہ اس وقت تک کسی انسان کو اپنے زہر سے ہلاک نہ کرنا جب تک کہ تمہیں اپنی موت کا یقین نہ ہو جائے۔ تم ان ڈاکوؤں کو اپنے ہلکے زہر سے بے ہوش بھی کر سکتی تھیں۔"

ناگن رنگامتی نے ادب سے کہا:

"عظیم ناگ دیوتا! میں غصے میں اور کچھ شوخی میں آ گئی تھی۔ آئندہ احتیاط کروں گی۔ مجھے معاف کر دیا جائے۔"

ناگ بولا:

"معاف کیا۔ اب میں جاتا ہوں۔"

ناگن رنگامتی کہنے لگی:

"عظیم ناگ دیوتا! کیا میں اس گاؤں میں آپ کی کوئی مدد کر سکتی ہوں۔ میری ایک سہیلی یہاں رہتی ہے۔ اگر آپ ہمارے ہاں چل کر رات بسر کریں تو مجھے بڑی خوشی ہو گی۔"

ناگ نے کہا:

"نہیں شکریہ۔ میں ایک خاص مقصد لے کر یہاں آیا ہوں۔ میں اکیلا ہی رات بسر کروں گا۔"

ناگن رنگامتی نے پوچھا:

"کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ عظیم ناگ دیوتا کا مقصد کیا ہے؟ ہو سکتا ہے میں بھی کوئی خدمت کر سکوں۔"

اس نے کہا:

"شکریہ رنگامتی ناگن! میں تمہیں واپسی پر ملوں گا۔ اب تم جاؤ۔"

ناگ گاڑی سے باہر نکل آیا۔ ناگن رنگامتی ہاتھ جوڑ کر
ی۔ اس نے ناگ کے قدموں کو ہاتھوں سے چھوا اور سلام
ر کے گاڑی میں بیٹھی اور ترچنا گاؤں میں داخل ہو گئی۔
ل اسے اندھیرے میں دور تک جاتا دیکھتا رہا۔ رات گہری
یری تھی اور بارش کی بوندا باندی اسی طرح ہو رہی تھی۔
ی بارش اور اندھیری رات میں اس کچے راستے پر ہو لیا جو
ل میں پرانی مسجد کی طرف جاتا تھا۔ اور جس کا پتہ اسے رامیشورم
جامع مسجد کے مولوی صاحب نے بتایا تھا۔

بارش ہو رہی تھی اور ناگ جنگل کی طرف جانے والی
ک پر چلا جا رہا تھا۔

○

آگے کیا ہوا یہ جاننے کے لیے قسط نمبر ۵۶
چار پر اسرار سپیرے پڑھیے۔

چار پُراسرار ہیرے

اے حمید

۵۶

نیا مکتبہ اقرأ

ناگ، ماریا اور عنبر کی واپسی
کے پانچ ہزار سالہ سفر کی سنسنی خیز داستان

چار پُراسرار پیرے

اے حمید

بار اوّل ـــــ ۱۹۸۳ء

ناشر: نیا مکتبہ اقرا، ۱۳ بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور

طابع: الفرید پرنٹرز، لاہور

قیمت: سات روپے

ترتیب

پیارے دوستو!

ناگ انڈین ائر لائنز کے جیٹ طیارے کے ذریعے سفر کر کے بھارت کے شہر بمبئی پہنچا۔ وہاں سے مدراس گیا اور پھر رامیشورم کی طرف روانہ ہوا جہاں اسے مسلمان بزرگ القادری سے ملنا ہے اور بزرگ یاقوت یمانی کی روح سے ملاقات کا ذریعہ تلاش کرنا ہے تاکہ عذاب میں گرفتار پھانسی پانے والی امریکی لڑکی کی روح کی نجات ہو سکے۔ ادھر ماریا قبر والی کھڑکی کے واقعے کے بعد اچانک ۱۹۸۳ء کے لاہور میں پہنچ جاتی ہے اور عنبر ناگ ماریا کی واپسی کے سفر کے مصنف یعنی مجھ سے ملاقات کرتی ہے میں تو اپنے سمن آباد والے مکان میں ماریا کی خوشبو کو محسوس کر کے اور پھر اس سے مل کر حیران رہ گیا۔ ماریا مجھ سے ناگ کا پتہ معلوم کرنا چاہتی ہے اور میں اسے بتاتا ہوں کہ یہ میری کہانی اور ان کے پانچ ہزار سالہ واپسی کے سفر کا راز ہے۔ میں نہیں بتا سکتا کہ ناگ کیا خفیہ مقصد لے کر لاہور

آیا ہے۔ ناگ بھی لاہور پہنچ چکا ہے اور اس کی ملاقات
امجد نامی ایک سٹوڈنٹ سے ہوتی ہے جو عنبر ناگ ماریا
کی واپسی کی کتابیں بڑے شوق سے پڑھتا ہے۔ ناگ اسے
بتاتا ہے کہ میں ہی ناگ ہوں۔ امجد اسے کوئی پاگل آدمی
خیال کرتا ہے۔ پھر کیا ہوتا ہے۔ آپ خود پڑھ کر معلوم
کریں گے۔

اے۔حمید

شیش ناگ کا انتقام

بجلی چمکی۔ بادل زور سے گرجا۔
بجلی کی چمک میں ناگ کو دور جنگل میں بارش میں بھیگتا
ایک مسجد کا گنبد دکھائی دیا۔ یہی وہ مسجد تھی جس کے حجرے
میں بزرگ القادری رہتا تھا جس کی تلاش میں ناگ دور دراز
کا سفر طے کر کے وہاں آیا تھا۔ پیارے بچو! پچھلی قسط میں
آپ نے پڑھا تھا کہ ناگ عنبر اور ماریا اپنا پانچ ہزار برس
کا واپسی کا سفر کرتے کرتے ایک دم سے بچھڑ گئے تھے۔ ماریا
اور عنبر آٹھ سو برس آگے نکل گئے اور ناگ تین سو
برس پیچھے کی طرف جا کر ہمارے آج کے یعنی ۱۹۸۳ء کے
زمانے میں نکل آیا تھا۔ ماریا ملک روم میں جا پہنچی۔ جہاں
شام کی سرحد پر ایک نیک آدمی کی میت کی قبر میں اترنے
کے بعد اسے ایک کھڑکی دکھائی دی۔ وہ کھڑکی ایک خوبصورت
باغ میں کھلتی تھی جہاں وہ نیک آدمی جنت میں بیٹھا خدا
کی نعمتوں کا شکر ادا کر رہا تھا۔ اس نے ماریا سے کہا کہ وہ

فوراً واپس چلی جائے۔ اس نے ماریا کو دیکھ لیا تھا۔ ماریا
قبر سے باہر نکلی تو دنیا بدل چکی تھی اور وہ پرانے روم
کے زمانے سے نکل کر پاکستان کے ملک میں آ گئی تھی۔ یہ
۱۹۸۴ کا زمانہ تھا یعنی آج کا زمانہ جس میں ہم اور آپ
چل پھر رہے ہیں۔ ناگ ہندوستان کے شہر مدراس سے دور
ایک جنگل میں بارش میں بھیگتا، رات کے اندھیرے میں
بزرگ القادری سے ملنے جا رہا تھا۔ اس بزرگ سے مل
کر ناگ نے چھ سو برس پہلے فوت ہو چکے یاقوت یمانی
نام کے ایک مسلمان بزرگ کی روح سے ملاقات کرنی تھی
اور اس سے امریکی لڑکی کی عذاب میں گرفتار روح کی بخشش
کے لیے دعا کروانی تھی۔ دوسری طرف عنبر ابھی تک آٹھ سو
برس آگے کے زمانے میں تھا اور ملک شام کے صحرا میں
سے گذرتا ایک شہر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

عنبر کو ابھی ہم کچھ دیر کے لیے ملک شام کے صحرا میں
اور ماریا کو ساہیوال سے لاہور کی طرف جانے والی ٹرین میں
چھوڑتے ہیں اور اس وقت ناگ کی طرف چلتے ہیں جو
پاکستان کے ہمسایہ ملک ہندوستان کے جنوبی شہر مدراس سے
دور رامیشورم سے بھی آگے ایک کچی سڑک پر بارش میں
بھیگتا جنگل میں سے گذر رہا ہے۔ وہ ایک امریکی لڑکی کی روح
کی نجات کے لیے یہاں آیا ہے جو چھ سو برس سے پھانسی کا
پھندا گلے میں لٹکائے بھٹکتی پھر رہی ہے اور سخت عذاب میں
مبتلا ہے۔ اس عذاب میں مبتلا امریکی لڑکی کی روح سے ناگ کی
ملاقات امریکہ کے دارالحکومت واشنگٹن میں ہوئی تھی۔ ناگ اس کی
روح کو عذاب میں گرفتار دیکھ کر کانپ اٹھا تھا۔ وہ اس سے وعدہ
کر کے امریکہ سے نکلا تھا کہ جس بزرگ کو اس نے چھ سو برس
پہلے زہر دے کر ہلاک کیا تھا وہ اس کی روح کو تلاش کر کے اسے
عذاب سے نجات دلائے گا۔

بجلی ایک بار پھر چمکی۔ ناگ کو پرانی مسجد کے مینار اور گنبد
صاف دکھائی دیئے۔ بارش اسی طرح برس رہی تھی۔ اور ناگ بھیگ
گیا تھا۔ اب اندھیرے میں بھی مسجد اسے صاف نظر آ رہی تھی۔ مسجد
کا دروازہ بند تھا۔ ناگ نے دروازے کے ایک سوراخ میں سے
اندر دیکھا۔ مسجد کا صحن اندھیری رات کی بارش میں بھیگ رہا
تھا۔ جہاں صحن ختم ہوتا تھا۔ وہاں محراب بنی تھی اور ساتھ ہی
ایک کوٹھڑی کا دروازہ تھا۔ یہ دروازہ بھی بند تھا۔ ناگ نے
دروازے کو تھوڑا سا دھکیلا تو وہ کھل گیا۔ وہ مسجد کے صحن
میں آ گیا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے کوٹھڑی یعنی حجرے کے دروازے
پر دستک دی۔ اندر سے کسی نے جواب نہ دیا۔

ناگ نے کئی بار دستک دی۔ کسی نے دروازہ نہ کھولا۔ ناگ

نے اس دروازے کو بھی ذرا سا اندر کو دھکیلا تو وہ کھل گیا۔
حجرے میں ایک طاق تھا جس میں ایک دیا جل رہا تھا۔ اس
دیے کی روشنی میں ناگ نے دیکھا کہ دیوار کے ساتھ ایک
چھوٹا سا تخت پوش لگا ہے جس پر بوریا بچھا ہوا ہے۔ کھرے
میں پانی سے بھرا ہوا ایک مٹکا اور وضو کرنے والا لوٹا پڑا
تھا۔ اس کے سوا حجرے میں اور کچھ نہیں تھا۔ بزرگ القادری
بھی موجود نہیں تھے۔ ناگ نے حجرے کا دروازہ اسی طرح
بند کر دیا۔

وہ مسجد سے باہر نکل آیا۔ بارش اب رک گئی تھی۔ مسجد
کے آس پاس بڑا گھنا جنگل تھا اور ناریل کے اونچے اونچے
درختوں کے جھنڈ اندھیری رات کی بارش میں بھیگی ہوئی ہوا
میں لہرا رہے تھے۔ سامنے درختوں کے جھنڈ میں ایک ٹوٹی پھوٹی
بارہ دری تھی۔ ناگ اس بارہ دری میں آکر بیٹھ گیا۔ اس نے
گھڑی دیکھی۔ رات کے دو بج رہے تھے۔ اب نہ تو بادل گرج
رہے تھے اور نہ بارش کا شور تھا۔ جنگل میں گہرا سناٹا چھایا ہوا
تھا۔ ناگ سوچنے لگا کہ حجرے میں دیا روشن ہے جس کا مطلب
ہے کہ بزرگ القادری یہیں کہیں ہوں گے۔ اگر وہ یہاں نہ
ہوتے تو حجرے میں دیا روشن نہ ہوتا۔ ضرور وہ جنگل میں بیٹھے
کسی درخت کے نیچے خدا کی عبادت کر رہے ہوں گے۔ کیونکہ

بزرگ لوگ جنگلوں میں جا کر خدا کی عبادت کیا کرتے آئے
تھے۔ ناگ بارہ دری میں بیٹھا بزرگ القادری کا انتظار کرنے
لگا کہ جب وہ جنگل سے عبادت کرنے کے بعد واپس حجرے کی
طرف آئیں گے تو وہ ان سے ملنے کی کوشش کرے گا۔

جب رات کے سوا تین بجے تو جنگل کی جانب سے
شیر کے دھاڑنے کی آواز سنائی دی۔ اس کی دھاڑ سے سارا
جنگل گونج اٹھا۔ ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ تین چار منٹ
بعد پھر شیر کی آواز گونجی۔ اس دفعہ یہ آواز قریب سے آئی تھی۔
ناگ ہوشیار ہو کر بیٹھ گیا اور جنگل میں جدھر سے آواز آئی
تھی ادھر دیکھنے لگا۔ اچانک کیا دیکھتا ہے کہ ایک سرخ داریوں
والا سفید شیر بڑی آن بان اور شان کے ساتھ مسجد کی طرف
بڑھ رہا ہے اور اس کی پیٹھ پر ایک سفید ڈاڑھی والے بزرگ
سوار ہیں۔ ان کے ایک ہاتھ میں تلوار تھی۔

سفید شیر مسجد کے دروازے پر آکر رک گیا۔ سفید ڈاڑھی
والے بزرگ شیر پر سے اترے اور مسجد میں داخل ہو گئے
شیر نے سر جھکا کر جیسے سلام کیا اور واپس جنگل کے اندھیرے
میں غائب ہو گیا۔ ناگ سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو یہی بزرگ القادری
ہیں۔ ناگ نے واشنگٹن میں شیلی کے سپیرے باپ سے سن
رکھا تھا کہ القادری بڑے خدا رسیدہ پہنچے ہوئے بزرگ ہیں

اور مدراس کی جامع مسجد کے امام صاحب نے بتایا تھا کہ وہ
کسی سے ملاقات نہیں کرتے اور بہت کم لوگوں سے ملتے
ہیں اور جنگل میں اکیلے زندگی بسر کر رہے ہیں۔
ناگ وہاں صرف انہیں ملنے آیا تھا۔ وہ ہر حالت میں
انہیں مل کر بزرگ یاقوت یمانی کے بارے میں معلومات حاصل
کرنا چاہتا تھا۔ ان کی ایک کرامت تو ناگ نے دیکھ لی تھی
کہ وہ جنگل سے شیر پر سوار ہو کر مسجد میں آتے تھے۔ ناگ
کو معلوم تھا کہ ان بزرگوں سے ملنے کے کچھ ادب آداب
ہوتے ہیں۔ انہیں بے دھڑک جا کر نہیں ملا جا سکتا۔ یہ بے ادبی
ہوتی ہے۔ اس نے فیصلہ کیا وہ مسجد کے دروازے پر جا کر
بیٹھ جائے گا اور جب وہ صبح مسجد سے باہر نکلیں گے تو
اٹھ کر ادب سے سلام کرے گا اور اپنا مدعا بیان کرے گا۔
وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اسے کچھ فاصلے پر درختوں میں
روشنی دکھائی دی جو آگے بڑھ رہی تھی۔ پھر درختوں میں سے
ایک ایسا آدمی نکلا جس کی شکل بندر کی طرح کی تھی۔ اس
کے ہاتھ میں پتھر کا ایک تھال تھا جس میں آگ جل رہی
تھی۔ وہ ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے پیچھے
دس بارہ اسی قسم کے بندر نما آدمی آ گئے۔ انہوں نے تیر کمان
پکڑ رکھے تھے۔ آگ والے بندر نما آدمی نے اشارہ کیا۔ دوسرے

آدمی اشارہ پاتے ہی تیروں کو آگ لگا کر مسجد کے حجرے پر
برسانے لگے۔ ناگ نے دیکھا کہ تیر مسجد کے حجرے تک جاتے
اور پھر ان کی آگ اپنے آپ بجھ جاتی اور وہ غائب ہو
جاتے۔ جب ان کے تیر ختم ہو گئے اور حجرے کو آگ نہ لگ
سکی تو بندر نما آدمی نے غصے میں آ کر آگ سے بھرا ہوا
تھال مسجد کی طرف اچھال دیا۔ تھال آگ کے شعلے اڑاتا فضا
میں چکر کھاتا ہوا مسجد کے اوپر گیا اور پھر یوں ہوا کہ اس
کی آگ ایک دم سے بجھ گئی اور بھاری تھال فضا میں اڑتا
ہوا واپس آیا اور بندر نما آدمیوں کے سروں پر گر پڑا۔ کئی
کچلے گئے اور باقی چیختے چلاتے واپس جنگل کو بھاگے۔ ان کے
سردار کا مارے غصے کے برا حال ہو رہا تھا۔ طیش میں آ کر
اس نے ایک درخت کو جڑ سے اکھاڑا اور مسجد کی طرف
پھینکا۔ درخت پچاس فٹ تک فضا میں بلند ہوا اور پھر وہیں
کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ اتنے میں شیر کی دھاڑ سنائی دی۔ بندر نما
آدمی نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اس کے سامنے وہی دھاری دار
سفید شیر کھڑا غرا رہا تھا۔ بندر نما آدمی بھاگا مگر شیر نے ایک
ہی چھلانگ میں اسے دبوچا اور اپنے منہ میں اٹھا کر جنگل
میں گم ہو گیا جو درخت فضا میں کھڑا تھا آہستہ آہستہ اڑتا
ہوا نیچے اترا اور دوبارا اسی جگہ پر آ کر لگ گیا جہاں وہ

پہلے کھڑا تھا۔

ناگ یہ سارا تماشا حیرت سے دیکھتا رہا۔ خدا رسیدہ بزرگ نے بدی کی طاقتوں پر ایک بار پھر فتح حاصل کر لی تھی۔ اس کے بعد جنگل میں صبح کی ہلکی ہلکی نورانی روشنی پھیلنے لگی۔ اس روشنی میں مسجد کا گنبد چاندی کی طرح چمک اٹھا۔ ناگ بارہ دری سے نکلا کہ جا کر مسجد کے دروازے پر بیٹھ جائے اور جب بزرگ القادری باہر نکلیں تو انہیں سلام کر کے اپنا مدعا بیان کرے۔ ابھی اس نے بارہ دری سے باہر قدم رکھا ہی تھا کہ اسے اپنے سامنے ایک سفید ڈاڑھی والے نورانی صورت کے ایک بزرگ کھڑے دکھائی دیئے۔ ناگ نے انہیں پہچان لیا یہ وہی بزرگ تھے جنہیں اس نے رات کو شیر پر سوار جنگل سے مسجد کی طرف آتے دیکھا تھا۔ بزرگ کے چہرے سے نور کی رحمدلی اور محبت کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ ناگ نے ادب سے انہیں سلام کیا۔ وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ بزرگ نے کہا:

"میں جانتا ہوں تم کیا مقصد لے کر میرے پاس آئے ہو۔ میں تمہیں ہرگز نہ ملنے آتا اگر تمہارا مقصد نیک نہ ہوتا۔ مجھے معلوم ہے تم ایک عذاب میں پھنسی ہوئی روح کی نجات کے لیے میرے پاس آئے

ہو۔ میں تمہارے اس انسانی ہمدردی کے جذبے کی قدر کرتا ہوں۔"

ناگ نے کہا:

"اے خدا کے برگزیدہ بزرگ! کیا میں صحیح مقام پر پہنچا ہوں؟"

بزرگ نے کہا:

"ہاں ۔ مجھے ہی القادری کہتے ہیں۔"

ناگ نے کہا:

"تو پھر مصیبت میں مبتلا روح پر رحم کرتے ہوئے مجھے یہ فرمائیے کہ میں عظیم مسلمان بزرگ یاقوت یمانی کی روح سے کیوں کر ملاقات کر سکتا ہوں۔ کیوں کہ جب تک وہ روح کو معاف نہیں کریں گے اسے عذاب سے نجات حاصل نہیں ہوگی۔

بزرگ القادری نے فرمایا:

"اے انسانوں اور روحوں کا درد رکھنے والے ناگ! جس زبردست ہستی کا تم نے نام لیا ہے وہ خدا رسیدہ بزرگ بھی ہیں اور شہید بھی۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ خدا کی راہ میں اپنی جان دیتے ہیں شہید ہوتے ہیں اور شہید

مرتے نہیں بلکہ زندہ ہوتے ہیں۔ اس لیے تم عظیم ہستی یاقوت یمانی شہید سے زندہ حالت میں ملاقات کر سکتے ہو۔"

ناگ نے پوچھا:

"میں کہاں ان کی خدمت میں حاضر ہو سکتا ہوں؟"

بزرگ القادری نے فرمایا:

"ویسے تو وہ اپنے محبت کرنے والوں کو ہر جگہ اور ہر مقام پر مل سکتے ہیں۔ مگر تم ان کی خدمت میں ایک کام کے لیے حاضر ہونا چاہتے ہو۔ اس لیے تمہیں خود چل کر ان کے پاس جانا ہو گا۔"

ناگ نے کہا:

"میں ان کی خدمت میں خود چل کر جانے کو تیار ہوں۔ مجھے فرمائیے۔ میں ان سے کہاں ملاقات کا شرف حاصل کر سکتا ہوں؟"

بزرگ القادری نے فرمایا:

"یہاں سے شمال کی جانب ایک ملک پاکستان آباد ہے جو دین اسلام کا قلعہ ہے۔ وہاں بڑے دین دار اور اللہ کے نیک اور عبادت گزار بندے رہتے ہیں۔ وہاں ایک شہر لاہور ہے۔ اس شہر

کے باہر ایک دریا بہتا ہے جس کا نام راوی ہے۔ چاند کی چودھویں رات کو تم اس دریا پر شمال مغرب کی طرف جو باغ ہے وہاں جانا اور دریا کی طرف دیکھتے رہنا۔ پھر دل میں بزرگ یاقوت یمانی کا نام پانچ بار دہرانا۔ اگر تمہاری قسمت اچھی ہوئی تو وہ تمہیں ملنے وہاں تشریف لے آئیں گے۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا۔ وہاں پاک صاف ہو کر بیٹھنا اور کسی سانپ کا خیال دل میں نہ لانا اور وہاں نہ کسی سانپ سے بات کرنے کی کوشش کرنا۔ نہیں تو تم بزرگ یاقوت یمانی کی ایک جھلک بھی نہ دیکھ سکو گے۔"

ناگ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ بزرگ القادری غائب ہو گئے۔ ناگ نے دل ہی دل میں ان کا شکریہ ادا کیا اور جنگل سے نکل کر ترچنا نامی گاؤں کو جانے والی سڑک پر روانہ ہو گیا۔ دن نکل آیا تھا۔ دھوپ چمک رہی تھی۔ رات بھر کی بارش کی وجہ سے درخت گیلے تھے اور ان کے پتوں سے کہیں کہیں ابھی تک پانی ٹپک رہا تھا۔ ناگ کو ناگن رنگا منی کا خیال آیا۔ وہ بھی اسی گاؤں میں تھی۔ ہو سکتا تھا اس سے ملاقات ہو جائے۔ مگر ناگ وہاں کسی

سے ملے بغیر سیدھا رامیشورم اور وہاں سے ٹرین میں
سوار ہو کر مدراس پہنچنا چاہتا تھا تا کہ وہاں سے جہاز
پکڑ کر ہندوستان کے سرحدی شہر میں سے ہوتا ہوا پاکستان
پہنچ سکے۔

ترچنا گاؤں سے اسے رامیشورم جانے والی ایک بس
مل گئی۔ وہ رامیشورم پہنچ کر ریلوے سٹیشن پر آ گیا اور
مدراس جانے والی مجودا ایکسپریس کا انتظار کرنے لگا۔ یہ
ایکسپریس ٹرین دو گھنٹے انتظار کرنے کے بعد آئی۔ ناگ جلدی
سے اس میں سوار ہو گیا۔ ٹرین مدراس شہر کی طرف روانہ
ہو گئی۔

مدراس پہنچ کر ناگ سیدھا ائرپورٹ پر آ گیا۔ چونکہ اس
کے پاس پیسے تھے اس لیے وہ ٹکٹ خرید کر ہوائی جہاز کا
سفر کرنا چاہتا تھا۔ مدراس سے امرتسر جانے والا جہاز اسے
شام کے وقت ملا اور آٹھ بجے رات امرتسر کی طرف
روانہ ہوا۔ امرتسر ہندوستان کا آخری سرحدی شہر تھا اور یہاں
سے وہ سرحد عبور کر کے پاکستان کے شہر لاہور میں داخل
ہونا چاہتا تھا۔ اس نے اس سلسلے میں ساری معلومات حاصل
کر رکھی تھیں۔

ائر انڈیا کا جہاز رات کے ساڑھے گیارہ بجے امرتسر

پہنچ گیا۔ ناگ ائرپورٹ سے نکلا اور شہر کی طرف آ گیا۔
وہ رات بسر کر کے اگلے روز سرحد عبور کرنا چاہتا تھا۔
کیوں کہ اس کے پاس بھارت کے کرنسی نوٹ تھے جو
اس نے پاکستان کے کرنسی نوٹوں میں تبدیل کروانے تھے۔
اس کی جیب میں اٹھارہ ہزار کے قریب بھارتی نوٹ تھے۔
ان میں زیادہ نوٹ سو سو کے تھے۔ اس نے ایک سکھ سے
کسی ہوٹل کا پتہ پوچھا اور شہر کے سب سے خوبصورت علاقے
سول لائینز میں آ گیا۔

یہاں کرسٹل نام کا ایک تین منزلہ شاندار ہوٹل تھا۔
ناگ نے ایک کمرہ کرائے پر لیا اور بستر پر لیٹ کر دوسرے
دن کے پروگرام کے بارے میں غور کرنے لگا۔ اس کے لیے
سرحد عبور کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ وہ بڑی آسانی کے
ساتھ پرندہ بن کر سرحد عبور کر سکتا تھا۔ وہ کسی پرندے
کی شکل میں مدراس سے امرتسر بھی آ سکتا تھا۔ مگر جہاز
میں اسے یہ آسانی تھی کہ وقت بہت کم لگا اور وہ
جلدی پہنچ گیا۔ کیوں کہ ایک پرندہ چاہے وہ جتنا تیز
اڑے جیٹ ہوائی جہاز کی رفتار کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

ناگ کو نیند آ گئی۔ آنکھ کھلی تو صبح ہو چکی تھی۔ بیرا ناشتہ
لے آیا۔ اس کو ناشتے وغیرہ کی ضرورت تو نہیں تھی مگر

اس نے یونہی بیرے کا دل رکھنے کے لیے ناشتہ کیا۔ اسے انعام میں کچھ پیسے دیئے اور ہوٹل کا بل ادا کر کے سڑک پر آ گیا۔ سڑک پر لوگ اپنے اپنے کاروبار کو جا رہے تھے سائیکل رکشا بھی چل رہے تھے۔ ہوٹل سے اس نے معلوم کر لیا تھا کہ کرنسی نوٹ ہال بازار کے ایک بنیک میں تبدیل کیے جاتے ہیں۔ وہ پوچھتا پوچھتا ہال بازار میں آ گیا۔ یہاں ایک بنیک میں داخل ہو کر ناگ کاؤنٹر پر آیا اور کہا کہ اس کے پاس اٹھارہ ہزار کے قریب بھارتی کرنسی ہے جسے وہ پاکستانی کرنسی میں تبدیل کروانا چاہتا ہے۔

کاؤنٹر کلرک نے غور سے ناگ کی طرف دیکھا اور کہا:

"مہاراج! آپ بنچ پر بیٹھیں میں ابھی آپ کے لیے پاکستانی کرنسی کا بندوبست کرتا ہوں۔"

ناگ کو کیا معلوم کہ وہ اس کو پکڑوانے کی سازش کر رہا ہے۔ وہ سامنے والے بنچ پر بیٹھ گیا۔ کاؤنٹر کلرک نے اسی وقت ٹیلی فون پر بنیک کے مینجر کو اطلاع دے دی اور مینجر نے پولیس کو خبر کر دی کہ ایک آدمی اٹھارہ ہزار روپے کی پاکستانی کرنسی بدلوانا چاہتا ہے۔ پولیس کو یقین ہو گیا کہ وہ ضرور کوئی پاکستانی جاسوس ہے اور اب بھارتی کرنسی بدلوا کر پاکستان کی سرحد عبور کرنے کی فکر

میں ہے۔

پولیس فوراً جیپ میں سوار ہو کر بنیک میں آ گئی۔ ناگ بنچ پر ہی بیٹھا تھا کہ ایک موٹا تازہ سکھ تھانیدار چار سپاہیوں کے ساتھ ناگ کے پاس آ کر بولا:

"تمہارے پاس بھارتی کرنسی ہے اور تم پاکستانی کرنسی لینا چاہتے ہو؟"

ناگ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ اس نے کہا ہاں میرے پاس بھارتی کرنسی ہے اور میں پاکستانی کرنسی میں اسے تبدیل کروانا چاہتا ہوں۔

سکھ تھانیدار نے پوچھا:

"تمہارا پاسپورٹ کہاں ہے؟"

ناگ نے حیرانی سے کہا:

"وہ کیا ہوتا ہے؟"

سکھ تھانیدار نے کہا:

"تم پاکستان سے کب ہندوستان کی سرحد میں داخل ہوئے تھے؟"

ناگ نے کہا:

"میں مدراس سے آ رہا ہوں۔ پاکستان کی سرحد میں اب داخل ہوں گا۔"

سکھ تھانیدار نے مونچھوں کو تاؤ دے کر کہا:

"پاکستان تمہیں ہم پہنچائیں گے۔ فکر نہ کرو۔ چلو ہمارے ساتھ۔"

ناگ کو کچھ معلوم نہ تھا کہ یہ بھارتی پولیس ہے اور تھانیدار اسے تھانے لیے جا رہا ہے۔ وہ سمجھا کہ ہو سکتا ہے یہ لوگ خود اسے سرحد عبور کروا دیں۔ اس نے اُٹھتے ہوئے پوچھا:

"کیا آپ میرے نوٹ بھی تبدیل کروا دیں گے؟"

تھانیدار نے کہا:

"کیوں نہیں مہاراج! آپ کے نوٹ بھی تبدیل کروا دیں گے اور پاکستان کی سیر بھی کروائیں گے۔ آؤ۔ باہر سواری تمہارا انتظار کر رہی ہے۔"

پھر اس نے سپاہیوں سے کہا:

"بٹھاؤ گڈی وچ ایس مامے نوں۔"

ناگ نے پھر بھی کوئی خیال نہ کیا۔ وہ یہ سمجھا کہ ماما کا نام تھانیدار نے اس کی عزت بڑھانے کے لیے لیا ہے۔ وہ سپاہیوں کے ساتھ جیپ میں بیٹھ گیا۔ جیپ اسے لے کر تھانے آ گئی۔ تھانے پہنچ کر تھانیدار نے اپنا بید میز پر رکھا اور ناگ کو سامنے بنچ پر بیٹھنے کے لیے کہا۔ تھوڑی دیر

تک وہ رجسٹر میں کچھ لکھتا رہا۔ پھر ناگ کو ساتھ والے کمرے میں لے گیا۔ یہاں ایک میز اور سٹول پڑا تھا۔ ناگ کو سٹول پر بیٹھنے کا اشارہ کر کے تھانیدار خود میز پر بیٹھ گیا اور ناگ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا:

"اب بتاؤ تمہارے ساتھ اور کون کون سے پاکستانی جاسوس بھارت میں آئے تھے اور اس وقت وہ کہاں اور کس مقام پر ہیں؟"

ناگ تو اُس کا منہ تکنے لگا:

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں کسی ملک کا جاسوس نہیں ہوں۔"

"پھر تم جس ملک کے ہو اس ملک کا پاسپورٹ کہاں ہے ــــ؟"

"وہ کیا ہوتا ہے؟"

تھانیدار نے گرج کر کہا:

"چُوچا بننے کی کوشش نہ کرو۔ سیدھی طرح اپنے ساتھی جاسوسوں کے نام پتے بتا دو۔ نہیں تو ہمیں اصل بات اگلوانے کے بڑے طریقے آتے ہیں۔"

ناگ نے کہا:

"میں کسی ملک کا جاسوس نہیں ہوں اور میں کسی ملک کا باشندہ نہیں ہوں۔ یہ ساری دنیا میرا ملک ہے۔"

تھانیدار کو ایک سپاہی نے کہا کہ مہنت جی آ گئے ہیں۔

تھانیدار نے کہا:

اس مُسلے کو حوالات میں لے جا کر بند کر دو۔ دس بجے اسے عدالت میں پیش کر کے ریمانڈ لونگا۔ پھر یہ سب کچھ بک دے گا۔"

ناگ کو ایک گندی سی حوالات میں بند کر دیا۔ حوالات میں بند کرنے سے پہلے سکھ تھانیدار نے اس کی جیب سے اٹھارہ ہزار کچھ سو روپے کے انڈین کرنسی کے نوٹ نکال کر اپنے پاس رکھ لیے۔ ناگ یونہی کسی انسان کو ہلاک نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے سوچا کہ عدالت میں جا کر مجسٹریٹ کے آگے ساری بات کھول کر بیان کر دے گا اور وہ اسے چھوڑ دے گا۔ حوالات میں پہلے سے تین کمزور سے لڑکے موجود تھے شکل و صورت سے وہ سخت بیمار لگ رہے تھے۔ ان کے رنگ زرد تھے اور آنکھوں کے گرد حلقے چھائے ہوئے تھے۔ انہوں نے ناگ سے پوچھا کہ وہ کس جرم میں وہاں آیا ہے اور کون ہے۔ ناگ نے بتایا کہ اس پر پاکستانی جاسوس

ہونے کا الزام لگایا گیا ہے۔ تینوں لڑکے بھی پاکستانی تھے اور ان پر بھی جاسوسی کا الزام لگا کر انہیں قید کیا گیا تھا۔ انہوں نے ناگ کو بتایا کہ وہ پاکستان کے ایک سرحدی گاؤں کے رہنے والے ہیں۔ وہ اندھیری رات میں گاؤں کا راستہ بھول کر بھارت کی سرحد میں داخل ہو گئے اور پولیس نے انہیں پکڑ لیا۔

ایک لڑکے نے کہا:

"سکھ پولیس نے ہمارے ساتھ بہت ظلم کیے ہیں ہمیں بہت مارا ہے۔ ہمیں کھانے کو مٹی ملی روٹی اور ریت ملی دال دیتے ہیں۔ ہمیں الٹا لٹکائے رکھتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں دوسرے جاسوسوں کے نام پتے بتاؤ۔ ہم بے گناہ ہیں۔ ہم تو گاؤں کے رہنے والے کسانوں کے بیٹے ہیں۔ خدا جانے ہمارے ماں باپ کا پیچھے کیا حال ہو رہا ہو گا۔"

دوسرے نے پوچھا:

"تم پاکستان سے بھارت کیسے آ گئے؟"

ناگ نے کہا:

"بس تمہاری طرح راستہ بھول کر ادھر آ نکلا اور پولیس نے پکڑ لیا۔"

تیسرے لڑکے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کہنے لگا:

میری ماں بوڑھی ہے۔ وہ میرے غم میں مر گئی ہو گی۔
میری بہن مجھ سے بڑی محبت کرتی ہے۔ اس نے رو
رو کر اپنا بُرا حال کر لیا ہو گا۔"

ناگ نے پوچھا:

"کیا یہ لوگ تمہیں رہا نہیں کریں گے؟"

"ہرگز نہیں۔ یہ ہمیں آہستہ آہستہ اذیتیں دے کر ہلاک
کر ڈالیں گے۔ اس سے پہلے کئی لڑکے راستہ بھول
کر ان کے ہتھے چڑھے اور پھر ان کے ماں باپ
کو ان کی لاشیں بھی نہ مل سکیں۔"

ناگ کو ان لڑکوں پر بڑا ترس آیا۔ اس نے دل میں اسی
وقت فیصلہ کر لیا کہ وہ انہیں بھارتی ظالم پولیس کی قید سے
چھڑا کر ان کے گھر پہنچائے گا۔ اس نے کہا:

"گھبراؤ نہیں۔ میں تمہیں یہاں سے نکالنے کی کوشش
کروں گا۔"

ایک لڑکے نے آہ بھر کر کہا:

"شاید تمہیں معلوم نہیں کہ یہاں سے کبھی کوئی بچ کر
واپس اپنے ماں باپ کے پاس نہیں جا سکا۔ یہ
دشمن ملک ہے اور سرحد پر ان کی فوج بیٹھی ہے۔"

دوسرا بولا:

"اب تمہاری قسمت میں ہماری طرح پردیس میں اذیت
کی موت مرنا لکھا جا چکا ہے۔ کاش تم ان کے
ہتھے نہ چڑھتے۔ اب ہمیں کبھی واپس پاکستان جانا نصیب
نہیں ہو گا۔"

ناگ نے انہیں حوصلہ دیتے ہوئے کہا:

"انسان کو ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ ہو سکتا ہے قدرت
تمہاری رہائی یا فرار کا کوئی وسیلہ پیدا کر دے۔"

تیسرے نے کہا:

"یہاں سے فرار ناممکن ہے۔ سارا ملک ہمارا دشمن
ہے۔ اوّل تو ہم اس حوالات سے بھاگ نہیں
سکتے۔ اگر نکل بھی گئے تو لوگ ہمیں کتے بلیوں کی
طرح ڈنڈوں سے مار مار کر ہلاک کر دیں گے۔ کیوں کہ
ان کے نزدیک ہم پاکستانی جاسوس ہیں۔"

ناگ خاموش ہو گیا اور وہاں سے ان بے گناہ پاکستانی نوجوان
لڑکوں کے فرار کے بارے میں سوچنے لگا۔ پورے دس بجے
انہیں ہتھکڑیاں پہنا کر جیپ میں بٹھا کر عدالت میں لے جایا
گیا۔ ناگ نے مجسٹریٹ کو بہت سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ
اور اس کے ساتھی لڑکے پاکستانی جاسوس نہیں ہیں مگر مجسٹریٹ
بھی ہندو تھا۔ اس پر ذرا سا بھی اثر نہ ہوا۔ اس نے دس

دن کا ریمانڈ دے دیا۔ پولیس انہیں لے کر جوڈیشل جیل میں
آ گئی۔ انہیں الگ الگ کوٹھڑیوں میں بند کر کے پوچھ گچھ
شروع کر دی۔ تینوں لڑکوں کی پہلے باری آئی۔ ان کو مارا جا
رہا تھا۔ ان کی دبی دبی چیخیں نکل رہی تھیں۔ ناگ کو سخت
غصہ آیا۔ ایک ہٹا کٹا سکھ ناگ کی کوٹھڑی میں بھی آ گیا۔ اس
کے پاس موٹا سا ڈنڈا تھا۔ اس نے ناگ کی ٹانگ پر ڈنڈا
مار کر کہا:

"بتاؤ تمہارے دوسرے پاکستانی جاسوس کہاں ہیں"؟

ناگ کو پہلی بار کسی نے یوں ڈنڈا مارا تھا۔ تکلیف تو اسے
بڑی ہوئی مگر وہ پی گیا۔ اس نے سکھ سے کہا:

"اگر تم نے دوسری بار ڈنڈا مارا تو میں تمہاری زندگی کی
ضمانت نہیں دے سکتا۔"

سکھ سپاہی نے ناگ کو بڑی غلیظ گالی دی اور کہا:

"حرامزادے! ہم تو تمہاری بوٹی بوٹی کر دیں گے۔
بلاؤ پاکستانی فوج کو اپنی مدد کے لیے۔"

ناگ کے بازو پر سکھ سپاہی نے زور سے دوسرا ڈنڈا
مارا تو اس کا خون کھول اٹھا۔ گالی کی وجہ سے وہ پہلے
ہی آگ بگولا ہو رہا تھا۔ اس نے اچھل کر اس قدر زور
سے سانس لیا کہ معلوم ہوا کوئی اژدہا پھنکار رہا ہو۔ ناگ دس
سروں والے شیش ناگ کے روپ میں سامنے آ گیا۔
شیش ناگ کے ہر منہ سے آگ کے شعلے نکلنے لگے۔ سکھ
سپاہی خوف کے مارے تھر تھر کانپنے لگا۔ مگر اب وہ ناگ
کے انتقام سے نہیں بچ سکتا تھا۔ شیش ناگ کی دس زبانوں
سے نکلتی ہوئی آگ کے شعلوں نے ایک پل کے اندر اندر
سکھ سپاہی کو اس طرح بھسم کر ڈالا کہ وہاں کوٹھڑی میں اس
کا نشان تک باقی نہ رہا۔ وہ دھواں بن کر فضا میں اڑ گیا۔
ناگ پھر انسانی شکل میں واپس آ گیا۔

اسے ابھی تک ساتھ والی کوٹھڑیوں سے پاکستانی نوجوان
لڑکوں کے چیخنے کی بھیانک آوازیں آ رہی تھیں۔ پھر یہ آوازیں
بند ہو گئیں۔ اسے دروازوں کے کھلنے اور پھر بند ہونے کی آوازیں
آئیں۔ ایک سپاہی ناگ کی کوٹھڑی کے کھلے دروازے کے پاس
آ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ یہ دروازہ اس سکھ سپاہی نے کھولا
تھا جس کو شیش ناگ کے شعلوں نے بھسم کر کے رکھ دیا تھا۔

سپاہی نے پوچھا:

"اوئے سردارا کہاں ہے؟"

ناگ نے کہا:

"یہاں تو کوئی نہیں آیا۔"

"پھر دروازہ کس نے کھولا تھا؟"

ناگ بولا :

"ایک سپاہی دروازہ کھول کر ادھر کو گیا تھا۔"

جیل میں شور مچ گیا کہ سردارا سپاہی غائب ہو گیا ہے۔ اسے ہر جگہ تلاش کیا گیا مگر وہ کہیں نہ مل سکا۔ ناگ کوٹھڑی میں چپ چاپ بیٹھا پاکستانی بے گناہ لڑکوں کو وہاں سے فرار کروانے کے پروگرام پر غور کرتا رہا۔ آخر اس نے اسی رات وہاں سے فرار ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ رات ہو گئی۔ انہیں کھانے کو کچھ نہ دیا گیا۔ جیل میں بلب روشن ہو گئے اور پہرے دار کی آواز گونجنے لگی۔

"خبردار۔ ہوشیار۔ خبردار۔"

جب رات گہری ہو گئی اور ہر طرف خاموشی چھا گئی تو ناگ سانپ کی شکل بدل کر اپنی کوٹھڑی سے باہر نکل آیا کوٹھڑی کے آگے لمبا دالان تھا۔ اس دالان کے دروازے پر دو سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ ناگ رینگتا ہوا ان پہریداروں کے پیچھے آ گیا۔ یہ کام کوئی مشکل نہیں تھا۔ اس نے دونوں پہرے دار سپاہیوں کو باری باری ڈسا اور ان کے جسم میں ذرا زہر ڈالا کہ جس سے وہ دو تین گھنٹوں تک بے ہوش رہیں۔ پھر اس نے انسانی شکل بدلی اور ان کوٹھڑیوں کے قریب آ کر لڑکوں کو آواز دی جہاں وہ قید تھے۔ بے چارے

مار کھانے کے بعد درد سے کراہ رہے تھے۔

ناگ نے کہا :

"میں چابیاں لے آیا ہوں۔ میرے ساتھ چلو۔"

ناگ نے باری باری تینوں کوٹھڑیوں کے دروازے کھول دیئے۔ لڑکے درد کی اذیت سے لڑکھڑاتے ہوئے باہر نکل آئے۔

ناگ نے آہستہ سے کہا :

"اپنے حوصلے بلند رکھنا۔ اگر تم نے ذرا بھی کمزوری دکھائی تو میں تمہاری آزادی کی ذمے داری نہیں لوں گا اور تمہیں موت کے منہ سے نہیں بچا سکوں گا۔"

انہوں نے ناگ کو یقین دلایا کہ وہ اس کے کہنے پر عمل کریں گے۔ ناگ رات کے اندھیرے میں انہیں لے کر جیل کے دالان سے باہر نکل آیا۔ اب سب سے بڑی مصیبت ان کے سامنے تھی۔ جیل کے بڑے گیٹ پر چار سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔

ناگ نے کہا :

"تم لوگ اندھیرے میں یہیں چھپے رہو۔ میں ان پہریداروں سے جا کر نمٹتا ہوں۔"

تینوں لڑکوں کی جان پہلے ہی درد کے مارے ہوا ہو رہی تھی۔ ان کا سارا جسم درد کر رہا تھا۔ ایک لڑکے کے سر سے ہلکا ہلکا خون

بھی بہہ رہا تھا۔ وہ دیوار کی اوٹ میں اندھیرے میں چھپ گئے
ناگ دیوار کے ساتھ ساتھ کھسکتا پیپل کے درخت کے نیچے
آ گیا۔ یہاں اسے کوئی نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر
سانپ کا روپ بدلا اور جیل کے بڑے گیٹ کی طرف رینگنے لگا۔
ناگ ان پہرے داروں کو اس طرح ڈسنا چاہتا تھا کہ وہ سانپ سانپ
کہہ کر شور بھی نہ مچا سکیں۔ اس کام میں ناگ کو بڑی مہارت
حاصل تھی۔ چنانچہ اس نے ایک ایک کر کے ان چاروں پہرے داروں کو
بھی ڈس کر بے ہوش کر دیا۔ واپس پیپل کے درخت کے پاس آ کر
انسانی شکل اختیار کی اور دیوار کی اوٹ میں چھپے ہوئے پریشان
حال پاکستانی لڑکوں کے پاس آ کر کہا:

"جلدی سے بھاگ چلو۔ راستہ صاف ہے۔"

○

چار پُراسرار سپیرے

جیل سے فرار ہو کر وہ کھیتوں میں بھاگنے لگے۔
رات اندھیری تھی۔ کھیتوں میں تاریکی چھائی تھی۔ آزاد فضا
میں آ کر تینوں پاکستانی لڑکوں میں جیسے ایک نئی طاقت آ گئی
تھی۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے اپنی تکلیف بھول گئے تھے۔ ناگ
ان کے ساتھ ساتھ بھاگ رہا تھا۔ سامنے ایک کچی سڑک
آ گئی جس پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کھمبے کے ساتھ بجلی
کے بلب روشن تھے۔

ناگ نے ان سے پوچھا:

"کیا تمہیں معلوم ہے پاکستانی سرحد کو کون سا راستہ
جاتا ہے؟"

ایک لڑکے نے کہا:

"ہم پاکستان کی سرحد کی طرف ہی جا رہے ہیں۔ مگر
ابھی ہم شہر میں ہیں۔ یہاں سے آگے دائم گنج کی
آبادی آئے گی۔ پھر چھہرٹہ، خاصہ اور گورد سرستلانی

کے گاؤں سے گذر کر ہم اٹاری پہنچ جائیں گے۔
وہاں سے سرحد تھوڑے ہی فاصلے پر ہے۔"

دوسرا لڑکا بولا:

"دائم گنج سکھوں کی آبادی ہے۔ ہمیں وہاں سے ہٹ
کر کھیتوں میں سے ہو کر گذرنا ہو گا۔ اس آبادی
میں رات کو پہرہ لگا ہوتا ہے۔ کتوں کے بھونکنے سے
ہمارے پکڑے جانے کا ڈر ہے۔"

تیسرے لڑکے نے کہا:

"ہو سکتا ہے جیل میں ہمارے نکل بھاگنے کا سب
کو پتہ چل جائے اور پولیس ہمارے پیچھے دوڑ پڑے۔"

ناگ نے کہا:

"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں جتنی جلدی ہو سکے یہاں
سے نکل جانا چاہیے۔"

پہلا لڑکا کہنے لگا:

"ہم کتنی جلدی کر لیں۔ صبح ہونے سے پہلے سرحد
تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور ہم ضرور پکڑ لیے جائیں گے۔"

"پھر تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو؟"

ایک لڑکے نے کہا:

"میرا خیال ہے ہمیں رات کا باقی حصہ کسی جگہ

چھپ کر گذارنا چاہیے اور دوسرے روز رات کے
اندھیرے میں سرحد عبور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔"

دوسرے نے کہا:

"اس وقت تک سرحد پر فوج بھی چوکس ہو گئی ہو گی
پھر ہمارا فرار ہونا مشکل ہو جائے گا۔ میں تو کہتا
ہوں کہ ہمیں آج راتوں رات یہاں سے نکل
جانا چاہیے۔"

ناگ نے چٹکی بجا کر کہا:

"اس کے لیے ہمیں کسی سواری کی ضرورت ہے۔ مثلاً
موٹر کار یا گھوڑوں کی۔"

"یہاں موٹر کار کام نہیں دے سکتی اور گھوڑے مل
نہیں سکتے۔"

تیسرے لڑکے نے کہا:

"اگر ہمیں کہیں سے جیپ مل جائے تو وہ کھیتوں اور
گڑھوں میں چل سکتی ہے۔"

"مگر جیپ کہاں سے مل سکتی ہے۔"

"دائم گنج میں تلاش کی جا سکتی ہے۔ وہاں امیر سکھ
رہتے ہیں۔ ان کے پاس کاروں کے علاوہ جیپیں بھی
ہوتی ہیں۔"

ناگ نے کہا:

"چلو دائم گنج کی طرف چلتے ہیں۔"

دائم گنج کی آبادی وہاں سے زیادہ دور نہیں تھی۔ ایک کچی سڑک سے گزر کر وہ کھیتوں سے باہر نکلے تو سامنے دائم گنج کی آبادی کے مکان اندھیرے میں نظر آ رہے تھے۔ کسی کسی مکان میں روشنی ہو رہی تھی۔ باقی ہر طرف اندھیرا تھا۔ ناگ نے کہا:

"تم لوگ اسی جگہ کھیت کنارے میرا انتظار کرو۔ میں جیپ تلاش کر کے لاتا ہوں۔"

ناگ تینوں لڑکوں کو کھیت کنارے چھوڑ کر دائم گنج کی آبادی کی طرف چل پڑا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ لڑکوں سے کافی فاصلے پر آ گیا ہے اور وہ اسے نہیں دیکھ رہے تو اس نے پرندے کی شکل اختیار کی اور اڑتا ہوا دائم گنج کی آبادی کا چکر لگانے لگا۔ ایک مکان کے پچھواڑے احاطے میں اسے ایک جیپ کھڑی دکھائی دی۔ وہ نیچے اتر آیا۔ اُس نے انسانی شکل بدلی اور جیپ کو سٹارٹ کرنے کی بجائے اسے کھینچتا ہوا احاطے سے باہر لے آیا۔ قریب ہی ایک کتا بھونکنے لگا۔ ناگ نے کوئی توجہ نہ دی اور جیپ کو کھینچتا دائم گنج کی آبادی سے باہر کچی سڑک پر لے آیا۔ یہاں اس نے اگلی سیٹ پر بیٹھ کر

جیپ کو آہستہ سے سٹارٹ کیا۔ جیپ نئی تھی۔ اس کے انجن کا شور زیادہ نہیں تھا۔ جیپ کو لے کر وہ تینوں لڑکوں کے پاس آ گیا۔

"جلدی سے بیٹھ جاؤ اس میں۔"

تینوں لڑکے جیپ میں گھس گئے اور ناگ نے جیپ کو کچی سڑک پر ڈال دیا جو ایک لڑکے کے کہنے کے مطابق سرحدی دیہات کی طرف جاتی تھی۔ جیپ دائم گنج کی آبادی کو تیزی سے پیچھے چھوڑتی ہوئی چھ ہرٹہ گاؤں کی طرف دوڑنے لگی۔ رات کے تین بجنے والے تھے۔ گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے میں پَو پھوٹنے والی تھی۔ ناگ ان لڑکوں کو دن نکلنے سے پہلے پہلے سرحد پار کرا دینا چاہتا تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ پیچھے ان کے جیل سے فرار کا پتہ چل گیا ہو اور سکھ پولیس ان کے تعاقب میں بھاگی چلی آ رہی ہو۔

چھ ہرٹہ گاؤں آیا اور گزر گیا۔ دوسرا گاؤں خاصہ آیا تو پیچھے سے فائر کی آواز آئی۔ پھر تھوڑی تھوڑی بعد گولیاں چلنے لگیں۔ ناگ نے مڑ کر دیکھا۔ دور پیچھے سڑک پر کسی جیپ کی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ تینوں لڑکے سہم گئے۔

"بھارتی پولیس ہمارا پیچھا کر رہی ہے۔"

جو لڑکا سب سے بڑا تھا بولا:

"ہمیں جیپ یہاں چھوڑ کر کھیتوں میں چھپ جانا چاہیے۔"

دوسرے نے جلدی سے کہا:

"اس طرح وہ ہمیں پکڑ لیں گے۔"

پہلا بولا:

"وہ قریب آ رہے ہیں۔ اب وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

ناگ نے کہا:

"خاموش رہو۔ کیوں بے کار شور مچاتے ہو۔ میں نے تمہیں سرحد پار کرانے کا وعدہ کیا ہے۔ تمہیں پار کرا دوں گا۔"

"مگر پولیس ہمارے سر پر پہنچ گئی ہے۔"

"گھبراؤ نہیں۔" ناگ نے کہا:

"ابھی سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

لڑکے پریشان تھے کہ سب کیا ٹھیک ہو جائے گا۔ پولیس انہیں پکڑ لے گی اور واپس امرتسر جیل میں لے جا کر پھانسی چڑھا دے گی۔ ان کی جیپ پر پیچھے سے گولیاں برسنے لگیں۔

ناگ نے چلا کر کہا:

"جیپ میں لیٹ جاؤ۔"

تینوں لڑکے جیپ میں تڑ مڑ کر لیٹ گئے۔

ناگ نے جیپ کو کچے میں اتار دیا اور پھر وہ اسے کھیتوں میں لے گیا۔ پولیس کی جیپ بھی گولیاں برساتی اس کے پیچھے لگی رہی۔ ناگ اندھیرے میں پوری طرح سے دیکھ سکتا تھا۔ اسے ایک طرف جھاڑیوں کے پیچھے کھائی دکھائی دی۔ اس نے جیپ کو تیزی سے جھاڑیوں کے پیچھے موڑا۔ تینوں لڑکوں کو پکڑ کر جیپ سے اتارا اور جیپ کو کھائی میں لڑھکا دیا۔ کھائی میں جیپ ایک دھماکے سے گری اور اسے آگ لگ گئی۔

ناگ نے کہا:

"جھاڑیوں میں چھپ جاؤ۔"

لڑکے جھاڑیوں میں چھپ گئے۔ پولیس کی جیپ کھائی کے کنارے پر آ کر رک گئی۔ سپاہی مشین گنیں اٹھائے جیپ سے اتر کر نیچے کھائی میں دیکھنے لگے:

"کہانی ختم ہوئی۔ سب مر گئے۔ چلو واپس چلو۔"

سکھ تھانیدار اور تینوں سپاہی جیپ میں سوار ہو گئے۔ اور جیپ واپس مڑ گئی۔ جب وہ سڑک پر نظروں سے اوجھل ہو گئی تو ناگ اور تینوں لڑکے جھاڑیوں میں سے نکل

آتے۔ وہ بڑے خوش تھے کہ ناگ کی سکیم کامیاب ہو
گئی تھی۔

ایک نے کہا:

"اگر آپ اس وقت یہ ترکیب نہ نکالتے تو ہم
پکڑے جاتے۔"

دوسرے نے کہا:

"سکھ پولیس نے ہمیں اس بار زندہ نہیں چھوڑنا تھا۔"

تیسرا لڑکا پریشانی سے بولا:

"خطرہ اب بھی ہمارے سر پر منڈلا رہا ہے۔ ہم
ابھی بھارتی علاقے میں ہیں اور پاکستان کی سرحد
کافی دور ہے۔ ہمیں دن نکلنے سے پہلے پہلے
یہاں سے فرار ہو جانا چاہیے۔"

ناگ نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا:

"مگر صبح تو ہونے والی ہے۔"

پہلا لڑکا بولا:

"ہمیں دن کا وقت کسی جگہ چھپ کر بسر کرنا
چاہیے اور رات کو سرحد پار کرنے کی کوشش کرنی
ہوگی۔ کیوں کہ دن کے وقت تو ہم ضرور پکڑے
جا سکتے ہیں۔"

وہ چاروں جھاڑیوں سے باہر نکل کر اتاری جانے والی
یعنی جی ٹی روڈ کے قریب آ کر کھیتوں کھیت آگے بڑھنے
لگے۔ جوں جوں صبح ہو رہی تھی کھیتوں میں روشنی پھیلتی
جا رہی تھی اور کسان ہل لے کر کھیتوں کو جاتے دکھائی
دینے لگے تھے۔ ایک جگہ کھیتوں سے ہٹ کر پیپل کے
گنجان درخت تلے ایک کچی کوٹھڑی بنی ہوئی تھی۔ ناگ
تینوں لڑکوں کو وہاں لے گیا۔ کوٹھڑی بند تھی اور باہر
کنڈی لگی تھی۔ ناگ نے کنڈی کھول کر اندر جھانک کر دیکھا۔
آدھی کوٹھڑی میں توڑی بھری ہوئی تھی۔ طے یہ پایا کہ تینوں
لڑکے اس توڑی والی کوٹھڑی میں دن بھر چھپے رہیں گے۔
ناگ ادھر اُدھر گھوم پھر کر پہرہ دے گا۔ پھر جب رات
کا اندھیرا چھا جائے گا تو وہاں سے نکل کر پاکستانی سرحد
کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔

ایک لڑکے نے ناگ سے کہا:

"آپ اگر باہر رہے تو پکڑے جا سکتے ہیں۔ آپ
بھی ہمارے ساتھ ہی کوٹھڑی میں چھپ جائیں۔"

ناگ نے مسکرا کر کہا:

"میں اپنی حفاظت کرنا جانتا ہوں۔ اب تم چپکے
سے کوٹھڑی میں جا کر بیٹھ جاؤ۔ میں باہر سے

کنڈی چڑھا دوں گا۔ اگر کوئی اتفاق سے اندر داخل ہوا بھی تو تم فوراً توڑی میں اپنے آپ کو چھپا لینا۔ میں تمہارے لیے پانی اور کھانے کا کچھ بندوبست کرتا ہوں۔"

تینوں پاکستانی لڑکوں کو توڑی والی کوٹھڑی میں چھپا کر ناگ ایک گاؤں کی طرف چل پڑا جو اسے تھوڑے فاصلے پر دکھائی دے رہا تھا۔ گاؤں تک پہنچتے پہنچتے دن کی روشنی چاروں طرف پھیل گئی تھی۔ سکھ کسان کہیں کھیتوں میں پانی لگا رہے تھے اور کہیں ہل چلا رہے تھے گاؤں کے باہر دو کتے مٹی میں لوٹ لگا رہے تھے۔ گاؤں پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کسی کسی گھر سے مرغ کی بانگ کی آواز سنائی دے جاتی تھی۔

ناگ گاؤں کے پیچھے کی طرف آ گیا۔ اس کی جیب میں بھارتی کرنسی کی ایک کوڑی بھی نہیں تھی۔ اس نے یہی سوچا تھا کہ کسی مکان کا دروازہ کھٹکھٹا کر اپنے ساتھیوں کے لیے کھانے کو دو چار روٹیاں لے لے گا۔ اچانک ناگ کو بین کی آواز سنائی دی۔ یہ کوئی سپیرا تھا جو سانپوں کا جھولا بغل میں لٹکائے بین بجاتا تماشہ دکھانے اپنے ڈیرے سے نکلا تھا۔ ناگ ایک طرف ہو گیا۔ وہ خوامخواہ کوئی تماشہ نہیں بنانا چاہتا تھا۔

مگر کم بخت سپیرا بین بجاتا اسی طرف آ رہا تھا۔ جب وہ ناگ کے قریب سے گذرنے لگا تو سپیرے کے جھولے میں جو سانپ تھے۔ ان میں افراتفری سی مچ گئی۔ سپیرے نے بین منہ سے ہٹائی اور جھولا اتار کر سانپوں سے بولا:

"بس بچو بس! کیا ہو گیا ہے تمہیں صبح صبح، ابھی تو سارا دن شہر میں تماشہ دکھانا ہے۔"

جونہی اس نے ٹوکرا جھولے سے باہر نکالا۔ سانپوں نے زور لگا کر اس کا ڈھکنا اٹھا کر پرے پھینک دیا اور چاروں کے چاروں پھنیر سانپ پھن اٹھا کر ناگ کی طرف رینگتے ہوئے آئے اور اس کے آگے آ کر سر زمین کے ساتھ لگا دیئے۔ سپیرا تو یہ سین دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کبھی ناگ کی صورت کو تکتا اور کبھی اپنے سانپوں کو دیکھتا جو ناگ کے قدموں سے سر نہیں اٹھا رہے تھے۔ اچانک ناگ کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے سپیرے سے کہا:

"یہ سانپ میرے ہیں۔ میں ان کا اصل مالک ہوں اگر میں تمہیں کروندیئے سانپوں کا بادشاہ سفید کروندیا لا کر دے دوں تو تم مجھے یہ چاروں سانپ اپنا جھولا اور بین دے دو گے؟"

سفید کرونڈیا سانپ کسی سپیرے کے ہاتھ نہیں آتا تھا جس کسی کے ہاتھ آجائے اسے خوش قسمت سمجھا جاتا تھا اور قبیلے میں اس کی بڑی عزت ہوتی تھی۔ وہ سپیرا سفید سانپ کا تماشہ دکھا کر ہزاروں روپے کما سکتا تھا۔

سپیرے نے بین اور جھولا زمین پر رکھ دیا اور ہاتھ باندھ کر بولا:

"مائی باپ ایک بار مجھے سفید کرونڈیا لا دو۔ چاہے یہ میرے کپڑے بھی لے لو۔"

ناگ نے مسکرا کر کہا:

"آنکھیں بند کرو۔"

سپیرے نے آنکھیں بند کر لیں۔ ناگ نے ایک منتر پڑھ کر شیش ناگ سے کہا: کہ سفید کرونڈیا سانپ اس وقت جہاں کہیں بھی ہے حاضر کرے۔

شیش ناگ کو ناگ دیوتا نے حکم دیا تھا۔ وہ کیسے انکار کر سکتا تھا۔ اس نے دریا کنارے دلدلی زمین کے اندر سوئے ہوئے سفید کرونڈیے کو حکم دیا کہ عظیم ناگ دیوتا کے حضور پیش ہو۔ چند لمحوں کے اندر اندر ایک سفید کرونڈیے سانپ نے ناگ کے حضور پیش ہو کر سر جھکایا اور کنڈلی مار کر ادب سے بیٹھ گیا۔

ناگ نے سپیرے سے کہا:

"آنکھیں کھول کر دیکھو۔"

سپیرے نے جب اپنے سامنے انمول اور قیمتی سانپوں کے بادشاہ سفید کرونڈیئے سانپ کو کنڈلی مارے دیکھا تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔

ناگ نے کہا:

"آج سے یہ سفید سانپ تمہارا ہے۔ اس کی حفاظت کرنا اور خدمت کرنا۔ خبردار اسے کبھی ناراض مت کرنا۔ نہیں تو یہ واپس جہاں سے آیا ہے وہیں چلا جائے گا۔"

سپیرے نے ہاتھ باندھ کر کہا:

"مائی باپ میں تو اسے سری پائے بھون کر کھلاؤں گا۔ اگر کہے گا تو لتا منگیشکر کے گانے بھی سناؤں گا کبھی ناراض نہیں کروں گا۔"

ناگ نے سانپوں کو خاموش زبان میں حکم دیا کہ پٹاری میں چلے جائیں۔ چاروں سانپ خاموشی کے ساتھ رینگتے ہوئے پٹاری میں چلے گئے۔ ناگ نے پٹاری جھولے میں ڈالی۔ جھولا گلے میں ڈالا اور بین ہاتھ میں پکڑ کر بولا:

"اب تم جاؤ۔"

سپیرے نے کہا:

"مگر مہاراج! یہ سفید کرونڈیے کا زہر تو نکال لیا ہے آپ نے؟"

"یہ تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔ اسے اٹھا کر گلے میں ڈال لو۔"

سپیرے نے سفید کرونڈیے سانپ کو اٹھا کر اپنے گلے میں ڈال لیا اور پھر ناگ کی طرف دیکھ کر بولا:

"مہاراج! آپ اتنی کرنی والے ہیں۔ پھر آپ کو سپیرے کا بھیس بدلنے کی کیا ضرورت ہے؟"

ناگ نے کہا:

"اب تم چپکے سے یہاں سے چلے جاؤ اور خبردار پیچھے مڑ کر مت دیکھنا نہیں تو میں سفید کرونڈیے کو حکم دوں گا کہ تمہیں ڈس کر ہلاک کر دے۔"

سپیرے نے ہاتھ اٹھا کر کہا:

"معاف کر دیں مہاراج! معاف کر دیں میں جا رہا ہوں۔ جا رہا ہوں مہاراج — ساری عمر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھوں گا۔"

سپیرا وہاں سے چلا گیا۔ ناگ جھولا بغل میں ڈال، بین ہاتھ میں لیے واپس توڑی والی کوٹھڑی میں آ گیا۔

لڑکوں نے جھولا اور بین دیکھی تو حیران سے ہوئے:

"اس جھولے میں کیا ہے؟"

"سانپ" ناگ نے کہا۔

تینوں لڑکے ڈر کر پرے ہٹ گئے۔

ناگ نے کہا:

"ڈرو نہیں۔ یہ سانپ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ میں ایک خاص ترکیب لڑا کر یہاں سے تمہیں نکال رہا ہوں۔ میں سپیرا بن جاؤں گا اور تم تینوں میرے سادھو چیلے بنو گے۔"

ایک لڑکے نے کہا:

"مگر ہم سب نے اور تم نے بھی پتلون قمیص پہن رکھی ہے۔ اس لباس میں تمہیں کون سپیرا اور ہمیں کون سادھو سمجھے گا۔"

ناگ بولا:

"اس کا بھی انتظام ہو جائے گا۔ تم اسی کوٹھڑی میں چھپے رہو۔ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں اس جھولے کو کونے میں پڑا رہنے دو۔ اسے ہاتھ نہ لگانا۔"

ناگ نے سانپوں کی زبان میں پٹاری میں رکھے چاروں سانپوں کو حکم دیا کہ جب تک وہ واپس نہ آئے پٹاری میں

ہی رہیں۔ ناگ ایک بار پھر کوٹھڑی سے باہر نکل گیا۔ اب
صبح ہو چکی تھی اور گاؤں کے لوگ جاگ کر اپنے اپنے کام
دھندوں میں لگ گئے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ میں ایک
ہی وقت میں اکٹھے چار آدمیوں کے سپیروں کے کپڑے کہاں
سے پیدا کروں گا۔ اچانک اسے خیال آیا کہ سپیروں کا تعلق
سانپوں سے ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے سپیروں کے لباس کے بارے
میں کچھ سانپ اس کی مدد کر سکیں۔

ناگ کو معلوم تھا کہ بھارت میں سب سے بڑا سانپ
کوبرا یعنی پھنیر سانپ ہوتا ہے۔ وہ کھیتوں میں ذرا فاصلے
پر جا کر ایک کھال کے پاس جھاڑیوں میں بیٹھ گیا اور اس
نے منتر پڑھ کر پھنیر کوبرا کو بلایا۔ کوبرا پھنکارتا ہوا، دوڑتا
ہوا دھان کے کھیتوں سے نکل کر ناگ کی خدمت میں آن
حاضر ہوا۔ ادب سے سلام کیا اور پوچھا کہ اسے کس خدمت
کے لیے یاد کیا گیا ہے۔ ناگ نے کوبرا کو اپنا مدعا بیان کیا
اور کہا کہ وہ کہیں سے سپیروں کا جوگیا رنگ کے چار
کرتے اور تہبند لا سکتا ہے؟

پھنیر کوبرا نے جواب دیا:

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر عظیم دیوتا! یہاں قریب
ہی سپیروں کا ڈیرا ہے۔ میں ابھی وہاں جا کر

سپیروں کے کپڑے لاتا ہوں۔"

ناگ کچھ دیر وہاں انتظار کرتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد
پھنیر کوبرا ایک گٹھڑی کو منہ میں دبائے آن حاضر ہوا۔ اس
میں سپیروں کے چار جوڑے تھے۔ ناگ نے شکریہ ادا
کر کے پھنیر کوبرا کو رخصت کیا اور گٹھڑی بغل میں دبا کر
چھپتا چھپاتا واپس ٹوٹی والی کوٹھڑی میں آ گیا۔ تینوں پاکستانی
مفرور لڑکے اس کی راہ دیکھ رہے تھے۔ ناگ نے انہیں سپیروں
والے جوگیا رنگ کے کپڑے پہنائے خود بھی جوگیا لباس پہنا بغل
میں سانپوں کا جھولا ڈالا۔ بین ہاتھ میں لی اور اپنے تینوں چیلوں
کو ساتھ لے کر بین بجاتا ہوا کوٹھڑی سے باہر نکل آیا۔

اب یہ سپیروں کی ایک ٹولی بن گئی تھی جس کا سردار ناگ
تھا جو بین بجاتا آگے آگے چل رہا تھا۔ اسی گاؤں میں ناگ
نے سانپوں کا تماشا دکھایا۔ گاؤں والوں نے انہیں دودھ
اور روٹی دی۔ ناگ کو بھوک نہیں تھی۔ تینوں لڑکوں نے
جی بھر کر دودھ پیا۔ روٹی کھائی اور ناگ انہیں لے کر پاکستانی
سرحد کی طرف روانہ ہو گیا۔ اب سپیروں کی یہ ٹولی جی ٹی روڈ
پر سے گذر رہی تھی۔

اٹاری کا آخری بھارتی سرحدی گاؤں پانچ چھ کوس دور رہ
گیا تھا۔ ناگ نے بین ہاتھ میں پکڑ رکھی تھی اور لڑکوں کو

ساتھ لیے سپیرا بنا سڑک سے ذرا ہٹ کر درختوں کے نیچے سے ہو کر اٹاری گاؤں کی طرف چلا جا رہا تھا۔ تینوں لڑکے سپیرے بنے ہوئے تھے۔ پھر بھی دل میں انہیں ڈر تھا کہ کہیں پکڑے نہ جائیں۔

جب یہ ٹولی اٹاری گاؤں کے باہر پہنچی تو وہاں کچھ سکھ فوجی درختوں کے نیچے ایک ٹرک کے پاس کھڑے تھے ان میں سے ایک سکھ فوجی نے سپیروں کو دیکھا تو آواز دے کر بلا لیا۔

لڑکے گھبرا گئے۔

ناگ نے کہا:

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ بالکل ٹھیک رہو اور یہی ظاہر کرو کہ تم سپیرے ہو۔"

ناگ نے سکھ فوجی کے پاس جا کر سلام کیا اور کہا:

"مہاراج کیا حکم ہے؟ اگر اجازت ہو تو پھنیر ناگ کا تماشہ دکھاؤں۔"

سکھ فوجی بولا:

"ہاں۔ ذرا تماشہ دکھاؤ سانپوں کا۔"

ناگ نے پٹاری کھول دی۔ سانپ باہر نکل آئے۔ ناگ نے بین بجانی شروع کر دی۔ سانپوں نے پھن اٹھا لیے اور بین کی دھن پر رقص کرنے کی بجائے وہ ناگ کے آگے بار بار سر جھکانے لگے۔ ناگ نے انہیں اپنی زبان میں کہا:

"سر جھکانے کی ضرورت نہیں یہاں۔ تم ڈانس کرو اس وقت مجھے تمہارے ڈانس کی ضرورت ہے۔"

اور سانپوں نے یہ سن کر ڈانس کرنا شروع کر دیا۔ سکھ فوجی اور دوسرے دیہاتی سپیروں کے گرد جمع ہو گئے اور سانپوں کا تماشہ دیکھنے لگے۔ جب تماشہ ختم ہو گیا تو سکھ فوجی جو کہ حوالدار تھا پوچھا:

"تم تو بین بجا کر تماشہ دکھاتے ہو۔ یہ تینوں لڑکے کیا کرتے ہیں؟"

پاکستانی لڑکوں کا رنگ اڑ گیا۔

ناگ نے مسکرا کر کہا:

"مہاراج! یہ تینوں میرے چیلے ہیں۔ یہ تینوں گونگے ہیں۔ بول نہیں سکتے۔ ابھی سانپ پکڑنا سیکھ رہے ہیں۔"

اتنے میں ٹرک کے اندر لگے ہوئے وائرلیس پر آواز گونجی۔ سکھ حوالدار ٹرک کی اگلی سیٹ پر جا کر وائرلیس سننے لگا:

"ہیلو! سردار گوربچن سنگھ حوالدار سر!"

دوسری طرف سے آواز آئی :

"امرتسر جیل سے چار پاکستانی جاسوس فرار ہوگئے ہیں
ان کی جیپ کھائی میں گر کر تباہ ہوگئی تھی۔ خیال تھا
کہ وہ جل کر مرگئے ہیں مگر پتہ کرنے پر ان میں
سے کسی کی لاش نہیں ملی۔ سرحد پر گشت تیز کردی
جائے اور پاکستانی جاسوسوں کو سرحد پار نہ کرنے
دی جائے۔"

سکھ حوالدار نے کہا :

"یس سر!"

اور وائرلیس بند کر دیا۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔ چار پاکستانی
جاسوس جیل توڑ کر بھاگے ہیں اور یہ سپیرے بھی چار ہیں۔
وہ ٹرک سے نکل کر سپیروں کی ٹولی کے پاس آکر اونچی
آواز میں بولا :

"السلام علیکم!"

تینوں پاکستانی لڑکوں میں سے ایک کے منہ سے بے اختیار
وعلیکم السلام نکل گیا۔

سکھ حوالدار نے پستول نکال کر اپنے ساتھیوں سے کہا :

"ان چاروں کو گرفتار کر لو۔ یہ پاکستانی جاسوس ہیں!"

پاکستانی لڑکے غم سے نڈھال ہوکر زمین پر بیٹھ گئے۔

ناگ بھی پریشان ہو گیا۔ وہ خود وہاں سے ایک سیکنڈ میں
فرار ہوسکتا تھا مگر پاکستانی بے گناہ لڑکوں کی وجہ سے مجبور
تھا۔ سکھ فوجیوں نے چاروں کو پکڑ کر ٹرک میں ڈال دیا۔ ان
کے ہاتھ رسی سے باندھ دیئے اور ٹرک کو واپس امرتسر کی
طرف موڑ دیا۔ تینوں لڑکوں کے چہروں پر مردنی چھا گئی تھی۔
انہیں اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ مگر ناگ پر اس کا
کچھ اثر نہیں ہوا تھا۔ اس کا دماغ سکھ فوجیوں کو جُل دے
کر ایک بار پھر فرار ہونے کی ترکیبیں سوچ رہا تھا۔ ٹرک
جی ٹی روڈ پر امرتسر جیل کی طرف جا رہا تھا۔ سکھ حوالدار
نے وائرلیس پر امرتسر جیل کو خبر کر دی تھی کہ چاروں پاکستانی
جاسوس گرفتار کر لیے گئے ہیں۔ سکھ فوجی بڑا خوش تھا۔ اسے
ترقی ملنے کی امید تھی۔ اس نے بہت بڑا کام کیا تھا۔

ناگ نے سب سے پہلا کام تو یہ کیا کہ ٹرک کا غور
سے جائزہ لینا شروع کر دیا۔ ٹرک پر ترپال پڑی تھی اور
ڈھکا ہوا تھا۔ اس کے اردگرد تینوں لڑکے غم سے نڈھال بیٹھے
تھے۔ سامنے سٹولوں پر دو سکھ فوجی پستولیں ہاتھوں میں
لیے بیٹھے انہیں گھور رہے تھے۔ ٹرک دوڑا جا رہا تھا۔ وقت
بہت کم تھا۔ ناگ جانتا تھا کہ ایک بار فوجی ٹرک امرتسر
جیل کے احاطے میں داخل ہو گیا تو ان تینوں لڑکوں کو

دوبارہ وہاں سے نکالنا خاصا مشکل کام ہو گا۔ اسے جو کچھ کرنا تھا اس وقت کرنا تھا۔ وقت گذرتا چلا جا رہا تھا ناگ کو یہ بھی معلوم تھا کہ اگر اس نے اپنی شکل تبدیل کی تو پاکستانی لڑکے ڈر جائیں گے لیکن اب ان کی زندگی اور موت کا سوال تھا۔ ناگ نے حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس نے زور سے ایک سانس لیا اور غائب ہو گیا۔ سکھ فوجی پہلے تو حیرانی سے بت بنے بیٹھے رہے کہ یہ کیا ہو گیا کہ ایک انسان دیکھتے دیکھتے غائب ہو گیا۔ پھر انہوں نے ناگ کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ تینوں پاکستانی لڑکے بھی ایک دوسرے کا حیرت سے منہ تک رہے تھے۔

ناگ پتلا سا زہریلا سانپ بن کر سکھ فوجیوں کی سیٹ کے پیچھے آ گیا تھا۔ سکھ فوجی ٹرک میں ادھر ادھر دیکھ رہے تھے کہ اچانک ایک فوجی نے گردن پر چبھن محسوس کر کے ہاتھ مارا اور ایک سانپ اس کے ہاتھ سے پھسل کر دوسرے کی گردن سے جا لپٹا۔ ناگ نے ان دونوں کو آواز نکالنے کا موقع نہ دیا۔ دونوں فوجی ٹرک میں گرے اور پھر نہ اٹھ سکے۔ انہیں ٹھکانے لگا کر ناگ رینگتا ہوا ٹرک کی اگلی سیٹ پر جا نکلا۔ اگلی سیٹ پر دو فوجی بیٹھے

تھے۔ سکھ حوالدار خود ٹرک چلا رہا تھا۔ اور اس کا ساتھی فوجی برابر والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔

ناگ نے ڈرائیور سکھ کو چھوڑ کر دوسرے سکھ فوجی کو ڈس دیا۔ وہ آگے گرا۔ اس کے ساتھی ڈرائیور نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور بریک لگا دی۔ ناگ اسی لمحے انسانی شکل میں آ گیا اور پستول سکھ ڈرائیور کی گردن پر رکھ کر کہا:

"گاڑی کو واپس موڑ کر اٹاری کی طرف چلو میرے حکم کے خلاف ذرا سی بھی حرکت کی تو تمہارا بھی حشر تمہارے ساتھیوں کا ہو گا۔ تمہارے دو ساتھیوں کی لاشیں پیچھے ٹرک میں پڑی ہیں۔"

سکھ ڈرائیور نے کوئی جواب نہ دیا۔ ٹرک کو پیچھے موڑا اور سڑک پر واپس جدھر سے آیا تھا ادھر کو روانہ ہو گیا۔ ناگ ٹرک کی پچھلی طرف کھڑا تھا اور چھوٹی کھڑکی میں سے پستول سکھ فوجی ڈرائیور کی گردن سے لگا رکھی تھی۔ ناگ نے اسے سپیڈ تیز کرنے کو کہا۔ ٹرک کی سپیڈ تیز ہو گئی۔ تینوں لڑکے حیرت اور تعجب سے ناگ کو تک رہے تھے کہ یہ کون ہے۔ دونوں سکھ فوجیوں کی لاشیں ان کے سامنے پڑی تھیں۔ انہوں نے ٹرک کا پچھلا پردہ بھی گرا دیا تھا۔ ٹرک سڑک پر تیزی سے

بھاگا جا رہا تھا۔

سکھ فوجی نے گردن موڑے بغیر ناگ سے کہا:

"تم اپنی موت کی طرف مجھے لے جا رہے ہو۔ آگے ہماری زبردست چوکی آ رہی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ ہتھیار پھینک دو۔ میں تمہیں بچا لوں گا۔"

ناگ نے پستول کی نالی سکھ کی گردن میں چبھو کر کہا:

"زبان بند رکھو۔"

ٹرک اب اٹاری گاؤں کے درمیان والی سڑک سے گذرنے لگا۔ دونوں جانب دکانیں اور مکان تھے۔

ناگ نے سکھ سے کہا:

"یہاں اگر تم نے کوئی حرکت کی تو یاد رکھو لوگ مجھے بعد میں پکڑیں گے میرے پستول کی گولی پہلے تمہاری گردن کے پار ہو گی۔ اگر جان کی سلامتی چاہتے ہو تو خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤ۔"

سکھ نے کہا:

"تم یہاں سے فرار نہ ہو سکو گے۔ سرحد پر ہماری فوج کا پہرہ ہے۔"

ناگ نے کہا:

"بک بک بند کرو۔"

اٹاری گاؤں پیچھے رہ گیا۔ سرحد کا علاقہ شروع ہو گیا تھا۔ کھیتوں میں کہیں کہیں کسان ہل چلا رہے تھے۔ دور دور تک کوئی گاؤں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

ناگ نے سکھ ڈرائیور سے کہا:

"ٹرک کھڑا کرو۔"

سکھ ڈرائیور نے بریک لگا دی۔ ٹرک سڑک کی ایک جانب رُک گیا۔ ناگ نے سکھ ڈرائیور کو نیچے اترنے کا حکم دیا۔ وہ نیچے اتر آیا۔ ناگ نے تینوں پاکستانی لڑکوں سے کہا کہ سکھ فوجی کے ہاتھ پاؤں اس کی پگڑی سے باندھو اور منہ میں کپڑا ٹھونس کر کھیت میں پھینک دو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد ناگ نے پاکستانی لڑکوں کو ٹرک میں بٹھایا اور خود ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھ کر ٹرک کو سٹارٹ کر دیا۔

پاکستانی لڑکوں میں سے ایک لڑکا جس کا نام عمر دین تھا۔ سرحدی گاؤں کا رہنے والا تھا اور سرحد کے علاقے کو جانتا تھا۔ اس نے ناگ کی رہنمائی کی۔ ایک جگہ سے کچا راستہ آگے کو جاتا تھا۔ ناگ نے ٹرک اس راستے پر ڈال دیا۔ سامنے سے ایک جیپ آ رہی تھی۔ ناگ نے ٹرک ایک طرف کر کے اسے پاس کر دیا۔ مگر جیپ میں بیٹھے ہوئے سکھ ڈرائیور نے ایک سویلین یعنی شہریوں ایسے کپڑوں والے ڈرائیور کو فوجی

ٹرک میں دیکھا تو اسے کچھ شک ہوا اور جیپ واپس موڑ کر ٹرک کے پیچھے لگا دی۔ اس نے کئی بار ہارن دے کر اور وائرلیس پر چلا کر ناگ کو ٹرک روکنے کے لیے کہا مگر ناگ نے رفتار اور تیز کر دی۔ جیپ والے سکھ ڈرائیور نے فوج کو خبردار کر دیا۔ ناگ ٹرک لے کر کھیتوں میں گھس گیا۔ سامنے ایک چٹیل میدان تھا۔ عمر دین نامی پاکستانی لڑکے نے کہا:

"اس میدان کے پار پاکستان کی سرحد شروع ہو جاتی ہے"

ناگ پر ادھر اُدھر سے فائرنگ شروع ہو گئی۔

"ٹرک میں لیٹ جاؤ"

ناگ نے پاکستانی لڑکوں کو چلا کر کہا:

○

ماریا لاہور میں۔ اے حمید سے ملاقات

برستی گولیوں میں ناگ ٹرک کو میدان سے نکال کر لے گیا۔ سامنے پاکستان کی سرحد تھی۔ جب وہ عمر دین لڑکے نے بتایا کہ ہم پاکستان کی سرحد میں داخل ہو چکے ہیں اور پیچھے سے فائرنگ بھی بند ہو گئی تو اب پاکستانی بارڈر فورس کے مجاہدوں نے ایک بھارتی فوجی ٹرک کو پاکستانی سرحد میں گھستے دیکھا تو جیپوں میں بیٹھ کر اسے گھیرے میں لے لیا اور ہتھیار ڈالنے کا حکم دیا۔ ناگ نے ٹرک روکا اور تینوں پاکستانی لڑکوں کو لے کر باہر نکل آیا۔ بارڈر فورس کے کیپٹن نے بڑے غور سے ٹرک کا جائزہ لیا۔ ٹرک کی اگلی سیٹ پر ایک سکھ فوجی اور پیچھے دو سکھ فوجیوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ ناگ نے شروع سے لے کر آخر تک سارا قصہ بیان کر دیا۔ کیپٹن نے کہا:

"تم لوگوں کو ملٹری ہیڈ کوارٹر چلنا ہو گا"

ملٹری ہیڈ کوارٹر میں کافی دیر کی تحقیقات اور تفتیش اور

پوچھ گچھ کے بعد ناگ اور تینوں پاکستانی لڑکوں کو چھوڑ دیا
گیا۔ لڑکوں نے ناگ کا شکریہ ادا کیا اور اسے گاؤں چلنے
کی دعوت دی۔ وہ اسے کوئی جادوگر سمجھ رہے تھے جو
جادو کے زور سے سانپ بن جاتا تھا۔

ناگ نے کہا:

"مجھے شہر ایک ضروری کام سے جانا ہے۔ تم لوگ
اپنے اپنے گاؤں جاؤ۔ خدا نے چاہا تو پھر کبھی
ملیں گے۔"

ایک لڑکے نے ڈرتے ڈرتے پوچھا:

"تم نے یہ جادو کہاں سے سیکھا ہے؟"

"کون سا جادو؟" ناگ نے کہا:

"یہی سانپ بن جانے کا۔"

ناگ مسکرایا، کہنے لگا:

"افریقہ کے ایک جادوگر نے سکھایا تھا۔"

پاکستانی لڑکے عمر دین نے کہا:

"میں لاہور شہر کی ایک فیکٹری میں کام کرتا ہوں۔
میں تمہیں وہاں کہاں مل سکتا ہوں؟"

ناگ نے اس کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا:

"فکر نہ کرو۔ میں تمہیں خود مل لوں گا۔"

ناگ لاہور کی طرف جانے والی سڑک پر چل پڑا اور
تینوں پاکستانی لڑکے اپنے اپنے گاؤں کی طرف روانہ ہو گئے۔
ناگ کے پاس پاکستانی کرنسی کا ایک روپیہ بھی نہیں تھا۔
اس کے پچاس ہزار بھارتی روپے بمبئی میں شیلا ائیرہوسٹس
کے پاس پڑے تھے اور اٹھارہ انیس ہزار روپے بھارتی پولیس
نے چھین لیے تھے۔ لاہور میں فروری کے مہینے کا آخر تھا اور
موسم خوش گوار تھا۔ یہ شہر ناگ نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔
وہ پتلون قمیص پہنے ہوئے تھے۔ پاؤں میں بوٹ تھے جو
اس نے واشنگٹن میں خریدے تھے۔ واہگے سے وہ لاہور کی
طرف چلا جا رہا تھا۔ اب بسیں اور کاریں اس کے قریب
گزر رہی تھیں۔

بزرگ القادری نے اسے بتایا تھا کہ شہر کے شمال
میں ایک دریا بہتا ہے جس کا نام دریائے راوی ہے اس
دریا کے پار کسی بھی جگہ اسے آدھی رات کو جب کہ آسمان
پر پورا چاند چمک رہا ہو گا۔ اسے مسلمان بزرگ یاقوت یمانی
کی زیارت ہو گی۔ اس نے ایک راہ گیر سے پوچھا کہ دریائے راوی
کہاں ہے؟

اس نے کہا:

"وہ تو بہت دور ہے۔ یہاں سے بس پکڑ کر ریلوے سٹیشن

جاؤ۔ وہاں سے آٹھ نمبر بس تمہیں دریائے راوی کے
پل پر پہنچا دے گی۔"

ناگ کے پاس بس کا کرایہ بھی نہیں تھا۔ وہاں لوگ آ
جا رہے تھے اس لیے وہ اپنی شکل بھی تبدیل نہیں کر سکتا تھا۔
ریلوے سٹیشن جانے والی بس آ کر رکی۔ ناگ بغیر ٹکٹ کے
بس میں سوار ہو کر کنڈیکٹر کو یہ نہیں کہنا چاہتا تھا کہ میرے
پاس کرایہ نہیں مجھے ریلوے سٹیشن تک لے چلو۔ وہ خوددار
تھا۔ اس نے سوچا کہ مجھے اگر شکل تبدیل کرتے کوئی دیکھ
بھی لے تو میرا کیا بگاڑ لے گا۔ اس نے گہرا سانس لیا اور غائب
ہو کر زرد رنگ کی چڑیا بن کر بس کی چھت پر بیٹھ گیا۔ ایک
آدمی ناگ کے بالکل پاس کھڑا تھا۔ اس نے جو اپنے ساتھ والے
آدمی کو ایک دم سے غائب ہوتے دیکھا تو اس کا منہ کھلے
کا کھلا رہ گیا۔ پھر اس نے زور سے سر کو جھٹکا۔ آنکھیں ہاتھوں
سے ملیں اور وہاں سے بھاگ گیا۔

بس ناگ کو لے کر ریلوے سٹیشن پر آ گئی۔ یہاں اس نے
ایک بس پر نمبر ۸ لکھا ہوا دیکھا تو اڑ کر اس کی چھت پر
آ گیا۔ یہ بس اسے دریا کے پل پر لے گئی۔ دریا کو دیکھ کر
ناگ خوش ہوا۔ اب اسے رات کا انتظار تھا کہ دیکھے پورے
چاند کی رات ہے یا نہیں۔ سارا دن وہ دریا کنارے انسانی

شکل میں آ کر سیر کرتا رہا۔ پھر جہانگیر کے مقبرے میں آ گیا جب
رات ہوئی تو اسے معلوم ہوا کہ ابھی پورے چاند کی رات نہیں
آئی اور چودھویں رات کے آنے میں ابھی دو دن باقی ہیں۔
چونکہ اس کے پاس پاکستانی روپے پیسے نہیں تھے اور اسے
بھوک بھی نہیں لگتی تھی۔ اس نے ناگ نے فیصلہ کیا کہ وہ
باقی دو دن مقبرہ جہانگیر میں ہی گذار دے گا۔

اب ہم ماریا کی طرف آتے ہیں۔ وہ بھی لاہور کی طرف
آ رہی تھی۔ اسے ہم نے ساہیوال سے لاہور کی طرف جاتی
ریل گاڑی میں چھوڑا تھا۔ صبح ہو رہی تھی کہ ماریا لاہور
پہنچ گئی۔ یہ جگہ اس نے ایک بار پہلے بھی دیکھی ہوئی تھی۔
اب کچھ تبدیلی ہو گئی تھی۔ ماریا کو عنبر اور ناگ کی تلاش
تھی۔

لاہور ریلوے سٹیشن پر زیادہ لوگ نہیں تھے جس ٹرین
پر بیٹھ کر ماریا آئی تھی اس کے مسافر جا چکے تھے۔ ماریا پلیٹ
فارم پر پھر کر ایک ایک چیز کو غور سے تکنے لگی۔ دیواروں
پر ہوٹلوں کتابوں اور صابن وغیرہ کے بورڈ لگے تھے۔ چائے
ناشتہ تیار ہو رہا تھا۔ مسافر ناشتہ کر رہے تھے۔ ماریا پھرتے
پھرتے کتابوں رسالوں کے کاؤنٹر پر آ گئی۔ اچانک اس کی
نظر بچوں کی کتابوں کے شلیف میں کتابوں کی ایک سیریز پر

پڑی جس پر "عنبر ناگ ماریا کی واپسی" لکھا تھا۔ یہ ان کے پانچ
ہزار سال کے سفر کی واپسی کی داستان تھی۔ ماریا نے شیلف
میں سے ایک کتاب اٹھا لی۔ باہر سرورق پر "سانپ کا انتقام"
لکھا تھا اور نیچے عنبر ناگ ماریا کے پانچ ہزار سال کے سفر
کی داستان بیان کرنے والے مصنف اے حمید کا نام لکھا تھا۔
ماریا ورق الٹ کر کتاب کا مطالعہ کرنے لگی۔ اس میں وہی واقعات
درج تھے جو اس کے اور عنبر ناگ کے ساتھ پیش آئے تھے۔
کتاب کے آخر میں مصنف اے حمید کے گھر کا پتہ لکھا ہوا تھا۔
ماریا ریلوے سٹیشن سے باہر نکل آئی۔ وہ مصنف اے حمید کے
گھر جا کر اس سے ملاقات کرنا چاہتی تھی۔

ایڈریس اس نے یاد کر لیا تھا۔ اتنے میں ایک بس آئی جس
پر "سمن آباد" لکھا تھا۔ ماریا بس میں سوار ہو گئی۔ بس شہر کی
مختلف سڑکوں کا چکر کاٹ کر سمن آباد میں داخل ہو گئی۔ ماریا
گول چکر کے بس سٹاپ پر اتر پڑی اور مکانوں کے نمبر دیکھ
دیکھ کر مصنف اے حمید کے مکان کا نمبر تلاش کرنے لگی۔ دو
گھنٹے کی دربدری کے بعد آخر وہ سفید گیٹ والے ایک ایسے
مکان کے سامنے آ کر رک گئی جس کے باہر "اے حمید" کے
نام کی تختی لگی تھی۔ ماریا نے گھنٹی بجائی۔ تھوڑی دیر بعد ایک
لڑکے نے دروازہ کھول کر باہر دیکھا:

"کون صاحب؟"

جب اسے باہر گھنٹی بجانے والا کوئی انسان دکھائی نہ
دیا تو کچھ تعجب کے ساتھ سر ہلا کر دروازہ بند کر کے واپس
چلا گیا۔ ماریا نے یونہی گھنٹی کا بٹن دبا دیا تھا کیونکہ بٹن
کے اوپر لکھا تھا:

"گھنٹی بجایئے۔"

ماریا بند گیٹ میں سے گذر کر مکان کے صحن میں آ گئی۔
سرو اور دھریک کے درخت صبح کی ہوا میں لہرا رہے تھے۔
کیاریوں میں دیوار کے ساتھ ساتھ گلاب اور موتیے کے پھول
کھلے ہوئے تھے۔ سامنے ایک برآمدہ تھا اور پھر پہلو میں ایک
کمرے کا دروازہ تھا جو بند تھا۔ ماریا برآمدے میں آئی اور پھر
پہلو والے دروازے کے بند کمرے میں سے اندر آ گئی۔

کمرے میں قالین بچھا تھا۔ صوفے لگے تھے۔ دیواروں میں
شیلف بنے تھے جو اردو انگریزی کی کتابوں سے بھرے ہوئے
تھے۔ ٹیبل پر پڑے گلدان میں گیندے اور گلاب کے
پھول کھلے تھے۔ دیوار کے ساتھ رائٹنگ ٹیبل لگی تھی جس پر
کتابیں سجی تھیں۔ دیواروں پر تصویریں لگی تھیں۔ ایک شخص
پلنگ کی پٹی سے ٹیک لگائے گھٹنے پر تختی رکھے، سگریٹ
سلگائے کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔ چائے کی پیالی اس کے

پاس ہی تپائی پر رکھی تھی۔ الماری میں یہاں بھی "عنبر ناگ ماریا کی واپسی" کی کتنی ہی کتابیں پڑی تھیں جو نیا مکتبہ افراد والوں نے شائع کی تھیں۔ ماریا سمجھ گئی کہ یہی وہ مصنف اے حمید ہے جو "عنبر ناگ ماریا کی واپسی" کی داستان سلسلہ وار لکھ رہا ہے۔ اس نے اے حمید کے قریب آ کر جھک کر دیکھا کہ وہ کیا لکھ رہا ہے۔ وہ بڑی خوش ہوئی۔ اے حمید عنبر ناگ ماریا کے سفر کا وہ حصہ لکھ رہا تھا جہاں خود ماریا لاہور ریلوے سٹیشن سے نکل کر سمن آباد کی طرف روانہ ہوتی ہے اور کچھ دیر بعد اس کے کمرے کی گھنٹی بجتی ہے مصنف اے حمید نے قلم ہاتھ سے رکھ دیا اور گہری سوچ میں پڑ گیا۔ شاید اسے یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ ماریا سمن آباد میں آ کر کہاں غائب ہو گئی ہے۔ کہاں چلی گئی ہے۔

پیارے بچو! یہاں میں واقعی پریشان تھا کہ کیا لکھوں؟ کیونکہ میں نے سمن آباد کے بس سٹاپ پر اترتے تو ماریا کو دیکھا۔ اس کے بعد مجھے کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ ماریا کہاں چلی گئی۔ اتنے میں میرے کمرے کی گھنٹی بجی۔ میں نے لڑکے سے کہا کہ باہر جا کر دیکھے کہ کون آیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے واپس آ کر بتایا کہ باہر تو کوئی بھی نہیں ہے۔ میں نے یہ سمجھا کہ کسی نے غلطی سے دروازے کی

گھنٹی بجا دی ہو گی۔ میں نے دوبارا لکھنے کی کوشش کی تو میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ ماریا سمن آباد میں پہنچ کر کہاں گم ہو گئی ہے۔

پھر اچانک مجھے ایک ایسی خوشبو محسوس ہوئی جیسی کہ گرجا گھر میں عبادت کے وقت اگربتیوں کے سلگنے کی آیا کرتی ہے۔ اس قسم کی ہلکی ہلکی خوشبو مجھے عام طور پر اس وقت محسوس ہوا کرتی ہے جب میں عنبر ناگ اور ماریا کی کہانی (جو آپ پڑھ رہے ہیں) لکھتے وقت ماریا کے سفر کے حالات بیان کیا کرتا ہوں۔

پیارے بچو! میں آپ کو ایک بڑی دلچسپ بات بتاتا ہوں۔ جب سے میں نے عنبر ناگ ماریا کی واپسی کے پانچ ہزار سالہ سفر کی ایڈونچر اور سنسنی خیز واقعات سے بھری ہوئی پر اسرار داستان لکھنی شروع کی ہے میرے ساتھ عجیب غریب قسم کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ کبھی خواب میں عنبر آتا ہے اور مجھے بھی اپنے ساتھ پانچ ہزار سال کے سفر پر چلنے کی دعوت دیتا ہے کہ چلو تم بھی ہمارے ساتھ سفر کرو اور ہماری داستان نہ لکھو۔ کبھی میں ان کی کہانی لکھ رہا ہوتا ہوں تو عنبر اور ناگ میرے قریب سے ہو کر گذر جاتے ہیں۔ کبھی ناگ کو دیکھتا ہوں کہ گلے میں سانپوں کا ہار ڈالے

میری طرف بڑھ رہا ہے اور مسکرا رہا ہے۔ اس نے تو وا
ہیں تو میرے ساتھ ملاقات بھی کی اور میرے ساتھ کئی دن
گذارے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میں کسی گرجا گھر کے قریب سے
گذرتا ہوں تو مجھے ماریا کی خوشبو آتی ہے اور وہ میرے کان
میں کچھ سرگوشی کرتی ہے۔ اس کی زبان میرے لیے انوکھی
ہوتی ہے۔

چنانچہ اس وقت جب کہ میں اپنے سمن آباد والے مکان
میں بیٹھا عنبر ناگ ماریا کے سفر کی داستان لکھ رہا تھا تو اچانک
مجھے وہی گرجا گھر والی مقدس خوشبو محسوس ہوئی۔ پہلے تو میں
کوئی خیال نہ کیا لیکن پھر یہ خوشبو تیز ہو گئی اور مجھے کسی کے
آہستہ آہستہ سانس لینے کی آواز سنائی دی۔ میں سمجھ گیا کہ ماریا
میرے پاس کھڑی ہے۔ میں نے کاغذ قلم رکھ دیا۔ کمرے میں
سوائے میرے اور کوئی نہیں تھا۔

میں نے آہستہ سے کہا:

"ماریا — کیا یہ تم ہو؟"

ماریا نے کہا:

"ہاں۔ یہ میں ہوں۔ ماریا — جس کے سفر کی تم کہانی
قلم بند کر رہے ہو۔"

میں نے خالی صوفے کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"بیٹھ جاؤ ماریا۔ میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

ماریا کی آواز آئی:

"تم عنبر اور ناگ کا پتہ بتا سکتے ہو؟ تم کو معلوم ہو گا
کہ وہ کہاں ہیں؟"

میں نے کہا:

"ناگ اس وقت لاہور میں ہے اور عنبر کو میں
نے ملک شام کی سرحد کے قریب چھوڑا تھا۔ مگر
ایک بات کو ذہن میں رکھنا کہ وہ دونوں میری
مرضی کے پابند نہیں ہیں۔ میں انہیں حکم نہیں دیتا کہ
تم فلاں جگہ جاؤ اور اب یہ کام کرو اور اب وہ کام
کرو بلکہ وہ خود اپنی مرضی سے انہیں جہاں جانا
ہوتا ہے جاتے ہیں اور میں لکھتا چلا جاتا ہوں۔ مثلاً
اب مجھے تمہارے بارے میں بالکل معلوم نہیں تھا کہ
تم لاہور میں آ کر میرے گھر کو تلاش کر رہی ہو۔ میں
نے تمہیں لاہور آتے ضرور دیکھا تھا۔"

ماریا کہنے لگی:

"یہ تو میں جانتی ہوں کہ تم اپنی مرضی کے مطابق ہمیں
سفر نہیں کرا رہے بلکہ جہاں ہم جاتے ہیں اور جو
کچھ ہم کرتے ہیں تم انہیں قلم بند کرتے جاتے ہو۔

مگر کیا تم مجھے یہ بتا سکتے ہو کہ تم نے آخری بار جب
ناگ کو چھوڑا تھا تو وہ لاہور میں کس مقام پر تھا؟"
میں نے کہا:
"میں نے اسے دریائے راوی کے پار مقبرہ جہانگیر میں
چھوڑا تھا۔"
ماریا نے پوچھا:
"ناگ کا اس شہر میں آنے کا مقصد کیا ہے؟"
میں نے کہا:
"یہ میری کہانی کا راز ہے جو میں کسی صورت میں
نہیں بتا سکتا۔ ہاں تم اگر چاہو تو ناگ سے مل کر
اس بارے میں معلومات حاصل کر سکتی ہو۔"
ماریا بولی:
"یہ دریائے راوی اور مقبرہ جہانگیر کہاں ہے؟"
میں ابھی جواب دینے ہی والا تھا کہ اچانک میری بیوی
اندر آ گئی۔ دروازہ چونکہ کھلا تھا اس لیے وہ اندر آ کر کچھ
حیرانی سے میری طرف دیکھ کر بولی:
"یہ آپ کس سے باتیں کر رہے ہیں۔ مجھے تو یہاں
کمرے میں اور کوئی انسان دکھائی نہیں دیتا۔"
میں نے کھسیانا سا ہو کر کہا:

"دراصل تم تو جانتی ہو کہ کبھی کبھی عنبر ناگ ماریا کی
کہانی لکھتے ہوئے میں اپنے آپ سے باتیں کرنے
لگتا ہوں۔ کرداروں کے مکالمے خود دہرانا شروع کر
دیتا ہوں۔ بس اس وقت بھی میں ایسا کر رہا تھا
آؤ بیٹھو۔"
"نہیں آپ کام کریں۔ میں جاتی ہوں۔ چائے بنا کر
لاؤں آپ کے لیے؟"
"شکریہ۔ ابھی ضرورت محسوس نہیں ہو رہی۔ تھوڑی
دیر میں پیوں گا۔"
میری بیوی چلی گئی۔ وہ دروازہ بند کرتی گئی۔
میں نے ماریا سے آہستہ سے کہا:
"میں نہیں چاہتا کہ ہماری ملاقاتوں کے راز کا کسی
کو بھی علم ہو۔ اس لیے اب تم دریا کے پار
جاؤ اور ناگ سے ملاقات کرو تا کہ میں کہانی
کو آگے لکھ سکوں۔"
ماریا نے کہا:
"کیا تم میرے ساتھ چل کر مجھے راستہ نہیں بتاؤ گے؟
مجھے اس شہر کے رستوں کا علم نہیں ہے۔"
میں نے پہلے تو انکار کیا۔ لیکن ماریا نے جب یہ کہا کر

ہم تمہارے دوست ہیں۔ تم ہماری کہانی لکھ رہے ہو۔ تم نے ہمیں ہزاروں سال کی گہری نیند سے بیدار کیا ہے۔ اب کیا تم میری اتنی سی بات بھی نہیں مانو گے؟ تو میں تیار ہو گیا۔ میں نے اسے کہا:

"ماریا! میں خود تمہیں نہیں دیکھ سکتا۔ صرف تمہاری خوشبو محسوس کر سکتا ہوں۔ اس لیے تم ایسا کرو کہ میرے مکان کے گیٹ پر جا کر کھڑی ہو جاؤ۔ میں ابھی آتا ہوں۔ پھر میں تمہیں مقبرہ جہانگیر لے چلونگا۔"

ماریا نے کہا:

"شکریہ اے حمید! میں گیٹ پر تمہارا انتظار کرتی ہوں۔"

ماریا چلی گئی۔ میں اسے جاتے ہوئے نہ دیکھ سکا۔ جہاں وہ بیٹھی تھی وہاں صوفے پر ہاتھ ادھر اُدھر لے جا کر دیکھا۔ لیکن ماریا تو روح بن چکی تھی۔ اس کو تو ہاتھ چھو ہی نہیں سکتا تھا۔ میں نے یہ اطمینان کرنے کے لیے کہ وہ جا چکی ہے آہستہ سے کہا:

"چلی گئی ہو کیا؟"

پیچھے سے میری بیوی کی آواز آئی:

"کون چلی گئی ہے؟ یہ آپ کس کو رخصت کر رہے ہیں؟ کون آئی تھی یہاں؟"

میں نے گھبرا کر پیچھے دیکھا۔ میری بیوی پیچھے کھڑی سوالیہ ... سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا:

"میں نے تمہیں کہا تھا نا کہ میں اپنے کرداروں کے مکالمے دہراتا رہتا ہوں۔ اس وقت ماریا عنبر سے ملنے آئی ہوئی تھی اور جب وہ چلی گئی تو عنبر اس سے پوچھ رہا تھا کہ چلی گئی ہو؟"

"آپ کی باتیں تو میری سمجھ میں خاک نہیں آتیں۔ مجھے تو ڈر ہے کہیں آپ پاگل نہ ہو جائیں۔"

میں نے ہنس کر کہا:

"ایسی کوئی بات نہیں ہے بیگم — فکر نہ کرو۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اچھا اب میں ذرا ریڈیو سٹیشن تک جا رہا ہوں۔ کوئی گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے تک واپس آ جاؤں گا۔"

میں نے کپڑے پہنے اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ گیٹ کے قریب پہنچ کر میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ میری بیگم تو نہیں کھڑی۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ میں اکیلا ہوں تو کہا:

"ماریا! تم یہیں ہو ناں؟"

"ہاں — میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔" ماریا کی آواز آئی۔

"آؤ میرے ساتھ"
میں مکان کے گیٹ سے نکل کر سڑک پر درختوں کے قریب سے ہو کر پیچھے والے باغ میں آ گیا۔ ماریا کی خوشبو مجھے برابر آ رہی تھی جس سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ میرے ساتھ ساتھ چل رہی ہے۔ ہم باغ میں سے گذر رہے تھے۔
ماریا نے کہا:
"بڑا خوب صورت باغ ہے۔"
میں نے کہا:
"ہاں۔ مجھے یہ باغ پسند ہے۔"
ہم جب بوہڑ والے چوک میں پہنچے تو ایک رکشا بڑی تیز سپیڈ کے ساتھ گرد و غبار کے بادل اڑاتا میرے قریب سے ہو کر نکل گیا۔ مجھے ماریا کی کھانسی کی آواز آئی۔
پوچھنے لگی:
"یہ کیا چیز تھی؟"
میں نے کہا:
"یہ پاکستان کی ایک خاص شے ہے۔ انوکھا تحفہ ہے اسے رکشا کہتے ہیں۔ یہ سو میل کی سپیڈ سے سڑکوں اور لوگوں کے درمیان سے گذرتا ہے اور اس کا میٹر ایک سو دس میل کی رفتار سے چلتا ہے۔

سنا ہے۔ ایک پرائیویٹ خلائی کمپنی اسے خلا میں چھوڑنے کا پروگرام بنا رہی ہے۔ یہ خلا میں چاند کے گرد چکر لگائے گا اور پھر سواریاں لے کر چاند پر اتر جائے گا۔"
ماریا کہنے لگی:
"اس کی سپیڈ دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ چاند پہ جا سکتا ہے۔"
میں نے کہا:
"ماریا! تم کھانسی کیوں تھیں۔ تم تو روح بن چکی ہو۔"
ماریا کہنے لگی:
"تمہارے شہر لاہور کی گرد نے مجھے کھانسنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ورنہ مجھے پہلے کبھی کھانسی نہیں آئی۔ جتنی گرد تمہارے اس ایک خلائی رکشے نے اڑائی ہے اتنی گرد میں نے پانچ ہزار سال کے سفر میں نہیں دیکھی۔"
میں نے کہا:
"فکر نہ کرو۔ تمہیں اسی خلائی رکشے کی سیر کرنی ہوگی۔ کیوں کہ ہم اسی قسم کے ایک رکشے میں بیٹھ کر مقبرہ جہانگیر جائیں گے۔"

اتنے میں ایک رکشا میرے قریب آ کر رُک گیا۔ میں رکشے
میں بیٹھ گیا۔ میں نے اطمینان کرنے کے لیے پوچھا:
"ماریا! تم بھی بیٹھ گئی ہو ناں؟"
رکشا ڈرائیور نے چونک کر مجھے دیکھا۔ کیوں کہ اسے وہاں
کوئی لیڈی سواری نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں نے مسکرا کر کہا:
"یار گھبراؤ نہیں۔ یونہی میرے منہ سے نکل گیا تھا۔
چلو مقبرہ جہانگیر۔"
رکشا ڈرائیور نے میٹر اون کیا اور رکشا گرّر گرّر کا شور مچاتا
چل پڑا۔ ماریا میرے ساتھ سیٹ پر بیٹھی تھی کیوں کہ مجھے اس
کی خوشبو برابر آ رہی تھی۔ رکشا بڑی تیزی سے کاروں بسوں
سکوٹروں اور ٹرکوں کو پیچھے چھوڑتا دریائے راوی کی طرف
بھاگا چلا جا رہا تھا۔ رکشے کا میٹر بھی اسی رفتار سے زیادہ
تیز چل رہا تھا۔ دیکھتے دیکھتے میٹر پر چار روپے بن گئے۔
میں نے ماریا کو سرگوشی میں کہا:
"دیکھو کرائے کا میٹر کتنا تیز چل رہا ہے۔"
ماریا نے سرگوشی میں میرے کان کے قریب منہ لا کر کہا:
"میں ابھی اسے ٹھیک کرتی ہوں۔"
خدا جانے ماریا نے کیا کیا کہ میں نے دیکھا کہ رکشے کے
میٹر پر ابھی پانچ روپے بنے تھے کہ وہ الٹا چلنے لگا اور پانچ

دو روپے بن گئے۔
میں نے ماریا سے کہا:
"بس اسے یہیں رہنے دو۔"
میٹر دو روپے پر رُک گیا۔ مقبرہ جہانگیر کے دروازے پر
رکشا رک گیا۔ میں نے رکشا ڈرائیور سے باہر نکل کر پوچھا:
"کیوں بھائی کتنے پیسے بنے؟"
اس نے کہا:
"میٹر دیکھ لیں۔"
میں نے جب اسے دو روپے نکال کر دیئے تو اسے جیسے
بھڑ نے کاٹ کھایا ہو۔ سیٹ پر سے اچھل کر بولا:
"یہ آپ کیا دے رہے ہیں مجھے۔"
میں نے کہا:
"دیکھ لو میٹر پر تو یہی کرایہ بنا ہے۔"
اس نے میٹر دیکھا، میٹر دو روپے دکھا رہا تھا کہنے لگا:
"یہ خراب ہو گیا ہے جناب۔ آپ پچاس روپے
دے دیں۔"
میں نے کہا:
"بھئی میں تو وہ کرایہ دوں گا جو تمہارے میٹر نے
بنایا ہے۔ پچاس روپے تو ہرگز نہیں دوں گا۔"

رکشا ڈرائیور کوئی غنڈہ تھا۔ اس نے چاقو نکال لیا اور بولا:

"اگر تم نے پچاس روپے ادا نہ کیے تو یہاں خون خرابہ ہو جائے گا۔ نکالو جو کچھ تمہارے پاس ہے۔"

میں گھبرا گیا۔ وہاں اس وقت کوئی آدمی نہیں تھا۔ علاقہ ویران تھا۔ میں نے جلدی سے کہا:

"اچھا بھائی بیس روپے ہی لے لو۔"

ماریا کی آواز آئی:

"نہیں۔ اسے کچھ نہیں دینا۔ اس نے غنڈہ گردی کی ہے تمہیں دھمکی دی ہے۔ اسے کچھ نہ دینا۔"

ایک ایسی عورت کی آواز سن کر جو اسے دکھائی نہیں دے رہی تھی رکشا ڈرائیور پریشان سا ہو گیا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا اور کہنے لگا:

"تم کوئی بہروپیے ہو۔ عورت کی آواز بھی نکال لیتے ہو۔ میں ان باتوں سے ڈرنے والا نہیں ہوں۔ نکالو میری رقم۔"

میں نے گھبرا کر کہا:

"ماریا! عنبر، ناگ کے لیے تو تم بہت کچھ کیا کرتی ہو خدا کے لیے میرے لیے بھی کچھ کرو۔"

رکشا ڈرائیور چاقو لیے میری طرف بڑھا:

"گیدڑ بھبھکیوں سے کچھ نہیں بنے گا باؤ جی!"

وہ میرے پیٹ میں چاقو گھونپنے ہی والا تھا کہ اچانک رکشا الٹ گیا۔ اس نے گھبرا کر پیچھے دیکھا کہ اس کا رکشا کس نے الٹ دیا ہے۔ پھر اچانک ایک زور دار طمانچے کی آواز آئی اور رکشا ڈرائیور نے چاقو پھینک کر اپنا گال پکڑ لیا۔ پھر دوسرے طمانچے کی آواز آئی۔ ماریا رکشا ڈرائیور کو طمانچے مار رہی تھی۔

رکشا ڈرائیور چلّا رہا تھا:

"مجھے معاف کر دو جنّ بابا — مجھے معاف کر دو جنّ بابا! میں اب کبھی سواریوں کو تنگ نہیں کروں گا۔"

میں نے کہا:

"ماریا اسے معاف کر دو۔"

طمانچوں کی آواز بند ہو گئی۔ پھر رکشا اپنے آپ سیدھا ہو گیا۔

ماریا کی آواز آئی:

"بھاگ جاؤ یہاں سے۔ اب اگر پھر تم نے کسی سواری سے زیادہ کرایہ مانگا تو میں وہیں پہنچ کر تمہیں کچّا چبا جاؤں گی۔"

"ہرگز نہیں جنّ بابا جی! ہرگز کرایہ زیادہ نہیں لوں گا۔"

اور رکشا ڈرائیور رکشا لے کر وہاں سے بھاگ گیا۔
"تم نے اچھی سزا دی اسے" میں نے کہا:
ماریا بولی:
"اس نے چاقو نکال لیا تھا۔ میں اگر دخل نہ دیتی تو وہ تمہیں ہلاک کر ڈالتا۔ پھر ہماری کہانی کون لکھتا۔ میں جانتی ہوں بچے ہمارے سفر کی پُر اسرار داستان کو بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔"
میں نے کہا:
"بلکہ بڑے بھی اسے بڑے شوق اور دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔"
ماریا نے کہا:
"اب ناگ کو تلاش کرنا چاہیے۔ تمہارے ناول کے حساب سے ناگ اس وقت کہاں ہو گا؟"
میں نے کہا:
"آخر بار میں نے ناگ کو اسی مقبرے میں چھوڑا تھا اور اس نے دل میں ارادہ کیا تھا کہ وہ ایک روز اسی جگہ ٹھہرے گا۔ کیونکہ اسے پورے چاند کی رات کا انتظار ہے۔"
"وہ کس لیے؟" ماریا نے پوچھا۔

میں نے کہا:
"یہ میری کہانی کا راز ہے۔ یہ تمہارے پُر اسرار سفر کا بھی راز ہے۔ میں اسے نہیں بتا سکتا۔ کیوں کہ اگر بتا دیا تو تمہارے سفر کے سارے واقعات میں گڑبڑ ہو جائے گی۔ خلل پڑ جائے گا۔ آؤ ناگ کو مقبرے میں تلاش کرتے ہیں۔"

○

گرجا گھر کے تابوت کی نورانی لڑکی

ناگ کو ہم نے ہر جگہ تلاش کیا۔
سارا مقبرہ اور مقبرے کا باغ چھان مارا۔ ناگ کہیں نظر نہ آیا۔ ماریا نا اُمید سی ہو گئی۔ میں تھک گیا تھا۔ ماریا نہیں تھکی تھی۔ میں ایک جگہ درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔
ماریا نے کہا:
"تم ہمارے سفر کی داستان لکھ رہے ہو اور تمہیں اتنا بھی نہیں پتہ کہ ناگ کہاں ہے؟"
میں نے کہا:
"میں اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھتا اور مجھے آنے والے واقعات کی بھی خبر نہیں ہوتی۔ میں تو وہی کچھ لکھتا ہوں تم جو کچھ کرتے ہو۔ تم آگے کیا کرو گے؟ مجھے کچھ معلوم نہیں۔ میں نہیں جانتا کہ ناگ کہاں ہے۔ لیکن جونہی اس نے کسی بات کا فیصلہ کیا اور میری کہانی اور اپنے سفر کے پلاٹ کو آگے

مجھے ایک دم سے خبر ہو جائے گی اور میں
چلایا
اسے لکھنا شروع کر دوں گا۔"
ماریا کہنے لگی:
"میں اب واپس شہر جا کر ناگ کو تلاش کروں گی۔"
میں نے کہا:
"ٹھیک ہے۔ میں تمہیں شہر چھوڑ کر اپنے گھر چلا جاؤں گا اور تمہارے سفر کے واقعات کے آگے بڑھنے کا انتظار کروں گا۔ یقین کرو ماریا! جس وقت تم مجھ سے جدا ہو جاؤ گی اس وقت تم جو کچھ بھی کرو گی جہاں بھی ناگ کی تلاش میں جاؤ گی مجھے خبر ہو جائے گی اور میں لکھنا شروع کر دوں گا۔"
ماریا بولی:
"تو پھر چلو۔ مجھے شہر چھوڑ دو اور تم اپنے گھر جا کر ہماری کہانی لکھو۔"
واپسی پر ہم ایک بس میں سوار ہو کر راوی روڈ پر اُتر گئے۔ یہاں ایک سکول کے اندر سکول کی لڑکیوں کا امتحان ہو رہا تھا۔ دو چار لڑکیاں درخت کی چھاؤں میں کھڑی اپنی ایک سہیلی کے بارے میں باتیں کر رہی تھیں۔ اس کی وہ سہیلی بھی پاس ہی کھڑی تھی۔ وہ بے چاری بیمار رہی تھی اور

امتحان کی تیاری نہ کر سکی تھی۔ اس کا نام کِشور تھا۔ اس کی
سہیلیاں اسے تسلی دے رہی تھیں کہ فکر نہ کرو۔ خدا تمہاری
مدد کرے گا۔ کیا خبر پرچہ آسان ہو۔ میں اور ماریا ان کے
قریب ہی کھڑے دوسری بس کا انتظار کر رہے تھے۔ لڑکی
کِشور کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس نے رومال سے آنسو
پونچھ کر کہا:

"اگر میں نے اس پرچے میں پورے نمبر نہ لیے
تو فیل ہو جاؤں گی۔ پھر میرے ابّا جان مجھے آگے
نہیں پڑھائیں گے اور میں آگے کالج میں داخل
ہونا چاہتی ہوں۔ میرے سارے پرچے اچھے
ہوئے ہیں۔ بیمار نہ پڑتی تو اس پرچے کے لیے
بھی تیاری کرتی۔ اب اگر اس میں فیل ہو گئی تو
پھر فیل ہو جاؤں گی اور دسویں جماعت پاس
نہ کر سکوں گی۔"

ماریا نے میرے کان میں کہا:

"میں اس لڑکی کی مدد کرنا چاہتی ہوں۔ کیسے مدد
کروں؟ مجھے نہیں پتہ کہ پرچہ کیا ہوتا ہے۔"

میں بڑا خوش ہوا۔ میں خود ماریا سے کہنے والا تھا کہ
اس لڑکی کی مدد کرو۔ جو بیماری کی وجہ سے بے چاری

امتحان کی تیاری نہیں کر سکی اور جس کے سارے پرچے
اس پرچے کے اچھے ہوئے ہیں۔

میں نے کہا:

"ماریا! تم اسی جگہ کھڑی ہو۔ اس سلسلے میں میں تمہیں
جو کچھ کہوں وہی کرنا۔ اس لڑکی کو امتحان کے کمرے
میں جا لینے دو۔"

میں نے لڑکیوں کی باتوں سے پتہ کر لیا تھا کہ پرچہ سائنس
کا ہے۔ لڑکیاں امتحان روم میں چلی گئیں۔ امتحان والے کمرے
کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ اسکول کے باہر پہرہ لگا دیا
گیا۔ میں نے ماریا سے کہا:

"اب تم ایسا کرو کہ امتحان والے کمرے میں جاؤ۔
وہاں لڑکیاں ڈسکوں کے پیچھے امتحان دینے کے
لیے بیٹھی ہوں گی۔ یہ لڑکی کِشور بھی وہاں پر بیٹھی
ہو گی۔ ایک عورت سب لڑکیوں میں سوالوں کے
پرچے بانٹ رہی ہو گی۔ تم ایک پرچہ اٹھا کر میرے
پاس لے آؤ۔"

ماریا کی خوشبو آنی بند ہو گئی۔ وہ چلی گئی تھی۔ میں درخت
کی چھاؤں میں وہیں بس سٹاپ کے پاس ایک طرف ہو کر بنچ
پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر گذری تھی کہ مجھے ماریا کی خوشبو آئی:

امتحان کی تیاری نہ کر سکی تھی۔ اس کا نام کشور تھا۔ اس کی
سہیلیاں اسے تسلی دے رہی تھیں کہ فکر نہ کرو۔ خدا تمہاری
مدد کرے گا۔ کیا خبر پرچہ آسان ہو۔ میں اور ماریا ان کے
قریب ہی کھڑے دوسری بس کا انتظار کر رہے تھے۔ لڑکی
کشور کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس نے رومال سے آنسو
پونچھ کر کہا:

"اگر میں نے اس پرچے میں پورے نمبر نہ لیے
تو فیل ہو جاؤں گی۔ پھر میرے ابّا جان مجھے آگے
نہیں پڑھائیں گے اور میں آگے کالج میں داخل
ہونا چاہتی ہوں۔ میرے سارے پرچے اچھے
ہوئے ہیں۔ بیمار نہ پڑتی تو اس پرچے کے لیے
بھی تیاری کرتی۔ اب اگر اس میں فیل ہو گئی تو
پھر فیل ہو جاؤں گی اور دسویں جماعت پاس
نہ کر سکوں گی۔"

ماریا نے میرے کان میں کہا:

"میں اس لڑکی کی مدد کرنا چاہتی ہوں۔ کیسے مدد
کروں؟ مجھے نہیں پتہ کہ پرچہ کیا ہوتا ہے۔"

میں بڑا خوش ہوا۔ میں خود ماریا سے کہنے والا تھا کہ
اس لڑکی کی مدد کرو۔ جو بیماری کی وجہ سے بےچاری

امتحان کی تیاری نہیں کر سکی اور جس کے سارے پرچے
اس پرچے کے اچھے ہوئے ہیں۔

میں نے کہا:

ماریا! تم اسی جگہ کھڑی ہو۔ اس سلسلے میں میں تمہیں
جو کچھ کہوں وہی کرنا۔ اس لڑکی کو امتحان کے کمرے
میں جا لینے دو۔"

میں نے لڑکیوں کی باتوں سے پتہ کر لیا تھا کہ پرچہ سائنس
کا ہے۔ لڑکیاں امتحان روم میں چلی گئیں۔ امتحان والے کمرے
کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ اسکول کے باہر پہرہ لگا دیا
گیا۔ میں نے ماریا سے کہا:

"اب تم ایسا کرو کہ امتحان والے کمرے میں جاؤ۔
وہاں لڑکیاں ڈسکوں کے پیچھے امتحان دینے کے
لیے بیٹھی ہوں گی۔ یہ لڑکی کشور بھی وہاں پر بیٹھی
ہو گی۔ ایک عورت سب لڑکیوں میں سوالوں کے
پرچے بانٹ رہی ہو گی۔ تم ایک پرچہ اٹھا کر میرے
پاس لے آؤ۔"

ماریا کی خوشبو آنی بند ہو گئی۔ وہ چلی گئی تھی۔ میں درخت
کی چھاؤں میں وہیں بس سٹاپ کے پاس ایک طرف ہو کر بنچ
پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر گذری تھی کہ مجھے ماریا کی خوشبو آئی:

"ماریا" میں نے آہستہ سے آواز دی:

"میں پرچہ لے آئی ہوں۔"

پرچہ ماریا کے ہاتھ میں تھا جو مجھے دکھائی نہیں دے
رہا تھا۔ جونہی اس نے پرچہ میرے ہاتھ میں دیا وہ مجھے نظر
دینے لگا۔ میں ماریا کو لے کر اسی ملاقات میں اپنے ایک دوست
کے گھر آ گیا۔ میرا دوست سائنس کا پروفیسر تھا۔ میں نے
اس سے پرچہ حل کروایا اور سکول کے قریب آ کر ماریا سے کہا:

"اب یہ تمہارا کام ہے کہ اس پرچے کو لڑکی کشور
کی ڈیسک پر اس طرح سے رکھو کہ نہ تو نگرانی کرنے
والی استانیوں کو اس کی خبر ہو اور نہ طالبہ لڑکی کشور
ہی خوف زدہ ہو جائے۔"

ماریا نے کہا:

"میں سب ٹھیک کر لوں گا۔"

ماریا نے بعد میں جو مجھے واقعات سنائے وہ یہ تھے۔

ماریا حل شدہ سائنس کا پرچہ لے کر امتحان روم میں داخل
ہو گئی۔ لڑکیاں اپنا اپنا پرچہ حل کرنے میں مصروف تھیں۔
کشور بے چاری پرچے کو سامنے رکھے پریشان بیٹھی تھی۔
اسے صرف ایک دو سوال آتے تھے وہ اس نے حل کر
لیے تھے۔ باقی پرچہ بڑا مشکل تھا اور اس کے لیے کشور نے

کی وجہ سے کوئی تیاری نہیں کی تھی۔ سائنس کا یہ
کسی بڑے سنگ دل پروفیسر نے بنایا تھا۔ بڑا مشکل پرچہ
اور کتابوں سے باہر کے سوال آئے تھے۔ دوسری لڑکیاں
بھی پریشان تھیں۔ ایک استانی نے جب کشور کو دیکھا کہ
حل نہیں کر رہی تو اس نے کہا:

"تم سوال حل کیوں نہیں کرتیں؟ پہلے پڑھائی کرنی
تھی ادھر اُدھر سیریں نہیں کرنی تھیں۔"

کشور بے چاری نے کوئی جواب نہ دیا۔ بس دل مسوس کر
گئی۔ ماریا قریب ہی کھڑی یہ بات سن رہی تھی۔ حل کیا
سائنس کا پرچہ اس کے ہاتھ میں تھا۔ اب وہ یہ سوچ
رہی تھی کہ کشور کو پرچہ کیسے دے۔ اگر وہ پرچہ اس کی ڈیسک
رکھتی ہے تو وہ ظاہر ہو جائے گا۔ اور نگرانی کرنے والی
دل استانی کو پتہ چل جائے گا اور کشور کو امتحان سے
دیا جائے گا۔ آخر اسے ایک ترکیب سوجھی۔

ماریا نے کشور کے ان سوالوں کو دیکھا جو وہ حل کر چکی
یہ صرف دو سوال تھے اور سارے پرچے میں تیرہ سوال
ماریا کچھ دیر کشور کے ہینڈ رائٹنگ کو غور سے دیکھتی رہی
نے دو تین بار کشور کی لکھائی پر اپنی انگلیاں پھیریں۔
ب نگرانی کرنے والی استانی کشور کے ڈیسک سے آگے نکل

گئی تو ماریا نے جلدی سے قلم کشور کے ہاتھ سے لے
اس کی کاغذوں کی کاپی پر جادو کی تیزی کے ساتھ دو سوال
نقل کر دیئے۔ کشور کے ہاتھ سے قلم کھسک کر ایک دم
غائب ہو گیا تھا۔ ساتھ ہی ڈیسک پر سے اس کی حل سوالات
کی کاپی بھی غائب ہو گئی تھی۔ وہ گھبرا کر اپنا قلم اور کاپی
ڈیسک کے نیچے تلاش کرنے لگی۔ جونہی اس نے ڈیسک کے
نیچے سے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ ڈیسک پر اس کا قلم بھی پڑا تھا
اور کاپی پر دو سوال بھی حل کیے ہوئے تھے۔ کشور خوش بھی
ہوئی اور اسے خوف آیا کہ یہ سوال کس نے حل کر دیئے ہیں
اتنے میں نگرانی کرنے والی استانی آگے سے مڑ کر اس کی
طرف آہستہ آہستہ آنے لگی۔ کشور قلم لے کر یونہی کچھ لکھنے میں
مصروف ہو گئی۔ استانی نے قریب آ کر اس کی حل سوالات
کی کاپی پر دو سوال حل کیے ہوئے دیکھے تو حیران ہو کر بولی:

"اتنی جلدی تم نے دو سوال کر بھی لیے؟"

کشور نے ماتھے پر آیا ہوا پسینہ پونچھ کر کہا:

"اب یاد آ گئے تھے میں نے ایک دم سے کر لیے"

نگران استانی اسے شک کی نظروں سے دیکھتے ہوئے آگے
نکل گئی۔ کشور غور سے حل کیے ہوئے سوالوں کو دیکھ رہی تھی
بالکل اسی کا ہینڈ رائیٹنگ تھا۔ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟
اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ صبح نماز پڑھ کر خدا سے
بڑی دعا مانگ کر آئی تھی۔ اس کے دل نے کہا۔ کشور خدا
تمہاری مدد کر رہا ہے اور کوئی غیبی طاقت تمہارے سوال
حل کر رہی ہے۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ کشور کا قلم اور
حل سوالات کی کاپی ایک بار پھر غائب ہو گئی۔ ماریا نے
دو اور سوال حل کر دیئے تھے۔ ماریا تھوڑی تھوڑی دیر بعد
سوال حل کر رہی تھی تاکہ نگرانی کرنے والی استانی کو شک
نہ پڑ جائے کہ کشور نقل کر رہی ہے۔ اس دوران میں ماریا
دوسری لڑکیوں کو بھی سوالوں کے جواب لکھ کر دے رہی تھی۔
سارے کمرے میں لڑکیاں ایک دوسری کو حیرانی سے دیکھ رہی
تھیں کیوں کہ کوئی غیبی طاقت ان کے سوالوں کو ان ہی کے
ہینڈ رائیٹنگ میں حل کر رہی تھی۔ امتحان کا جتنا وقت تھا
ماریا نے اتنے ہی وقت میں تھوڑا تھوڑا کر کے کشور کے سارے
سوال حل کر دیئے۔ وقت ختم ہو گیا۔ کشور نے بھی دوسری
لڑکیوں کے ساتھ اپنا پرچہ بڑی استانی کو جا کر دے دیا اور
ہال کمرے سے باہر آ گئی۔ خوشی سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا
تھا۔ وہ بار بار دل میں خدا کا شکر ادا کر رہی تھی جس نے
اس کی مدد فرمائی تھی۔ دوسری لڑکیاں بھی خوش تھیں۔ مگر
کوئی لڑکی کسی دوسری لڑکی کو یہ نہیں بتا رہی تھی کہ ایک

غیبی طاقت بعض مشکل سوالوں کے جواب لکھتی رہی تھی۔ سب لڑکیوں کے ساتھ ایک سا واقعہ ہوا تھا مگر سب لڑکیاں اس واقعے کو ایک دوسری سے چھپا رہی تھیں۔ کشور کا بڑا بھائی سکوٹر لے کر باہر کھڑا تھا۔ وہ اسے لینے آیا ہوا تھا۔ اس نے کشور کو دیکھتے ہی پوچھا:

"کیسا ہوا پرچہ کشور؟"

اس کے بھائی کو یقین تھا کہ پرچہ خراب ہوا ہو گا کیونکہ بیماری کی وجہ سے اس کی بہن پوری تیاری نہیں کر سکی تھی۔ لیکن جب کشور نے اسے بتایا کہ اس نے تیرہ کے تیرہ سوال کیے ہیں اور سارے ٹھیک ہیں تو اس کے بھائی کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔

اس نے پوچھا:

"کیا تم کتاب لے کر اندر گئی تھی؟"

کشور نے مسکراتے ہوئے کہا:

"بالکل نہیں۔"

"پھر تم نے تیرہ سوال کس طرح کر لیے؟"

"اللہ میاں نے کرا دیئے۔"

کشور نے خوش ہو کر جواب دیا۔

اور وہ اپنے بھائی کے سکوٹر پر بیٹھ کر خوشی خوشی اپنے

گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔

میں ماریا کا بڑی شدت سے انتظار کر رہا تھا۔ کیوں کہ اسے امتحان والے ہال کمرے میں گئے دو اڑھائی گھنٹے گذر چکے تھے۔ میں تھوڑی تھوڑی دیر بعد ماریا کی خوشبو سونگھنے کے لیے زور سے سانس لیتا تھا۔ میرے آس پاس دوسرے مسافر بھی بیٹھے تھے۔ ایک مسافر نے جب چھٹی بار مجھے زور سے سانس لیتے ہوئے دیکھا تو بولا:

"کیوں جناب نصیب دشمناں آپ کو سانس کی تکلیف تو نہیں ہے؟ میرے والد صاحب کو بھی یہی تکلیف تھی۔ میں نے ہمالیہ کی پہاڑیوں میں رہنے والے ایک جوگی سے دوا لا کر انہیں کھلائی تو بالکل تندرست ہو گئے۔ وہ دوائی میرے گھر پڑی ہے۔ اگر آپ لینا چاہیں تو میرے ساتھ چل کر لے سکتے ہیں۔ انشاءاللہ پہلی خوراک کھانے سے ہی سانس کی تکلیف جاتی رہے گی۔"

میں اس شریف آدمی کو اب کیا جواب دیتا۔ بس اس کی ہمدردی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے میں وہاں سے اٹھ کر بس سٹاپ کے پیچھے آ گیا۔ میں باغ کی گھاس پر ٹہلنے لگا۔ اتنے میں ہوا کے ایک جھونکے کے ساتھ ماریا کی خوشبو

آئی۔ میں نے کہا:

"ماریا"

ایک عورت اتفاق سے میرے قریب سے گذر رہی
تھی۔ اس نے پلٹ کر میری طرف دیکھا اور غصے میں بولی:

"کیوں وے! تمہارے گھر تمہاری ماں بہن نہیں
ہے جو مجھے آوازیں دے رہے ہو؟"

ماریا ہنس رہی تھی۔ کیوں کہ مجھے اس کی ہنسی کی آواز
آئی تھی۔ میں نے بڑی مشکل سے عورت کو ہاتھ جوڑ کر
اس سے معافی مانگی اور بتایا کہ میں نے اسے آواز نہیں
دی تھی۔

اس عورت نے کہا:

"پھر اپنی چاچی کو آواز دی تھی تم نے؟ یہاں میرے
سوا اور کون ہے"

خدا خدا کر کے جب اس عورت سے پیچھا چھوٹا تو
میں نے ماریا سے کہا:

"تم نے بڑی دیر کر دی"

اس کے بعد ماریا نے مجھے پوری بات کھول کر سنائی جو
میں اوپر لکھ چکا ہوں۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ کشور اب
امتحان میں فیل نہیں ہو گی۔ اس کے ماں باپ اب اسے

سکول سے نہیں اٹھائیں گے اور وہ کالج میں داخل ہو کر
اپنی پڑھائی جاری رکھ سکے گی۔ میں اور ماریا سرکلر روڈ
لاہور کے باغ میں سے گذر رہے تھے۔

ماریا کہہ رہی تھی:

"مجھے ناگ کی دور دور تک خوشبو نہیں آ رہی
وہ اس شہر میں نہیں ہے"

میں نے کہا:

"میں تمہیں اتنا یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ناگ
لاہور میں ہی ہے۔ کہاں ہے؟ یہ میں نہیں جانتا"

میں ماریا کے ساتھ دھیمی آواز میں باتیں کر رہا تھا تاکہ
اگر کوئی میرے قریب سے گذرے تو یہ نہ سمجھے کہ میں پاگلوں
کی طرح اپنے آپ سے باتیں کر رہا ہوں۔ اسی طرح چلتے
چلتے ہم لوہاری دروازے مسلم مسجد کے نیچے پہنچ گئے۔ سامنے
انار کلی بازار تھا۔ اس میں بڑی رونق تھی۔ میں نے ماریا کو
بتایا کہ یہ انار کلی بازار ہے جو کہ لاہور شہر کا سب سے
بارونق اور مشہور بازار ہے۔ ہم ایک جگہ کھڑے باتیں کر رہے
تھے کہ اچانک میرا ایک دوست آ گیا جس نے مجھے بتایا کہ
ہمارا ایک دوست بہت بیمار ہے اور ہسپتال میں ہے۔
وہاں میرا جانا ضروری تھا۔ میں نے اسے کہا کہ تم چلو۔ میں آ

رہا ہوں۔ اس کے جانے کے بعد میں نے ماریا سے کہا:

"ماریا! میں اب ہسپتال اپنے دوست کی خبر لینے جاؤں گا۔ کیا تم پھر مجھ سے ملنے آؤ گی؟"

ماریا کہنے لگی:

"میں شہر میں ناگ کو تلاش کروں گی اگر اس سے میری ملاقات ہو گئی تو اسے لے کر تمہارے پاس تمہارے سمن آباد والے گھر ضرور آؤں گی۔"

ماریا کے اتنا کہنے کے بعد ماریا کی خوشبو آہستہ آہستہ مجھ سے دور ہوتی گئی اور پھر بالکل ختم ہو گئی۔ میں نے آہستہ سے کہا "ماریا" مگر مجھے کوئی جواب نہ ملا۔ ماریا جا چکی تھی۔ میں ہسپتال کی طرف روانہ ہو گیا۔ اب میں آپ کو یہ بتاتا ہوں کہ ماریا وہاں سے کہاں گئی۔

وہ مجھ سے رخصت ہو کر انارکلی بازار میں داخل ہو گئی۔ دکانوں میں عورتیں اور مرد خریداری کر رہے تھے۔ لوگوں کا بڑا ہجوم تھا۔ ماریا نے اتنا ہجوم آج سے پانچ ہزار برس پہلے مصر اور بابل کے بازار میں دیکھا تھا۔ جب کہ وہ شہر بے حد آباد تھا اور ابھی حملہ آوروں نے اس کی اینٹ سے اینٹ نہیں بجائی تھی۔ ماریا نے ایک کھلونوں کی دکان دیکھی جس کے باہر کاریں کھڑی تھیں اور امیر عورتیں اپنے بچوں کے لیے قیمتی کھلونے

خرید رہی تھیں۔ یہاں ایک غریب عورت کا بچہ کھلونا لینے کے لیے ضد کر رہا تھا۔ غریب عورت نے دکان دار سے اس کھلونے کی قیمت پوچھی۔ دکاندار نے نفرت سے غریب کو دیکھا اور کہا:

"چل مائی اپنا راستہ لے۔ یہ کھلونا تم نہیں خرید سکتیں۔ یہ امیر بچوں کے ماں باپ ہی خرید سکتے ہیں۔"

غریب عورت کا بچہ کھلونا لینے کے لیے بہت ضد کر رہا تھا۔ عورت نے کہا:

"بھائی مجھے رعایت کر دو۔ میرے بیٹے کو یہ کھلونا بہت پسند ہے۔"

دکان دار نے جھڑک کر کہا:

"مائی کہہ جو دیا تم اسے نہیں خرید سکتیں۔ اس کی قیمت دو سو روپے ہے تو خرید لو نہیں تو آگے سے ہٹو دوسرے گاہکوں کا راستہ نہ روکو۔"

اتنے میں ایک امیر عورت کار کا دروازہ کھول کر اپنے بیٹے کے ساتھ باہر نکلی۔

دکاندار نے خوشامد کے ساتھ مسکراتے ہوئے کہا:

"آئیں بہن جی — کیا پئیں گی۔ چائے یا کوکا کولا۔"

ساتھ ہی غریب عورت کو جھڑکتے ہوئے کہا :

"مائی آگے سے راستہ چھوڑ دے۔ جا اپنا کام کر۔"

غریب عورت بے چاری پرے سے ہٹ گئی تاکہ موٹی تازی بھینس اتنی موٹی امیر عورت آگے جا سکے۔ غریب عورت کا بچہ رو رہا تھا۔ اسے کھلونا بہت پسند تھا۔ یہ ایک دو منزلہ بس تھی جس کے ساتھ وہ کھیلنا چاہتا تھا۔ غریب عورت بچے کا ہاتھ کھینچ کر آگے لے گئی اور بولی :

"تم غریب ماں کے بیٹے ہو تمہیں ان کھلونوں سے کھیلنے کا کوئی حق نہیں۔ یہ امیروں کے کھلونے ہیں اور ان سے صرف امیر لوگوں کے بچے ہی کھیل سکتے ہیں۔"

ماریا وہاں کھڑی یہ سارا ڈرامہ دیکھ رہی تھی۔ اس سے غریب بچے کے آنسو نہ دیکھے گئے۔ اس وقت دکان دار موٹی تازی امیر عورت کو کھلونے دکھا رہا تھا۔ امیر عورت کے لیے اسی دو منزلہ بس کے کھلونے کی طرف اشارہ کرکے پوچھا:

"اس کی کیا قیمت ہے؟"

عین اسی وقت ماریا نے ہاتھ آگے بڑھا کر دو منزلہ بس کا کھلونا اٹھا لیا۔ کیوں کہ وہ اس کھلونے کو غریب عورت کے بچے کو دینا چاہتی تھی۔ دکان دار اور موٹی امیر عورت کی

آنکھوں کے سامنے دو منزلہ بس کا کھلونا غائب ہو گیا۔ یہ کوئی چھوٹا کھلونا نہیں تھا اور بڑا قیمتی تھا۔ دکاندار موٹی عورت کو اور موٹی عورت دکاندار کا منہ تکنے لگی :

"کھلونا کہاں چلا گیا؟"

دکاندار نے یہ کہہ کر کھلونے کو ادھر اُدھر تلاش کرنا شروع کر دیا۔ مگر کھلونا تو ماریا کے ہاتھ میں تھا اور غائب تھا۔ ماریا کو دکاندار پر سخت غصہ آ رہا تھا کہ وہ غریب عورتوں کے ساتھ ایسا بُرا سلوک کرتا ہے اور انہیں جھڑک کر دکان سے آگے کر دیتا ہے۔ ماریا اسے ایک سبق بھی سکھانا چاہتی تھی۔ اس نے دیکھا کہ جہاں قیمتی کھلونے پڑے تھے اس کے عین اوپر بجلی کا ایک بہت بڑا اور وزنی جھاڑ فانوس لگا تھا۔ ماریا نے وہیں سے چاقو پکڑا اور فانوس کی رسی کو کاٹ دیا جھاڑ فانوس ایک دھماکے کے ساتھ قیمتی کھلونوں کے اوپر گرا۔ کھلونے بھی تباہ ہو گئے اور فانوس بھی ٹوٹ پھوٹ گیا۔ دکاندار اور گاہک اچھل کر پرے پرے ہٹ گئے۔ ماریا دو منزلہ بس کا کھلونا ہاتھ میں لیے غریب عورت اور اس کے غریب بچے کو تلاش کرنے لگی۔

دونوں ماں بیٹا انار کلی بازار سے نکل کر ایک طرف جا رہے تھے۔ بچے کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ ابھی

تک کھلونے کے لیے ضد کر رہا تھا اور رو رہا تھا۔ ماریا نے
قریب جا کر کھلونا بچے کے ہاتھ میں دے دیا۔ بچہ کھلونا پا کر
اس قدر خوش ہوا کہ جس کی انتہا نہ رہی۔ وہ یہ سمجھا کہ یہ
کھلونا اس کی ماں نے اسے دیا ہے۔ غریب عورت ہکا
بکا ہو رہی تھی کہ یہ کھلونا غیب میں کہاں سے آ گیا۔ وہ
کچھ نہ سمجھ سکی اور بچے کو لے کر جلدی جلدی وہاں سے
گزر گئی۔ ماریا کے دل کو اطمینان ہو گیا کہ اس نے ایک
غریب بچے کی معصوم خواہش کو پورا کر دیا ہے۔

یہاں سے نکل کر وہ مال روڈ پر آ گئی۔ یہاں بھی
ٹریفک کا شور تھا۔ موٹر کاریں موٹر سائیکلیں اور رکشے بھاگے
چلے جا رہے تھے۔ ماریا مال روڈ کے ایک فٹ پاتھ پر چلی
جا رہی تھی۔ ایک جگہ اس نے ایک بہت عالی شان گرجے
کی عمارت دیکھی۔ ماریا کا دل خدا کی عبادت کرنے کو چاہا۔
وہ گرجا گھر میں داخل ہو گئی۔ اندر سے بھی گرجا گھر بہت
خوبصورت تھا۔ اونچی چھت تھی۔ نشستیں قرینے سے لگی
تھیں۔ دیواروں کے رنگین شیشوں والے روشن دانوں میں سے
ہلکی ہلکی روشنی اندر آ رہی تھی۔ ایک جگہ چبوترے پر حضرت
عیسیٰ مسیحؑ اور حضرت مریمؑ کی تصویریں لگی تھیں اور موم بتیاں
روشن تھیں۔ ماریا چبوترے کے سامنے دو زانو ہو کر جھک

گئی اور آنکھیں بند کر کے عبادت میں مصروف ہو گئی۔
عبادت سے فارغ ہو کر ماریا گرجا گھر کے مختلف کمروں
میں چلنے پھرنے لگی۔ وہ ایک کمرے میں داخل ہوئی تو اس
کمرے کے درمیان میں ایک چبوترے پر شیشے کا تابوت
رکھا تھا جس کے اندر ایک لڑکی کی سفید ریشمی کپڑوں میں لپٹی ہوئی
لاش پڑی تھی۔ یہ بڑی ہی خوب صورت لڑکی تھی۔ اس کے
چہرے پر نور برس رہا تھا۔ ایسے لگتا تھا کہ کوئی جنت کی
حور ہے جو ابھی ابھی کچھ دیر آرام کرنے کے لیے شیشے کے
تابوت میں آ کر لیٹ گئی ہے۔ ماریا حیران تھی کہ یہ کس مقدس
لڑکی کی لاش ہے جسے شیشے کے تابوت میں سنبھال کر رکھا
ہوا ہے اور جو ابھی تک خراب نہیں ہوئی۔ ماریا نے غور
سے دیکھا تو لڑکی کی گردن پر زخم کا گہرا نشان تھا۔ زخم کے
کنارے یوں خون سے سرخ تھے جیسے زخم تازہ لگا ہو۔
مگر یہ خون اس لڑکی کے کپڑوں پر نہیں بہہ رہا تھا۔ ماریا نے
ایسی خوب صورت اور نورانی لڑکی کی لاش پہلے کبھی نہیں دیکھی
تھی۔ لاش کا زخم دیکھ کر وہ اور زیادہ حیران ہو گئی کہ یہ
معاملہ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ لڑکی کو کسی نے قتل کیا تھا۔
مگر لڑکی کی لاش کو اس تابوت میں کس لیے محفوظ کر لیا
گیا تھا اور اس کے چہرے پر اس قدر نور کہاں سے آ

گیا تھا۔ یہ وہ معمہ تھا جسے ماریا حل کرنا چاہتی تھی۔

اچانک لڑکی کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ ماریا تابوت سے ذرا پیچھے ہٹ گئی۔ اس کے کانوں میں جیسے اس مقدس لڑکی کی آواز آئی:

"ڈرو نہیں ماریا! میں جانتی ہوں تم کون ہو۔ مگر تم نہیں جانتی کہ میں کون ہوں۔ تم یہ معلوم کرنا چاہتی ہو کہ میں کون ہوں تو پھر ایک پل کے لیے اپنی آنکھیں بند کر لو۔ تم پر سارا راز اپنے آپ کھل جائے گا۔"

ماریا نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے کانوں میں پھر وہی آواز آئی:

"آنکھیں کھول دو ماریا"

ماریا نے آنکھیں کھولیں تو زمانہ بدل چکا تھا۔ وہ تین سو سال پہلے کے لاہور شہر میں تھی۔ نہ وہاں وہ گرجا گھر تھا جس میں مقدس لڑکی کی لاش تھی نہ باہر مال روڈ تھی۔ نہ فٹ پاتھ تھے اور نہ موٹر گاڑیاں رکشے اور موٹر سائیکلیں آ جا رہی تھیں۔ وہ ایک ایسی جگہ کھڑی تھی جہاں ایک کچی سڑک شہر کے پرانے دروازے سے نکل کر ایک میدان کو

جاتی تھی۔ شہر کے باہر خیمے لگے تھے جہاں خانہ بدوش رہ رہے تھے۔ شہر کے دروازے میں سے پرانے مغلیہ زمانے کے کپڑوں والے لوگ آ جا رہے تھے۔ ایک پالکی نکلی جسے مزدوروں نے اٹھا رکھا تھا۔ اس پر پردے گرے ہوئے تھے۔ کوئی امیر عورت کہیں جا رہی تھی۔ شہر کے دروازے پر مغلیہ سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ ماریا شہر میں داخل ہو گئی۔ دکانوں میں کپڑا، گرم مصالحے اور پھل بک رہے تھے۔ چوباروں پر چقیں گری ہوئی تھیں۔ مسلمان عورتیں نقاب پہنے ہوئے تھیں اور غیر مذہب کی ہندو عورتیں ساڑھیاں پہنے بازاروں سے گذر رہی تھیں۔

ماریا شہر کے ایک چوک میں آئی جہاں ایک گرجے کی چھوٹی سی عمارت تھی۔ ماریا گرجے میں داخل ہو گئی۔ یہ ایک چھوٹا سا گرجا تھا جس کے چبوترے پر حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کی تصویروں کے آگے موم بتیاں روشن تھیں۔ ماریا نے دیکھا کہ ایک لڑکی حضرت عیسیٰؑ کی تصویر کے آگے دو زانو ہو کر عبادت کر رہی ہے۔ اس لڑکی نے ساڑھی پہن رکھی تھی۔ وہ عیسائی نہیں بلکہ کسی دوسرے مذہب کی لگتی تھی۔ ماریا نے قریب سے جا کر اسے دیکھا تو حیران رہ گئی۔ یہ وہی لڑکی تھی جس کی لاش ماریا نے لاہور کے گرجا گ

کے شیشے کے تابوت میں دیکھی تھی۔ لڑکی ابھی عبادت ہی کر رہی تھی کہ گرجا گھر میں ایک آدمی داخل ہوا۔ اس نے لڑکی کو بالوں سے گھسیٹا اور باہر لے گیا۔ باہر لے جا کر اس نے لڑکی کو قہر بھری نظروں سے دیکھا اور کہا:

"بدبخت ہمارے گھر میں پیدا ہو کر عیسائیوں کے گرجے میں عبادت کرتی ہو۔ ماں باپ کے مذہب کو لاج لگا رہی ہو۔ ہمارے بتوں کی پوجا کیوں نہیں کرتیں۔"

وہ آدمی اس لڑکی کا باپ تھا۔ اس نے لڑکی کو پیٹنا شروع کر دیا۔ ماریا نے آگے بڑھ کر اس ظالم شخص کا ہاتھ توڑنا چاہا تو جیسے کسی نے اس کے ہاتھ کو روک دیا اور کے کانوں میں آواز آئی:

"یہ لڑکی شہادت کے راستے پر جا رہی ہے۔ اسے مت روکو۔ خداوند کی مرضی یہی ہے۔ اس میں ہرگز دخل نہ دو ماریا۔"

ماریا وہیں رک گئی۔ لڑکی کا باپ اسے گھسیٹتا ہوا ایک گلی میں لے گیا جہاں اس کا گھر تھا۔ ماریا بھی اس کے ساتھ ہی گئی۔ گھر میں عورتیں تھیں۔ انہوں نے لڑکی کو سمجھانا شروع کر دیا کہ وہ اپنے مذہب کو نہ چھوڑے اور عیسائیوں کے گرجے میں جا کر حضرت عیسیٰؑ کی عبادت کرنا چھوڑ دے۔

لڑکی نے روتے ہوئے کہا:

"مجھے حضرت یسوع مسیحؑ سے عقیدت ہے۔ میرے پاؤں اپنے آپ گرجا گھر کی طرف اٹھ جاتے ہیں۔ میں مجبور ہوں۔"

اتنے میں لڑکی کا بڑا بھائی بھی آ گیا۔ اس نے لڑکی کو ایک زور کا طمانچہ مار کر کہا:

"کم بخت تیری وجہ سے ہم شہر میں بدنام ہو گئے ہیں اگر اب تم نے گھر سے باہر قدم رکھا تو میں تیری بوٹیاں کر دوں گا۔"

اس نے اپنے باپ کہا:

"اسے کوٹھڑی میں بند کر دیں اور اس وقت تک اسے کھانے پینے کو کچھ نہ دیں جب تک کہ یہ گرجے کا خیال دل سے نہ نکال دے۔"

انہوں نے ماریا کی آنکھوں کے سامنے لڑکی کو اٹھا کر ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں پھینک دیا اور کوٹھڑی بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا۔ ماریا بھی اس کے ساتھ ہی کوٹھڑی میں آ گئی تھی۔ لڑکی اندھیری کوٹھڑی کے کونے میں سر جھکائے بیٹھی سسکیاں بھر کر رو رہی تھی۔ ماریا نے آگے بڑھ کر اسے تسلی دینی چاہی اور یہ کہنا چاہا کہ فکر نہ کرو میں تمہیں آدھی رات کو اس کوٹھڑی سے نکال کر

لے جاؤں گی کہ اس کے کانوں میں پھر وہی آواز آئی:

"منشائے خداوندی میں دخل مت دو۔ تمہارا کام دیکھنا ہے۔ خاموش رہو اور دیکھتی جاؤ کہ آگے کیا ہوتا ہے۔"

ماریا کو اس قسم کا واقعہ پہلے کبھی پیش نہیں آیا تھا۔ اس نے ہمیشہ مظلوم انسانوں کی مدد کی تھی۔ یہاں اسے روکا جا رہا تھا۔ ماریا کو یوں محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ لڑکی جو اندھیری کوٹھڑی میں بیٹھی سسکیاں بھر رہی ہے اس کے مقابلے میں بہت بلند مقام کی لڑکی ہے جو حضرت عیسیٰؑ کی محبت میں سرشار ہے اور ان کی محبت کی راہ میں تکلیفیں جھیل رہی ہے۔ لوگوں کی مار پیٹ کو برداشت کر رہی ہے۔ بھوکی پیاسی رہنا قبول کر رہی ہے مگر حضرت عیسیٰؑ کی محبت کو دل سے نکالنا ہرگز گوارا نہیں کر رہی۔

ماریا کوٹھڑی میں ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی۔

رات ہو گئی۔ کھانے کا وقت ہو گیا۔ گھر میں لوگ کھانا کھانے میں لگ گئے۔ برتنوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کوٹھڑی میں لڑکی بھوکی پیاسی دو زانو ہو کر خاموش بیٹھی، آنکھیں بند کیے عبادت کر رہی تھی۔ ماریا ایک خاموش تماشائی بنی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اسے اس لڑکی کے معاملات میں دخل دینے سے روک دیا گیا تھا۔ اتنے میں ماریا نے

دیکھا کہ کوٹھڑی میں نور کی روشنی سی پھیل رہی ہے۔ پھر اس روشنی میں ماریا نے ایک خوان دیکھا جس پر ریشمی رومال پڑا تھا۔ خوان اس لڑکی کے آگے آ گیا۔ ریشمی رومال اپنے آپ اٹھ گیا۔ خوان میں طرح طرح کے میٹھے خوشبودار پھل تھے۔ لڑکی نے عبادت سے فارغ ہو کر سر اوپر اٹھایا۔ خوان نعمت کو دیکھ کر خدا کا شکر ادا کیا اور پھل کھا کر اپنی پیاس اور بھوک مٹائی۔ جب وہ کھا چکی تو خوانِ نعمت غائب ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی روشنی بھی چلی گئی۔

اسی طرح چار روز گزر گئے۔ پانچویں روز گھر والوں نے دروازہ کھولا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ لڑکی کے چہرے پر کمزوری کے ذرا سے بھی اثرات نہیں تھے۔ وہ پہلے سے زیادہ صحت مند اور ہشاش بشاش تھی۔ انہوں نے اسے دوبارہ کوٹھڑی میں بند کر کے باہر پہرہ بھی لگا دیا۔ اس رات لڑکی پریشان تھی۔ ماریا نے محسوس کیا کہ وہ کوٹھڑی میں اٹھ اٹھ کر بار بار دروازے پر جاتی تھی۔ بات یہ تھی کہ وہ اتوار کی رات تھی اور لڑکی گرجا گھر جا کر خدا کی عبادت کرنا چاہتی تھی۔ مگر دروازے پر تالہ لگا تھا اور باہر اس کا بھائی پہرہ دے رہا تھا۔ اس کے گھر والے اب یہی چاہتے تھے کہ اس لڑکی نے ان کے مذہب کو چھوڑ کر انہیں شہر میں بدنام کیا ہے اس

لیے اب اس کا مرجانا ہی بہتر ہے۔ وہ اسے بھوکی پیاسا رکھ کر مار دینا چاہتے تھے۔

جب رات آدھی گزر گئی تو لڑکی نے خدا سے دعا کی کہ اے خدا مجھے اپنی عبادت کے لیے گرجا گھر پہنچا دے۔ پھر ایسا ہوا کہ کوٹھڑی میں روشنی ہو گئی۔ اس روشنی میں ایک سرخ گھوڑا اندر آیا۔ لڑکی اس پر سوار ہوئی اور گھوڑا اسے لے کر کوٹھڑی سے باہر نکل گیا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ ماریا بھی کوٹھڑی سے باہر نکل گئی۔ وہ سیدھی گرجا گھر پہنچی وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ گھوڑا اسے لے کر وہاں گیا ہے یا نہیں۔

گرجا گھر میں موم بتیاں روشن تھیں۔ ماریا نے دیکھا کہ لڑکی چبوترے کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھی ہے اور خدا کی عبادت کر رہی ہے۔ اس کی آنکھیں بند ہیں۔ وہ دیر تک عبادت کرتی رہی۔ صبح ہونے والی تھی مگر لڑکی اسی طرح ساری دنیا سے بے خبر خداوند تعالیٰ کی عبادت میں مصروف تھی۔ ماریا بھی اس کے قریب ہی تھی۔

پھر ایسا ہوا کہ گرجا گھر کا دروازہ ایک دم سے کھلا بجلی کی طرح ایک آدمی اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں چمکتا ہوا خنجر تھا۔ اس نے آتے ہی لڑکی کی گردن پر ایک ایسا کاری وار کیا کہ وہ فرش پر گر پڑی۔ اس کی گردن پر گہرا زخم آ چکا تھا۔

وہ آدمی اس لڑکی کا بھائی تھا۔ اس سے پہلے کہ ماریا اس کا ہاتھ روکے وہ اپنا کام کر کے بھاگ چکا تھا۔ ماریا کو جیسے کسی نے پتھر بنا دیا تھا۔ خدا کی مرضی بھی تھی کہ وہ کچھ نہ کر سکے۔

ماریا نے جھک کر لڑکی کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ نبضیں ڈوب رہی تھیں۔ ماریا کے دیکھتے ہی دیکھتے لڑکی ٹھنڈی ہو گئی۔ پھر اس کے چہرے پر ایک نور کا دائرہ سا بن گیا اور پیشانی اس نور سے چمکنے لگی۔ وہاں شور مچ گیا۔ لوگ گرجا گھر کی طرف بھاگے۔ ان لوگوں میں عیسائی مذہب کو ماننے والوں کی تعداد زیادہ تھی۔ وہ حضرت عیسیٰؑ کی محبت میں اپنی جان قربان کر دینے والی لڑکی کی لاش کو محفوظ کر لینا چاہتے تھے۔ ماریا وہاں سے چلے جانا چاہتی تھی۔ اس نے آخری بار لڑکی کے چہرے اور چمکتی ہوئی پیشانی کو دیکھا اور گرجا کے دروازے کی طرف بڑھی جس میں سے لوگوں کا ایک ہجوم شہید لڑکی کے حق میں نعرے بلند کر رہا تھا۔

"اب آنکھیں کھول دو۔"

ماریا کے کان میں اسی لڑکی کی آواز ایک بار پھر آئی۔ ماریا نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ کیا دیکھتی ہے کہ اسی لاہور والے گرجا گھر کے کمرے میں کھڑی ہے۔ سامنے شیشے کے تابوت میں اسی

لڑکی کی لاش پڑی ہے۔ جس کے چہرے پر نور کی روشنی ہے اور پیشانی چمک رہی ہے۔ اس نے لڑکی کو غور سے دیکھا۔ شہید لڑکی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی اور پھر جیسے ماریا کے کانوں میں کسی نے کہا:

"ماریا! اب تم جا سکتی ہو۔ خدا تمہاری حفاظت کرے۔"

ماریا گرجا گھر سے باہر نکل آئی۔ باہر وہی لاہور شہر کی رونق تھی۔ مال روڈ پر ٹریفک کا شور مچا تھا۔ اور دوپہر ڈھلنے لگی تھی شام ہوتے ہوتے ماریا دریائے راوی کی طرف روانہ ہو گئی۔ وہ ایک بار پھر وہاں ناگ کو تلاش کرنا چاہتی تھی۔

O

ناگ کی لاہور کے طالبعلم سے ملاقات

ماریا دریائے راوی کی طرف جا رہی تھی۔

اور ناگ شہر کی طرف آ رہا تھا۔ مقبرہ جہانگیر سے دو روز پہلے ہی نکل کر وہ بادشاہی مسجد کے ایک حجرے میں آ گیا تھا۔ اسے یہ عظیم الشان مسجد بڑی اچھی لگی تھی۔ یہاں وہ دوسرے نمازیوں کے ساتھ نماز پڑھتا اور رات کو حجرے میں جا کر لیٹ جاتا۔ ناگ کو اسلام سے بڑی محبت اور عقیدت ہو گئی تھی۔ مگر اس نے کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔ وہ دل سے دین اسلام پر ایمان لا چکا تھا مگر ابھی عنبر اور ماریا کو اس نے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں بتائی تھی۔ ناگ اپنی اس عقیدت کو اپنے تک ہی رکھنا چاہتا تھا۔

جس وقت ماریا اس کی تلاش میں مقبرہ جہانگیر کی طرف جا رہی تھی۔ تو ناگ بادشاہی مسجد میں نماز سے فارغ ہو کر شہر کی طرف چل پڑا۔ ابھی چاند رات میں ایک دن باقی تھا۔ یعنی اسے ایک دن چھوڑ کر پورے چاند کی رات کو دریا کے

کنارے مسلمان بزرگ یاقوت یمانی کی روح کا دیدار کر کے
عذاب میں گرفتار امریکی لڑکی کی روح کے لیے معافی طلب
کرالی تھی۔

ناگ نے پتلون قمیص اور امریکی بوٹ پہن رکھے تھے
اس دوران میں اس نے مقبرہ جہانگیر کے باغ میں ایک پرانی
بارہ دری کے قریب دفن ایک خزانے میں سے سونے کے
کچھ سکے حاصل کر کے اسے ایک سنار کو دے کر دو ہزار
روپے حاصل کر لیے تھے۔ یعنی اب اس کی جیب میں
پاکستانی روپے موجود تھے۔ وہ یادگار مینار پاکستان کے قریب
فٹ پاتھ پر بس کے انتظار میں کھڑا تھا کہ اس کی نظر ایک
پندرہ سولہ سال کے ایک نوعمر لڑکے پر پڑی جو کتابیں ہاتھ
میں لیے سامنے والے باغ سے آیا اور ناگ کے قریب کھڑا
ہو کر بس کا انتظار کرنے لگا۔ ناگ نے اس کی طرف کوئی
خاص توجہ نہ دی۔ اور سڑک پر سے گزرتی موٹروں اور رکشوں
کو دیکھتا رہا۔ اتنے میں بس آگئی۔ ناگ کے ساتھ وہ لڑکا
بھی سوار ہو گیا۔ اتفاق سے جہاں ناگ بیٹھا اس کی ساتھ
والی سیٹ پر وہ لڑکا بیٹھ گیا اور ایک کتاب کھول کر
پڑھنے لگا:

ناگ نے ذرا گردن ٹیڑھی کر کے دیکھا۔ لڑکا عنبر ناگ ماریا

کی واپسی کی ایک قسط پڑھ رہا تھا جو نیا مکتبہ اقراء والوں نے
شائع کی تھی۔ ایک بار ناگ اور عنبر کو ماریا نے بتایا تھا کہ ان
کے سفر کی داستان لاہور میں لکھی اور چھاپی جا رہی ہے اور
لڑکے اسے بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ ناگ کا دل چاہا کہ
اس لڑکے سے اپنے سفر کے بارے میں کچھ باتیں کرے۔ اس نے
ذرا سا کھانس کر لڑکے سے پوچھا:

"بیٹے! تم کون سی کتاب پڑھ رہے ہو؟"

لڑکے نے ناگ کی طرف دیکھے بغیر کہا:

"بچوں کی ایک کتاب ہے۔"

ناگ نے کہا:

"میں دیکھ رہا ہوں کہ اس پر عنبر ناگ ماریا کی واپسی
لکھا ہے۔ کیا یہ کوئی سفرنامہ ہے؟"

"جی ہاں۔"

لڑکا کتاب پڑھنے میں لگا تھا اور ایسا لگتا تھا کہ وہ نہیں
چاہتا کہ کوئی اس کی پڑھائی میں دخل دے۔ مگر ناگ بھی اس
سے باتیں کرنے پر تلا ہوا تھا۔ اس نے کہا:

"اس میں ناگ کون ہے؟ کیا وہ کوئی سانپ ہے؟"

اب لڑکے نے تنگ آکر کتاب بند کر دی اور ناگ
کی طرف دیکھ کر کہا:

"جی ہاں۔ ناگ ایک سانپ ہے جو جیسی شکل چاہے اختیار کر سکتا ہے۔"

ناگ مسکرایا:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ بھلا کبھی کوئی سانپ بھی انسان بنا ہے۔"

لڑکا بولا:

"جناب یہ کہانی ہے۔ کہانیوں میں ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ مگر بزرگ کہتے ہیں کہ سانپ پانچ سو سال زندہ رہنے کے بعد انسان کی شکل اختیار کر سکتا ہے۔"

ناگ نے کہا:

"کیا تم اس پر یقین کرتے ہو؟"

لڑکا بولا:

"یقین نہیں آتا۔ مگر یقین کرنے کو دل چاہتا ہے۔"

ناگ نے کہا:

"اچھا یہ بتاؤ کیا تم ناگ عنبر یا ماریا میں سے کسی سے ملنا پسند کرو گے؟"

لڑکا مسکرایا:

"بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے جناب!"

پھر کچھ سوچ کر بولا:

"میں نے عنبر ناگ ماریا کی ساری قسطیں پڑھی ہیں اور پڑھ رہا ہوں۔ اب مجھے کچھ کچھ یقین سا ہونے لگا ہے کہ یہ لوگ اصل میں زندہ ہیں اور سچ مچ پانچ ہزار سال کا واپسی کا سفر کر رہے ہیں۔"

ناگ بولا:

"کیا کبھی ان تینوں میں سے کسی ایک سے تمہاری ملاقات ہوئی ہے۔"

"بالکل نہیں"

"اگر ناگ تمہیں مل جائے تو تم اسے کیا کہو گے؟"

لڑکا کہنے لگا:

"میں اس سے اپنی دو خواہشیں پوری کرنے کے لیے کہوں گا۔"

ناگ نے پوچھا:

"پہلی خواہش کون سی ہے تمہاری؟"

لڑکے نے کہا:

"میری ایک چھوٹی بہن نائیلہ ہے۔ وہ پانچویں کلاس میں پڑھتی ہے۔ مجھے اس سے بڑی محبت ہے۔ مگر ایک سال سے سخت بیمار ہے۔ وہ دن بدن سوکھتی جا رہی ہے۔"

ناگ نے پوچھا:

"اسے کون سی بیماری ہے؟"

"ایک ایسی بیماری ہے جسے صرف ناگ ہی اچھا کر سکتا ہے۔ ہر مہینے کی گیارہ تاریخ کو رات کے وقت ایک سانپ آتا ہے اور اسے سونگھ کر چلا جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے وہ سوکھتی جا رہی ہے اور شاید اب زندہ نہ رہے مجھے اگر ناگ مل جائے تو میں اسے کہوں گا کہ وہ سانپوں کا عظیم دیوتا ہے۔ میری بہن کو اچھا کر دے۔"

ناگ نے مسکراتے ہوئے پوچھا:

"اور تمہاری دوسری خواہش کون سی ہے؟"

لڑکا بولا:

"جب میری پہلی خواہش پوری ہو جائے گی تو پھر اسے میں اپنی دوسری خواہش بتاؤں گا۔"

ناگ نے کہا:

"تمہارا نام کیا ہے؟"

لڑکے نے کہا:

"امجد علی۔"

بس شہر کے بارونق بازاروں سے گزر کر گارڈن ٹاؤن کی طرف

رہی تھی۔ ناگ کی کوئی منزل نہیں تھی۔ مگر اب اس کی منزل بن گئی تھی۔ وہ امجد علی کی چھوٹی بہن نائیلہ کو تندرست کرنا چاہتا تھا لیکن اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ امجد علی کے گھر جائے۔

اس نے امجد علی سے کہا:

"امجد بیٹے! اگر میں تمہیں یہ کہوں کہ میں ہی ناگ ہوں تو کیا تم یقین کر لو گے؟"

امجد علی پہلے تو زور سے ہنس پڑا پھر کچھ اداس ہو کر بولا:

"جناب آپ کو ایسا مذاق نہیں کرنا چاہیے۔ میں اپنی بہن نائیلہ کے لیے بہت پریشان ہوں۔ گھر میں سبھی بہت پریشان ہیں۔ مگر مجھے اپنی بہن سے بہت پیار ہے اور میں زیادہ پریشان ہوں۔"

ناگ نے کہا:

"تو پھر میری بات غور سے سنو! میں ہی ناگ ہوں عنبر اور ماریا میرے ساتھی ہیں اور ہم پانچ ہزار سالہ واپسی کے سفر پر نکلے ہوئے ہیں۔ یہ جو کتاب تم پڑھ رہے ہو یہ ہماری ہی داستان ہے۔ تم مجھے اپنے گھر لے چلو۔ میں تمہاری پیاری بہن کو ٹھیک کر دوں گا۔"

امجد علی لڑکا آنکھیں کھولے حیرت سے ناگ کو تک رہا تھا۔

اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ جو شخص اس کے سامنے بیٹھا
ہے وہی ناگ ہے۔ مگر کتاب میں اس کا جو حلیہ لکھا تھا
وہی حلیہ اس نوجوان کا تھا۔ سانولا رنگ، سیاہ بال، دبلا پتلا
جسم اور آنکھوں میں مقناطیسی کشش اور چمک! پھر بھی امجد علی
کوئی ثبوت چاہتا تھا۔
اس نے کہا:
"اگر آپ ناگ ہیں تو آپ کے پاس اس کا کوئی
ثبوت ہے؟"
ناگ نے کہا:
"اگر میں تمہیں ثبوت دوں تو کیا تم ڈر تو نہیں جاؤ گے؟"
امجد علی بولا:
"ہرگز نہیں۔ میں نے عنبر ناگ ماریا کی اتنی قسطیں پڑھی
ہیں کہ اب میرے دل سے اس قسم کی باتوں کا ڈر
دور ہو چکا ہے۔"
ناگ نے کہا:
"ٹھیک ہے۔ تمہیں کہاں اترنا ہے؟"
"اگلے بس سٹاپ پر۔"
اگلے سٹاپ پر ناگ اور امجد علی بس سے اتر گئے۔
دھوپ ڈھل چکی تھی اور شام کا ہلکا ہلکا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔

ٹاؤن کے اس بس سٹاپ پر دو تین سواریاں اتریں اور
اپنے گھروں کو چل دیں۔
ناگ نے امجد علی سے کہا:
"امجد بیٹے! اُدھر درختوں کے پاس آ جاؤ۔ میں تمہیں ناگ
ہونے کا ثبوت دینا چاہتا ہوں۔"
امجد علی ابھی تک یہی سمجھ رہا تھا کہ یہ شخص کوئی پاگل ہے
ئی بڑا ہی چالاک آدمی ہے اور اس کے گھر جا کر اس
ے ڈیڈی ممی سے پیسے بٹورنا چاہتا ہے، لیکن وہ یہ بھی چاہتا
کہ جو شخص اپنے آپ کو ناگ ظاہر کر رہا ہے اس کے
ول کا پول کھل جائے۔ چنانچہ وہ ناگ کے ساتھ درختوں
ے پاس آ گیا۔ امجد اس لیے بھی بے خوف تھا کہ یہ اس
اپنا محلہ تھا۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوئی تو وہ شور
کر ارد گرد کوٹھیوں والوں کو بلا سکتا تھا۔ وہ سب امجد علی
و جانتے تھے کہ شیخ کرامت علی ریلوے ٹھیکیدار کا چھوٹا
ہے۔
درختوں کے نیچے آ کر ناگ نے امجد علی کی طرف دیکھا۔
ہ مسکرا رہا تھا۔ کہنے لگا:
"امجد بیٹا! تم کیا چاہتے ہو کہ میں کون سی شکل
میں تمہارے سامنے آؤں؟"

امجد علی بولا:

"آپ سانپ ہی بن کر دکھا دیں۔"

ناگ نے کہا:

"تم ڈرو گے تو نہیں؟"

"بالکل نہیں۔" امجد علی نے جواب دیا۔

امجد علی ناگ کو غور سے دیکھ رہا تھا کہ کہیں یہ شخص کوئی چار سو بیسی تو نہیں کرتا۔ کوئی دھوکے بازی تو نہیں کرتا۔ پھر اس نے دیکھا کہ ناگ نے بالکل اسی طرح، جس طرح کہ کتاب میں لکھا ہوا ہے، ناگ نے زور سے سانس کو کھینچا اور غائب ہو گیا۔ امجد علی چونک کر پیچھے ہٹا۔ کیونکہ ناگ کی جگہ وہاں زمین پر ایک سیاہ رنگ کا پھنیر کوبرا سانپ کنڈلی مارے بیٹھا تھا اور اپنا پھن پھیلائے جھوم رہا تھا۔ امجد علی کو خوف کے مارے پسینہ آگیا۔ وہ وہاں سے بھاگنے ہی والا تھا کہ ناگ فوراً دوبارا انسانی شکل میں آگیا۔

"اب تو تمہیں یقین کر لینا چاہیے کہ میں ہی ناگ ہوں۔"

امجد کا گلا خوف کے مارے خشک ہو گیا تھا۔ ماتھے پر پسینہ آگیا تھا۔

...نے لگا:

"جی ہاں — یقین آ گیا ہے۔ آ گیا ہے۔"

ناگ نے امجد کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

"چلو مجھے اپنے گھر لے چلو۔ بس تمہاری پیاری بہن کو اس سانپ سے نجات دلاؤں گا جو ہر مہینے کی گیارہ تاریخ کو آ کر اسے سونگھ جاتا ہے۔"

امجد ابھی تک سہما اور ڈرا ڈرا ہوا تھا۔ ناگ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"یار، گھبراؤ نہیں۔ میں تمہارا دوست ہوں۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ مگر ایک بات کا خیال رکھنا۔"

"جی کون سی بات؟"

"تمہارے سوائے اب کسی کو یہ پتہ نہ چلے کہ میں ناگ ہوں۔"

"میں کسی سے اس کا ذکر نہیں کروں گا جناب۔"

"وعدہ کرتے ہو۔"

ناگ نے امجد کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر زور سے ہلایا اور مسکراتے ہوئے کہا:

"چلو اب تمہارے گھر چلتے ہیں۔"

امجد علی ناگ کو اپنی کوٹھی میں لے آیا۔ لان میں ایک

کُتّا بندھا تھا وہ ناگ کو دیکھ کر بھونکنے لگا۔ امجد نے اسے
خاموش رہنے کو کہا۔ کمرے میں سے ایک ادھیڑ عمر کا آدمی
نکلا اور کتے کو چپ کراتے ہوئے امجد علی کو ایک اجنبی
آدمی کے ساتھ دیکھ کر اس کے پاس آ گیا۔

ناگ سمجھ گیا کہ یہ شخص امجد کا باپ ہے۔ اس نے سلام
کیا۔ امجد کے باپ شیخ کرامت علی ریلوے ٹھیکیدار نے
وعلیکم السلام کہہ کر ناگ کو برآمدے میں کرسی پر بیٹھنے کو کہا
اب امجد نے ناگ کا تعارف کرواتے ہوئے کہا:

"ڈیڈی! یہ میرے ایک کلاس فیلو کے والد صاحب
ہیں۔ بڑے اچھے حکیم ہیں۔ انہوں نے نائیلہ کی بیماری
کا سنا تو کہا کہ مجھے گھر لے چلو میں تمہاری بہن کا
علاج کروں گا۔"

امجد کے باپ شیخ کرامت علی نے بیزاری سے ناگ کی
طرف دیکھا اور کہا:

"خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔"

پھر نوکر کو آواز دے کر کہا کہ کتے کو دوسری طرف لے
جائے۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ اسے ناگ سے مل کر کسی
قسم کی خوشی نہیں ہوئی اور وہ اسے کوئی اہمیت نہیں دے
رہا۔ امجد کا باپ بھی سچا تھا۔ وہ شہر کے اعلیٰ سے اعلیٰ
ڈاکٹروں اور حکیموں کا علاج کروا چکا تھا۔ بڑے سے بڑے
سپیشلسٹوں کو دکھلا چکا تھا مگر کسی کے علاج سے اس کی پیاری
بیٹی تندرست نہیں ہوئی تھی۔ رات کو جو سانپ آتا تھا وہ
کسی کے قابو میں نہیں آتا تھا اور یہ بھی خطرہ تھا کہ وہ
غصے میں آ کر اس کی بیٹی کو ڈس نہ دے۔

ناگ نے کہا:

"کیا میں نائیلہ بیٹی کو دیکھ سکتا ہوں؟"

امجد کا باپ بولا:

"اسے دیکھ کر آپ کیا کر لیں گے۔ بس اب تو
ہماری خدا سے ہی آس لگی ہے۔ وہی اسے صحت عطا
کر سکتا ہے۔"

اتنے میں امجد کی والدہ اور دوسرے بہن بھائی بھی آ گئے۔
وہ سب بڑے پریشان تھے۔ بے چاری ماں کا تو غم سے بُرا
حال ہو رہا تھا۔

اس نے ناگ کی طرف دیکھ کر پوچھا:

"آپ حکیم صاحب ہیں کیا؟"

امجد کے باپ نے کہا:

"ہاں بیگم — جیسے دوسرے حکیم علاج نہیں کر سکے
یہ بھی ویسے ہی حکیم ہیں۔"

پھر انہوں نے ناگ سے پوچھا:

"آپ کا نام کیا ہے؟"

ناگ نے کہا:

"حکیم زوناش"

"یہ کیسا نام ہے آپ کا"

امجد کو یہ فکر تھا کہ کہیں ناگ ناراض ہو کر واپس نہ چلا جائے۔ کیوں کہ کسی کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ یہی شخص نائیلہ کا علاج کر سکتا ہے۔ اس کا ایک طرح سے مذاق اڑایا جا رہا تھا۔

امجد نے جھٹ کہا:

"ڈیڈی! جس طرح دوسرے حکیموں کو دکھایا ہے۔ انہیں بھی نائیلہ کو ایک بار دکھا دیں"

باپ نے منہ دوسری طرف کرتے ہوئے کہا:

"اس سے کیا فرق پڑے گا"

ماں بولی:

"آخر دکھانے میں کیا حرج ہے۔ کیا معلوم اللہ میاں ان کے بہانے میری بیٹی کو اچھا کر دے"

امجد کے باپ نے کرسی پر سے اٹھتے ہوئے کہا:

"تو پھر اندر لے جا کر دکھا دو۔ یہ بھی اپنا شوق پورا کر لیں"

ناگ نے ویسے بڑا صبر کیا تھا۔ محض نائیلہ اور اس کے بھائی امجد کی وجہ سے۔ اسے ایک سجے سجائے دوسری منزل کے کمرے میں لے جایا گیا جہاں پلنگ پر نائیلہ لیٹی تھی۔ وہ سوکھ کر کانٹا بن چکی تھی اور آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔

ناگ نے اس کی پنڈلی پر وہ جگہ دیکھی جہاں سانپ آ کر اپنا منہ رکھ کر سونگھا کرتا تھا۔ امجد کی والدہ، دوسرے بہن بھائی بھی وہاں پر موجود تھے۔ اتنے میں امجد کے والد صاحب بھی اندر آ گئے اور ذرا پرے کھڑے ہو کر تماشا دیکھنے لگے۔ ان کے نزدیک یہ تماشا ہی تھا۔ کیوں کہ انہیں یقین تھا کہ یہ حکیم جو اپنا نام زوناش بتاتا ہے۔ اس کی بیٹی کا علاج نہ کر سکے گا۔

انہوں نے کہا:

"حکیم صاحب آپ نے میری بچی کی حالت دیکھ لی ہے۔ اب آپ کو یقین ہو گیا ہو گا کہ آپ اس کا علاج نہیں کر سکیں گے۔ میرا خیال ہے اب آپ تشریف لے جا سکتے ہیں"

امجد، امجد کی والدہ اور دوسری بہنوں کو اپنے باپ کی یہ بات اچھی نہ لگی۔ ناگ کا تو پارہ ایک دم چڑھ گیا۔ قریب

تھا کہ وہ سانپ بن کر ایسی زبردست پھنکار مارے کہ امجد
کا باپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ مگر اس نے ایک بار
پھر بہت زیادہ صبر اور برداشت سے کام لیا۔ کیونکہ یہ
ایک معصوم بچی کی زندگی اور موت کا سوال تھا۔

امجد نے کہا:

"انکل! سانپ رات کو آتا ہے۔"

ناگ نے کہا:

"وہ دن میں بھی آ سکتا ہے۔ وہ اس وقت بھی آ
سکتا ہے۔"

امجد کو تو یقین تھا کہ ناگ کے حکم سے سانپ اس وقت
بھی آ سکتا تھا۔ مگر اس کے باپ نے مسکرا کر کہا:

"آپ ہمارے دل کو بہلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔
بھلا جو سانپ رات کو کسی کے ہاتھ نہیں آتا دن
کی روشنی میں کہاں سے آ جائے گا۔"

ناگ نے کہا:

"میں اگر چاہوں تو وہ اسی وقت، ابھی یہاں حاضر
ہو جائے گا اور آپ کی بیٹی کی ساری طاقت واپس
کر دے گا اور پھر کبھی نہیں آئے گا۔"

امجد کا باپ بولا:

"مگر آپ تو حکیم ہیں۔ سپیرے نہیں ہیں۔"

ناگ نے کہا:

"میں کیا ہوں؟ آپ نہیں جانتے۔ مجھے صرف ایک
بات بتائیں۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی بیٹی
اچھی ہو جائے؟"

"کیوں نہیں بھائی۔ ہم تو اس کے لیے جان بھی قربان
کرنے کو تیار ہیں۔"

امجد کی والدہ نے کہا:

اس کی بہنیں بھی ناگ سے کہنے لگیں کہ اگر وہ علاج
کر سکتا ہے تو ضرور علاج کرے اور ان کے باپ کی باتوں
پر نہ جائے۔

والدہ نے کہا:

"کیا سانپ واپس آ کر میری بچی کی کھوئی ہوئی طاقت
واپس کر دے گا؟"

امجد کا بڑا بھائی کہنے لگا:

"مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ سانپ تو آدھی رات کو
ایک خاص وقت پر آتا ہے۔ اس سے پہلے کبھی
نہیں آتا۔"

ناگ نے کہا:

"آپ پرے پرے ہٹ کر صوفوں پر بیٹھ جائیں
اور جب سانپ آئے تو گھبرائیں بالکل نہیں۔ وہ
کسی کو کچھ نہیں کہے گا۔"

سب لوگ بچی کے پلنگ سے پرے پرے ہو کر صوفوں
پر بیٹھ گئے۔ ناگ بچی کے پلنگ کے پاس قالین پر آلتی پالتی
مار کر بیٹھ گیا۔

اُس نے امجد سے کہا:

"امجد بیٹا! دروازہ بند کر دو۔ نوکر سے کہہ دو اندر
کسی کو نہ آنے دے۔"

امجد نے نوکر کو کہہ کر دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ اس
کے سامنے وہی تماشہ ہونے والا تھا جو وہ "عنبر ناگ ماریا
کی واپسی" کی قسطوں میں پڑھتا آیا تھا۔ امجد کا باپ بھی صوفے
پر بیٹھا بس یونہی ناگ کو تک رہا تھا۔ وہ یہی سمجھ رہا تھا
کہ بھلا یہ شخص کہاں سانپ کو بلا سکے گا۔ مگر اپنی بیگم اور
بچوں کی وجہ سے چپ تھا۔ اصل میں وہ اپنی بیٹی کی زندگی
سے مایوس ہو چکا تھا۔

ناگ نے آنکھیں بند کر لیں۔ ایک بار دونوں ہاتھ اوپر
اٹھائے اور پھر انہیں اپنے گھٹنوں پر رکھ لیا اور منہ ہی
منہ میں سانپ کا منتر پڑھنا شروع کر دیا۔ بڑی مشکل سے

تین منٹ گذرے ہوں گے کہ کمرے میں پھنکار کی آواز سنائی
دی۔ امجد کا باپ اس کی والدہ اور بہن بھائی چونک اُٹھے۔
امجد نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر انہیں خاموش رہنے کو کہا۔
ان سب کی نظریں کمرے میں سانپ کو تلاش کر رہی تھیں۔
کیوں کہ انہیں سانپ کی پھنکار کی آواز صاف سنائی
دی تھی۔

ناگ منتر پڑھے جا رہا تھا۔ کمرے میں بیٹھے ہوئے سب
نے دیکھا کہ ایک سبز دھاریوں والا سیاہ کالا سانپ نائیلہ
کے پلنگ کے نیچے سے نکل کر قالین پر آہستہ آہستہ رینگتا
ہوا ناگ کے سامنے آیا۔ اپنا پھن پھیلایا۔ تین بار ناگ
کے آگے پھن کو جھکایا۔ پھن کو سمیٹا اور اپنی گردن ناگ
کے قدموں کے قریب قالین پر رکھ کر بے حس و حرکت
ہو گیا۔ ناگ نے آنکھیں کھول دیں۔ ہر کوئی حیران بھی تھا
اور خوف زدہ بھی تھا۔ پلنگ پر نائیلہ نیم بے ہوشی کی
حالت میں ویسے ہی پڑی تھی۔ امجد کے باپ کا تو دہشت
کے مارے بُرا حال تھا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا
تھا۔ امجد بڑا خوش تھا۔ اور کبھی اپنے باپ کی طرف اور
کبھی ناگ کی طرف فخر سے دیکھتا تھا۔ امجد کی ماں بھی
آنکھیں کھولے سانپ کو تک رہی تھی۔

ناگ نے سانپ سے کہا:

"تم اس معصوم بچی کی جان کے دشمن کیوں ہوئے تھے؟"

سانپ نے کہا:

"غلطی ہو گئی عظیم ناگ! مجھے معاف کر دیں۔"

ناگ نے کہا:

"اگر میں یہاں نہ آتا تو تم اس معصوم بچی کو ہلاک کر چکے تھے۔"

سانپ نے ایک بار پھر معافی مانگی۔

ناگ نے پھر کہا:

"تم نے ایک بھولی بھالی بے گناہ بچی کو جان سے مارنے کا ارادہ کر کے ایک بڑا گناہ کیا ہے اور سانپوں کی دنیا کو بدنام کیا ہے۔"

سانپ کانپنے لگا:

"عظیم ناگ دیوتا! مجھے معاف کر دیں۔"

سب لوگ ناگ کے الفاظ تو سن رہے تھے مگر سانپ کی آواز انہیں سنائی نہیں دے رہی تھی۔

ناگ نے کہا:

"سب سے پہلا کام یہ کرو کہ فوراً اس بچی کی چھینی ہوئی ساری طاقت اسے واپس کر دو۔"

"جو حکم عظیم ناگ!"

یہ کہہ کر دھاری دار کالا سانپ پیچھے مڑا۔ اور نائیلہ کے پلنگ پر چڑھ کر اس نے اپنا منہ نائیلہ کی پنڈلی سے لگا دیا اور سانس کو اندر کی طرف کھینچنے کی بجائے باہر کی طرف پھینکنا شروع کر دیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ نائیلہ کو اس کی طاقت واپس مل رہی تھی۔ اس عجیب و غریب منظر کو کمرے میں بیٹھے ہوئے سارے لوگ ششدر ہو کر پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ جو کچھ دیکھ رہے تھے۔ اس قسم کا منظر انہوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ لیکن امجد نے اس قسم کے واقعات کتاب عنبر ناگ ماریا کی واپسی کی قسطوں میں بڑے شوق سے پڑھے تھے امجد نے سوچا کہ کاش ان کے گھر والوں نے بھی عنبر ناگ ماریا کی واپسی کی قسطیں پڑھی ہوتیں۔ اگر انہوں نے قسطیں پڑھی ہوتیں تو حیران پریشان اور خوف زدہ ہونے کی بجائے اس منظر کو دلچسپی سے دیکھتے جس طرح کہ امجد دیکھ رہا تھا۔ جوں جوں سبز دھاری دار سانپ سانس کو اندر کی طرف کھینچ کر باہر کو پھینک رہا تھا نائیلہ کو ہوش آ رہا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے سانپ اپنے ہر سانس کے ساتھ زندگی کی ایک نئی لہر نائیلہ کے نیم مردہ جسم میں داخل کر رہا ہے۔ سانپ پورے دس منٹ تک نائیلہ کے جسم کو طاقت واپس کرتا رہا۔ اس

عرصے میں کمرے میں مکمل خاموشی چھائی رہی۔ کسی نے اونچا سانس لینے کی بھی کوشش نہ کی۔ اچانک باہر سے کتے کے زور زور سے بھونکنے کی آواز آئی:

دھاری دار سانپ نے اپنا منہ اوپر کر لیا۔

ناگ نے فضا میں ہاتھ اٹھا کر حکم دیا:

"اپنا کام ختم کرو بدخصلت سانپ کے بچے!"

دھاری دار سانپ نے اپنا منہ دوبارہ نائیلہ کی پنڈلی سے لگا دیا۔ جب نائیلہ کو پوری طرح ہوش آگیا اور وہ اپنی آنکھیں کھول کر ادھر اُدھر تکنے لگی تو سانپ آہستہ سے پلنگ سے نیچے اترا اور ناگ کے آگے کنڈلی مار کر گردن جھکا کر بیٹھ گیا۔

ناگ نے کہا:

"امجد! ایک برتن لاؤ۔ جس کا منہ اوپر سے بند کیا جا سکے۔"

امجد اسی وقت باورچی خانے کی طرف بھاگا۔ اس کی ماں اور بہنیں بھی ساتھ گئیں۔ ایک برتن آگیا جس کے اوپر ڈھکنا تھا۔ ناگ نے وہ برتن اپنے سامنے قالین پر رکھ دیا اور سانپ سے کہا:

"اس کے اندر چلے جاؤ۔"

سانپ سمجھ گیا کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جانے والا

ہے۔ اس نے گڑگڑا کر کہا:

"عظیم ناگ! مجھ پر رحم کیا جائے۔"

ناگ نے کہا:

"جو خلق خدا کو ناحق ہلاک کرتا پھرے اس پر رحم نہیں کیا جا سکتا۔ تمہاری یہی سزا ہے جو میں نے تمہارے لیے تجویز کی ہے۔ اس برتن میں داخل ہو جاؤ۔"

سانپ نے ایک بار پھر جان بخشی کی درخواست کی مگر ناگ نے سختی سے کہا:

"تم برتن میں جاتے ہو یا اسی جگہ تمہیں جلا کر بھسم کر دوں؟"

سانپ خاموشی سے رینگتا ہوا برتن میں جا کر بیٹھ گیا۔ ناگ نے برتن کے اوپر ڈھکنا دے کر اسے بند کر دیا۔ پھر منہ ہی منہ میں کچھ منتر پڑھ کر برتن پر زور سے پھونک ماری۔ برتن کے اندر جیسے ایک ہلکا سا دھماکہ ہوا اور پھر خاموشی چھا گئی۔

ناگ نے امجد سے کہا:

"امجد بیٹا! برتن کا ڈھکن اٹھا کر سب کو دکھاؤ۔"

امجد نے برتن کا ڈھکنا اٹھایا تو اندر سانپ کی سیاہ راکھ پڑی تھی۔ سانپ جل کر راکھ ہو چکا تھا۔ سب گھر والوں نے باری باری اس راکھ کو دیکھا تو خوشی سے نہال ہو گئے۔ ماں نے نائیلہ کو گلے

لیا۔ بہنیں اور بھائی اس کی بلائیں لینے لگے۔ نائلہ اگرچہ کمزور
تھی مگر اس کے چہرے پر رونق آ گئی تھی اور آنکھوں میں زندگی
کی چمک دوبارا لوٹ آئی تھی۔ امجد بے حد خوش تھا۔ امجد کا
باپ ہاتھ باندھ کر ناگ کے آگے کھڑا ہو گیا۔

"بھائی مجھے معاف کر دینا۔ میں نے تمہیں غلط سمجھا تھا۔
میرا قصور معاف کر دو۔ تو نے میری بیٹی کو خدا کے
حکم اور اس کے فضل و کرم سے نئی زندگی دی ہے
میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر فراموش نہیں کروں گا۔"

ناگ قالین پر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے گہری نظروں سے
امجد کے باپ کی طرف دیکھا اور کہا:

"تمہارا کوئی قصور نہیں۔ تم دنیا دار لوگ ایسے ہی
ہوا کرتے ہو۔ میں نے تمہیں معاف کیا۔"

امجد کی والدہ، بھائی اور بہنیں ناگ کے آگے پیچھے پھر رہے
تھے۔ اسے وہیں رہنے کی درخواست کر رہے تھے مگر ناگ نے
کہا کہ وہ کسی کے ہاں نہیں رہا کرتا۔

"ہم جوگی سنیاسی لوگ ہیں۔ ہم جنگلوں میں ہی خوش
رہتے ہیں۔ ہمیں تمہارے یہ ڈرائنگ کمرے اور ائرکنڈیشنڈ
بیڈ روم راس نہیں آتے۔"

پھر وہ امجد کو ساتھ لے کر کوٹھی کے باغ میں آ گیا۔ امجد نے

ناگ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا کہ اس نے اس کی بہن کی
جان بچا لی تھی۔ ناگ نے کہا کہ جان بچانے والی صرف اللہ
کی ذات ہے۔ میں تو اللہ کے حکم کے مطابق عمل کر رہا تھا۔

"اب تم یہ بتاؤ کہ تمہاری دوسری خواہش کون سی ہے
تاکہ میں اسے بھی پورا کرنے کی کوشش کروں۔"

امجد نے کہا:

"کیا ابھی بتا دوں انکل ناگ؟"

"ہاں — کیوں نہیں"

امجد انکل ناگ کو لے کر کوٹھی سے باہر آ گیا۔ رات کے آٹھ
بج چکے تھے۔ کوٹھیوں میں روشنیاں ہو رہی تھیں۔ امجد اور ناگ
ایک کھیت کے پاس پتھر کے چھوٹے سے پل پر بیٹھ گئے۔
ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ یہاں امجد نے ناگ کو اپنی زندگی
کی دوسری خواہش بیان کی۔

- امجد کی دوسری اہم خواہش کیا تھی ؟
- امجد کو لے کر ناگ اس کی دوسری خواہش پوری کرنے کہاں گیا ؟
- ماریا کی ناگ اور عنبر سے کیسے ملاقات ہوئی ؟
- ناگ، یاقوت یمانی بزرگ کی روح سے کہاں ملا؟

اس کے لیے اگلی قسط نمبر "امبا دیوی کی مورتی" پڑھیے ۔۔۔!!

امبادیوی کی مورتی

اے حمید

ناگ ماریا اور عنبر کی واپسی

کے پانچ ہزار سالہ سفر کی سنسنی خیز داستان

امبا دیوی کی مورتی

اے حمید

قوس پبلی کیشنز

۱۴/بی شاہ عالم مارکیٹ، لاہور

ترتیب

قیمت -/۱۲ روپے

ناشر: مبارک انور، قوسس پبلی کیشنز، لاہور
طابع: ایچ وائی پرنٹرز، لاہور

پیارے دوستو!

مجھے خوشی ہے کہ میں محبت اور خلوص کے ساتھ واشنگٹن سے واپس آ کر آپ کی دلچسپی کے لیے عنبر ناگ ماریا کی واپسی کا سفر لکھ رہا ہوں۔ آپ بھی اسی محبت اور دلچسپی کے ساتھ اسے پڑھ رہے ہیں۔ امریکہ میں ناگ سے میری اچانک ملاقات ہو گئی آپ نے اس کا حال اس قسط میں پڑھا ہو گا جس کا نام "ناگ اور سپرمین" ہے پچھلی قسط میں ماریا میرے سمن آباد والے گھر میں آ گئی۔ ابھی عنبر سے میری ملاقات نہیں ہوئی۔ ان لوگوں نے مجھے بھی اپنے سفر میں شامل کر لیا ہے اور میں کچھ پریشان سا بھی ہوں۔ کیوں کہ بہرحال میں لاہور میں رہ کر آپ دوستوں کے لیے عنبر ناگ ماریا کے پانچ ہزار سالہ سنسنی خیز سفر کی داستان لکھنا چاہتا ہوں۔ میں ان کے ساتھ لاہور چھوڑ کر آپ لوگوں کو چھوڑ کر اور اپنی اس دلچسپ کہانی کے سلسلے کو چھوڑ کر عنبر ناگ ماریا کے ساتھ ہزاروں سال کے تاریخی سفر پر

نہیں جانا چاہتا اور میری کوشش یہی ہے کہ میں نہ جاؤں۔ آگے
اللہ مالک ہے۔ چنانچہ پیارے دوستو! اس بار ناگ نے کمال کیا۔
لاہور آیا ہوا تھا اس نے گارڈن ٹاؤن کے ایک دسویں جماعت
کے طالب علم امجد پر بھی اپنا آپ ظاہر کر دیا۔ اس نے امجد کو
بھی اپنے سفر کے تھوڑے سے حصے میں شامل کر لیا اور امجد کی
خواہش پر اسے ساتھ لے کر تین سو سال پیچھے مغلیہ عہد میں شہنشاہ
اکبر کے زمانے میں نکل گیا۔ کیوں کہ امجد نے ناگ سے خواہش
ظاہر کی تھی کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہے کہ انار کلی
کو شہنشاہ اکبر کے حکم سے کیسے دیوار میں زندہ دفن کر دیا
گیا تھا۔ چنانچہ امجد نے یہ دردناک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔
اس کے بعد کیا ہوا اور امبا دیوی کی پراسرار مورتی کو ہاتھ لگانے
سے ماریا کہاں غائب ہو گئی۔ اور پھر ناگ کی طاقت کس نے
ختم کر دی؟

یہ سب کچھ جاننے کے لیے جلدی سے کتاب کا صفحہ پلٹ کر
پڑھنا شروع کیجیے۔

آپ کا دوست

سانپ کا مہرہ

امجد نے ناگ کو اپنی دوسری خواہش بیان کرتے ہوئے کہا،
"میں نے سکول میں تاریخ کی کتاب میں پڑھا تھا کہ
شہنشاہ اکبر نے اپنے دربار کی ایک کنیز کو جس کا نام
انار کلی تھا دیوار میں زندہ چنوا دیا تھا۔ تب سے
میرے دل میں انار کلی کو دیکھنے کی بڑی حسرت ہے۔
میں یہ بھی دیکھنا چاہتا ہوں کہ جب اسے دیوار میں
زندہ چنوایا گیا تو اس کے جذبات کیا تھے اور اس
کے اردگرد کیسے لوگ کھڑے تھے اور یہ سب
کچھ کیسے ہوا۔ کیا تم مجھے یہ سارا ڈرامہ ایک بار
پھر دکھا سکتے ہو؟"
ناگ نے کہا،
"کیوں نہیں امجد! میں تمہیں شہنشاہ اکبر کے دربار میں
لیے چلتا ہوں۔ جہاں اس نے انار کلی کو دیوار میں چنوا
دینے کا حکم دیا تھا۔ کیا تم تاریخ کے اس زمانے میں

جانے کو تیار ہو؟"

امجد نے پوچھا:

"کیا میں تاریخ کے اس زمانے سے نکل کر دوبارہ اپنے گھر گارڈن ٹاؤن واپس آ جاؤں گا؟"

"ضرور واپس آ جاؤ گے۔ میں تمہیں اپنے ساتھ واپس لاؤں گا۔"

امجد بولا:

"واپسی پر یہاں زمانہ تو نہیں بدل گیا ہو گا۔ کہیں ایسا تو نہیں ہو گا کہ جب میں لاہور کے زمانے میں واپس آؤں تو میری چھوٹی بہنیں بوڑھی ہو چکی ہوں اور بوڑھے ماں باپ انتقال کر چکے ہوں؟"

ناگ مسکرایا:

"نہیں — ایسا نہیں ہو گا۔ اس کی میں ضمانت دیتا ہوں۔"

امجد بڑا خوش ہوا:

"تو پھر میں تمہارے ساتھ شہنشاہ اکبر کے دربار میں جانے کو تیار ہوں۔"

ناگ نے کہا:

"تو پھر اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے کر آنکھیں بند کر لو اور جب تک میں نہ کہوں آنکھیں نہ کھولنا۔"

"او کے" امجد نے کہا۔

اس نے اپنا ہاتھ ناگ کے ہاتھ میں دے دیا اور خدا کا نام لے کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ آنکھیں بند کرنے کے بعد امجد کا خیال تھا کہ اسے کوئی ہلکا سا جھٹکا ضرور لگے گا۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ صرف اسے یوں لگا جیسے اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی ہے اور وہ ہوا میں کھڑا ہے۔ اس کا دل چاہا کہ آنکھیں کھول کر دیکھے کہاں جا رہا ہے مگر فوراً ناگ کی بات یاد آ گئی کہ آنکھیں ہرگز مت کھولنا۔ امجد نے آنکھیں بند رکھیں۔ اب اسے گرمی سی لگنے لگی۔ جیسے دھوپ میں آ گیا ہو۔ تھوڑی دیر بعد پھر ٹھنڈی ہوا کا احساس ہوا۔ پھر اس نے اپنے پاؤں تلے زمین کو محسوس کیا اور گھوڑوں کے دوڑنے کی آواز سنائی دی۔ ناگ کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا اور ابھی اس نے امجد کو آنکھیں کھولنے کے لیے نہیں کہا تھا۔ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز دور ہو گئی۔ زمین اس کے پاؤں تلے پیچھے جا رہی تھی۔ پھر اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے نرم نرم قالین پر پاؤں رکھ دیئے ہوں۔ اسے لوگوں کے آہستہ آہستہ باتیں کرنے کی آوازیں آنے لگیں۔ اس نے فضا میں گلاب، عطر اور روح کیوڑے اور اگربتیوں کی خوشبو محسوس کی۔

اسے ناگ کی آواز سنائی دی:

"امجد! آنکھیں کھول دو۔"

امجد نے آنکھیں کھولیں تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ ایک بہت عظیم الشان شاہی دربار میں ایک طرف ستون کے پاس کھڑا ہے۔ درباری مغل لباس پہنے شاہی تخت کے سامنے قطاروں میں ہاتھ باندھے کھڑے ہیں اور دھیمی دھیمی آواز میں ایک دوسرے سے باتیں کر رہے ہیں۔ آگے موتی جڑی کرسیوں کی قطار پر دربار کے نورتن بیٹھے ہیں۔

ناگ نے کہا،

"یہ شہنشاہ اکبر کا دربار ہے۔ ظل سبحانی ابھی تشریف نہیں لائے۔ آج انارکلی کی زندگی یا موت کا فیصلہ ہو گا۔"

امجد نے کہا:

"اس دربار میں تو کوئی غیر آدمی داخل نہیں ہو سکتا پھر یہ ہمیں کس طرح برداشت کر رہے ہیں؟"

ناگ مسکرایا،

"یہ ہمیں نہیں دیکھ سکتے۔ ہم ان کی نظروں سے غائب ہیں۔"

اتنے میں حاجبوں نے بلند آواز سے شہنشاہ اکبر کے آنے کا اعلان کیا۔

"با ادب باملاحظہ ہوشیار۔ نگاہیں روبروئے۔ ظل سبحانی۔ شہنشاہِ کشورِ دوراں حضرت جلال الدین اکبر تشریف لا رہے ہیں۔"

ایک سرخ چہرے اور بڑی بڑی بارعب مونچھوں والا بادشاہ شاہی لباس پہنے سر پر موتیوں جواہرات کا تاج رکھے امرا کے ساتھ دربار میں نمودار ہوا۔ نورتن کرسیوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب کی گردنیں جھک گئیں۔ شہنشاہ تخت پر بیٹھا تو نورتن بھی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ تخت پر بیٹھنے کے بعد شہنشاہ اکبر نے ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کیا۔ ایک قاضی صاحب اٹھ کر تخت کے پاس آئے اور انارکلی کے خلاف فردِ جرم پڑھ کر سنائی۔ شہنشاہ اکبر نے فردِ جرم سن کر کہا:

"ہم اس گستاخ کنیز کو دیوار میں زندہ چنوا دینے کا حکم دیتے ہیں۔"

دربار میں خاموشی چھا گئی۔

شہنشاہ نے پھر کہا،

"انارکلی کو صبح ہونے سے پہلے پہلے دیوار میں زندہ چن دیا جائے۔ دربار برخاست کیا جاتا ہے۔"

اتنا کہہ کر شہنشاہ اکبر اٹھ کر واپس چلے گئے۔

درباری آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔

ناگ نے امجد سے کہا:

"انار کلی کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ کیا تم اسے دیکھو گے؟"

"ہاں ــــ وہ کہاں ہو گی؟"

"جیل خانے میں۔ آؤ میرے ساتھ۔"

ناگ نے امجد کو ساتھ لیا اور دربار سے نکل کر قلعے کی مختلف سیڑھیاں چڑھنے اترنے کے بعد وہ ایک قید خانے کے دروازے کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ دروازے پر مغل سپاہی ننگی تلواریں لیے پہرہ دے رہے تھے۔ سلاخوں کے پیچھے چراغ جل رہا تھا۔ اس کی روشنی میں امجد نے ایک خوب صورت عورت کو دیکھا کہ بال کھلے ہیں اور سر دیوار سے لگائے آنکھیں بند کیے اداس بیٹھی ہے۔ اتنے میں شاہی دربار کے ہرکارے نے آ کر انار کلی کو بتایا کہ صبح ہونے سے پہلے پہلے اسے دیوار میں زندہ چن دیا جائے گا۔

انار کلی نے آنکھیں کھول کر ہرکارے کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر اداس مسکراہٹ ظاہر ہوئی۔ اس نے چھت کی طرف آنکھیں اٹھا کر کہا:

"جو میرے خدا کو منظور۔ میں اس کی رضا میں راضی ہوں۔"

امجد نے ناگ سے کہا:

"انکل ناگ! کیا آپ انار کلی کو بچا نہیں سکتے۔ یہ بڑا ظلم ہے کہ ایک عورت کو دیوار میں زندہ گاڑ دیا جائے۔"

ناگ نے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے کہا:

"امجد! میں نے تمھیں پہلے خبردار کیا تھا کہ اگر تم تاریخ کے پرانے دور میں جا رہے ہو تو کسی واقعے میں دخل دینے کی کوشش نہ کرنا۔ کیوں کہ اگر ہم نے کسی واقعے میں دخل دیا تو تاریخ کا سارا سلسلہ درہم برہم ہو جائے گا۔ واقعات کی کڑیاں بکھر جائیں گی۔ اور اس کا اثر ہم تک پہنچے گا اور ہو سکتا ہے کہ ۱۹۸۳ء کی ماڈرن دنیا کے ہزاروں لاکھوں لوگ اس اثر کے نتیجے میں موت کی نیند سو جائیں۔ اس لیے دیکھتے جاؤ اور خاموش رہو۔"

امجد خاموش ہو گیا۔

ناگ نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا:

"آؤ اب میں تمھیں وہ جگہ دکھاتا ہوں جہاں انار کلی کو پو پھٹے دیوار میں چنا جائے گا۔"

وہ شاہی قلعے سے باہر نکل کر پیچھے ایک وسیع باغ کے گراؤنڈ میں آ گئے۔ یہاں ایک چبوترہ بنا تھا۔ چبوترے کے

فرش پہ اینٹوں کا ڈھیر پڑا تھا۔ اور کڑاہیوں میں دیوار بنانے کا
مصالحہ تیار کیا جا رہا تھا۔

ناگ بولا:

"اس چبوترے کے فرش پہ انار کلی کو کھڑا کر کے اس
کے ارد گرد چار دیواری بنا کر اوپر چھت ڈال دی
جائے گی اور انار کلی ہوا کے نہ ملنے کی وجہ سے دم
گھٹ کر ہلاک ہو جائے گی۔"

امجد بولا:

"پرانے بادشاہ کس قدر ظالم ہوا کرتے تھے۔ کاش
میں اس زمانے میں ہوتا۔ پھر میں اس کی ضرور مدد
کرتا۔ اس کی جان بچا کر یہاں سے بھگا کر لے جاتا۔"

ناگ نے کہا:

"تم آگے کے زمانے میں جا کر اس قسم کی باتیں سوچ
رہے ہو۔ اگر تم اس زمانے میں ہوتے تو ہو سکتا ہے
کہ تم بھی اس کی موت پر اداس نہ ہوتے جیسا کہ
یہاں کوئی درباری اداس و غمگین نہیں ہے؟"

امجد بولا:

"خدا کا شکر ہے کہ میں اس زمانے میں پیدا نہیں ہوا
ہوں۔ ایک بے کس عورت کے ساتھ یہ ظلم ہوتا نہیں

دیکھ سکتا تھا؟"

اگرچہ ناگ نے امجد کو سختی سے منع کر رکھا تھا کہ وہ
تاریخ کے گذرے ہوئے واقعات میں دخل نہ دے لیکن اس
نے دل میں انار کلی کو بچانے کا فیصلہ کر لیا تھا خواہ اس کا
نتیجہ کچھ بھی کیوں نہ نکلے۔ یہ بڑا خطرناک فیصلہ تھا۔ اس کا
نتیجہ بڑا بھیانک نکل سکتا تھا۔ مگر امجد فیصلہ کر چکا تھا کہ
تاریخ کا رُخ موڑ دے گا۔ اور انار کلی کو زندہ دفن نہیں ہونے
دے گا۔ وقت گذر رہا تھا۔ ناگ اور امجد چبوترے کے
پاس کھڑے تھے اور شاہی راج مزدور دیوار بنانے کا مصالحہ
تیار کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

پو پھٹنے والی تھی کہ ایک طرف سے مغل دربار کے سپاہی
انار کلی کو لے کر نمودار ہوئے۔ انار کلی کو زنجیروں میں جکڑا ہوا
تھا۔ وہ غم زدہ تھی اور چہرے کا رنگ زرد تھا۔ شاہی دربار
کا قاضی چبوترے کے پاس کرسی پہ آ کر بیٹھ گیا۔ دوسرے درباری
اور سپاہی قطار بنا کر کھڑے ہو گئے۔ انار کلی کو چبوترے پہ لا کر
درمیان میں کھڑا کر دیا گیا۔ اس کی زنجیریں اتار دی گئیں۔

راج مزدوروں نے قاضی کا حکم پاتے ہی انار کلی کے ارد
گرد چار دیواری بنانی شروع کر دی۔ راج بڑی تیزی سے چونے
اور گچ کی مدد سے اینٹوں کی تہیں چن رہے تھے۔ دیکھتے دیکھتے

چار دیواری انار کلی کے کندھوں تک پہنچ گئی، پھر اُس کی
گردن تک جا پہنچی اور پھر انار کلی کا سر چار دیواری میں
چھپ گیا۔ اس کے بعد انار کلی کے سر کے اوپر چھت ڈال
کر اوپر اینٹیں چن دی گئیں۔ کچھ دیر تک شاہی قاضی اور
سپاہی وہاں بیٹھے رہے کہ اینٹوں کا چونا سوکھ جائے۔ جب
انہیں یقین ہو گیا کہ چار دیواری جس میں انار کلی کو زندہ دفن
کیا گیا ہے سوکھ گئی ہے تو وہ وہاں سے رخصت ہو گئے۔

ناگ نے کہا:

"انار کلی زندہ دفن ہو گئی ہے۔ تم جو دیکھنا چاہتے
تھے تم نے دیکھ لیا۔ تمہاری دوسری خواہش میں نے
پوری کر دی ہے۔ اب آؤ اپنے زمانے میں واپس
چلتے ہیں۔"

لیکن امجد نے دل میں کچھ اور ہی فیصلہ کر رکھا تھا۔ اس کا
ذکر اس نے ناگ سے نہیں کیا تھا۔

اس نے ناگ سے کہا:

"ٹھیک ہے۔ میں جو دیکھنا چاہتا تھا میں نے دیکھ
لیا۔ تاریخ کا تقاضا پورا ہو گیا۔ میں واپس اپنے
زمانے میں جانے کو تیار ہوں۔ مگر میں چاہتا ہوں
کہ جاتے جاتے ایک بار دہلی کے شاہی قلعے کے

سب سے بلند مینار پر کھڑے ہو کر شہر کا نظارہ کر
لوں۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے انکل ناگ؟"

ناگ نے کچھ سوچ کر کہا:

"ہو سکتا ہے۔ مگر ہمیں زیادہ دیر نہیں کرنی چاہیے۔"

امجد بولا:

"بس میں مینار پر کھڑے ہو کر شہر کو ایک نظر دیکھوں
گا اور پھر ہم واپس چلے جائیں گے۔"

"آؤ میرے ساتھ۔"

ناگ نے امجد کو ساتھ لیا اور شاہی قلعے کی جانب روانہ
ہو گیا۔ شاہی قلعے کے سب سے بلند مینار والا دروازہ وہاں
سے کافی دور تھا۔ ناگ نے ایک جگہ ایک گھوڑے کو درخت
کے ساتھ بندھے ہوئے دیکھا۔ ناگ نے وہ گھوڑا کھولا۔ امجد
کو پیچھے بٹھایا اور گھوڑا دوڑاتا شاہی قلعے کے بڑے دروازے
کی طرف چل دیا۔ ابھی صبح کی روشنی پوری طرح سے نہیں
پھیلی تھی اور اندھیرا تھا۔ ناگ نے قلعے کے بڑے دروازے
کے قریب پہنچ کر گھوڑا روک دیا۔ گھوڑے سے نیچے اُترا
اور امجد سے کہا:

"تم ایک پل کے لیے یہیں ٹھہرو۔ میں یہ دیکھ کر
آتا ہوں کہ بڑے دروازے پر کتنے سپاہی پہرہ دے

رہے ہیں۔ کیوں کہ اگرچہ ہم غائب ہیں۔ ہمیں کوئی
نہیں دیکھ سکتا لیکن مجھے معلوم ہے کہ اس دروازے
پر شاہی نجومی نے طلسم پڑھ کر پھونک دیا ہے؟
یہ کہہ کر ناگ چلا گیا۔ امجد اسی موقع کی تلاش میں تھا جونہی
ناگ اندھیرے میں نظروں سے اوجھل ہوا اس نے گھوڑے کو
واپس موڑا۔ اسے ایڑھ لگائی اور دوڑاتا ہوا واپس اس چبوترے
کی طرف روانہ ہو گیا۔ جہاں انارکلی کو چار دیواری میں زندہ دفن
کر دیا گیا تھا۔ اس نے وہاں پہنچ کر درختوں میں گھوڑے کو
چھوڑ دیا اور خود چبوترے کے پاس آ گیا۔ چار دیواری ویسے
ہی کھڑی تھی۔ پہرہ دینے والے سپاہی جا چکے تھے۔ صرف ایک
آدمی چبوترے کے ارد گرد گھوم پھر کر چوکیداری کر رہا تھا۔
امجد اس کے قریب آ گیا۔ مگر چوکیدار امجد کو نہیں دیکھ
سکتا تھا۔ امجد کے پاس وقت بہت کم تھا۔ چار دیواری میں
تازہ ہوا ختم ہو رہی تھی اور انارکلی کی زندگی کا دیا آہستہ آہستہ
گل ہو رہا تھا۔ امجد اسے جتنی جلدی ہو سکے تازہ ہوا پہنچا کر
وہاں سے فرار کروا دینا چاہتا تھا۔ اسے یہ بھی ڈر تھا کہ ناگ
اس کی تلاش میں وہاں پہنچ جائے گا۔ امجد نے چبوترے کے
پاس سے ایک اینٹ اٹھائی اور چوکیدار کے سر پر اس قدر
زور سے ماری کہ جس سے وہ بے ہوش ہو جائے۔ چوکیدار چکرا

کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔
امجد بھاگ کر چبوترے پر چڑھ گیا اور اس نے اس
اینٹ سے چار دیواری کی ایک جگہ سے اینٹیں توڑنی شروع کر
دیں۔ مصالحہ ابھی اتنا نہیں سوکھا تھا۔ تھوڑی دیر کی کوشش
کے بعد دیوار کی ایک اینٹ اکھڑ گئی۔ امجد نے دوسری اور
تیسری اینٹ بھی اکھاڑ ڈالی اور اندر منہ ڈال کر کہا:
"انارکلی! زور زور سے سانس لو۔ میں تمہیں یہاں سے
نکالنے آیا ہوں؟"
امجد نے باقی اینٹیں بھی اکھاڑنی شروع کیں۔ اچانک اسے
محسوس ہوا کہ چار دیواری اندر سے خالی ہے اور وہاں کوئی نہیں
ہے۔ امجد نے جہاں سے چھ سات اینٹیں اکھاڑی تھیں اس
جگہ میں منہ ڈال کر اندر دیکھا۔ انارکلی وہاں نہیں تھی۔ وہ
پریشان بھی ہوا اور خوش بھی۔ اس کا مطلب تھا کہ کسی نے
انارکلی کو اس کے آنے سے پہلے ہی نکال لیا تھا مگر چار
دیواری کی اینٹیں تو کہیں سے بھی ٹوٹی ہوئی نہیں تھیں پھر
انارکلی کو باہر کیسے باہر نکالا گیا تھا۔ امجد نے دیوار میں سے
نکالی ہوئی اینٹیں دوبارہ دیوار میں لگا کر مصالحہ تھوپ دیا تاکہ
کسی کو یہ نہ پتہ چلے کہ اینٹیں اکھاڑی گئی تھیں۔
امجد کو گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ صبح کی ہلکی

ہلکی روشنی چاروں طرف پھیل گئی تھی۔ امجد نے دیکھا کہ ناگ ایک دوسرے گھوڑے پر سوار چبوترے کی طرف کی چلا آ رہا ہے۔ امجد وہاں سے بھاگنے لگا تو ناگ نے آواز دی۔

"امجد! تم دوسروں کے لیے غائب ہو مگر میں تمہیں دیکھ رہا ہوں تم مجھ سے چھپ کر کہیں نہ جا سکو گے۔"

امجد رک گیا۔

ناگ اس کے قریب آگیا:

"تم وہاں سے کیوں بھاگ آئے تھے؟ اور اس چوکیدار کو کس نے بے ہوش کیا ہے؟"

امجد نے ناگ کو سب کچھ بتا دیا۔

ناگ نے کہا:

"تم نے دیوار کی اینٹیں اکھاڑ کر ایک بہت خطرناک قدم اٹھایا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ تم انارکلی کو زندہ باہر نکالنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ مگر سوال یہ ہے کہ انارکلی کہاں چلی گئی؟ کیا تاریخ میں جو کچھ لکھا ہوا ہے کہ انارکلی کو زندہ دفن کر دیا گیا تھا غلط ہے؟"

امجد نے کہا:

"اگر تاریخ کے واقعات ۱۹۸۴ء کے زمانے تک درہم برہم نہیں ہوئے تو پھر انارکلی کو دیوار میں زندہ نہیں

چنا گیا تھا۔ اسے فرار کروا دیا گیا تھا مگر تاریخ اس سے بے خبر ہے۔"

ناگ سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے امجد سے کہا:

"میرے ساتھ آؤ۔"

ناگ نے چبوترے کے چاروں طرف گھوم پھر کر زمین پر جگہ جگہ پاؤں زور زور سے مارے۔ ایک جگہ اسے زمین کے اندر سے آواز کی ہلکی سی گونج سنائی دی۔

ناگ نے امجد کی طرف دیکھ کر زمین کی طرف اشارہ کیا اور کہا:

"اس کے نیچے ضرور کوئی سرنگ ہے۔ مجھے اب یقین ہو گیا ہے کہ چبوترے کے نیچے سرنگ بنائی گئی تھی۔ یا شہزادہ جہانگیر نے اہل دربار سے مل کر چبوترہ اس جگہ بنوانے کی سازش کی تھی کہ جس کے نیچے سرنگ تھی۔ جب انارکلی کو دیوار میں چن کر اوپر چھت ڈال دی گئی تو جہانگیر شہزادے کے آدمیوں نے جو پہلے سے سرنگ میں موجود تھے چبوترے کے فرش کو نیچے سے کھول کر انارکلی کو سرنگ میں اتار کر فرش کو دوبارہ بند کیا اور انارکلی کو زندہ سلامت لے کر فرار ہو گئے۔"

امجد نے کہا:

"اور اس کا ثبوت خالی چار دیواری ہے۔"

"بالکل" ناگ بولا:

"اب تم میرے ساتھ آؤ۔ میں اس خیال کی تصدیق کرنا چاہتا ہوں۔"

امجد اور ناگ گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ ناگ آگے آگے تھا اور امجد اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ ناگ گھوڑا دوڑائے چلا جا رہا تھا۔ آگے دریا آ گیا۔ دریا کے کنارے پر درختوں کا ایک گھنا جنگل تھا۔ ناگ نے گھوڑے سے اتر کر امجد کو ساتھ لیا اور درختوں کے گھنے جنگل میں سرنگ کا منہ تلاش کرنے لگا۔ ایک جگہ ٹیلا ملا جس پر جنگلی جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ یہاں ناگ کو گھوڑوں کے سموں کے نشان دکھائی دیئے۔ یہ بھاگتے ہوئے گھوڑوں کے سموں کے نشان تھے۔ ناگ نے امجد کو وہ نشان دکھاتے ہوئے کہا:

"یہ چار پانچ گھوڑوں کے سموں کے نشان ہیں۔ غار کا منہ اسی ٹیلے میں کسی جگہ پر ہے۔ انارکلی کو یہاں سے نکال کر گھوڑے پر سوار کرا کر بھگایا گیا تھا۔"

امجد نے کہا:

"ہمیں سرنگ کا منہ تلاش کرنا چاہیئے۔"

ناگ کہنے لگا:

"اس کی اب ضرورت نہیں۔ ہمیں گھوڑوں کے قدموں کے نشان کے ساتھ ساتھ چل کر انارکلی کو زندہ حالت میں دیکھ کر تسلی کرلی چاہیے کہ اسے فرار کروا دیا گیا تھا۔"

ناگ نے امجد کو ساتھ لیا اور گھوڑوں کے سموں کے نشان کے ساتھ ساتھ دریا کنارے مغرب کی طرف بڑھنے لگے گھوڑوں کے سموں کے نشان دریا میں اتر گئے۔ ناگ اور امجد نے بھی گھوڑے دریا میں ڈال دیئے۔ دریا پار کیا تو دیکھا کہ ریت پر گھوڑوں کے قدموں کے نشان پھر سے شروع ہو گئے تھے آگے جنگلی درختوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ آ گیا۔

ناگ نے کہا:

"یہاں گھوڑوں کو چھوڑ دیتے ہیں اور آگے پیدل چلتے ہیں۔"

گھوڑے وہیں چھوڑ کر ناگ اور امجد پیدل ہی درختوں کے گھنے ذخیرے میں چلنے لگے۔ چلتے چلتے جب انہیں کافی دیر ہو گئی اور وہ درختوں اور جھاڑیوں کے درمیان ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں آگے کوئی راستہ نہیں تھا تو ناگ نے امجد سے کہا:

"انارکلی کو یہیں کہیں چھپا دیا گیا ہے۔"

انھوں نے چھپی ہوئی کمین گاہ یا تہ خانے کی تلاش شروع کر دی۔ آخر ناگ کے کان میں کسی کے بات کرنے کی آواز آئی۔ ناگ نے ادھر دیکھا جدھر سے آواز آئی تھی اور امجد کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ جھاڑیاں قدم قدم پر راستہ روک رہی تھیں، لیکن چونکہ ناگ اور امجد غائب تھے اس لیے انھیں کسی قسم کی تکلیف محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ آواز ایک بار پھر آئی۔ کوئی کسی کو دروازہ کھولنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ ناگ اور امجد لپک کر اس جگہ پہنچ گئے۔ یہاں جھاڑیوں اور درختوں کے درمیان ایک اینٹ گارے سے بنی ہوئی ایک کوٹھڑی تھی جس کا دروازہ بند تھا۔ ایک آدمی جس کی کمر میں تلوار لٹکی ہوئی تھی اور سر پر عمامہ تھا اور لمبی قبا پہنے ہوئے تھا کوٹھڑی کے باہر کھڑا بے تابی سے ٹہل رہا تھا۔ اتنے میں دروازہ کھل گیا۔

جو آدمی باہر کھڑا تھا اندر داخل ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی ناگ اور امجد بھی کوٹھڑی میں چلے گئے۔ کوٹھڑی میں دیا جل رہا تھا جس کی روشنی میں ناگ اور امجد دونوں نے انارکلی کو دیکھا کہ چارپائی پر شہزادہ جہانگیر کے ساتھ بیٹھی تھی۔ دونوں بہت خوش تھے۔ آنے والے شخص نے ادب سے جھک کر دونوں کو سلام کیا اور شہزادے سے کہا:

"شہزادہ معظم! سب انتظام ہو گیا ہے۔ وفادار گھوڑ سواروں کا چاق و چوبند دستہ انارکلی کو یہاں سے لے جا کر جنوبی ہند میں محفوظ مقام تک لے جانے کے لیے تیار کھڑا ہے۔"

شہزادے جہانگیر نے آنے والے کا شکریہ ادا کیا اور انارکلی سے کہا:

"انارکلی! میرے وفادار سپاہی تمھیں جنوبی ہند کے ایک شہر میں حفاظت سے پہنچا دے گا۔ وہاں میرے باپ شہنشاہ اکبر کے ہاتھ تم تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ تم وہاں آزاد ہو گی۔ تمھارے جانے کے بعد میں بھی وہاں آ جاؤں گا۔"

انارکلی نے خوشی سے شہزادے کے ہاتھ چوم لیے۔ وہ دونوں اٹھے اور کوٹھڑی سے باہر نکل گئے۔

ناگ نے امجد سے کہا:

"تاریخ نے جھوٹ بولا تھا۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ انارکلی کو دیوار میں زندہ دفن ہونے سے بچا لیا گیا تھا۔ اب ہمیں اسے بچانے اور تاریخ کے واقعات کو درہم برہم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

امجد مسکرا رہا تھا۔ وہ خوش تھا کہ انار کلی کی جان بچ گئی تھی۔ ناگ نے کہا:

"کیا اب تم واپس جانے کے لیے تیار ہو؟"

امجد بولا:

"ہاں! اب میرا یہاں کوئی کام نہیں۔ میں واپس اپنے زمانے ۱۹۸۳ء میں جانا چاہتا ہوں۔ میری دوسری خواہش پوری ہو چکی ہے۔"

ناگ نے امجد کو اپنے ساتھ لیا اور کوٹھڑی سے باہر ایک جگہ پتھروں کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔

"اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے کر آنکھیں بند کر لو۔ اس بار بھی تم جب تک میں نہ کہوں اپنی آنکھیں مت کھولنا۔"

امجد نے اپنا ہاتھ ناگ کے ہاتھ میں دے دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ ناگ نے کہا:

"کیا تم جانے کے لیے تیار ہو؟"

"بالکل تیار ہوں۔"

ناگ نے کوئی جواب نہ دیا۔ امجد کو اپنے ارد گرد گہری خاموشی کا احساس ہوا۔ پھر اسے اپنے پاؤں تلے سے زمین نکلتی محسوس ہوئی۔ ایک بار پھر اس کا جسم گرم ہونے لگا۔

جیسے وہ دھوپ میں آگیا ہو۔ تھوڑی دیر بعد ٹھنڈی ہوا کا احساس ہوا اور اس کے پاؤں زمین پر لگ گئے۔ اسے ناگ کی آواز سنائی دی:

"امجد! آنکھیں کھول لو۔"

امجد نے آنکھیں کھولیں تو وہ اپنے گارڈن ٹاؤن والے مکان کے باہر ذرا فاصلے پر درختوں کے نیچے پتھر کے پل کے پاس کھڑا تھا۔ ارد گرد کوٹھیوں میں اسی طرح روشنی ہو رہی تھی۔

اس نے ناگ کی طرف دیکھ کر پوچھا:

"ہمیں کتنی دیر لگی ہے انکل ناگ؟"

ناگ بولا:

"شاید ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت لگا ہے۔"

امجد دنگ سا ہو کر رہ گیا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم تاریخ کے ایک پرانے دور میں پہنچے۔ ہم نے وہاں کم از کم دس بارہ گھنٹے بسر کیے اور جب واپس اپنی ۱۹۸۳ء کے لاہور کی دنیا میں آئے تو ایک سیکنڈ بھی نہیں گزرا تھا۔"

ناگ نے کہا:

"یہ خدا کی قدرت ہے اور تمہارے اسی زمانے کے

ایک سائنس دان آئن سٹائن نے خدا کی اس
قدرت کو نہ صرف تسلیم کیا ہے بلکہ ثابت بھی کر
دیا ہے۔"
اس کے بعد ناگ نے امجد سے کہا:
"اب مجھے اجازت دو۔ رات ہو رہی ہے۔ چاند
نکل آیا ہے۔ مجھے ایک اور فرض ادا کرنا ہے۔"
امجد نے کہا:
"انکل ناگ! مجھے آپ سے بڑی عقیدت ہو گئی
ہے۔ کیا کبھی پھر بھی آپ سے ملاقات ہو سکتی ہے؟"
ناگ نے کہا:
"میں، عنبر اور ماریا، ہمیشہ ایک زمانے میں نہیں
رہتے۔ آج اس زمانے میں ہیں تو ہو سکتا ہے وقت
کے سمندر کی کوئی لہر ہمیں یہاں سے اٹھا کر پانچ
سو برس آگے یا پیچھے کے زمانے میں پھینک دے
جس طرح کہ عنبر اس وقت ہو سکتا ہے اب سے
سات سو برس آگے کے زمانے میں ہو۔ ہمارا سفر
اسی طرح جاری رہتا ہے۔ ہم تینوں ساتھی تاریخ
کے سنسنی خیز واقعات میں سے گزرتے ہوئے پانچ
ہزار برس کے واپسی کے سفر پر رواں دواں ہیں۔

تم مجھے کہاں مل سکو گے۔ خدا جانے کل میں
تمہارے ۱۹۸۲ء کے لاہور میں ہوں گا یا چار
ہزار برس پہلے کے کسی فرعون کے دربار میں
ہوں گا۔"
مگر امجد ضد کرنے لگا کہ اسے ناگ کوئی ایسی نشانی دے
جائے کہ جس کی مدد سے وہ ناگ کو کسی وقت دوبارہ بھی
مل سکے۔ یا کم از کم اسے دیکھ ہی سکے کہ وہ کس زمانے
میں ہے اور کیا کر رہا ہے۔
ناگ نے مسکرا کر کہا:
"تم بہت ضدی ہو اور تم سے مجھے اپنے بچے کی
طرح پیار بھی ہو گیا ہے۔ تمہیں مجھ سے جو عقیدت اور
پیار ہے اس کو دیکھتے ہوئے میں تمہاری اس خواہش
کو بھی پورا کرتا ہوں۔"
امجد بڑا خوش ہوا۔ ناگ نے پتلون کی جیب سے سبز رنگ
کا گول سا ایک مہرہ نکال کر امجد کو دیا جو ایک منکے کی شکل
کا تھا۔ اس نے امجد سے کہا:
"اس منکے کو اپنے گلے میں ڈالے رکھو۔ نہ صرف یہ
کہ دنیا کے زہریلے سے زہریلے سانپ کے زہر کا
تم پر اثر نہیں ہو گا بلکہ سانپ تمہارے غلام بن

"جائیں گے اور جس کسی کو سانپ کاٹ لے اس کو
یہ مہرہ تندرست کر دے گا۔ جب مجھ سے ملنا چاہو
اسے پتھر پر ذرا سا رگڑ دینا۔ مگر یاد رکھنا! اسے صرف
اشد ضرورت کے وقت پتھر پر گھسنا۔"

امجد نے مہرہ لے کر ناگ کا شکریہ ادا کیا اور کہا:

"ان شاء اللہ میں ایسا ہی کروں گا۔"

ناگ بولا:

"اب تم اپنے گھر جاؤ۔ تمہاری بہن بالکل اچھی ہو
جائے گی اچھا دوست! پھر کسی اور زمانے میں
ملاقات ہو گی۔"

اتنا کہہ کر ناگ نے ایک گہرا سانس لیا اور غائب ہو گیا
اور ایک ننھی سی چڑیا کی شکل میں امجد کے سر کے اوپر دو
تین بار پھڑپھڑاتے ہوئے چکر لگا کر دریائے راوی کی طرف
روانہ ہو گیا۔ امجد حیران کھڑا تھا کہ کوٹھی کی طرف سے اس کے
باپ کی آواز آئی:

"امجد! حکیم صاحب سے کہو کھانا تیار ہے آ کر
تناول فرما لیں۔"

امجد نے اپنے والد کے پاس جا کر کہا:

"ڈیڈی حکیم صاحب جا چکے ہیں۔"

"ارے! انہیں کھانے کے لیے تو روکنا تھا۔"

امجد نے جواب دیا:

"وہ نہیں رکے۔ کہنے لگے مجھے ضروری کام ہے۔"

"اور یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟" اس کے ڈیڈی نے پوچھا۔

امجد نے کہا:

"مہرہ ہے ڈیڈی! حکیم صاحب نے دیا ہے۔ کہتے تھے
اسے گلے میں ڈال لینا۔ نہیں کسی کی بری نظر نہیں
لگے گی اور اس کے اثر سے تمہاری بہن کی صحت
بھی اچھی ہو جائے گی۔"

"بھئی حکیم صاحب تو کوئی نیک روح تھے۔ آؤ بیٹا تم
کھانا کھا لو۔ تمہاری والدہ اور بہنیں انتظار کر رہی ہیں۔"

اور امجد ناگ کے مہرے کو جیب میں ڈال کر کوٹھی میں داخل ہو گیا۔

○

پھانسی کے سات پھندے

ناگ وہاں سے سیدھا مقبرہ جہانگیر راوی کے پار آ گیا۔ دریا کے دوسرے کنارے پر چودھویں کے چاند کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ دریا کی سطح چاندنی میں چمک رہی تھی۔ وہ وقت تھا جس کے لیے بزرگ القادری نے ناگ سے کہا تھا کہ وہ دریائے راوی کے دوسرے کنارے پر شمال کی جانب جو باغ ہے وہاں دریا کی طرف منہ کر کے بیٹھ جانے اور پانچ بار مسلمان بزرگ یاقوت یمانی کا دل میں نام دہرائے اور انہوں نے سختی سے خبردار کیا تھا کہ سانپ کا خیال دل سے نکال دے اور کسی سانپ سے بات کرنے کی بھی کوشش نہ کرے۔

دریا کے دوسرے کنارے پر آ کر ناگ نے دیکھا کہ شمال کی جانب آموں کا ایک گھنا باغ ہے۔ باغ میں دریا کے رخ پر ایک پرانی بارہ دری ہے۔ ناگ نے انسانی شکل اختیار کی اور بارہ دری میں دریا کی طرف منہ کر کے

فرش پر بیٹھ گیا۔ رات چاندنی تھی۔ ارد گرد خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کسی پرندے تک کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ ناگ نے اپنے ذہن سے سانپوں کا خیال تک نکال دیا۔ چاندنی رات میں دریا کے ذخیرے کی جانب سے اسے سانپ کی سیٹی کی آواز آئی۔ ناگ نے سخت غصے کے ساتھ اسے حکم دیا کہ ذخیرے سے نکل کر دفع ہو جائے۔ جدھر سے سانپ کی سیٹی کی آواز آ رہی تھی ادھر ایک پھڑپھڑاہٹ سی ہوئی اور ایک لمبا کالا سانپ تیزی سے جھاڑیوں میں سے نکل کر دریا میں چھلانگ لگا کر دوسرے کنارے کی طرف بھاگ گیا۔

ناگ نے اس سانپ کا خیال بھی دل سے نکال دیا۔ یہاں تک کہ وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہ خود بھی ایک سانپ ہے۔ جب اس کا دل اور دماغ بالکل صاف ہو گئے تو اس نے سب سے پہلے خدا کا نام لیا۔ خدا سے دعا کی کہ اے اللہ! میں تیری اجازت اور تیرے حکم سے تیرے ایک نیک بندے کی روح سے ملنے والا ہوں، تاکہ جس لڑکی سے اسے تکلیف پہنچی ہے یہ روح اس لڑکی کی روح کو معاف کر دے۔ اے میرے خدا! میری حفاظت کرنا اور مجھے اور عذاب میں گرفتار روح کو بخش دینا۔

اس کے بعد ناگ نے پانچ بار دل میں یاقوت یمانی کو

یاد کیا اور پھر خدا کی عبادت کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں اسے
ایسی آواز سنائی دی جیسے پانی میں کوئی لہروں کو اِدھر اُدھر
ہٹاتا چلا آ رہا ہو۔ ناگ نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ اس کے
کانوں میں آواز آئی:

"آنکھیں کھول دو بیٹا۔"

ناگ نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ سامنے ایک نورانی
شکل والے بزرگ کھڑے ہیں۔ سفید لباس ہے۔ سفید ڈاڑھی
ہے اور چہرے سے نور برس رہا ہے۔ ان کے جسم کے گرد
روشنی اور نور کا ایک ہالہ سا بنا ہوا ہے۔

ناگ نے ادب سے کہا:

"اے بزرگ روح! میں نے آپ کو زحمت دی۔
مجھے معاف کر دینا۔ کیا آپ کا اسم شریف یاقوت
یمانی ہے؟"

بزرگ نے کہا:

"ہاں بیٹا! میں ہی یاقوت یمانی کی روح ہوں اور
تم جس مقصد کو دل میں لے کر یہاں آئے ہو میں
اس کو بھی جانتا ہوں۔"

ناگ نے کہا:

"اگر آپ پر میرے دل کا حال کھلا ہے تو پھر اس

امریکی لڑکی کو معاف کر دیجئے جس نے آج سے
چھ سو برس پہلے آپ کو نادانی سے زہر دے دیا
تھا اور جو اس وقت سخت عذاب میں پھنسی
ہوئی ہے۔"

بزرگ یاقوت یمانی کی روح نے کہا:

"میں نے تو اسے اسی روز معاف کر دیا تھا بیٹا۔ وہ
لڑکی تو اپنے اعمال کی پکڑ میں ہے۔ اسے صرف
اللہ تعالیٰ کی ذات عظیم ہی معاف کر سکتی ہے۔"

ناگ نے کہا:

"اے بزرگ روح! آپ خدا کے نیک بندے ہیں
آپ اللہ تعالےٰ کے حضور اس لڑکی کی معافی کی
دعا فرمائیے۔"

یاقوت یمانی کی روح نے ہاتھ اٹھا کر کہا:

"میں اللہ تعالےٰ کے دربارِ رحمت میں اس لڑکی
کی روح کے حق میں دُعا کرتا ہوں کہ خداوند کریم
اس کے گناہ معاف کر دے۔"

"آمین! ثم آمین!" ناگ نے کہا۔

اس کے ساتھ ہی بزرگ یاقوت یمانی کی روح دریا
کی طرف واپس جا کر غائب ہو گئی۔ ناگ نے ایک بار پھر

خدا کے حضور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور اللہ کریم سے
امریکی لڑکی کی روح کے لیے بخشش کی دعا مانگی۔ پھر وہ
بارہ دری سے اٹھا اور دریا کنارے چلتا ہوا ریلوے پل
کی طرف آ گیا۔ ابھی وہ پل سے دُور تھا کہ ٹاہلی اور کھجور
کے درختوں کے نیچے ناگ نے ایک فقیر کو دیکھا جو یہ کہتا
ہوا اس کے قریب سے گزر گیا:

"مبارک ہو ناگ! خدا نے تیری دُعا قبول کر لی"

ناگ فقیر سے کچھ پوچھنے ہی والا تھا کہ فقیر درختوں میں
غائب ہو گیا۔ چاندنی رات سنسان اور خاموش تھی۔ دریا کی
لہریں سکون سے بہہ رہی تھیں۔ دُور راوی کے نئے پُل
پر سے کبھی کبھی کسی ٹرک کے گزرنے کی مدھم سی آواز آ
جاتی تھی۔ ناگ یہ سوچ کر مقبرہ جہانگیر کی طرف چلا کہ
رات کا باقی حصہ مقبرے میں بیٹھ کر گزار دے گا اور صبح
شہر میں ماریا اور عنبر کو تلاش کرے گا۔

مقبرہ جہانگیر کے مینار چاندنی رات میں چمک رہے تھے
مقبرے کی ڈیوڑھی میں اندھیرا اور سناٹا تھا۔ ناگ ڈیوڑھی میں
سے گزر رہا تھا کہ اسے کسی عورت کی آواز سنائی دی۔
آواز اسے اس کا نام لے کر بلا رہی تھی۔ ناگ کو یہ آواز
مانوس لگی۔ اس نے ڈیوڑھی میں بنے ہوئے حجرے کی طرف

دیکھا۔ آواز ادھر ہی سے آئی تھی۔ حجرے کے باہر چھوٹی
اینٹوں کے بنے ہوئے چبوترے پر روشنی ہوئی اور ایک سنہری
بالوں والی خوب صورت لڑکی کی روح مسکراتی ہوئی اُڑ کر
نیچے ناگ کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ ناگ نے اسے
فوراً پہچان لیا۔ وہ عذاب میں گرفتار امریکی لڑکی کی روح
تھی۔ مگر اس کی گردن میں پھانسی کا پھندا نہیں تھا۔ وہ بڑی
خوش تھی اور مسکرا رہی تھی۔

"ناگ: تمہارا شکریہ ادا کرنے کے لیے میرے پاس
الفاظ نہیں ہیں۔ تم نے اللہ کریم کے حضور دعا کی
بزرگ یاقوت یمانی نے دعا فرمائی اور خداوند کریم
نے میرے گناہ معاف کر دیئے اور مجھے جنّت
میں داخل کر دیا۔ میں جنت سے تمہارا شکریہ ادا
کرنے آئی ہوں"

ناگ نے کہا:

"عزیز بہن! مجھے خوشی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے
تمہیں بخش دیا اور جنت میں داخل کر دیا۔ میں
بھی یہی چاہتا ہوں اور سب سے پہلے اللہ تعالےٰ
کا شکر ادا کرتا ہوں اور پھر بزرگ یاقوت یمانی
کا شکریہ ادا کرتا ہوں"

امریکی لڑکی کی روح چبوترے سے نیچے اتر کر ناگ کے پاس آ گئی اور دونوں مقبرے کے باغ میں چلنے لگے۔ پلاٹوں میں گلاب اور گیندے کے پھولوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ اچانک امریکی لڑکی کی روح رکی اور ناگ کی طرف دیکھ کر مسکرا کر بولی:

"ناگ بھائی! اب میں جاتی ہوں۔ مجھے اوپر سے بلاوا آ گیا ہے۔ میں اس سے زیادہ دیر دنیا میں نہیں ٹھہر سکتی۔ جنت کی عطر میں بسی ہوئی ہوائیں مجھے بلا رہی ہیں۔ خدا حافظ!"

یہ کہہ کر روح غائب ہو گئی۔

ناگ نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے امریکی لڑکی کی روح سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو گیا اور خدا نے اسے سرخرو کر دیا۔ وہ مقبرے میں آ کر جہانگیر کی قبر کے قریب دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور ماریا اور عنبر کے بارے میں سوچنے لگا کہ وہ کہاں ہوں گے اور ان سے اب کس مقام پر اور کب ملاقات ہو گی۔

ادھر ماریا کی بھی سنیں کہ وہ مجھ سے جدا ہو کر کہاں گئی۔ غریب عورت کے بچے کو دو منزلہ بس کا کھلونا دینے کے بعد ماریا کچھ دیر لاہور کی سڑکوں پر سیر کرتی رہی۔ دوپہر

کے بعد جب دھوپ ڈھلنے لگی تو ماریا شاہی قلعے کی طرف نکل آئی۔ وہ پرانے قلعے کی سیر کر کے پرانی یادوں کو تازہ کرنا چاہتی تھی۔ قلعے میں داخل ہونے کی ٹکٹ تھی مگر ماریا تو کسی کو دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اسے ٹکٹ خریدنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ قلعے کے دروازے میں سے گزر کر دیوان عام کی طرف آ گئی۔ یہاں مغلیہ بادشاہوں کے وقتوں کے گرم حمام بنے تھے جن کی حالت اب بہت خستہ ہو رہی تھی۔

ماریا نے ایک آدمی کو دیکھا جو اپنے ساتھ سات آٹھ سال کی لڑکی کو لیے وہاں سیر کر رہا تھا۔ لڑکی بار بار رونے لگتی تھی اور وہ آدمی کبھی تو اسے پیار سے چپ کراتا اور کبھی اسے مارنے لگتا تھا۔ ماریا کو اس پر شک گزرا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ کوئی باپ اپنی بچی کو اس طرح طمانچے نہیں مارا کرتا۔ وہ آدمی خود بھی گھبرایا ہوا تھا اور آگے پیچھے دیکھ رہا تھا۔ لڑکی کے کانوں میں سونے کی بالیاں تھیں۔ ماریا اس لڑکی کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ اس آدمی نے ایک جگہ تنہائی دیکھ کر لڑکی کے کانوں سے سونے کی بالیاں اتارنے کی کوشش کی۔ لڑکی نے رونا شروع کر دیا۔ اس آدمی نے لڑکی کے منہ پر زور سے تھپڑ مار کر کہا:

"حرام زادی! اب روئی تو تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔
تمہیں خونخواروں کے پاس بیچ دوں گا۔"

لڑکی امی ابو کہہ کر روئے جا رہی تھی۔ اس آدمی نے لڑکی کو نیچے گرا لیا اور اس کا گلا دبانے لگا۔ لڑکی کے منہ سے غرغراہٹ کی آوازیں نکلنے لگیں۔ ماریا سے اب برداشت نہ ہو سکا۔ وہ غصے سے کانپنے لگی۔ اس نے آدمی کو گردن سے دبوچ کر اوپر اٹھایا۔ پھر زور سے سامنے والی دیوار کے ساتھ دے مارا۔ وہ آدمی دیوار سے ٹکرا کر نیچے گر پڑا۔ خوف اور درد کے مارے اس کا رنگ اُڑ گیا۔ کیوں کہ وہ اپنے سامنے کسی کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ پھر اسے اٹھا کر دیوار کے ساتھ کس نے پٹخا تھا۔ لڑکی بے چاری نیم بے ہوش سی ہو رہی تھی۔ ماریا نے ظالم آدمی کو ایک بار پھر گردن سے پکڑ کر جھنجھوڑنا شروع کر دیا۔

ساتھ ہی ماریا نے گرج دار آواز میں کہا:

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ تم ایک معصوم بچی کو قتل کرنے والے تھے۔ تمہاری سزا موت ہے۔"

اور ماریا اس آدمی کو گھسیٹتی ہوئی خستہ حال حماموں کے کھنڈر سے باہر لے آئی اور قلعے کی دیوار پر لے جا کر کہا:

"نیچے کھائی میں تیری موت تیرا انتظار کر رہی ہے

جاؤ۔ اس کے گلے لگ جاؤ؟"

اور ماریا نے اس ظالم قاتل کو دھکا دے دیا۔

ماریا نے واپس آ کر دیکھا۔ معصوم لڑکی کا سانس ابھی تک ٹھیک سے نہیں چل رہا تھا۔ اس سنگ دل نے بڑی سختی سے اس کا گلا دبایا تھا۔ اگر وہاں ماریا نہ ہوتی تو وہ اسے گلا دبا کر ہلاک کر چکا تھا۔ ماریا نے قریب سے پانی چلّو میں لا کر لڑکی کے منہ پر چھینٹے مارے۔ اتنے میں باہر سے ایک عورت اور مرد لڑکی کو تلاش کرتے آوازیں دیتے وہاں آ گئے۔

"لبنیٰ! لبنیٰ بیٹی تم کہاں ہو؟"

بے چاری عورت اس کی ماں تھی۔ رو رو کر اس کا بُرا حال ہو رہا تھا۔ آدمی جو اس لڑکی کا باپ بھی خود بہت پریشان تھا۔ ماریا نے لڑکی کے منہ پر چھینٹا مارا تو اسے ہوش آ گیا۔

اس نے اپنی امی کی آواز سنی تو زور سے روتے ہوئے کہا:

"امی! امی!"

بے چارے ماں باپ بھاگ کر وہاں آئے اور بچی کو گلے لگا لیا۔ ماریا وہاں سے ہٹ گئی اور دیوانِ خاص کے برآمدے سے گزر کر نیچے قلعے کے گیٹ پر آ گئی۔ گمبٹ سے

نکل تو سوچا چاندنی رات ہے چل کر مقبرہ جہانگیر میں ناگ کو تلاش کیا جائے۔ وہ یادگار پاکستان کے ساتھ والی سڑک پر سے ہو کر راوی روڈ پر آ گئی۔ رات کا وقت تھا۔ سڑک پر زیادہ ٹریفک نہیں تھی۔ ماریا سڑک پر آتے جاتے لوگوں میں ناگ کی شکل کو تلاش کرتی راوی کے پل پر آ گئی۔ کچھ دیر وہ پل پر کھڑی چاندنی رات میں دریا کا نظارہ کرتی رہی۔ پل پر ٹریفک بہت کم رہ گئی تھی کیوں کہ رات زیادہ ہو گئی تھی۔

ماریا مقبرہ جہانگیر کو جانے والی سڑک پر چل پڑی۔ یہ سڑک تو رات زیادہ گذر جانے سے بالکل ہی سنسان تھی جھاڑیوں میں جھینگر بول رہے تھے۔ اسے اپنے پیچھے کار کی آواز اور پھر روشنی دکھائی دی۔ ماریا کو سڑک کے ایک طرف ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیوں کہ وہ تو غائب تھی۔ کار اس کے قریب سے گذری تو اس میں سے کسی مرد کے اونچا بولنے کی آواز سنائی دی۔ کار مقبرے کی ڈیوڑھی کے پاس رک گئی۔ ماریا نے سوچا کہ کچھ لوگ چاندنی رات میں سیر کرنے آئے ہوں گے جب وہ ڈیوڑھی میں سے گذرنے لگی تو کیا دیکھتی ہے کہ تین ہٹے کٹے غنڈہ قسم کے آدمی ایک سیاہ برقعے والی عورت کو کھینچ کھینچ کر کار سے باہر نکال

رہے ہیں۔ عورت کے برقعے کا اوپر والا حصہ موٹر کار میں ہی رہ گیا۔ تینوں آدمی اسے کھینچ کر مقبرے کی ڈیوڑھی میں سے گھسیٹ کر آگے لے گئے۔ ماریا نے دیکھا عورت خوبصورت تھی اور پڑھی لکھی لگ رہی تھی۔ خدا جانے وہ لوگ اس عورت کے ساتھ کیا سلوک کرنے والے تھے۔ ماریا آگے بڑھ کر ان لوگوں کے پاس آ گئی۔ انہوں نے عورت کو مقبرے کے باہر چبوترے پر بٹھا دیا۔ دو آدمیوں نے چاقو نکال لیے اور ایک آدمی نے جیب سے کاغذ اور قلم نکال کر عورت سے کہا:

"اگر تم مرنا نہیں چاہتی ہو تو جائیداد کے اس کاغذ پر دستخط کر دو۔"

عورت نے کہا:

"زمین کا یہ ٹکڑا میرے بچوں کی زندگی کا سہارا ہے میں وہ ان سے چھین کر نہیں دے سکتی۔"

"تو پھر مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

اچانک ماریا کو ناگ کی خوشبو محسوس ہوئی۔ یہ خوشبو مقبرے کے اندر سے آ رہی تھی۔ ان لوگوں کو آپس میں جھگڑتے چھوڑ کر ماریا مقبرے کی گول دیوار کے دروازے میں آ گئی۔ ادھر ناگ نے بھی ماریا کی خوشبو کو سونگھ لیا تھا۔ وہ اپنی جگہ

سے اٹھا اور دروازے کی طرف آیا۔ ماریا کی خوشبو تیز تھی۔
ماریا نے جب اپنے سامنے ناگ کو دیکھا تو بھاگ کر اس
سے لپٹ گئی۔ یہ ایک عجیب بات تھی کہ جب بھی ماریا
اپنے بھائیوں یعنی عنبر اور ناگ سے ملتی تھی تو وہ اس
کے جسم کو اپنے جسم کے ساتھ لگتا اور اس کے ہاتھوں کو
اپنے ہاتھوں میں محسوس کیا کرتے تھے۔

"ماریا! تم کس ملک میں اور تاریخ کے کس زمانے
میں تھیں۔ خدا کا شکر ہے تم آ گئیں۔ عنبر کا
کچھ پتہ ہے؟"

ماریا نے کہا:

"میں نہیں جانتی کہ وہ کہاں ہے۔ میں خود تمہاری
اور اس کی تلاش میں تھی۔ مگر یہ باتیں بعد میں کریں
گے۔ پہلے ادھر آؤ۔ ایک بے بس عورت کی زندگی
اور موت کا معاملہ ہے۔"

ماریا نے ناگ کو ساتھ لیا اور مقبرے کے چبوترے پر
آ گئی۔

اس وقت تینوں غنڈوں نے عورت کے ہاتھ اس کے پیچھے
باندھ کر اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس رکھا تھا اور آخری بار
اسے دھمکی دے رہے تھے کہ اگر اس نے جائداد کے کاغذ پر دستخط نہ کیے تو

اس کی گردن چاقو سے ذبح کر دی جائے گی۔ اب جو انہوں نے
اچانک اندھیرے میں سے ایک آدمی کو نکل کر اپنی طرف آتے
دیکھا تو چونک پڑے۔ یہ ناگ تھا اور ماریا بھی اس کے ساتھ
تھی مگر وہ ماریا کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔

ناگ نے کہا:

"اس عورت کو چھوڑ دو۔ اس پر کیوں ظلم کر رہے ہو؟"

وہ لوگ حیرانی سے ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ وہ عورت کو
قتل کرنے والے تھے اور اس قتل کا ایک عینی گواہ ان کے
سامنے تھا۔

ایک غنڈے نے غصے میں کہا:

"میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو سلیمان ——— پہلے اس کو
ٹھکانے لگا دو۔"

تینوں میں سے ایک غنڈہ ناگ کی طرف چاقو لے کر بڑھا
ناگ ذرا پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے صرف اتنا کہا کہ چاقو جیب
میں رکھ لو۔ تم مجھے ہلاک نہ کر سکو گے۔ اس آدمی نے
ناگ پر چاقو سے حملہ کر دیا۔ اگر ناگ اچھل کر پرے نہ ہٹ
جاتا تو چاقو اس کے پیٹ میں گھس گیا تھا۔

ناگ نے چلا کر کہا:

"ماریا۔ تم خاموش کھڑی تماشہ کس لیے دیکھ رہی ہو۔

اسے میں پکڑوں یا تم خبر لوگی؟"
ماریا نے کوئی جواب نہ دیا۔ تینوں غنڈے حیران ہوئے کہ
اجنبی نوجوان کس سے باتیں کر رہا ہے۔ اس پر اب دوسرے
آدمی نے بھی حملہ کر دیا۔ ماریا نے ایک آدمی کو گردن سے پکڑ کر
نیچے گرا لیا۔
ناگ نے کہا:
"شاباش ماریا! اس کو میں سنبھال لوں گا۔ یہ میرا شکار
ہے۔ یہ مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔ میں اسے زندہ نہیں
چھوڑوں گا۔"
غنڈے نے چلا کر کہا:
"تم ہوا میں باتیں کر کے مجھے نہیں ڈرا سکتے۔ تمہاری
موت میرے ہاتھوں ہی لکھی ہوئی ہے۔"
ناگ نے چاقو کے وار کو بچاتے ہوئے کہا:
"میرا تو خیال ہے کہ تمہاری موت میرے ہاتھوں
لکھی ہوئی ہے۔"
اس کے ساتھ ہی ناگ غائب ہو گیا۔ اب غنڈہ گھبرا گیا۔
چاقو اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ چاندنی رات میں ادھر ادھر
دیکھ رہا تھا۔ اس کا دوسرا ساتھی ماریا کا ایک مکا گردن پر کھا کر
گردن تڑوا کر مر چکا تھا اور گھاس پر اوندھے منہ پڑا تھا۔ تیسرے

غنڈے نے برقعہ پوش عورت کو قابو میں کیا ہوا تھا۔ وہ وہیں
سے بولا:
"یہاں جن آ گیا ہے کوئی۔ خدا کے لیے بھاگ چلو۔"
"تو پھر عورت کو ٹھکانے لگا دو۔"
تیسرا آدمی چاقو کھول کر برقعہ پوش عورت کو مارنے ہی
والا تھا کہ اسے ایک زبردست پھنکار کی آواز آئی۔ اس نے
پیچھے گھوم کر دیکھا۔ اتنے عرصے میں ناگ اسے ڈس چکا تھا
اور یہ زہر ایسا تھا کہ اس نے غنڈے کو ایک انگلی تک اٹھانے
کی اجازت نہ دی۔ ناگ نے جان بوجھ کر اس کے جسم میں
...انی مہلک زہر داخل کیا تھا۔ وہ گرنے سے پہلے ہی مر
چکا تھا۔ دوسرا غنڈہ چاقو پھینک کر بھاگا۔ مگر ناگ نے تھوڑی
دور جا کر درختوں میں اسے بھی لے لیا اور اس کی گردن پر ڈس
لیا۔ وہ غنڈہ آدھی چیخ مار سکا اور مر گیا۔ ان دونوں کے
جسم ناگ کے زہر سے سیاہ پڑ گئے اور پانی بن کر بہنے لگے۔
برقعے والی عورت ڈر کے مارے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ وہ
ایک طرف کو بھاگی مگر چونکہ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے
اس لیے زیادہ دور تک نہ دوڑ سکی اور گر پڑی۔ ناگ انسانی
شکل میں آ کر اس کے پاس گیا۔ وہ عورت خوف زدہ تھی۔
اسے یقین تھا کہ یہ شخص کوئی جن بھوت ہے جو ایک دم

سے غائب بھی ہو گیا تھا۔ لیکن وہ اس کی شکر گذار بھی تھی کہ اس نے اس کی جان بچائی تھی۔ ماریا کا تو اس عورت کو علم ہی نہیں تھا۔ ناگ نے عورت کے پیچھے بندھے ہوئے ہاتھ کھولتے ہوئے کہا:

"مجھ سے ڈرو نہیں بہن - میں کوئی جن بھوت نہیں بلکہ تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں۔"

عورت نے کہا:

"مگر تم غائب ہو گئے تھے؟"

ناگ بولا:

"غائب کہاں ہوا تھا۔ کہیں سے ایک سانپ نکل آیا تھا۔ میں اس سانپ کو دیکھ کر بھاگ گیا تھا۔ اس سانپ نے تمہارے دشمنوں کو ہلاک کر دیا۔ یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور یہ لوگ تمہیں قتل کیوں کرنا چاہتے تھے؟"

عورت نے کہا:

"ان میں سے ایک میرا رشتے دار تھا اور دو غنڈے تھے۔ یہ لوگ کاغذ پر زبردستی میرے دستخط کروا کر میرے بچوں کی زمین چھین لینا چاہتے تھے۔"

"یہ لوگ تمہیں کہاں سے لائے تھے؟"

عورت نے ناگ کو بتایا کہ وہ راجن پور کے ایک زمیندار کی بیٹی ہے اور بیوہ ہے۔ اس کا خاوند مر چکا ہے۔ اس کا باپ بوڑھا ہے۔ ایک مربع زمین اس نے اپنے بچوں کے نام کر رکھی ہے۔ اس کا رشتے دار چاہتا تھا کہ میں یہ زمین اسے دے دوں۔ دوپہر کو وہ اپنے غنڈوں کی مدد سے مجھے گھر سے اغوا کر کے لاہور لے آیا۔ دن بھر وہ اسے جگہ جگہ لیے پھرتے رہے۔ شاید وہ رات ہو جانے کا انتظار کر رہے تھے۔ پھر یہاں لے آئے اور مجھ سے کہا کہ اگر میں نے جائیداد کے کاغذ پر دستخط نہ کیے تو مجھے قتل کر دیا جائے گا۔

"اس کے بعد جو کچھ ہوا تم نے خود دیکھ لیا ہے۔"

ماریا بھی اس عورت کی باتیں سن رہی تھی۔

ناگ نے کہا:

"اب تم کیا چاہتی ہو؟"

عورت کہنے لگی:

"خدا کے لیے مجھے میرے گھر میرے باپ کے پاس پہنچا دو۔"

وہ رونے لگی۔

ناگ نے اسے تسلی دی اور کہا:

"گھبراؤ نہیں بہن! میں خود تمہارے باپ کے پاس چھوڑ کر آؤں گا۔ کیا اس وقت تمہارے گاؤں کو کوئی بس وغیرہ جاتی ہے؟"

عورت بولی:

"باہر وہ کار کھڑی ہے جس پر یہ لوگ مجھے یہاں لائے تھے۔"

ناگ اس عورت کو ساتھ لے کر مقبرے کی ڈیوڑھی سے ہو کر باہر آ گیا۔ اسے ماریا کی برابر خوشبو آ رہی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ ماریا اس کے ساتھ ساتھ چل رہی ہے۔ وہ ماریا سے اس لیے بات نہیں کر رہا تھا کہ کہیں عورت ڈر نہ جائے۔ ماریا بھی یہی سوچ کر خاموش تھی۔ وہ کار میں سوار ہو گئے۔ ناگ نے کار سٹارٹ کی اور مقبرہ جہانگیر کی پچھلی سڑک سے گذر کر راوی کے پل پر آ گیا۔

اس نے عورت سے کہا:

"بہن! اب اپنے گاؤں کا راستہ تم بتاتی جانا۔"

عورت نے کہا:

"یہاں سے بند روڈ پر ہو چلو اور پھر ایک بڑی سڑک آئے گی۔ وہ سیدھی ہمارے گاؤں کو جاتی ہے۔"

"کتنی دور ہو گا تمہارا گاؤں؟"

"ایک گھنٹے میں پہنچ جاؤں گے۔"

ناگ نے ماریا کی خوشبو ایک بار پھر محسوس کی۔ ماریا اس کے ساتھ ہی کار میں بیٹھی تھی۔ کار بند روڈ پر سے گذر کر ایک بڑی سڑک پر آ گئی جس کی دونوں جانب شیشم کے درخت چاندنی رات میں خاموش کھڑے تھے۔ کار بڑی تیز رفتاری کے ساتھ راجن پور گاؤں کی طرف جا رہی تھی۔ آدھی رات کا وقت تھا۔ سڑک دور دور تک سنسان تھی۔

کار آدھا سفر طے کر چکی تھی کہ ناگ نے کار کی روشنیوں میں دور سڑک کے کنارے ایک ویگن کھڑی دیکھی۔ مسافروں کو درختوں کے نیچے ایک قطار میں کھڑا کر دیا گیا تھا۔ اچانک ناگ نے بریک لگا دی۔ اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی عورت نے کہا:

"کیا بات ہو گئی؟"

ناگ نے اشارے سے سڑک دکھائی۔ وہاں ایک درخت گرا ہوا تھا۔ کار کے رکتے ہی دو آدمی بندوقیں لیے آ گئے اور ناگ سے کہا:

"خاموشی سے باہر نکل کر سامنے والی قطار میں کھڑے ہو جاؤ۔ کوئی ذرا سی بھی حرکت کی تو دونوں لاشیں سڑک پر تڑپ رہی ہوں گی۔"

عورت رونے لگی:

"خدا کے لیے ہمیں معاف کر دو بھائی ـــــ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ ہمیں جانے دو۔"

ایک آدمی نے بندوق عورت کی گردن سے لگا دی اور کہا:

"تمہارے پاس کچھ نہیں ہے، ٹھیک ہے۔ مگر تم تو ہو۔"

اس کا ساتھی قہقہہ مار کر ہنس دیا اور بندوق کا دستہ ناگ کے شانے پر مار کر بولا:

"چلو تم بھی اس قطار میں۔"

قطار میں ویگن کے مسافر کھڑے تھے اور ڈاکو ان کی قیمتی چیزیں بٹوؤں اور جیبوں سے نکال رہے تھے۔ انہوں نے ان کا سامان بھی ویگن سے اتار کر اپنی کالے رنگ کی ویگن میں لاد لیا تھا۔ دو ڈاکو بندوقیں تانے مسافروں پر پہرہ دے رہے تھے۔ دو تلاشی لے رہے تھے اور دو ناگ اور عورت کو ہانک کر قطار کی طرف لا رہے تھے۔

ڈاکوؤں کے سردار کی بڑی بڑی خوفناک سیاہ مونچھیں تھیں۔ وہ مسافروں کو گالیاں دے رہا تھا اور انہیں ٹھڈوں سے مار بھی رہا تھا۔ عورتوں کو اس نے الگ کر کے بٹھا دیا تھا۔ ناگ کے ساتھ جو عورت تھی وہ خوبصورت تھی۔ ڈاکوؤں کے سردار نے اسے اپنی طرف کھینچ کر کہا:

"دوبئی میں اس کی بہت قیمت پڑے گی۔ اسے دس ہزار ریال میں فروخت کروں گا۔"

یہ ڈاکو بردہ فروش بھی تھے۔ لوگوں کا مال اسباب بھی لوٹتے اور عورتوں بچوں کو اغوا کر کے دوبئی اور دوسری عرب امارات میں لے جا کر غلام اور کنیزیں بنا کر فروخت کر دیتے تھے۔ نہ جانے یہ سنگدل ڈاکو کتنے گھروں کے چراغ بجھا چکے تھے۔ پولیس ان کے پیچھے لگی ہوئی تھی مگر یہ ہر بار مقابلے کے بعد فرار ہونے میں کامیاب ہو جاتے تھے۔ یہ کئی لوگوں کو قتل بھی کر چکے تھے۔ ویگن کی مسافر عورتیں سسکیاں بھر رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے خاوندوں اور بچوں کو قطار میں کھڑا کر دیا گیا تھا مگر وہ بے بس تھے اور اپنی عورتوں اور ماں بہنوں کی عزت نہیں بچا سکتے تھے۔ ڈاکو روتی ہوئی عورتوں کو تھپڑ مار مار کر انہیں گالیاں دے رہے تھے اور قہقہے لگا رہے تھے۔ ویگن کے ڈرائیور کو انہوں نے پہلے ہی ہلاک کر دیا تھا جس کی لاش سڑک کے کنارے پڑی تھی۔

ناگ کے ساتھ جو عورت آئی تھی اسے ڈاکوؤں کے سردار نے گھسیٹ کر ایک طرف کیا تو اس کی چیخ نکل گئی۔ ڈاکو نے اس کی کمر پر بندوق کا بٹ مار کر اسے پاؤں کی ٹھوکر سے گرا دیا۔ ناگ اس کی مدد کو آگے بڑھا تو ایک ڈاکو نے زور سے اس

کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔ ناگ یہ بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ سب کے سامنے اس کو تھپڑ مارا گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بجلیاں کوندنے لگیں۔ اس کے منہ سے ایک بھیانک پھنکار نکلی اور سب چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ ناگ نے اڑنے والا سانپ بن کر فضا میں غوطہ لگایا اور جس ڈاکو نے اسے تھپڑ مارا تھا اس کی گردن کو اپنے شکنجے میں لے کر اس کا گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا۔ دوسرے ڈاکو سانپ کو مارنے کے لیے آگے بڑھے۔

ناگ پھڑ پھڑا کر اڑ گیا۔

اب ماریا بھی میدان میں آ گئی۔

ڈاکوؤں کی کل تعداد سات تھی جن میں سے ایک کو ناگ ہلاک کر چکا تھا۔ ماریا کو ویگن کی چھت سے رسیوں کے ٹکڑے مل گئے تھے۔ وہ اس دوران میں ڈاکوؤں کے لیے پھانسی کے پھندے تیار کر رہی تھی۔ ناگ چاندنی رات میں اڑن سانپ کی شکل میں چکر لگا رہا تھا۔ ڈاکو اس پر گولیاں برسا کر اسے مارنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جب سانپ ماریا کے قریب سے گذرا تو ماریا نے کہا:

"ناگ! میں انہیں درختوں پر پھانسی لگاؤں گی تم ایک طرف ہٹ جاؤ۔"

ناگ شیشم کے ایک درخت میں چلا گیا۔ ڈاکو بندوقیں اٹھائے اسے تلاش کرنے لگے۔ اتنے میں ماریا نے ایک ڈاکو کی گردن میں رسی کا پھندا ڈال دیا۔ ڈاکو نے اپنی گردن کو پکڑ کر پیچھے گھوم کر دیکھا یہ رسی اس کی گردن میں کس نے ڈال دی ہے مگر پیچھے کوئی نہیں تھا۔ ماریا نے رسی کے پھندے کو زور سے کس دیا۔ ڈاکو نیم بے ہوش سا ہو کر نیچے گر پڑا۔ اسی طرح اس نے پانچ ڈاکوؤں کی گردنوں میں پھندے ڈال کر انہیں نیم بے ہوش کر دیا۔ اب سردار باقی رہ گیا تھا۔ یہ سارا کھیل مسافر دہشت اور حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

ماریا ڈاکوؤں کے سردار کی طرف بڑھی۔ وہ بندوق تانے کھڑا تھا اور اپنے ساتھیوں کو اٹھنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ ماریا نے پیچھے سے آ کر اس کی ٹانگوں پر اپنی ٹانگ کا وار کیا۔ سردار گر پڑا۔ اس کی بندوق اچھل کر پرے جا گری۔ ماریا نے بندوق اور پرے پھینک دی۔ پھر اس نے سردار کے گلے میں بھی پھندا ڈال دیا۔ اب ناگ انسانی شکل میں وہاں پہنچ گیا تھا۔ ناگ نے، دوسرے مسافروں اور عورتوں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھا کہ کوئی غیبی طاقت ایک ایک ڈاکو کو رسی کے ساتھ درخت کے بڑے ٹہن سے لٹکا کر پھانسی دے رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں ساتوں ڈاکوؤں کی لاشیں

شیشم کے درخت کے ٹہن سے ساتھ ساتھ لٹکی ہوئی تڑپ رہی
تھیں۔ مسافر عورتیں سجدے میں گر کر خدا کا شکر بجا لا رہی تھیں
کہ اس نے کسی غیبی طاقت کو ان کی مدد کے لیے بھیجا۔ ناگ
کے بارے میں کسی کو وہم تک نہیں ہوا تھا کہ وہ غائب ہو
گیا تھا اور اس نے سانپ بن کر ایک ڈاکو کا کام تمام کر
دیا تھا۔ جب ساتوں ڈاکوؤں کی لاشیں درخت پر لٹکی لٹکی ٹھنڈی
پڑ گئیں تو ناگ نے مسافروں سے کہا:

"آپ لوگ اپنی ویگن میں سوار ہو جائیں۔ اپنا اپنا سامان
واپس ویگن پر لاد دیں اور اپنی منزل کی طرف روانہ
ہو جائیں۔ اپنے شہر پہنچ کر پولیس کو خبر کر دیں کہ ڈاکوؤں
کی لاشیں یہاں لٹکی ہوئی ہیں اور انہیں کسی غیبی طاقت
نے پھانسی پر چڑھایا ہے۔"

مسافر بڑے خوش تھے کہ قاتل ڈاکوؤں کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ انہوں
نے اپنا اپنا سامان اٹھا کر ویگن میں لادنا شروع کر دیا۔ ڈرائیور کی
لاش کو بھی اس کے کلینر نے ویگن کے اندر ڈالا اور خود ویگن
چلا کر لاہور کی طرف روانہ ہو گیا۔

ناگ نے زمیندار کی بیٹی یعنی بیوہ عورت کو ساتھ لے کر
کار میں سوار کرایا۔ وہ بڑی گھبرائی ہوئی تھی۔ اسے کچھ کچھ یقین ہو گیا
تھا کہ اس کے ساتھ جو آدمی سفر کر رہا ہے اور جس نے غنڈوں

سے اس کی جان بچائی تھی وہ کوئی پُراسرار غیبی طاقت رکھنے والا
انسان ہے۔ وہ دل میں اس سے خوف زدہ بھی ہو رہی تھی۔ ناگ نے
کار سٹارٹ کی اور اس عورت کے گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔ ناگ
کو ماریا کی خوشبو برابر آ رہی تھی۔ ماریا اس کے ساتھ ہی کار میں
سفر کر رہی تھی۔ عورت نے ناگ سے کہا:

"بھائی! اگر تم مدد نہ کرتے تو ہم سب کا بچنا محال تھا۔"

ناگ نے کہا:

"مگر میں نے تو کوئی مدد نہیں کی۔ میں تو بھاگ گیا تھا۔"

عورت نے کہا:

"تم نے پہلے بھی بھاگ کر ہی مدد کی تھی۔"

ناگ دل میں ہنس دیا۔ اوپر سے خاموش رہا۔ ماریا بھی اس
عورت کی ذہانت پر مسکرا رہی تھی۔ اس عورت کو ناگ پر شک
پڑ چکا تھا کہ یہ کوئی پُراسرار انسان ہے۔ مگر ان کا تھوڑی دیر کا ساتھ
تھا اس لیے ماریا نے بھی اور ناگ نے بھی کوئی پروا نہ کی اور
ان کا سفر جاری رہا۔

o

اَمبا دیوی کی مُورتی

ناگ نے بیوہ عورت کو اس کے باپ کے پاس پہنچا دیا۔

وہ راجن پور گاؤں سے پیدل ہی ماریا کے ساتھ واپس ہوا۔ کیوں کہ موٹر کار اس نے وہیں چھوڑ دی تھی۔ ناگ نے ماریا سے عنبر کے بارے میں کہا کہ نہ معلوم وہ اس وقت کہاں ہوگا۔ تب ماریا نے ناگ کو بتایا کہ اس نے لاہور میں اس شخص سے ملاقات کی تھی جو ان کے سفر کی سنسنی خیز پراسرار داستان لکھ رہا ہے۔

ناگ نے کہا:

"کیا اس شخص نے عنبر کے بارے میں کچھ بتایا تھا؟"

ماریا بولی:

"اس نے صرف اتنا بتایا تھا کہ عنبر کو آخری بار اس نے ملک شام کی سرحد کے اندر ایک شہر کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ تمہارا بھی مجھے اسی شخص نے بتایا تھا کہ تم مقبرہ جہانگیر میں ہو گے۔ پھر میں نے

تمہیں بہت تلاش کیا مگر تم وہاں نہیں ملے۔"

پھر ناگ نے ماریا کو دسویں جماعت کے سٹوڈنٹس امجد کے بارے میں ساری کہانی بیان کی اور کہا کہ وہ اس کی بہن کا علاج کر رہا تھا۔

"اب سوال یہ ہے کہ کیا ہمیں عنبر سے ملنے کے لیے ملک شام جانا ہوگا؟"

ماریا نے کہا:

"لیکن عنبر آج کے زمانے کے ملک شام میں نہیں ہے بلکہ آج سے چھ سات سو سال پہلے کے زمانے کے ملک شام میں ہے۔ ہم تو واپسی کا سفر کرتے کرتے بہت آگے یعنی ۱۹۸۴ء کے زمانے میں نکل آئے ہیں اور تم تو امریکہ کی سیر بھی کر چکے ہو۔"

ناگ بولا:

"تم اگر چاہو تو تم بھی امریکہ کی سیر کر سکتی ہو۔ تمہیں کون سے پاسپورٹ کی ضرورت ہوگی!"

ماریا نے کہا:

"نہیں ناگ بھائی! اس وقت ہمیں عنبر کو تلاش کرنا ہے۔"

ناگ نے کہا:

"مگر ہم اسے کہاں تلاش کر سکتے ہیں۔ وہ تو ہمارے زمانے سے سات سو برس پیچھے کے زمانے میں جا چکا ہے۔"

ماریا نے آہ بھر کر کہا:

"کاش ہم بھی کسی طرح پیچھے کے زمانے میں چلے جائیں۔ ایسا بہت ہی کم ہوا ہے کہ ہم تینوں نے کچھ دیر مل کر سفر کیا ہو۔ ہر بار بچھڑ جاتے ہیں اور پھر بڑی مشکلیں سہہ کر آپس میں ملتے ہیں۔"

ناگ بولا:

"ہمارا پانچ ہزار سال کا واپسی کا سفر تو اسی طرح جاری رہے گا۔ ہم مجبور ہیں۔"

دونوں باتیں کرتے کھیتوں سے گذر رہے تھے۔ رات کے دو بج رہے تھے۔ چودھویں کا چاند آسمان پر چمک رہا تھا۔ کھیتوں میں چاندنی پھیلی تھی۔ وہ کھیتوں میں سے گذر کر بڑی سڑک پر جا رہے تھے جو ایک طرف لاہور کو اور دوسری طرف کراچی شہر کو جاتی تھی۔

ماریا نے ناگ سے کہا:

"میری تو رائے یہ ہے کہ ہمیں یہاں سے ملک شام جانا چاہیے۔ اگرچہ عنبر آج سے سات سو برس پہلے

کے زمانے کے شام میں ہے پھر بھی وہ ملک شام میں تو ہے۔ ہو سکتا ہے۔ وہاں سے ہم بھی کسی طرح پیچھے کے زمانے میں چلے جائیں۔"

ناگ نے کہا:

"خیال اچھا ہے۔ چلو یہاں سے پہلے کراچی شہر چلتے ہیں۔ وہاں سے شام روانہ ہوں گے۔"

ماریا اور ناگ کھیتوں سے نکل کر بڑی سڑک پر آ گئے جو کراچی کو جاتی تھی۔ یہاں ایک ٹرک ڈرائیور نے ناگ کو رحیم یار خان تک کے لیے اپنے ٹرک پر بٹھا لیا۔ ماریا بھی ساتھ ہی بیٹھ گئی۔ رحیم یار خان سے وہ دونوں کراچی ایکسپریس میں سوار ہو کر کراچی پہنچ گئے۔ کراچی بہت بڑا شہر تھا۔ وہ اگلے روز رات کے نو بجے کراچی پہنچے۔ پاکستان کا یہ سب سے بڑا شہر روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ ناگ کے پاس ہزار بارہ سو پاکستانی روپے موجود تھے۔ اس نے ایک ٹیکسی کرائی اور ہوٹل انٹر کونٹی نینٹل میں آ گیا۔

ماریا اس کے ساتھ تھی۔ اپنے کمرے میں آ کر ناگ نے ٹیلی فون کر کے پتہ کیا کہ شام کے دارالحکومت دمشق کو کون کون سا ہوائی جہاز کب اور کس وقت جاتا ہے۔ جہاز ہفتے میں چار بار جاتا تھا۔ ناگ کے پاس ٹکٹ کے پیسے کم تھے۔

ماریا نے کہا:

"یہاں کسی خزانے سے منگوا لو۔"

ناگ نے کہا:

"بمبئی میں شیلا ائر ہوسٹس کے پاس میرے ساٹھ ہزار روپے امانت پڑے ہیں۔ چلو وہاں چل کر امانت وصول کرتے ہیں اور پھر وہیں سے دمشق روانہ ہو جائیں گے۔"

خیال اچھا تھا۔ ماریا رضامند ہو گئی۔

دوسرے روز وہ ہوٹل کو چھوڑ کر ائر پورٹ پر آ گئے۔ انڈین ائر لائینز کا طیارہ وہاں دکھائی نہیں دے رہا تھا مگر ایک افغان ائر لائینز کا طیارہ بمبئی جانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔

ناگ نے کہا:

"چلو اس میں چلتے ہیں۔ تم جہاز میں پہنچو۔ میں کوئی ننھا سا پرندہ بن کر تمہارے پاس جہاز کے اندر پہنچ جاؤں گا۔"

مسافروں کی قطار جہاز پر سوار ہونے کے لیے گیٹ نمبر چار میں سے گزر رہی تھی۔ ماریا بھی اس قطار میں شامل ہو گئی۔ ناگ سیدھا باتھ روم میں گیا۔ اس کو باتھ روم میں جاتے تو دیکھا مگر نکلتے کسی نے نہ دیکھا، کیونکہ وہ ننھی سی چڑیا کے

روپ میں باہر نکلا تھا۔ جہاز اڑنے کے لیے بالکل تیار تھا۔ رن وے پر ایک خاص جگہ پر آ کر اس کے چاروں جیـ انجن سٹارٹ ہوئے اور وہ بڑی تیزی سے رن وے پر دوڑتا ہوا میں پرواز کر گیا۔

ماریا جہاز کے ذرا پیچھے جا کر کچن کے پاس ایک خالی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ اس کے بیٹھے ہونے کے باوجود سیٹ خالی لگـ رہی تھی۔ ایک ننھی سی چڑیا ماریا کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ ماریا سمجھ گئی کہ یہ ناگ ہے۔ جہاز میں چڑیوں طوطوں کا ساتھ لے جانا منع ہوتا ہے۔ انہیں پنجرے میں بند کر کے لے جانے کی اجازت تھی۔

ماریا نے ناگ سے کہا:

"بہتر یہی ہے کہ تم انسانی شکل میں آ کر بیٹھ جاؤ۔ کیونکہ چڑیا بنے رہو گے تو پکڑے جاؤ گے۔"

ناگ مناسب موقعہ دیکھ کر باتھ روم میں گھس گیا۔ پھر اندر سے انسانی شکل اختیار کر کے باہر آیا اور ماریا کی ساتھ والی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس وقت دن کے بارہ بجے تھے۔ جہاز میں کھانا تقسیم کیا جا رہا تھا۔

ناگ نے ماریا سے کہا:

"کھانا کھاؤ گی ماریا؟"

ماریا ہنس پڑی:
"خدا جانے مجھے کب انسانی شکل میں واپس آکر
کھانا کھانا نصیب ہوگا۔"
باہر آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ جہاز بڑے سکون
سے بمبئی کی طرف جا رہا تھا۔ کسی وقت دو چار ہلکے سے
جھٹکے لگ جاتے تھے۔ بمبئی کا ہوائی اڈہ قریب آ رہا تھا
اور پھر جہاز بڑی خیریت سے ائرپورٹ پر اتر گیا۔ ائرپورٹ
سے نکل کر ناگ نے ماریا کو ساتھ لیا۔ ایک ٹیکسی پکڑی اور
سیدھا شیلا کی کوٹھی پر آگیا۔ شیلا کے ڈیڈی بنارس گئے ہوئے
تھے۔ اس کی ممی ناگ کو دیکھ کر بڑی خوش ہوئی۔
ناگ نے شیلا کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا
کہ وہ کویت کی فلائیٹ پر گئی ہوئی ہے اور شام کی فلائیٹ
سے واپس آجائے گی۔ ناگ شیلا کا انتظار کرنا چاہتا تھا۔
اس لیے نہیں کہ اس کے روپے شیلا کے پاس تھے، بلکہ اس
لیے بھی کہ وہ شیلا سے ملنا چاہتا تھا۔ اسے وہ لڑکی اچھی
لگتی تھی۔ ویسے اسے شام میں وہاں کی کرنسی کی بھی ضرورت
پڑنے والی تھی اور وہ چاہتا تھا کہ شیلا سے مل کر اس کے
پاس جو ناگ کی بھارتی کرنسی ہے اسے شام کی کرنسی میں
تبدیل کروا لے۔

شیلا کی والدہ نے کہا:
"بیٹے تم اوپر اس کے کمرے میں جا کر منہ ہاتھ دھو
کر آرام کرو۔ میں تمہارے لیے چائے بھجواتی ہوں۔"
ناگ نے کہا:
"نہیں ممی! چائے کی ضرورت نہیں۔ میں منہ ہاتھ دھو
کر آرام کروں گا۔"
"جیسے تمہاری مرضی بیٹا۔"
ناگ اوپر والی منزل میں شیلا کے کمرے میں آگیا۔ ماریا
کی خوشبو اس کے ساتھ تھی۔ کمرے میں داخل ہونے کے بعد
اس نے ماریا سے کہا:
"میرا خیال ہے ماریا۔ تم اسی کمرے میں ٹھہرو۔ میرے
پاس کچھ پاکستانی کرنسی ہے۔ بھارت میں پاکستانی کرنسی
کم بھاؤ پر لے لیتے ہیں۔ میری قمیض پرانی ہو گئی
ہے میں ایک نئی قمیض خرید لاؤں۔ اگر تم میرے ساتھ
آنا چاہتی ہو تو آ جاؤ۔"
ماریا نے کہا:
"نہیں۔ میں اسی کمرے میں تمہارا انتظار کروں گی۔"
"تو پھر میں جا رہا ہوں۔"
ناگ نے منہ ہاتھ دھویا اور ماریا کو خدا حافظ کہہ کر نیچے

آ گیا۔ اس نے شیلا کی ماں سے کہا کہ وہ ذرا بازار تک ایک
کام سے جا رہا ہے بہت جلد واپس آ جائے گا۔ کوٹھی سے
نکل کر ناگ نے ٹیکسی لی اور مارکیٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔

ماریا شیلا کے کمرے میں تنہا رہ گئی تو اس نے کمرے کا جائزہ
لیا۔ یہ ڈبل بیڈ روم والا کمرہ تھا۔ ڈرائنگ روم بڑے سلیقے سے
سجا ہوا تھا۔ ایک بیڈ روم میں صاف ستھرا بستر لگا تھا جس پر
ریشمی کمبل تہہ کر کے رکھا ہوا تھا۔ دوسرا بیڈ روم بند تھا۔ ماریا
نے دروازہ کھولا اور اندر چلی گئی۔ یہ بیڈ روم چھوٹا تھا اور اس
میں کوئی پلنگ نہیں تھا۔ فرش پر قالین بچھا تھا۔ دیوار کے
ساتھ الماریوں میں طرح طرح کے پرانے اور نئے نوادرات سجے
تھے، پیالے اور مورتیاں سجی ہوئی تھیں۔ کھڑکی کے پاس سنگ مرمر
کے ایک ٹکڑے پر کانسی کا ایک چھوٹا سا بت رکھا ہوا تھا۔
ماریا اس بت کے قریب گئی۔ یہ کسی دیوی کا بت تھا جس
کی آنکھوں میں لال موتی جڑے ہوئے تھے اور ماتھے پر سیندور
کا تلک لگا تھا۔ مورتی کے چار بازو تھے۔ مور کے پروں
کی طرح اس کے سر کے پیچھے کو اٹھے ہوئے تھے۔ یہ مورتی
شیشے کے ایک گول کیپسول میں بند تھی۔

ماریا نے شیشے کا کیپسول اٹھا دیا۔ وہ دیوی کی مورتی کو
چھو کر دیکھنا چاہتی تھی۔ جونہی ماریا نے مورتی کو ہاتھ لگایا

اسے ایک جھٹکا سا لگا اور پھر اسے ہوش نہ رہا کہ وہ
کہاں ہے۔

ناگ تھوڑی دیر بعد قمیض خرید کر واپس آیا تو سیدھا شیلا
کے کمرے میں آ گیا۔ دروازہ بند کرنے کے بعد اس نے ماریا
کو آواز دی۔ ماریا نے کوئی جواب نہ دیا۔ ناگ نے محسوس کیا کہ
کمرے میں ماریا کی خاص خوشبو نہیں ہے۔ وہ بیڈ روم میں گیا۔
وہ خالی تھا۔ یہاں بھی ماریا کی خوشبو نہیں تھی۔ وہ دوسرے
کمرے میں گیا۔ ماریا کو آواز دی۔ ماریا یہاں بھی نہیں تھی۔ اسے
خیال آیا کہ ہو سکتا ہے ماریا اکیلی بور ہو گئی ہو۔ اور کہیں
باہر ٹہلنے نکل گئی ہو۔ لیکن اسے یہ احساس بھی تھا کہ ماریا کے
ساتھ وہ ہزاروں سال سے سفر کر رہا ہے اور وہ کبھی بور نہیں
ہوئی لیکن ماریا کہاں جا سکتی تھی۔ وہ ضرور باہر ٹہلنے کے لیے
نکل گئی ہے۔ ابھی آ جائے گی۔

ناگ نے یہ سوچ کر غسل کیا۔ نئی قمیض پتلون پہنی، بوٹ
پہنے، بال ٹھیک کیے اور نیچے شیلا کی ممی کے پاس آ کر باتیں
کرنے لگا۔ اتنے میں شام ہو گئی اور ائر پورٹ سے شیلا کا
فون آ گیا کہ میں بمبئی پہنچ گئی ہوں۔ فون پر ناگ نے بھی
بات کی۔ شیلا کو ناگ کے آنے کی بڑی خوشی ہوئی۔
اس نے کہا:

"میں سیدھی گھر آرہی ہوں۔"
بیس منٹ کے بعد شیلا آگئی۔ وہ انڈین ائیر لائنز کی
ائر ہوسٹس کے لباس میں تھی اور بڑی خوبصورت لگ رہی
تھی۔ ناگ سے مل کر بہت خوش ہوئی۔ اس نے مدراس
کے کاروباری سفر کا حال پوچھا۔
ناگ نے کہا:
"بڑا اچھا سفر رہا۔ آج ہی مدراس سے واپس آیا ہوں۔"
ناگ نے شیلا کو نہ بتایا کہ وہ لاہور سے آرہا ہے اور
ماریا بھی اس کے ساتھ ہے۔ اب پھر ناگ کو ماریا کا خیال
آگیا کہ اسے اوپر جا کر دیکھے کہ وہ آگئی ہے کہ نہیں۔
شیلا نے کہا:
"میں اپنے کمرے میں کپڑے بدل کر ابھی آتی ہوں۔"
ناگ بھی اس کے کمرے میں جانا چاہتا تھا۔ اس نے
بہانہ بنا کر کہا:
"میری کنگھی تمہارے کمرے میں رہ گئی ہے۔ لے کر
ابھی آتا ہوں پھر تم اوپر جا کر کپڑے بدل لینا۔"
شیلا مسکرا دی۔
ناگ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر شیلا کے کمرے میں
آگیا۔ اس نے آتے ہی ماریا کو آواز دی۔ کوئی جواب نہ آیا۔

ماریا کی خوشبو بھی وہاں نہیں تھی۔ اب تو ناگ کو فکر ہوا کہ
ماریا کہاں چلی گئی ہے۔ شام ہو گئی تھی۔ وہ دوپہر سے غائب
تھی۔ اس کے دل میں طرح طرح کے خیالات آنے لگے۔
کہیں ماریا کسی مشکل میں تو نہیں پھنس گئی۔ کہیں وہ کسی
حادثے کا شکار ہو کر تاریخ میں دو چار سو سال پیچھے تو نہیں
نکل گئی۔ اسی سوچ میں گم ناگ سیڑھیاں اتر کر نیچے آگیا۔
اس کے آنے کے بعد شیلا مسکراتی ہوئی کپڑے تبدیل کرنے
اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ وہ جاتے جاتے ناگ سے
کہہ گئی:
"ایک منٹ میں آتی ہوں۔ کھانا اکٹھے کھائیں گے۔"
ابھی شیلا کو اوپر گئے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ وہ بھاگتی
ہوئی سیڑھیاں پھلانگتے نیچے آگئی۔ اس کا رنگ اڑا ہوا تھا۔
اور وہ سخت گھبرائی ہوئی تھی۔ ناگ اور اس کی ممی بھی اس
کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گئے۔
شیلا نے ممی کو بتایا:
"امبا دیوی کی مورتی غائب ہے۔"
"ہائیں!" شیلا کی ممی کی چیخ سی نکل گئی۔ "مورتی کہاں
چلی گئی؟"
شیلا نے پوچھا:

"میرے بعد اوپر کون گیا تھا؟"

ممی نے کہا:

"ناگ کے سوا اور کوئی نہیں گیا تھا؟"

ناگ نے کہا:

"مگر میں نے وہاں کوئی مورتی نہیں دیکھی تھی۔"

شیلا نے پوچھا:

"کیا تم دوسرے بیڈ روم میں گئے تھے؟"

"نہیں تو ــــ میں تو بس اسی بیڈ روم میں رہا جہاں تمہارا بستر لگا ہے۔"

"وہ پہلا بیڈ روم ہے۔ امبا دیوی کی مورتی دوسرے بیڈ روم میں تھی۔" شیلا نے کہا۔

شیلا کی ممی تو نڈھال سی ہو کر صوفے پر گر پڑی۔

"ہائے رام اب کیا ہو گا۔ امبا دیوی کی بددعا سے اب ہمیں کوئی نہیں بچا سکے گا۔"

ناگ نے پوچھا:

"آخر اس مورتی میں ایسی کون سی بات تھی جس کے گم ہونے سے آپ سب اتنے پریشان ہو گئے ہیں اور اس کی بددعا کیا ہے؟"

شیلا بھی سر تھام کر صوفے پر بیٹھ گئی کہنے لگی:

"امبا دیوی کی مورتی ہمارے دادا کو رشی جی مہاراج نے دی تھی۔ ہم لوگ غریب تھے۔ مورتی کے گھر میں آنے سے دولت کی ریل پیل ہو گئی۔ ہم بہت دولتمند ہو گئے۔ رشی مہاراج نے کہا تھا کہ اس مورتی کی حفاظت کرنا۔ اگر یہ گم ہو گئی تو نہ صرف یہ کہ تمہاری دولت چلی جائے گی بلکہ اس کے گم ہونے کے ایک ہفتہ بعد اس گھر کے سب افراد ایک ایک کر کے مرنا شروع ہو جائیں گے۔"

ناگ نے کہا:

"اگر یہ بات ہے تو ہم مورتی کو ضرور تلاش کریں گے وہ کہیں نہیں جا سکتی۔ یہیں کہیں ہو گی۔"

شیلا بولی:

"مورتی میں قیمتی ہیرے جڑے ہوئے تھے اسے ضرور کوئی چور اٹھا کر لے گیا ہے۔ اب وہ کہاں ملے گی۔ ہمارے گھر پہ بدقسمتی کا سایہ پڑ گیا ہے۔"

شیلا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اسے اپنی اور اپنی ممی کی موت اور گھر کی بربادی صاف نظر آ رہی تھی۔ ناگ کو اچانک ماریا کا خیال آ گیا۔ وہ ماریا کو اوپر والے کمرے میں چھوڑ کر آیا تھا۔ اگر کوئی چور مورتی اٹھانے آتا تو وہ

ضرور اسے جگا دیتی۔ ناگ نے سوچا کہ اوپر جا کر ماریا سے
مورتی کے بارے میں پوچھنا چاہیے۔
اس نے شیلا سے کہا:
"میں اوپر جا کر دیکھتا ہوں"
وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر شیلا کے کمرے میں آ گیا۔
کمرے میں آتے ہی جو بات اس نے سب سے پہلے محسوس
کی وہ یہ تھی کہ کمرے میں ماریا کی خوشبو بالکل نہیں تھی۔
ناگ نے ماریا کو آواز دی۔ کوئی جواب نہ آیا۔ وہ دوسرے
بیڈ روم میں گیا۔ مورتی کا شیشے کا غلاف ایک طرف پڑا تھا
اور مورتی غائب تھی۔ ناگ نے ماریا کو پکارا۔ ایک بار، دو بار
تین بار۔ مگر کوئی جواب نہ آیا۔ امبا دیوی کی مورتی بھی غائب
تھی۔ اور ماریا بھی وہاں نہیں تھی۔ کیا ماریا کی گم شدگی کا امبا دیوی
کی مورتی سے کوئی تعلق ہے؟ ناگ سوچ رہا تھا کہ شیلا اندر
آ گئی۔ اس نے بیڈ روم کے سنگ مرمر کے خالی ٹکڑے کی
طرف اشارہ کر کے کہا:
"اس ٹکڑے کے اوپر امبا دیوی کی مورتی رکھی تھی
اس کے اوپر شیشے کا یہ غلاف پڑا تھا۔ شیشے کا
خول موجود ہے مگر مورتی غائب ہے۔"
ناگ نے پوچھا:

"یہ مورتی جس دیوی کی ہے اس کا کوئی مندر ہندوستان
میں موجود ہے کیا؟"
شیلا نے کہا:
"یہ مورتی ہزار سال پرانی تھی۔ میرے دادا دکن میں
ایلورا کے غاروں کے پاس جنگل میں ایک پرانے
مندر میں عبادت کیا کرتے تھے۔ وہاں ان کی ملاقات
رشی مہاراج سے ہوئی۔ جنہوں نے میرے دادا کو
امبا دیوی کی مورتی دے کر کہا اسے اپنے بیٹے کے
گھر میں رکھنا۔ وہ غریب ہے اب دھن دولت
اس کے گھر میں بہت آئے گی۔ لیکن ایک شرط پر
اگر یہ مورتی چوری ہو گئی تو اس گھر میں چالیس دن
کے بعد لوگ مرنا شروع ہو جائیں گے۔ میرے دادا یہ
مورتی میرے باپ کو نہیں دینا چاہتے تھے مگر میرے
باپ کی حالت بڑی پتلی تھی۔ پائی پائی کو ترس رہے
تھے۔ انہوں نے دادا کے مرنے کے بعد مورتی گھر
میں رکھ لی۔ پھر دولت آنا شروع ہو گئی اور ہم
کاروں کوٹھیوں کے مالک بن گئے۔ تب سے ہم
اس مورتی کی بڑی حفاظت کرتے تھے۔ میں نے
شیشے کا ایک خاص خول بنا کر مورتی پر چڑھا دیا تھا

اور جس کمرے میں وہ رکھی تھی ہمیشہ بند رہتا تھا۔"
ناگ نے جلدی سے پوچھا:
"کیا کمرے پر تالا لگا رہتا تھا؟"
"ہاں — مگر اب وہ تالا ٹوٹا ہوا تھا۔ چوروں نے خدا جانے کس اوزار سے تالا توڑ ڈالا تھا۔ حالانکہ وہ دروازے کے اندر لگا ہوا تھا۔"
ناگ کا ماتھا ٹھنکا۔ یہ سوائے ماریا کے اور کسی کا کام نہیں ہو سکتا۔ وہی اتنا مضبوط اور پیچیدہ تالا کھول سکتی ہے بلکہ اس کے ذرا سے دھکیلنے سے تالا کھل گیا ہو گا تو کیا امبا دیوی کی مورتی ماریا لے گئی ہے؟ مگر اسے مورتی لے جانے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا تو مورتی اپنے آپ غائب ہو گئی ہے اور ساتھ ماریا کو بھی غائب کر کے لے گئی ہے! ناگ کے ذہن میں طرح طرح کے خیال آ رہے تھے۔ شیلا کے کمرے کے قالین پر قدموں کے نشان دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔
"قالین پر چور کے پاؤں کے نشان بھی نہیں ہیں؟"
اس نے کہا۔
ناگ نے کہا:
"بھلا قالین پر قدموں کے نشان کیسے پڑیں گے؟"
شیلا کہنے لگی:

"ہم نے دروازے کے ساتھ ہی اندر کی طرف مٹی کے رنگ کا ایک سفوف بکھیر رکھا تھا تاکہ اگر کوئی چور یہاں آئے تو قالین پر اس کے پاؤں کے نشان پڑ جائیں۔"
"تو کیا چور کے پاؤں کے نشان ہیں؟" ناگ نے پوچھا۔
شیلا نے کہا:
"یہی تو میں حیران ہوں۔ سفوف بھی ویسے ہی بکھرا ہوا ہے۔ نہ سفوف پر کسی کے قدموں کے نشان ہیں اور نہ قالین پر۔ صرف تمہارے اور میرے قدموں کے نشان ہیں جو اب پڑے ہیں۔ ایک بار جب تم پہلے اکیلے اوپر آئے تھے اور دوسری بار اب جب ہم اندر آئے ہیں۔"
ناگ کو اب ماریا کی فکر پڑ گئی تھی۔ اس کے پاؤں کے نشان فرش یا قالین پر نہیں پڑ سکتے تھے۔ وہ ضرور اندر آئی ہے اور مورتی کا شیشے کا خول اس نے اٹھایا ہے اور اس کے بعد کیا ہوا؟ یہ ناگ کو معلوم نہیں تھا۔ شیلا کی ممی کا غم کے مارے برا حال تھا۔ اس نے اسی وقت پولیس کو فون کر دیا تھا۔ تھوڑی دیر میں بمبئی کی پولیس آ گئی۔ ان کے ساتھ رمیش نام کا ایک جاسوس بھی تھا۔ پولیس انسپکٹر اور

جاسوس نے سب کمروں کا جائزہ لیا، تصویریں اتاریں۔ شیشے
کے خول پر کسی کی انگلیوں کے نشان نہیں تھے۔ یہ خول ماریا
نے اٹھایا تھا اور اس کی انگلیوں کے نشان نہیں پڑ سکتے تھے
جاسوس انسپکٹر رومیش نے ناگ کے بارے میں شیلا سے پوچھ
گچھ کی۔ شیلا نے بتایا کہ مسٹر ناگ کا کویت میں کاروبار ہے
اور وہ اس کے دوست ہیں۔

انسپکٹر رومیش نے ناگ کو گہری نظروں سے دیکھا اور کہا،
"مسٹر ناگ! آپ کو ہمارے ساتھ پولیس سٹیشن تک
چلنا ہو گا۔ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ آپ سے وہاں
کچھ سوالات پوچھنے ہیں۔ ہمیں آپ کی زندگی کی بھی
حفاظت کرنی ہے۔ میرا خیال ہے آپ بُرا نہیں
مانیں گے۔"

شیلا نے کہا:
"اس کی کیا ضرورت ہے انسپکٹر رومیش! مسٹر ناگ تو
آج ہی کویت سے آئے تھے۔"

انسپکٹر رومیش نے کہا،
"آئی ایم سوری مس شیلا! ہمیں قانون کے بھی تقاضے
پورے کرنے ہیں۔ آپ فکر نہ کریں، ہم انہیں تھوڑی
دیر میں واپس بھیج دیں گے۔"

ناگ نے کہا،
"کوئی بات نہیں شیلا جی! میں بڑی خوشی سے انسپکٹر
رومیش کے ساتھ پولیس سٹیشن جانے کو تیار ہوں۔"
ناگ گاڑی میں بیٹھ کر پولیس سٹیشن آ گیا۔

اس وقت رات کے نو بج رہے تھے۔ بمبئی شہر کی عمارتیں
روشنی سے جگ مگ کر رہی تھیں۔ ناگ کو پولیس انسپکٹر رومیش
کی ذرا بھی پروا نہیں تھی۔ اسے صرف ماریا کا فکر لگا ہوا تھا
کہ وہ امبا دیوی کی مورتی کے ساتھ کہاں اور کیسے غائب
ہو گئی۔ کیا امبا دیوی میں کوئی زبردست طاقت یا جادو تھا
جس کی وجہ سے اس نے ماریا کو بھی اپنے ساتھ غائب
کر دیا؟

پولیس سٹیشن کے ایک چھوٹے سے کمرے میں ناگ کو
کرسی پر بٹھا دیا گیا۔ اس کے سامنے دو ہزار واٹ کا بجلی کا
بلب روشن ہو گیا۔ اس کی روشنی سیدھی ناگ کے چہرے پر
پڑ رہی تھی۔ انسپکٹر رومیش اس کے آگے میز پر بیٹھ گیا اور اس
نے ناگ کی طرف گھورتے ہوئے سوال پوچھنے شروع کر دیے۔

انسپکٹر: کویت میں تمہارا کس چیز کا کاروبار ہے مسٹر ناگ؟"
ناگ: "پلاسٹک کے سامان کا۔"
انسپکٹر: کیا میں تمہارا پاسپورٹ دیکھ سکتا ہوں؟"

ناگ: "میرا پاسپورٹ گم ہو چکا ہے۔"
انسپکٹر: "تم آج ہی کویت سے آئے ہو اور تمہارا پاسپورٹ آج ہی گم ہو گیا؟ کیا تم نے اس کی رپورٹ تھانے میں کروائی تھی؟"
ناگ: "صبح کروانے والا تھا۔"
انسپکٹر: (قریب آ کر گھورتے ہوئے) "مسٹر ناگ! ہمیں تم سے ہمدردی ہے اگر تم سب کچھ صاف صاف ہمیں بتا دو تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں کسی کا نقصان نہیں پہنچنے دوں گا۔"
ناگ: "مجھے جو کچھ بتانا تھا بتا چکا ہوں۔"
انسپکٹر: "مسٹر ناگ! ہمارے پاس سچ بلوانے کے لیے بہت سے طریقے اور اور ترکیبیں ہیں۔ ہم نے پہلی ترکیب ہی استعمال کی تو تم بک پڑو گے۔ بہتر ہے کہ اسی وقت ہمیں سب کچھ بتا دو تاکہ نہ تمہیں تکلیف اٹھانی پڑے اور نہ ہمارا وقت ضائع ہو۔"
دو ہزار واٹ کے بلب کی تیز روشنی ناگ کی آنکھوں میں پڑ رہی تھی۔ اس قسم کی روشنی کا تجربہ ناگ کو پہلے کبھی نہیں ہوا تھا اتنی تیز روشنی اس کی آنکھوں میں اتنی دیر تک سیدھی کبھی نہیں پڑھی تھی۔ انسپکٹر رومیش نے دیکھا کہ ناگ کی آنکھوں سے نیلی

اور نارنجی رنگ کی باریک باریک کرنیں نکل کر کمرے میں پھیل رہی ہیں۔ ان کرنوں کی طرف انسپکٹر نے کوئی توجہ نہ دی کیونکہ اس پر ان کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ ناگ پر بھی ان کرنوں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ صرف ناگ کو اپنے کوئی خفیہ طاقت بیدار ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ بلب کی تیز روشنی نے سیدھا ناگ کی آنکھوں میں گھس کر اس کے اندر ایک قسم کی لہریں پیدا کرنی شروع کر دی تھیں۔
لیکن ناگ کی آنکھوں سے نکلنے والی نیلی اور نارنجی کرنوں کا سب سے زیادہ اثر پولیس سٹیشن کے ارد گرد کے باغ پر پڑ رہا تھا۔ اس باغ میں ایک جگہ درختوں کے نیچے زمین کے اندر ایک اژدہا کئی سالوں سے مرا ہوا پڑا تھا۔ اس کی کھال خشک ہو کر اس کے جسم کے ساتھ چمٹ گئی تھی۔ ناگ کی آنکھوں سے جو شعاعیں اپنے آپ نکل رہی تھیں ان میں زندگی کی بے پناہ طاقت چھپی ہوئی تھی۔ جونہی یہ کرنیں زمین کا سینہ چیر کر اژدہا کی لاش تک پہنچیں اس کی خشک کھال میں جان پڑنی شروع ہو گئی۔ رگیں اور گوشت کے پٹھے اپنے آپ دوبارہ بننے شروع ہو گئے۔
ادھر انسپکٹر رومیش ناگ سے پوچھ گچھ کر رہا تھا۔
اس نے ناگ کو کہا:

"معلوم ہوتا ہے سیدھی انگلی گھی نہیں نکلے گا۔"

اس نے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ تین سپاہی اندر آ گئے۔ انہوں نے ناگ کی مشکیں کس دیں اور گردن میں پھندا ڈال کر اسے کسنا شروع کیا۔

ناگ نے کہا:

"مسٹر رومیش! اما دیوی کی مورتی میں نے چوری نہیں کی نہ ہی مجھے معلوم ہے کہ اسے کس نے چرایا ہے۔ میں بے گناہ ہوں۔ تم مجھ پر ظلم کر کے اپنی موت کو اپنی طرف بلا رہے ہو۔ میں اگر چاہوں تو ایک پل کے اندر اندر آزاد ہو سکتا ہوں مگر میں چاہتا ہوں کہ تم خود مجھے آزاد کرو اور یہ بات تسلیم کر لو کہ میں بے قصور ہوں۔"

انسپکٹر رومیش نے قہقہہ لگایا:

"مسٹر ناگ! تمہاری یہ چکر بازیاں یہاں نہیں چلیں گی میں نے تمہارے ایسے کئی چور دیکھے۔"

اس نے سپاہی کو حکم دیا کہ ناگ کی گردن کا پھندا کس کر اسے دروازے میں الٹا لٹکا دیا جائے۔ ناگ کی آنکھوں سے شعاعیں برابر نکل رہی تھیں اور تھانے کے باغ کی زمین کے اندر دبے ہوئے اژدہا میں جان پڑ رہی تھی بھاری

نے ناگ کو دیوار کے ساتھ الٹا لٹکانے کے لیے پھانسی کا پھندا اپنی طرف کھینچا ہی تھا کہ باہر تھانے میں شور مچ گیا۔ انسپکٹر رومیش جلدی سے باہر گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ تھانے کے باغ میں ایک بڑا اژدہا پھنکارتا، آگ کے شعلے نکالتا تھانے کے برآمدے کی طرف بڑھ رہا ہے۔ سپاہی اس پر فائرنگ کرنے لگے۔ اژدہا گولیاں لگنے سے زخمی ہو گیا مگر وہ برابر آگے بڑھتا رہا۔ اس کے منہ سے نکلنے والے شعلوں سے تھانے کے ایک حصے کو آگ لگ گئی۔ فائرنگ کرنے والے تین سپاہی بھی آگ میں جل کر وہیں راکھ ہو گئے۔

اژدہا کے شعلوں نے تھانے کے دوسرے حصے کو بھی آگ لگا دی۔ انسپکٹر رومیش اور تھانیدار وہاں سے باہر کو بھاگ گئے۔ ناگ نے اژدہا کی پھنکار سن لی تھی۔ اس کے پاس جو سپاہی کھڑے تھے وہ بھی اسے اکیلا چھوڑ کر دوڑ گئے۔ ناگ نے گہرا سانس بھر کر پرندے کی شکل اختیار کی اور باہر آ گیا۔

باہر کا منظر بڑا خوفناک تھا۔

باغ میں اژدہا کی لاش گولیوں سے چھلنی ہو کر تڑپ رہی تھی۔ اس کے منہ سے دھوئیں کے ساتھ غراہٹ کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ چھ سات سپاہیوں کی جلی ہوئی

لاشیں پڑی تھیں اور تھانے کو آگ لگی ہوئی تھی۔ لوگ سڑک پر کھڑے شور مچا رہے تھے۔ جس وقت ناگ تھانے کے درختوں کے اوپر سے اڑتا ہوا شیلا کی کوٹھی کی طرف مڑا اس نے آگ بجھانے والے انجنوں کی آوازیں سنیں۔

شیلا کی کوٹھی کے لان میں ایک طرف ہو کر ناگ نے انسان کی شکل اختیار کی اور گھنٹی بجا کر کوٹھی کے ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ رات کے ساڑھے دس بج رہے تھے۔ نوکر نے شیلا کو اطلاع کی۔ وہ بہت پریشان تھی۔

اس نے ناگ کو دیکھا تو کہا:

"پولیس والوں نے تمہیں تنگ تو نہیں کیا؟"

ناگ نے کہا:

"نہیں۔ ویسے وہ خود بہت تنگ ہوئے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تھانہ اس وقت آگ میں جل رہا ہے۔"

"آگ کس نے لگا دی؟" شیلا نے پوچھا۔

ناگ نے کہا:

"شیلا! ان باتوں کو چھوڑو۔ میں اس وقت امبا دیوی کی مورتی کی چوری کے سلسلے میں تم سے ایک اہم بات پوچھنے آیا ہوں۔"

شیلا نے آہ بھر کر کہا:

"مسٹر ناگ! مورتی کی چوری کی وجہ سے ہمارے گھر میں سوگ پڑ گیا ہے۔ ممی تب سے بے ہوش پڑی ہے اور ڈاکٹر ان کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔ میرا خود غم سے بڑا حال ہو رہا ہے۔ اگر مورتی چار دن کے اندر اندر واپس نہ ملی تو اس گھر میں پہلی موت واقع ہو جائے گی اور پھر گھر کے سارے لوگ مر جائیں گے اور گھر اجڑ جائے گا۔"

ناگ نے کہا:

"مجھے یہ بتاؤ کہ کیا جس دیوی کی مورتی چوری ہوئی ہے اس کا ہندوستان میں کوئی مندر بھی ہے جہاں اس کی پوجا ہوتی ہو؟"

شیلا نے کہا:

"میرے دادا نے میرے پتا جی کو بتایا تھا کہ جس رشی مہاراج نے انہیں یہ مورتی دی تھی، انہوں نے کہا تھا کہ آج سے ایک ہزار سال پہلے بھارت کے شہر دکن کے قریب جہاں آج کل ایلورا کے تاریخی غار ہیں وہاں ایک مندر ہوا کرتا تھا۔ یہ مندر پتھر کے بڑے بڑے ٹکڑے کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ اس مندر

یہیں امبا دیوی کا بُت بنا ہوا تھا۔ پُورن ماشی کی رات کو ہر مہینے اس دیوی کے آگے ایک خوبصورت کنواری لڑکی کو قربان کیا جاتا تھا۔ پھر کسی غیبی طاقت نے اس مندر کو تباہ کر دیا۔ امبا دیوی کا بُت گر کر پاش پاش ہو گیا۔ لوگ خوف کے مارے وہاں سے بھاگ گئے اور وہ علاقہ ویران ہو گیا۔"

ناگ نے کہا:

"شیلا! میں امبا دیوی کی مورتی کی تلاش میں جا رہا ہوں۔ وعدہ کرتا ہوں کہ چالیس روز کے اندر اندر مورتی لا کر تمہیں واپس کر دوں گا تاکہ تمہارے گھر میں موت اپنا سایہ نہ ڈال سکے۔"

شیلا کہنے لگی:

"اس میں تمہاری اپنی جان کا بھی تو خطرہ ہے۔ بھگوان کے لیے یہ ارادہ ترک کر دو۔"

ناگ نے کہا:

"اس کے سوا کوئی چارہ نہیں شیلا! مجھے مورتی کو تلاش کرنا ہی ہو گا۔"

شیلا نے کہا:

"تم ایک کمزور انسان ہو ناگ! دیوی دیوتاؤں کا

مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ دیوی دیوتاؤں میں زبردست طاقت ہوتی ہے۔"

اتنے میں گھنٹی بجی اور اس سے پہلے کہ نوکر جا کر دروازہ کھولے، انسپکٹر رومیش چار سپاہیوں کے ہمراہ اندر گھس آیا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ اس نے آتے ہی ناگ کو گرج کر کہا:

"ہینڈز اپ! بھاگنے کی کوشش کی تو گولی مار دوں گا!"

شیلا حیران تھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ انسپکٹر رومیش نے شیلا کی طرف دیکھ کر کہا:

"مس شیلا! آپ کی مورتی کا چور پکڑا گیا ہے۔"

پھر سپاہیوں کو حکم دیا:

"مسٹر ناگ کو ہتھکڑی لگا کر تھانے لے چلو۔"

سپاہی نے اسی وقت ناگ کو ہتھکڑی لگا دی۔

شیلا نے ناگ سے کہا:

"یہ میں کیا سن رہی ہوں ناگ! کیا امبا دیوی کی مورتی تم نے چوری کی ہے؟"

ناگ نے کہا:

"میں چور کی تلاش میں جا رہا ہوں جس وقت مل گئی

اسی وقت لا کر تمہیں پیش کر دوں گا۔"

انسپکٹر نے قہقہہ لگایا!

"مسٹر ناگ! چور کو تلاش کیے بغیر تم نہ جا سکو گے۔"

ناگ نے مسکراتے ہوئے کہا!

"جا سکتا ہوں انسپکٹر رومیش۔ تمہارے سامنے جاؤں گا اور تمہارے شہر کی ساری پولیس مل کر بھی مجھے نہ پکڑ سکے گی۔"

اور اس کے ساتھ ہی ناگ نے ایک گہرا سانس لیا اور غائب ہو گیا۔ لوہے کی ہتھکڑیاں زمین پر گر پڑیں۔ انسپکٹر رومیش شیلا کا منہ اور شیلا اس کا منہ تکنے لگی۔ انہوں نے اپنی زندگی میں پہلی بار کسی انسان کو غائب ہوتے دیکھا تھا۔ ناگ کے غائب ہونے کے بعد انہوں نے زرد رنگ کی ایک چڑیا کو پھڑ پھڑا کر کمرے کا چکر لگاتے اور پھر روشندان میں سے باہر کو نکلتے دیکھا تھا۔ مگر وہ کبھی اس بات کا تصور بھی دماغ میں نہیں لا سکتے تھے کہ ایک جیتا جاگتا آدمی غائب ہو کر چڑیا کا روپ بدل سکتا ہے۔

شیلا نے انسپکٹر کی طرف دیکھ کر کہا:

"انسپکٹر رومیش! یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں؟"

انسپکٹر رومیش نے پستول جیب میں ڈالتے ہوئے کہا:

"مس شیلا جی! یہ شخص کوئی بہت بڑا جادوگر تھا۔ مگر آپ فکر نہ کریں۔ ہم اسے جہاں بھی یہ ہو گا گرفتار کر کے

رہیں گے۔ اب اجازت دیجئے ہاں! اگر آپ کے ہاں یہ جادوگر دوبارہ آ جائے تو ہمیں کسی طریقے سے فوراً خبر کر دیجئے گا۔ میں بھی ایک جادوگر کی خدمات حاصل کروں گا۔"

انسپکٹر رومیش سپاہیوں کو لے کر کمرے سے نکل گیا اور شیلا بے دم سی ہو کر صوفے پر گر پڑی۔ اس کے دل میں اب بھی یقین تھا کہ ناگ کوئی جادوگر نہیں بلکہ کوئی وحشی قسم کا سنیاسی ہے اور وہ امبا دیوی کی مورتی اسے ضرور واپس لا کر دے گا۔

○

خطرناک خزانہ

عنبر کے ساتھ کیا گذری؟

آئیے اب اس کی خبر لیتے ہیں اور آج سے سات آٹھ سو برس پہلے کے ملک شام کی طرف چلتے ہیں۔ عنبر کو ہم نے وہاں آخری بار چھوڑا تھا جب وہ مصر کی سرحد کو عبور کر کے ملک شام کی سرحد میں داخل ہوتا ہے۔ صحرا میں اسے ریت کا طوفان آ لیتا ہے اور وہ طوفان میں بھٹک جاتا ہے مگر کافی جدوجہد کے بعد اسے ملک شام کے ایک شہر کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔ یہ ایک مینار ہے جو دور سے نظر آ رہا ہے۔ دوپہر کا وقت ہے۔ عنبر اس شہر کی طرف بڑھنا شروع کرتا ہے۔ اس کے دل میں بھی ماریا اور ناگ کا خیال لگا ہوا ہے کہ ان سے ملاقات کب ہو گی اور وہ کہاں ہوں گے۔

سورج صحرا میں چمک رہا ہے۔ جوں جوں وہ شہر کے مینار کی طرف بڑھتا ہے۔ روشنی کم ہوتی جاتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے

کہ شاید آسمان پر بادل چھا رہے ہیں مگر وہ دیکھتا ہے۔ آسمان پر بادل کا ایک بھی ٹکڑا نہیں ہے اور اندھیرا ہونے لگا ہے۔ اس نے دوپہر کے وقت بادلوں کے بغیر کبھی اندھیرا ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ سورج کو دیکھنے کے لیے آسمان کی طرف منہ اٹھاتا ہے۔ سورج اسے کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ کیا سورج غروب ہو گیا ہے؟ مگر دوپہر کے وقت تو سورج کبھی غروب نہیں ہوتا۔ عنبر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

وہ مینار کے قریب آتا ہے تو اندھیرا اور زیادہ چھا جاتا ہے اور مینار اسے ایک لمبا سایہ یا اندھیرے کا ستون سا لگتا ہے۔ پھر اسے شہر کی دیوار اور ایک دروازہ ملتا ہے وہاں بھی اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ کوئی دیا یا شمع نہیں جل رہی۔ کہیں کسی جگہ آگ بھی روشن نہیں ہے۔ عنبر اندھیرے میں کچھ لوگوں کو سر جھکائے گذرتے دیکھتا ہے۔ وہ حیران ہوتا ہے کہ یا اللہ دن کے وقت اس شہر پر اتنی تاریکی کیسے چھا گئی ہے اور اس شہر کی دھوپ کہاں چھپ گئی ہے۔

وہ شہر کے دروازے میں سے گذر کر ایک چوک میں آتا ہے۔ گھروں کے دروازے کھلے ہیں اور لوگ سر جھکائے دروازوں پر بیٹھے آہیں بھر رہے ہیں۔ عنبر دیکھتا ہے کہ یہ سب بوڑھے لوگ ہیں۔ بوڑھی عورتیں ہیں۔ شہر میں اسے ایک بھی جوان

عورت یا مرد دکھائی نہیں دیتا۔ کوئی بچہ بھی کہیں نظر نہیں آتا۔
کسی گھر میں کوئی چراغ روشن نہیں۔ کسی گھر کے چولہے میں
آگ نہیں جل رہی۔ چوک میں دکانیں کھلی ہیں۔ بوڑھے دکاندار
سر جھکائے بیٹھے ہیں۔ عنبر چونکہ اندھیرے میں بھی دیکھ سکتا تھا
اس لیے وہ ان بوڑھوں کی آنکھوں میں آنسو بھی دیکھ لیتا ہے۔
دکانوں پر کوئی گاہک نہیں ہے۔ چند ایک بوڑھی عورتیں ایک
دوسری کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے، سر جھکائے روتی ہوئی
کے قریب سے گذر جاتی ہیں۔

عنبر حیران ہوتا ہے کہ یا الٰہی اس شہر کو کیا ہو گیا ہے کہ
دن کے وقت اندھیرے میں ڈوبا ہوا ہے اور ہر کوئی بوڑھا
ہے اور آنکھوں میں آنسو لیے سر جھکائے گھر کے دروازے پر
بیٹھا ہے۔ اور عورتیں بازاروں میں سے بین کرتی ہوئی گذرتی ہیں۔
عنبر ایک دکان پر جا کر بوڑھے دکاندار کو سلام کرتا ہے۔ بوڑھا
اس کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتا۔

عنبر کہتا ہے:

"اے بزرگ! میں اس شہر میں اجنبی ہوں۔ کیا تم مجھے
بتاؤ گے کہ اس شہر کے ساتھ کیا مصیبت گذری ہے؟"

بزرگ آہ بھر کر عنبر کو دیکھتا ہے اور پھر سر جھکا لیتا ہے۔

عنبر کہتا ہے:

"کیا اس تاریک شہر کو کسی کی بددعا لگی ہے؟"

بوڑھے آدمی نے عنبر کو قریب بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پہلی
بات یہ کہی کہ تم اس سوگوار بدنصیب شہر میں کیوں آ گئے؟
یہاں سے بھاگ جاؤ۔ تباہی اس شہر کی قسمت میں
لکھی جا چکی ہے۔ اس شہر پر خدا کا غضب نازل
ہوا ہے اور خدا نے اس شہر کے سورج کو واپس بلا
لیا ہے۔ یہ شہر آہستہ آہستہ اندھیرے میں غرق
ہو رہا ہے۔"

عنبر نے پوچھا:

"تم لوگ چراغ جلا کر گھروں اور بازاروں میں روشنی
کیوں نہیں کر لیتے؟"

بوڑھے نے کہا:

"اس شہر کو اپنے گناہوں کی سزا ملی ہے۔ یہاں چراغ
بھی روشن نہیں ہوتے۔ چولہوں میں آگ بھی روشن
نہیں ہوتی۔ جو کوئی پتھر رگڑ کر چراغ روشن کرنا یا
آگ جلانا چاہتا ہے آگ کی چنگاریاں فوراً بجھ
جاتی ہیں۔"

عنبر نے پوچھا:

"اس شہر کے نوجوان مرد اور عورتیں کہاں چلی گئی

ہیں اور بچے کہاں ہیں؟

بڈھا بولا:

"نوجوان مرد اور عورتیں اپنے گناہوں کی سزا بھگت رہے ہیں اور بچوں کو ہم نے گھروں میں بند کر رکھا ہے۔"

عنبر بولا:

"آخر اس شہر پر خدا کا عذاب کیوں نازل ہوا؟"

بوڑھے نے کہا:

"اس شہر میں لوگ گناہوں میں ڈوب گئے تھے۔ کبھی یہ شہر نیک دل لوگوں کے لیے مشہور تھا۔ اس کے آسمان پر سورج صبح سے شام تک چمکتا تھا اور اس میں کھانے پینے کی چیزیں اتنی زیادہ تھیں کہ دوسرے شہروں کے لوگ یہاں آکر مفت کھانا کھایا کرتے تھے۔ لوگوں نے گھروں کے باہر لنگر لگا رکھے تھے۔ ہر کوئی خوش حال تھا۔ دولت کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ لوگ سونے کے توروں پر روٹی پکاتے تھے۔ اور سونے کی پھونکنیوں سے آگ سلگاتے تھے۔ پھر اس شہر کی خوش حالی اور نیکی کو کسی کی نظر لگ گئی۔ لوگ بدکاریوں اور عیاشیوں میں پڑ گئے۔ انہوں نے دونوں ہاتھوں سے دولت لٹانی شروع

کر دی۔ جب دولت ختم ہو گئی تو انہوں نے چیزوں میں ملاوٹ شروع کر دی اور ایک دوسرے پر ظلم کرنے لگے۔ وہ ایک دوسرے کا مال ہضم کرنے لگے۔ ایک دوسرے کو لوٹنے لگے۔ گھروں میں چوریاں ہونے لگیں۔ باہر سے کوئی مہمان آتا تو اسے لوٹ لیا جاتا اور پھر قتل کر دیا جاتا۔ لوگ سورج کی روشنی میں ایک دوسرے کا گلا کاٹنے لگے۔ بھائی بھائی کا دشمن ہو گیا۔ بیٹا باپ سے بدتمیزی کرنے لگا جب ظلم، گناہ اور بدکاریاں اپنی انتہا کو پہنچ گئیں تو ایک روز لوگ رات کو سو کر اٹھے تو دیکھا کہ سورج غائب تھا۔ پھر ایک روز سیاہ آندھی چلی جس میں دلوں کو دہلا دینے والی کڑک اور گرج تھی۔ شہر کے سارے لوگ بے ہوش ہو گئے۔ جب آندھی اور گرج کا طوفان تھما تو لوگوں نے دیکھا کہ شہر کے سارے نوجوان مرد اور عورتیں غائب تھیں، صرف بوڑھے مرد اور عورتیں باقی رہ گئی تھیں۔ ہر کوئی انہیں تلاش کرنے لگا۔ مگر ان کا کوئی سراغ نہ ملا۔ تب سے لے کر اب تک کتنے ہی سال گزر گئے ہیں۔ اس شہر کا سورج غائب ہے اور اندھیرا چھایا

ہے۔ آگ روشن نہیں ہوتی۔ لوگ آہستہ آہستہ
مر رہے ہیں۔ جو کوئی یہاں سے فرار ہونے کی کوشش
کرتا ہے وہ شہر کے دروازے سے باہر نکلتے ہی دھڑام
سے گرتا ہے اور مر جاتا ہے۔"

عنبر اس بدنصیب شہر کی المناک کہانی سن کر بڑا متاثر
ہوا۔ اس نے اپنے طویل سفر میں اس قسم کا شہر کبھی نہیں
دیکھا تھا کہ جس کا سورج غائب ہو اور لوگ ایک عذاب میں
گرفتار ہوں اور شہر سے فرار بھی نہ ہو سکتے ہوں۔

اس نے بوڑھے سے کہا:

"کیا طوفانی آندھی کے بعد کسی نے پھر شہر کے نوجوان
لڑکوں اور لڑکیوں کو نہیں دیکھا؟"

بوڑھے نے آہ بھری اور کہا:

"نہیں اے اجنبی نوجوان! پھر کسی نے ان کی شکل تک
نہیں دیکھی۔ مگر لوگ کہتے ہیں کہ اس شہر کے شمال
میں پہاڑ کے اندر ایک بہت بڑا غار ہے۔ شہر کے
سارے گناہ گار نوجوان مرد اور عورتیں اس غار میں
اپنے گناہوں کی سزا بھگت رہے ہیں اور قیامت تک
اپنے اعمال کی سزا بھگتتے رہیں گے۔"

پھر بوڑھے نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا:

"تم بھی نوجوان مسافر ہو۔ اس عذاب میں مبتلا شہر
کو چھوڑ کر چلے جاؤ۔ نہیں تو تم پر بھی کوئی آفت
آ جائے گی۔"

عنبر نے کہا:

"بابا! میں اس شہر کا سورج واپس لانے کی کوشش
کروں گا۔"

بوڑھا ایک دم چونک اٹھا:

"نہیں نہیں بیٹا! ایسی بات پھر نہ کہنا۔ نہیں تو تم
پر خدا کا قہر نازل ہو جائے گا۔"

عنبر بولا:

"میں خدا سے اس شہر کے گناہ معاف کراؤں گا۔"

بوڑھا عنبر کا منہ تکنے لگا:

"کیا تم جہنم کے غار میں جاؤ گے؟"

عنبر نے کہا:

"ہاں — میں وہیں جا رہا ہوں۔"

عنبر تاریک شہر کے دروازے سے نکل کر باہر آ گیا اور
شمال کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ شمال میں ایک اونچا پہاڑ
آ گیا۔ جس کے دامن میں ایک بہت بڑا غار منہ پھاڑے
جیسے عنبر کو نگلنے کے لیے تیار تھا۔ عنبر غار میں داخل ہو گیا۔

درخت کی جس ٹہنی پر بیٹھا ہے اس کو آری سے کاٹ رہا ہے۔ جب ٹہنی کٹ گئی تو وہ دھڑام سے نیچے گڑھے میں گر گیا اور اس کا سر پھٹ گیا۔ وہ دوبارہ درخت کی ٹہنی پر آکر بیٹھ گیا اور پھر اسی ٹہنی کو کاٹنے لگا۔ عنبر نے اس سے پوچھا کہ اسے یہ کس گناہ کی سزا ملی ہے۔

وہ آدمی آہ بھر کر بولا:

"میں دوسروں کے راستے میں کانٹے بویا کرتا تھا۔ دعا کرو خدا میرے گناہ معاف کر دے۔"

عنبر آگے بڑھا تو اس نے غار میں ایک آدمی کو دیکھا جو بھوک سے تڑپ رہا تھا۔ نوکر اس کے آگے تھالوں میں ہیرے جواہرات اور سونے کی ڈلیاں بھر کر رکھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے: "آقا! یہ ہیرے جواہرات کھائیے۔" اس آدمی کو اس کے جس گناہ کی سزا مل رہی تھی وہ یہ تھا کہ اس نے ہمیشہ دوسروں کا حق مار کر دولت جمع کی تھی اور ایک پائی کی خیرات نہ کرتا تھا۔

عنبر غار میں آگے بڑھا تو ایک آدمی کو دیکھا کہ دلدل میں گردن تک ڈوبا ہوا تھا اور سانپ اس کی ناک میں گھس کر کانوں سے باہر نکل رہے تھے۔ وہ شخص چیخ رہا تھا:

"میں بدکار تھا۔ مجھے میری بدکاریوں کی سزا مل رہی ہے۔"

سے عجیب و غریب انسانی اور جانوروں کی چیخوں کی آوازیں سنائی دیں۔ مگر وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔ غار کا ایک موڑ گھوم کر اس کی آنکھوں نے ایک آدمی کو دیکھا جو ایک چشمے کے کنارے بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھلنی تھی۔ وہ اس چھلنی کو چشمے میں ڈبو کر اٹھاتا تو سارا پانی چھلنی کے سوراخوں میں سے بہہ جاتا۔ وہ چھلنی کو منہ تک لا کر کہتا:

"میں پیاس سے مرا جا رہا ہوں۔ پانی! پانی!"

یہ کہہ کر وہ دوبارہ چھلنی کو پانی میں ڈبوتا اور جب اٹھاتا تو سارا پانی اس کے سوراخوں سے بہہ جاتا۔ وہ پانی کو چلّو میں بھرنے کی کوشش کرتا تو پانی ریت بن جاتا۔ عنبر نے اس سے پوچھا کہ اس کو یہ کس گناہ کی سزا مل رہی ہے؟

اس نے کہا:

"عنبر! میں غریب مزدوروں پر ظلم کرتا تھا اور ان کی دن بھر کی کمائی خود کھا جاتا تھا۔ اب میں پچھتا رہا ہوں۔ کاش میرا خدا مجھے معاف کر دے۔"

عنبر نے کہا:

"میں تمہارے حق میں دعا کروں گا۔"

عنبر یہ کہہ کر آگے بڑھا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک آدمی

اے خدا مجھے معاف کر دے میں اب کبھی بدکاری
نہیں کروں گا۔"

عنبر اس کے حق میں دعا مانگتا ہوا آگے بڑھا تو ایک عورت
کو دیکھا کہ اس کے سر کے بال اس کے پاؤں سے بندھے
ہوئے تھے اور وہ رو رہی تھی۔ اس نے عنبر کو بتایا کہ وہ لوگوں
کی اولاد کو بُرے راستوں پر ڈالا کرتی تھی اور اب اپنے کیے کی
سزا بھگت رہی ہے۔

"میرے لیے دعا کرو کہ خدا میرے گناہ معاف کر دے۔"

غار میں آگے بھی کچھ لوگ عذاب میں گرفتار دکھائی دے
رہے تھے، مگر عنبر سے یہ دردناک منظر نہ دیکھے گئے۔ وہ غار
سے باہر آ گیا۔ اس نے باہر آتے ہی وضو کیا اور دو نفل پڑھ
کر خدا کے حضور سجدہ ریز ہو کر عذاب میں گرفتار لوگوں کے
لیے بخشش کی دعا کی۔ وہ نماز پڑھ کر فارغ ہوا تو درختوں میں
سے ایک بزرگ نکل کر عنبر کے پاس آئے اور بولے:

"عنبر! اگر تم اس شہر اور شہر کے لوگوں کو عذاب سے
چھٹکارا دلانا چاہتے ہو تو یہاں سے دو کوس کے فاصلے
پر ایک دریا ہے۔ دریا کے دوسرے کنارے پر ایک
نیک آدمی رہتا ہے۔ اسے کہو کہ وہ اس شہر کے
لوگوں کے حق میں دعا کرے۔ ہو سکتا ہے خدا انہیں

معاف کر دے۔"

عنبر نے پوچھا:

"کیا وہ نیک آدمی کوئی پادری ہے یا کوئی خدا رسیدہ
درویش ہے؟"

بزرگ نے کہا:

"وہ نیک آدمی نہ تو کوئی پادری ہے اور نہ ہی کوئی
درویش ہے۔ وہ ایک کمہار ہے اور شہر سے باہر
دریا کے کنارے ایک جھونپڑی میں رہتا ہے۔ تم جب
اس سے ملو گے تو تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ
وہ کیا نیکی کرتا ہے اور خدا اس کی دعائیں قبول
کرے گا۔"

یہ کہہ کر بزرگ درختوں میں جدھر سے آئے تھے واپس
چلے گئے۔

عنبر اس نیک دل کمہار سے ملنے دریا کی طرف چل دیا۔
دو کوس کے فاصلے پر اسے دریا کے کنارے اندھیرے میں
ایک جھونپڑی دکھائی دی جس میں سے چراغ کی دھیمی دھیمی روشنی
باہر نکل رہی تھی۔ یہاں اندھیرا اتنا گہرا نہیں تھا۔ عنبر نے جھونپڑی
کی کھڑکی میں سے دیکھا کہ اندر دیا جل رہا ہے اور ایک
نوجوان ٹوٹی پھوٹی چارپائی پر لیٹے سفید بالوں والے ایک

کمزور سے بوڑھے کے پاؤں داب رہا ہے۔ اس وقت شہر
کے لوگ میٹھی نیند کے مزے لے رہے تھے مگر وہ نوجوان
جاگ رہا تھا۔ بوڑھا ذرا کھانستا تھا تو وہ نوجوان اٹھ کر اس
کے حلق میں کسی دوائی کے چند قطرے ٹپکا دیتا اور پھر پائنتی
کی طرف آ کر اس کے پاؤں دابنے لگتا تھا۔ عنبر جھونپڑی کے
قریب ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور صبح ہونے کا انتظار
کرنے لگا:

پو پھٹنے کے بعد سورج نکل آیا۔ یہاں سورج غائب نہیں
تھا۔ سورج کی سنہری روشنی جھونپڑی کے ارد گرد پھیل گئی۔ وہ
نوجوان کمہار جھونپڑی میں سے بوڑھے آدمی کے میلے کپڑے لے
کر نکلا اور اسے دریا پر دھونے لگا۔ کپڑے دھو کر اس نے
جھونپڑی کے باہر سوکھنے کے لیے ڈال دیئے اور خود چاک پر
بیٹھ کر مٹی کے برتن بنانے لگا۔

عنبر نے پاس جا کر سلام کیا اور پوچھا:

"بھائی کیا تم اس جنگل میں اکیلے رہتے ہو؟"

نوجوان کمہار نے کہا:

"نہیں بھائی! میں اپنے باپ کے ساتھ رہتا ہوں
میرا باپ جھونپڑے میں ہے۔ وہ بیمار ہے۔ اسے
ایسا مرض لگا ہے کہ کوئی اس کے قریب نہیں جاتا۔

حکیم کہتے ہیں اگر کوئی اس کے پاس گیا تو یہ بیماری
اسے بھی لگ جائے گی اور وہ مر جائے گا!"

عنبر نے پوچھا:

"کیا تمہیں اپنی جان کا خطرہ نہیں ہے؟"

نوجوان کمہار نے کہا:

"وہ میرا باپ ہے۔ اس نے مجھے پالا پوسا ہے۔
اب وہ بوڑھا ہو گیا ہے اور بیمار ہے۔ میرا فرض
ہے کہ میں اس کی خدمت کروں۔ اگر میں مر بھی گیا
تو قیامت کے دن خدا کے حضور یہ سوچ کر شرمندہ
تو نہ ہوں گا کہ میں نے اپنے باپ کو مرنے کے لیے
اکیلا چھوڑ دیا تھا!"

عنبر اس نوجوان کی فرماں برداری اور نیکی پر عش عش کر
اٹھا۔ اب وہ سمجھ گیا کہ بزرگ نے اسے اس کے پاس
کیوں بھیجا تھا۔ عنبر نے اسے ساتھ والے شہر کے بارے میں
ساری بات بتائی کہ کس طرح اس شہر کے لوگ بدکاریوں میں
پھنس گئے تھے اور اس شہر کا سورج غائب ہو گیا ہے اور لوگ
عذاب میں مبتلا ہو گئے ہیں:

"میرے بھائی! میری تم سے درخواست ہے کہ اس
شہر کے لوگوں کی بخشش کے لیے خدا کے حضور دعا

کرو۔ ہو سکتا ہے خدا تمہاری دعا قبول کرے اور
اس شہر کا عذاب ٹل جائے۔"

نوجوان کمہار نے کہا:

"بھائی! میں تو ایک گناہگار بندہ ہوں۔ بھلا میری دعا
کہاں قبول ہو گی۔"

عنبر نے کہا:

"مجھے یقین ہے تمہاری دعا ضرور قبول ہو گی۔ تم
ایک بار دعا کرو۔"

نوجوان نے دریا کے پانی سے وضو کیا۔ دو نفل پڑھے
اور پھر خدا کے حضور ہاتھ اٹھا کر عذاب میں گرفتار شہر کے لیے
دعا مانگنے لگا۔ دعا مانگنے کے بعد اس نے عنبر سے کہا:

"خدا میری دعا قبول کرے۔ میں نے اپنا فرض ادا کر
دیا ہے۔"

عنبر اس کا شکریہ ادا کر کے واپس شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔
جب وہ شہر میں پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ شہر پر
سورج چمک رہا تھا اور لوگ گھروں سے نکل کر سورج کی
روشنی میں خدا کے حضور سجدے میں گرے ہوئے تھے۔ وہ
غار کی طرف آ گیا۔ غار میں سے وہ سب لوگ خدا کی
حمد گاتے اور خداوند کریم کا شکر ادا کرتے خوشی خوشی باہر

نکل رہے تھے جو چند لمحے پہلے شدید عذاب میں مبتلا تھے۔
خدا نے بیمار باپ کی دن رات خدمت کرنے والے نوجوان
کمہار کی دعا قبول فرما لی تھی اور شہر کے لوگوں کے گناہ معاف
کر دیئے تھے۔ عنبر نے عبرت حاصل کی اور خدا کا شکر ادا
کر کے دریا کے ساتھ ساتھ چلتا شام کے وقت پرانے شہر موصل
کی ایک کارواں سرائے میں آ گیا۔

یہ کارواں سرائے دریائے دجلہ کے کنارے پر تھی۔ یہاں
سے بادبانی جہاز ملک روم کو جاتے تھے۔ عنبر نے فیصلہ کیا کہ
وہ ملک روم جا کر ناگ اور ماریا کو تلاش کرنے کی کوشش کرے
گا۔ اس کا خیال تھا کہ ہو سکتا ہے وہ دونوں اسے وہاں مل
جائیں کیوں کہ ملک شام اور مصر میں وہ ڈھونڈ چکا تھا اور وہ
دونوں اسے نہیں ملے تھے۔ اب ایک ہی ملک روم رہ گیا
تھا۔ عنبر نے دو دن اس کارواں سرائے میں بسر کیے۔ تیسرے
روز ایک بادبانی جہاز میں سوار ہو کر ملک روم کی طرف
روانہ ہو گیا۔ اس جہاز پر مسافر سوائے عنبر کے اور نہیں تھا
یہ جہاز سامان لے کر روم جا رہا تھا۔ عنبر کو جہاز کے کپتان
نے خاص طور پر اجازت دے دی تھی کیوں کہ عنبر نے اسے
بتایا تھا کہ وہ حکیم ہے اور جڑی بوٹیوں سے بیماروں کا
علاج کرتا ہے۔ جہاز کے کپتان نے اس خیال سے عنبر کو جہاز

پر سوار کرا لیا کہ راستے میں اگر کوئی ملاح بیمار پڑ گیا تو عنبر اس
کا علاج وغیرہ کر سکے گا۔ جہاز ایک روز دریائے دجلہ میں
سفر کرتا رہا۔ دوسرے روز صبح صبح وہ بحیرۂ روم میں داخل ہو گیا
اس جہاز کو بحیرۂ روم میں دس دن کے سفر کے بعد ملک روم
کی ایک بندرگاہ پر پہنچنا تھا۔ ہوا موافق تھی۔ موسم خوشگوار
تھا۔ جہاز کے بادبان ہوا میں پھولے ہوئے تھے اور وہ بڑے
سکون کے ساتھ سمندر میں اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔

سمندر میں سفر کرتے ہوئے جب شام ہو گئی اور
بادبانی جہاز پر چراغ روشن کر دیئے گئے تو عنبر کو جہاز کے
کپتان نے اپنے کیبن میں بلایا اور ایک پرانی کتاب دکھائی
جس کی جلد نسواری رنگ کے چمڑے کی تھی اور ورق زرد ہو کر
پھٹ گئے تھے۔

کپتان نے کہا:

"میں تمہیں ایک خاص راز بتانے لگا ہوں جو اب
تک میں نے کسی کو نہیں بتایا۔ یہ کتاب مجھے ایک
جزیرے کے پرانے کھنڈروں میں زمین میں دبی
ہوئی ملی تھی۔ اس کی تحریر عبرانی زبان کی ہے جو
میں نہیں پڑھ سکتا۔ میں نے دمشق کے ایک یہودی
سے پڑھوائی تو معلوم ہوا کہ اس کتاب میں لکھا ہے

کہ آج سے چار ہزار سال پہلے جہاں آج کل بحرالکاہل
ہے وہاں ایک شہر آباد تھا۔ شہر بڑا خوش حال تھا اور
لوگ دولت میں کھیلتے تھے۔ لوگوں نے گھروں میں
سونے کی اینٹیں جمع کر رکھی تھیں۔ یہ سونا شہر کے
قریب ہی سمندر میں ایک جزیرے کی کان سے نکلتا
تھا۔ پھر ایک رات بڑا خوفناک زلزلہ آیا۔ اس
کتاب میں لکھا ہے کہ یہ زلزلہ نہیں بلکہ قیامت تھی
زمین پھٹ گئی۔ پہاڑ وادیاں شہر اور مکان اس میں
غرق ہو گئے۔ پھر سمندر اوپر آ گیا اور شہر کی ساری
زمین اور پہاڑ سمندر کے نیچے چلے گئے۔ وہ جزیرہ
بھی غرق ہو گیا جہاں سونے کی کان تھی۔ کتاب میں
لکھا ہے کہ جس وقت یہ قیامت آئی اس وقت
چار آدمی ایک کشتی میں سونے کی بے شمار اینٹیں
لاد کر شہر لا رہے تھے۔ جب زلزلہ آیا تو وہ کشتی
واپس لے کر بھاگ گئے کہتے ہیں کہ اس شہر کے
صرف وہی چار آدمی زندہ بچے جن کے پاس سونے
کا انبار تھا۔"

عنبر نے پوچھا:

"پھر وہ لوگ کہاں گئے؟"

کپتان نے کہا:
"اسی کتاب میں درج ہے کہ وہ چاروں آدمی ملک
روم کے ساحل پر اُتر گئے۔ یہاں انہوں نے سمندری
چٹانوں کے پاس ایک چھوٹا سا قلعہ تعمیر کیا اور
اپنی ساری دولت سارا سونا اس قلعے میں کسی جگہ
دفن کر کے وہیں رہنے لگے۔"
کپتان خاموش ہو گیا۔
عنبر نے پوچھا:
"پھر یہ لوگ کہاں گئے؟"
کپتان نے کتاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:
"اس کے آگے کتاب کے ورق پھٹ گئے ہیں۔
یہ کتاب اس کے بعد ان لوگوں کا حال نہیں بتاتی۔
لیکن سونے کا وہ انبار! سونے کی وہ ساری اینٹیں
اسی قلعے میں زمین کے اندر دفن ہوں گی۔ ظاہر ہے
وہ لوگ مر کھپ گئے ہوں گے اور سونا وہیں دفن
ہو گا۔"
عنبر کہنے لگا:
"اب تم کیا چاہتے ہو؟"
کپتان نے مکاری سے مسکراتے ہوئے کہا:

"مجھے یہ کتاب دو مہینے ہوئے ہاتھ لگی ہے۔ میں تب
سے کسی قابلِ اعتبار ساتھی کی تلاش میں تھا۔ ایک
ایسے ساتھی کی تلاش میں جو جڑی بوٹیوں کے بارے
میں کافی معلومات رکھتا ہو۔ کیوں کہ میں نے بڑے
بوڑھوں سے سن رکھا ہے، کہ جس زمین میں سونا دفن
ہو وہاں جھاڑیوں اور جڑی بوٹیوں پر ایک خاص قسم
کا رنگ آ جاتا ہے اور ان میں سے ایک خاص
قسم کی خوشبو نکلتی ہے جسے صرف کوئی جڑی بوٹیوں
کا ماہر ہی پہچان سکتا ہے۔ جب تم نے مجھے بتایا کہ
تم جڑی بوٹیوں کے ماہر ہو تو میں نے اسی وقت
فیصلہ کر لیا کہ سونے کی تلاش کی اس مہم میں مجھے
جس ساتھی کی ضرورت تھی وہ مجھے مل گیا ہے۔"
"سونے کی تلاش؟" عنبر نے تعجب سے پوچھا۔
"ہاں" کپتان مسکرایا، "میں سونے کے اس بے بہا خزانے
کو تلاش کرنا چاہتا ہوں جسے آج سے چار ہزار سال
پہلے بحر الکاہل کے غرق شدہ شہر کی تباہی سے بچ
جانے والے چار آدمیوں نے روم کے ساحل پر ایک
قلعے کے اندر دفن کر دیا تھا اور میں چاہتا ہوں کہ
اس مہم میں تم میرا ساتھ دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ

آدھی دولت تمہیں دے دوں گا۔ پھر تم اپنی باقی
عمر عیش و آرام سے گزار سکو گے۔ بتاؤ تمہارا کیا
فیصلہ ہے؟"

عنبر سوچ میں پڑ گیا۔ اسے سونے چاندی کی دولت کے
انباروں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اسے تو ماریا اور ناگ کی
تلاش تھی۔ اسے کیا ضرورت پڑی ہے کہ خوامخواہ کپتان کے ساتھ
سونے کی تلاش میں مارا مارا پھرے۔

کپتان نے کہا:

"ایک اور بات جو میں تمہیں کہنا بھول گیا یہ ہے کہ
مجھے تمہاری اس لیے بھی ضرورت ہے کہ جہاں خزانہ
دفن ہوتا ہے وہاں اس پر ایک سانپ ضرور پہرہ
دیتا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ سانپ نظر نہیں آتا اور
جو آدمی خزانے کو حاصل کرنے آتا ہے اسے ڈس کر
ہلاک کر دیتا ہے، لیکن جو آدمی جڑی بوٹیوں کا ماہر ہو
وہ کسی خاص بوٹی کا سفوف پھینک کر خزانے کے
سانپ کو بے سدھ کر دیتا ہے۔"

خزانے کے سانپ کے خیال سے عنبر کو ناگ کا خیال آ
گیا۔ خزانے پر جو سانپ بیٹھا ہوتا ہے وہ اس علاقے کے
سانپوں کا سرتاج ہوتا ہے اور اس میں اتنی طاقت ہوتی ہے

کہ وہ دور دراز کا حال بتا دے۔ عنبر نے سوچا کہ ہو سکتا ہے یہ
خزانے کا سانپ اسے ناگ کے بارے میں بتا دے کہ وہ کہاں ہے
اور اس سے کس جگہ ملاقات ہو سکتی ہے۔

اس نے کپتان سے کہا:

"میں تمہارے ساتھ اس مہم پر جانے کو تیار ہوں۔"

کپتان بڑا خوش ہوا۔ اس نے عنبر کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"میری طرف سے تم بے فکر رہو دوست! میں بد دیانتی
نہیں کروں گا۔ سونا مل گیا تو سب سے پہلے اس میں سے
تمہارا حصہ نکال کر تمہیں دوں گا۔"

عنبر نے پوچھا:

"کیا تمہیں یقین ہے کہ سونا اسی جگہ دفن ہو گا؟"

"میرا دل کہتا ہے کہ سونے کا خزانہ اسی قلعے میں دفن
ہے اور وہ ہمارا انتظار کر رہا ہے۔"

O

ناگ زندہ لاش بن گیا

ناگ شیلا کے ہوسٹل کے کمرے کے روشن دان میں سے باہر نکل گیا
اس کے کاندھوں پر اب امبا دیوی کی مورتی کی واپسی کی
ذمے داری تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے چالیس روز کے اندر اندر
امبا دیوی کی مورتی شیلا کو واپس لا کر نہ دی تو اس کے خاندان کے
لوگ ایک ایک کر کے مرنا شروع ہو جائیں گے اور وہ نہیں
چاہتا تھا کہ شیلا اور اس کی ممی اور گھر کے دوسرے روز چالیس
روز کے بعد ایک ایک کر کے مر جائیں گے۔ شیلا کے گھر میں
انسپکٹر رومیش کے آنے سے پہلے اس کو شیلا نے بتایا تھا کہ
دکن کے شہر میں جہاں ایلورا کے پرانے غار ہیں وہاں سے کچھ
فاصلے پر ہزار برس پہلے ایک مندر ہوا کرتا تھا جو بڑے بڑے
پتھر کاٹ کر بنایا گیا تھا اور جہاں پورن ماشی کی رات کو ایک
کنواری لڑکی کو امبا دیوی کے بت کے آگے قربان کر دیا
جاتا تھا۔ ناگ کو اب اس ہزار سال پرانے مندر کی تلاش
تھی، کیوں کہ اس پرانے مندر میں امبا دیوی کا بت ہوا کرتا

تھا جس کی مورتی شیلا کے گھر سے چوری ہو گئی تھی۔ ایک
اور بات یہ تھی کہ امبا دیوی کی مورتی کی چوری کے ساتھ ہی
ماریا بھی گم ہو گئی تھی۔ ایک طرح سے ناگ کو امبا دیوی کی
مورتی کے ساتھ ساتھ ماریا کی بھی تلاش تھی اور اسے امید
تھی کہ اس ہزار سالہ پرانے مندر سے اگر مورتی کی چوری کا
کچھ سراغ ملے گا تو ماریا کے بارے میں بھی کچھ معلومات مل
سکیں گی۔ کیوں کہ جب سے مورتی غائب ہوئی تھی، ماریا بھی
غائب تھی۔ خدا جانے مورتی کی چوری میں کون سا راز چھپا ہوا
تھا اور ماریا کے ساتھ کیا گذری تھی اور وہ کہاں تھی۔
ناگ کی منزل حیدر آباد دکن تھی۔ دکن میں مسلمانوں کی
بہت زیادہ آبادی تھی۔ یہ ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست
تھی۔ کبھی اس ریاست پر نواب حیدر آباد حکومت کرتا تھا۔
اور پاکستان بننے کے بعد بھارتی فوج نے اس پر حملہ کر دیا۔
ٹینک لے کر دکن میں آ گئے۔ مسلمانوں کا قتل عام کیا اور
حیدر آباد دکن پر قبضہ کر لیا۔ اب یہ ریاست بھارت کا
حصہ تھی اور اب بھی وہاں مسلمانوں کی آبادی بہت زیادہ
ہیں۔ بڑی خوب صورت کشادہ تاریخی مسجدیں اور قلعے تھے۔
چونکہ حکومت ہندو کی تھی اس لیے مسلمان بے چارے
دب کر رہتے تھے اور ہندو مسلم فساد ہوتے ہی رہتے تھے۔
فسادات میں مسلمانوں کا بہت جانی اور مالی نقصان ہوتا

تھا. کیوں کہ ہندو سکھ فوج وہاں کے مسلمانوں کو قتل کرنے، ان کے گھروں کو آگ لگانے میں وہاں کے ہندوؤں کا ساتھ دیتی تھی۔

ناگ پرندے کی شکل میں رات کے وقت بمبئی شہر کی روشن عمارتوں اور سڑکوں کے اوپر اڑ رہا تھا۔ وہ سیدھا ریلوے سٹیشن پر آ گیا۔ ائرپورٹ پر پولیس موجود تھی اور ناگ خواہ مخواہ وہاں ایک بار پھر وہی سین نہیں دہرانا چاہتا تھا۔ ریلوے سٹیشن پر کئی پلیٹ فارموں پہ ریل گاڑیاں کھڑی تھیں اور مسافر ان میں سوار تھے۔ ناگ سٹیشن کے اندر ایک سیڑھیوں والے پل پر اُتر گیا۔ یہاں اس نے انسانی شکل اختیار کی اور سیڑھیاں اُتر کر پلیٹ فارم پر آ گیا۔ ریل گاڑی پہ جھانسی لکھا تھا۔ ناگ نے ایک آدمی سے پوچھا کہ حیدر آباد دکن کو گاڑی کہاں سے اور کب جائے گی۔

اس آدمی نے کہا:

"حیدر آباد جانے کے لیے آپ اسی گاڑی میں سوار ہو جائیں راستے میں ایک سٹیشن آئے گا گنج باسودہ وہاں سے آپ کو حیدر آباد جانے والی ٹرین مل جائے گی"

ناگ یہی چاہتا تھا۔ اس کے پاس نہ بھارتی پیسے تھے اور نہ ٹکٹ تھا وہ ٹرین میں سوار ہو گیا۔ پلیٹ فارم پر پولیس کے

دو تین سپاہی اِدھر اُدھر پھر رہے تھے مگر ناگ نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ ٹرین چل پڑی۔ کچھ مسافر سو رہے تھے، اور باقی مسافروں نے ٹرین کے شہر سے باہر نکلتے ہی اونگھنا شروع کر دیا۔ اب ناگ نے ڈبے کا جائزہ لیا۔ یہ تھرڈ کلاس کا ڈبہ تھا اور اس میں زیادہ رش نہیں تھا۔ بعض مسافر سیٹوں پر لیٹے ہوئے تھے، برتھ پر بھی مسافر بیٹھے تھے۔ ناگ نے دیکھا کہ کونے والی سیٹ پر ایک جوگی سیٹھ پر آلتی پالتی مارے بیٹھا ہے اس کی آنکھیں بند ہیں، سر کے لمبے بال کھلے ہیں۔ گلے میں منکوں کی مالائیں ہیں۔ ہاتھوں میں منکوں والے کنگن ہیں اور لمبی داڑھی ہے۔ ہندوستان میں اس قسم کے سادھو اور جوگی لوگ قدم قدم پر ملتے ہیں اس لیے ناگ نے کوئی خاص نوٹس نہ لیا۔ مگر جوگی نے چوری نظروں سے اسے دیکھ لیا تھا۔

یہ جوگی ہمالیہ کے پہاڑوں میں چودہ برس تک ریاضت کرتا رہا تھا اور آدمی کو ایک نظر میں دیکھ کر پہچان جاتا تھا کہ وہ کون ہے۔ ناگ جب ڈبے میں داخل ہوا ہی تھا تو جوگی نے اس کے چہرے پر ایک خاص بات دیکھ لی تھی اور سمجھ گیا تھا کہ یہ شخص کوئی معمولی آدمی نہیں ہے اب وہ اپنی چودہ سال کی ریاضت کے تجربے کر رہا

میں لاتے ہوئے یہ جاننے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ آدمی حقیقت میں ہے کون اور اس میں خاص بات کیا ہے۔ مگر اس کی ریا چودہ سالہ تجربہ اس کی مدد نہیں کر رہا تھا۔

ٹرین بمبئی شہر سے باہر نکل کر اب ایک جنگل میں سے بڑی تیز رفتاری کے ساتھ گذر رہی تھی۔ اسی طرح کئی چھوٹے چھوٹے سٹیشن آئے اور گذر گئے۔ ناگ خاموش بیٹھا، ماریا، عنبر اور امبا دیوی کی مورتی کے بارے میں سوچتا رہا اور جوگی یہ غور کرتا رہا کہ یہ آدمی اصل میں کون ہے۔ رات آدھی سے زیادہ گذر چکی تھی اور گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے بعد پو پھٹنے والی تھی۔ یہ ٹرین ایسی تھی کہ اس میں دو ڈبوں کے درمیان اندر ہی اندر راستہ بنا ہوا تھا اور مسافر چلتی ٹرین میں ایک ڈبے سے دوسرے ڈبے میں جا سکتے تھے۔ فسٹ اور سیکنڈ کلاس میں رات کو ٹی ٹی ٹکٹ چیک کرنے نہیں آتے مگر تھرڈ کلاس پر وہ جس وقت چاہیں حملہ کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اس ڈبے میں بھی ایک ٹکٹ چیکر آ گیا۔

ناگ نے اسے دیکھا تو دل ہی دل میں اسے کوسنے لگا کہ یہ کم بخت اس وقت کہاں سے آ گیا۔ خوامخواہ اسے بک بک جھک جھک کرنی پڑے گی۔ ٹکٹ چیکر سوئے ہوئے مسافروں کو جگا جگا کر ٹکٹ دیکھ رہا تھا۔ بڑا بدتمیز چیکر تھا۔

مسافروں کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آ رہا تھا۔ جب وہ جوگی کے پاس آیا تو اس نے ٹکٹ پوچھا۔

جوگی نے کہا:

"بابا! ہم جوگی لوگ ٹکٹ نہیں خریدا کرتے۔"

چیکر بولا:

"جوگی ہو گے تم اپنے گھر۔ مجھے اگر ٹکٹ نہیں دکھاؤ گے تو میں اگلے سٹیشن پر نیچے اتار دوں گا۔"

جوگی نے کہا:

"بابا! ہم سادھو سنیاسی ہیں۔ ہم گنگا اشنان کرنے جا رہے ہیں۔ تم ہمیں گاڑی سے اتار دو گے تو یہ گاڑی نہیں چلے گی۔"

چیکر نے جوگی کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا:

"میری ۲۰ سال کی سروس ہو گئی ہے۔ تم ایسے ہزاروں جوگی بابا دیکھے ہیں۔ مجھے ٹکٹ دکھاؤ نہیں تو پیسے نکالو اور میں بمبئی سے سیتاپوری جنکشن تک کا ٹکٹ بنا دوں گا۔ اگر پیسے نہیں ہیں تو اگلے سٹیشن پر نیچے اتر جاؤ۔"

جوگی مسکرایا:

"بابا لوگ! ہم کسی سے ناراض نہیں ہوا کرتے۔ مگر

جب کوئی ہمیں تنگ کرتا ہے تو ہم اسے معاف
نہیں کیا کرتے۔ ہم گنگا اشنان کرنے جا رہے
ہیں۔ ہمارا راستہ نہ روکو۔ ہمارے پاس نہ ٹکٹ ہے
اور نہ ٹکٹ خریدنے کے پیسے ہیں۔"

چیکر نے کہا:

"تو پھر اگلے سٹیشن پر نیچے اترنے کے لیے
تیار ہو جاؤ۔"

اس کے بعد وہ دوسرے مسافروں کے ٹکٹ چیک کرتا
ہوا ناگ کے پاس آ گیا۔

"ٹکٹ دکھاؤ جی۔"

ناگ نے کہا:

"میں جلدی میں تھا۔ ٹکٹ خریدنے کا وقت نہیں تھا۔"

چیکر نے بھنویں چڑھاتے ہوئے کہا:

"تو پھر نقد نرائن نکالو۔ یعنی ٹکٹ کے پیسے بمعہ
جرمانے کے نکالو۔"

ناگ نے کہا:

"اس وقت تو میرے پاس پیسے بھی نہیں ہیں۔"

چیکر نے ناگ کو بدتمیزی سے کہا:

"تو میں تمہارے باپ کا نوکر نہیں ہوں کہ تمہیں
اس ٹرین میں بٹھا کر سیر کراتا پھروں۔"

پھر غصے میں بولا:

"نکالو پیسے۔"

ناگ نے بڑے ٹھنڈے دل سے کہا:

"میں نے آپ سے کہہ دیا تاکہ میرے پاس
پیسے نہیں ہیں۔ اگر پیسے ہوتے تو میں ٹکٹ ضرور
خرید لیتا۔ میں نے کبھی بغیر ٹکٹ کے سفر نہیں کیا۔"

جوگی بھی ناگ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

چیکر نے بدتمیزی سے کہا:

"تم تو مجھے عادی چور لگتے ہو۔ ٹھہر جاؤ۔ اگلے
سٹیشن پر تمہیں پولیس کے حوالے کرتا ہوں۔"

ناگ نے کوئی جواب نہ دیا۔

بدتمیز جاہل چیکر ناگ کو برا بھلا کہتا رہا اور دوسرے
مسافروں کو مخاطب کر کے بولا:

"یہ اور وہ جوگی۔ دونوں چور ہیں۔ سرکاری خزانے
پہ ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ بغیر ٹکٹ کے سفر کرتے ہیں
میں تو ان کی کھال کھنچوا دوں گا۔"

ناگ کو غصہ تو بہت آیا مگر وہ غصے کو پی گیا۔ لیکن
چیکر بک بک کیے جا رہا تھا۔ اگلا سٹیشن بھی ابھی نہیں
آ رہا تھا۔ اب ناگ کو بھی غصہ آ گیا۔ وہ اپنی سیٹ
سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی آنکھیں کوبرا سانپ کی طرح

سرخ انگارہ بن گئیں اور ان میں سے چنگاریاں نکلنے لگیں۔
اس کی سانس سانپ کی پھنکار بن گئی۔ اس نے چیکر کی
آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور سانپ ایسی پھنکار کے
ساتھ کہا:

"الو کے پٹھے! کیا چاہتا ہے تو؟ کیوں بک بک
بند نہیں کرتا!"

اب ٹکٹ چیکر کے ہوش ٹھکانے آئے۔ ناگ کی انگارہ
آنکھوں میں اسے سانپ کے پھن لپک لپک کر اپنی طرف
آتے دکھائی دے رہے تھے۔ تھر تھر کانپنے لگا.... ہاتھ
باندھ کر بولا:

"مہاراج معاف کر دیں۔ غلطی ہو گئی مہاراج۔ اب کبھی
ٹکٹ نہیں مانگوں گا۔"

لیکن ناگ کا پارہ چڑھ چکا تھا۔

اس نے کہا:

"تم نے مجھے چور کہا ہے۔ میں تمھیں اس کا مزہ
چکھاؤں گا۔"

ناگ نے بجلی ایسی تیزی کے ساتھ ہوا میں ہاتھ پھیلایا
اور گرج کر کہا:

"ہے ناگ منی! اپنا بچہ بھیج اس کے لیے۔"

اور اس کے ہاتھ میں ایک سبز سانپ لٹکنے لگا۔

یہ سانپ ہوا میں سے اڑ کر اس کے ہاتھ میں آیا تھا
ناگ نے وہ سانپ ٹکٹ چیکر کی گردن پر دے مارا
سانپ نے چیکر کی گردن جکڑ لی اور وہ گر پڑا اور خوف
کے مارے اس کی آواز بند ہو گئی۔

ناگ نے چیخ کر سانپ سے کہا:

"ناگ منی کے بیٹے! اسے ہلاک مت کرنا۔"

ڈبے کے سارے مسافر جاگ پڑے تھے اور یہ تماشہ پھٹی
پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ ٹکٹ چیکر ڈبے کے فرش
پر پڑا تھا۔ اس کی گردن میں سبز سانپ پھنکار رہا تھا۔
چیکر کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا اور پسینے چھوٹ رہے تھے۔
اس نے دونوں ہاتھ جوڑ رکھے تھے اور ناگ سے اپنی گستاخی
اور بدتمیزی کی معافی مانگ رہا تھا۔ مگر اس کی آواز حلق سے
باہر نہیں آ رہی تھی۔

جوگی اس کھیل کو بڑی گہری دلچسپی سے تک رہا تھا۔ اسے
پہلے ہی شک تھا کہ یہ نوجوان غیر معمولی طاقت رکھتا ہے۔
اب اس کا شک یقین میں بدل گیا تھا۔ ڈبے میں ہندو مسافر
تھے جنھوں نے ناگ کو دیکھ کر "ناگ منی کی جے ہو" کے نعرے
لگانے شروع کر دیئے۔ وہ ناگ کو ناگ منی سمجھنے لگے تھے۔
جب ناگ نے دیکھا کہ اب ٹکٹ چیکر کی موت قریب
ہے اور دہشت کے مارے اس کا دم نکل جائے گا تو اس

نے ہاتھ پھیلا کر کہا:

"ہے ناگ منی کے بیٹے! واپس اپنے گھر چلا جا!"

سیز سانپ نے ٹکٹ چیکر کی گردن کو چھوڑ دیا اور فضا میں غائب ہو گیا۔ لوگوں نے ایک بار پھر "ناگ منی کی جے ہو" کے نعرے لگانے شروع کر دیے۔ ٹکٹ چیکر کی پتلون ڈھیلی ہو گئی تھی۔ اس سے پتلون اوپر نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ ٹرین ایک سٹیشن پر رک گئی۔ ٹکٹ چیکر نے باہر چھلانگ لگا دی اور پیچھے ڈبوں کی طرف پتلون ہاتھوں میں تھامے بھاگنے لگا۔

جب ٹرین دوبارا روانہ ہوئی تو جوگی نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا:

"بچے! ہم نے تمھاری کرامت دیکھی۔ تو ہمیں کوئی سانپوں کا جادوگر لگتا ہے۔ مگر ہم تجھ سے خوش ہیں۔ تم نے ایک پاپی بندے کو اچھا سبق سکھایا ہے کیا تم میرے پاس آ کر نہیں بیٹھو گے؟"

ناگ نے دور ہی سے جوگی کی طرف دیکھ کر کہا:

"میں اسی جگہ ٹھیک ہوں جوگی بابا! آپ کی تعریف کا شکریہ۔"

جوگی نے کہا:

"تم بڑی اچھی اردو بولتے ہو۔ کیا تم مسلمان ہو؟"

ناگ نے کہا:

"ہاں۔ میں اب مسلمان ہوں پہلے کافر تھا۔ پھر خدا نے مجھے اسلام کی روشنی دکھائی اور میں نے اسلام قبول کر لیا۔"

جب ٹرین کے ہندو مسافروں کو پتہ چلا کہ جس شخص کو وہ ناگ منی سمجھ رہے تھے۔ وہ مسلمان ہے تو انھوں نے نفرت سے منہ پھیر لیے۔ جوگی پر لیکن اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے مسکرا کر ناگ سے پوچھا:

"مگر بچہ! مسلمان ناگ منی کو نہیں پکارا کرتے تم نے ناگ منی کو پکارا تھا اور ناگ منی نے تمھیں اپنا سانپ بچہ بھی کہا تھا؟"

ناگ نے کہا:

"یہ ایک راز ہے جو تم اگر کوہ ہمالیہ میں جا کر مزید چودہ سال ریاضت کرو تب بھی تمھیں معلوم نہ ہو سکے گا۔"

اس کے بعد جوگی نے ناگ سے کوئی بات نہ کی مگر وہ برابر گہری نظروں سے ناگ کو تکتا رہا۔ صبح کے وقت گنج باسودہ کا جنکشن آ گیا۔ یہاں ناگ اتر گیا۔ اسے یہاں حیدرآباد کے لیے ٹرین تبدیل کرنی تھی۔ یہاں ہندو لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو گئے اور اسے حیرت سے تکنے لگے۔ کچھ

ہندوؤں نے ناگ منی کی جے ہو' اور کچھ نے "یہ مسلمان ہے اسے مار ڈالو" کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ ناگ پریشان ہو کر وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ لوگوں کو ناحق تنگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اگر وہ بھی مقابلے پر اتر آیا یہاں دس بارہ انسانوں کا خون ہو جائے گا۔ ناگ نے اس سے یہی بہتر سمجھا کہ وہاں سے چلا جائے اور اگلے سٹیشن پر جا کر حیدر آباد جانے والی ٹرین پکڑے۔ وہ حیدر آباد دکن کو جانے والی ریلوے لائن پر چلنے لگا۔ لوگ کچھ دور تک اس کے پیچھے پیچھے آئے پھر واپس مڑ گئے۔ ناگ اکیلا رہ گیا تو اس نے گہرا سانس لیا اور پرندہ بن کر اڑ گیا۔ فضا میں وہ ریل کی پٹڑی کے بالکل اوپر اڑ رہا تھا جب اسے دور اگلے سٹیشن کے سگنل کے کھمبے دکھائی دیئے تو وہ نیچے اتر آیا۔ انسانی شکل بدلی اور لائن کے ساتھ ساتھ چلتا ریلوے سٹیشن کے پلیٹ فارم پر آ گیا۔ یہ ایک چھوٹا سا سٹیشن تھا اور کچھ لوگ گٹھڑیاں سنبھالے ٹرین کے انتظار میں وہاں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

دس پندرہ منٹ کے بعد ٹرین آ گئی۔ ناگ بھی اس ٹرین میں دوسرے مسافروں کے ساتھ سوار ہو گیا اور ٹرین اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئی۔ ریل گاڑی سارا دن چلتی رہی۔ پھر شام ہو گئی۔ جب رات کے گیارہ بجے تو ٹرین حیدر آباد

کے بہت عالی شان ریلوے سٹیشن کے بہت بڑے پلیٹ فارم پر آ کر رک گئی۔ ناگ بھارت کی اس سب سے بڑی مسلمان ریاست کے سب سے بڑے شہر کے ریلوے سٹیشن پر پہلی بار آیا تھا۔ اس نے اترتے ہی ایک آدمی سے پوچھا کہ ایلورا کے غار یہاں کس مقام پر ہیں؟

'اس کے لیے تمہیں اورنگ آباد جانا ہو گا'

اورنگ آباد کو گاڑی صبح کے وقت جاتی تھی۔ ناگ ریلوے سٹیشن کے اندر ہی رہا۔ صبح آٹھ بجے وہ اورنگ آباد جانے والی ٹرین میں سوار ہو گیا۔ یہاں آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ ایک دن پہلے بارش ہوئی تھی۔ ٹرین کھیتوں میں سے گذر رہی تھی۔ کہیں کہیں بارش کا پانی کھڑا تھا۔ ٹرین اورنگ آباد کے ریلوے سٹیشن پر ٹھہر گئی۔ یہ بھی کافی بڑا ریلوے سٹیشن تھا۔ ناگ ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ چل پڑا۔ کیوں کہ اس کے پاس ٹکٹ نہیں تھا۔ وہ سٹیشن کے گیٹ پر سے نکل کر نہیں جا سکتا تھا۔ کافی آگے جا کر وہ ایک چھوٹی دیوار پھاند کر شہر کی ایک سڑک پر آ گیا۔ اب وہ شہر کے اندر تھا۔ ایلورا کے غار یہاں سے کافی دور ایک جنگل میں بہت بڑے پہاڑ کے غار میں بنے ہوئے تھے۔ ناگ ان غاروں کی طرف روانہ ہو گیا۔ جس وقت وہ پہاڑ کے قریب جنگل میں پہنچا تو دوپہر ڈھل

چکی تھی اور ہلکی ہلکی رم جھم شروع ہو گئی تھی۔

ناگ کے پاس امبا دیوی کی مورتی تلاش کر کے شیلا کو واپس دینے اور ماریا کا سراغ لگانے میں صرف اٹھیں دن باقی رہ گئے تھے۔ دو دن سفر میں گذر گئے تھے۔ وہ ان اٹھیں دنوں کے اندر اندر مورتی تلاش کر کے شیلا کو واپس دے کر اس کے خاندان کے لوگوں کو موت کے منہ سے بچانا چاہتا تھا۔ ناگ اس پرانے مندر کے کھنڈروں کو ڈھونڈنے لگا جو ایک ہزار برس پہلے اسی جنگل میں کسی جگہ پر پہاڑ کے پتھروں کو تراش کر بنایا گیا تھا۔

وہ ایلورا کے غاروں کے قریب اس مندر کو کھوجنے لگا دن کی روشنی کم ہونے لگی تھی۔ ہلکی ہلکی بارش اسی طرح ہو رہی تھی۔ جنگل میں اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔ اور پرندے درختوں میں بسیرا کرتے وقت شور مچا رہے تھے۔ ناگ جنگل میں ایک پگ ڈنڈی پر جا رہا تھا۔ اس کے دونوں جانب گھنا جنگل اور سیاہ پہاڑوں کی سرسبز ڈھلانیں تھیں۔ کسی وقت جنگل کے درمیان سے کسی شیر کی ہلکی سی گونج سنائی دے جاتی تھی۔ اسی طرح چلتے چلتے اندھیرا ہو گیا۔ رات پڑ گئی مگر ناگ کو پرانے مندر کے کھنڈر کہیں بھی نہ ملے۔ وہ واپس شہر اس خیال سے لوٹنے لگا کہ دوسرے روز دن کی روشنی میں یہاں آ کر مندر کو ڈھونڈے گا کہ اچانک

اسے کسی عورت کی چیخ کی آواز سنائی دی۔

ناگ وہیں رک گیا۔ چیخ کی آواز جنگل کی طرف سے آئی تھی۔ ناگ پگ ڈنڈی سے اتر کر جنگل میں جدھر سے چیخ کی آواز آئی تھی ادھر کو چل پڑا۔ تھوڑی دور گیا ہو گا کہ اسے ایک جھونپڑی نظر آئی۔ اس جھونپڑی میں دیا جل رہا تھا اور دروازہ کھلا تھا۔ یہ گھاس پھوس کی جھونپڑی تھی اور اس کے گھاس پھوس پر سے بارش کا پانی ٹپک رہا تھا۔

ناگ نے قریب جا کر آواز دی۔

'کون ہے؟'

جھونپڑی میں سے آواز آئی۔

'تم جس چیز کی تلاش میں یہاں آئے ہو وہ تمہیں کبھی نہیں ملے گی۔ جان پیاری ہے تو یہیں سے الٹے پاؤں واپس چلے جاؤ۔'

ناگ چپ سا ہو کر رہ گیا۔ یہ جھونپڑی میں کون بیٹھا تھا کہ جس کو اس کے دل کا سارا حال معلوم ہو گیا تھا لیکن وہ بالکل نہ گھبرایا۔ کیوں کہ اس قسم کی باتوں سے وہ پہلے بھی واقف تھا۔

اس نے کہا:

'میں کس چیز کی تلاش میں آیا ہوں اس کو چھوڑو

پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور ابھی ابھی کس عورت کی چیخ کی آواز جنگل میں گونجی تھی ؟"

جھونپڑی سے پھر وہی آواز بلند ہوئی۔ اب اس آواز میں گرختگی تھی ؛

"اچھا۔ اگر تم یہ معلوم ہی کرنا چاہتے ہو تو یہ لو۔"

اور اس کے ساتھ ہی جھونپڑی میں سے آگ کا ایک روشن گولا اچھل کر باہر نکلا اور بجلی کی تیزی کے ساتھ ناگ کے اردگرد گردش کرنے لگا۔ ناگ ابھی سنبھل بھی نہ سکا تھا کہ آگ کی وجہ سے وہاں سفید دھواں بلند ہوا جس نے ناگ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ دھوئیں سے ناگ کا دم گھٹنے لگا۔ اس نے سانس لینے کی کوشش کی تو اسے محسوس ہوا کہ وہ سانس نہیں لے سکتا۔ ناگ کے سانس کھینچنے کی طاقت زائل ہو گئی تھی۔

آگ کا گولا بجھ کر غائب ہو گیا اور سفید دھواں فضا میں گم ہو گیا۔ جنگل میں گہری خاموشی چھا گئی۔ درختوں کے پتوں پر بارش کے قطروں کے گرنے کی ہلکی ہلکی آواز کے سوائے وہاں کوئی آواز نہیں تھی۔ جھونپڑی میں بھی سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ناگ نے سانس لینے کی کوشش کی مگر وہ یہ دیکھ کر بے حد پریشان ہو گیا کہ وہ سانس کو نہ اوپر کھینچ سکتا تھا اور نہ باہر پھینک سکتا تھا۔ سانس کھینچ کر ہی وہ اپنی شکل تبدیل

کرتا تھا۔ اب وہ بے بس تھا۔ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ جھونپڑی سے نکلنے والے آگ کے گولے کے دھوئیں نے اس کی ساری طاقت سلب کر لی تھی۔ وہ ناگ دیوتا سے ایک عام کمزور آدمی بن کر رہ گیا تھا۔ چونکہ وہ بنیادی طور پر ایسا سانپ تھا جو سانس لیے بغیر کئی سو برس تک زندہ رہ سکتا تھا اس لیے وہ مر تو نہیں سکتا تھا مگر اس کی طاقت چاہیے وقتی طور پر ہی سہی ختم ہو گئی تھی۔ اس کے سارے ہوش حواس قائم تھے اور باقی جسم بھی بالکل ٹھیک ٹھاک تھا مگر اب وہ مصیبت کے وقت سانس اندر کھینچ کر نہ تو پرندہ بن کر اڑ سکتا تھا نہ کوئی دوسری شکل اختیار کر سکتا تھا اور نہ سانپ بن کر کسی کو ڈس سکتا تھا۔ ایسی مشکل اسے ہزاروں سال کی زندگی میں پہلی بار پڑی تھی۔ وہ اب یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ جس شخص نے اس پر اتنا زبردست جادو کیا ہے وہ کون ہے ؟

ناگ جھونپڑی کی طرف بڑھا۔ اس نے اندر جھانک کر دیکھا۔ جھونپڑی میں ایک دیا روشن تھا۔ اس کی روشنی میں جھونپڑی خالی تھی۔ ناگ جھونپڑی کے اندر چلا گیا۔

اس نے آواز دی ؛

"تم کون ہو۔ اور تم نے میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا ہے ؟ اگر تم جانتے ہو کہ میں کس چیز

کی تلاش میں آیا ہوں تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ
اگر میں نے اڑتیس دنوں کے اندر اندر وہ چیز حاصل
نہ کی تو ایک ہنستے بستے کنبے کے سارے لوگ موت
کی نیند سو جائیں گے۔"

جھونپڑی میں گہری خاموشی تھی۔ ناگ کے سوال کا کسی
نے کوئی جواب نہ دیا۔ جو آواز اسے پہلے سنائی دی تھی اب
جیسے کہیں سمندر کی گہرائیوں میں گم ہو گئی تھی۔ ناگ کو جھونپڑی
کی پچھلی دیوار میں روشنی کا ایک دائرہ سا بنتا دکھائی دیا۔ یہ
دائرہ پھیل رہا تھا۔ ناگ اسے غور سے تکنے لگا۔ دائرہ
پھیلتے پھیلتے ایک جگہ پر آ کر رک گیا۔ اس دائرے کے
اندر روشنی کی دھند سی چھائی ہوئی تھی اور ناگ کو سوائے
اس دھند کے اور کوئی شے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔
وہ روشنی کے اس دائرے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا
کہ وہی آواز پھر اُبھری:

"اگر تم ماضی کے بھید جاننا چاہتے ہو تو اس روشنی
کے دائرے کے اندر آ جاؤ۔"

ناگ نے کہا:

"مگر پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے میری طاقت کیوں ختم
کر دی ہے۔ میرا سانس کیوں غائب کر دیا ہے؟"

نہ آواز آئی:

"یہ میں نے نہیں بلکہ کسی اور نے کیا ہے۔ کیا
اب بھی تمہیں اس چیز کی تلاش ہے جس کی وجہ سے
تمہاری ساری طاقت ختم کر دی گئی ہے؟"

ناگ نے جواب دیا:

"میں اپنی بہن ماریا کی تلاش اور ایک شریف اور
بے گناہ خاندان کے لوگوں کو مرنے سے بچانے
کے لیے یہاں آیا ہوں۔ اگر میری جان بھی چلی
جائے گی تو مجھے کوئی پروا نہیں ہو گی۔"

آواز جیسے دور سے سنائی دی:

"واپس چلے جاؤ۔ واپس چلے جاؤ۔ واپس چلے جاؤ۔
جان بچاؤ۔ جان بچاؤ۔"

یہ کہتے کہتے آواز دور ہوتی غائب ہو گئی۔ ناگ نے
دیکھا کہ جھونپڑی کی دیوار پر روشنی کا دائرہ بھی چھوٹا ہونا
شروع ہو گیا تھا۔ جھونپڑی کی تیز اسرار آواز نے کہا تھا اگر
ماضی کا بھید معلوم کرنا چاہتے ہو تو روشنی کے اس دائرے
میں داخل ہو جاؤ۔ ناگ کے دل میں خیال آیا کہ یہی
روشنی کا ایک دائرہ باقی رہ گیا ہے اگر یہ بھی غائب ہو گیا
تو ہو سکتا ہے کہ امبا دیوی کی مورتی اور ماریا کا اسے پھر
کبھی سراغ نہ مل سکے۔ اس کی اپنی طاقت ختم ہو چکی تھی۔
وہ طاقت ور ناگ سے ایک چلتی پھرتی زندہ لاش بن کر

رہ گیا تھا جس کا سانس نہ اندر کو جاتا تھا نہ باہر آتا تھا۔ جھونپڑی کی دیوار پر روشنی کا چھوٹا ہوتا دائرہ ناگ کو امید کی آخری کرن دکھائی دے رہا تھا۔ وہ بھاگ کر جھونپڑی کی دیوار کی طرف گیا اور اس نے روشنی کے چھوٹے ہوتے دائرے کے اندر چھلانگ لگا دی۔

○

- ○ روشنی کے دائرے کے اندر ماضی کا کون سا بھید تھا؟
- ○ امبا دیوی کی مورتی کا کیا ہوا؟
- ○ ماریا کہاں کھو گئی تھی؟
- ○ عنبر کی ملاقات ماریا اور ناگ سے کیسے ہوئی؟
- ○ کیا ناگ کی کھوئی ہوئی طاقت واپس آئی؟

ان سوالوں کے جواب آپ کو "عنبر ناگ ماریا کی واپسی" کی اگلی قسط نمبر ۵۸ "خفیہ منتر کی تلاش" میں ملیں گے۔ آج ہی اپنے قریبی بک سٹال سے طلب فرمائیں۔

خفیہ منتر کی تلاش

اے حمید

ناگ، ماریا اور عنبر کی واپسی

کے بعد پُراسرار سفر کی سنسنی خیز داستان

خفیہ منتر کی تلاش

اے حمید

ترتیب

قیمت: -/۷ روپے

بار اول ۔۔۔۔ ۱۹۸۳ء

ناشر: نیا مکتبہ اقرا ۔ شاہ عالم مارکیٹ لاہور

طابع: الفرید پرنٹرز لاہور

پیارے دوستو!

پچھلی قسط میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ ناگ نے جھونپڑی کے اندر داخل ہو کر ایک روشن دائرے کو دیکھا تھا جو چھوٹا ہوتا جا رہا تھا۔ اسے آواز آئی تھی کہ اگر تم ماضی کے اسرار معلوم کرنا چاہتے ہو تو اس دائرے میں چھلانگ لگا دو۔ ناگ سوچ میں پڑ گیا۔ دائرہ چھوٹا ہوتا جا رہا تھا جب وہ ختم ہونے لگا تو ناگ نے دائرے میں چھلانگ لگا دی۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ یہ آپ خود پڑھ کر لطف اُٹھائیں۔

دوسری طرف ماریا امبا دیوی کے بُت کو چھُونے اور ایک جھٹکا کھانے کے بعد سے غائب ہے اور ناگ اسی تلاش میں ماضی میں جا رہا ہے۔ امبا دیوی کی مورتی اگر بمبئی شہر میں رہنے والی شیلا کو چالیس دنوں کے اندر اندر نہ ملی تو اس کے خاندان کے لوگ ایک ایک کرکے مرنا

[illegible] ہو جائیں گے۔ ناگ بڑی مشکل میں گرفتار ہے۔
موتی کی تلاش کی مہم بڑی خطرناک اور غیر یقینی ہے اور
وقت بھی بہت کم رہ گیا ہے پھر آگے کیا ہوتا ہے؟
اور عنبر کے ساتھ کیا گزرتی ہے؟
آپ ورق الٹ کر جلدی سے پڑھنا شروع کر دیجئے
سب کچھ معلوم ہو جائے گا!!

آپ کا
اے حمید

روشن دائرے کا بھید

ناگ نے روشنی کے دائرے کے اندر چھلانگ لگا دی تھی۔
یہ دائرہ چھلانگ لگانے سے پہلے ہی تنگ ہوتا جا رہا تھا۔
جونہی اس نے چھلانگ لگائی روشنی کا دائرہ بند ہو گیا اور جھونپڑی
میں دیئے کی روشنی بھی بجھ گئی۔ ناگ کو یوں لگا جیسے اس
نے سفید دھند کے بادلوں میں چھلانگ لگا دی ہو۔ سوائے
سفید بادلوں ایسی دھند کے اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس
کے پاؤں پتھروں پر ٹک گئے۔ اس نے آگے چلنا شروع کیا۔
وہ ہاتھوں سے دھند کو پرے ہٹاتا جا رہا تھا کیوں کہ اسے
سوائے دھند کے اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کے
کانوں میں ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے بہت سے لوگ
ایک ساتھ دیوتاؤں کے بھجن گنگناتے چلے جا رہے ہوں۔
دھند چھٹنے لگی۔ ناگ کو درختوں کے اونچے اونچے نسواری تنے
دکھائی دینے لگے۔ پھر دھند غائب ہو گئی اور ناگ نے دیکھا
کہ وہ اکیلے درختوں کے درمیان کھڑا ہے۔ جنہوں نے کائی

اوپر جا کر شاخوں کی چھت سی ڈال رکھی ہے۔ دن کا وقت
ہے مگر دھوپ کہیں بھی نہیں ہے۔ صرف دن کی دھندلی دھندلی
روشنی پھیلی ہوئی ہے۔

آدمیوں کے بھجن گانے کی آوازیں قریب آ رہی تھیں۔
ناگ ایک درخت کے پیچھے چھپ گیا۔ ایک طرف درختوں کے
نیچے رستہ بنا ہوا تھا۔ اس رستے پر سر منڈے گیروے کپڑوں
والے سادھوؤں کی ایک ٹولی ہاتھوں میں کسی درخت کی ایک
جیسی ٹہنیاں پکڑے چہرے آسمان کی طرف اٹھائے دھیمی آواز
میں بھجن گنگناتے چلے آ رہے تھے۔ وہ ناگ کے قریب سے
گزر گئے تو اس کے بعد ایک اور ٹولی آئی۔ یہ سیاہ فام جنوبی
ہند کے جنگلی بونوں کی ٹولی تھی جنہوں نے ایک تخت اپنے
کاندھوں پر اٹھا رکھا تھا۔ اس تخت پر ایک بہت ہی نازک
اور خوب صورت نوجوان لڑکی بال کھولے دو زانو بیٹھی تھی۔
جب یہ تخت ناگ کے قریب سے گزرا تو ناگ نے اپنا سر
درخت کے تنے سے تھوڑا سا باہر نکال کر دیکھا کہ اس لڑکی
کی آنکھوں میں آنسو تھے اور اس کے دونوں ہاتھ پیچھے پشت
پر رسی سے بندھے ہوئے تھے۔

جب یہ ٹولی بھی گزر گئی تو اس کے بعد ایک بوڑھا
آدمی اور بوڑھی عورت دکھائی دی جو غم سے نڈھال تھے اور

جنہیں دوسری عورتوں نے تھام رکھا تھا۔ ناگ فوراً سمجھ گیا کہ
اس لڑکی کو کسی دیوتا پر قربان کرنے کے لیے لے جایا جا رہا
ہے اور یہ بوڑھا مرد اور عورت اس لڑکی کے غم زدہ ماں
باپ ہیں۔ ناگ بھی ان کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ اونچے اونچے
درختوں سے نکل کر ایک پہاڑی کا موڑ آیا۔ ناگ اس موڑ پر
سے گزر کر دوسری طرف گیا تو سامنے ایک بہت بڑے مندر
کا اونچا دروازہ تھا۔ یہ مندر پہاڑ کے پتھروں کو کاٹ کر بنایا
گیا تھا۔ مندر کے دروازے پر مہنت اور پجاری ہاتھوں میں
کانسی کے برتن لیے کھڑے تھے جن میں گنگا کا مقدس پانی
تھا۔ بھجن گانے والوں کی ٹولی دروازے سے گزر کر مندر میں
چلی گئی جب سیاہ فام بونوں کی ٹولی قربان کی جانے والی لڑکی
کو لے کر وہاں سے گزری تو مہنتوں اور پجاریوں نے اس
پر مقدس پانی چھڑکا اور اشلوک پڑھے۔ جب یہ ٹولی بھی
اندر چلی گئی تو اس کے ساتھ ہی یہ پجاری بھی بھجن گاتے مندر
میں داخل ہو گئے۔

اب مندر کے باہر دو پجاری لمبے نیزوں ایسے ترشول
لیے پہرہ دینے لگے۔ ناگ اب عجیب مصیبت میں پھنس
گیا تھا۔ وہ مندر میں جا کر دیکھنا چاہتا تھا کہ وہاں کیا ہونے
والا ہے۔ کیا سچ مچ اس خوب صورت لڑکی کو کسی دیوتا پر

قربان کیا جا رہا ہے یا کوئی اور بات ہے۔ مگر وہ غائب
ہو کر یا کسی پرندے یا سانپ کا روپ بدل کر اندر نہیں
جا سکتا تھا۔ کیوں کہ اس کی طاقت آگ کے گولے کے
سفید دھوئیں نے ختم کر دی تھی۔ اب وہ سانس نہیں
لے سکتا تھا اور جب تک وہ گہرا سانس اندر نہ کھینچے وہ
کسی پرندے یا کسی سانپ کی شکل اختیار نہیں کر
سکتا تھا۔

ناگ نے ارد گرد نظر ڈال کر دیکھا۔ درختوں میں ہلکی
ہلکی سفید دھند پھیلی ہوئی تھی۔ اسے کوئی دوسرا شخص نہیں
نظر آ رہا تھا۔ ناگ سمجھ گیا تھا کہ وہ ہزار سال پرانے زمانے
میں داخل ہو چکا تھا جہاں ایک مندر میں کسی لڑکی کو دیوتا
کے آگے قربان کیا جا رہا ہے۔ اسے یہ بھی یقین تھا کہ
ہو نہ ہو یہ وہی ہزار سال پرانا امبا دیوی کا مندر ہے
جس کے بارے میں شبلا کو اس کے دادا نے بتایا تھا کہ
وہاں خوب صورت لڑکیوں کو پورن ماشی کی رات کو قربان
کیا جاتا تھا۔ ناگ صرف یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اگر یہ امبا دیوی
کا مندر ہے تو اس کی مورتی جو چوری ہو گئی ہے کہاں پڑی ہے!
اور ماریا بھی کیا اسی زمانے میں آ چکی ہے کہ نہیں؟
ناگ کی اپنی طاقت ختم ہو چکی تھی۔ اب وہ ایک عام کمزور

آدمی تھا۔ اسی لیے وہ بے دھڑک مندر میں داخل نہیں ہونا
چاہتا تھا کہ اگر پکڑا گیا تو اسے زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔ وہ
درختوں کی اوٹ سے باہر نکلتے ہوئے گھبرا رہا تھا اور سوچ رہا
تھا کہ کسی طرح پجاری کا بھیس بدل کر مندر میں داخل ہو اور
مندر کا بھید معلوم کرے۔ اس کی ایک ہی ترکیب تھی کہ
وہ کسی پجاری کو کسی طرح بے ہوش کر کے اس کے گیروے
کپڑے پہن لے۔ اس وقت صرف دو پجاری تھے جو مندر کے
دروازے پر پہرہ دے رہے تھے مگر ان کے ہاتھوں میں نیزوں
ایسے ترشول تھے۔ وہ حملہ کر کے ناگ کو ہلاک کر سکتے تھے۔

ناگ اسی سوچ میں گم تھا کہ اچانک اس کی نظر ایک
پجاری پر پڑی جو کچھ فاصلے پر درختوں میں جڑی بوٹیاں توڑ رہا
تھا۔ ناگ نے سوچا کہ اس پجاری کو کسی طریقے سے بے ہوش
کر کے جھاڑیوں میں چھپا دیا جائے اور اس کا لباس پہن کر
مندر میں داخل ہو۔ وہ درختوں کے پیچھے سے ہو کر پجاری
کی طرف بڑھا۔ پجاری کو کچھ خبر نہیں تھی۔ وہ اپنے دھیان میں
جڑی بوٹیاں توڑنے میں مصروف تھا۔ ناگ اس کے پیچھے آ
گیا۔ اس نے ایک بھاری پتھر اس خیال سے اٹھا لیا کہ اسے
پجاری کے سر پہ مار کر بے ہوش کر دے گا۔ وہ پتھر ہاتھوں
میں لے کر پجاری کی طرف بڑھا ہی تھا کہ پجاری نے رخ بدل

لیا۔ اس نے گھوم کر اپنا منہ ناگ کی طرف کر دیا۔
ناگ عین موقع پر پکڑا گیا۔ اس نے پتھر جلدی سے پھینک دیا اور کھسیانا سا ہو کر ہاتھ ملتے ہوئے پجاری سے کہنے لگا:
"مہاراج! یہ پتھر میں نے آپ کو نہیں بلکہ ایک سانپ کو مارنے کے لیے اٹھایا تھا جو گھاس میں ادھر آیا تھا۔ آپ دل میں کوئی ایسا ویسا خیال نہ لائیں۔ میں تو آپ لوگوں کا عقیدت مند ہوں۔"

پجاری نے ناگ کی باتوں کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ وہ اپنا جڑی بوٹیاں توڑنے میں لگا رہا۔ ناگ پریشان ہو گیا۔ اسے خیال گزرا کہ پجاری نے اسے معاف نہیں کیا یہی وجہ ہے کہ اس کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی اور اب وہ اسے گرفتار کروا دے گا۔ اور ناگ وہاں سے فرار بھی نہیں ہو سکے گا۔ اس نے ایک بار پھر معافی مانگنے کے انداز میں کہا:
"مجھے امید ہے آپ نے مجھے معاف کر دیا ہو گا۔ میں آپ کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ لائیے یہ جھولا مجھے دے دیجیے۔ میں اس میں جڑی بوٹیاں ڈالتا جاؤں گا۔"

اور ناگ نے پجاری کے جواب کا انتظار کیے بغیر جلدی سے ہاتھ آگے بڑھا کر پجاری کا جھولا پکڑنے کی کوشش کی مگر جھولا ناگ کے ہاتھ میں نہ آیا۔ یہ گیروے رنگ کے کپڑے کا جھولا تھا جو پجاری کی بغل میں لٹکا ہوا تھا۔ ناگ نے دوبارہ پکڑنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا مگر اس بار بھی جھولا اس کے ہاتھ میں نہ آیا۔ اسے یوں لگا جیسے جھولا ایک سایہ ہو اور اس کا ہاتھ اس سائے میں سے گزر کر نکل گیا ہو۔ ناگ نے پجاری کے کندھے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچنا چاہا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ پجاری کا کندھا بھی اس کے ہاتھ میں نہیں آیا تھا بلکہ ہاتھ کندھے میں سے ہو کر گزر گیا تھا۔

اب تو ناگ سچ مچ پریشان ہو گیا۔ اس نے پجاری کو اونچی آواز میں پکارا۔ پجاری نے جیسے کچھ نہیں سنا تھا۔ اس پر ناگ کی آواز کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ اپنے کام میں لگا رہا۔ ناگ نے آگے بڑھ کر پجاری کو پکڑ کر بھینچ لیا۔ مگر پجاری اس کے ہاتھ میں بالکل نہ آیا اور ناگ کے ہاتھ پجاری کے جسم سے نکل کر اپنے سینے کے ساتھ آ کر لگ گئے۔ جیسے اس نے کسی کے سائے کو پکڑ کر اپنے سینے سے لگانے کی کوشش کی ہو۔ ناگ تڑپ کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے ایک درخت کے تنے کو زور سے مکا مارا۔ اس کا ہاتھ درخت سے ٹکرانے کی بجائے درخت کے تنے

میں سے گزر کر آگے نکل گیا۔

ناگ نے اپنا ہاتھ اپنے جسم پر لگایا۔ وہ اپنے جسم کو چھو سکتا تھا۔ مگر کسی دوسرے جسم کو محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ وہ پجاری کے سامنے آ گیا اور اس کی آنکھوں میں گھور کر بولا:

"کیا تم میری آواز نہیں سن رہے؟ کیا تم مجھے نہیں دیکھ رہے۔ جواب دو۔ جواب دو۔"

اس نے پجاری کو پکڑ کر جھنجھوڑنا چاہا۔ مگر پجاری اس کے ہاتھ میں نہ آیا۔ نہ اسے ناگ دکھائی دے رہا تھا۔ نہ اس کی آواز اسے سنائی دے رہی تھی۔ ناگ سر پکڑ کر رہ گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ وہ غائب کر دیا گیا ہے۔ بے آواز کر دیا گیا ہے۔ مگر اس انداز سے غائب کر دیا گیا ہے کہ وہ کسی کو چھو بھی نہیں سکتا۔ گویا ناگ ایک بے آواز سایہ بن کر رہ گیا تھا۔ سایہ تو نظر آتا ہے مگر وہ کسی کو نظر بھی نہیں آ رہا تھا۔ یہ اس کے ساتھ کیا ہو گیا تھا؟ ناگ کو اپنے آپ پر رحم آنے لگا۔ اس کی حالت ماریا سے بھی خراب تھی۔ ماریا اگرچہ غائب تھی مگر وہ چیزوں کو چھو سکتی تھی۔ اٹھ کر بیٹھ سکتی تھی اور اس کی آواز سنی جا سکتی ہے۔ لیکن ناگ تو بالکل ہی ختم ہو کر رہ گیا تھا۔ نہ وہ دکھائی دیتا

تھا۔ نہ اس کی آواز کوئی سن سکتا تھا اور نہ وہ کسی کو چھو سکتا تھا۔ وہ ایک مردہ سایہ بن کر فضا میں پھینک دیا گیا تھا۔ ایسا سایہ جسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ جس کی آواز کوئی نہیں سن سکتا تھا۔ وہ صرف اپنے آپ کو دیکھ سکتا تھا۔ اپنی آواز سن سکتا تھا اور اپنے آپ کو چھو کر محسوس کر سکتا تھا۔

مندر کی طرف سے بھجن گانے کی اونچی اونچی آوازیں آنے لگیں۔ ناگ نے سوچا کہ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا ہے۔ اب اسے اندر جا کر دیکھنا چاہیے۔ کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ اس طرح شاید اسے ماریا اور امبا دیوی کی مورتی کا کوئی سراغ مل سکے۔ اسے تو اب یہ فکر بھی کھائے جا رہا تھا کہ اگر اسے امبا دیوی کی مورتی مل بھی گئی تو وہ اسے اٹھا نہ سکے گا۔ کیوں کہ کوئی بھی شے اس کی گرفت میں، اس کی مٹھی میں نہیں آتی تھی۔ ناگ کا دل ناامیدی سے بوجھل سا ہو گیا۔ اسے ابھی اتنے کام کرنے تھے۔ مگر اسے ایک بیکار ہوا کا جھونکا بنا کر رکھ دیا گیا تھا۔

وہ بوجھل دل لیے پہرے دار پجاریوں کے قریب سے ہو کر مندر میں داخل ہو گیا۔ ظاہر ہے پہرے دار پجاریوں کا باپ بھی ناگ کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اپنی اس حالت پر ناگ

کو اس قدر غصہ آیا کہ پہرے دار پجاریوں کے قریب سے
گذرتے ہوئے اس نے ایک پجاری کو زور سے لات ماری مگر
اس کی لات پجاری کے جسم میں سے ہو کر واپس آ گئی اور
ناگ اپنی جگہ پر گھوم کر رہ گیا۔ اندر سے مندر کا دالان بہت
بڑا اور وسیع تھا۔ چھت بہت اونچی تھی اور گول پتھروں کے
ستون اوپر تک چلے گئے تھے۔ سامنے پتھروں کے ایک بہت
بڑے چبوترے پر امبا دیوی کا ایک زبردست بت بنا ہوا تھا
اس کے چاروں ہاتھ مورتی کی طرح پیچھے جا کر اوپر کو اٹھے
ہوئے تھے اور اس کی آنکھوں میں موتی اور ہیرے جڑے تھے
جن میں سے سرخ اور نیلی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ پجاری
اور مہنت دونوں طرف قطاریں باندھے ہاتھ سینوں پر رکھے
سر جھکائے کھڑے بھجن گا رہے تھے۔ بت کے آگے فرش پر
تخت رکھا تھا جس پر بدنصیب لڑکی بال کھولے دوزانو سر جھکائے
بیٹھی سسکیاں بھر رہی تھی۔ اس کے ماں باپ بھی ایک
طرف کھڑے اپنے آنسو ضبط کیے ہوئے تھے کیوں کہ اگر ماں
باپ اپنی بیٹی کو قربان ہوتے دیکھ کر روتے تھے تو امبا دیوی
کا ان پہ قہر نازل ہوتا تھا۔ کسی وقت ماں کی سسکی نکل
جاتی تھی۔

ناگ یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا اور ابھی اس

سے بھی زیادہ دردناک منظر دیکھنے والا تھا مگر بے بس تھا۔
کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اپنا سانس اوپر کھینچ کر نہ تو
کسی خون خوار درندے کا روپ دھار سکتا تھا، نہ سانپ
بن کر لوگوں کو ہلاک کر سکتا تھا اور نہ کسی اژدہا کو اپنی مدد
کے لیے بلا سکتا تھا۔ اس پر کسی کا زبردست جادو چل گیا
تھا۔ اور یہ وہی آواز تھی جس نے اسے جھونپڑی میں داخل
ہوتے وقت خبردار کیا تھا کہ وہ جس شے کی تلاش میں
وہاں آیا ہے اس کا خیال دل سے نکال دے۔ ناگ کو
اب اس آواز کی بھی تلاش تھی کہ یہ آواز کس کی تھی۔ کیوں کہ
اس آواز کا سراغ لگانے کے بعد ہی ناگ اپنے اوپر کیے
ہوئے جادو کو توڑنے کی کوشش کر سکتا تھا۔

ایک دم سے ڈھول تاشے بجنے لگے۔ مندر کے اندر
ایک اور ٹولی داخل ہوئی۔ یہ سر منڈے بھاری بھر کم پجاری
تھے جن کے آگے آگے ایک بڑا پجاری سرخ رنگ کی
ریشمی عبا پہنے۔ ہاتھ میں ترشول لیے چل رہا تھا۔ وہ امبا دیوی
کے آگے آ کر رک گیا۔ پجاری ایک طرف ہاتھ باندھ کر
کھڑے ہو گئے۔ بڑے پجاری نے اپنا چہرہ امبا دیوی کے
بت کی طرف اٹھایا۔ گونج دار آواز میں اس کی تعریف میں
ایک بھجن پڑھا اور پھر ایک دم سے اپنا ترشول اوپر اٹھا

کر گھوما اور ترشول کا رُخ تخت پر بیٹھی ہوئی مظلوم لڑکی
کی طرف کر دیا۔

پجاریوں نے زور زور سے بھجن گانے اور اشلوک پڑھنے
شروع کر دیئے۔ ناگ ایک ستون کے پاس کھڑا یہ سب کچھ
سن رہا تھا، دیکھ رہا تھا۔ مگر وہ اتنا بے بس تھا کہ پتھر کی
کسی مورتی پر بیٹھی ہوئی مکھی کو بھی نہیں اڑا سکتا تھا۔ اتنا
بے بس اس نے اپنے آپ کو پہلے کبھی نہیں پایا تھا۔
وہ اس لڑکی کی مدد کرنا چاہتا تھا مگر نہیں کر سکتا تھا۔ ناگ کو
اپنے آپ پر اور اس بے کس و مجبور لڑکی پر رونا آ رہا تھا۔
کاش اس وقت عنبر یا ماریا ہی اس کے پاس ہوتی۔

ناگ نے دیکھا کہ امبا دیوی کے بڑے بت کی آنکھوں
میں سے سرخ اور نیلی شعاعیں نکل کر لڑکی کے چہرے پر پڑیں
پجاری خاموش ہو گئے۔ انہوں نے اپنے سر بت کے آگے
جھکا دیئے۔ بڑے پجاری نے ترشول ہوا میں بلند کیا اور
چیخ کر کہا:

"امبا دیوی کی جے ہو۔ امبا دیوی نے قربانی قبول
کر لی ہے۔ لڑکی کو دیوی پر قربان کر دیا جائے۔"

لڑکی کا خوف سے رنگ فق تھا۔ اس کے آنسو خشک
ہو چکے تھے۔ اس کے ماں باپ کی بری حالت تھی مگر وہ

اس کی کوئی مدد نہ کر سکتے تھے۔ امبا دیوی نے ان کی بیٹی
کو قربانی کے لیے چن لیا تھا اور وہ مجبور تھے کہ روتے
سسکیاں بھرتے اپنی بیٹی کو قربان ہوتے دیکھیں۔

بڑے پجاری کا اشارہ پاتے ہی مندر کی ایک جانب
دیوار میں دروازہ کھلا اور ایک جلاد ہاتھ میں ننگی تلوار لیے
داخل ہوا اسے دیکھ کر سناٹا چھا گیا۔ کوئی ذرا سی بھی حرکت
نہیں کر رہا تھا۔ لڑکی کو تخت پر دو پجاریوں نے گردن
آگے کر کے الٹا لٹا دیا۔ جلاد نے ایک ہی وار سے اس
کی گردن کاٹ کر امبا دیوی کے قدموں میں ڈال دینی تھی۔
ناگ نے آنکھیں بند کر لیں۔ اگر وہ اس مظلوم لڑکی کی مدد
نہیں کر سکتا تھا تو کم از کم اس پر ظلم ہوتے بھی دیکھ نہیں
سکتا تھا۔

"ٹھہرو" اچانک مندر کی خاموش فضا میں ایک آواز گونجی۔
جلاد کا تلوار والا اٹھا ہوا ہاتھ رُک گیا۔ بڑے پجاری
کی آنکھوں سے چنگاریاں چھوٹنے لگیں کہ یہ کس گستاخ کی
آواز ہے جس نے امبا دیوی کی قربانی کو روک دینے
کے لیے کہا ہے۔ تمام پجاری جدھر سے آواز آئی تھی ادھر
دیکھنے لگے۔ ناگ نے بھی آنکھیں کھول دیں۔ کیا دیکھتا ہے
کر مندر کے بڑے دروازے کے پاس ایک نوجوان جوگی

کھڑا ہے جس کے چہرے پر روحانیت کا نور ہے جسم پر
ہرن کی چھال ہے۔ پاؤں میں کھڑاؤں ہے اور ہاتھ میں
سبز منکوں کی مالا ہے۔ اس کی آنکھوں سے مہر و محبت کی
عجیب سی روشنی نکل رہی ہے۔

بڑے پجاری نے قریب آ کر گرج کر پوچھا:

"کون ہو تم گستاخ؟" اس کی آواز غصے سے کانپ
رہی تھی۔

بڑے پجاری کی آنکھوں سے خون ٹپکنے لگا۔ اس نے
امبا دیوی کے بت کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"گستاخ جوگی! تم نے امبا دیوی کے غضب کو
للکارا ہے۔ وہ تمہیں ابھی جلا کر بھسم کر دے گی۔"

نوجوان جوگی نے اسی محبت بھری آواز میں کہا:

"میں صرف ایک ایشور — ایک خدا کے غضب
سے ڈرتا ہوں، اور کسی سے نہیں۔ خدا کے غضب
کو تم دعوت دے رہے ہو۔ اس لڑکی کو اس کے
ماں باپ کے حوالے کر دو اور آئندہ انسانوں کی
قربانی سے توبہ کر دو۔"

بڑا پجاری آگ بھبوکا ہو گیا۔ اس نے ترشول اٹھایا کہ
نوجوان جوگی کو مار کر ہلاک کر دے۔ ترشول اس کے ہاتھ

میں دس من وزنی ہو گیا اور نیچے گر پڑا۔ بڑے پجاری
نے چلا کر جلاد کو حکم دیا:

"لڑکی کی گردن اڑا دو۔ امبا دیوی کی قربانی میں
دیر نہیں ہو گی۔"

تمام پجاریوں نے "امبا دیوی کی جے" کا بلند نعرہ لگایا۔
جلاد نے اپنا ہاتھ ایک بار پھر بلند کیا۔ تلوار اس کے ہاتھ
میں چمک رہی تھی۔ وہ لڑکی کی گردن اڑانے کے لیے ہاتھ
پیچھے لا کر وار کرنے ہی والا تھا کہ اس کا ہاتھ وہیں اٹھے
کا اٹھا رہ گیا۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے کسی نے اوپر سے
اس کا ہاتھ پکڑ کر شکنجے میں جکڑ دیا ہے۔ وہ پورا زور لگا
کر ہاتھ نیچے کھینچنے کی کوشش کر رہا تھا مگر اس کا ہاتھ
ایک انچ نیچے نہیں آ رہا تھا۔

بڑے پجاری نے چیخ کر کہا:

"یہ جوگی کوئی جادوگر شعبدہ باز ہے۔ اسے ختم کر دو
امبا دیوی کا یہی حکم ہے۔"

سارے پجاری نوجوان جوگی کو قتل کرنے کے لیے آگے
بڑھے مگر کوئی بھی اپنی جگہ سے ایک انچ آگے نہ سرک
سکا۔ سارے کے سارے اپنی اپنی جگہوں پر پتھر بن گئے
تھے۔ ناگ خاموش تماشائی بنا یہ سارا سنسنی خیز اور عجیب و

عجیب تماشہ دیکھ رہا تھا۔

نوجوان جوگی نے کہا:

"تم لوگ میرا بال بھی بیکا نہ کر سکو گے۔ کیوں کہ میں نے نفرت اور گناہوں کو اپنے دل سے نکال کر اسے پاک صاف کر لیا ہے۔ اب اس مظلوم لڑکی کو اس کے ماں باپ کے پاس جانے دو اور بتوں کی پوجا اور انسانی قربانیوں سے توبہ کرو۔"

بڑا پجاری ابھی تک اپنی ضد پر اڑا ہوا تھا۔ اس نے امبا دیوی کی طرف دیکھا اور بلند آواز میں فریاد کی:

"اے دیوی! اپنی اور ہماری لاج رکھ لے۔ اس گستاخ نوجوان نے تمہیں اور ہمیں ذلیل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسے اپنے غضب کی آگ میں جلا کر بھسم کر دے!"

اچانک امبا دیوی کے بُت میں گڑگڑاہٹ کی آواز پیدا ہوئی جیسے دور کہیں بادل گرج رہے ہوں۔ اس کے بعد پھر خاموشی چھا گئی۔ نوجوان جوگی اب خود آگے بڑھا۔ جلاد اسی طرح تلوار والا ہاتھ اوپر اُٹھائے پتھر بنا کھڑا تھا۔ نوجوان جوگی نے قربان ہونے والی لڑکی کو بڑی محبت سے کہا:

"بہن! اپنے ماں باپ کے پاس جاؤ اور عیش و آرام

کی زندگی بسر کرو۔"

لڑکی کو نئے سرے سے زندگی ملی تھی۔ نوجوان جوگی نے اس کے بندھے ہوئے ہاتھ کھول دیئے۔ لڑکی بھاگ کر اپنے ماں باپ کے سینے سے جا کر لگ گئی۔ بڑا پجاری دیوی کے بُت کی طرف چہرہ اٹھائے کوئی بڑے خطرناک قسم کے منتر پڑھ رہا تھا۔

اس نے پھونک مار کہا:

"امبا دیوی! تیرا قہر نازل ہو۔"

بجلی جیسے دور سے کڑکی اور بُت کی آنکھوں میں سے ایک شعلہ تیر کی طرح لپکا اور جہاں نوجوان جوگی کھڑا تھا وہاں آن کر گرا۔ نوجوان جوگی کے چہرے پر وہی خوبصورت مہربان مسکراہٹ تھی۔ وہ اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلا۔ شعلہ گرا اور اسی گرج اور کڑک کے ساتھ واپس بت کے چہرے پر جا کر لگا۔ وہ اس زور سے ٹکرایا کہ بت کا چہرہ پاش پاش ہو گیا۔ اور پھر بت ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگا۔ بڑا پجاری اور دوسرے پجاری اور جلاد وہیں جیسے پتھر بن گئے تھے۔ بت کے پتھر ان کے اوپر گر رہے تھے۔ اور اب اِدھر اُدھر بھاگ کر جان بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ جیسے اندھے ہو گئے تھے اور ایک دوسرے سے

ٹھکرا رہے تھے۔ لڑکی کے ماں باپ اپنی بچی کو لے کر مندر سے نکل گئے تھے۔ نوجوان جوگی اپنی جگہ پر بڑے سکون کے ساتھ کھڑا بتوں کی تباہی کا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ ناگ بھی ستون کے پاس حیرت زدہ کھڑا تھا:

پھر نوجوان جوگی واپس مڑا اور بڑے سکون سے قدم اٹھاتا مندر کے دروازے سے باہر نکل گیا۔ ناگ بھی اس کے پیچھے پیچھے مندر سے نکل گیا جب وہ باہر آیا تو ایک زبردست زلزلے کی گڑگڑاہٹ کے ساتھ پہاڑ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا اور اس کے اندر امبا دیوی کا بت کا بڑا پجاری جلاد اور باقی سارے پجاری ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دفن ہو گئے۔

ناگ نے نوجوان جوگی کو دیکھا کہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا آم کے درختوں میں جا رہا تھا۔ ناگ اس کے پیچھے بھاگا۔ قریب آ کر وہ رک گیا اور پھر نوجوان جوگی سے تین چار قدموں کے فاصلے پر پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ آگے ایک خوب صورت ندی بہہ رہی تھی۔ اس ندی کے قریب ایک بڑ کا بہت گنجان درخت تھا۔ نوجوان جوگی اس درخت کی چھاؤں میں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور آنکھیں بند کر کے گیان دھیان میں مصروف ہو گیا۔

ناگ سوچنے لگا کہ اس سے کیسے بات کرے۔ کیوں کہ وہ تو اس کی آواز بھی نہیں سن سکے گا۔ نوجوان جوگی نے

آنکھیں کھول دیں اور شیریں آواز میں بولا:

"دوست! میں تمہاری آواز سن رہا ہوں۔ میں تمہیں دیکھ بھی رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں تم کیا کہنا چاہتے ہو اور تمہیں کس چیز کی تلاش ہے۔ میرے پاس آؤ"

ناگ جلدی سے جوگی کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ جوگی کا چہرہ مسکرا رہا تھا۔ وہ کچھ دیر خاموش رہا اور درخت پر سے پتوں کو گرتے دیکھتا رہا پھر بولا:

"تم نے ابھی ابھی مندر میں جو کچھ دیکھا وہ میری کرامت نہیں تھی۔ وہ خدا کی مرضی تھی۔ اس نے جیسا چاہا ویسے ہی کر دیا۔ اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔"

ناگ نے کہا:

"کیا آپ اللہ کو مانتے ہیں؟"

جوگی بولا:

"ہاں — میں اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لا چکا ہوں۔ جس پر تم ایمان لا چکے ہو۔ مگر ہم دونوں میں فرق ہے۔ تم اللہ کے آخری نبی سرکار دو عالم کے دور سے گزرے ہو اور ظہور اسلام کے بعد تم مسلمان ہوئے ہو۔ مگر میں ابھی ان کے

مقدس دور سے تین سو سال پیچھے ہوں۔ مگر میں نے
اپنی عبادت اور ریاضت سے یہ گیان حاصل کر لیا
ہے کہ اب سے تین سو سال بعد ایک نبی آخری
زماں اس دنیا میں تشریف لائے گا اور وہ دنیا
بھر کے انسانوں کو دین اسلام کے اصول بتائے گا
جو قیامت تک قائم و دائم رہیں گے۔ پس میں
دل ہی دل میں ان پر ایمان لے آیا ہوں اور
ان ہی کے بتائے ہوئے خدا کی عبادت کرتا ہوں
تم میرے گواہ رہنا۔"

ناگ تعجب سے نوجوان جوگی کی ایمان افروز باتیں سن
رہا تھا۔ جوگی کہہ رہا تھا:

"میں شمالی ہندوستان کے ایک راجہ کا بیٹا تھا مگر
خدا اور سچائی کی تلاش میں اپنے محلوں سے نکل
کر جنگلوں میں آ گیا۔ میں نے سات برس ریاضت
کی اور سوائے گرے پڑے جنگلی پھلوں کے کچھ نہیں
کھایا۔ آخر مجھے گیان حاصل ہوا اور آج میں وہ ہوں
جو تم دیکھ رہے ہو۔"

ناگ نے کہا:

"میں اپنے بارے میں کیا عرض کروں۔ شاید آپ میرے

بارے میں سب کچھ جانتے ہوں گے۔"

جوگی بولا:

"ہاں میں تمہارے بارے میں سب کچھ جان گیا ہوں۔"

پھر نوجوان جوگی نے اپنی پٹاری میں سے ایک بوٹی نکال کر
ناگ کو دی اور کہا:

"اسے چبا کر نگل جاؤ۔"

یہ دو تین سوکھے پتے تھے۔ ناگ نے انہیں منہ میں
ڈالا اور چبانا شروع کر دیا۔ پھر وہ انہیں نگل گیا۔ نوجوان
جوگی نے اسے کہا کہ ندی میں سے دو تین چلو پانی بھر کر
پی لو۔ ناگ نے پانی پیا تو اس کا سانس جاری ہو گیا۔ اوپر
کا سانس نیچے اور نیچے کا سانس اوپر بڑی آسانی سے چل رہا
تھا۔ ناگ نے گھاس کو چھوا۔ گھاس اس کے ہاتھ میں آ
گیا۔ وہ اسے چھو سکتا تھا۔ اس نے نوجوان جوگی سے کہا:

"میرا سانس چلنے لگا ہے۔ کیا آپ مجھے انسانی شکل
میں دیکھ رہے ہیں؟"

جوگی مسکرایا:

"ہاں۔ میں تمہیں انسانی شکل میں انسانی آنکھوں سے
دیکھ رہا ہوں۔ پہلے میں نے تمہیں روحانی آنکھوں
سے دیکھا تھا۔ ناگ! خدا کا شکر ادا کرو۔ تمہاری

طاقت تمہیں واپس مل گئی ہے۔ جس شیطان جوگی
نے تمہاری طاقت جادو کے زور سے سلب کر لی
تھی وہ مندر کے ساتھ ہی زمین کے اندر دھنس گیا
ہے۔ اب تم سانس لے کر جیسی شکل چاہو اختیار
کر سکتے ہو۔"

ناگ نے جوگی کے پاؤں پکڑ لیے:

"میں کس منہ سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔ آپ نے
مجھے میری کھوئی ہوئی طاقت واپس کر کے مجھ پر
بڑا احسان کیا ہے۔"

جوگی نے کہا:

"تم نے ہمیشہ غریبوں اور مظلوموں کی مدد کے لیے
اپنی طاقت کو استعمال کیا ہے۔ اس لیے خدا ہمیشہ
تمہاری مدد کرے گا۔ کیوں کہ جو دوسروں کی مدد کرتے
ہیں خدا ان کی مدد کرتا ہے۔"

ناگ نے کہا:

"اب آپ یہ بتائیے کہ ماریا اور عنبر کہاں ہیں اور
میں امبا دیوی کی مورتی کو کیسے حاصل کر سکتا ہوں
کیوں کہ اگر میں نے چار ہفتوں کے اندر اندر یہ
مورتی شیلا کو واپس نہ کی تو ان کے گھر میں موت

کی تباہی پھیل جائے گی۔"

نوجوان جوگی نے مسکرا کر کہا:

"مگر ناگ تم ۱۹۸۳ء کے بمبئی شہر سے نکل کر پورے
دو ہزار سال تاریخ میں پیچھے کو آ گئے ہو۔ اگر
تمہیں مورتی مل بھی گئی تو واپس کیسے پہنچو گے؟"

ناگ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا:

"اس معاملے میں میرا خدا ہمیشہ میری راہ نمائی فرماتا
ہے۔ آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ میں عنبر اور ماریا
پانچ ہزار سال کے واپسی کے سفر پر ہیں۔ یہ ہمارا
تجربہ ہے کہ ہم پر جب بھی مصیبت کی کوئی گھڑی
آتی ہے تو خداوند تعالےٰ ہماری مدد کرتا ہے۔"

نوجوان جوگی بولا:

"مجھے تمہارے اعتقاد اور ایمان پر رشک آتا ہے
خدا پر یہ ایمان اور اس کی مدد پر بھروسہ تمہیں
زندگی کے طویل سفر میں کامیاب کرے گا۔ سب
سے پہلے میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں ایک
انسان کو دیکھ کر اس کے دل کا اور اس کے ماضی
کا حال جان لیتا ہوں لیکن ایک انسان کو دیکھے
بغیر میں نہیں بتا سکتا کہ وہ کہاں ہے اور کس

حالت میں ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں
یہ نہیں بتا سکتا کہ عنبر اور ماریا اس وقت
کہاں ہیں۔"

ناگ نے پوچھا:

"کیا آپ یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ امبا دیوی کی
مورتی کہاں ہوگی؟"

نوجوان جوگی نے کہا:

"غیب کا علم تو صرف اللہ کی ذات کو ہے ہاں
میں تمہیں اندازے سے اتنا ضرور بتا دینا چاہتا
ہوں کہ امبا دیوی کی مورتی کا سراغ تمہیں شمالی
ہندوستان میں ہستنا پور سے دو سو میل دور دریائے
گنگا کے کنارے جنگلوں میں مہارانی سیتا سے ملے
گا جو اپنے خاوند مہاراج رام اور دیور لچھمن کے
ساتھ چودہ برس کا بن باس کاٹ رہے ہیں۔
انہیں اپنی سلطنت ہستنا پور سے دیس نکالا مل
چکا ہے اب وہ چودہ برس سے پہلے واپس
اپنے وطن نہیں جا سکیں گے۔"

ناگ نے کہا:

"آپ کا شکریہ! میں اب شمالی ہند کے ہستنا پور کے

جنگلوں کی طرف جاتا ہوں کہ سیتا مہارانی سے امبا دیوی
کی مورتی کا پوچھوں۔ میں آپ کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔"

جوگی مسکرایا:

"ہمیشہ یاد رکھنے والی ذات صرف خدا کی ہے۔ انسان
فانی ہے۔ ہمیشہ خدا سے لَو لگائے رکھنا۔ اسی کی عبادت
کرنا۔ اسی کی بندگی کرنا اور مصیبت میں اسی سے مدد
مانگنا۔ خدا حافظ!"

یہ کہہ کر نوجوان جوگی نے آنکھیں بند کر لیں اور گیان دھیان
میں مصروف ہو گیا۔ ناگ نے جوگی کے پاؤں چھوئے۔ سلام کیا اور
وہاں سے چل دیا۔ اس کی اگلی منزل شمالی ہندوستان میں ہستناپور
کے جنگل تھے۔

○

قتل کی خطرناک سازش

ناگ شمالی ہندوستان کے جنگلوں کی طرف جا رہا ہے۔

اور عنبر روم کے سمندروں میں ایک بادبانی جہاز میں سوار سفر کر رہا ہے۔ جہاز کے کپتان نے چمڑے کے جلد کی ایک پرانی کتاب دکھا کر بتایا تھا کہ جہاں آج کل بحرالکاہل ہے وہاں چار ہزار سال پہلے ایک شاندار شہر آباد تھا جس کے لوگ سونے چاندی میں کھیلتے تھے۔ پھر ایک قیامت کا زلزلہ آیا اور سارے کا سارا شہر سمندر میں غرق ہو گیا۔ صرف چار آدمی باقی بچے جو اس روز قریبی جزیرے پر جو سونے کی کان تھی وہاں سونا لانے گئے تھے وہ کشتی میں سونے کی اینٹوں کا انبار لاد کر واپس شہر کی طرف آ رہے تھے کہ اچانک زلزلہ آ گیا۔ شہر ان کی آنکھوں کے سامنے سمندر میں غائب ہو گیا۔ وہ کشتی کو جلدی جلدی چلا کر وہاں سے دور نکل گئے اور یوں انہوں نے اپنی جان بچائی۔ اس کتاب میں لکھا تھا کہ پھر وہ لوگ ملک روم کے پاس ساحل پر آ گئے۔ وہاں انہوں نے ایک چھوٹا سا قلعہ بنایا اور وہیں رہنے لگے۔ وہ کسی سے نہیں ملتے تھے۔ آخر وہ بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ مگر اس زرد کاغذوں والی کتاب میں درج تھا کہ ان میں سے آخری آدمی نے مرنے سے پہلے سونے کا سارا خزانہ قلعے کے نیچے کسی جگہ دفن کر دیا تھا جو آج بھی اسی جگہ دفن ہے۔ کپتان نے عنبر کو اس خزانے کی تلاش میں ساتھ چلنے پر راضی کر لیا تھا۔ عنبر اس لیے رضامند ہو گیا تھا کہ کپتان نے بتایا تھا کہ خزانے پر ایک سانپ بیٹھتا ہے۔ عنبر نے سوچا کہ ہو سکتا ہے خزانے کے سانپ سے کچھ ناگ اور ماریا کی خبر مل جائے اور کپتان عنبر کو ساتھ لے چلنے پر اس لیے تیار ہوا تھا کہ عنبر نے اسے بتایا تھا کہ وہ جڑی بوٹیوں کا علم رکھتا ہے اور کپتان یہ چاہتا تھا کہ وہ خزانے کے سانپ پر کوئی بے ہوش کر دینے والی بوٹی کا سفوف چھڑک کر اسے بے سدھ کر دے تا کہ وہ سونے کی اینٹیں اپنے جہاز پر آسانی سے لاد سکیں۔ کیونکہ خزانے کے سانپ کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ کسی شخص کو بھی خزانہ حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہونے دیتا اور ہلاک کر دیتا ہے۔

پیارے دوستو! ہم آپ کو ماریا کے بارے میں بھی ضرور

بتاتے کہ وہ اس وقت کہاں ہے اور کس حالت میں ہے
مگر حقیقت یہ ہے کہ ہمیں ماریا کے بارے میں خود کچھ
معلوم نہیں ہے کہ بمبئی میں شیلا کے بیڈ روم میں جب
اس نے امبا دیوی کی مورتی کو چھوا اور اسے ایک جھٹکا
لگا تھا تو پھر اس کے بعد وہ کہاں چلی گئی۔ چونکہ میں آپ
کو عنبر ناگ ماریا کی واپسی کے سنسنی خیز سفر کی سچی داستان
سنا رہا ہوں اس لیے جب تک ماریا کے بارے میں
مجھے صحیح صحیح سچے حالات معلوم نہیں ہو جاتے میں آپ
کو اس کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ میں یونہی جھوٹی
سچی کہانی جوڑ کر آپ کو نہیں سنانا چاہتا۔ میں چاہتا ہوں
کہ جو کچھ ماریا کے ساتھ بیتتی ہے وہی آپ کو سناؤں۔
اب چونکہ ناگ اس کی تلاش میں نوجوان جوگی کے مشورے
کے مطابق شمالی ہندوستان کے جنگلوں میں بیتا مہارانی سے
ملاقات کرنے جا رہا ہے تو امید ہے کہ اسے ماریا کا ضرور
سراغ ملے گا اور اس کی داستان کے حیرت انگیز اور سچے
واقعات سامنے آئیں گے۔ اس لیے اس وقت ہم ناگ کو امبا دیوی
کی مورتی اور ماریا کے کھوج میں شمالی ہندوستان کے جنگلوں کی
طرف سفر کرتا چھوڑتے ہیں اور خود عنبر کی طرف آتے ہیں جو بادبانی
جہاز کے کپتان کے ساتھ سونے کی اینٹوں کے خزانے کی تلاش کی

مہم پر جانے کا عہد کر چکا ہے۔ اس نے بھی یہ عہد اس لیے
کیا ہے کہ ہو سکتا ہے خزانے کے سانپ سے اسے ناگ کا کچھ
حال معلوم ہو جائے۔

بادبانی جہاز مال سے بھرا ہوا تھا اور روم کے نیلے سمندر
میں اپنی منزل کی طرف لہروں پر بہا جا رہا تھا۔ ہوا بڑی موافق
تھی اور آسمان صاف تھا۔ اسی طرح سفر کرتے کرتے جہاز ایک
اور ملک روم کی ایک بندرگاہ پر جا لگا۔ کپتان نے جہاز اپنے
نائب کپتان کے حوالے کیا اور خود عنبر کو لے کر خزانے کی تلاش
میں نکل کھڑا ہوا۔ پرانی کتاب میں لکھا تھا کہ وہ جگہ جہاں غرق
ہونے والے شہر سے بچے ہوئے چار آدمیوں نے ایک قلعہ
بنا کر اس کے تہہ خانے میں خزانہ دفن کیا تھا۔ ملک روم کے
مغربی ساحل پر ایک ایسے مقام پر تھی جہاں ایک جگہ سے سمندر
کا پانی خلیج کی شکل میں ساحل کے اندر داخل ہو کر جنگل میں
چلا گیا ہے۔ اس جگہ کی ایک اور نشانی یہ بتائی گئی تھی کہ
جہاں سے سمندر کا پانی ساحل کاٹ کر اندر داخل ہوتا ہے
وہاں سرخ رنگ کی ایک چٹان کھڑی ہے جس کو اگر غور سے دیکھا
جائے تو وہ عورت کی شکل بن جاتی ہے۔

کپتان نے ایک بڑی بادبانی کشتی خرید کر اس میں ایک ہفتے
کی خوراک اور پینے کا پانی رکھ لیا تھا۔ اسی وقت یہ بادبانی کشتی

روم کے ساحل کے ساتھ ساتھ سمندر میں آگے بڑھ رہی تھی
کپتان بار بار پُراسرار زرد کتاب دیکھ لیتا تھا کہ وہ ٹھیک راستے
پر جا رہے ہیں۔ عنبر بھی اس کے ساتھ تھا۔ کپتان کو سونے
کی اینٹوں کے انبار کا لالچ تھا مگر عنبر کے دل میں یہی ایک
خیال تھا کہ شاید ناگ اور ماریا کا کوئی سراغ مل جائے۔ ایک
تو بادبانی کشتی کی رفتار سست تھی دوسرے روم کا ساحلی
سمندر چٹانوں اور پانی میں چھپی ہوئی نوکیلی چٹانوں سے بھرا
ہوا تھا اس لیے کپتان کشتی کو بڑی احتیاط سے چلا رہا تھا
اس نے کسی دوسرے ملاح کو ساتھ نہ لیا تھا۔ اس خیال
سے کہ کہیں وہ بھی خزانے میں حصہ دار نہ بن بیٹھے۔

اسی طرح سفر کرتے کرتے انہیں دو روز گذر گئے۔

تیسرے روز موسم خراب ہو گیا اور تیز ہوائیں چلنے لگیں
کپتان نے کشتی کے بادبان لپیٹ دیئے اور لنگر پھینک دیا
کیوں کہ اگر بادبان کھلے ہوتے تو تیز ہواؤں میں کشتی کا کھلے
سمندر میں نکل جانے کا خطرہ تھا۔ ہوا تیز تھی اور کشتی ساحل
سے کچھ فاصلے پر کھڑی ہچکولے کھا رہی تھی۔ عنبر نے کہا کہ
کشتی کو ہم ساحل پر لے جاتے ہیں۔ اگرچہ وہ جہاز کا
کپتان نہیں تھا مگر اس نے بھی ہزاروں بار طوفانی سمندروں
کا سفر کیا تھا۔ کپتان اس کی بات سن کر مذاق سے ہنسا۔

"عنبر بھائی! تم جادوئی بوٹیوں کے بارے میں کمال معلومات
رکھتے ہو گے مگر سمندروں کے بارے میں تمہیں کچھ
معلوم نہیں ہے۔ میں نے جو کچھ کیا ہے ٹھیک
کیا ہے۔"

عنبر خاموش ہو گیا۔ تیز ہواؤں نے طوفان کی شکل اختیار
کر لی۔ بادل گہرے سیاہ ہو گئے اور بجلی بار بار کڑکنے لگی اور
بادل گرجنے لگے اور بارش بھی شروع ہو گئی۔ کشتی اگرچہ کافی
بڑی تھی مگر سمندر کی لہریں اسے زبردست ہچکولے دے رہی
تھیں۔ آخر ایک ایسی طاقت ور لہر آئی کہ کشتی کا لنگر ٹوٹ گیا
اور وہ لہروں میں دھکے کھانے لگی۔

کپتان نے بلند آواز سے کہا:

"عنبر! کشتی کے سرے پر جا کر دوسرا لنگر گرا دو میں
پچھلا بادبان کھولتا ہوں۔"

کپتان کا خیال تھا کہ اگر سرے والا دوسرا لنگر گرا دیا گیا
اور عقبی بادبان کھول دیا تو ہوا کا رخ چونکہ شمال کی طرف
ہے اس لیے کشتی ایک جگہ پر جم جائے گی۔ مگر ہوا کا رُخ
ایک دم سے جنوب کی طرف ہو گیا اور ہوا بھی طوفانی۔
چنانچہ دوسرا لنگر بھی ٹوٹ گیا اور بادبان پھٹ کر لکڑی کے
مستول سمیت سمندر میں جا گرا۔ اب کشتی طوفانی لہروں کے

رحم و کرم پر کھلے سمندر کی طرف جا رہی تھی۔ کپتان نے اور
عنبر نے بڑے بڑے چپو سمندر میں ڈال دیئے اور کشتی کو
ساحل کی طرف لے جانے کی سر توڑ کوشش شروع کر دی۔
اس کوشش میں وہ ساحل سے کافی دور نکل آئے۔ سمندر کی
بڑی بڑی لہریں کشتی کو اٹھا کر کبھی ادھر اور کبھی ادھر پھینک
رہی تھیں۔ کشتی عنبر اور کپتان کے قابو سے باہر ہو گئی تھی۔
ہوائیں اس قدر چیخ رہی تھیں اور سمندری موجیں اس قدر شور
مچا رہی تھیں کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ اوپر سے
بارش نے الگ شور مچا رکھا تھا۔

اب وہ جان بچانے کے لیے سمندر میں چھلانگیں بھی نہیں
لگا سکتے تھے۔ عنبر تو خیر بچ ہی جاتا مگر کپتان ایسے طوفانی
سمندر میں زندہ بچ کر ساحل تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ لہریں
کشتی کو کبھی چکر دیتیں اور کبھی اٹھا کر دور پھینک دیتیں۔
طوفان کا زور ختم نہیں ہو رہا تھا۔ رات ہو گئی۔ سمندر پر اور
زیادہ اندھیرا چھا گیا۔ عنبر اور کپتان کشتی کے ایک چھوٹے
سے تہہ خانے میں دبک کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے تہہ خانے
کی چھت بند کر لی تھی۔

کپتان نے کہا:

"میرا خیال ہے صبح طوفان ختم جائے گا۔ پھر ہم کشتی

کو کھلے سمندر سے نکال کر ساحل کی طرف لے
آئیں گے۔ کیوں کہ ہمیں خزانے کی تلاش میں ساحل
کے ساتھ ساتھ چلنا ہے۔"

عنبر نے کہا:

"اس طوفان میں اگر ہماری کشتی سلامت رہی تو
اسے نکال سکیں گے۔"

کپتان بولا:

"عنبر بھائی! یہ کشتی بڑی مضبوط ہے۔ فکر نہ کرو
طوفان اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔"

ابھی یہ فقرہ اس کے منہ میں ہی تھا کہ کشتی بڑے زور
سے سمندر میں چھپی ہوئی کسی چٹان سے ٹکرا گئی۔ زبردست
دھماکے کی آواز بلند ہوئی۔ اور کشتی کے دو ٹکڑے ہو گئے۔
تہہ خانے میں سمندر کا پانی آ گیا۔ کپتان اور عنبر بڑی مشکل
سے تہہ خانے سے نکل کر کشتی کے آدھے حصے کے اوپر
آ گئے۔ کشتی کا دوسرا آدھا حصہ ڈوب گیا تھا۔ کیونکہ
اس میں سامان کا بوجھ کافی تھا۔ جس باقی آدھے حصے پر
عنبر اور کپتان سوار تھے یہ ہلکا تھا اس لیے ڈوبنے سے
بچ گیا تھا۔ مگر اس کا بے حد برا حال تھا۔ موجیں اسے
طمانچے مار رہی تھیں اور وہ لہروں کے بھنور میں چکر لگا

رہا تھا۔ کشتی کا یہ آدھا حصہ سمندر پر لیٹ گیا تھا اور اس کے بادبان آدھے پانی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ بس اتنا تھا کہ کپتان اس کی وجہ سے سمندر میں غرق ہونے سے بچ گیا تھا۔

سمندر کی طوفانی موجیں اس ٹوٹی ہوئی کشتی کو لے کر ساری رات بھٹکتی پھرتی رہیں۔ دن نکلا تو طوفان ختم چکا تھا۔ ٹوٹی ہوئی کشتی کا صرف ڈھانچہ ہی پانی سے باہر تھا۔ ساحل قریب ہی دکھائی دے رہا تھا۔ عنبر پر اس طوفان کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا مگر کپتان کافی نڈھال دکھائی دیتا تھا۔ ساحل کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی کہنے لگا:

"خدا کا شکر ہے کشتی کھلے سمندر کی طرف نہیں گئی یہ ملک روم کا ساحل ہی ہے۔"

عنبر نے کہا:

"خدا کرے کہ یہ روم کا ساحل ہو"

کپتان بولا:

"میں اس ملک کے ساحل کے گھاس کو بھی پہچانتا ہوں"

وہ کشتی کو کھینچتے ہوئے ساحل تک لے آئے۔ ساحل ویران ویران تھا۔ اونچی نیچی ٹیکریاں تھیں۔ کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ نظر آتے تھے۔

عنبر نے پوچھا:

"ہم روم کے ساحل پر کتنی دور آگے نکل آئے ہیں؟"

کپتان نے درختوں اور ٹیکریوں کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا:

"میرا خیال ہے ہم جزیرہ سارڈینا کے پچھم میں ہیں۔"

عنبر نے کہا:

"لیکن سوال تو یہ ہے کہ وہ علاقہ کہاں ہے جہاں سمندر کنارہ کاٹ کر خلیج کی شکل میں اندر داخل ہوتا ہے اور جہاں کہیں ہمیں خزانے والا قلعہ تلاش کرنا ہے۔"

کپتان بولا:

"میں بھی اسی کی کھوج میں ہوں۔ میرا خیال ہے وہ جگہ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ اگر ہم ان ٹیکریوں میں سے گزر کر جنوب مشرق میں کچھ دور چلیں تو یقیناً وہ علاقہ آ جائے گا۔"

عنبر کو اگرچہ نہ بھوک تھی نہ پیاس، لیکن اس خیال سے کہ کپتان اسے عجیب و غریب انسان نہ سمجھنے لگے اور اسے کوئی شک نہ پڑ جائے۔

عنبر نے جھوٹ موٹ کہا:

"مجھے تو بھوک بھی لگی ہے اور پیاس بھی۔ چلئے

ہمیں کھانے پینے کے لیے کچھ تلاش کرنا چاہیے۔"

کپتان پیٹ پر ہاتھ پھیر کر بولا:

"بھوک اور پیاس تو مجھے بھی لگی ہے۔ چلو ان درختوں میں دیکھتے ہیں۔ شاید کھانے کے لیے کوئی جنگلی پھل اور پینے کے لیے پانی مل جائے۔"

وہ دونوں ان ٹیکریوں کی طرف چل پڑے جہاں درختوں کے جھنڈ اُگے ہوئے تھے۔ دونوں کے کپڑے نہ صرف گیلے ہو رہے تھے بلکہ طوفان کی وجہ سے پھٹ پھٹا بھی گئے تھے۔

کپتان نے کہا:

"ہمیں کھانے پینے کے علاوہ کپڑوں کی بھی ضرورت ہے ابھی ہمارا سفر لمبا ہے۔ ہمیں کچھ کھانے پینے کو ساتھ بھی رکھنا پڑے گا۔"

عنبر نے کہا:

"پہلے اس وقت تو کھانے کو کچھ ملے۔"

کپتان بولا:

"ان درختوں میں میرا خیال ہے کہ جنگلی بیر کی جھاڑیاں مل جاتی ہیں اور کہیں کہیں پانی کے چشمے بھی ہوتے ہیں۔"

عنبر نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموشی سے کپتان کے

ساتھ چلتا رہا۔ درختوں کے جھنڈوں میں انہیں کپتان کے کہنے کے مطابق جنگلی بیریوں کے جھاڑ مل گئے اور ایک جگہ چھوٹا سا چشمہ بھی بہہ رہا تھا۔ کپتان نے جنگلی بیر کھا کر چشمے کا پانی پیا اور بھوک اور پیاس مٹائی۔ عنبر نے بھی دکھانے کو کچھ بیر کھا لیے اور پانی پیا۔ کپتان نے اب اس علاقے کا غور سے جائزہ لیا۔ وہ کبھی ماتھے پر ہتھیلی کا چھجا بنا کر ٹیکریوں کو تکتا۔ کبھی درختوں میں دور تک دیکھتا کہنے لگا:

"عنبر! مجھے یقین ہے ان ٹیکریوں کے پار طولان نام کا چھوٹا سا شہر ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔ یہ علاقہ میرا دیکھا ہوا ہے۔"

کپتان عنبر کو ساتھ لے کر ٹیکریوں کے پار جانے والی پگ ڈنڈی پر روانہ ہو گیا۔ وہ دونوں دوپہر تک چلتے رہے دوپہر کے بعد انہیں طولان شہر کے مکان دکھائی دیے۔

کپتان نے خوش ہو کر کہا:

"دیکھا۔ میرا اندازہ درست نکلا ناں۔ میں اس علاقے کے چپے چپے سے واقف ہوں۔"

عنبر نے کہا:

"جب وہ پرانا قلعہ دریافت کر دو گے تو مانوں گا جس

کے اندر خزانہ دفن ہے۔"
کپتان نے مسکرا کر کہا،
"کم بخت قلعہ چار ہزار سال پرانا ہے۔ خدا جانے
اب اس کے کھنڈر بھی کس حالت میں ہوں گے
مگر میں اسے تلاش کر کے ہی چھوڑوں گا۔ پہلے
اس شہر میں جا کر گھوڑے، خوراک، کپڑے اور
پانی کا ذخیرہ حاصل کرتے ہیں جو سفر میں ہمارے
کام آئے گا۔"
شہر کو دیکھ کر کپتان کی ہمت لوٹ آئی تھی اور وہ
خوش تھا۔ وہ خوب مزے لے لے کر باتیں کر رہا تھا۔
"ہم یہاں سے روم کے ساحل والی خلیج کے بارے
میں بھی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔"
عنبر نے پوچھا:
"کپتان! گھوڑے کپڑے اور خوراک خریدنے کے لیے
تمہارے پاس رقم ہے کیا؟"
کپتان مسکرایا:
"عنبر! میں بیس برس سے ان علاقوں میں آ جا
رہا ہوں۔ یہاں میرے بہت دوست ہیں تم خود
دیکھ لو گے۔"

شہر قریب آ رہا تھا۔
یہ شہر روم کے چھوٹے شہروں میں سے تھا۔ لیکن
یہاں کچھ پرانے فوجی جرنیلوں کے حویلی نما مکان اور زمینیں
تھیں جہاں وہ ریٹائر ہونے کے بعد عمر کا آخری حصہ آرام
اور سکون سے بسر کر رہے تھے۔ ان کی وجہ سے شہر میں
زندگی کی ضروریات کی سب چیزیں مل جاتی تھیں۔
اس شہر میں کپتان کا ایک یہودی دوست تھا جو غلاموں
کی خرید و فروخت کا کاروبار کرتا تھا۔ اس کا نام کاہون تھا۔
کپتان عنبر کو ساتھ لے کر اس کی حویلی میں آ گیا۔ کاہون کی
عمر پچاس برس کے قریب تھی۔ سر گنجا تھا۔ چہرے پر مکاری
تھی اور چھوٹی چھوٹی آنکھوں کے ڈھیلے پنجرے میں بند چڑیا
کی طرح پھدک رہے تھے۔ کپتان نے اسے بتایا کہ اسے دو
گھوڑے اور کچھ خوراک چاہیے۔
یہودی کاہون ہنسا، کہنے لگا:
"کیا تم اب سمندر میں جہاز کی جگہ گھوڑے دوڑایا
کرو گے؟"
کپتان کہنے لگا:
"کچھ ایسا ہی ارادہ ہے چچا کاہون۔"
کپتان نے اپنے یہودی دوست کاہون سے دو گھوڑے

کچھ خشک میوے اور پانی کے دو لکڑی کے ڈرم خرید
لیے۔ رات کو کھانے کے بعد عنبر قبرستان کی طرف یہ کہہ
کر نکل گیا کہ شاید یہاں سے ماریا یا ناگ کی خوشبو آ جائے
اور کپتان کو یہودی کاہون نے ساتھ لیا اور باغ میں
ٹہلنے گے۔ کاہون بڑا چالاک آدمی تھا۔ سمجھ گیا کہ کپتان
کسی خاص قسم کی مہم پر جا رہا ہے اور اسے یہ بھی اچھی
طرح معلوم تھا کہ یہ مہم دولت حاصل کرنے کے سوا اور
کچھ نہیں ہو سکتی تھی۔ چنانچہ یہودی کاہون کے کان
کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ کپتان سے پتہ کرنا چاہتا تھا
کہ وہ کون سی مہم پر جا رہا ہے اور اس کا ایک ہی طریقہ
اس یہودی کے دماغ میں آتا تھا کہ کپتان پر گھوڑوں اور
خوراک کی قیمت اسی وقت ادا کرنے پر زور دے۔ یہ سوچ
کر مکار یہودی نے کہا:

"کپتان! میں نہیں جانتا کہ تم کون سی مہم پر جا رہے
ہو اور مجھے یہ جاننے کی ضرورت بھی نہیں ہے مگر
تم جانتے ہو کہ میں کاروباری آدمی ہوں ادھر مال
خرید کر ادھر فروخت کر دیتا ہوں اور اگر میری رقم
رُک جائے تو میرا کاروبار بھی رُک جائے گا۔ مجھے
تو بس اپنی رقم سے دلچسپی ہوتی ہے۔ چنانچہ میں

چاہوں گا کہ تم نے مجھ سے جو چیزیں خریدی ہیں
ان میں سے دو گھوڑوں کی قیمت اسی وقت ادا کر
دو باقی دیکھا جائے گا۔"

یہودی کی آنکھوں کے ڈیلے گھوم رہے تھے۔ وہ مہم کا
راز معلوم کرنے کے لیے بے تاب تھا۔ مگر اوپر سے بڑی
بے نیازی کے ساتھ بولا:

"بھتیجے مجھے تمہاری مہم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے
میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ تم مجھے گھوڑوں کی قیمت
اس وقت ادا کر دو۔"

کپتان کو آخر اپنی سونے کی تلاش کی مہم کا راز بتانا
ہی پڑا:

"سنو کاہون! تم میرے دوست ہو، میں تم سے کوئی
بات چھپا کر نہیں رکھنا چاہتا۔ بات یہ ہے کہ
سونے کا ایک بے بہا خزانہ میرا انتظار کر رہا ہے
کاہون! یہ خزانہ اتنا بڑا ہے کہ دنیا نے آج تک
سونے کا اتنا انبار نہ دیکھا ہوگا۔"

یہودی کاہون کی آنکھیں دولت کی ہوس میں چمک اٹھیں۔ اس
کے دل کی مراد بر آئی تھی۔ پھر بھی بڑی مکاری سے کام لیتے ہوئے
اور دل پر پتھر کی سل رکھ کر بولا:

"بھئی مجھے تمہارے خزانے سے بھی کوئی دلچسپی نہیں
اور بھی اس قسم کی باتیں تو ہر آدمی آج کل کرتا ہے
جیسے دیکھو خزانہ تلاش کرنے جا رہا ہے۔ بھئی ہم نے
تو کسی کو آج تک خزانہ لے کر گھر کو لوٹتے نہیں دیکھا"
کپتان نے ہنس کر کہا:
"جب میرے گھوڑوں پر لدی ہوئی سونے کی اینٹیں
دیکھو گے تو تمہیں خود ہی یقین آ جائے گا۔"
گھوڑوں پر لدی ہوئی سونے کی اینٹوں کی ایک تصویر یہودی
کی آنکھوں میں پھر گئی۔ دولت کے خیال سے اس کی آنکھیں
چمکنے لگیں۔ اس کے باوجود ایک بار پھر جھوٹ سے کام لیتے
ہوئے بے نیازی سے بولا:
"ارے کون آتا ہے ہمارے پاس سونے کی اینٹیں
لے کر۔"
"میں سب سے پہلے تمہارے پاس آؤں گا دوست۔"
اور اس کے بعد کپتان نے سونے کی مہم کی ایک ایک
بات کھول کر یہودی کاہان کو بتا دی۔ یہودی نے عیاری سے
اپنی ٹھوڑی کریدتے ہوئے کہا:
"یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟"
کپتان بولا:

"یہ جڑی بوٹیوں کا علم رکھتا ہے۔"
"کیا اس کا پتا نہیں کاٹا جا سکتا۔ آخر یہ کیوں دولت
میں حصے دار بنے۔ جب کہ میں تمہارے ساتھ ہوں
اور مہم کے سارے اخراجات اٹھانے کو تیار ہوں۔"
اب کپتان نے اسے خزانے کے سانپ کے حوالے سے بتایا
کہ عنبر کا اس مہم میں ان کے ساتھ رہنا کس قدر ضروری ہے
یہودی کاہان نے کہا:
"کیا ہم خزانے کے سانپ کو کسی اور طریقے سے ہلاک
نہیں کر سکتے۔ کیا یہ ضروری ہے کہ عنبر کسی بوٹی کا
سفوف اس پر چھڑک کر اسے بے ہوش کر دے۔"
کپتان کہنے لگا:
"بات یہ ہے کہ خزانے کا سانپ عام طور پر اچانک
کسی طرف سے نکل آیا کرتا ہے اور دکھائی نہیں
دیتا۔ اس لیے عنبر ساتھ ہو گا تو خزانہ اٹھانے سے
پہلے سفوف پھینک کر سانپ کو بے سدھ کر دے گا۔"
یہودی نے دل پر جبر کر کے سونے کی تلاش کی مہم میں
عنبر کا ساتھ چلنا گوارا کر لیا۔ اب اس نے کپتان سے معاملہ
طے کرنا چاہا۔ کہنے لگا:
"خزانہ مل گیا تو میں اس کا آدھا حصہ لوں گا۔ باقی

ادھا تم دونوں میں بانٹ دیا جائے گا:

کپتان بولا:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر تم اس مہم پر پیسہ خرچ کرو گے تو میں نے خزانے کا پتہ بتایا ہے اور عنبر ہمیں خزانے کے سانپ سے بچائے گا۔ پس خزانے کے تین حصے ہوں گے اور ہم ایک ایک حصہ لیں گے"

اسی لمحے مکار کاہون نے دل میں ایک فیصلہ کر لیا۔ اور اس نے مسکرا کر کپتان کے کندھے پر ہاتھ مار کر بولا:

"دوست! تم بھی کیا یاد کرو گے۔ چلو میں تمہاری شرط منظور کرتا ہوں۔ خزانہ اگر مل گیا تو اسے تین حصوں میں برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ مگر میری بھی ایک شرط ہے۔"

"وہ کیا؟" کپتان نے پوچھا۔

یہودی کاہون کہنے لگا،

"میرا ایک خاص آدمی اس مہم میں تمہارے ساتھ جائے گا۔"

"مجھے منظور ہے۔"

یہودی کاہون بڑا خوش ہوا۔ اس نے جو سکیم سوچی تھی اس کا پہلا مرحلہ کامیاب ہو گیا تھا کہنے لگا:

"ٹھیک ہے۔ میں تم سے گھوڑوں کی قیمت اور جو بھی خرچ آئے گا خزانہ ملنے کے بعد وصول کر لوں گا۔ اور یہ قیمت تمہارے اور عنبر کے حصے میں سے کاٹی جائے گی۔"

"مجھے منظور ہے۔" کپتان بولا۔

"بس اب ہمیں ایک کاغذ پر یہ معاہدہ لکھ کر اپنے اپنے دستخط کرنے ہوں گے تاکہ سند رہے اور ضرورت کے وقت کام آئے۔ ہم صبح کاغذ لکھ لیں گے اور کل ہی تم لوگ مہم پر روانہ ہو جانا تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟"

"بالکل نہیں۔"

دوسرے روز یہودی کاہون نے کاغذ لکھ کر اس پر عنبر اور کپتان کے دستخط کروانے کے بعد اپنے بھی دستخط کر دیئے اور کاغذ صندوق میں رکھ کر تالا لگا دیا۔ یہودی کاہون نے اپنا جو آدمی مہم میں ساتھ جانے کے لیے تیار کروایا تھا اس کا نام ساول تھا۔ ساول ایک کافر حبشی غلام تھا جو یہودی کاہون کا جاں نثار تھا اور اس قدر سنگ دل اور ظالم تھا کہ غلاموں کی مار مار کر چمڑی ادھیڑ دیا کرتا تھا۔ وہ کئی لوگوں کو قتل بھی کر چکا تھا۔ درمیانے قد کا بھالو نما بڑی

بڑی مونچھوں والا سیاہ فام مضبوط آدمی تھا جس کی آنکھوں سے درندگی اور خون خواری ٹپکتی تھی۔ یہودی کاہون نے اسے پوری طرح سمجھا دیا تھا کہ جونہی خزانہ ملے اور خزانے کے سانپ کو عنبر ہلاک کر دے وہ عنبر اور کپتان کو قتل کر کے خزانے پر قبضہ کر لے اور اسے لے کر واپس پہنچ جائے۔ اس مقصد کے لیے کاہون یہودی نے سادل حبشی کو ایک دو دھارا خنجر بھی دیا تھا۔ جس کی کاٹ بڑی زبردست تھی اور ایک سیکنڈ میں انسان کی گردن کاٹ کر الگ کر دیتا تھا سادل حبشی نے یہ خنجر اپنے کپڑوں میں چھپا کر رکھ لیا تھا۔

دوسرے روز کپتان عنبر اور سادل حبشی گھوڑوں پر سوار ہو کر خزانے کی تلاش کی مہم پر روانہ ہو گئے۔ ان کے ساتھ دو فالتو گھوڑے بھی تھے جن میں سے ایک گھوڑے پر کھانے پینے کا سامان پانی کے دو بڑے کپّے لدے تھے اور دوسرے گھوڑے پر کمبل اور دوسرا زمین کھودنے کا ضروری سامان تھا۔ عنبر نے کپتان سے کہا تھا کہ سادل حبشی کا ساتھ جانا ٹھیک نہیں لگتا مگر کپتان نے کہا تھا کہ وہ بڑا محنتی غلام ہے اور ان کا بہت سا کام کاج کر دیا کرے گا۔ چنانچہ عنبر نے معاہدے کے کاغذ پر دستخط کر دیئے تھے۔ یہ قافلہ دن کے پہلے پہر روانہ ہوا۔

کپتان نے آدھی رات تک بیٹھ کر بڑی محنت سے راستے کا نقشہ بنا لیا تھا جس کے مطابق وہ علاقہ جہاں سمندر ساحل کاٹ کر اندر داخل ہو گیا تھا اور پراسرار کتاب کے مطابق جہاں چار ہزار سال پہلے ایک قلعہ تھا وہاں سے تین دن کے سفر پر تھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ اگر وہ دن میں چھ گھنٹے سفر کریں اور رات کو آرام کریں تو تین دنوں میں اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائیں گے۔

پہلے روز ان کا سفر اونچی نیچی ٹیکریوں اور ادھر اُدھر اُگی ہوئی جنگلی جھاڑیوں میں جاری رہا۔ شام کو انہوں نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ سادل حبشی نے جھاڑیاں صاف کر کے خیمہ لگا دیا اور کھانا پکایا۔ وہ زیادہ بات نہیں کرتا تھا۔ بس ہوں ہاں میں جواب دے کر خاموش ہو جاتا۔ عنبر کو چونکہ جڑی بوٹیوں کی بڑی سمجھ تھی چنانچہ گھوم پھر کر اس نے بعض بڑی قیمتی بوٹیاں اکٹھی کر لیں۔ ان میں بخار سے آرام دینے والی بوٹیاں بھی تھیں اور ایک بوٹی ناگ پھنی کی اسے مل گئی جو سانپ کے کاٹے کا علاج تھی۔ رات کو کھانا کھا کر وہ سو گئے۔ سادل حبشی کچھ دیر خیمے کے باہر بیٹھا رہا۔ پھر وہ بھی وہیں پڑ کر سو گیا۔ اگلے روز انہوں نے سامان گھوڑوں پر لادا اور پھر سفر شروع کر دیا۔

اسی طرح سفر کرتے جب انہیں تین روز گذر گئے، تو کپتان نے کہا کہ اب وہ منزل پر پہنچنے والے ہیں مگر منزل کہیں نہیں تھی۔ وہ سمندر کے کنارے کے ساتھ ساتھ سفر کر رہے تھے لیکن سمندر کا پانی کسی جگہ سے بھی کنارے کو کاٹ کر اندر داخل نہیں ہو رہا تھا۔

عنبر نے کپتان سے کہا کہ کہیں وہ راستہ تو نہیں بھول گیا۔ کپتان نے کہا:

"ہم بالکل ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں۔ آج نہیں تو کل وہ جگہ ضرور آئے گی جہاں سمندر کنارا کاٹ کر اندر آ گیا ہے۔"

دو روز اور گذر گئے مگر وہ خاص علاقہ نہ آیا۔ اب تو عنبر بھی سوچنے لگا کہ اس مہم پر آ کر اس نے خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع کیا ہے۔ کپتان ابھی تک نا امید نہیں ہوا تھا۔ ساول بھی خاموش تھا۔ وہ ان سے زیادہ بات نہیں کرتا تھا۔ بس ان کے کام کر دیا کرتا اور خاموش رہتا۔ مگر ہر رات کو وہ خنجر تیز کرنا نہیں بھولتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ خنجر کو زنگ لگ جائے اور وہ کپتان اور عنبر کا تیزی سے گلا نہ کاٹ سکے۔

چھٹے روز کپتان نے خوشی کا نعرہ بلند کیا۔

وہ ایک ٹیلے پر کھڑا تھا۔ اس نے سمندر کے کنارے کو

دیکھ لیا تھا۔ یہاں اونچے نیچے ٹیلے ہی ٹیلے تھے جن پر گھنے درخت اور جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ وہ ٹیلے سے پھلانگتا ہوا نیچے اتر آیا۔ اس نے بتایا کہ یہاں سے ایک کوس کے فاصلے پر سمندر کنارا کاٹ کر اندر داخل ہو رہا ہے۔ عنبر خوش ہوا کہ وہ منزل پر پہنچ گیا۔ ٹیلے کا چکر کاٹ کر جب وہ ایک کوس کے فاصلے پر پہنچے پر کپتان کے کہنے کے مطابق سمندر ایک جگہ کنارے کو کاٹ کر جنگل میں ایک بڑی نہر کی شکل میں داخل ہو گیا تھا۔

"یہ ہے وہ جگہ جس کا ذکر کتاب میں ہے۔ اب ہمیں وہ قلعہ تلاش کرنا ہے جس کے تہہ خانے میں خزانہ دفن ہے۔"

عنبر نے کہا:

"میرا خیال ہے ہمیں خلیج پار کر کے دوسرے کنارے پر جانا چاہیے، کیوں کہ جہاں تک میرا اندازہ ہے۔ ان لوگوں نے خلیج کے پار قلعہ بنایا ہوگا تاکہ کوئی شخص آسانی سے ان کے خزانے تک نہ پہنچ سکے۔"

کپتان بولا:

"اچھا خیال ہے عنبر۔ ہم خلیج کے پار جائیں گے۔"

اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے گھوڑے خلیج کے
پانی میں ڈال دیئے۔ گھوڑے پانی میں پیٹ تک ڈوب گئے
مگر وہ تیرتے چلے گئے۔ آخر انہوں نے خلیج پار کر لی اور
دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ انہیں محسوس ہوا کہ خلیج کے
پار اس کا دوسرا کنارا پہلے کنارے کے مقابلے میں زیادہ
گنجان ہے اور وہاں ٹیلوں کے آس پاس گہری کھائیاں
ہیں جن میں بڑے بڑے پتھر زلزلوں کی وجہ سے ٹیلوں سے
گر کر پڑے ہیں۔

عنبر نے کہا:

"قلعہ ضرور یہیں کہیں ہو گا۔"

کپتان نے سادل حبشی سے کہا:

"گھوڑوں کو ان درختوں کے ساتھ باندھ کر ہمارا
یہاں انتظار کرو۔ ہم آگے کا چکر لگا کر آتے
ہیں۔"

کپتان نے عنبر کو ساتھ لیا اور آس پاس کے
علاقے کا جائزہ لینے چل پڑا۔ یہاں درخت ایک دوسرے
کے ساتھ ساتھ اُگے ہوئے تھے اور ان کے درمیان
جھاڑیاں ہی جھاڑیاں تھیں۔ صاف لگتا تھا کہ ادھر سے
کبھی کسی کا گذر نہیں ہوا۔ کپتان کے ہاتھ میں بڑا چھرا

تھا جس کی مدد سے جھاڑیاں کاٹ کر وہ راستہ بنا
رہا تھا۔ عنبر اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ آگے جا کر راستہ
کچھ صاف ہو گیا۔ ایک تنگ ڈنڈی سی بنی ہوئی انہیں
دکھائی دی جو چھوٹے چھوٹے گول پتھروں سے تیار کی
گئی تھی۔ پتھر مٹی کے اندر دھنسے ہوئے تھے۔ کپتان اور
عنبر جھک کر اسے دیکھنے لگے۔

کپتان نے کہا:

"صاف لگتا ہے کہ کسی نے آنے جانے کے راستے کے
لیے یہ پگ ڈنڈی بنائی تھی۔"

عنبر نے کہا:

"یہاں دُور دُور تک آبادی کا نام و نشان نہیں ہے۔"

کپتان نے کہا:

"یہی تو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ پگ ڈنڈی آج
سے بہت عرصہ پہلے تیار کی گئی تھی جب یہاں سے
لوگ آتے جاتے تھے۔"

پھر وہ عنبر کی طرف دیکھ کر بولا:

"دوست! یقین کرو وہ قلعہ یہیں کہیں ہے۔"

شام تک وہ قلعے کے کھنڈروں کو تلاش کرتے رہے مگر
انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ شام کو وہ واپس اپنے اڈے پر آ

گئے۔ ساول حبشی نے آگ جلا کر گوشت بھون رکھا تھا۔ اس نے جنگل میں چار خرگوش شکار کر لیے تھے اور انہیں بھون لیا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد عنبر اور کپتان دیر تک قلعے کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ انہیں اپنی منزل بالکل سامنے نظر آ رہی تھی۔ دوسرے روز انہوں نے پتھروں والی پگ ڈنڈی کے قریب جا کر پڑاؤ ڈال لیا اور ایک بار پھر پوری محنت اور جانفشانی سے پر اسرار قلعے کے کھنڈروں کی تلاش شروع کر دی۔

○

آدھی رات، چار روحیں

اس روز قلعے کے کھنڈر کہیں نہ ملے۔

رات کو عنبر اور کپتان واپس اپنے پڑاؤ پر آ کر کھانا کھا کر سو گئے۔ عنبر جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ بھوک اور پیاس سے بے نیاز تھا مگر اس خیال سے وہ بھی تھوڑا بہت کھا لیتا تھا کہ کسی کو اس پر شک نہ پڑے۔ رات گہری ہو گئی تھی۔ درخت رات کے اندھیرے میں خاموش سر جھکائے کھڑے تھے۔ کپتان بے سدھ ہو کر گہری نیند سو رہا تھا۔ مگر عنبر جاگ رہا تھا اور ناگ اور ماریا کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ساول حبشی اس سے تھوڑے فاصلے پر جہاں گھوڑے بندھے تھے۔ کمبل اوڑھے گھاس پر پڑا تھا۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ جنگل آج کل بھی رات کو خاموش ہوتے ہیں اور آج سے سات آٹھ سو سال پہلے تو جنگلوں میں راتوں کو ایسا سناٹا چھایا ہوتا تھا کہ انسان کو خوف محسوس ہونے لگتا تھا۔

جس جگہ ان لوگوں نے پڑاؤ ڈال رکھا تھا وہاں سے
خلیج کا کنارہ قریب ہی تھا اور عنبر کو آدھی رات کے وقت
پانی میں مچھلیوں کے غڑاپ غڑاپ اچھل کر غوطے لگانے
کی آواز کبھی کبھی سنائی دے جاتی تھی۔ سمندر کے کنارے
جنگلوں میں اس قسم کی ہزاروں راتیں اس نے گذاری تھیں
اس کے لیے یہ کوئی نئی آوازیں نہیں تھیں لیکن اب عنبر
ایک نئی آواز سن رہا تھا۔ یہ آواز مچھلیوں کے غوطے لگانے
کی آواز نہیں تھی۔ یہ کشتی کے چپوؤں کی آواز تھی۔ جیسے
کوئی کشتی چلاتا خلیج کے کنارے کی طرف آ رہا ہو۔ عنبر نے
لیٹے لیٹے کان کھڑے کر لیے۔ یہ آواز رُک گئی۔ رات کے
اندھیرے میں جنگل کی خاموشی اور زیادہ گہری ہو گئی۔ پھر ایسی
آواز آئی جیسے کشتی کو کنارے کی ریت پر گھسیٹا جا
رہا ہو۔ اس کے بعد جھاڑیوں اور پتوں کے ٹوٹنے کی
آواز آئی۔ کشتی کو جھاڑیوں میں چھپایا جا رہا تھا۔ عنبر ہوشیار
ہو گیا۔

اب ایسی آواز آنی شروع ہوئی جیسے لکڑی کے بڑے
تختے کو زمین پر گھسیٹا جا رہا ہو۔ عنبر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کپتان
اور ساول حبشی گہری نیند میں تھے اور خراٹے لے رہے تھے
عنبر چپکے سے اٹھا اور درختوں کے پیچھے چھپتا چھپاتا اس

طرف چلا جدھر سے آواز آ رہی تھی۔ جب وہ درختوں
کا ایک پورا چکر کاٹ کر خلیج کے کنارے پہنچا تو ستاروں
کی دھیمی روشنی میں اس نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ اس
نے چار آدمی دیکھے جنہوں نے لمبے لمبے ایسے چغے پہن
رکھے تھے جن کا اس زمانے میں رواج نہیں تھا۔ گلے
میں چاروں نے رسے ڈال رکھے تھے۔ یہ رسے لکڑی کے
بڑے تختے سے بندھے تھے اور وہ اسے آہستہ آہستہ جنگل
کی طرف کھینچے لیے جا رہے تھے۔

عنبر حیران ہوا کہ یہ لوگ کون ہیں جو آدھی رات کو
عجیب و غریب لباس پہنے لکڑی کے تختے کو کھینچے لیے
جا رہے ہیں۔ تختے پر کوئی بھاری چیز لدی تھی۔ اس کا
ایک ڈھیر سا بنا ہوا تھا جس پر کپڑا پڑا تھا۔ عنبر خاموشی
سے کھسکتا کھسکتا ایک ٹیلے پر سے ہو کر ایسی جگہ درخت
کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ جہاں سے اس کے
اندازے کے مطابق وہ چاروں آدمی گذرنے والے تھے۔
تختے کے گھسٹنے کی آواز عنبر کے قریب آتی گئی۔ پھر چاروں
آدمی اس کے قریب سے گذرنے لگے۔ ان کی لمبی لمبی
ڈاڑھیاں تھیں۔ سروں پر سفید پگڑیاں بندھی تھیں سر جھکے
ہوئے تھے اور ہاتھ پشت پر رکھے وہ خاموشی سے تختے

کو کھینچے لیے جا رہے تھے۔ یہ آدمی کسی بہت ہی پرانے
زمانے کے لگتے تھے وہ آپس میں کوئی بات نہیں کر رہے
تھے۔ عنبر نے تختے پر لدے ہوئے ڈھیر کو دیکھا۔ ایک جگہ سے
کپڑا ہٹ گیا تھا۔

عنبر دھک سے رہ گیا۔ تختے پر سونے کی اینٹیں لدی
ہوئی تھیں۔

پہلا خیال جو اس کے ذہن میں آیا یہ تھا کہ یہ کوئی چار
چور ہیں جنہیں پرانے قلعے کے کھنڈروں میں دفن سونے کا
خزانہ مل گیا ہے اور اب وہ اسے چرا کر لے جا رہے ہیں
لیکن اگر انہوں نے خزانہ چرایا ہوتا تو یہ اسے لے کر سمندر
کی طرف جا رہے ہوتے۔ مگر یہ تو سمندر کی طرف سے سونا
لا رہے ہیں اور جنگل کی طرف جا رہے ہیں۔ یہ کیا راز
تھا؟ یہ لوگ کون تھے؟ عنبر کا دماغ اس معمے کو حل کرنے
میں لگا تھا اور چاروں آدمی سونے کا خزانہ لیے جنگل میں
کافی دور نکل گئے تھے۔

عنبر نے سوچا کہ ان کا تعاقب کیا جائے اور معلوم کیا
جائے کہ یہ لوگ اصل میں کون ہیں اور خزانہ لے کر کہاں
جا رہے ہیں۔ عنبر نے کچھ فاصلہ چھوڑ کر ان چاروں پراسرار
آدمیوں کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ عنبر نے اب ایک اور

بات محسوس کی کہ ان لوگوں کو کھائیوں اور گڑھوں کو عبور
کرتے ہوئے کوئی دقت نہیں ہو رہی تھی۔ سونے کی اینٹوں
سے لدا ہوا تختہ گڑھوں کے اوپر سے یوں گزر جاتا تھا
جیسے وہ گڑھے نہ ہوں بلکہ سڑک ہو۔ وہ آپس میں کوئی
بات بھی نہیں کر رہے تھے۔ اب وہ ایک ایسی جگہ پہنچ
گئے جہاں سے دوسری بار سمندر کا پانی کنارے کو کاٹ کر
اندر داخل ہو رہا تھا۔ عنبر چونکہ اندھیرے میں بھی دیکھنے
کی طاقت رکھتا تھا اس لئے دیکھا کہ وہاں ایک سُرخ
چٹان کھڑی تھی۔ اس چٹان کو عنبر نے غور سے دیکھا تو
اس کی شکل ایک عورت سے ملتی جلتی تھی۔ بڑا سا ناک
بھاری پھیلے ہوئے ہونٹ بڑی بڑی آنکھیں اور نیچے کو نکلی
ہوئی ٹھوڑی۔ اچانک عنبر کو یاد آ گیا کہ کپتان نے کہا تھا
کتاب میں خزانے کی یہ نشانی بھی لکھی ہوئی ہے کہ جہاں سے
سمندر کا پانی کنارا کاٹ کر اندر داخل ہوتا ہے وہاں ایک
سرخ چٹان کھڑی ہے جس کی شکل ایک عورت سے ملتی
جلتی ہے۔

عنبر جس معمے کو حل کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور
زیادہ گہرا اور پیچیدہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے چاروں
پراسرار آدمیوں کا تعاقب جاری رکھا۔ اب وہ سرخ

چٹان کے پیچھے آ گئے تھے۔ یہاں عنبر کو پہلی بار ایک
پرانے قلعے کے کھنڈر دکھائی دیئے۔ چھتیں ڈھے چکی تھیں
دیواریں گری ہوئی تھیں۔ ستون ٹوٹ کر آدھے سے زیادہ
زمین میں دھنسے ہوئے تھے۔ پتھر کی بڑی بڑی سلیں الٹی
سیدھی پڑی تھیں اور ان پر جنگلی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں
عنبر حیران تھا کہ یہ لوگ یہاں کیا کرنے آئے ہیں۔ ایک
خیال عنبر کے ذہن میں بھی بجلی کی طرح کوندا تھا اب وہ
یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس کا خیال درست ہے کہ غلط!
چاروں آدمی اس تختے کے اردگرد کھڑے ہو گئے جس پر
سونے کی اینٹیں لدی ہوئی تھیں۔ وہ ایک دوسرے سے
ایک ایک ہاتھ کے فاصلے پر کھڑے تھے۔ انہوں نے بازو
پھیلا دیئے اور چہرے آسمان کی طرف اٹھائے۔ عنبر اندھیرے
میں انہیں غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک پتھر کی آڑ میں
کھڑا تھا اور چاروں آدمی اسے اچھی طرح دکھائی دے رہے
تھے۔ انہوں نے کچھ دیر بازو ہوا میں پھیلائے رکھے اور
چہرے آسمان کی طرف اٹھائے رکھے پھر باری باری چاروں
نے سونے کی اینٹوں کو جھک کر غور سے دیکھا۔ ایک آدمی
نے سونے کی اینٹوں پر سے کپڑا اٹھا دیا۔ رات کے اندھیرے
میں سونا چمکنے لگا۔ انہوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑا
اور سونے کی اینٹوں کے گرد چکر لگانا شروع کر دیئے۔
پھر ایسا ہوا کہ چکر لگاتے لگاتے پہلے ایک آدمی
غائب ہوا پھر دوسرا غائب ہوا۔ اس کے بعد تیسرا اور
آخر میں چوتھا آدمی بھی غائب ہو گیا۔ عنبر آنکھیں کھولے
یہ پراسرار تماشہ دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں سونے کی اینٹوں
کا رنگ سیاہ پڑنے لگا۔ دیکھتے دیکھتے ساری اینٹیں
سیاہ ہو گئیں اور پھر وہ بھی غائب ہو گئیں۔ جنگل میں
سوائے گہری خاموشی کے اور کچھ نہ تھا۔ عنبر پتھر کی آڑ
سے نکل کر اس جگہ گیا جہاں ابھی چاروں آدمی کھڑے
تھے اور غائب ہو گئے تھے۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا
کہ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ نہ سونے کی اینٹیں تھیں۔ نہ
وہ کپڑا تھا جو انہوں نے سونے کے ڈھیر سے اٹھا کر پرے
پھینکا تھا اور نہ وہ لکڑی کا تختہ تھا جس پر وہ سونے کی
اینٹیں لاد کر لائے تھے۔ اب وہاں صرف سیاہ پتھروں کی
بڑی بڑی الٹی سیدھی سلیں پڑی تھیں جن پر ہزاروں سال
کی کائی اور زنگ جما ہوا تھا۔

عنبر نے غور سے جھک کر زمین کو دیکھا۔ زمین پر
تختے کے گھسٹنے کا بھی کوئی نشان نہیں تھا۔ عنبر اسی راستے
سے چل کر واپس آیا۔ جس راستے سے وہ چاروں پراسرار آدمی

سونے کی اینٹوں سے لدے ہوئے بھاری تختے کو کھینچ کر
لائے تھے وہاں کہیں بھی تختے کے گھسٹنے کا نشان نہیں
تھا۔ عنبر خلیج کے کنارے آ گیا۔ اس نے ارد گرد کی ساری
جھاڑیاں چھان ماریں۔ کسی جگہ بھی وہ کشتی دکھائی نہ دی
جو عنبر کے خیال کے مطابق ان لوگوں نے وہاں چھپا
دی تھی اور جس پر بیٹھ کر وہ سونا لے کر وہاں آئے تھے
عنبر کے ذہن میں جو خیال بجلی کی طرح کوندا تھا وہ سچ
ثابت ہوا تھا۔ یہ چار آدمی اصل میں ان چار انسانوں
کی روحیں تھیں جو چار ہزار سال پہلے جب بحرالکاہل کا
شہر سمندر میں غرق ہو گیا تھا تو زندہ بچ گئے تھے اور
ایک کشتی پر سونے کی اینٹیں لادے شہر کو لوٹ رہے
تھے۔ جب شہر مٹ گیا اور سمندر میں غرق ہو گیا تو یہ
چاروں آدمی سونے کا انبار لے کر کشتی میں سوار اس
جگہ پر آ کر اُترے تھے۔ انہوں نے یہاں ایک قلعہ بنایا
تھا اور اس قلعے میں رہنے لگے اور پھر خود بھی مٹ گئے
اور ان کا سونا قلعے میں دفن ہو کر رہ گیا تھا۔ عنبر کے علم
کے مطابق جو لوگ دنیا میں کسی فنا ہو جانے والی شے سے
بہت زیادہ پیار کرتے ہیں تو پھر مرنے کے بعد ان کی روحیں
دنیا میں اس شے کو دیکھنے واپس آیا کرتی ہیں چونکہ ان چاروں

آدمیوں کے پاس سونے کی بے پناہ دولت تھی اور اس
دولت سے انہیں بے حد پیار تھا اور مرنے کے بعد وہ
سونے کی اینٹوں کو ساتھ نہیں لے جا سکتے تھے اس لیے
اب ان کی روحیں دنیا میں ہر سال اسی روز رات کے
وقت آتی تھیں اور وہی ڈرامہ دہراتی تھیں کہ شہر غرق ہو گیا
ہے اور وہ سونے کا انبار تختے پر رکھے اس مقام کی طرف
جا رہی ہیں جہاں انہوں نے قلعہ بنا کر اپنے سونے کے خزانے
کو دفن کیا تھا۔

یہ عبرت کا مقام تھا۔

عنبر نے بے چین روحوں کے حق میں خدا کے حضور دعا
کی اور واپس جنگل میں اپنے پڑاؤ کی طرف چل پڑا۔ کپتان
اور ساول حبشی ابھی تک گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے۔ عنبر
دیر تک لیٹا غور کرتا رہا۔ ایک طرح سے اس نے وہ جگہ
دیکھ لی تھی جہاں سونے کی اینٹیں دفن تھیں۔ اسے یقین
ہو گیا تھا کہ کپتان سونے کا خزانہ حاصل کرنے میں کامیاب
تو ہو جائے گا۔ مگر اسے اپنے ساتھ نہ لے جا سکے گا۔
اس کا دل کہہ رہا تھا کہ کوئی خونیں حادثہ ہونے والا ہے۔

سورج نکل آیا۔ دن کی روشنی پھیل گئی۔ کپتان اٹھ بیٹھا
ساول حبشی بھی گھوڑوں کو چارہ پانی ڈالنے لگا۔ تھوڑا بہت

کھا پی کر جب یہ قافلہ پھر اپنے سفر پر روانہ ہونے لگا تو عنبر نے کپتان سے کہا:

"رات میں نے خواب میں ایک جگہ دیکھی ہے جہاں سمندر کا پانی کنارا کاٹ کر داخل ہو رہا ہے اور وہاں پر ایک سرخ چٹان بھی ہے جس پر عورت کی شکل بنی ہوئی ہے"

کپتان چونک پڑا:

"کیا تم اس جگہ کو پہچان سکتے ہو؟"

"ہاں۔ میرا خیال ہے میں وہ جگہ پہچان لوں گا"

کپتان نے کہا:

"تو پھر چلو۔ میں تمہارے پیچھے پیچھے چلوں گا"

ساول حبشی کے بھی کان کھڑے ہو گئے۔ خزانہ ملنے کی امید پیدا ہو گئی تھی۔ کپتان بے حد خوش تھا۔ ساول حبشی نے ہاتھ قمیض کے اندر ڈال کر اپنے خنجر کو ٹٹولا اور اسے پیار کیا۔ عنبر کے لیے قلعے کے کھنڈروں کا راستہ تلاش کرنا کوئی مشکل بات نہیں تھی۔ وہ تو رات کے پچھلے پہر ادھر ہی سے ہو کر آیا تھا۔ وہ گھوڑے کو لے کر آگے چل دیا۔ کپتان اور ساول حبشی اس کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ دو تین گھاٹیوں اور کھائیوں سے گذر کر جب کپتان نے

سمندر کو دیکھا کہ ایک جگہ سے کنارا کاٹ کر اندر داخل ہو رہا ہے تو اس کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ اور پھر جب اس کی نظر سرخ چٹان پر پڑی جس پر عورت کی شکل بنی ہوئی تھی تو خوشی سے اس کی چیخ نکل گئی۔

"عنبر! میرے دوست! ہم خزانے پر پہنچ گئے ہیں یہی وہ سرخ چٹان ہے جس کی نشانی نذرو کتاب میں دی گئی ہے۔ آؤ اب قلعے کے کھنڈر تلاش کرتے ہیں تمہارا خواب بالکل سچا تھا"

کپتان نے قلعے کے کھنڈر کیا تلاش کرنے تھے عنبر خود انہیں قلعے کے پرانے تباہ شدہ کھنڈروں میں لے گیا یہی وہ جگہ تھی جہاں رات کو چار آدمیوں کی روحیں سونے کی ڈبیوں کا خزانہ لے کر آئی تھیں۔ اب وہاں سوائے جھاڑیوں اور سوکھے پتوں اور زنگ لگے پرانے پتھروں گری پڑی دیواروں اور ٹوٹے پھوٹے ستونوں کے اور کچھ نہیں تھا۔ کپتان انہیں دیکھ کر بے حد خوش ہو رہا تھا۔ وہ خزانے کے مقام پر پہنچ گیا تھا۔ اس نے گھوڑے ایک جگہ بندھوائے ساول حبشی سے کہا کہ کدال لے کر آ جائے اور عنبر سے کہنے لگا

"تم نے خواب میں وہ جگہ نہیں دیکھی جہاں خزانہ دفن تھا؟"

عنبر نے کہا:

"نہیں۔ اس وقت ہم جہاں کھڑے ہیں بس یہی جگہ میں نے دیکھی تھی۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی تھی۔"

کپتان بے تاب نظروں سے ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں پتھروں کا سینہ چیر کر نیچے جاتی محسوس ہو رہی تھیں۔ اسے دولت کی بے پناہ ہوس تھی۔ اتنی ہوس انسان کو تباہ کر دیا کرتی ہے۔ یہ عنبر کا ہزاروں سالہ تجربہ تھا۔

کپتان نے عنبر سے پوچھا:

"تمہارے خیال میں خزانہ یہاں کس جگہ دفن کیا گیا ہوگا؟ یہاں سے ضرور کوئی راستہ نیچے جاتا ہوگا آؤ اسے تلاش کرتے ہیں۔"

وہ پتھروں کی بڑی بڑی آڑی ترچھی سلوں اور ٹوٹے پھوٹے ستونوں کے درمیان قلعے کے تہ خانے کو جانے والا راستہ تلاش کرنے لگے۔ اچانک کپتان نے چیخ کر عنبر کو آواز دی:

"عنبر! یہ دیکھو۔ ادھر آؤ۔"

عنبر لپک کر اس کے پاس گیا۔ وہ زمین پر دوزانو ہو کر بیٹھا تھا اور دونوں ہاتھوں سے ایک جگہ سے مٹی اور چھوٹے چھوٹے پتھر پیچھے ہٹا رہا تھا۔ وہاں ایک سوراخ چوڑا ہوتا

جا رہا تھا۔

"یقیناً یہاں سے راستہ نیچے تہ خانے کو جاتا ہوگا۔"

پھر اس نے ساول حبشی کو آواز دے کر کہا کہ کدال لاؤ اور یہاں سے زمین کھود دو۔ حبشی کدال لے کر آ گیا اور اس نے پتھروں کو ہٹانا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد بیچ میں وہاں ایک زینہ نمودار ہو گیا جو نیچے جا رہا تھا۔ چار سیڑھیاں اترنے کے بعد آگے پتھر کی دیوار آ گئی۔ کپتان نے دیوار پر زور سے پاؤں مارا۔ اندر سے کھوکھلی سی آواز گونجی۔

کپتان خوشی سے اچھل پڑا:

"آگے راستہ جاتا ہے۔ ہم تہ خانے میں پہنچ گئے ہیں۔"

اس نے ساول حبشی سے کدال لے کر دیوار پر زور زور سے چلانی شروع کر دی۔ دیوار میں شگاف پڑنے لگا اور پھر وہ گر گئی۔ دیوار کے گرتے ہی اندر سے ٹھنڈی نم دار تیز بُو والی ہوا کا جھونکا تیزی سے باہر نکلا۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ جگہ ہزاروں سال سے بند تھی اور اب پہلی بار کھولی گئی ہے۔ کپتان نے ساول کے ہاتھ سے شمع لے کر جلائی اور سرنگ میں داخل ہو گیا۔ جانے کیوں عنبر اسے اندر جانے سے روکنا چاہتا تھا مگر وہ ایسا نہ کر سکا۔ شاید اس لیے کہ کپتان کی زندگی کے دن پورے ہو چکے تھے۔

عنبر اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ کپتان پھونک پھونک کر
قدم رکھ رہا تھا۔ سرنگ زیادہ چوڑی نہیں تھی۔ مگر سیلن بہت
تھی اور زمین میں پانی آ جانے سے دلدل سی بن گئی تھی۔ ساول
حبشی کو انہوں نے باہر ہی چھوڑ دیا تھا تاکہ وہ گھوڑوں اور
دوسرے سامان کی حفاظت کرے۔ ساول کو اپنے آقا یہودی
کاہن کا حکم یاد تھا اور وہ خنجر کو سنبھال کر رکھے ہوئے تھا۔
سرنگ میں آگے جا کر پھر پتھر کی دو چار سیڑھیاں آگئیں
ان سیڑھیوں سے اترے تو سرنگ بند ہو گئی۔ کپتان نے شمع
عنبر کے ہاتھ میں دے کر دیواروں کو ٹٹولنا شروع کر دیا۔

"یہاں کوئی دروازہ ضرور ہو گا۔ تم خزانے کے سانپ
کو بے ہوش کرنے والی بوٹی ساتھ لائے ہو ناں؟"

"ہاں۔ وہ میری جیب میں ہے۔" عنبر نے کہا۔

کپتان بولا:

"بس ہم خزانے کے سر پر کھڑے ہیں۔ یہاں خزانے
کی کوٹھڑی کا دروازہ ہے۔ میرا دل کہہ رہا ہے۔"

کپتان نے دیوار کو ٹٹولتے ٹٹولتے ایک جگہ اینٹ پر
ہاتھ رکھا اور اسے باہر کھینچنے کی کوشش کرنے لگا۔

عنبر نے کہا:

"کدال کیوں نہیں چلاتے؟"

"ہاں۔ یہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔ ہمارے پاس
تو کدال بھی ہے۔"

دولت نے ابھی سے اس کے دماغ پر اثر کرنا شروع
کر دیا تھا اور اس کی یادداشت خراب ہو رہی تھی۔ آگے
آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔ عنبر نے سوچا۔ کپتان وحشیوں کی
کی طرح دیوار پر کدال چلانے لگا۔ صرف ایک اینٹ اکھاڑنے
کی ضرورت تھی مگر کپتان نے آدھی دیوار ڈھا دی۔ اندر ایک
کوٹھڑی تھی۔ روشنی میں کوٹھڑی کے اندر درمیان میں ایک
ڈھیر سا بہت بڑی قبر کی طرح ابھرا ہوا نظر آیا۔ کپتان اندر
جانے لگا تو عنبر نے اسے روک دیا۔

"ہو سکتا ہے یہاں سانپ ہو۔"

کپتان وہیں رک گیا۔ عنبر کا تو سانپ کچھ نہیں بگاڑ سکتا
تھا مگر کپتان کو ڈس دیتا اور وہ مر جاتا۔ اس لیے عنبر نے
سانپ کو بے ہوش کرنے والی بوٹی کا سفوف جیب
سے نکالا اور کوٹھڑی میں داخل ہو گیا۔ خزانے کے سانپ کو
بے ہوش کرنے سے پہلے وہ اس سے ناگ کے بارے میں
پوچھنا چاہتا تھا کہ وہ کہاں ہے؟

عنبر نے کوٹھڑی کے درمیان لگے ہوئے ڈھیر کو دیکھا۔
اس پر اسی طرح کا سفید کپڑا پڑا تھا۔ جیسا کہ اس نے رات

چار روحوں کے پاس دیکھا تھا۔ عنبر نے کپڑا کھینچ کر پرے
پھینکا تو سونے کی اینٹوں کی آنکھوں کو چکا چوند کر دینے
والی چمک کے ساتھ ہی سانپ کی خون خشک کر دینے
والی پھنکار سنائی دی۔ کپتان سونے کی اینٹوں کے ڈھیر کو
دیکھ کر جیسے پاگل سا ہو رہا تھا۔ اس نے سانپ کی پھنکار
سنی ہی نہیں تھی۔ وہ سونے کے ڈھیر کو دیکھ کر مست ہو گیا
تھا اور بار بار کہہ رہا تھا:

"عنبر خزانہ مل گیا۔ سونے کا خزانہ۔ عنبر! عنبر! میرے
دوست خزانہ، سونا، خزانہ...."

پھر کپتان نے شمع کی روشنی میں ایک بازو جتنے موٹے
اور کوئی دس فٹ لمبے سیاہ سانپ کو دیکھا جس کا پھن اوپر
کو اٹھا تھا اور پھن پر نارنجی اور سرخ دھاریاں تھیں۔ سانپ
بار بار زبان نکال کر پھنکار رہا تھا۔

کپتان نے چلا کر کہا:

"عنبر! خبردار سانپ — خزانے کا سانپ! سونت
پھینک کر بے ہوش کر دو اسے۔ اسے ہلاک کر دو۔
اسے مار ڈالو۔"

عنبر نے بلند آواز میں کپتان سے کہا:

"پاگل مت بنو۔ ہوش سے کام لو۔ خبردار جو تم نے
اب کوئی آواز نکالی۔"

سانپ عنبر کو دیکھ رہا تھا اور عنبر نے سانپ کی آنکھوں
میں آنکھیں ڈال رکھی تھیں۔ خزانے کے سانپ نے عنبر کے
جسم میں سے ناگ دیوتا کی خوشبو نکلتی سونگھ لی تھی۔ وہ پھن
اٹھائے اب عقیدت کے ساتھ عنبر کے سامنے جھوم رہا تھا۔
عنبر نے بہت ہی کوشش کر کے ناگ کے بتائے ہوئے الفاظ
اور اشاروں میں سانپ سے پوچھا کہ کیا وہ کچھ بتا سکتا ہے کہ
عظیم ناگ دیوتا اس وقت کہاں ہو گا؟

خزانے کے سانپ نے بڑے ادب سے اپنا پھن تین بار
جھکایا اور کہا:

"عظیم ناگ دیوتا کے بارے میں دنیا کا کوئی سانپ یہ
پتہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ وہ کہاں ہے اور
کیا کر رہا ہے۔ یہ ایک ایسی گستاخی ہو گی کہ جس کی
سزا سوائے موت کے اور کچھ نہیں۔ ویسے بھی
کسی سانپ میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ عظیم
ناگ دیوتا کے بارے میں معلوم کر سکے کہ وہ کہاں
پر ہے۔ کس مقام پر ہے اور کیا کر رہا ہے۔ مجھے
افسوس ہے کہ میں آپ کی کوئی خدمت نہیں کر سکتا۔
ہاں! یہ خزانہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اسے

قبول کیجیے:

اور خزانے کے سانپ نے عظیم ناگ دیوتا کے دوست عنبر کی تعظیم کرنے کے لیے اپنا پھن اس کی طرف جھکایا جونہی سانپ نے اپنا پھن عنبر کی طرف آگے کو کیا ایک چاقو زن کی آواز کے ساتھ آیا اور سانپ کی گردن میں پیوست ہو گیا۔ سانپ لڑکھڑا کر گرا اور تڑپنے لگا۔ یہ چاقو کپتان نے اس پر پھینکا تھا۔ وہ یہ سمجھا کہ سانپ عنبر پر حملہ کرنے والا ہے۔

عنبر نے غصے میں پلٹ کر کپتان کی طرف دیکھا:

"یہ تم نے کیا کر دیا کم بخت!"

کپتان نے کہا:

"عنبر! اگر میں چاقو کے وار سے اس کا کام تمام نہ کرتا تو یہ تمہیں ڈس کر ہلاک کر دیتا۔ وہ تم پر حملہ کر رہا تھا۔ تمہیں تو میرا شکر گزار ہونا چاہیے کہ میں نے تمہاری جان بچائی۔ الٹا تم مجھ پر ناراض ہو رہے ہو۔ کیا یہ سانپ تمہارا پالتو تھا جو تم مجھ پر ناراض ہو؟"

عنبر خاموش ہو گیا۔ اب وہ دولت کے پجاری اور سونے کے لالچی کپتان کو کیا بتاتا کہ وہ سانپ کس لیے اس کی طرف جھکا تھا اور وہ اس سے کیا باتیں کر رہا تھا۔ اس نے بات

بدلتے ہوئے کہا:

"میرا مطلب یہ تھا کہ میں تو سفوف چھڑک کر اسے بے ہوش کرنے ہی لگا تھا۔ تمہیں چاقو سے حملہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور پھر خزانے کے سانپ کو ہلاک کرنا کوئی اچھا شگون نہیں ہوتا۔"

کپتان نے کوٹھڑی میں چھلانگ لگا دی۔ وہ سونے کی اینٹیں دیکھ کر دیوانہ ہو رہا تھا۔ اس نے ایک قہقہہ لگایا اور زخمی سانپ کی سری کو پاؤں سے کچل کر بولا:

"میں دنیا کا سب سے امیر انسان ہوں۔ اب میں اپنے سمندری جہاز خرید سکوں گا۔"

وہ سونے کی اینٹوں کو اٹھا اٹھا کر اپنی جھولی میں ڈالنے لگا

عنبر اسے خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔

اس نے کہا:

"تمہاری جھولی سونے کی ان بھاری اینٹوں سے پھٹ جائے گی۔ ہمیں ایک گھوڑا اندر سرنگ میں لا کر یہ خزانہ باہر لے جانا ہو گا۔ میں ساول حبشی کو بلاتا ہوں۔"

کپتان دولت کے آتے ہی کمینہ بن گیا تھا۔ شمع کی روشنی میں اس کا چہرہ شیطان کا چہرہ لگ رہا تھا۔ کہنے لگا:

"کیوں نہ ہم ساول کا کام تمام کر دیں، ہمیں مکار یہودی کاہون کو اس کا حصّہ کیوں دیں۔ ساری مصیبت تو ہم نے جھیلی ہے۔ ہم خزانہ آپس میں بانٹ لیں گے۔"

عنبر نے مسکراتے ہوئے کہا،

"اور کیوں نہ تم مجھے بھی قتل کر دو تاکہ سارا خزانہ تمہیں مل جائے۔"

کپتان نے ہنستے ہوئے کہا:

"بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تم تو میرے دوست ہو۔"

عنبر نے کہا،

"جو شخص دولت کے لالچ میں اپنے دوست کے دوست کو قتل کرنے کے بارے میں سوچ سکتا ہے وہ مجھے بھی قتل کر سکتا ہے۔"

کپتان نے کہا،

"چلو ٹھیک ہے یار! اس مکار یہودی کو ایک حصّہ دے دیں گے۔ اچھا۔ تم یہاں ٹھہرو میں گھوڑا لے کر آتا ہوں۔"

عنبر کوٹھڑی میں رہا اور کپتان مرے ہوئے سانپ کے پاس پڑا چاقو اٹھا کر باہر نکل گیا۔ عنبر نے اسے چاقو اٹھاتے ہوئے

نہیں دیکھا تھا۔ اس وقت عنبر نے مظلوم سانپ کی یاد میں آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔

کپتان سرنگ کے دہانے پر جا کر رُک گیا اور تھوڑا سا سر باہر نکال کر دیکھنے لگا۔ وہ کچھ اور ہی ارادہ لے کر چلا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ساول حبشی گھوڑوں کے پاس زمین پر بیٹھا ایک پتھر پر اپنے خنجر کو رگڑ کر تیز کر رہا تھا۔ کپتان کا نشانہ بہت اچھا تھا۔ سمندری سفر میں اس نے کتنے ہی بحری ڈاکوؤں کو اپنے خنجر اور چاقو کا نشانہ بنایا تھا۔ اس کا وار کبھی خطا نہیں جاتا تھا۔ اس وقت ساول حبشی بڑا اچھا نشانہ بن کر بیٹھا ہوا تھا۔ کپتان کو کوئی خاص مہارت نہیں دکھانی پڑی۔ اس کی پیٹھ کپتان کی طرف تھی۔ کپتان نے اپنا ہاتھ سر کے پیچھے لے جا کر پوری طاقت سے چاقو پھینکا چاقو سیدھا جا کر ساول حبشی کی کمر میں کھب گیا اور اس کی نوک اس کے دل سے پار ہو گئی۔ ایک ہلکی سی آہ اس کے منہ سے نکلی اور خنجر اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی کہ دیکھے اسے کس نے قتل کیا ہے مگر پیچھے گھومتے گھومتے وہ لڑکھڑا کر پتھروں پر گرا اور ٹھنڈا ہو گیا۔

کپتان سرنگ میں سے نکل کر اس کے پاس آیا چاقو

اس کی کمر سے نکال کر جیب میں رکھا اور گھوڑے کی باگ
تھام کر اسے کھینچتا ہوا سرنگ میں اتار کر لے گیا۔ گھوڑا
اندھیرے میں جاتے ہوئے گھبرا رہا تھا مگر کپتان اسے زبردستی
کھینچے لیے جا رہا تھا۔ وہ اسے خزانے والی کوٹھڑی کے پاس
لے گیا۔ عنبر خزانے کے پاس خاموش بیٹھا تھا۔ کپتان نے اسے
آتے ہی کہا:

"چاہے تم پسند کرو یا نہ کرو۔ میں نے سادل حبشی
کا کام تمام کر دیا ہے۔ اب ہم اس خزانے کو
آدھوں آدھ بانٹیں گے۔"

عنبر نے کوئی جواب نہ دیا۔ اسے معلوم تھا کہ یہ لالچی
کپتان اسے قتل کر کے ہی رہے گا۔ اب عنبر کو یقین تھا
کہ کپتان اسے بھی ہلاک کرنے کی کوشش کرے گا اور
اگر کپتان نے ایسی کوشش کی تو وہ دن کپتان کی زندگی
کا آخری دن ہو گا۔ عنبر خزانے کے سانپ سے ناگ کے
بارے میں معلومات حاصل کرنے میں ناکام رہا تھا۔ اسے
ماریا کے بارے میں بھی کچھ علم نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے
چنانچہ اب وہ ملک روم کے جنگلوں سے نکل کر افریقہ اور
ہندوستان کی طرف جانا چاہتا تھا۔ اسے امید تھی کہ ان علاقوں
میں اسے ماریا اور ناگ کے بارے میں کوئی نہ کوئی سراغ

ن جائے گا۔ عنبر کو بھلا کپتان کے خزانے سے کیا دلچسپی ہو
کتی تھی۔ اس قسم کے بلکہ اس سے زیادہ قیمتی خزانے
وہ اپنے ہاتھوں سے دوسروں کو دے بیٹھا تھا۔ کپتان نے
س خزانے کی خاطر سادل حبشی کو قتل کر دیا تھا۔ اگر کپتان
ے قتل نہ کرتا تو وہ کپتان کو قتل کر دیتا۔ یہ دونوں ایک
ی تھیلی کے چٹے بٹے تھے۔

عنبر نے کہا:

"ہاں ٹھیک ہے۔ ہم آدھوں آدھ خزانہ بانٹ
لیں گے مگر اب جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے
نکل چلو۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ سونا گھوڑے پر لادنے میں میرا ہاتھ
بٹاؤ۔"

عنبر کپتان کے ساتھ مل کر سونے کی اینٹیں کپڑے میں
بھرنے لگا۔

جب وہ قلعے کے پرانے کھنڈرات کی سرنگ میں
سے باہر نکلے تو گھوڑے پر سونے کا خزانہ لدا ہوا تھا۔ کپتان
کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ مگر اس خوشی میں گھبراہٹ
بھی ملی ہوئی تھی۔ پریشانی اور خوف بھی ملا ہوا تھا۔ اس بات
کا خوف کہ کہیں کوئی اس کی دولت چھین کر نہ لے جائے۔

اس شخص کو جس نے لوگوں کا حق مار کر یا کوڑی کوڑی جوڑ کر کے دولت جمع کی ہو یہی خوف راتوں کو سونے نہیں دیتا کہ کہیں اس کی دولت چور لوٹ کر نہ لے جائیں۔ پیارے دوستو! یہی حالت اب کپتان کی ہو گئی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے بار بار چاروں طرف دیکھتا تھا۔ ذرا سی آہٹ پر چونک پڑتا تھا۔ اس کے مقابلے میں عنبر بڑا پرسکون اور مطمئن تھا۔ کیوں کہ اس کے سامنے دولت کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ جو دولت انسان کے دل کا سکون چھین لے اور راتوں کی نیند حرام کر دے اور انسان کے ہاتھوں قتل ایسا جرم کرائے اس سے تو انسان غریب ہی اچھا کم از کم انسان چین کی نیند تو سوتا ہے اور دل کو سکون تو ہوتا ہے۔

ساول حبشی کی لاش پتھروں پہ پڑی تھی اور اس پہ چیونٹیاں رینگ رہی تھیں۔ جس خنجر کو وہ تیز کر رہا تھا اس کے سامنے پڑا تھا۔

کپتان نے خنجر کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"اگر میں اسے قتل نہ کرتا تو یہ مجھے اس خنجر سے قتل کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ بلکہ یقین کر دیں ہم دونوں کو قتل کر کے خود سارا سونا لے کر

رفو چکر ہو جاتا۔ اس بدبخت مکار یہودی کاہن نے اسے اسی غرض کے لیے ہمارے ساتھ بھیجا تھا۔ میں اس کمینے کو خوب جانتا ہوں۔"

○

سمندر میں موت کا سفر

خزانہ لے کر انہوں نے جنگل میں اپنا واپسی کا سفر شروع کر دیا۔

کپتان کا خیال تھا کہ وہ سمندر کے راستے خزانہ ساتھ لے کر ملک مصر کی بندرگاہ سکندریہ چلا جائے اور خشکی کے راستے اتنا لمبا اور خطرناک سفر اختیار نہ کرے۔ کیوں کہ راستے میں ڈاکہ پڑ جانے کا خطرہ تھا۔ مگر ان کے پاس کوئی کشتی وغیرہ نہیں تھی جس میں سوار ہو کر وہ سمندر کا سفر کر سکیں۔ اصل میں کپتان یہودی کاہون سے بھی بچ کر نکل جانا چاہتا تھا تا کہ وہ خزانے میں سے اپنا حصّہ طلب نہ کرے۔

"میرا خیال ہے ہمیں یہاں کسی کشتی کا بندوبست کرنا چاہیے۔" کپتان نے عنبر سے کہا۔

وہ ایک جگہ خلیج کے کنارے درختوں کے پاس آ کر رک گئے۔ سونے کی اینٹیں ایک گھوڑے پر لدی ہوئی

اشیں تیر رہی تھیں۔ کپتان نے اس کشتی کی خاطر دونوں مچھیروں کو قتل کر دیا تھا

"جلدی جلدی کشتی پر سارا سونا رکھ دو۔ ہمیں یہاں سے اب نکل جانا چاہیے۔ ہو سکتا ہے ان مچھیروں کے ساتھی ادھر آ نکلیں۔"

عنبر نے کہا:

"مگر تم نے انہیں قتل کیوں کر دیا۔ تم انہیں سونے کی ایک اینٹ دے کر کشتی خرید سکتے تھے۔"

کپتان قہقہہ لگا کر بولا:

"پاگل ہو گئے ہو کیا؟ میں انہیں سونے کی اینٹ دیتا تو خزانے کا راز فاش ہو جاتا۔"

انہوں نے جلدی جلدی سارا سونا کشتی میں چھپا کر رکھ دیا۔ گھوڑوں کو جنگل میں چھوڑا۔ خوراک اور پانی کشتی میں رکھا اور کشتی کے چپو چلاتے کھلے سمندر کی طرف لے آئے کپتان ان تمام سمندری راستوں سے واقف تھا۔ وہ کشتی کو سمندر کی ایک ایسی موج پر لے آیا جو بڑی تیز رفتار تھی اور جس پر سوار ہو کر انہیں چپو چلانے کی ضرورت نہیں تھی۔ کشتی شمال مشرق کی جانب بہنے لگی۔ سکندریہ کی بندرگاہ بھی ادھر کو ہی تھی۔

خزانے کے ساتھ سمندر میں انہیں پہلی رات آ گئی۔

ہوئی تھیں اور دوسرے دو گھوڑوں پر وہ خود سوار تھے۔
ایک گھوڑے پر کھانے پینے کی خشک چیزیں اور پانی کا
تھوڑا بہت ذخیرہ پڑا تھا۔

عنبر نے کہا:

"یہاں کسی کشتی کا بندوبست کہاں سے ہوگا۔ مجھے
تو یہاں دور دور تک کوئی کشتی نظر نہیں آتی۔"

کپتان مسکرایا:

"میں ان سمندروں میں بہت پھرتا رہا ہوں۔ میں
جانتا ہوں یہاں مچھیرے مچھلیاں پکڑنے آیا کرتے
ہیں۔ تم یہاں ٹھہرو میں ذرا آگے دیکھ کر آتا ہوں۔"

کپتان گھوڑا دوڑا کر سمندر کے کنارے کنارے درختوں
کے موڑ کے پیچھے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ گھوڑا دوڑاتے
ہوئے واپس آیا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"آؤ دوست! کشتی کا انتظام ہو گیا ہے۔"

عنبر حیران ہوا کہ اتنی جلدی کشتی کہاں سے مل گئی۔
وہ آگے بڑھا۔ درختوں کا موڑ گھوما تو دیکھا کہ سمندر کے
کنارے ایک کافی بڑی کشتی کھڑی ہے۔ جب عنبر قریب
گیا تو اسے معلوم ہو گیا کہ کپتان نے کشتی کیسے حاصل کی
تھی۔ کشتی کے پاس ہی سمندر میں دو مچھیروں کی خون آلود

عنبر نے محسوس کر لیا تھا کہ کپتان کی آنکھیں کچھ بدلی بدلی
سی ہیں۔ کسی وقت وہ عنبر کو بڑے غور سے گھور کر دیکھتا تھا۔

عنبر نے یونہی کپتان کی نیت دیکھنے کے لیے کہا:

"میرا خیال ہے ہمیں خزانے میں سے اپنا اپنا حصہ
الگ کر لینا چاہیے۔"

کپتان کچھ پریشان سا ہو کر بولا:

"اتنی جلدی کیا ہے دوست! سکندریہ پہنچ کر اپنا اپنا
حصہ بانٹ لیں گے۔"

کپتان کی نیت میں فتور پہلے ہی سے آچکا تھا۔ اب وہ
عنبر کو قتل کرنے کے موقع کی تلاش میں تھا۔ عنبر بے فکر تھا۔
وہ جانتا تھا کہ کپتان اسے قتل نہیں کر سکے گا۔ رات کا اندھیرا
سمندر پر چھا گیا۔ کشتی تیز رفتار موجوں پر سوار اپنی منزل کی
طرف بہی چلی جا رہی تھی۔ کپتان سونے کے ڈھیر سے ٹیک
لگائے سو رہا تھا۔ اصل میں وہ جاگ رہا تھا اور اس انتظار
میں تھا کہ عنبر سو جائے اور وہ اسے قتل کر کے لاش سمندر
میں پھینک کر سارے سونے کا خود مالک بن جائے۔ اس
نے قمیض کے اندر وہی چاقو چھپا رکھا تھا جس سے وہ نہ
جانے کتنے آدمیوں کا خون کر چکا تھا۔

عنبر کپتان کو خود یہ موقع دینا چاہتا تھا۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں اور ہلکے ہلکے خراٹے لینے لگا۔ کپتان کے لیے یہ سنہری موقع تھا اور وہ اسی موقع کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ آہستہ سے اٹھا۔ چاقو نکال کر کھولا اور دبے پاؤں چلتا عنبر کے پاس آ گیا۔ اس نے جھک کر عنبر کو دیکھا۔ عنبر خراٹے لے رہا تھا۔ کپتان مسکرایا۔ اس نے ایک نظر سونے کے ڈھیر پر ڈالی۔ ایک نظر سوئے ہوئے عنبر کو دیکھا۔ اس کے اور سونے کے ڈھیر کے راستے میں عنبر حائل تھا۔ بس یہی ایک آخری رکاوٹ رہ گئی تھی۔ اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے کپتان اس سنہری موقع سے پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے چاقو والا بازو اوپر اٹھایا اور عنبر کے دل کا نشانہ لے کر چاقو کا بھرپور وار کر دیا۔

مگر ایک عجیب بات ہوئی۔ چاقو عنبر کے سینے سے ٹکرا کر یوں اچھل کر پرے گر پڑا جیسے کسی پتھر سے ٹکرا گیا ہو۔ کپتان پریشان ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔ عنبر نے ایک اور چالاکی کی۔ وہ اسی طرح خراٹے لیتا رہا۔ جیسے گہری نیند سو رہا ہو۔ کپتان نے جلدی سے چاقو پکڑا اور اب عنبر کی گردن پر یوں پھیرنے لگا جیسے قصائی بکرے کو ذبح کرتے ہیں۔

چاقو عنبر کی گردن پر پھر رہا تھا مگر اس کی گردن پر ہلکی سی خراش بھی نہیں آ رہی تھی۔ کپتان نے پوری طاقت سے چاقو

کا ایک اور وار عنبر کے سینے پر کیا مگر چاقو اس کے پیٹ میں جانے کی بجائے ٹوٹ گیا۔ عنبر نے آنکھیں کھول دیں اور لیٹے ہی لیٹے کپتان کی طرف دیکھ کر کہا:

"تم اگر ساری زندگی لگے رہو تو مجھے قتل نہ کر سکو گے۔"

کپتان اچھل کر پرے ہٹ گیا۔ ایسا منظر اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ اس کی زندگی کا پہلا حیران کر دینے والا تجربہ تھا۔ اس نے ایک ہی وار سے انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور یہاں ایک آدمی پر اس نے کتنے ہی وار کیے تھے مگر اس پر ذرا سا بھی اثر نہیں ہوا تھا۔

عنبر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کشتی سمندر کی لہروں پر ہلکے ہلکے ہچکولے کھاتی ہوئی جا رہی تھی۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ کپتان کا چہرہ ستاروں کی روشنی میں خوف کی وجہ سے زرد دکھائی دے رہا تھا۔ چاقو ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔

عنبر نے ہاتھ بڑھا کر کہا:

"یہ چاقو مجھے دے دو۔"

کپتان نے کہا:

"تم کون ہو؟"

عنبر مسکرایا۔

"یہ تمہیں بہت پہلے معلوم ہو جاتا۔ مگر میں نے تم
پر اپنا آپ ظاہر نہیں کیا۔ اب اس کا تم نے خود
ہی تجربہ کر لیا ہے۔ پھر بھی میں تمہیں یہ نہیں
بتاؤں گا کہ میں کون ہوں۔ کیوں کہ تم ایک لالچی اور گھٹیا
آدمی ہو۔"

کپتان ایک تجربہ کار آدمی تھا۔ سمجھ گیا کہ اس شخص عنبر
کے پاس ضرور کسی قسم کا کوئی بڑا ہی طاقت ور جادو ہے
جس کی مدد سے اس پر تلوار چھری یا چاقوؤں کا کوئی اثر نہیں
ہوتا اور وہ اگر چاہے تو کپتان کو بھی نقصان پہنچا سکتا ہے۔
اس لیے وہ مکاری سے کام لیتے ہوئے بولا:

"مجھے معاف کر دو دوست! میرے دل میں لالچ آ گیا
تھا۔ آخر انسان ہوں۔ انسانوں میں کمزوریاں بھی ہوتی
ہیں۔ وعدہ کرتا ہوں۔ آئندہ ایسا کبھی نہیں کروں گا۔"

عنبر نے کہا:

"آئندہ ایسا کرنے کے لیے شاید تم زندہ نہ رہ سکو۔"

کپتان نے ہاتھ باندھ لیے:

"خدا کے لیے مجھے قتل نہ کرنا۔ میں تمہارا دوست
ہوں۔ میں معافی مانگتا ہوں تم سے۔"

عنبر بولا:

"تمہیں قتل کرنے کی مجھے کیا ضرورت ہے لیکن
تجربے نے مجھے بتایا ہے کہ ایسا لالچی آدمی جو
دولت کے لیے دوسروں کی جان لیتا ہے خود بھی
اسی طرح ہلاک ہو جاتا ہے۔"

کپتان اس دانائی کو نہ سمجھ سکا جو عنبر کے اس فقرے میں
چھپی ہوئی تھی۔ وہ صرف اتنا ہی سمجھا کہ عنبر اسے قتل نہیں
کرے گا اور اس نے اسے معاف کر دیا ہے۔

وہ خوش ہو کر بولا:

"آؤ اب دولت کو ہم آدھوں آدھ بانٹ لیتے
ہیں۔"

عنبر نے کہا:

"مجھے تمہاری دولت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم
یہ سارا خزانہ اپنے پاس رکھ سکتے ہو۔ میں اپنا حصہ
بھی تمہیں دیتا ہوں۔"

کپتان کی تو خوشی سے باچھیں کھل گئیں۔ ایک دم سے
آگے بڑھ کر عنبر کے ہاتھ چوم لیے اور بولا:

"تم بڑے عظیم انسان ہو دوست! میں تمہیں پہلے
نہیں سمجھ سکا تھا۔ اب سمجھ گیا ہوں۔ میں تمہاری
قدر کرتا ہوں۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا:
"تم اب بھی مجھے نہیں سمجھے۔ چپکے سے جا کر اپنے سونے کے ڈھیر کے ساتھ ٹیک لگا کر سو جاؤ۔ اگر تمہیں نیند آ جائے تو۔"
کپتان شرمندہ سا ہو کر پیچھے ہٹ گیا اور سونے کی اینٹوں کے ڈھیر کے ساتھ ٹیک لگا کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ اسے سونے کے پاس لیٹ کر بھی سونا نصیب نہیں ہو رہا تھا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ستم کی بات ہو سکتی ہے۔

سمندر میں دور دور تک رات کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ ستاروں کی مدھم روشنی میں صرف سمندر کی وہ لہریں دکھائی دے رہی تھیں جو کشتی سے ٹکرا کر گذر رہی تھیں۔ اس کے باوجود عنبر اندھیرے میں دور تک دیکھ سکتا تھا۔ وہ کشتی کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا کہ اچانک اسے سمندر میں چپوؤں کے چلنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے خیال کیا کہ شاید کپتان نے چپو چلانے شروع کر دیئے ہیں۔ عنبر نے سر اٹھا کر کپتان کی طرف دیکھا۔ وہ اسی طرح لیٹا ہوا تھا۔ پھر یہ آواز کیسی تھی؟ چپوؤں کی آواز قریب سے قریب تر آ رہی تھی۔

اب کپتان بھی چوکنا ہو گیا تھا۔ اس کی ساری زندگی سمندر میں گذری تھی۔ اس قسم کی آواز اس کے لیے اجنبی نہیں تھی۔ وہ چپوؤں کی آواز کو صاف طور پر پہچان رہا تھا۔ اس نے عنبر کی طرف دیکھا:
"یہ آواز سن رہے ہو؟" کپتان نے پوچھا۔
"ہاں۔" عنبر نے کہا، "چپوؤں کی آواز ہے۔"
کپتان کی آنکھیں سمندر پر پھیلے ہوئے اندھیرے میں اس کشتی کو ڈھونڈ رہی تھیں جس کے چپوؤں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ مگر اسے کشتی کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔
"پھر یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے؟" کپتان پریشان ہونے لگا تھا۔
"یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔" عنبر نے کہا۔
مگر اصل میں عنبر کو اس آواز سے ایک بات کا شک ہونے لگا تھا۔ اور آخر میں اس کا شک بالکل ٹھیک نکلا۔ چپوؤں کی آواز کے ساتھ ساتھ عنبر نے اندھیرے میں سفید سایوں کو دیکھا جو سمندر کے اوپر کھڑے تھے۔ اس نے کپتان کو ان سایوں کی طرف متوجہ کر کے کہا:
"ان سفید سایوں کو دیکھ رہے ہو کپتان؟"
کپتان پہلے ہی انہیں دیکھ رہا تھا۔ اور خوف سے اس کا

چہرہ سفید پڑنا شروع ہو گیا تھا۔ دولت انسان کو بزدل بنا دیتی ہے۔ عنبر سمجھ گیا تھا کہ وہ سفید سائے کون لوگ ہیں اس نے یونہی کپتان سے پوچھا،

"تمہارے خیال میں یہ سفید سائے کیا ہیں؟ مجھے کوئی بھوت پریت لگتے ہیں۔"

کپتان بولا:

"میری عمر سمندروں میں گزر گئی ہے۔ میں نے کبھی بھوت پریت نہیں دیکھے۔"

"تو پھر یہ کیا ہے؟" عنبر نے پوچھا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

"ابھی سمجھ میں آ جائے گا۔" عنبر نے اپنے دل میں کہا۔

سفید سائے کشتی کی طرف آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے۔ وہ چاروں آدمیوں کے سائے تھے۔ یہ وہی چار آدمیوں کی روحیں تھیں جو شاید کپتان سے اپنا خزانہ واپس لینے آئی تھیں۔ اب کپتان اور عنبر کو ان چار سفید سایوں کی ہلکی ہلکی مگر تیز سیٹی ایسی آوازوں والی سرگوشیاں سنائی دینے لگیں۔ ان کی سمجھ میں لفظ نہیں آ رہے تھے مگر سرگوشیوں کی تیز نوکیلی لہریں ان کے کانوں سے برابر ٹکرا رہی تھیں۔ کپتان اب عنبر کے قریب آ کر کشتی میں بیٹھ گیا تھا اور آنکھیں سکیڑ کر اندھیرے

میں سفید سایوں کو دیکھ رہا تھا جو کشتی کی طرف دھیرے دھیرے بڑھتے چلے آ رہے تھے۔

اس نے عنبر سے کہا:

"تم افریقہ کے جادو کے ماہر ہو۔ کیا تم اپنے جادو سے اس بھوت پریت کو ختم کر سکتے ہو؟"

عنبر نے کہا:

"میں افریقہ کے جادو کا ماہر نہیں ہوں۔ اور نہ ہی میں کوئی جادوگر ہوں۔ مگر اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اگر تم ایک کام کر لو تو یہ بھوت پریت ختم ہو جائے گا۔"

کپتان جلدی سے بولا:

"جلدی بتاؤ وہ کیا کام ہے؟ میں ابھی کرتا ہوں۔"

عنبر نے کہا:

"سونے کی یہ جتنی اینٹیں ہیں ان سب کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دو۔"

کپتان نے بڑبڑا کر کہا:

"یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ جس خزانے کے لیے میں نے اپنی جان کی بازی لگا دی۔ اتنے آدمیوں کو قتل کیا۔ اسے میں یونہی اٹھا کر سمندر میں پھینک

دوں! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

عنبر نے کہا:

"تو پھر جو ہونے والا ہے۔ اس کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

کپتان نے چاقو لہرا کر کہا:

"میں دیکھ لوں گا بھوت پریت کو۔"

اور وہ چاقو ہوا میں لہرانے لگا۔ ایسا لگتا تھا کہ اتنی زیادہ دولت کے انبار نے کپتان کا دماغ خراب کر دیا تھا۔ چاروں سفید سائے سرگوشیاں کرتے کشتی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کی سیٹیوں کی ایسی آوازیں کشتی کے قریب سے قریب ہوتی جا رہی تھیں۔ پھر اچانک کشتی کو ایک دھچکا سا لگا۔ اور وہ ایک گول دائرے میں گردش کرنے لگی۔

کپتان نے چلا کر کہا:

"چپو نکالو۔ ہم منجدھار میں پھنس گئے ہیں۔"

عنبر نے دیکھا کہ کشتی پانی کے بھنور میں پھنس گئی تھی۔ وہ دائرے کی شکل میں چکر لگائے جا رہی تھی۔ عنبر اور کپتان چپوؤں کی مدد سے کشتی کو منجدھار سے نکالنے کی سر توڑ کوشش کر رہے تھے مگر وہ اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو رہے تھے۔ منجدھار میں پانی کا زور اس قدر زیادہ

تھا کہ کشتی ایک کھلونے کی طرح گردش کر رہی تھی۔ تیز رفتاری کی وجہ سے سونے کی اینٹیں ایک ایک کر کے سمندر میں گرنا شروع ہو گئی تھیں۔ کپتان بوکھلا گیا تھا۔ کبھی چپو کو سنبھالتا۔ کبھی سونے کی اینٹوں کو سنبھالتا۔ نہ چپو اس کے قابو میں آ رہا تھا۔ نہ سونے کی اینٹیں اس سے پکڑی جا رہی تھیں۔ چپو چھوٹ رہا تھا۔ سونے کی اینٹیں سمندر میں گر رہی تھیں۔ وہ دیوانہ وار انھیں پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

آدھی سے زیادہ اینٹیں سمندر میں گر گئیں۔ کشتی اسی جگہ گھوم رہی تھی۔ چاروں روحیں اب سمندر کی سطح سے اٹھ کر کشتی کے اوپر آ گئیں۔ ان کی سیٹی ایسی سرگوشیوں میں غصے اور نفرت کا انداز تھا۔ کپتان نے روحوں کو اپنے عین اوپر دیکھ کر ان کی طرف چاقو پھینکا اور پاگلوں کی طرح چلایا:

"میں تمھیں ہلاک کر ڈالوں گا۔"

چاروں روحوں کا ایک فلک شگاف قہقہہ گونجا۔ اور اس کے ساتھ ہی کشتی منجدھار سے نکل گئی۔ مگر اب کشتی پانی کی سطح پر یوں کھڑی ہو گئی تھی جیسے کسی نے اسے نیچے سے پکڑ رکھا ہو۔ چار روحوں میں سے ایک روح آہستہ آہستہ اتر کر کشتی میں آ گئی۔ کپتان خوف کے مارے پتھر بنا اسے تک رہا تھا۔ روح نے وہ کپڑا اٹھایا جسے کپتان نے سونے

کے ڈھیر کے اوپر ڈال رکھا تھا۔ اس کپڑے کا ایک تھیلا
بنایا اور اس کا منہ کھول کر باقی تین روحوں کی طرف دیکھا۔
ایک روح نے کپتان کی طرف اشارہ کیا۔ دوسری نے کپتان
کو اٹھا کر کپڑے کے بڑے تھیلے میں پھینک دیا۔ کپتان کی
چیخ نکل گئی۔ اس چیخ میں لرزہ اور دہشت تھی۔ عنبر نے دیکھا
کہ کپتان ایک بے حس آدمی کی طرح ہو گیا تھا۔ نہ وہ اپنے
بازو ہلا سکتا تھا نہ پاؤں۔

صرف اس نے ایک چیخ ماری اور وہ بھی تھیلے کے اندر
جاتے ہی غائب ہو گئی۔ روح نے تھیلے کا منہ ایک بار پھر
کھول دیا اور اوپر باقی تین روحوں کی طرف دیکھا۔ تینوں
روحوں نے سونے کی اینٹوں کی طرف اشارہ کیا۔ سونے کی
جو اینٹیں باقی بچی تھیں وہ روحوں کے اشارے کے ساتھ
ہی ایک ایک کر کے بڑی تیزی سے تھیلے میں گرنے لگیں۔
تھیلا سونے کی اینٹوں سے بھر گیا۔ روحوں نے سونے کی اینٹوں
کا تھیلا کپتان کی ادھ موئی لاش سمیت اٹھایا اور رات کی
تاریکی میں غائب ہو گئیں۔

تھوڑی دیر بعد صبح ہو گئی۔ سونے کے خزانے کا کھیل
ختم ہو گیا تھا۔ سونے کا خزانہ جہاں سے نکال کر لایا گیا تھا
وہاں واپس پہنچ گیا تھا۔ عنبر نے دور سمندر میں خشکی کی ایک

لکیر سی دیکھی۔ کشتی کنارے پر پہنچنے والی تھی۔ عنبر کو نہیں
معلوم تھا کہ یہ ملک مصر کا شہر سکندریہ ہے یا کوئی اور
ملک ہے۔ کیونکہ کشتی نے سمندر کے منجدھار میں اتنے چکر
کھائے تھے کہ عنبر کو سمت کا کچھ اندازہ نہیں رہا تھا۔ سمندر
کی لہریں کشتی کو کنارے کی طرف بڑی تیزی سے لیے جا
رہی تھیں۔

آخر کشتی کنارے کے ساتھ جا کر لگ گئی۔ عنبر ساحل پر
اتر آیا۔ اس کے خشکی پر قدم رکھتے ہی کشتی نے ایک چکر
کھایا اور سمندر میں غرق ہو گئی۔ خزانے کی تلاش کی پراسرار
خونیں مہم کی آخری نشانی بھی ختم ہو گئی تھی۔

عنبر نے ساحل کا جائزہ لیا۔ دن کی روشنی چاروں طرف
پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے ارد گرد دور تک ریت کا صحرا تھا
جہاں کہیں کہیں کھجور کے درختوں کے جھنڈ صبح کی ہوا میں
جھوم رہے تھے۔ گرمی اتنی زیادہ نہیں تھی۔ عنبر کو جو پہلا خیال
آیا وہ یہ تھا کہ سمندری بھنور میں گردش کھانے کے بعد
کہیں تاریخ کا دور تو نہیں بدل گیا؟ کہیں ایسا تو نہیں ہوا
کہ وہ تاریخ کے کسی پچھلے یا آگے کے دور میں آ گیا ہو؟
ساحل کے درختوں اور ریت کے صحرا سے اسے اندازہ ہوا
کہ وہ کم از کم ملک روم میں نہیں ہے اور یہ علاقہ مصر

یا بابل کا ہے۔

بہرحال وہ خدا کا نام لے کر درختوں کی طرف چل پڑا۔ درختوں کے جھنڈ میں ایک تنگ منہ والا کنواں تھا اور باہر پانی گرنے سے کیچڑ ہو گیا تھا۔ صاف لگتا تھا کہ لوگ اس کنوئیں سے پانی نکالتے رہے ہیں۔ وہاں آس پاس کوئی انسان دکھائی نہ دیتا تھا کہ جس سے عنبر پوچھ کر معلوم کرتا کہ وہ کسی ملک میں ہے اور یہ کون سا زمانہ ہے؟ کس بادشاہ کی حکومت ہے؟ وہ درختوں کے نیچے تھوڑی دیر آرام کرنے کے خیال سے بیٹھ گیا۔ اسے بیٹھے ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ دو اونٹ سوار نمودار ہوئے۔ انہوں نے عربوں ایسے لباس پہن رکھے تھے۔ کمر میں خنجر اور تلواریں لٹک رہی تھیں۔ عنبر کے پاس آ کر وہ رُک گئے۔

"کون ہو تم؟" ان میں سے ایک نے عربی زبان میں پوچھا۔

عنبر ناگ اور ماریا دنیا کی ہر زبان سمجھ لیتے تھے اور بول بھی لیتے تھے۔

عنبر نے کہا:

"......

مصریوں ایسا تھا اور وہ زمانہ خلیفہ ہارون الرشید کا تھا۔ عنبر بھنور میں گردش کرنے سے خلیفہ ہارون الرشید کے دور میں نکل آیا تھا۔ ہارون الرشید کی حکومت کے خلاف مصریوں کی ایک جماعت کے لوگوں نے بغاوت کر رکھی تھی اور خلیفہ کی طرف حکم تھا کہ ایسے لوگوں کو فوراً گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا جائے اور اسے اطلاع کی جائے۔ ایسے باغیوں کو پکڑنے والوں کو خلیفہ کی طرف سے بھاری انعام دیا جاتا تھا۔ شتر سواروں نے اشاروں ہی اشاروں میں آپس میں کوئی بات طے کی اور عنبر سے کہا:

"اگر مسافر ہو تو ہمارے ساتھ ہمارے گھر چل کر کچھ روز ہمارے مہمان بن کر رہو۔"

عنبر نے کہا:

"تم لوگ کون ہو اور یہ ملک کون سا ہے؟"

ایک شتر سوار نے کہا:

"کیا تم نہیں جانتے کہ تم خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں ہو اور یہ جگہ دارالخلافہ بغداد سے دو سو کوس کے فاصلے پر ہے۔"

عنبر سمجھ گیا کہ وہ تاریخ میں پیچھے کی طرف سفر کرنے کی بجائے کچھ اور آگے نکل گیا ہے۔

سے معذرت کے ساتھ کہا:

"بات یہ ہے کہ میں ایک جہاز پر سوار سمندر میں سفر کر رہا تھا کہ جہاز طوفان میں پھنس کر ڈوب گیا۔ میں بڑی مشکل سے جان بچا کر یہاں پہنچا ہوں میں اس ملک میں اجنبی ہوں۔"

"تو پھر ہمارے ساتھ ہمارے گھر چلو۔ وہاں تم اجنبی نہیں ہو گے۔ ہم کل بغداد جا رہے ہیں تمہیں دارالخلافہ کی سیر کرائیں گے۔"

عنبر ان لوگوں کی سازش کو نہ سمجھ سکا۔ اسے کیا خبر تھی کہ اس ملک کے حالات کیسے ہیں اور جس شخص نے مصریوں ایسے کپڑے پہن رکھے ہوں انہیں باغی سمجھ کر گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ اس نے سوچا کہ چلو بغداد چلتے ہیں۔ تاریخ میں وہ عباسی بادشاہوں کے دور کا بہت بڑا اور عظیم الشان دارالخلافہ رہ چکا ہے۔ ہو سکتا ہے وہاں ناگ اور ماریا سے ملاقات ہو سکے یا کم از کم ان کا کوئی سراغ ہی مل جائے۔

دونوں فتنہ سوار عنبر کو ساتھ لے کر قریبی گاؤں میں اپنے مکان پر لے آئے۔ یہاں انہوں نے سارا دن عنبر کی بڑی خدمت کی۔ عنبر بڑا خوش ہوا کہ بغداد کے لوگ بڑے

مہمان نواز ہیں۔ وہ ان کی بری نیت سے بے خبر تھا۔ سچ ہے۔ دلوں کی نیت کا حال صرف اللہ ہی کو معلوم ہے۔ گرمیوں میں صحرا میں لوگ راتوں کو سفر کرتے ہیں اور دن کو آرام کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ اونٹ سوار بھی عنبر کو شام کے وقت ساتھ لے کر بغداد کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں سے خلیفہ ہارون الرشید کی سلطنت کا اسلامی دارالخلافہ دو سو کوس کے فاصلے پر تھا اور کوئی پانچ دن کا سفر تھا۔

پیارے دوستو! عنبر کو ہم دو سازشی اونٹ سواروں کے ہمراہ صحرا میں بغداد کی جانب سفر کرتا ہوا چھوڑتے ہیں اور خود ذرا واپس ناگ کی طرف چلتے ہیں۔ ناگ کا قارئین کو معلوم ہی ہے کہ وہ ماریا اور اسپا دیوی کی مورتی کی تلاش میں نوجوان جوگی کی ہدایت کے مطابق ہندوستان کے جانب بسنت پور کے جنگلوں کی طرف جا رہا ہے جہاں جوگی نے کہا تھا کہ راجہ رام اپنی مہارانی سیتا اور بھائی لچھمن کے ساتھ چودہ برس کا بن باس کاٹ رہا ہے جس کا مطلب یہ تھا کہ راجہ رام کو اس کے باپ نے اپنی دوسری بیوی یعنی رام کی سوتیلی ماں کی باتوں میں آ کر چودہ برس کے لیے اپنے شہر سے دیس نکالا دے دیا تھا کیونکہ رام کی سوتیلی ماں یہ چاہتی تھی کہ رام کی جگہ اس کا بیٹا

بھرت تخت پر بیٹھے۔ رام اپنے باپ کا بڑا فرمانبردار اور
نیک سیرت لڑکا تھا۔ اس نے اپنے باپ کا حکم مانا اور
چودہ برسوں کے لیے اپنے شہر ہستنا پور سے نکل کر جنگلوں
کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس کی وفا دار بیوی مہارانی سیتا نے
کہا کہ میں بھی اپنے خاوند کے ساتھ جاؤں گی۔ محبت کرنے
والے چھوٹے بھائی لچھمن نے کہا کہ میں بھی رام کے
ساتھ ہی جاؤں گا۔ چنانچہ یہ تینوں دور دراز جنگلوں میں
چودہ برس کے لیے بن باس کاٹ رہے تھے۔ یہ تاریخی
واقعہ ہے۔ نوجوان جوگی نے ناگ سے کہا تھا کہ مہارانی سیتا
اسے امبا دیوی کی مورتی کے بارے میں کچھ بتا سکے گی
جس کے واپس ملنے سے بمبئی والی شیلا ائیر ہوسٹس کی
اور اس کے گھر والوں کی زندگیاں بچ سکتی تھیں۔ وقت
بہت تھوڑا رہ گیا تھا۔ چونکہ امبا دیوی کی مورتی کے بمبئی
میں شیلا کے فلیٹ سے چوری ہونے کے ساتھ ہی ماریا
بھی گم ہوگئی تھی اس لیے ناگ کو یقین تھا کہ اگر مورتی
مل گئی تو ماریا بھی مل جائے گی۔ سارے بیس بائیس دن
باقی رہ گئے تھے۔ ان بیس بائیس دنوں کے اندر اندر ناگ
نے امبا دیوی کی مورتی واپس لا کر شیلا کو دینی تھی نہیں
تو اس کے سارے لوگ ایک ایک کر کے مرنے والے

تھے۔ ایک اور بات جو ناگ کو پریشان کر رہی تھی یہ
تھی کہ امبا دیوی کی مورتی ۱۹۸۳ء کے زمانے میں ہندوستان
کے شہر بمبئی سے چوری ہوئی تھی اور وہ اس کی تلاش
میں دو ہزار برس تاریخ میں پیچھے راجہ رام اور مہارانی سیتا
کے زمانے میں نکل آیا تھا۔ اسے مورتی تلاش کرنی تھی اور
اسے لے کر دو ہزار برس واپس بھی جانا تھا۔

ساری تاریخ پرانی ناگ کے سامنے تھی۔ اسے معلوم تھا
کہ تاریخ میں دو ہزار برس پہلے راجہ رام چندر اور سیتا
کے بن باس کا واقعہ ہوا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ
سیتا کو راون اٹھا کر لے گیا تھا۔ پھر راجہ رام کی ہنومان نے
مدد کی تھی اور رام نے راون کے شہر لنکا پر چڑھائی کر کے
سیتا کو واپس لیا تھا۔

یہ ساری باتیں ناگ کے ذہن میں تھیں اور وہ نوجوان
جوگی سے جدا ہو کر شمالی ہندوستان کی طرف ایک قافلے
کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ قافلہ سات روز کے سفر کے بعد
شمالی بھارت کے علاقے اودھ کی راج دھانی ہستنا پور پہنچا۔
یہ ایک بہت بڑا پرانا شہر تھا جس کی چار دیواری کافی بلند
تھی اور شہر میں آنے جانے کے کتنے ہی دروازے تھے۔ جوگی
نے کہا تھا کہ راجہ رام چندر ہستنا پور سے شمال مغرب کی طرف

دریائے گنگا کے پار کے جنگلوں میں بن باس کاٹ رہے ہیں۔
ناگ کے پاس امبا دیوی کی مورتی واپس حاصل کرنے کے لیے
بہت کم وقت رہ گیا تھا۔ بس یہی کوئی اڑھائی دن باقی تھے۔
اس کے بعد اگر مورتی مل بھی جائے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں
تھا۔ کیوں کہ پھر شیلا کے خاندان کے لوگ ایک ایک کر کے مرنا
شروع ہو جائیں گے۔

ہستنا پور میں راجہ بھرت کی حکومت تھی۔ وہ ۱۹۸۳ء کے
بمبئی شہر سے نکل کر جہاں جیٹ ہوائی جہاز فضا میں اڑتے تھے
اچانک ڈھائی، پونے تین ہزار سال پہلے کے بھارت میں
نکل آیا تھا۔ جہاں لوگ ایک شہر سے دوسرے شہر جانے کے
لیے قافلوں کی شکل میں پیدل سفر کرتے تھے۔ لیکن ناگ کو
چونکہ ہزاروں سال پرانی تاریخ کے شہروں میں سفر کرنے کی
عادت تھی اس لیے اسے کوئی زیادہ اجنبیت محسوس نہیں ہو
رہی تھی۔ سرائے میں اترنے کے بعد ناگ شہر میں کچھ دیر
تک گھومتا پھرتا رہا۔ پھر اس نے لوگوں سے اس جنگل کے
بارے میں پوچھ گچھ کی جس میں راجہ رام اپنی بیوی مہارانی سیتا
کے ساتھ بن باس کے دن کاٹ رہا تھا۔ اسے معلوم ہوا کہ
وہ جنگل وہاں سے دو سو کوس پرے ہے اور دریائے گنگا وہاں
پہاڑوں سے نکل کر گہری کھائیوں اور وادیوں میں داخل ہوتا ہے۔

ناگ نے سوچا کہ اسے دریائے گنگا کے ساتھ ساتھ
سفر کرنا چاہیے پھر جہاں یہ دریا پہاڑوں سے نکل کر گھاٹیوں
اور وادیوں میں داخل ہو تو وہاں کے جنگلوں میں راجہ رام
اور مہارانی سیتا کو تلاش کرے۔ اس کی ایک ہی ترکیب
تھی کہ وہ تیز رفتار پرندہ بن کر سفر کرے۔ ناگ شہر سے
باہر آگیا۔ اس نے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر سفید عقاب
کی شکل اختیار کی اور دریائے گنگا پر آ کر اس کے اوپر شمال
مغرب کی طرف اڑنا شروع کر دیا۔ سفید عقاب ہونے کی
وجہ سے اس کی رفتار کافی تیز تھی۔ شام تک عقاب نے
کافی فاصلہ طے کر لیا۔ دریا میدانوں سے نکل کر پہاڑیوں میں
داخل ہو گیا۔ یہ اونچی نیچی پہاڑیاں دور تک پھیلتی چلی گئی
تھیں۔ یہاں دریا پہاڑیوں کے ساتھ ساتھ چکر کھا کر بہہ
رہا تھا۔ جب رات کا اندھیرا پھیل گیا تو ناگ ایک درخت
پر اتر آیا۔ اس نے وہیں عقاب کی شکل میں رات گزار
دی۔ صبح ہوئی تو پھر سفر پر روانہ ہو گیا۔

اسی طرح تین دن کے سفر کے بعد ناگ نے دیکھا
کہ دریا پہاڑیوں سے نکل کر میدان میں داخل ہو رہا تھا۔
یہاں اس کے کنارے پر گھنے جنگل تھے۔ ناگ ان جنگلوں
میں اتر آیا۔ یہاں درخت بڑے گنجان تھے۔ اور ان کے

سایوں میں جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ ناگ نے یہاں آ کر
انسان کی شکل اختیار کر لی۔ دن بھر وہ جنگل میں پھرتا رہا۔
اسے کسی انسان کی شکل دکھائی نہ دی۔ کسی کسی جگہ اسے
جنگلی ریچھ اور بندر دکھائی دیئے۔ ایک جگہ شیر کی آواز سنائی
دی۔ وہ دن بھی گزر گیا۔

اس سے اگلے روز صبح ہوئی تو ناگ نے جنگل میں سے
گزرتے ہوئے درختوں میں بنی ہوئی ایک جھونپڑی دیکھی۔ وہ
سمجھ گیا یہ جنگلی آدمیوں نے اپنے رہنے کے لیے بنا رکھی
ہو گی۔ وہ جھونپڑی کے قریب آیا تو پیچھے سے کسی نے
آواز دی۔

"کون ہو تم؟"

ناگ نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک بڑا حسین اور جوان آدمی
ہاتھ میں تیر کمان لیے کھڑا تھا۔ اس کے بال کنڈلی مار کر
اس کے سر کے اوپر بیٹھے تھے۔

ناگ نے کہا:

"میرا نام ناگ ہے اور میں مہارانی سیتا کے درشن
کرنے یہاں آیا ہوں۔"

آنے والے نوجوان نے قریب آ کر غور سے ناگ کو دیکھا
اور پوچھا:

"تم مہارانی جی کے درشن کرنے کہاں سے آئے ہو؟"

ناگ کچھ دیر کے لیے خاموش رہا پھر بولا:

"میں بہت دور سے آ رہا ہوں۔ اتنی دور سے کہ اگر
میں آپ کو بتاؤں تو آپ یقین نہیں کریں گے۔"

نوجوان نے کہا:

"کیا تم ہستنا پور سے آ رہے ہو؟"

ناگ نے جواب دیا:

"آپ یہی سمجھ لیں۔ کیا آپ رام چندر جی ہیں؟"

نوجوان نے کہا:

"نہیں۔ میں ان کا چھوٹا بھائی لچھمن ہوں۔"

ناگ بولا:

"لچھمن جی! آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ کیا میں
مہارانی سیتا جی سے مل سکتا ہوں؟"

"آپ کو ان سے کیا کام ہے؟"

ناگ نے کہا:

"میں ان سے ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں جو میں آپ
کو نہیں بتا سکتا۔"

لچھمن نے کہا:

"مہارانی سیتا جی اس وقت جنگل میں ندی کے کنارے

آپ کو ملیں گی۔"

ناگ نے لچھمن کا شکریہ ادا کیا اور ندی کی طرف چل دیا۔ ندی جنگل میں ہرے بھرے گھنے درختوں کے بیچ میں سے گذر رہی تھی۔ ایک جگہ ناگ کو کیلے کے سرسبز درختوں میں گھاس پر ایک عورت بیٹھی نظر آئی جس کے بال کھلے تھے۔ چہرے پر شاہانہ رعب اور وقار تھا۔ وہ شکل سے ہی مہارانی لگتی تھی۔ مگر اس نے گیروے کپڑے پہن رکھے تھے۔ ناگ نے قریب جا کر جھک کر ادب سے سلام کیا اور بتایا کہ میں بسنت پور سے آ رہا ہوں اور ایک خاص مقصد لے کر آیا ہوں۔

مہارانی سیتا نے پوچھا:

"اپنا مقصد بیان کرو۔"

ناگ نے کہا:

"مجھے امبا دیوی کی مورتی کی تلاش ہے۔"

مہارانی سیتا نے چونک کر ناگ کی طرف دیکھا۔ پھر بولی:

"امبا دیوی کی مورتی جس جگہ پر ہے وہاں کوئی انسان تو کیا چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی۔"

ناگ نے کہا:

"آپ مجھے وہ جگہ بتا دیں مہارانی! میں وہاں تک پہنچنے کی کوشش کروں گا۔"

مہارانی سیتا نے کہا:

"میں نہیں جانتی کہ تم کون ہو۔ مگر اتنا ضرور جان گئی ہوں کہ تم کوئی غیر معمولی طاقت کے انسان ہو۔ تو سنو! یہاں سے شمال کی طرف ایک پہاڑی ہے جس کا نام کیلاش پربت ہے۔ وہاں سارا سال برف جمی رہتی ہے۔ اس پہاڑی میں ایک گہرا غار ہے۔ اس غار کے اندر ایک بہت بڑا تاریک گڑھا ہے۔ اس گڑھے میں کوئی انسان داخل نہیں ہو سکتا۔ جو کوئی داخل ہونے کی کوشش کرتا ہے دیوتاؤں کے پہرے دار اسے ہلاک کر دیتے ہیں۔ کیا اب بھی تم وہاں جاؤ گے؟"

ناگ نے کہا:

"میں ضرور جاؤں گا مہارانی! میرا وہاں جانا بہت ضروری ہے۔"

مہارانی سیتا نے کہا:

"میں بھگوان سے تمہاری زندگی کی پرارتھنا کروں گی۔"

ناگ نے مہارانی سیتا کا شکریہ ادا کیا۔ جھک کر سلام کیا اور جانے کے لیے مڑا تو ایک پل کے لیے رُک گیا۔ چونکہ

تاریخ کا ایک ایک واقعہ اسے معلوم تھا۔ وہ واقعات بھی
اسے معلوم تھے۔ جو ہونے والے تھے۔ اس لیے اس نے مہارانی
سیتا سے کہا:

"مہارانی! اگرچہ مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے۔ مگر آپ نے
میرے ساتھ جو بھلائی کی ہے میں اس کا بدلہ چکانا
چاہتا ہوں۔ میری بات سن کر اس پر عمل کریں یا
نہ کریں یہ آپ کی مرضی ہے۔ آج یا کل، اسی جنگل
میں ایک بڑا زبردست تاریخی واقعہ ہونے والا ہے۔"

"کون سا تاریخی واقعہ؟" مہارانی سیتا نے پوچھا۔

ناگ نے کہا:

"کل یا پرسوں آپ کے شوہر رام چندر شکار پر جاتے
ہوئے آپ کو جنگل میں ایک جگہ بٹھا کر آپ کے
گرد دائرے کا نشان لگا جائیں گے اور تاکید کریں
گے کہ آپ اس دائرے سے باہر نہ جائیں۔ ان
کے جانے کے بعد لنکا کا راجہ راون آپ کے پاس
آئے گا اور آپ کو دائرے سے باہر نکل آنے
کے لیے کہے گا۔ اور آپ اپنے شوہر کے حکم کو
چھوڑ کر دائرے سے باہر نکل آئیں گی۔ پھر آپ
ڈٹ جائے گا اور راجہ راون آپ

کو اغوا کر کے لے جائے گا۔ اس لیے آپ اپنے
دائرے سے ہرگز ہرگز باہر نہ نکلیں۔"

مہارانی سیتا ناگ کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگیں۔ ناگ
نے سوچا کہ یہ تاریخ کا راز ہے۔ جو اسے نہیں بتانا چاہیے تھا
شاید مہارانی نے ناگ کی بات سنی بھی نہیں تھی۔ کیوں کہ اس
نے کوئی جواب نہ دیا۔ قدرت نے سیتا کے کان بند کر دیے
تھے۔ ناگ نے مہارانی سیتا کو اس کی حالت پر چھوڑا اور کیلاش
پربت کی طرف جانے کے لیے ندی کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا جنگل
سے باہر نکل آیا۔ یہاں وہی دریا آ گیا جو دور پیچھے ہمالیہ کے
کیلاش پربت سے نکلتا تھا۔ ناگ نے ایک ار پھر سفید عقاب
کا روپ بدلا۔ غوطہ لگا کر۔
بت کی طرف
پرواز شروع کر دی

خفیہ منتر کی تلاش

کیلاش پربت ہمالیہ کی سب سے بلند چوٹی کے دامن میں تھی۔

یہ ایک تین چار پہاڑیوں کا ایک دوسرے سے ملا ہوا سلسلہ تھا جہاں سارا سال برف جمی رہتی تھی۔ ناگ ایک دن اور ایک رات کے سفر کے بعد کیلاش پربت پر پہنچ گیا۔ وہ ان برف پوش پہاڑیوں میں اتر آیا۔ یہاں نہ آدم نہ آدم زاد — ہر طرف برف ہی برف، سخت ٹھنڈی ہوا۔ ایسی ویران خاموشی تھی کہ ہوا کی ہلکی ہلکی لہروں کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ ناگ نے دوبارا اڑ کر ان پہاڑیوں کا جائزہ لیا کہ کس پہاڑی میں وہ غار ہو سکتا ہے جس کے بارے میں مہارانی سیتا نے اشارہ کیا تھا اور کہا تھا کہ اس کے اندر ایک گڑھے میں امبا دیوی کی مورتی موجود ہے۔ ناگ کے پاس اب زیادہ وقت نہیں رہ گیا تھا۔ وہ ایک ہفتے کے اندر اندر مورتی حاصل کر کے واپس دو ہزار برس آگے

زمانے کا سفر کر کے بمبئی لے جا کر شیلا کو دینا چاہتا تھا تاکہ اس کا خاندان موت کے منہ میں جانے سے بچ سکے۔

غار کا کھوج لگاتے دن گذر گیا۔ شام ہو گئی۔ ناگ نے کہرے سے انسان کا روپ بدلا اور ایک پہاڑی کے کھوہ میں پتھروں کی بڑی بڑی سلوں کے درمیان جا کر بیٹھ گیا۔ وہ دوسرے روز دوبارا غار کا کھوج لگانا چاہتا تھا۔ رات کا اندھیرا پہاڑوں میں چاروں طرف پھیل گیا۔ ناگ کھوہ میں پتھروں سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے پڑا تھا۔ نیند اس سے کوسوں دور تھی۔ وہ امبا دیوی کی مورتی اور ماریا کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ یہ معمہ ابھی تک حل نہیں ہو سکا تھا کہ آخر مورتی کے ساتھ ماریا کہاں گم ہو گئی۔

اچانک ناگ کو ایک خاص قسم کی بُو محسوس ہوئی۔ یہ بُو مہا ناگ سانپ کی تھی۔ مہا ناگ سانپ ہمالیہ کی پہاڑیوں کے سانپوں کے سردار سانپ کا نام ہے۔ اس سانپ کا رنگ نارنجی ہوتا ہے اور اس کے پھن پر ترشول کا نشان بنا ہوتا ہے۔ اس سانپ کو صرف دیوتاؤں کے خاص منتر پڑھ کر ہی قابو میں کیا جا سکتا ہے ورنہ یہ کسی کے قابو میں نہیں آتا۔ ناگ نے سوچا کہ شاید مہا ناگ اس کے کہیں آس پاس پہاڑیوں میں ہو گا۔ مگر اس کی بُو کافی

تیز تھی۔ ناگ نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ سانپ وہاں
کہیں نہیں تھا۔ اب اسے کچھ انسانی آوازیں سنائی دیں۔ یہ
آوازیں عورتوں کی تھیں اور قریب آ رہی تھیں۔

ناگ پتھر کی ایک بہت بڑی سِل کے پیچھے چھپ
گیا۔ کیوں کہ اس نے مشعلوں کی روشنی میں لوگوں کے ایک
چھوٹے سے جلوس کو اپنی طرف آتے دیکھ لیا تھا۔ جُوں
جُوں یہ جلوس قریب آ رہا تھا مہا ناگ سانپ کی بُو تیز
ہوتی جا رہی تھی۔ ناگ نے دیکھا کہ دس بارہ خوب صورت
لڑکیوں کو رسیوں میں باندھ رکھا ہے اور آگے پیچھے کچھ
سر منڈے جوگی لوگ ہاتھوں میں ترشولوں کے نیزے
پکڑے ان خوب صورت لڑکیوں کو ہنکائے لیے چلے جا
رہے ہیں۔ لڑکیوں کے بال کھلے ہیں۔ سر جھکے ہیں اور وہ
آہ و بکا اور واویلا کر رہی ہیں۔ جوگی انہیں ترشولوں کے
نیزے دکھا دکھا کر چپ کرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔
ان کے پیچھے چار جوگیوں نے کندھوں پر ایک ہاتھی دانت
کی چوکی اٹھا رکھی ہے جس پر سونے کا ایک تھال رکھا ہے۔
اس تھال میں ہمالیہ کی پہاڑیوں کا ایک مہا ناگ نارنجی سانپ
کنڈلی مارے پھن اٹھائے بیٹھا ہے اور اس کے پھن پر ترشول
کا نشان بنا ہے۔

ناگ اس انوکھے جلوس کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا کہ یہ
جوگی لوگ کون ہیں اور ان پریشان حال لڑکیوں کو زبردستی پکڑ
کر کہاں لیے جا رہے ہیں اور مہا ناگ ان کے ساتھ کس لیے
ہے؟ اتنے میں مہا ناگ نے بھی ناگ کی بُو سونگھ لی تھی۔
اسے احساس ہو گیا تھا کہ کہیں قریب ہی عظیم ناگ دیوتا انسانی
شکل میں موجود ہے۔ مہا ناگ نے اپنے پھن کا رُخ اس طرف
کر دیا۔ جدھر ناگ پتھر کی اوٹ میں چھپا ہوا تھا۔ ناگ کو معلوم
تھا کہ مہا ناگ سانپ اپنی چوکی پر سے اتر کر اس کی تعظیم
کے لیے چلا آئے گا اور اس طرح سے وہ یہ راز حل نہ کر سکے
گا کہ یہ جوگی لوگ کون ہیں اور ان لڑکیوں کو لے کر کدھر
جا رہے ہیں۔ ناگ نے وہیں سے اپنی زبان میں مہا ناگ سے
رابطہ پیدا کیا اور کہا:

"اے مہا ناگ! خاموش رہ اور تعظیم کے لیے
میرے پاس مت آ ۔ بلکہ خاموشی سے ان لوگوں
کے ساتھ چلتا جا ۔ میں اس راز کو حل کرنا چاہتا
ہوں۔ میں بھی تمہارے ساتھ ہی چلوں گا۔ مگر تم میرے
پاس آنے کی ہرگز کوشش نہ کرنا!"

مہا ناگ نے وہیں سے اپنا پھن تین بار جھکا کر ناگ دیوتا کی
تعظیم کی اور کہا:

"عظیم ناگ دیوتا! جیسا آپ نے حکم دیا ہے میں ویسا ہی کروں گا!"

اب ناگ نے ایک اڑنے والے چھوٹے سفید سانپ کا روپ بدلا اور ایک ہی اڑان میں مہا ناگ سانپ کی تھالی میں اس کے پاس ہی کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔ جوگیوں نے اس کو ایک شگون سمجھ کر سفید ناگ مہا ناگ کے ساتھ شامل ہو گیا ہے۔

انہوں نے ترشول اٹھا کر نعرہ لگایا:

"امبا دیوی کی جے ہو!"

ناگ چونکا۔ تو گویا یہ لوگ امبا دیوی کے کسی خفیہ مندر کی طرف جا رہے تھے۔ وہ خوش ہوا کیوں کہ امبا دیوی کی مورتی اور ماریا کی گم شدگی کے معمے کے حل ہونے کی کچھ کچھ امید پیدا ہو گئی تھی۔

یہ جلوس رات کے اندھیرے میں مشعلوں کی روشنی کرتا کیلاش پربت کی ایک پہاڑی کے غار میں داخل ہو گیا۔ لڑکیوں نے رونا دھونا بند کر دیا تھا۔ ان کے آنسو خشک ہو چکے تھے۔ غار میں گذر کر یہ جلوس ایک جگہ رک گیا۔ یہاں زمین کے اندر کنوئیں کی طرح کا ایک گہرا گڑھا بنا ہوا تھا۔ ایک سیڑھی دیوار کے ساتھ لگی تھی۔ جوگیوں نے سب سے پہلے ان لڑکیوں کو ایک ایک کر کے نیچے گڑھے میں اتارا اور ان کے ہاتھ کھول دیئے۔ پھر مہا ناگ سانپ کو نیچے لایا گیا اور آخر میں خود بھی نیچے آ گئے۔ انہوں نے سیڑھی گڑھے میں کھینچ لی۔ اب باہر سے کوئی شخص اس گڑھے میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ گڑھے کی دیوار میں ایک دروازہ تھا۔ یہ جلوس دروازے سے گذرنے لگا تو معلوم ہوا کہ یہاں دیوتاؤں کا یا خفیہ طاقتوں کا پہرہ لگا تھا۔ کوئی غیر آدمی اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ صرف وہی شخص داخل ہو سکتے تھے جنہیں جوگی لوگ اپنے ساتھ لائے ہوں۔ ناگ کو مہارانی سیتا کی بات یاد آ گئی۔ اس نے کہا تھا کہ کیلاش کے پربت میں ایک ایسا غار ملے گا جس کے باہر دیوتاؤں کا پہرہ ہو گا۔ امبا دیوی کی مورتی کا راز اسی گڑھے میں حل ہو گا۔

ناگ بڑا خوش ہوا کہ مہارانی سیتا کی پیش گوئی بالکل سچ ثابت ہو رہی تھی اور وہ اسی جگہ آ گیا تھا جہاں امبا دیوی کی مورتی کا سراغ مل سکتا تھا۔ وہ مہا ناگ کی چوکی پر کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ اس نے مہا ناگ سے اپنی زبان میں پوچھا کہ یہ لوگ یہاں کیا کرنے آئے ہیں؟

مہا ناگ نے کہا:

"عظیم ناگ دیوتا۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ انہوں نے مجھے

ہمالیہ کی چوٹی سے دیوتاؤں کے خفیہ منتر پڑھ کر قابو میں کیا ہے۔ یہ مجھ سے کام کیا لینا چاہتے ہیں مجھے بالکل نہیں معلوم۔"

جلوس دروازے سے گزر کر ایک کھلی جگہ میں آ گیا۔ یہاں ناگ کو پہلی بار ماریا کی بڑی تیز خوشبو آئی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو سامنے پتھر کا ایک چبوترہ بنا تھا۔ چبوترے پر ایک چوکور پتھر کا بڑا ٹکڑا رکھا تھا اور اس پتھر کے ٹکڑے میں ماریا کا نچلا دھڑ دھنسا ہوا تھا۔ وہ غائب حالت میں نہیں تھی بلکہ اس کا آدھا دھڑ جو پتھر سے باہر تھا۔ صاف نظر آ رہا تھا۔ اس کے سیاہ بال کھلے تھے۔ آنکھیں پریشانی کی حالت میں ادھر اُدھر دیکھ رہی تھیں اور دونوں بازو امبا دیوی کی مورتی کی طرح پیچھے کو اٹھے ہوئے تھے۔

ناگ نے ماریا کو فوراً پہچان لیا تھا۔ کیوں کہ وہ ایک بار پہلے بھی ماریا کو نظر آنے والی حالت میں دیکھ چکا تھا۔ ماریا نے بھی ناگ کی تیز خوشبو محسوس کر لی تھی۔ ماریا سانپوں کی بولی میں ہونٹوں سے سسکی کی آوازیں نکال کر کہا:

"ناگ! کیا یہ تم ہو؟"

ناگ نے کہا:

"ہاں ماریا! میں ہی ناگ کے تھال میں اس کے پاس

بیٹھا ہوں۔ مگر یہ میں تمہیں کس حالت میں دیکھ رہا ہوں۔ یہ سب کچھ کیا ہے؟"

ماریا نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا:

"ناگ بھیا! یہ بڑی لمبی کہانی ہے۔ اگر ان ظالموں کے پنجے سے نکل سکی تو پھر کبھی تمہیں یہ دردناک کہانی سناؤں گی۔"

ناگ نے پوچھا:

"تمہارے آدھے دھڑ کو پتھر کس نے بنا دیا؟"

ماریا نے کہا:

"امبا دیوی کے منتروں نے ـــــ یہ بڑے زبردست منتر ہیں جو ان جوگیوں کو یاد ہیں۔ یہ جوگی امبا دیوی کے چیلے ہیں۔ امبا دیوی کا دکن والا مندر جب تباہ ہو گیا اور امبا دیوی کا بہت بڑا بت گر کر پاش پاش ہو گیا تو امبا دیوی کی روح اس کی مورتی میں آ گئی۔ یہ مورتی پجاریوں کے خاندان میں سے ہوتی ہوئی شیلا کے دادا کے پاس آ گئی۔ کسی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس مورتی میں امبا دیوی کی روح موجود ہے۔ امبا دیوی کی روح دوبارہ اپنے مندر میں واپس آنا چاہتی تھی مگر اس کے لیے ایک

شرط پوری کرنی بڑی ضروری تھی اور وہ شرط یہ
تھی کہ امبا دیوی کی مورتی کو کوئی ایسی کنواری لڑکی
ہاتھ سے چھوئے جو غائب ہو اور کسی کو دکھائی
نہ دیتی ہو۔ امبا دیوی کی خوش قسمتی اور میری بدقسمتی
کہ میں شیلا کے دوسرے بیڈ روم میں آ گئی اور
میں نے شیشے کا خول اتار کر مورتی کو چھو لیا۔ میرے
چھوتے ہی مجھے ایک جھٹکا لگا اور میں مورتی سمیت
غائب ہو کر کیلاش پربت کے اندھیرے غار کے
اندر اس گڑھے میں اس حالت میں پہنچ گئی کہ میرا
آدھا دھڑ پتھر کے چوکور ٹکڑے میں دھنس کر پتھر بن
چکا تھا۔ یہ جوگی لوگ جو کہ امبا دیوی کے پرانے پجاری
ہیں فوراً یہاں آ گئے۔ اور انہوں نے خفیہ مگر طاقتور
منتر پڑھ کر میرے باقی جسم کو بھی پتھر بنانا شروع
کر دیا۔ جب میں پوری طرح پتھر بن گئی تو میں امبا دیوی
کے بت کی شکل اختیار کر لوں گی اور اس بت کو
یہ پجاری لوگ یہاں سے اٹھا کر دکن کے پرانے
مندر میں لے جا کر رکھ دیں گے اور پھر سے میری
پوجا شروع ہو جائے گی۔"
ناگ نے پوچھا:

"تمہارے پتھر بننے میں ابھی کتنے دن باقی ہیں؟"
ماریا نے کہا:
"ان کے منتر بڑے تیز ہیں۔ ہو سکتا ہے میں چھ سات
دنوں کے بعد پتھر کا بت بن جاؤں۔"
ناگ نے کہا:
"اور یہ لڑکیاں یہاں کس لیے لائی گئی ہیں؟"
ماریا نے کہا:
"یہ سب امبا دیوی کے دکن والے پرانے مندر کو پھر
سے زندہ کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ یہ لڑکیاں ارد
گرد کے گاؤں کے دیہاتوں کی کنواری بچیاں ہیں
یہ خون خوار جوگی لوگ اپنے منتروں سے ان کے
گھر بار والوں کو بے ہوش کر کے انہیں اٹھا کر
لے آئے ہیں۔ ان لڑکیوں پر منتر پھونک کر انہیں
بے بس کر دیا جائے گا اور دکن والے امبا دیوی
کے مندر میں دیو داسیاں بنا کر رکھا جائے گا۔ یہ
مندر میں امبا دیوی کی آرتی اتاریں گی۔ اس کا سمرن
کریں گی اور اس کے بت یعنی میرے بت کے
آگے رقص کیا کریں گی۔"
ناگ نے پوچھا:

"اور یہ مہا ناگ سانپ کس لیے لایا گیا ہے؟"

ماریا کہنے لگی:

"جوگی لوگ مجھ پر امبا دیوی کے جو زبردست خفیہ منتر پڑھ پڑھ کر پھونک رہے ہیں یہ مہا ناگ سانپ بھی ان منتروں کا ایک حصّہ ہے۔ اس سانپ سے میرے جسم کو دن میں تین بار ڈسوایا جائے گا۔ میرے جسم میں جب ان کے منتروں کے ساتھ سانپ کا زہر داخل ہو گا تو میرے خون کے ذرّے جم کر ریت کے ذرّے بننا شروع ہو جائیں گے اور میں آہستہ آہستہ پتھر بنتی جاؤں گی۔"

ناگ حیرانی سے ماریا کی باتیں سن رہا تھا۔ سوائے ان دونوں کے اور کوئی تیسرا ان کی باتیں نہیں سن سکتا تھا۔

ناگ نے پوچھا:

"آخر یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟"

ماریا بولی:

"وہی جو میں تمہیں پہلے کہہ چکی ہوں۔ یہ امبا دیوی کے بت کو پھر سے مندر میں رکھ کر اس کی پوجا شروع کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے میری قربانی ضروری تھی۔ اس وقت میں ان جوگیوں اور پجاریوں کے

زبردست منتروں کی وجہ سے بالکل بے بس ہوں اگر تم نے مجھے یہاں سے نہ نکالا تو میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پتھر بن جاؤں گی اور پھر تم اور عنبر اگر مل کر بھی کوشش کرو تو مجھے دوبارہ زندہ انسانی شکل میں واپس نہ لا سکو گے۔"

ناگ نے کہا:

"میں تمہیں یہاں سے ضرور نکالوں گا۔ تم بالکل فکر نہ کرو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں تمہیں ان ظالم لوگوں کے حوالے کر دوں کہ یہ تمہیں پتھر کا بت بنا ڈالیں۔"

ماریا نے کہا:

"انہوں نے منتر شروع کر دیئے ہیں۔ یہ اب سانپ کو مجھے ڈسوانے کے لیے لا رہے ہیں۔"

ناگ نے دیکھا کہ پجاری اور جوگی اونچی آواز میں منتر پڑھتے ہوئے ہاتھی دانت کی اس چوکی کو ماریا کے پاس لے جا رہے تھے جس میں مہا ناگ سانپ کنڈلی مارے پھن اٹھائے بیٹھا تھا اور جس کے ساتھ ہی ناگ بھی سفید سانپ کی شکل میں کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ مظلوم لڑکیوں کو ایک قطار میں ماریا کے ارد گرد کھڑا کر دیا گیا تھا۔ ان کے سر جھکے

تھے اور انہوں نے ہاتھ باندھ رکھے تھے۔
ناگ نے اپنی زبان میں مہا ناگ سے کہا:
"اے مہا ناگ! کیا تو نے وہ باتیں سنی ہیں جو میں اور ماریا اپنی سانپوں کی زبان میں کر رہے تھے؟"
مہا ناگ بولا:
"ہاں عظیم ناگ دیوتا! میں نے آپ کی ساری گفتگو سنی ہے۔"
ناگ نے کہا:
"تو پھر اب میرا حکم غور سے سن! ہرگز ہرگز ماریا کے جسم میں اپنا زہر داخل مت کرنا۔"
مہا ناگ نے سر جھکا کر کہا:
"آپ جو حکم دیں گے ویسے ہی کروں گا۔ بھلا میری جرأت ہو سکتی ہے کہ میں ماریا بہن کے جسم میں اپنا زہر داخل کروں۔ بلکہ اگر آپ کہیں تو میں ان سب کو ایک ایک کر کے ڈس کر ہلاک کر دوں۔"
ناگ نے کہا:
"نہیں۔ ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ ابھی مجھے ماریا کو خفیہ منتر کا سراغ لگا کر پتھر کے چبوترے میں سے

اس کا آدھا دھڑ دوبارا زندہ کر کے باہر نکالنا ہے۔"
ناگ نے ماریا سے کہا:
"ماریا! تمہارے آدھے دھڑ کو زندہ کرنے کے لیے جو خفیہ منتر ہے کیا اس کے بارے میں مجھے تم کچھ بتا سکتی ہو؟"
ماریا نے جواب دیا:
"اس خفیہ منتر کا علم صرف رشی کلیش کو ہے جو کیلاش کی سب سے اونچی پہاڑی کی ایک کھوہ میں رہتا ہے۔ اس کی عمر دو سو سال ہے مگر وہ جوان آدمی کی طرح طاقت ور ہے۔ اس نے پہاڑی کھوہ سے اتر کر یہاں آ کر مجھ پر ایک منتر منہ ہی منہ میں پڑھ کر پھونکا تھا اور میرا آدھا دھڑ پتھر کا ہو گیا تھا۔"
ناگ نے کہا:
"میں اس سے منتر کا پتہ کر کے آؤں گا۔"
ماریا بولی:
"وہ بڑا خطرناک آدمی ہے ناگ! تم اس کے پاس مت جانا۔ وہ تمہیں بھی پتھر بنا دے گا۔"
ناگ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ پجاری نے مہا ناگ والی تھال

اٹھائی اور ماریا کے پاس لا کر بولا:

"اے مہا ناگ! پرم پتا شری رشی کیلش کے نام
پر اس زندہ عورت کو ڈسو اور اس کے جسم میں اپنا
پورا زہر داخل کر دو؛

مگر مہا ناگ تو عظیم دیوتا ناگ کے حکم کا پابند تھا۔ اس
نے اپنا پھن آگے لے کر ماریا کی گردن کے ساتھ اپنا منہ
لگایا اور ایسے ظاہر کیا جیسے اس نے ڈس دیا ہو اور پھن
پیچھے کر لیا۔ دوسری بار پھر پھن آگے لے جا کر ماریا کی
گردن پر جھوٹ موٹ کا ڈسا اور کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔
پجاری نے ماریا کی گردن پر سانپ کے دانتوں کے دو
ہلکے ہلکے نشان دیکھے تو اسے تسلی ہو گئی۔ پھر اس نے
دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر "امبا دیوی کی جے ہو" کا نعرہ لگایا
اور مہا ناگ کو واپس ساتھ والی چھوٹی سی کوٹھڑی میں بھجوا
دیا اور دیو داسیوں کو ماریا کے آگے رقص کرنے کا حکم دیا۔
لڑکیوں نے مجبوراً ناچنا شروع کر دیا۔ ماریا نے یہ دکھانے
کے لیے کہ زہر کا اثر شروع ہو گیا ہے اپنی آنکھیں بند کر
لیں اور سر کو ادھر ادھر ہلانے لگی۔ پجاری بڑے خوش ہوئے
اور انہوں نے بھی دوسرے جوگیوں کے ساتھ مل کر ترشول
لہرا لہرا کر رقص کرنا شروع کر دیا۔ ساتھ والی چھوٹی سی کوٹھڑی

میں مہا ناگ سانپ اور ناگ اکیلے رہ گئے تو ناگ نے
مہا ناگ سے کہا:

"سن اے مہا ناگ! میرے حکم سے ہمالیہ کے پہاڑوں
میں جتنے سانپ ہیں ان کو میرے جانے کے بعد یہاں
بلا اور کہہ کر سوائے مظلوم لڑکیوں کے جتنے بھی جوگی
اور پجاری یہاں پر ہیں ان سب کو جکڑ کر باندھ لیں
اور جب تک میں واپس نہ آؤں اسی طرح جکڑے
رکھیں؛

مہا ناگ نے کہا:

"جو حکم ناگ دیوتا! میں ابھی تمام سانپوں کو طلب
کرتا ہوں؛

ناگ چھوٹی کوٹھڑی سے رینگ کر باہر ماریا کے چبوترے
پر پیچھے سے گیا۔ لڑکیاں، پجاری اور جوگی دیوانوں کی طرح رقص
کر رہے تھے۔

ناگ نے ماریا سے کہا:

"ماریا! میں رشی کلیش کے خفیہ منتر کا پتہ چلانے
کیلاش پربت کی چوٹی پر جا رہا ہوں۔ فکر نہ کرنا۔
میں خفیہ منتر لے کر ہی واپس آؤں گا تا کہ تمہیں
اس مصیبت سے نجات مل سکے؛

ماریا نے کہا:

"جانے کیوں تمہیں وہاں بھیجتے ہوئے دل ڈرتا ہے۔
کہیں تم بھی میری طرح کسی مصیبت میں نہ
پھنس جاؤ"

ناگ بولا:

"اپنے دل میں اس قسم کے وہم مت لاؤ۔ میں
اس مہم سے چاہے یہ کتنی بھی خطرناک کیوں نہ
ہو کامیاب واپس لوٹوں گا۔"

یہ کہہ کر ناگ کوٹھڑی کی چھت پر سے رینگتا ہوا گڑھے
کی دیوار پر چڑھنے لگا۔ یہاں سے سیڑھی اوپر اٹھا لی گئی تھی
ناگ گڑھے میں سے نکل کر اوپر غار میں آ گیا۔ یہاں چار
آدمی پہرہ دے رہے تھے۔ ایک کی نظر ناگ پر پڑ گئی۔
کیوں کہ وہ سفید سانپ کے روپ میں تھا۔ اس نے
[illegible] ناگ [illegible] طرف پھینکی۔ ناگ تڑپ کر پرے ہٹ
گیا۔ اس پہرے دار نے سانپ سانپ کا شور مچا دیا۔
تینوں پہرے دار سانپ کی طرف حملہ کرنے کے لیے بھاگے
ناگ اتنا احمق نہیں تھا کہ ان کے ہاتھ آ جاتا۔ اس نے
وہیں ایک گہرا سانس بھرا اور دھاری دار بہت بڑے
شیر کی شکل اختیار کر کے اتنے زور سے گرجا کہ پہرے دار

دم دبا کر بھاگ گئے۔

ناگ شیر ہی کے روپ میں غار سے نکل کر کیلاش
پربت کی طرف روانہ ہو گیا۔ شیر بن کر جانے کا ایک فائدہ
یہ بھی تھا کہ وہ بڑی تیزی سے برف کی ڈھلانوں اور چٹانوں
کو پھلانگ سکتا تھا۔ دیکھتے دیکھتے وہ کیلاش پربت کی وادی
میں پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک برف پوش پتھریلا
راستہ اوپر کیلاش پربت کی سب سے اونچی چوٹی کو جا
رہا تھا۔ ناگ اس راستے پر چل پڑا۔ جب وہ آدھا راستہ
طے کر چکا تو اچانک ایک تیر سن کی آواز کے ساتھ اس
کے قریب سے نکل گیا۔ ناگ چوکنا ہو گیا۔ کیا دیکھتا ہے
کہ ایک شکاری پتھروں میں چھپا اس پر تیر چلا رہا ہے۔
ناگ نے سوچا کہ اس شکاری کو ذرا مزا چکھانا چاہیے۔
وہ ایک چھلانگ لگا کر پہاڑی کی دوسری طرف ہو گیا اور
آگے کا چکر کاٹ کر شکاری کے پیچھے نکل آیا۔ شکاری
تاک لگائے بیٹھا تھا۔ ناگ اس زور سے دھاڑا کہ شکاری
کی چیخ نکل گئی اور وہ گر پڑا۔ ناگ یہ دیکھ کر حیران رہ
گیا کہ وہ مرد نہیں بلکہ ایک عورت تھی جس کے بال
اس کے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔
ناگ نے ایک زقند بھری اور برف پوش پتھروں

غائب ہو گیا۔ عورت کی نظروں سے غائب ہوتے ہی ناگ
انسانی شکل میں واپس آ گیا۔ وہ بڑی تیزی سے اس جگہ پہنچا
جہاں شکاری عورت اپنے کپڑوں کو درست کر کے زمین
پر گرا ہوا تیر کمان اٹھا رہی تھی۔

ناگ نے پوچھا:

"میں نے ابھی ابھی شیر کی دھاڑ سنی تھی۔ کیا شیر نے
تم پر حملہ کیا تھا؟"

عورت نے کہا:

"ہاں! حملہ کیا تھا مگر بھگوان نے مجھے بچا لیا وہ خود
ہی ایک طرف کو بھاگ گیا۔"

ناگ نے کہا:

"اسے تم پر رحم آ گیا ہو گا۔ مگر تم نے اس پر تیر
کیوں چلایا تھا؟"

عورت نے تعجب سے پوچھا:

"تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں نے اس پر تیر چلایا تھا؟"

ناگ نے اپنی گھبراہٹ کو چھپاتے ہوئے فوراً کہا:

"میں نے ـــ میرا مطلب ہے۔ میں نے وہاں ایک
تیر پڑا ہوا دیکھا ہے جو تمہارے تیروں سے ملتا
جلتا ہے۔"

عورت بولی:

"ہاں ـــ میں نے تیر چلایا تھا۔ مگر وہ بچ گیا۔"

ناگ نے کہا:

"تم اس ویرانے میں کیا کر رہی ہو؟ تم کہاں رہتی
ہو۔ چلو میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آؤں۔"

عورت نے کہا:

"میں اوپر کیلاش کی چوٹی کے ایک غار میں رہتی
ہوں اور رشی کلیش کی خدمت کرتی ہوں۔ میں
اس کی دیو داسی ہوں۔"

ناگ رشی کلیش کے نام پر چونکا۔
یہ عورت اس مکار بڈھے کی دیو داسی تھی۔ اس سے
کام لیا جا سکتا تھا۔

ناگ نے کہا:

"مجھے رشی کلیش سے بڑی عقیدت ہے۔ میں
اس کا چیلا بننا چاہتا ہوں۔ کیا تم میری کچھ مدد
کر سکتی ہو؟"

"کوشش کروں گی۔ میرے ساتھ ساتھ آؤ۔"

اور ناگ اس دیو داسی کے پیچھے پیچھے کیلاش پربت
کی چوٹی کی طرف روانہ ہوا۔ دل میں یہ خیال لیے کہ اسے

جتنی جلدی ہو سکے رشی کلیش سے خفیہ منتر معلوم کر کے ماریا کو آزاد کرنا اور امبا دیوی کی مورتی حاصل کر کے واپس ۱۹۸۳ء کے زمانے میں بمبئی شہر جا کر شیلا کے حوالے کرنا ہے تا کہ اس کا خاندان موت سے بچ سکے!!

○

○ کیا ناگ خفیہ منتر حاصل کر سکا؟

○ کیا ماریا کا آدھا دھڑ زندہ ہوا؟

○ عنبر خلیفہ ہارون الرشید کے بغداد میں کس حالت میں پہنچا اور کیا ناگ اور ماریا امبا دیوی کی مورتی لے کر شیلا کے خاندان کو موت کے منہ سے بچا سکے؟

ان سوالوں کے جواب اگلی قسط ۵۹ "موت کا وعدہ" میں پڑھیے گا۔ آج سے اپنے قریبی بک سٹال سے طلب کریں۔

موت کا وعدہ

اے حمید

ناگ، ماریا اور عنبر کی واپسی

کے پانچ ہزار سالہ سفر کی سنسنی خیز داستان

موت کا وعدہ

اے حمید

ترتیب

قیمت ۵۰/۱۰ روپے

جملہ حقوق بحق [illegible] پبلشرز محفوظ ہیں
بار اول ـــــ ۱۹۸۳ء
ناشر: [illegible] شاہ عالم مارکیٹ لاہور
مطبع: [illegible] پرنٹرز لاہور

پیارے دوستو!

ناگ امبا دیوی کی مورتی اور ماریا کی تلاش میں کیلاش پربت کے ایک پہاڑی غار میں دیوداسی کے ساتھ مہارشی کے سامنے آتا ہے۔ ناگ کو یہاں ایک کڑی آزمائش سے گذرنا پڑتا ہے۔ مہا رشی نے لڑکیوں کے آدھے دھڑ پتھر کے کر رکھے ہیں۔ ناگ کو اس خفیہ منتر کا سراغ لگانے آیا ہے جس کی مدد سے وہ ماریا کے پتھر کے آدھے دھڑ کو پھر سے زندہ کر سکتا ہے۔ مہا رشی مہاناگ سانپ کو طلب کرتا ہے۔ وہ مہا رشی کے جادو کے اثر میں ہے اور ناگ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ ناگ عجیب مشکل میں پھنس جاتا ہے۔ لیکن وہ ایک سنسنی خیز ترکیب پر عمل کرتا ہے اور مہا رشی کے جادو کو توڑ ڈالتا ہے اور وہاں سے ماریا کو دوبارا زندہ کرنے کے لیے روانہ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟

یہ آپ خود پڑھ لیں گے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ کو
اس قسط کے سنسنی خیز دلچسپ اور قدم قدم پر حیرت
میں گم کر دینے والے واقعات سے دور رکھوں۔
جلدی سے ورق اُلٹ کر پڑھنا شروع کر دیں۔ اگلی قسط
میں آپ سے ملاقات ہو گی۔

آپ کا

اے حمید

○

مہاناگ کا زہریلا پھن

دیو داسی ناگ کو ایک سادھو کے پاس لے گئی۔
یہ سادھو ایک پہاڑی غار کے اندر سامنے آگ کا الاؤ
روشن کیے بیٹھا تھا۔ یہ بڑا موٹا تازہ تھا اور اس کی آنکھیں
اتنی سرخ تھیں کہ لگتا تھا ابھی خون ٹپکنے لگے گا۔ دیو داسی نے
سادھو کے آگے جا کر جھک کر ہاتھ جوڑے اور کہا:

"گورو دیو! یہ آدمی مہاراج رشی کلیش کا چیلا بننے آیا
ہے۔ کہتا ہے میں ان کے چرنوں میں رہ کر ان کی
ساری عمر خدمت کرنا چاہتا ہوں۔"

سادھو نے لال لال آنکھوں سے ناگ کو دیکھا۔ ناگ کو سادھو کی آنکھیں
اپنے جسم میں اترتی محسوس ہوئیں۔ لیکن آخر وہ بھی ناگ دیوتا
تھا۔ کوئی معمولی انسان نہیں تھا۔ اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ مگر
یہ ظاہر کرتا رہا کہ وہ ایک غریب آدمی ہے اور رشی کلیش
کا چیلا بننے آیا ہے۔ اسے اتنا یقین تھا کہ کوئی معمولی انسان
یہ نہیں جان سکتا کہ وہ ناگ ہے اور پانچ ہزار سال

ہے زندہ ہے اور تاریخ کے پرانے زمانے میں سفر کر رہا ہے۔ سادھو نے کڑک دار آواز میں کہا:

"تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟"

ناگ نے وہی کہانی سادھو کو بھی سنائی کہ وہ ہستنا پور سے رشی جی مہاراج کی تعریف سن کر ان کا چیلا بننے آیا ہے اور ایک غریب آدمی ہے۔

سادھو نے کہا:

مہا رشی کلیش کا چیلا بننا آسان کام نہیں ہے تمہیں اس کے لیے ایک کڑی آزمائش سے گزرنا ہو گا:

ناگ نے سوچا کہ خدا جانے یہ کڑی آزمائش کون سی ہو گی۔ لیکن وقت بڑا کم رہ گیا تھا۔ امبا دیوی کی مورتی حاصل کرنے اور اسے واپس بمبئی شہر میں شیلا کے پاس لے جانے میں پانچ دن باقی رہ گئے تھے۔ وہ ہر کڑی آزمائش کے لیے تیار تھا۔

اس نے کہا:

مہاراج! میں اس کڑی آزمائش کے لیے تیار ہوں:

سادھو نے دیو داسی سے کہا:

"اب تم جا سکتی ہو:

دیو داسی سلام کر کے واپس چلی گئی۔ سادھو نے ناگ کو ساتھ لیا اور غار کے اندر ایک کوٹھڑی میں لے گیا جہاں ایک پٹاری رکھی تھی۔ ناگ نے اسی وقت ایک سانپ کی بو سونگھی۔ پٹاری میں کالا سیاہ سانپ تھا۔ سانپ نے بھی پٹاری کے اندر ناگ دیوتا کی بو سونگھ لی تھی۔ وہ سلام کرنے کے لیے پٹاری سے باہر نکلنے ہی والا تھا کہ ناگ نے اپنی زبان میں اسے وہیں اپنی جگہ پر رہنے کے لیے کہا۔ پٹاری میں بند سانپ یہ حکم سن کر خاموش اور بے حس ہو گیا۔

سادھو نے پٹاری کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"اس پٹاری میں ایک ایسا زہریلا سانپ بند ہے جو اگر کسی کو کاٹ لے تو وہ پانی نہیں مانگتا اور وہیں مر جاتا ہے۔ تمہاری آزمائش یہ ہے کہ یہ سانپ تمہیں کاٹے گا۔ اگر تم اس کے کاٹنے کے بعد بھی زندہ رہے تو تمہیں مہا رشی کلیش جی کا چیلا بنا دیا جائے گا کیا تم اس آزمائش کے لیے تیار ہو؟"

ناگ نے کہا:

"ہاں۔ میں تیار ہوں:

سادھو کچھ حیران سا ہوا کہ یہ نوجوان اتنی جلدی اپنی موت کو گلے لگانے پر تیار ہو گیا ہے۔ مگر یہ رشی کلیش کا

سچا عقیدت مند ہے۔ مگر سادھو کو ناگ کی جوانی پر ترس
بھی آنے لگا۔ کیوں کہ اسے یقین تھا کہ سانپ کے کاٹنے
کے بعد یہ نوجوان زندہ نہ بچ سکے گا۔ اس نے ایک سونٹی
کی مدد سے پٹاری کا ڈھکنا اوپر اٹھا کر پرے پھینک دیا۔
ایک کالا سانپ پھنکار مار کر پٹاری سے نکلا اور پھن
اٹھا کر سادھو کی طرف بڑھا۔ سادھو اچھل کر پتھر کے اوپر
چڑھ گیا۔ ناگ نے اپنی خاموش زبان کے سگنل میں سانپ
سے کہا کہ وہ سادھو کو کچھ نہ کہے اور صرف ناگ کو آ کر
جھوٹ موٹ ڈس دے۔ سانپ نے کہا کہ میری یہ جرأت
نہیں ہو سکتی کہ میں عظیم ناگ دیوتا کے جسم کے ساتھ اپنا
منہ لگاؤں۔

ناگ نے غصّے میں کہا:

"بدبخت! اگر تم نے مجھے نہ ڈسا تو میں ابھی تمہیں
جلا کر بھسم کر دوں گا۔"

سانپ کانپ گیا۔ اس نے آہستہ آہستہ ناگ کی طرف
بڑھنا شروع کیا۔ سادھو پتھر کے اوپر کھڑا یہ منظر خوفزدہ
آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

اسے ناگ کی جوانی پر ایک بار پھر ترس آیا۔ مگر اس
کی موت اب لکھی جا چکی تھی۔ سانپ ناگ کے قریب آ کر

پھنکارا۔ اور اس نے ناگ کی اجازت لے کر اور اس
سے اپنی زبان میں ایک بار پھر معافی مانگ کر اس کی
ٹانگ پر ڈس دیا۔ ناگ کو اس کی زندگی میں پہلی بار
کسی سانپ نے ڈسا تھا۔ اس پر یہ اثر ہوا کہ سانپ
کا زہر ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصّے میں زخم سے نکل کر
باہر آ گیا۔ سانپ پر ناگ کے خون کا یہ اثر ہوا کہ
وہ تڑپ کر اچھلا تین چار قلا بازیاں کھائیں اور بھاگ کر
اپنی پٹاری میں چھپ گیا اور اس کا سارا جسم ہانپنے لگا۔

ناگ نے یونہی جھوٹ موٹ یہ ظاہر کیا کہ اس پر
سانپ کے زہر کا اثر ہونے لگا ہے اور وہ بے ہوش ہو
رہا ہے۔ وہ ایک بار گر بھی پڑا اور اس نے آنکھیں بھی
بند کر لیں۔ سادھو نے پٹاری بند کر دی تھی اور اب ناگ
کے پاس کھڑا افسوس کر رہا تھا۔

"نوجوان! میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ تم اس
آزمائش پر پورے نہیں اتر سکو گے۔ مگر اب کیا
ہو سکتا ہے۔ تمہارے دن پورے ہو گئے ہیں۔"

یہ کہہ کر سادھو واپس جانے لگا تو ناگ نے اسے آواز
دے کر کہا:

"رشی کلیش! میری محبت کو کوئی زہر ہلاک نہیں

نہیں کر سکتا۔ ہر آزمائش پر میری محبت پورا اترے گی۔"
سادھو نے حیرانی سے ناگ کو دیکھا جس پر سانپ کے
زہر نے کوئی اثر نہیں کیا تھا۔ وہ بھی مان گیا کہ واقعی اس
نوجوان کو رشی کلیش سے جو عقیدت ہے اس نے سانپ
کے زہر کو شکست دے دی ہے۔

سادھو نے ناگ سے کہا:

"تم آزمائش میں کامیاب ہو گئے ہو۔ میں تمہیں
مہا رشی کلیش کے پاس لے جا رہا ہوں۔ وہ
تمہیں اپنا چیلا بنا لیں گے۔"

سادھو نے ناگ کو ساتھ لیا اور غار سے نکل کر پہاڑی
راستے پر اوپر کو چلنے لگا۔ کافی دور اوپر جا کر پہاڑی کی
چوٹی پر ایک تنگ منہ والا غار آیا جس میں سے ناگ اور
سادھو کو جھک کر گزرنا پڑا۔ اس غار میں ناگ نے دیوار
کے ساتھ ساتھ خوب صورت لڑکیوں کے پتھر کے بت
بنے ہوئے دیکھے جو بالکل زندہ لگ رہے تھے۔

ناگ نے سادھو سے پوچھا:

"یہ بت کس نے بنائے ہیں؟"

سادھو بولا:

"یہ بت کسی نے نہیں بنائے۔ یہ اصلی زندہ لڑکیاں
تھیں۔ مہا رشی کی دیو داسیاں تھیں جن سے کسی
بات پر ناراض ہو کر مہا رشی نے ایسا منتر پھونکا کہ
وہ پتھر کے بت بن گئیں۔"

ناگ کو یقین آ گیا کہ اگر یہ مہا رشی زندہ کو پتھر بنا سکتا
ہے اور کسی خفیہ منتر کے پڑھنے سے پتھر کے بت کو
دوبارہ زندہ بھی کر سکتا ہے۔ سادھو ناگ کو لے کر غار
میں ایک ایسی جگہ پر آ گیا جہاں ایک پتھر کے ایک
چبوترے پر بیٹر کی کھال بچھی تھی۔ اس پر ایک ہٹا کٹا جوان
سادھو گیروے کپڑے پہنے آلتی پالتی مارے آنکھیں بند کیے
بیٹھا تھا۔ اس کے آگے آگ کا الاؤ روشن تھا۔ اس کے
پاس ہی ایک پتھر پر پھیلے ہوئے پھن والے سانپ کا بت
رکھا ہوا تھا۔ یہ بہت سفید پتھر کا بنا ہوا تھا۔

سادھو نے ناگ کے کان میں کہا:

"یہ مہا رشی کلیش ہیں۔ جھک کر سلام کرو۔"

ناگ نے جھک کر سلام کیا اور ہاتھ باندھ کر ادب
سے کھڑا ہو گیا۔

مہا رشی کلیش نے اپنی سرخ آنکھیں کھولیں اور ناگ
کی طرف دیکھ کر کہا:

"تم آزمائش میں پورے اترے ہو۔ مجھے معلوم ہو گیا

ہے۔ سانپ نے تمہارے خون پر کوئی اثر نہیں کیا۔
میں تمہیں اپنا چیلا بناتا ہوں۔"

ناگ نے کہا:

"مہارشی! میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ نے مجھے اپنا چیلا بنایا۔"

مہارشی نے سادھو سے کہا:

"تم جا سکتے ہو۔ اس نوجوان کو میرے پاس رہنے دو۔"

سادھو نے جھک کر سلام کیا اور الٹے پاؤں غار سے واپس نکل گیا۔

مہارشی نے ناگ سے کہا:

"بیٹھ جاؤ۔"

ناگ وہیں بیٹھ گیا۔ مہارشی کچھ دیر ناگ کو بڑے غور سے دیکھتا رہا۔ پھر بولا:

"سچ سچ بتاؤ تم کون ہو اور یہاں کیا کرنے آئے ہو؟"

پہلے تو ناگ سمجھا کہ اس شخص کو سب معلوم ہو گیا ہے کہ وہ اصل میں کون ہے اور وہاں کس مطلب کے لیے آیا ہے۔ پھر اس نے سوچا کہ ہو سکتا ہے مہارشی کو کچھ بھی معلوم نہ ہو سکا ہو۔

اُس نے کہا:

"مہاراج! میں ہستنا پور کا ایک غریب کسان ہوں۔ میں نے آپ کی تعریف سنی تو آپ سے عقیدت ہو گئی اور دل نے کہا کہ چل کر آپ کی خدمت کروں۔ میں صرف آپ کی خدمت کرنے آیا ہوں۔"

مہارشی نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاموش بیٹھا گھور کر ناگ کو تکتا رہا۔ پھر بولا:

"تم پہلے انسان ہو جو میرے چیلے بنے ہو اور جس پر ہمالیہ کے سب سے زہریلے سانپ کے زہر نے اپنا اثر نہیں کیا۔ اس کا مطلب ہے کہ بھگوان نے تمہیں غیر معمولی طاقت عطا کر رکھی ہے۔ بھگوان نے مجھے بھی غیر معمولی طاقت دے رکھی ہے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں اپنی طاقت کا بھی راز بتا دوں تو تمہیں میرے ہر حکم پر عمل کرنا ہوگا۔ کیا تم اس پر تیار ہو؟"

ناگ نے جھٹ کہا:

"میں آپ کا ہر حکم مانوں گا۔ مہاراج! آپ بے شک مجھے آزما کر دیکھ لیں۔"

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ رشی کلیش کے پاس

انسان کو پتھر بنانے اور پھر سے زندہ کرنے کا خفیہ منتر موجود
تھا مگر اس کے پاس اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ سانپ
کے زہر کو بے اثر کر سکے۔ مہا رشی یہ طاقت حاصل کرنے
کے لیے ایک وظیفہ کر رہا تھا۔ وہ وظیفہ یہ تھا کہ وہ ایک
دیو داسی کو ایک سانپ سے ڈسوا رہا تھا۔ دیو داسی کو کچھ
معلوم نہیں تھا کہ اسے ایک زہریلے سانپ سے منتر پڑھ کر
ڈسوایا جا رہا ہے۔ جب دیو داسی کو پندرہ دن سانپ ڈسے
گا تو وہ پتھر کی بن جائے گی۔ مہا رشی نے پھر اس پتھر
بنی ہوئی دیو داسی کو غار میں پتھر بنی دیو داسیوں کے جو
دوسرے بت پڑے تھے ان کے ساتھ رکھ دینا تھا۔ یہ
اس کے چلّے کا آخری بت تھا۔ آخری دیو داسی کو سانپ
ڈسوانے کا وہ آخری دن تھا۔ اس کے بعد اسی روز رات
کو دیو داسیوں کے تمام بتوں کو مہا ناگ سانپ سے ایک
ایک کر کے ڈسوانا تھا جس سے ساری دیو داسیوں کے پتھریلے
بت جل کر راکھ ہو جاتے۔ اس راکھ کو مہا رشی نے اپنے
جسم پر ملنا تھا۔ اس کے بعد مہا رشی ایک ہزار برس
تک زندہ رہ سکتا تھا۔ بس یہی وہ چاہتا تھا۔ اس کے لیے
مشکل یہ تھی کہ وہ چھوٹے سانپ پر منتر پڑھ کر اسے
اپنے سے دور رکھ سکتا تھا مگر مہا ناگ سانپ پر اس

کا منتر نہیں چلتا تھا۔ وہ مہا رشی کو ڈس کر ہلاک کر
سکتا تھا۔ چنانچہ جب اس نے دیکھا کہ ناگ پر زہر کا
کوئی اثر نہیں ہوا تو اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ
اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ چنانچہ اس نے ناگ سے کہا،
"میرے ساتھ رہو۔ تمہیں آج رات میرا ایک حکم
بجا لانا ہو گا۔ پھر تم کو میں اپنی طاقت عطا کر
دوں گا۔"

حالانکہ مہا رشی نے دل میں فیصلہ کر رکھا تھا کہ جب
وہ ناگ سے اپنا کام نکلوا لے گا تو اسے منتر پڑھ کر جلا
کر راکھ کر دے گا۔

ناگ نے کہا:

"میں آپ کا ہر حکم مانوں گا مہاراج!"

"شاباش! اب رات کا اندھیرا پھیلنے کا انتظار کرو۔"

ناگ وہیں مہا رشی کے سامنے آگ کے الاؤ کے
پاس بیٹھ گیا۔ مہا رشی نے آنکھیں بند کر لیں اور گیان دھیان
کرنے لگا۔ جب رات کا اندھیرا پھیل گیا تو مہا رشی نے
آنکھیں کھول کر کہا:

"اب وقت آ گیا ہے۔ جو کچھ میں کروں خاموشی سے
دیکھتے رہو۔ خبردار بیچ میں بولنا مت۔ اپنے ہونٹوں

کو بند رکھنا:"

ناگ نے ہاتھ باندھ کر کہا:

"ایسا ہی ہوگا مہاراج!"

مہا رشی نے تالی بجائی۔ غار کے ایک دروازے میں سے ایک خوب صورت لمبے بالوں والی دیو داسی داخل ہوئی مہا رشی کے پاس آکر اس نے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور پھر رقص کرنے لگی۔ رقص کرنے کے بعد جب اس کا جسم پسینے میں شرابور ہو گیا تو وہ مہا رشی کے سامنے آکر لیٹ گئی۔ مہا رشی نے تھوڑی دیر بعد ہاتھ اٹھا کر اس کے جسم پر سہ[illegible] کیا اور کہا:

"اب تم بے ہوش ہو چکی ہو۔ یہ تمہاری زندگی کی آخری رات ہے۔ اب تم سورگ میں بھی جاؤ گی۔"

مہارشی اپنی جگہ سے اُٹھا۔ اس نے منہ ہی منہ میں کچھ منتر پڑھے اور سانپ کے اس بت پر پھونکے جو اس کے پاس ہی رکھا ہوا تھا۔ منتر کی پھونک سے سانپ میں جان پڑ گئی اور وہ رینگتا ہوا مہارشی کی طرف آیا۔ مہا رشی نے ہاتھ سے بے ہوش دیو داسی کی طرف اشارہ کیا۔ سانپ دیو داسی کے پاس گیا اور پھر چونکا اور ناگ کی طرف دیکھا۔

ناگ نے اپنی خاص زبان میں اسے حکم دیا کہ مہارشی نے اسے جو کہا ہے وہ کرے۔ سانپ نے ناگ کے حکم کو مانتے ہوئے دیو داسی کی گردن پر ڈس دیا۔ ایک بار ڈسا۔ پھر دوسری بار اور تیسری بار ڈسا۔ دیو داسی کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور پھر وہ بے حس ہو گیا۔ سانپ رینگتا ہوا واپس چبوترے پر آکر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔ مہا رشی نے اس پر منتر پڑھا اور وہ پھر پتھر بن گیا۔

اب مہا رشی نے دیوداسی کے جسم پر کپڑا ڈال دیا اور آنکھیں بند کر کے منہ میں کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ ناگ خاموش بیٹھا یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ دس منٹ کے بعد مہا رشی نے آنکھیں کھول دیں اور ناگ کی طرف دیکھ کر بولا:

"اس دیو داسی کے اوپر سے کپڑا اٹھاؤ اور دیکھو کہ میری خفیہ طاقت کی وجہ سے یہ کیا بن گئی ہے۔"

ناگ نے آگے بڑھ کر دیو داسی کے اوپر سے کپڑا ہٹایا تو وہ چونک پڑا۔ کیوں کہ دیو داسی جو ایک لمحے پہلے زندہ تھی اور رقص کر رہی تھی اب پتھر بن چکی تھی۔ مہارشی بولا: "آؤ اب اسے اٹھا کر دوسری دیو داسیوں کے بتوں

کے ساتھ غار کی دیوار کے ساتھ لگا دیتے ہیں۔"

مہارشی نے ناگ کے ساتھ مل کر دیو داسی کے بت کو اٹھایا اور غار کی دیوار کے ساتھ جو دوسری دیو داسیوں کے بت لگے تھے ان کے پاس لا کر کھڑا کر دیا۔

مہارشی کی طرف دیکھ کر کہا:

"اب تمہیں جو کام کرنا ہو گا میں وہ بتاتا ہوں۔ میں ایک خاص منتر پڑھوں گا۔ اس کی وجہ سے ہمالیہ پربت کا سب سے زہریلا اور سانپوں کا بادشاہ مہا ناگ سانپ یہاں آ جائے گا۔ میں پتھروں کے پیچھے چھپ جاؤں گا۔ وہ تمہیں ڈسنے کی کوشش کریگا اور تم پر حملہ کرے گا۔ چونکہ تم پر سانپ کے زہر کا اثر نہیں ہوتا اس لیے اگر وہ سانپ تمہیں ڈس بھی دے تو تمہارا کچھ نہیں بگڑے گا۔ مگر میرے سارے منتر اس پر بے کار ہیں اور وہ مجھے ہلاک کر سکتا ہے۔ تم اس سے بچنے کی کوشش کرنا۔ پھر یہ مہاناگ سانپ باری باری ان تمام دیو داسیوں کو ڈسے گا۔ مہا ناگ کے منہ سے زہر نکل کر جب پتھر کے بتوں پر گرے گا تو ساری دیو داسیوں کے بت شدید گرمی سے پگھل کر راکھ بن جائیں گے۔ بس

مجھے اس راکھ کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد میرا چلہ پورا ہو جائے گا۔ کیا تم تیار ہو؟"

"میں تیار ہوں گورو دیو!" ناگ نے کہا۔

"میرے ساتھ آؤ!"

مہارشی واپس سانپ کے بت کے پاس اپنے چبوترے پر جا کر بیٹھ گیا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے ایک بار پھر منتر پڑھنے شروع کر دیئے۔ تھوڑی دیر بعد ناگ نے مہاناگ سانپ کی بُو محسوس کی۔ وہ سمجھ گیا کہ وہاں سے دُور نیچے جس گڑھے کے اندر وہ ماریا کے پاس مہا ناگ کو چھوڑ آیا تھا وہاں سے وہ چل کر آ گیا ہے۔ اتنے میں غار میں مہا ناگ نمودار ہوا۔

اس نے ناگ کو دیکھا تو اپنی زبان میں بولا:

"عظیم ناگ! میں اس مہا رشی کے جادو میں بندھا ہوا یہاں آ گیا ہوں۔ لیکن اگر تم حکم دو تو میں اسے جب یہ منتر پڑھ چکے تو ہلاک کر دوں؟"

ناگ نے کہا:

"نہیں۔ ایسا نہیں کرنا۔ مجھے ابھی اس سے وہ خفیہ منتر معلوم کرنا ہے جس کی مدد سے ماریا کو پھر سے زندہ کرنا ہے۔ تم جس طرح یہ کہتا ہے۔

اسی طرح کرو۔"

جب مہا ناگ غار میں آ گیا تو مہا رشی نے آنکھیں
کھول دیں اور اٹھ کر اپنے گرد ایک دائرہ بنا لیا اور
ناگ سے کہا،

"اے میرے چیلے! اب تم اس مہا ناگ کو ساتھ
لے کر دیو داسیوں کے بتوں کے پاس جاؤ اور
اسے کہو کہ یہ ایک ایک کر کے سارے بتوں
کو ڈسے۔"

ناگ نے مہا ناگ سے کہا:

"اے مہا ناگ! میرے ساتھ چلو اور دیو داسیوں کے
پتھر کے بتوں کو ایک ایک کر کے ڈس دو۔"

مہا ناگ آگے آگے چل کر دیو داسیوں کے بتوں کے پاس
آ گیا۔ یہاں آ کر اس نے ناگ سے کہا،

"عظیم ناگ! میں نے ان دیو داسیوں کے بتوں
کو ڈسا تو یہ جل کر راکھ ہو جائیں گی اور اس
راکھ کو اپنے جسم پر مل کر یہ مہا رشی ایک ہزار
برس کے لیے زندہ ہو جائے گا۔ جب اس کا
یہ مطلب نکل جائے گا تو تمہیں یہ خفیہ منتر
نہیں بتائے گا۔ اس لیے اس سے جو شرط منوانی

ہے ابھی منوا لو۔ پھر یہ تمہارے ہاتھ نہیں آئے
گا۔ اس وقت اس کو تم سے غرض ہے۔"

مہا ناگ نے بڑے پتے کی بات کہی تھی
ناگ نے کہا،

"پھر اس سلسلے میں تم میری مدد کرو۔"

مہا ناگ نے کہا،

"اس کے جادو کی وجہ سے میں اس دائرے کے
اندر داخل نہیں ہو سکتا جو اس نے اپنے اردگرد
کھینچ رکھا ہے۔ تم کسی طرح اسے دائرے سے باہر
نکال لاؤ۔ پھر میں سنبھال لوں گا۔"

ناگ نے کچھ دیر غور کیا اور کہا:

"ایک ترکیب میرے ذہن میں آئی ہے۔"

اس کے ساتھ ہی ناگ نے زور سے چیخ ماری اور
زمین پر گر پڑا۔ مہا رشی نے وہیں اپنے اردگرد کھینچے ہوئے
دائرے کے اندر بیٹھے بیٹھے آواز دی۔

"کیا ہوا؟"

ناگ نے چلا کر کہا:

"مجھ پر مہا ناگ نے حملہ کر دیا ہے۔ مجھے بچاؤ۔"

مہا رشی نے کہا:

"میں یہاں سے باہر آیا تو وہ مجھ پر بھی حملہ کر دیگا۔"

ناگ نے جواب دیا:

"آپ باہر نہ آئے تو آپ کا چلّہ پورا نہ ہو سکے گا۔ مہا ناگ کسی دیو داسی کے بُت کو نہیں ڈسے گا۔ اس نے مجھے جکڑ رکھا ہے۔"

ناگ کے کہنے پر مہا ناگ نے ناگ کو لپیٹ لیا تھا۔

مہا رشی اب مجبور ہو گیا کہ اپنے دائرے سے نکل کر ناگ کی مدد کرے۔ جوں ہی وہ اپنے دائرے سے باہر نکلا، مہا ناگ نے اچھل کر مہا رشی کو دبوچ لیا اور اس کے جسم کو اپنے کنڈل میں جکڑ لیا اور اپنا پھن اس کی گردن پر رکھ دیا۔ مہا رشی تھر تھر کانپنے لگا اور اسے پسینہ آ گیا۔

ناگ اب اس کے سامنے آ گیا۔ اس نے کہا:

"اے رشی کلیش! یہ مہا ناگ میرے حکم میں ہے میں اسے جو کہوں گا وہی کرے گا۔ اگر تم چاہتے ہو کہ یہ تمہاری جان بخشی کر دے اور تمہیں ڈس کر ہلاک نہ کرے تو مجھے وہ خفیہ منتر بتاؤ جسے پڑھ کر تم پتھر بنی ہوئی انسانی مورتی کو پھر سے زندہ کر دیتے ہو۔"

مہا رشی تو ناگ کا یہ روپ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ سمجھ گیا کہ اس کے ساتھ گہری سازش کی گئی ہے۔ مگر اب وہ مجبور تھا۔

اسے اپنی جان کی فکر پڑ گئی تھی۔ مہا ناگ سانپ اپنا شکنجہ کس رہا تھا اور بار بار زبان نکال رہا تھا۔

مہا رشی نے کہا:

"مہا ناگ سے کہو کہ مجھے نہ ڈسے۔ میں تمہیں خفیہ منتر بتائے دیتا ہوں۔"

ناگ نے کہا:

"تم مجھے خفیہ منتر بتاؤ اور فکر نہ کرو مہا ناگ تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔ لیکن اگر تم نے مجھ سے دھوکہ کیا اور غلط منتر بتایا تو یاد رکھو مہا ناگ تمہیں زندہ نہ چھوڑے گا۔"

مہا رشی بولا:

"میں دھوکہ نہیں کروں گا۔ وعدہ کرتا ہوں۔"

ناگ نے کہا:

"تو پھر پہلے منتر پڑھ کر دیو داسی کے بت کو زندہ کرو۔"

مہا رشی کلیش نے اب بلند آواز میں ایک منتر پڑھنا شروع کیا۔ یہ پرانی سنسکرت زبان کا ایک اشلوک تھا جو ناگ کی سمجھ میں آ گیا۔ کیونکہ وہ دنیا کی پرانی سے پرانی زبان بھی سمجھ سکتا تھا۔ مہا رشی نے منتر پڑھ کر دیو داسی کے

ایک بت پر پھونک ماری۔ پتھر کے بت میں جان پڑ
گئی۔ دیو داسی زندہ ہو گئی۔ اس نے آنکھیں کھول کر مہارشی
کو سانپ کے شکنجے میں دیکھا تو چیخ مار کر وہاں سے بھاگ
گئی۔ اب ناگ نے خود وہ ہی خفیہ منتر پڑھ کر باری
باری دیو داسیوں کے دوسرے بتوں پر پھونکا۔ ان سب
بتوں میں جان پڑ گئی۔ ساری دیو داسیاں مہاناگ اور مہارشی
کو دیکھ کر وہاں سے شور مچاتی بھاگ گئیں۔

مہارشی نے کہا:

"اب تمہیں خفیہ منتر بتا دیا گیا ہے۔ مجھے اس مہاناگ
سے نجات دلاؤ"

ناگ نے کہا:

"نہیں ابھی ایک شرط باقی ہے"

ناگ نے کہا:

"وعدہ کرو کہ تم کسی انسان کو اب پتھر نہیں بناؤ گے؟"

مہارشی نے کہا:

"میں وعدہ کرتا ہوں"

مہاناگ بولا:

"ناگ دیوتا! اس شخص کا کوئی اعتبار نہیں"

ناگ نے کہا:

"مجھے اعتبار کرنا ہی پڑے گا مہاناگ! سوائے اعتبار
کرنے کے میں اور کیا کر سکتا ہوں"

مہاناگ نے جواب دیا:

"اس کا علاج میرے پاس ہے"

یہ کہہ کر مہاناگ نے اپنا پھن مہارشی کے پاؤں کے
قریب لا کر اس کے دونوں پاؤں پر باری باری ڈس دیا۔ مہارشی
کی چیخ نکل گئی۔ مہاناگ نے اسے چھوڑ دیا۔

ناگ نے کہا:

"یہ تم نے کیا کر دیا؟ اسے ہلاک نہیں کرنا تھا۔
یہ میرے وعدے کے خلاف بات ہے"

مہاناگ نے کہا:

"عظیم ناگ دیوتا! میں نے اس کے جسم میں جو زہر
داخل کیا ہے اس سے یہ ہلاک نہیں ہوگا۔ بلکہ
یہ وہ زہر ہے جو یہ شخص ایک سانپ کی مدد سے
دیو داسیوں کے جسموں میں داخل کر کے انہیں
آہستہ آہستہ پتھر بنا رہا تھا۔ میں نے اس کے جسم
میں اتنا زہر داخل کر دیا ہے کہ اب یہ آہستہ
آہستہ پتھر نہیں بنے گا"

ناگ نے کہا:

"پھر کیا ہوگا اس کے ساتھ؟"

مہاناگ نے جواب دیا:

"یہ ابھی آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔"

مہارشی زہر کی وجہ سے خوف زدہ ہو کر بھاگ کر چبوترے پر چلا گیا اور منتر پڑھ کر اپنے ارد گرد ایک اور دائرہ کھینچنے لگا۔ لیکن اس کے ہاتھ کی حرکت سست پڑنے لگی۔ اسے اپنے جسم میں خون جمتا محسوس ہوا۔ مہارشی سمجھ گیا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ وہ چیخ مار کر وہاں سے بھاگنے لگا تو اس کا ایک پاؤں آگے کو اٹھا ہوا رہ گیا۔ اس کا وہ پاؤں پتھر کا ہو گیا تھا۔ اس نے دوسرا پاؤں زمین سے اٹھانے کی کوشش کی تو وہ بھی پتھر بن چکا تھا۔ اس نے چلا کر کہا:

"تم لوگوں نے میرے ساتھ ظلم کیا ہے۔"

ناگ نے کہا:

"تم نے خدا جانے کتنی عورتوں کے ساتھ ظلم کیا ہے اور انہیں انسانوں سے پتھر بنا دیا ہے۔ اب اپنے کیے کی سزا بھگتو۔"

مہارشی نے کہا:

"میں نے جتنی زندہ عورتوں کو پتھر بنایا تھا۔ وہ

ساری کی ساری زندہ ہو کر یہاں سے چلی گئی ہیں۔"

ناگ نے کہا:

"مگر تمہارے منتر کی وجہ سے وہ ایک عورت جو آدھی پتھر بن چکی ہے ابھی زندہ نہیں ہوئی۔"

مہارشی بولا:

"تم کو میں نے خفیہ منتر بتا دیا ہے بھگوان کے لیے تم منتر پڑھ کر اسے بھی زندہ کر دو۔"

ناگ نے کہا:

"جب وہ عورت زندہ ہو جائے گی تو تمہاری دونوں پتھر کی ٹانگوں میں بھی جان پڑ جائے گی۔"

یہ کہہ کر ناگ نے مہاناگ کو ساتھ لیا اور غار سے باہر نکل آیا۔ مہارشی اپنی پتھر کی ٹانگوں پر وہاں کھڑے کا کھڑا انہیں حسرت سے جاتے ہوئے دیکھتا رہ گیا۔ غار سے باہر آ کر ناگ مہاناگ سانپ کے پھن کے اوپر بیٹھ گیا اور مہاناگ نے ہوا میں اڑنا شروع کر دیا۔ وہ سیدھا وادی کے غار کے اندر گڑھے میں آ گئے۔ یہاں مہاناگ کے حکم سے ہمالیہ پربت کے سارے سانپوں نے پجاریوں اور سادھوؤں کو جکڑ رکھا تھا اور وہ خوف کے مارے کانپ رہے تھے۔ ناگ مہاناگ سانپ کے پھن پر سے اتر کر نیچے آ گیا۔ ماریا ناگ

کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی پوچھنے لگی :

"کیا تم کامیاب لوٹے ہو ناگ ؟"

"ہاں ماریا"

اور ناگ نے خفیہ منتر پڑھ کر ماریا پر پھونکا تو ایک ہلکے سے دھماکے کی آواز آئی اور ماریا غائب ہو گئی جس پتھر کے چبوترے میں اس کی ٹانگیں گڑھی ہوئی تھیں وہ ٹوٹ پھوٹ کر بکھر گیا اور ناگ نے دیکھا کہ وہاں امبا دیوی کی وہ مورتی پڑی تھی جو شیلا کے گھر سے ماریا کے ساتھ ہی غائب ہو گئی تھی۔ ناگ آگے بڑھ کر امبا دیوی کی مورتی کو اٹھانے لگا تھا کہ اس نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ اسے ماریا کی آواز آئی :

"اسے اٹھا لو ناگ! اب یہ تمہیں کچھ نہیں کہے گی۔ یہ تمہارے قابو میں آ چکی ہے۔ تم اسے جو کہو گے وہی کرے گی۔ اس کا جادو ہم دونوں کے لیے ختم ہو چکا ہے۔"

ناگ نے کہا :

"خدا کا شکر ہے کہ تم زندہ ہو ماریا۔ میں تو تمہیں غائب ہونے سے پریشان ہو گیا تھا۔"

ماریا بولی :

"میں زندہ ہوں اور پھر اپنی اصلی حالت پر واپس آ گئی ہوں۔ اس مورتی کو اٹھا لو اور چلو اسے جا کر شیلا کو واپس کریں۔"

ناگ نے مورتی اٹھا لی۔ سارے پجاری اور سادھو یہ سب کچھ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ اُدھر ماریا کے زندہ ہوتے ہی کیلاش پربت پر مہا رشی کی ٹانگوں میں بھی جان پڑ گئی تھی اور اس نے خدا کے آگے ہاتھ جوڑ کر توبہ کر لی کہ وہ آئندہ کبھی کسی انسان کو منتر پڑھ کر پتھر کا بت نہیں بنائے گا۔

ناگ نے مہا ناگ سے کہا :

"میں اور ماریا اب یہاں سے جاتے ہیں۔ ہمیں ابھی ایک اور فرض پورا کرنا ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ تم جو چاہو سلوک کرو"

یہ کہہ کر ناگ گڑھے میں سے باہر نکل گیا۔ باہر آ کر اس نے ماریا سے پوچھا :

"تم میرے ساتھ ہو ماریا ؟"

"ہاں ۔۔۔ کیا تمہیں میری خوشبو نہیں آ رہی ناگ ؟"

"آ رہی ہے۔ پھر بھی میں تمہاری آواز سننا چاہتا تھا"

ناگ نے مسکرا کر کہا۔ وہ دونوں پہاڑ کے غار سے

باہر نکل آئے۔ مورتی ناگ کے ہاتھ میں تھی۔ اس کی آنکھوں میں ہیرے جڑے تھے۔ اور دونوں ہاتھ پیچھے کو اٹھے ہوئے تھے۔ وہ دونوں پہاڑ پر برف کے راستوں سے اتر کر نیچے وادی میں آ گئے۔

یہاں پہنچ کر ناگ نے ماریا سے کہا:

"اب ہمیں واپس شیلا کے پاس جانا ہو گا۔"

ماریا نے کہا:

"لیکن شیلا ہمارے زمانے سے دو ہزار برس آگے ۱۹۸۳ء کے زمانے میں زندگی بسر کر رہی ہے سوال یہ ہے کہ ہم اس کے زمانے میں کیسے پہنچیں۔"

ناگ نے امبا دیوی کی مورتی کے بارے میں ساری کہانی ماریا کو سنائی اور کہا:

"ہمارے پاس صرف دو روز باقی رہ گئے ہیں۔ اگر ہم یہ مورتی لے کر دو دنوں کے اندر اندر شیلا کے پاس ۱۹۸۳ء کے زمانے کے بمبئی شہر نہ پہنچے تو اُن کے خاندان کے لوگ مرنا شروع ہو جائیں گے۔"

ماریا بولی:

"وقت تو بڑا کم رہ گیا ہے اور پھر ہم اپنی مرضی سے نہ آگے کے زمانے میں جا سکتے ہیں اور نہ پیچھے کے

زمانے میں آ سکتے ہیں۔ ہم تو وقت کے ہاتھوں مجبور ہیں ناگ بھیا!"

ناگ بولا:

"یہی بات تو مجھے پریشان کر رہی ہے لیکن ہمیں اس کا کوئی نہ کوئی حل تلاش کرنا ہو گا اور وہ بھی دو دنوں کے اندر اندر۔"

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد ناگ نے ماریا سے کہا کہ چلو یہاں سے تو نکلتے ہیں۔ بعد میں سوچ لیں گے کہ ہمیں دو ہزار برس آگے کے زمانے میں کیسے جانا ہو گا اور وہ دونوں ہمالیہ کی پہاڑی وادی میں میدانوں کی طرف روانہ ہو گئے۔

○

وقت کا غار

مارا اور ناگ سارا دن وادی میں سفر کرتے رہے۔

اب صرف ایک دن باقی رہ گیا تھا۔ ناگ پریشان تھا۔ شام ہوئی تو وہ ایک دریا کے کنارے پہنچ کر ذرا دم لینے کو بیٹھ گئے۔ تھکاوٹ تو انہیں کبھی بھی نہیں ہوئی تھی۔ بس ناگ چاہتا تھا کہ کسی جگہ بیٹھ کر غور کرے کہ واپس دو ہزار برس آگے جانے کے لیے کیا ہو سکتا ہے۔ جب سے انہوں نے اپنا پانچ ہزار سال کا واپسی کا سفر شروع کیا تھا ایسا ایک بار بھی نہیں ہوا تھا۔ کہ وہ اپنی مرضی سے دو چار سو برس آگے یا چھ سات سو برس پیچھے چلے گئے ہوں۔ یہ ان کی اپنی مرضی نہیں ہوتی تھی بلکہ قدرت جب چاہتی اچانک انہیں کسی حادثے کے ساتھ تاریخ میں کچھ سو برس پیچھے یا آگے پھینک دیتی تھی۔ مگر اب انہیں خود دو ہزار برس آگے جانے کی ضرورت پڑ گئی تھی۔

ناگ اور ماریا ۱۹۸۳ء کے زمانے میں جا کر واپس آئے

تھے۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ دنیا ترقی کر کے ۱۹۸۳ء کے زمانے میں پہنچ چکی ہے اور وہ دو ہزار برس پیچھے تاریخی زمانے میں دھکیل دیے گئے ہیں اب انہیں کوئی ایسا ذریعہ چاہیے تھا جو انہیں دو ہزار برس آگے لے جاتا۔

امبا دیوی کی مورتی ناگ کے پاس تھی۔ ماریا اس کے قریب ہی گھاس پر بیٹھی تھی۔ ناگ اسے دیکھ تو نہیں سکتا تھا مگر اسے اس کی خوشبو برابر آ رہی تھی۔ ماریا کی خوشبو ہی ناگ کے لیے اسے دیکھنے کے برابر تھی۔

سورج غروب ہو گیا۔ اور رات کا اندھیرا جنگل میں چاروں طرف چھا گیا۔ جہاں ناگ اور ماریا بیٹھے ہوئے تھے وہاں ان سے کوئی پچاس گز کے فاصلے پر ایک پہاڑی کی چڑھائی شروع ہوتی تھی۔ اس پہاڑی میں جہاں چڑھائی شروع ہوتی تھی وہاں دو نوکیلی چٹانوں کے درمیان ایک راستہ بنا ہوا تھا۔ یہ راستہ پہاڑی کے اندر جاتا تھا۔ اس قسم کے کھوہ اور پہاڑی غار وہاں عام دیکھنے میں آتے تھے۔ چنانچہ ناگ اور ماریا نے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ وہ واپسی کے سفر کے بارے میں آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ ناگ کہہ رہا تھا کہ صرف کل کا دن بیچ میں رہ گیا ہے اگر واپس جانے کا کوئی ذریعہ نہ بن سکا تو ساری محنت ضائع ہو

جائے گی اور امبا دیوی کی مورتی واپس لینے کے لیے جتنی تکلیف
اٹھائی ہے وہ کسی کام نہیں آئے گی اور شیلا کے گھر کی تباہی
شروع ہو جائے گی۔

اتنے میں ناگ کو اندھیرے جنگل کی گہری خاموشی میں ایسی
آواز سنائی دی جیسے گھوڑا ہنہنایا ہو۔ آواز ایسی تھی جیسے کسی
بند جگہ سے آئی ہو۔

ناگ نے ماریا سے کہا:

"تم نے گھوڑے کی آواز سنی ہے ماریا؟"

"ہاں۔ میں نے سنی ہے۔ مگر یہاں کوئی گھوڑا دکھائی
نہیں دیتا۔"

جنگل میں اگرچہ بڑا گہرا اندھیرا چھا گیا تھا لیکن ماریا اور
ناگ اندھیرے میں اچھی طرح دیکھ لیتے تھے۔ ناگ نے چاروں
طرف نظر دوڑائی۔ آس پاس کہیں کوئی گھوڑا نہیں تھا۔

ناگ نے کہا:

"تم نے محسوس کیا کہ آواز کسی بند جگہ سے آئی تھی۔"

ماریا بولی:

"وہ سامنے چٹانوں کے درمیان جو غار ہے کہیں
وہاں سے تو نہیں آئی؟"

ناگ بولا:

"مگر اس غار میں گھوڑا کس نے باندھ رکھا ہو گا۔
ہم تو شام سے یہاں بیٹھے ہیں۔ کم از کم ہمارے سامنے
تو کوئی گھوڑ سوار اس غار میں نہیں گیا۔"

ماریا کہنے لگی:

"یہ کوئی بات نہیں، ہو سکتا ہے کوئی گھوڑ سوار دوپہر
ہی سے وہاں آرام کر رہا ہو۔"

ابھی ماریا نے بات ختم ہی کی تھی کہ چٹانوں کے درمیان
جو غار دکھائی دے رہا تھا۔ اس میں سے ایک عورت کی
چیخ کی آواز آئی۔ اور اس کے ساتھ ہی گھوڑا زور سے ہنہنایا
اور پھر اندھیرے میں ایک گھوڑ سوار گھوڑا دوڑاتا غار میں
سے نکلا اور ناگ کے قریب سے ہو کر آگے نکل گیا۔ اس
نے ایک عورت کو بالوں سے پکڑ کر اپنے آگے بٹھا رکھا تھا
اور وہ چیخیں مار رہی تھی۔ ناگ اور ماریا چونک کر اٹھ
کھڑے ہوئے۔ گھوڑ سوار نے درختوں میں ایک چکر لگایا اور
ایک بار پھر گھوڑا دوڑاتا ناگ اور ماریا کے سامنے سے گزر
کر اسی غار کے اندھیرے میں داخل ہو گیا۔ عورت کی چیخوں کی
آوازیں غار سے آ رہی تھیں۔

ناگ نے ماریا سے کہا:

"ہمیں اس عورت کی مدد کرنی چاہیے۔"

ماریا نے کہا:

"چلو غار میں چلتے ہیں۔"

اور ناگ اور ماریا بھاگ کر غار میں داخل ہو گئے۔ پہلے تو غار میں انہیں کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔ عورت کی چیخوں کی آوازیں اب بہت دور سے آ رہی تھیں۔

ناگ نے کہا:

"آوازیں اندر سے آ رہی ہیں۔ میرے ساتھ آؤ۔"

وہ دونوں غار میں آگے بڑھتے گئے۔

ماریا نے کہا:

"یہ کس قسم کا اندھیرا ہے کہ ہمیں بھی کچھ دکھائی نہیں دیتا۔"

ناگ بولا:

"ایسا اندھیرا میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ میں آگے بڑھ رہا ہوں۔ تم میرے ساتھ رہنا۔"

ماریا کہنے لگی:

"عورت کی چیخوں کی آوازیں اب اور دُور ہو گئی ہیں۔ یہ غار کتنا لمبا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

"لیکن ہمیں اس عورت کی مدد کرنی ہے ماریا! وہ مصیبت میں ہے۔"

ناگ نے کہا اور غار میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد انہیں ہلکی روشنی دکھائی دینے لگی۔ یہ روشنی ایسی تھی جیسے غبار سا پھیلا ہوا ہو۔ روشنی کا ہلکا ہلکا غبار۔

"یہ روشنی کہاں سے آ رہی ہے؟" ماریا نے کہا۔

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔" ناگ بولا۔

پھر اس نے غار میں ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"وہ دیکھو ماریا! روشنی اس دیوار سے آ رہی ہے۔"

ماریا بولی:

"عورت کے چیخنے کی آوازیں بھی اسی طرف سے آ رہی ہیں۔"

وہ غار کے پتھروں میں سے ہوتے ہوئے اس دیوار کے پاس آ گئے۔ جہاں سے روشنی کا ہلکا ہلکا غبار سا بلند ہو رہا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ غار کی دیوار پر ایک چوکھٹا لگا ہوا ہے۔ جیسے بڑی تصویروں کا ہوتا ہے جو دیوار پر لگی ہوتی ہیں اور اس چوکھٹے میں روشنی ہو رہی ہے۔ ماریا اور ناگ نے آگے بڑھ کر غور سے دیکھا تو انہیں دیوار کی اس تصویر کے اندر وہی گھوڑ سوار دکھائی دیا جو درختوں میں گھوڑا دوڑا رہا تھا اور عورت اس نے آگے دبوچ رکھی تھی عورت اسی طرح چیخ رہی تھی اور گھوڑ سوار اسے بالوں سے پکڑ کر بار بار جھنجھوڑ رہا تھا۔ پھر وہ ناگ اور ماریا کے

دیکھتے دیکھتے درختوں میں غائب ہو گیا اور عورت کی چیخوں کی آواز آنا بند ہو گئی۔

ماریا حیرانی سے بولی:

"یہ دیوار کے اندر تصویر میں کیا ہو رہا ہے؟ یہ تو زندہ تصویر ہے۔"

ناگ جو ٹکٹکی باندھے غار کی دیوار پر چوکھٹے کے اندر چلتی پھرتی تصویر کو دیکھ رہا تھا بولا:

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہاں کسی نے جادو کر رکھا ہے۔"

ماریا نے کہا:

"دیکھو ناگ! تصویر میں درختوں کے پتے ہوا میں جھوم رہے ہیں۔"

ناگ نے کہا:

"اور وہ دیکھو درختوں میں ایک رتھ بھاگا جا رہا ہے۔"

"یہ کیا راز ہے ناگ؟" ماریا نے پوچھا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

ماریا نے کہا:

"اس تصویر کے اندر چل کر معلوم کریں کہ یہ کیا

راز ہے؟"

ناگ نے جواب دیا:

"ہمیں سوچ سمجھ کر اس جادو کی تصویر کے اندر قدم رکھنا ہوگا۔ کہیں کسی نئی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔"

ناگ نے دیوار پر لگی اس جادو کی تصویر کے چوکھٹے کو ہاتھ سے ٹٹولا۔ وہ پتھر کا چوکھٹا تھا۔ مگر اس کے اندر درخت، انسان، گھوڑے اور درختوں کی شاخیں — ہر شے زندہ اور چلتی پھرتی تھی۔ صبح کی روشنی ہو رہی تھی اور ہوا چل رہی تھی۔ ناگ نے ہاتھ اوپر کر کے اوپر والے حصے کو ٹٹولنا چاہا تو اچانک امبا دیوی کی مورتی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر تصویر کے اندر گر پڑی۔

ناگ نے پریشان ہو کر کہا:

"مورتی گر گئی ماریا۔"

"کہاں؟" ماریا نے کہا۔

"وہ — وہ دیکھو — تصویر کے اندر۔ میں اسے اٹھا کر لاتا ہوں۔ گھاس پر پڑی ہے۔"

"نہیں ناگ بھیا! تصویر کے اندر مت جانا۔" ماریا چلائی۔

ناگ نے کہا:

"مجھے کچھ نہیں ہوتا ماریا۔ میں ابھی مورتی لے کر

تمہارے پاس واپس آتا ہوں۔ مورتی کا واپس لانا
بہت ضروری ہے۔"

اور یہ کہہ کر ناگ چوکھٹے پر پاؤں رکھ کر تصویر کے اندر
اتر گیا۔ تصویر کے اندر اترتے ہی ناگ کو یوں لگا جیسے وہ
کسی بہت زیادہ گہرائی میں اتر آیا ہے۔ اسے اوپر کچھ نظر نہیں
آ رہا تھا۔ اسے وہ چوکھٹا بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا جس
میں سے وہ ابھی نیچے اترا تھا۔ مگر ماریا اسے دیکھ رہی
تھی ناگ اسے کافی نیچے گیا ہوا دکھائی دے رہا تھا
اور تصویر کا ایک حصہ لگ رہا تھا۔ ناگ نے نیچے جاتے
ہی مورتی اٹھا لی اور اوپر دیکھتے ہوئے بولا:

"ماریا! تم کہاں ہو؟"

ماریا نے کہا:

"میں تصویر کے باہر غار میں کھڑی ہوں۔"

ناگ بولا:

"مجھے نہ غار نظر آ رہا ہے نہ تصویر کا چوکھٹا دکھائی
دے رہا ہے۔ میں اوپر کیسے آؤں؟"

ماریا نے کہا:

"میں نیچے آ کر تمہاری مدد کرتی ہوں۔"

ناگ نے کہا:

"نہیں نہیں ماریا نیچے مت آنا۔ نہیں تو تم بھی
میری طرح یہاں پھنس کر رہ جاؤ گی۔"

ماریا نے جواب دیا:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے بھیا کہ تم مصیبت میں پھنس
جاؤ اور میں تمہاری مدد نہ کروں۔ میں آ رہی ہوں۔"

اور ماریا نے بھی تصویر میں چھلانگ لگا دی:

ناگ کو اپنے قریب ماریا کی تیز خوشبو محسوس ہوئی۔

"میں آ گئی ہوں ناگ" ماریا نے کہا:

ناگ بولا:

"مجھے معلوم ہو گیا ہے۔ اوپر دیکھو۔ کیا تمہیں وہ غار
اور تصویر کا چوکھٹا نظر آ رہا ہے جہاں سے ہم
آئے ہیں؟"

ماریا نے اوپر نگاہ ڈالی۔ اسے وہاں سوائے درختوں اور
اس کے اوپر صبح کی روشنی میں روشن ہوتے آسمان کے
سوا اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

ماریا کہنے لگی:

"ناگ! غار اور تصویر کا چوکھٹا غائب ہو گئے
ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ہم کسی اور ہی دنیا میں آ گئے ہیں۔"

ناگ بولا:

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ مگر اب دیکھنا یہ ہے کہ ہم کون سی دنیا میں آ گئے ہیں اور یہ زمانہ کون سا ہے؟"

ماریا نے کہا:

"ان لوگوں کے لباس اور وضع قطع سے محسوس ہوتا ہے کہ ہم فرعون مصر کے بعد کے زمانے میں آ گئے ہیں۔"

ناگ نے سر پکڑ لیا:

"اب کیا ہو گا۔ یوں لگتا ہے کہ ہم اور پیچھے چلے گئے ہیں اور مورتی واپس پہنچانے میں صرف ایک دن باقی رہ گیا ہے۔ یعنی آج کا دن۔"

ماریا نے کہا:

"ہم نے غلطی کی ناگ۔ ہمیں اس غار میں داخل نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

"اب تو ہم اس میں داخل ہو چکے ہیں ماریا بہن! یہ سوچو کہ یہاں سے نکلیں کیسے؟" ناگ نے جواب دیا۔

اتنے میں وہ کیا دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ بھاگے چلے آ رہے ہیں۔ ان کے پیچھے زرہ بکتر پہنے ہوئے سپاہی گھوڑے دوڑاتے ان کا قتل عام کرتے آ رہے ہیں۔ تلواریں لوگوں

کے سر کاٹ رہی ہیں۔ چیخ و پکار مچی ہے۔ لوگ ان کے قریب سے ہو کر بھاگ رہے ہیں۔ سپاہی انہیں نیزوں، تیروں اور تلواروں سے ہلاک کر رہے ہیں۔

ماریا نے چلا کر کہا:

"ناگ ایک طرف ہٹ جاؤ۔ یہ سپاہی تمہیں بھی ہلاک نہ کر دیں۔"

ناگ درخت کی اوٹ میں ہو گیا۔ مگر اس کو محسوس ہو گیا تھا کہ وہ کسی کو نظر نہیں آ رہا۔ یہ بھی ایک عجیب تجربہ تھا۔ تھوڑی دیر میں ہی لوگوں کی لاشیں لگ گئیں اور سپاہی گھوڑے دوڑاتے آگے نکل گئے۔

"یہ کون لوگ تھے؟ یہ کون سا شہر ہے؟" ناگ نے کہا۔

ماریا نے ابھی جواب نہیں دیا تھا کہ ایک سنہری رتھ جس کے پہیے چاندی کے تھے اور جس کے آگے دو سفید گھوڑے جتے ہوئے تھے ناگ کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس رتھ کو خوب صورت آسمانی آنکھوں والی ایک حسین عورت چلا رہی تھی۔ اس کے سنہری بال کھلے تھے اور ہوا میں لہرائے تھے اور اس کے سبز لباس پر سفید موتی جڑے ہوئے تھے۔

ماریا نے ناگ کے قریب آ کر سرگوشی کی:

"یہ تو اس ملک کی شہزادی لگتی ہے۔"

اس عورت نے کہا:

"میں اس ملک کی نہیں بلکہ تاریخ کے ہر دور ہر زمانے اور ہر ملک کی شہزادی ہوں ماریا۔"

ماریا چونک پڑی:

"کیا تم میرا نام جانتی ہو؟"

شہزادی نے کہا:

"میں تمہارا نام ہی نہیں جانتی بلکہ تمہیں دیکھ بھی رہی ہوں۔ میں ناگ کا بھی نام جانتی ہوں اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تم اور ناگ امبا دیوی کی مورتی لے کر ایک خاندان کے لوگوں کی جانیں بچانے کے لیے کہاں جانا چاہتے ہو۔"

ناگ حیران بھی ہوا اور خوش بھی ہوا۔ کہنے لگا:

"اے تاریخ کی حسین شہزادی! ہمیں یہ بتا کہ ہم کس زمانے میں آ گئے ہیں اور یہاں یہ کیسا قتلِ عام ہو رہا ہے۔"

شہزادی نے کہا:

"تم لوگ ھینی بال کے زمانے میں آ گئے ہو اور یہ بابل کا شہر ہے اور ھینی بال نے اس شہر کو فتح کر لیا ہے اور اس کے سپاہی لوگوں کو بے دریغ

قتل کر رہے ہیں۔ آگے جا کر یہ خونیں واقعات تاریخ بن جائیں گے۔ تم دونوں جلدی سے میرے رتھ پر سوار ہو جاؤ۔ ابھی تمہیں بہت کچھ دیکھنا ہے اور تاریخ کے بہت سے زمانوں سے گذرنا ہے۔"

ناگ نے کہا:

"لیکن ہم ۱۹۸۳ء کے زمانے میں جانا چاہتے ہیں۔"

شہزادی بولی:

"تاریخ میں واپس جانے پر تمہارا کوئی اختیار نہیں ہے۔ لیکن اگر تم لوگ میرے رتھ پر سوار رہے۔ نیچے ہرگز نہ اترے اور میری ہدایت پر عمل کرتے رہے تو میں تمہیں تاریخ کے ان خونخوار واقعات سے نکال کر ۱۹۸۳ء کے ہندوستان میں لے جاؤں گی۔ اب جلدی سے میرے رتھ پر سوار ہو جاؤ۔ ابھی تک ان سپاہیوں نے تمہیں نہیں دیکھا مگر کوئی پتہ نہیں کہ یہ جادو کب ٹوٹ جائے اور تم انہیں نظر آ جاؤ۔ پھر یہ تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ جلدی سے میرے رتھ پر آ جاؤ۔"

ماریا اور ناگ لپک کر رتھ پر سوار ہو گئے۔ سنہری بالوں والی شہزادی نے گھوڑوں کو شُشکارا اور رتھ ہوا سے

باتیں کرنے لگا۔

ماریا نے پوچھا:

"اے تاریخ کی حسین شہزادی! تمہارا نام کیا ہے؟"

سنہری بالوں والی شہزادی نے کہا:

"میں تمہیں اپنا نام نہیں بتا سکتی۔ کیوں کہ تم تاریخ میں پیچھے کی طرف سفر کر رہے ہو۔"

ناگ نے کہا:

"اگر تم ہم دونوں کو جانتی ہو تو پھر عنبر کو بھی ضرور جانتی ہو گی۔"

شہزادی کہنے لگی:

"اس سلسلے میں تم سے کوئی بات کرنے کی مجھے اجازت نہیں ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تم خاموش رہو۔ تمہیں ابھی وقت کے غار میں سے نکل کر بہت آگے جانا ہے۔"

ناگ خاموش ہو گیا۔ امبا دیوی کی مورتی اس کے پاس تھی۔ ماریا اس کے قریب ہی رتھ میں کھڑی تھی اور سنہری بالوں والی شہزادی کا رتھ تاریخ کی پراسرار شاہراہ پر وقت کے غار میں سے ہو کر اڑتا چلا جا رہا تھا۔ وہ ایک کچی سڑک پر جا رہے تھے۔ اس سڑک پر دونوں جانب اونچے اونچے

درخت تھے۔ سڑک پر درختوں کے سائے پڑ رہے تھے۔ اچانک سامنے بادل کا ایک سیاہ ٹکڑا آتا دکھائی دیا۔ اس سیاہ بادل میں بجلیاں روشن سانپوں کی طرح لہرا رہی تھیں۔ بادل کا یہ ٹکڑا ان کی طرف چلا آ رہا تھا۔

ناگ نے کہا:

"یہ بادل زمین پر کیسے اتر آیا؟ یہ ہماری طرف آ رہا ہے۔"

ماریا بولی:

"اس میں بجلیاں چمک رہی ہیں۔ ہمیں اس سے بچنا چاہیے۔"

شہزادی کہنے لگی:

"اگر تم اسی طرح بات بات پر گھبراتے اور اعتراض کرتے رہے تو پھر اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکو گے۔ تم میرے ساتھ ہو۔ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ دیکھتے جاؤ اور خاموش رہو۔"

اب بادلوں کی کڑک بھی سنائی دینے لگی۔ رتھ سڑک پر بادلوں کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔ اور بادلوں کا گولا بڑی تیزی سے رتھ کی طرف چلا آ رہا تھا۔ اور پھر ناگ اور ماریا کا رتھ کالے بادلوں کے بجلیاں برساتے کڑکتے گولے کے اندر داخل

ہو گیا۔ ایک پل کے لیے ناگ اور ماریا کو یوں محسوس ہوا
جیسے کسی نے ان کے اوپر اندھیرے کی سیاہ چادر ڈال دی
ہے۔ عجیب بات تھی کہ بجلیاں ان کے اوپر نیچے دائیں بائیں
کڑک رہی تھیں مگر انہیں کچھ نہیں ہو رہا تھا۔ ان بجلیوں
کی روشنی ایک لمحے کو چکا چوند کر کے غائب ہو جاتی تھی۔

ناگ نے ماریا کو آواز دے کر کہا،

"میرے ساتھ ہو ناں تم ماریا؟"

"میں تمہارے ساتھ ہوں ناگ" ماریا کی آواز آئی۔

ناگ نے شہزادی کی طرف دیکھا۔ بجلی چمکی تو اسے شہزادی
کے سنہری بال ہوا میں اڑتے نظر آئے۔ اور پھر آہستہ آہستہ
بادلوں کی تاریکی کم ہونے لگی۔ بادل پیچھے ہٹتے گئے اور رتھ
صبح کی روشنی میں نکل آیا۔ اب وہ رتھ ایک پتھریلی سڑک
پر جا رہا تھا جس کی دونوں جانب اونچے اونچے سرو کے درخت
اور سنگ مرمر کے ستون کھڑے تھے۔ ان ستونوں اور
درختوں کے درمیان لمبے لمبے سفید چغے پہنے عورتیں اور آدمی
چہل قدمی کر رہے تھے۔

سنہری بالوں والی شہزادی نے کہا:

"ہم اس وقت یونان میں داخل ہو گئے ہیں اور اس
کے شہر کورنتھ سے گزر رہے ہیں۔ اس وقت یہاں

سکندر اعظم کی حکومت ہے اور سکندر اعظم کی فوجیں
دنیا کو فتح کرنے کی تیاریاں کر رہی ہیں۔"

ماریا اور ناگ نے آس پاس یونانی عورتوں اور مردوں کو
دیکھا کہ باغ میں سیریں کر رہے تھے۔ پھر انہیں کھیتوں میں غلام
کام کرتے دکھائی دیئے۔ طوفانی رتھ ان کے درمیان سے
گزرتا چلا گیا۔ رتھ کے سفید گھوڑے بڑی تیزی سے بھاگ
رہے تھے۔ جب وہ شہر سے نکل کر جنگل میں آئے تو سامنے
ایک بہت بڑے پتھر کی محراب والا دروازہ تھا۔ اس دروازے
پر ایک سرخ رنگ کا بہت بڑا پردہ گرا تھا۔

ناگ نے پوچھا،

"یہ دروازہ کیسا ہے؟"

شہزادی نے کہا:

"یہ وقت کا دروازہ ہے۔"

"کیا ہم اس میں داخل ہوں گے؟" ماریا نے پوچھا۔

"ہاں" شہزادی نے کہا۔

اور ان کا رتھ بڑے محرابی دروازے کے پردے کے
پاس پہنچا تو پردہ اپنے آپ ایک طرف ہٹ گیا اور
رتھ ایک میدان جنگ میں داخل ہو گیا۔ جہاں فوجیں ایک
دوسرے سے جنگ کر رہی تھیں۔ ایک بہت اونچے قلعے

کی دیوار پر سپاہی سیڑھیوں کی مدد سے چڑھنے کی کوشش
کر رہے تھے اور اوپر سے ان پر کھولتا ہوا گرم پانی پھینکا
جا رہا تھا۔ سپاہی چیختے ہوئے نیچے گر رہے تھے۔ ہر طرف
تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ تلواریں چل رہی تھیں۔ گھوڑے
اپنے سواروں کو لے کر گر رہے تھے۔

شہزادی نے کہا:

"گھبرانا نہیں۔ تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔"

ناگ نے پوچھا:

"یہ کون سا میدانِ جنگ لگا ہے؟"

شہزادی نے کہا:

"اب ہم رومن زمانے میں داخل ہو گئے ہیں یہ
شہنشاہ نیرو کا دور ہے جو ایک پاگل رومن بادشاہ
ہے اور جو آج سے ٹھیک دس دن بعد روم کو
آگ لگا دے گا۔ یہ اس کی فوجیں دشمن کے ایک
قلعے پر حملہ کر رہی ہیں۔"

اچانک ایک جلتا ہوا تیر میدان جنگ سے اڑتا ہوا
آیا اور رتھ میں آ کر گرا۔ ناگ اسے پکڑ کر پھینکنے لگا تو
شہزادی نے اسے روکتے ہوئے کہا:

"اس کو ہاتھ مت لگانا۔"

پھر شہزادی نے تیر کو اٹھا کر دور پھینک دیا۔ رتھ ابھی
میدان جنگ میں سے ہی گذر رہی تھی۔ حیرانی کی بات یہ
تھی کہ رتھ نہ تو میدان جنگ میں کسی دوسرے رتھ سے
ٹکرا رہا تھا اور نہ جنگ میں لڑتے ہوئے سپاہی کو
رتھ کی خبر تھی۔ پھر اچانک ایک زخمی سپاہی گھوڑے پر سے
تیر کھا کر گرا اور رتھ میں آ پڑا۔ اس نے پھٹی پھٹی
آنکھوں سے سنہری بالوں والی شہزادی اور ناگ کو دیکھا
اور چیخ مار کر رتھ سے چھلانگ لگا دی۔

شہزادی نے مسکراتے ہوئے ناگ سے کہا:

"جانتے ہو اس نے چیخ کیوں ماری تھی؟"

"کیوں؟" ناگ نے پوچھا۔

شہزادی بولی:

"ہم چونکہ وقت میں ہزاروں سال پیچھے سفر کر رہے
ہیں۔ اس لیے ہم اس وقت مر چکے ہیں اور اس
سپاہی کو ہم دونوں ہڈیوں کے ڈھانچوں کی طرح
نظر آئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اس نے
ہڈیوں کے دو انسانی ڈھانچوں کو رتھ چلاتے دیکھا تو
چیخ مار کر چھلانگ لگا دی۔"

رتھ میدانِ جنگ سے باہر نکل آیا۔

اب سامنے ایک دریا آ گیا۔

ناگ نے کہا:

"کیا ہم دریا پار کر سکیں گے؟"

شہزادی نے کہا:

"تم دیکھتے چلو۔"

اور رتھ دریا کے پانی کی سطح پر یوں دوڑنے لگا جیسے وہ شیشے کے میدان میں دوڑ رہا ہو۔ نہ پانی اس پر اثر کر رہا تھا اور نہ گھوڑے پانی میں ڈوب رہے تھے۔ رتھ دریا کے پار نکل کر ایک پہاڑی کے پاس آ کر موڑ کاٹنے لگا۔

شہزادی نے کہا:

"جب ہمارا رتھ پہاڑی کا یہ موڑ کاٹ کر دوسری طرف جائے گا تو ہم خلیفہ ہارون الرشید کے دور میں داخل ہو چکے ہوں گے۔"

رتھ پہاڑی کا چکر کاٹ کر ایک صحرا میں آ گیا جہاں کھجوروں کے جھنڈ دکھائی دیئے۔

ماریا نے ناگ سے کہا:

"مجھے عنبر کی خوشبو آ رہی ہے۔"

ناگ نے سانس لیا تو فضا میں عنبر کی خوشبو تھی۔

پیارے بچو! آپ پڑھ چکے ہیں کہ عنبر کپتان اور اس کے خزانے کی تباہی کے بعد ہارون الرشید کے زمانے میں آ گیا تھا اور دو آدمی اسے ساتھ لے کر اُونٹوں پر سوار بغداد جا رہے تھے تاکہ عنبر کو وہاں پکڑوا کر ہارون الرشید کے دربار سے انعام حاصل کریں اور عنبر کو ان کی اس سازش کی کوئی خبر نہیں تھی۔

چنانچہ جب ناگ اور ماریا کا رتھ بغداد کے صحرا سے گذرا تو اس وقت عنبر اپنے دو سازشی ساتھیوں کے ہمراہ اونٹ پر سوار وہاں سے تھوڑے ہی فاصلے پر سے گذر رہا تھا۔

ناگ نے کہا:

"خوشبو عنبر کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے وہ یہیں کہیں اسی زمانے میں ہے۔"

شہزادی نے کہا:

"مگر تم عنبر سے نہیں مل سکتے۔ تم میں سے جس نے بھی یہاں اُترنے کی کوشش کی وہ دوبارا اس رتھ میں سوار نہ ہو سکے گا۔"

ناگ نے کہا:

"ہم نہیں اتریں گے۔"

اسے معلوم تھا کہ وہ امبا دیوی کی مورتی لے کر
رہا ہے اور وقت بہت کم رہ گیا ہے۔ اگر وہ عنبر
ملنے کے لیے یہاں اتر گیا تو شیلا کا سارا خاندان ایک
کر کے موت کا شکار ہو جائے گا۔ اور ماریا ناگ کو اکی
نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ رتھ ہوا سے باتیں کرتا اڑتا چلا
رہا تھا۔ اب عنبر کی خوشبو نہیں آ رہی تھی۔ ماریا یہ چاہ
تھی کہ ناگ کو اس کی منزل پر پہنچا کر اس کے ساتھ ہی
سنہری بالوں والی شہزادی کی مدد سے واپس خلیفہ ہارون الرشید
کے زمانے میں آ جائے اور عنبر سے دونوں ملاقات کر سکیں
رتھ صحراؤں میں سے نکلا تو اسے نیلی دھند نے گھیر لیا۔
شہزادی نے کہا:
"گھبرانا نہیں۔ ہم ایک بار پھر نئے زمانے میں
داخل ہو رہے ہیں"
نیلی دھند ان کے چاروں طرف پھیل گئی۔ جب دھند
کم ہوئی تو ناگ اور ماریا کو لوگوں کا شور سنائی دیا۔ پھر
انہیں لوگوں کا ایک ہجوم دکھائی دیا جو ایک عورت کو
چھکڑے پر لادے ایک طرف لیے جا رہا تھا۔
"یہ عورت کون ہے شہزادی؟" ماریا نے پوچھا۔
شہزادی بولی:

"یہ عورت جون آف آرک ہے اور یہ لوگ
اسے زندہ جلانے کے لیے لے جا رہے ہیں تم
اس وقت فرانس میں سے گذر رہے ہو یہ وہ
زمانہ ہے جب فرانس اور انگلستان کی آپس میں
جنگ چھڑی ہوئی ہے"
ماریا بولی:
"مگر یہ عورت بڑی محب وطن اور نیک ہے۔ اس
کے ساتھ لوگ ظلم کر رہے ہیں"
شہزادی نے کہا:
"تمہارا کام تاریخی واقعات کو صرف دیکھنا ہے۔ اس پر
اعتراض کرنا نہیں۔ تاریخ ہمیں یہی بتاتی ہے کہ
جون آف آرک کو زندہ جلا دیا گیا تھا اور تم اسے
زندہ جلانے سے روک نہیں سکتے۔ تم تاریخ کے ان
واقعات کو جو ہو چکے ہیں جھٹلا نہیں سکتے"
شہزادی کا رتھ سڑک پر دوڑتا چلا گیا۔ وہ پرانے فرانس کے
شہروں اور جنگلوں سے گذرتا ہوا ایک دریا کے پل پر آ گیا۔
شہزادی نے کہا:
"یہ وقت کا دریا ہے۔ اس دریا کی دوسری طرف
وقت ایک بار پھر تبدیل ہو جائے گا۔ اس دفعہ

بھی تم ایک جنگ کا نقشہ دیکھو گے۔ مگر یہ جنگ
تلواروں سے نہیں بلکہ بموں، مشین گنوں اور ہوائی
جہازوں سے لڑی جا رہی ہو گی۔ یہ دوسری عالمی
جنگ کا زمانہ ہو گا جو جرمنی کے ڈکٹیٹر ہٹلر اور
انگریزوں کے ساتھ لڑی جا رہی ہو گی ابھی جنگ
شروع ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گذرا ہو گا۔
تمہیں بہت زیادہ دھماکے سنائی دیں گے۔ بموں
کے گولوں کے دھماکے۔ ان کے جھٹکے بھی لگیں
گے۔ اس لیے رتھ کو مضبوطی سے پکڑے رکھنا۔
اگر تم اس رتھ پر سے گر پڑے تو پھر اس پر
دوبارا سوار نہ ہو سکو گے اور اسی زمانے میں
رہ جاؤ گے۔"

ناگ نے ماریا سے کہا کہ وہ رتھ کی فولادی ہتھی
کو مضبوطی سے پکڑے۔ ناگ نے خود بھی دوسری ہتھی کو
پکڑ لیا۔ رتھ جونہی پل کی دوسری جانب آیا بموں کے دھماکے
اور مشین گنوں کی تڑ تڑ شروع ہو گئی۔

شہزادی نے کہا:

"گھبرانا نہیں۔ تمہیں کوئی گولی نہیں لگے گی۔ تمہیں
صرف توپ کے گولے اور بم کے دھماکے سے جو

جھٹکا لگتا ہے اس سے اپنے آپ کو بچانا ہو گا۔"

رتھ ایک جنگل میں سے گذر رہا تھا جس کے درخت بموں
کی تباہ کاریوں سے ٹوٹے اور جلے ہوئے تھے۔ زمین میں بڑے
بڑے گڑھے پڑ چکے تھے۔ ان کے داخل ہونے سے پہلے
ہوائی حملے کا الارم ہو چکا تھا اور اتحادیوں یعنی انگریزوں اور
امریکیوں کے بمبار ہوائی جہاز جرمنوں کے مورچوں پر بم برسا
رہے تھے۔ ایک بم رتھ کے بالکل قریب آ کر گرا۔ رتھ کو
دھماکے کا جھٹکا لگا۔ رتھ زمین سے دس فٹ اوپر اچھلا اور
پھر نیچے آ کر دوڑنے لگا۔

ناگ نے ماریا کو آواز دی۔ ماریا نے کوئی جواب نہ دیا۔
ناگ نے محسوس کیا کہ ماریا کی خوشبو بھی نہیں آ رہی تھی۔ ماریا
بم کے اس دھماکے کی وجہ سے رتھ میں سے اچھل کر میدان
جنگ میں گر چکی تھی۔

ناگ نے چلا کر کہا:

"رتھ کو روکو۔ ماریا نیچے گر گئی ہے۔"

شہزادی نے کہا:

"رتھ نہیں رک سکتا۔ یہ کوئی معمولی رتھ نہیں ہے
یہ تاریخ کے زمانوں میں سفر کر رہا ہے۔ میں نے
تم لوگوں کو پہلے کہہ دیا تھا کہ اگر کوئی رتھ سے

اُتر گیا یا گر پڑا تو وہ دوبارا رتھ پر سوار نہیں ہو سکے گا۔ اگر تم ماریا کے پاس جانا چاہتے ہو تو اُتر کر جا سکتے ہو۔ مگر میں رتھ کو روک کر ماریا کو اس پر دوبارا سوار نہیں کرا سکتی۔"

ناگ نے کہا:

"میں بھی ماریا کے ساتھ ہی اتر جاتا ہوں۔"

شہزادی نے کہا:

"جیسے تمہاری مرضی۔ لیکن یاد رکھو۔ تمہیں امبا دیوی کی مورتی شیلا کو جا کر واپس کرنی ہے اور اس کے خاندان والوں کو موت سے بچانا ہے۔ یہ وہ مقصد ہے جسے لے کر تم بابل کے زمانے سے نکلے تھے اور جس کی وجہ سے میں اپنا رتھ لے کر تمہاری مدد کو آئی تھی کہ چونکہ تمہارا مقصد نیک ہے اس لیے تمہیں تاریخ کے طویل دور میں سے نکال کر ۱۹۸۳ء کے زمانے میں پہنچانا چاہتی تھی۔ آگے تم کو اختیار ہے چاہو تو رتھ سے چھلانگ لگا دو۔"

ناگ سوچ میں پڑ گیا۔ شہزادی ٹھیک کہہ رہی تھی۔ اگر وہ ماریا کی تلاش کے لیے اتر گیا تو شیلا اور اس کے خاندان کی موت یقینی تھی۔ اس نے ماریا کو یاد کر کے ایک

آہ بھری اور فیصلہ کیا کہ وہ رتھ میں ہی سوار رہے گا۔ مگر ماریا کی یاد سے اس کا دل خون کے آنسو رونے لگا وہ اداس ہو کر رتھ میں سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

رتھ بموں کے دھماکوں اور طیارہ شکن توپوں کی گولیوں کی آوازوں کے درمیان ۱۹۸۳ء کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔ یہ ۱۹۴۲ء کا زمانہ تھا۔ ابھی انہیں چالیس اکتالیس سال کا سفر کرنا تھا۔ لیکن یہ سفر وقت کے رتھ کے لیے کوئی مشکل بات نہیں تھی بلکہ پلک جھپکنے کا معاملہ تھا اور ایسا ہی ہوا۔ جونہی رتھ دوسری جنگ عظیم کے دھماکوں سے باہر نکلا ناگ نے دیکھا کہ چمکیلی دھوپ نکلی ہوئی ہے۔ ہر طرف امن اور سکون کی فضا ہے۔ اور ان کا رتھ سمندر کے کنارے کنارے ایک جنگل میں سے گزر رہا ہے۔

ناگ نے شہزادی سے پوچھا کہ اب وہ کس زمانے میں آ گئے ہیں اور وہ کون سا علاقہ ہے؟

شہزادی نے مسکرا کر کہا:

"تم ۱۹۸۳ء کے زمانے میں پہنچ گئے ہو اور یہ وہی علاقہ ہے جہاں تم جانا چاہتے تھے۔"

"کیا یہ بھارت کا شہر بمبئی ہے؟"

ناگ نے پوچھا:

شہزادی نے کہا:

"بمبئی یہاں سے بیس میل دُور ہے۔ یہ بمبئی کے جنگل ہیں۔"

اور رتھ شہر کی جانب دوڑتا چلا گیا۔!!

○
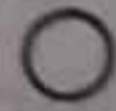
مُردے سے گفتگو

شہزادی نے ایک جگہ رتھ روک دیا۔

"اے عظیم ناگ دیوتا! مجھے جس خدمت پر لگایا گیا تھا وہ میں نے پوری کر دی۔ اب میں واپس اپنے پرانے زمانے میں جا رہی ہوں۔ تم اس وقت بمبئی شہر سے دو میل کے فاصلے پر ہو۔ وہ دیکھو بمبئی شہر کی بلڈنگیں نظر آ رہی ہیں اور امبا دیوی کی مورتی کی بددعا کا وقت شروع ہونے میں ابھی دو گھنٹے باقی ہیں۔"

ناگ نے شہزادی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا:

"میں تمہارا یہ احسان ہمیشہ یاد رکھوں گا۔"

شہزادی نے کہا:

"تمہارے پاس صرف دو گھنٹے ہیں اور تمہیں شیلا کے گھر مورتی لے کر پہنچنا بھی ہے۔ وقت ضائع نہ کرو۔ خدا حافظ!"

یہ کہہ کر سنہری بالوں والی شہزادی نے رتھ موڑا۔

گھوڑوں کو شِشکارا اور گھوڑے رتھ کو لے کر ہوا سے باتیں
کرنے لگے اور ناگ کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ ناگ نے
امبا دیوی کی مورتی کو بغل میں سنبھالا اور شہر کو جانے والی
سڑک پر روانہ ہو گیا۔ وہ اب جلدی سے جلدی شیلا کے
گھر پہنچ کر اسے اور اس کے خاندان کو موت سے بچانا چاہتا
تھا۔ صرف دو گھنٹے باقی رہ گئے تھے۔ اگر وہ ان دو گھنٹوں
میں مورتی واپس کر دے اور اسے اس کی جگہ پر جا کر رکھ دے
تو شیلا اور اس کا خاندان موت سے بچ سکتا تھا۔

پیچھے سے کسی موٹر گاڑی نے ہارن دیا۔ ناگ سڑک
بیچ میں چلا جا رہا تھا۔ اس نے ایک طرف ہٹ کر
موٹر گاڑی کو اشارہ کیا۔ موٹر رک گئی۔ اس میں دو آدمی
بیٹھے تھے۔

ناگ نے کہا:

"مجھے شہر تک لے چلیں گے جناب! جلدی پہنچنا
ہے وہاں۔"

ان آدمیوں نے پہلے ناگ کو اور پھر اس کی بغل میں
دبی ہوئی امبا دیوی کی مورتی کو دیکھا اور ایک آدمی نے
مسکرا کر کہا:

"بیٹھ جاؤ دوست! ہم تمہیں شہر پہنچا دیں گے۔"

ناگ موٹر کار میں بیٹھ گیا اور وہ شہر کی طرف روانہ ہو
گئی۔ وہ دونوں آدمی بڑے فراڈ تھے جو مندروں سے قیمتی
مورتیاں چوری کر کے بیچا کرتے تھے۔ انہوں نے ناگ کے پاس
امبا دیوی کی مورتی دیکھی تو اشاروں ہی اشاروں میں ایک
نے دوسرے کو کہہ دیا کہ اس مورتی کو اڑا لیا جائے۔ ذرا
آگے جا کر انہوں نے موٹر کار ایک ویران راستے کی طرف
موڑ دی۔

ناگ نے کہا:

"یہ راستہ تو شہر کی طرف نہیں جاتا۔"

ایک آدمی نے جیب سے پستول نکال کر ناگ کی گردن
پر رکھا اور کہا:

"خبردار! اگر زیادہ گڑبڑ کی تو گولی مار دوں گا۔"

"تم کیا چاہتے ہو؟" ناگ نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"یہ مورتی چپکے سے ہمارے حوالے کر دو اور یہاں
سے رفو چکر ہو جاؤ۔"

ناگ چونک پڑا۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ امبا دیوی
کی مورتی ان ٹھگوں کے حوالے کر دیتا جس کے لیے اس نے
اتنی تکلیفیں اٹھائی تھیں اور جس کی خاطر اس نے عنبر اور
ماریا کو چھوڑ دیا تھا۔ اور پھر ناگ کے پاس زیادہ بحث تکرار

کا وقت بھی نہیں تھا۔ وقت بڑی تیزی سے گذرتا چلا جا
رہا تھا۔ اس نے بڑی شرافت سے کہا:
"بھائیو! میں تمہیں نقصان پہنچانا نہیں چاہتا۔ مجھے
اسی جگہ اتار دو۔ میں کسی بس میں بیٹھ کر شہر چلا
جاؤں گا:"
وہ قہقہہ مار کر ہنسے:
"ہم ایسے بے وقوف نہیں ہیں کہ اتنی قیمتی مورتی
تمہیں ساتھ لے جانے دیں۔ یہ مورتی ہمارے حوالے
کر دو اور چلے جاؤ۔ ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے:"
ناگ نے کہا:
"بھائیو! یہ مورتی اگر میں تمہیں دے سکتا تو ضرور
دے دیتا۔ لیکن یقین کرو کہ میں اسے تمہارے حوالے
نہیں کر سکتا:"
"تمہارا باپ بھی اسے ہمارے حوالے کرے گا:"
ایک ٹھگ نے کہا اور پستول ناگ کے سر کے ساتھ
لگا دیا۔
ناگ کو ایک دم غصہ آ گیا۔ اس نے مورتی ٹھگ کے
حوالے کر دی اور کہا:
"یہ لو مورتی:"

ٹھگ بڑے خوش ہوئے۔ انہوں نے مورتی قابو میں کر لی
اور جونہی پستول ناگ کے سر سے ہٹایا ناگ نے ایک گہرا
سانس لیا اور کہا:
"اب یہ مورتی تمہارا باپ بھی واپس کرے گا:"
اور اس کے ساتھ ہی ناگ نے مہاشیش ناگ سانپ
کی شکل اختیار کی اور دونوں ٹھگوں کو ایسا جکڑا کہ ان
کی آنکھیں باہر کو ابل آئیں۔ ناگ فوراً ہی انسانی شکل میں
واپس آ گیا۔ دونوں ٹھگ تھر تھر کانپ رہے تھے۔
ناگ نے ان کے پستول اٹھا کر باہر پھینکے۔ مورتی واپس
لی اور کہا:
"میں نے کہا تھا ناں کہ تمہارا باپ بھی مورتی واپس
کرے گا۔ اب فوراً موٹر کار سٹارٹ کرو اور جہاں
میں کہوں مجھے وہاں لے چلو:"
دونوں ٹھگوں نے ابھی ابھی جو کچھ دیکھا تھا اس کا ابھی
تک ان پر اثر تھا اور ان کی آنکھیں پھٹی پھٹی سی تھیں
اور جسم خوف کے مارے سفید پڑ گیا تھا۔
ناگ نے گرج کر کہا:
"موٹر سٹارٹ کرو الو کے پٹھو!"
"اچھا جناب! اچھا مہاراج!"

ایک ٹھگ نے لرزتی آواز میں ہاتھ باندھ کر کہا اور گاڑی سٹارٹ کر دی۔

ناگ کو شیلا کے بنگلے کا راستہ معلوم تھا۔ جب اسے شیلا کا بنگلہ سامنے دکھائی دیا تو اس نے کار رکوائی اور کہا:

"تم دونوں موٹر کار سے باہر نکلو اور میرے ساتھ اس درخت کے پاس آؤ۔"

دونوں ٹھگ سہمے ہوئے تھے۔ جلدی سے کار سے نکل کر درخت کے نیچے آ گئے۔ ناگ نے ایک خفیہ منتر پڑھ کر اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور جب باہر نکالا تو اس کی کلائی کے ساتھ ایک زہریلا سانپ لپٹا ہوا تھا۔ دونوں ٹھگ جو پہلے ہی ڈرے ہوئے تھے اب اور زیادہ خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئے۔

ناگ نے کہا:

"اس سانپ کو اچھی طرح سے پہچان لو، کیوں کہ اس نے تم دونوں کو پہچان لیا ہے۔ آج کے بعد اگر تم نے کسی کے گھر چوری کی یا کسی کو لوٹنے کی کوشش کی تو میں نے اس سانپ کو حکم دے دیا ہے کہ یہ وہیں آ کر تمہیں ہلاک کر دے گا۔ خبردار! آئندہ چوری نہ کرنا۔ نہیں تو یہ سانپ تمہیں زندہ

نہ چھوڑے گا۔"

دونوں ٹھگوں نے اپنے کان پکڑ لیے اور زمین پر ماتھا ٹیک کر سات لکیریں نکال کر کہا:

"ہم آج سے توبہ کرتے ہیں مہاراج کہ کبھی چوری نہیں کریں گے اور شریف آدمیوں کی طرح زندگی بسر کریں گے۔"

ناگ نے سانپ کو جیب میں ڈالا اور کہا:

"اب یہاں سے ایک سیکنڈ کے اندر اندر دفع ہو جاؤ۔"

دونوں ٹھگ بھاگ کر موٹر کار میں بیٹھے اور اسے سٹارٹ کر کے تیزی سے سڑک پر نکل گئے۔

ناگ شیلا کے بنگلے پر آ گیا۔ امبا دیوی کی بددعا شروع ہونے میں آدھے گھنٹے سے بھی کم وقت رہ گیا تھا۔ بنگلے پر ویرانی چھائی تھی۔ باہر شیلا کی ٹیوٹا کار کھڑی تھی۔ اس کے ساتھ سامنے گیراج کے باہر ایک اور کار کھڑی تھی۔ ناگ نے گھنٹی بجائی۔ نوکرانی نے دروازہ کھول کر ناگ کو دیکھا اور پوچھا:

"کس سے ملنا ہے آپ کو؟"

یہ نوکرانی نئی تھی اور ناگ کو نہیں پہچانتی تھی۔

ناگ نے کہا:

"شیلا دیوی ہیں؟"

نوکرانی نے کہا:

"وہ ہیں مگر کسی سے نہیں مل سکتیں"

یہ کہہ کر نوکرانی نے دروازہ بند کر دیا۔ ناگ کو بڑا غصہ آیا۔ وقت گذرتا جا رہا تھا۔ اس نے دروازے کو دھکا دے کر کھول دیا۔

نوکرانی نے چیخ کر شور مچا دیا:

"چور چور چور گھس آیا ہے"

ڈرائینگ روم میں سے دو نوجوان بھاگ کر نکلے۔ ان میں سے ایک نے ہاتھ میں ڈنڈا پکڑ رکھا تھا۔ وہ ناگ کی طرف بڑھے۔ ناگ فوراً دوسری منزل پر شیلا کے کمرے کی جانب جانے والی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ دونوں نوجوان اس کے پیچھے لپکے اور اسے رُک جانے کو کہا۔ ناگ نے ان پر کوئی توجہ نہ دی اور جلدی جلدی سیڑھیاں چڑھ کر شیلا کے کمرے میں آ گیا۔ شیلا کے دوسرے بیڈ روم کا دروازہ بند تھا اور تالا لگا ہوا تھا۔ شیلا پہلے بیڈ روم میں بھی نہیں تھی۔ اتنے میں دونوں نوجوان بھی وہاں آ گئے اور انہوں نے ناگ کو پکڑ لیا۔ وہ اسے ڈنڈوں سے مارنے ہی والے تھے کہ ناگ نے اپنی سرخ آنکھوں سے انہیں گھور کر ایک جھٹکا

دیا اور ایسی پھنکار ماری کہ دونوں نوجوان ڈر کر پیچھے ہٹ گئے۔

اتنے میں شور کی آواز سن کر شیلا کی ممی آ گئی۔ اس نے ناگ کو پہچان کر کہا:

"ناگ بیٹے تم؟"

ناگ نے کہا:

"ممی اس کمرے کی چابی کہاں ہے؟"

ممی نے ساڑھی کے پلو سے چابی کھول کر ناگ کو دی۔ ناگ نے چابی لگا کر تالا کھولا۔ دروازے کو دھکا دے کر پرے ہٹایا اور بھاگ کر اس جگہ گیا جہاں امبا دیوی کی مورتی کا چبوترہ خالی پڑا تھا۔ ناگ نے امبا دیوی کی مورتی اس جگہ پر رکھی اور شیشے کا غلاف اس پر ڈال دیا۔ پھر اس نے اطمینان کا گہرا سانس لیا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ اب اس نے شیلا کی ممی سے پوچھا کہ شیلا دیوی کہاں ہے؟ اس کی ماں نے مورتی کو ہاتھ جوڑ کر سلام کیا اور ناگ کا ماتھا چوم کر کہا:

"بیٹا! تم نے مورتی واپس لا کر شیلا اور ہم سب کی جان بچا لی ہے۔ چلو نیچے چل کر اسے دیکھتے ہیں۔ وہ کل سے موت کے خوف سے بے ہوش پڑی تھی"

دونوں نوجوان بھی آنکھوں ہی آنکھوں میں ناگ کا شکریہ
ادا کر رہے تھے۔ کیوں کہ انہیں معلوم تھا کہ مورتی کے
چوری ہو جانے سے شیلا اور اس کے خاندان کے لوگوں
کی زندگیاں خطرے میں پڑ گئی تھیں۔ یہ دونوں نوجوان شیلا
کے رشتے دار تھے۔ ناگ نیچے آ گیا۔ شیلا ایک کمرے میں
پلنگ پر بے ہوش پڑی تھی۔ ناگ کے جانے کے بعد
اس نے آنکھیں کھول دیں۔

ناگ نے کہا:

"میں نے امبا دیوی کی مورتی واپس لا کر تمہارے
کمرے میں رکھ دی ہے شیلا۔"

شیلا نے مسکرا کر کہا:

"تمہارا شکریہ ناگ! تم نے ہم سب کی زندگیاں
بچا لی ہیں۔"

ناگ بولا:

"خدا کا شکر ہے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔"
اس کے بعد ناگ وہاں دو دن رہا۔ شیلا نے اس سے
کئی بار پوچھنے کی کوشش کی کہ اسے امبا دیوی کی مورتی
کہاں سے واپس ملی؟ مگر ناگ ہر بار یہ کہہ کر ٹال گیا کہ
بمبئی سے دور ایک جنگل میں ڈاکوؤں کا بسیرا ہے۔ وہ لوگ

مورتی چرا کر لے گئے تھے ان سے واپس لایا ہوں۔ تب
روز شیلا بالکل تندرست ہو گئی۔ ناگ کو اب ماریا کی فکر تھی۔
وہ سنہری بالوں والی شہزادی کے ساتھ رتھ میں واپس ۱۹۸۳ء
کے زمانے میں آتے ہوئے راستے میں ۱۹۴۲ء کے فرانس میں
رہ گئی تھی جہاں دوسری جنگ عظیم کا میدانِ جنگ گرم تھا
ناگ کو اب اکتالیس سال پیچھے کے زمانے میں جا کر ماریا
کو تلاش کرنا تھا۔ عنبر کے بارے میں اسے پتہ چل گیا تھا کہ
وہ خلیفہ ہارون الرشید کے عہد کے بغداد کی طرف جا رہا تھا۔
کیوں کہ جب وہ سنہری بالوں والی شہزادی کے رتھ میں سوار
ہو کر بغداد کے قریب ایک صحرا سے گذرے تھے تو اسے
اور ماریا کو عنبر کی خوشبو آئی تھی اور ان کے پوچھنے پر شہزادی
نے انہیں بتایا تھا کہ اس وقت وہ ایک ہزار برس پرانے
بغداد کے قریب سے گذر رہے ہیں اور عنبر دو اونٹ
سواروں کے ہمراہ بغداد شہر کی طرف جا رہا ہے لیکن چونکہ
ناگ کو ایک دن کے اندر اندر مورتی لے کر واپس شیلا
کے پاس آنا تھا۔ اس لیے وہ عنبر کے لیے وہاں نہ رک سکا
تھا۔ اس وقت ناگ عنبر سے زیادہ ماریا کے لیے پریشان تھا۔
کیوں کہ وہ جنگ کے زمانے میں پہنچ چکی تھی جہاں بموں
کے دھماکے تھے اور توپوں کے گولے برس رہے تھے۔ شیلا

نے ناگ سے کہا کہ وہ کل سے اپنی ڈیوٹی پر واپس جا رہی ہے۔

ناگ نے کہا:

"میں بھی اب واپس کویت اپنے کاروبار کے لیے چلا جاؤں گا:"

شیلا بولی:

"تمہاری ساٹھ ہزار روپے کی امانت میرے پاس ہے۔ وہ تم لے لو:"

ناگ کو بھلا روپوں کی کیا ضرورت تھی۔ اس نے کہا،

"ایسا کرو کہ اس میں سے ہزار دو ہزار روپے تم مجھے دے دو۔ کویت تک ہوائی جہاز کا ٹکٹ میرے پاس موجود ہے۔ باقی پیسے غریبوں میں تقسیم کردو:"

ناگ کے پاس کوئی ٹکٹ نہیں تھا اور اسے کویت جانے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ شیلا اسے سارے روپے واپس کرنا چاہتی تھی مگر ناگ نہ مانا۔ اس نے شیلا سے دو ہزار روپے لیے اور یہ کہہ کر ان سے رخصت ہو گیا کہ کویت سے واپسی پر انہیں ضرور ملے گا۔ وہ شیلا کے بنگلے سے نکل کر بمبئی شہر کے ایک پارک میں آ گیا۔ شام کا وقت تھا۔ پارک میں بچے کھیل رہے تھے۔ ناگ ایک خالی بنچ پر بیٹھ گیا۔ جو مم

اب اس کے سامنے تھی اس کے بارے میں شیلا یا کوئی دوسرا آدمی اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ ناگ کو ۱۹۴۲ء کے زمانے میں واپس جانا تھا۔ یہ ایسا کام تھا جو کسی کی سمجھ میں ہی نہیں آ سکتا تھا۔ اگر وہ کسی سے یہ کہتا کہ میں چالیس اکتالیس سال پیچھے کے زمانے میں جانا چاہتا ہوں تو لوگ اسے پاگل سمجھ کر پاگل خانے پہنچا دیتے۔ لیکن یہ حقیقت تھی کہ وہ واپس جانا چاہتا تھا اور ملیا کو تلاش کرنا چاہتا تھا۔

شیلا نے ایک بار باتوں ہی باتوں میں ناگ کو بتایا تھا کہ بمبئی سے دو میل دور گنیش جی کا مندر ہے۔ اس مندر میں ایک جوتشی رہتا ہے جو لوگوں کو زائچے بنا کر آنے والے زمانے اور گذرے ہوئے زمانے کا حال بتاتا ہے۔ ناگ نے سوچا کہ اگر اس جوتشی کو گذرے ہوئے زمانے کا علم ہو جاتا ہے تو ہو سکتا ہے۔ اس سے کوئی مدد مل جائے۔ ناگ کو پھر وہی مشکل آن پڑی تھی۔ یعنی وہ اپنی مرضی سے اگلے زمانے میں جانا چاہتا تھا۔ پہلے تو اسے ہزاروں سال آگے جانے کی ضرورت پڑی تھی اور سنہری بالوں والی شہزادی نے اس کی مدد کر دی تھی۔ اب صرف چالیس اکتالیس سال پیچھے جانے کا سوال تھا۔

لوگوں سے پوچھتا ہوا وہ گنیش جی کے مندر میں پہنچ گیا۔

یہ مندر سمندر کے کنارے ایک بلند چٹان پر بنا تھا۔
پتھر کی سیڑھیاں مندر کے دروازے تک جاتی تھیں۔ سورج
سمندر میں غروب ہو رہا تھا اور شام کے سائے پھیلنے لگے
تھے۔ ہندو لوگ مندر میں پوجا کر کے واپس آ رہے تھے۔
ناگ نے ایک سادھو سے جوتشی کا پتہ پوچھا تو اس نے
ناراض ہو کر کہا:

"تم گنیش جی کی پوجا کرنے آئے ہو کہ جوتشی سے ملنے"

ناگ نے کہا:

"مہاراج! میں اس کے بھائی کا ضروری پیغام لے
کر آیا ہوں۔"

سادھو نے کہا:

"تو پھر جاؤ مندر کے پیچھے کوٹھڑی میں ملے گا جوتشی۔"

ناگ مندر کے پیچھے آ گیا۔ یہاں ایک کوٹھڑی کا ایک
کیواڑ کھلا تھا۔ اندر مٹی کے تیل کی لالٹین جل رہی تھی۔
ناگ نے جھانک کر دیکھا۔ اندر کوئی نہیں تھا۔ صرف ایک
پرانے لکڑی کے صندوق کے پاس چارپائی بچھی تھی۔
ناگ پیچھے ہٹا تو کسی نے پیچھے سے آواز دی:

"کیا دیکھ رہے ہو؟"

ناگ نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک طوطے ایسی ناک والا

دبلا پتلا آدمی کھڑا اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا
ادھیڑ عمر تھا اور سر منڈا ہوا تھا۔ آدھا جسم ننگا تھا۔ صرف
ایک دھوتی پہن رکھی تھی۔ پاؤں میں کھڑاویں تھیں۔

ناگ نے کہا:

"مہاراج مجھے جوتشی جی مہاراج سے ملنا ہے۔"

"کیا کام ہے۔ میں ہی ہوں جوتشی۔"

ناگ نے کہا:

"مہاراج! میں اپنا زائچہ بنوانا چاہتا ہوں۔"

اور اس کے ساتھ ہی ناگ نے جیب سے سو روپے کے
دو نوٹ نکال کر جوتشی کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ جوتشی بہت
خوش ہوا اور نوٹ دھوتی کی ڈھب میں رکھتے ہوئے کہا:

"آؤ اندر آ جاؤ۔"

وہ سمجھا کوئی موٹی مرغی پھنسی ہے۔ جوتشی نے صندوق
میں سے ایک پرانی کتاب اور سلیٹ نکال کر سامنے رکھی
اور ناگ سے پوچھا:

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"ناگ"

جوتشی ذرا چونکا:

"عجیب نام ہے۔ اس کے آگے پیچھے کچھ نہیں؟"

"کچھ نہیں مہاراج۔ صرف ناگ ہی میرا نام ہے۔"

"اچھا اپنی تاریخ پیدائش بتاؤ۔"

ناگ نے کہا:

"تاریخ پیدائش تو شاید میرے ماں باپ کو بھی معلوم نہیں۔"

"کیا مطلب؟" جوتشی نے بھنویں سکیڑ کر پوچھا۔

ناگ اب اسے کیا بتاتا۔ کہنے لگا:

"مہاراج میرے ماں باپ زندہ نہیں ہیں اور مجھے کوئی پتہ نہیں کہ میں کب پیدا ہوا تھا۔"

جوتشی نے پرانی کتاب کے ورق الٹ کر گن دیکھے اور سلیٹ پر لکیریں ڈال کر ناگ کا زائچہ بنایا اور غور کرنے لگا۔ جوں جوں وہ غور کرتا گیا حیرت کے سمندر میں ڈوبتا گیا۔ ناگ سمجھ گیا کہ جوتشی کے پلّے کچھ نہیں پڑ رہا۔ اس نے کہا:

"مہاراج! یہ بتائیے کہ اس زائچے میں وہ ستارہ کہاں ہے جو آج سے چالیس اکتالیس سال پہلے فرانس اور جرمنی کے اوپر گردش کر رہا تھا۔"

جوتشی پہلے ہی حیران تھا۔ ناگ کے اس سوال پر تو اور زیادہ پریشان ہو گیا۔

"بھائی! آخر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

ناگ بولا:

"مہاراج! میرا زائچہ یہ نہیں بتاتا کہ آج سے چالیس برس پہلے میں کہاں تھا اور میرے اوپر کون سے ستارے کا سایہ تھا؟"

جوتشی نے سر کھجاتے ہوئے کہا:

"مجھے تو زائچہ یہ بھی نہیں بتا رہا کہ تم کون ہو اور آگے جا کر کیا کرو گے؟"

ناگ نے پوچھا:

"کیا میرے زائچے سے آپ کو کچھ بھی معلوم نہیں ہوا؟"

جوتشی بولا:

"مجھے تو یہ معلوم ہوا ہے کہ میں نے کسی انسان کا نہیں بلکہ سانپ کا زائچہ بنایا ہے۔ کیا تم سانپ ہو؟"

ناگ سمجھ گیا کہ کم بخت جوتشی نے زائچہ درست بنایا ہے اور زائچہ ٹھیک بول رہا ہے۔ اسے خوشی ہوئی اور امید کی کرن پیدا ہو گئی۔ اس نے جیب سے سو سو کے تین نوٹ نکال کر جوتشی کے ہاتھ میں دیے اور کہا:

"اب مجھے صرف ایک بات بتائیں۔"

"کہو کہو بچّہ!" جوتشی نے خوشی سے نوٹ سنبھالتے ہوئے کہا

ناگ نے پوچھا:

"میرے زائچے میں کوئی ایسا ستارہ بھی ہے جو اُلٹا چل رہا ہو؟"

جوتشی نے سلیٹ پر بنے ہوئے زائچے کو غور سے دیکھا اور ایک جگہ اُنگلی رکھ کر بولا:

"یہ ستارہ اُلٹا چل رہا ہے۔"

ناگ نے جوتشی سے اس ستارے کا نام پوچھا اور کہا:

"اب یہ بتاؤ کہ اس ستارے کی سب سے زیادہ شعاعیں اس شہر میں کس جگہ پر پڑ رہی ہیں؟"

جوتشی نے کہا:

"یہ ستارہ اپنی سب سے زیادہ شعاعیں آدھی رات کو اس شہر کے جنوب میں پارسیوں کے ایک قبرستان میں ڈالتا ہے۔"

ناگ نے جوتشی سے پارسیوں کے اس خاص قبرستان کے بارے میں پوری معلومات حاصل کرنے کے بعد اس کا شکریہ ادا کیا۔ اسے ایک سو روپیہ اور دیا اور وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد جوتشی زائچے کو ایک بار پھر غور سے تکنے لگا۔ وہ سر کھجاتے ہوئے اپنے آپ سے بولا:

"مجھے اب بھی یقین ہے کہ یہ زائچہ کسی انسان کا نہیں

ہے بلکہ کسی سانپ کا ہے۔"

رات کے نو بج رہے تھے۔ ناگ بمبئی شہر کے باہر کی کوٹھیوں والے علاقے سے نکل کر جوتشی کے بتائے ہوئے پارسیوں کے قبرستان کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے ایک ٹیکسی کرائے پر لے لی اور آدھ گھنٹے کے بعد ٹیکسی نے اسے ایک اجاڑ اور ویران جگہ پر پہنچا دیا۔ یہاں ایک ٹیلے پر پارسیوں کا قبرستان تھا۔ پارسی اپنے مُردوں کو نہ تو جلاتے ہیں اور نہ دفن کرتے ہیں۔ بلکہ وہ مردے کو ایک کنوئیں میں جا کر رکھ دیتے ہیں۔ یہاں گدھ مردے کے انتظار میں بیٹھے ہوتے ہیں۔ جب لوگ مردے کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں تو گدھ مُردے پر حملہ کر دیتے ہیں اور اس کا سارا گوشت نوچ نوچ کر کھا جاتے ہیں۔ یہ کنواں ایک اونچے مینار کے اندر بنایا گیا ہوتا ہے۔ اس مینار کو پارسی خاموشی کا مینار کہتے ہیں۔

ناگ نے دیکھا کہ ٹیلے پر ایک مینار بنا تھا جس کی اوپر والی منزل تک سیڑھیاں جا رہی تھیں۔ یہاں ہر طرف گہری خاموشی اور اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ناگ سیڑھیاں چڑھ کر مینار کے اوپر آ گیا۔ مینار پر چاروں طرف بڑے بڑے گدھ بیٹھے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ مردے کا گوشت کھا کر بڑے سیر ہو گئے ہیں اور اب اُونگھ رہے تھے۔ ناگ کو دیکھ

کہ کوئی بھی گدھ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔

جوتشی کے کہنے کے مطابق اس کے الٹے چلنے والے ستارے کا سب سے زیادہ اثر اس مُردوں کے مینار پر آدھی رات کو پڑتا تھا۔ ناگ نے آسمان پر چمکتے ہوئے ستاروں میں سے اپنا الٹا چلنے والا ستارہ پہچان لیا تھا۔ یہ ستارہ نیلے رنگ کا تھا اور بڑی تیزی سے چمک رہا تھا۔ ناگ نے مینار کے اندر بنے ہوئے کنوئیں میں جھانک کر دیکھا۔ کنوئیں میں اوپر ایک مچان بنی ہوئی تھی۔ جس پر ایک مُردہ پڑا تھا۔ گدھوں نے اس کا گوشت جگہ جگہ سے کھا لیا تھا۔ اور ستاروں کی دھیمی روشنی میں اس کی ہڈیاں جگہ جگہ سے نظر آ رہی تھیں۔ مُردے کی آنکھوں کی جگہ گہرے گڑھے پڑے ہوئے تھے۔

ناگ مینار پر کنوئیں کے کنارے پتھر پر بیٹھ گیا۔ وہ آدھی رات ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ جب رات کے ٹھیک بارہ بجے تو ناگ نے غور سے الٹا چلنے والے ستارے کو دیکھا۔ ستارہ بھڑک رہا تھا۔ کبھی سرخ ہو جاتا اور کبھی نیلا ہو جاتا۔ کبھی ایسے لگتا جیسے زمین کی طرف بڑھ رہا ہے اور کبھی یوں لگتا جیسے آسمان پر ایک طرف کو چلا جا رہا ہے۔ کنوئیں میں گہری خاموشی تھی۔ ناگ نے ستاروں کا ایک خفیہ

منتر پڑھا تو اسے کنوئیں میں سے ایک کمزور سی آواز سنائی دی۔ اس آواز نے ناگ کو اس کا نام لے کر پکارا تھا۔ ناگ نے جھک کر کنوئیں کے اندر بنی ہوئی مچان کو دیکھا۔ وہ چونک پڑا۔ جس مردے کا آدھے سے زیادہ گوشت گدھوں نے کھا لیا تھا اور جس کی آنکھوں کے ڈیلے بھی غائب تھے وہ مُردہ مچان پر اٹھ کر بیٹھا ہوا تھا اور اپنا سر اوپر کیے اپنی آنکھوں کے تاریک گڑھوں سے ناگ کو تک رہا تھا۔ یہ آواز اسی کے منہ سے نکلی تھی جس کے ہونٹ غائب تھے اور کھوپڑی کے دانت ہی باقی رہ گئے تھے۔ ناگ کی جگہ کوئی دوسرا انسان ہوتا تو غش کھا کر کنوئیں میں گر پڑتا۔ مگر ناگ ایک بہادر اور خدا پر بھروسہ رکھنے والا آدمی تھا اور جو لوگ خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں اور صرف خدا سے ڈرتے ہیں انہیں دنیا کی کوئی چیز نہیں ڈرا سکتی۔ ناگ نے مُردے سے کہا:

"کیا تم نے مجھے آواز دی تھی؟"

مُردے نے کہا:

"ہاں ناگ! میں مر چکا ہوں۔ کل تک جو لوگ مجھ سے پیار کرتے تھے آج وہ مجھے یہاں گدھوں کے حوالے کر کے چلے گئے ہیں اور گدھوں نے میرا

گوشت کھا لیا ہے۔ مگر میری روح زندہ ہے اور
مجھ پر زندگی کے سارے بھید کھل گئے ہیں۔ میں
جانتا ہوں تم یہاں کس لیے آئے ہو۔"
ناگ نے کہا:

"تو پھر کیا تم میری کچھ مدد کر سکتے ہو؟"
مردہ بولا:

"تمہارے سر کے بالکل اوپر تمہارا ستارہ اس وقت
بڑی تیزی سے اُلٹا چل رہا ہے۔ اس کی شعاعیں
تم پر پڑ رہی ہیں مگر چونکہ تم خدا پر ایمان رکھتے
ہو اس لیے ستارے کی منحوس شعاعیں تم پر اثر
نہیں ڈال رہیں۔"
ناگ کہنے لگا:

"لیکن اس وقت مجھے اس ستارے کی بہت ضرورت
ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ اُلٹا چلتے ہوئے مجھے بھی
اپنے ساتھ لے لے اور مجھے آج سے اکتالیس برس
پہلے کے زمانے میں پہنچا دے۔"
مردے نے کہا:

"مجھ پر تمہارے دل کا سب حال کھلا ہے۔ اب
میری بات غور سے سنو۔ اب سے تھوڑی دیر بعد

تمہارے ستارے کی شعاعیں مجھ پر پڑیں گی۔ ان
شعاعوں کے اثر سے میرے جسم کی بچی کھچی ہڈیاں
جل کر سیاہ ہو جائیں گی اور میں اپنے جسم کو چھوڑ
کر آسمانوں کی طرف پرواز کر جاؤں گا۔ لیکن میں
جانے سے پہلے تمہیں اپنے جسم کی ایک ہڈی دینا
چاہتا ہوں۔ یہ ہڈی لے کر تم کنوئیں کے باہر
جانب مشرق کو منہ کر کے کھڑے ہو جانا۔ اس
کے بعد شعاعیں تم پر پڑنے لگیں گی۔ تم گھبرانا
نہیں۔ پھر تمہارا واپسی کا سفر شروع ہو جائے گا۔"
یہ کہہ کر مردہ خاموش ہو گیا۔ پھر وہ مچان پر لیٹ گیا۔
رات گزرتی گئی۔ الٹا ستارہ اسی طرح چمک رہا تھا۔ اچانک
ناگ نے دیکھا کہ ستارے میں سے نیلے اور سرخ رنگ کی
شعاعیں نکل کر سیدھی کنوئیں میں مردے پر پڑنے لگیں۔ ان
شعاعوں کے اثر سے مردے کی ہڈیوں میں سے ہلکا ہلکا
دھواں اٹھنا شروع ہو گیا۔ اتنے میں کنوئیں میں سے مردے
کے بازو کی ایک ہڈی اچھل کر ناگ کے سامنے آن گری۔
ناگ نے ہڈی اٹھا لی۔ جونہی ہڈی ناگ نے اٹھائی اُلٹے
ستارے کی روشنی مردے سے ہٹ کر ناگ پر پڑنے لگی۔
ناگ اس روشنی میں نہا گیا۔ وہ سرخ اور نیلے رنگ کا

ہو گیا۔ اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ ہڈی اس کے ہاتھ میں تھرتھرانے لگی۔ جیسے ابھی چھوٹ کر گر جائے گی۔ ناگ نے ہڈی کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ ہڈی نے اسے گھسیٹنا شروع کر دیا۔ ہڈی میں اتنی طاقت خدا جانے کہاں سے آ گئی تھی ستارے کی شعاعیں اسی طرح ناگ پر پڑ رہی تھیں۔ ہڈی ناگ کو لے کر کنوئیں سے دور لے گئی۔ آگے مینار ختم ہو گیا تھا۔ ناگ کو خطرہ تھا کہ اب وہ نیچے گر پڑے گا۔ مگر جونہی مینار ختم ہوا ناگ نے محسوس کیا کہ وہ ہوا میں کھڑا ہے اور ہڈی اسے آہستہ آہستہ آگے لیے جا رہی ہے۔ وہ ہوا میں اڑ رہا تھا۔

آدھی رات کی تاریک فضا میں آتے ہی ستارے کی روشنی تیز ہونا شروع ہو گئی۔ ناگ نے ارد گرد دیکھنے کی کوشش کی۔ اسے سوائے تیز روشنی کے اور کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ہوا میں اس کے کپڑے پھڑپھڑا رہے تھے اور بال اُڑ رہے تھے۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ وقت پیچھے کی طرف جا رہا ہے اور الٹا ستارہ الٹی گردش کرتے ہوئے اسے ساتھ لے کر واپس جا رہا ہے۔ پھر روشنی کم ہوتی گئی۔ اس نے جو ہڈی ہاتھ میں تھام رکھی تھی وہ اس کے ہاتھ میں چھوٹ کر ہوا میں اُڑ گئی۔ پھر اسے دور نیچے

ڈھوں کے ابھرے ہوئے سائے نظر آئے۔ وہ کسی شہر کے اوپر آ گیا تھا۔ مگر کسی بلڈنگ میں روشنی نہیں ہو رہی تھی۔ ناگ کے دل میں خیال آیا کہ وہ اکتالیس سال پیچھے کے زمانے میں آ گیا ہے۔ دوسری جنگ عظیم کا زمانہ ہے۔ اور شہر میں رات کو بلیک آؤٹ ہے جس کی وجہ سے کسی گھر، کسی بلڈنگ میں رات کے وقت روشنی نہیں ہو رہی۔

ناگ اب یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کس شہر میں ہے۔ ماریا اس سے فرانس میں جدا ہوئی تھی اور وہ فرانس ہی میں اترنا چاہتا تھا۔ ستارے کی روشنی اب واپس ستارے کی طرف جا رہی تھی اور ناگ نے آہستہ آہستہ نیچے اترنا شروع کر دیا تھا۔ وہ درختوں کے درمیان ایک پارک میں اتر گیا۔ اسے دور آسمان پر توپوں کی روشنی اور گولوں کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ پارک میں اندھیرا تھا۔ جگہ جگہ ہوائی حملے سے بچنے کے لیے خندقیں کھدی ہوئی تھیں ناگ نے ایک بورڈ کو غور سے دیکھا۔ اس پر جرمن زبان میں لکھا تھا۔ "بچوں کا پارک" ناگ نے سر پکڑ لیا۔ وہ فرانس کی بجائے جرمنی کے کسی شہر میں اتر آیا تھا۔ اس وقت فرانس کے محاذ پر زبردست جنگ ہو رہی تھی۔ جرمنی نے چیکوسلواکیہ

آسٹریا اور یوگوسلاویہ پر قبضہ کر لیا ہوا تھا۔ فرانس کے محاذ پر دوسری طرف انگریز اور امریکی فوجیں جرمنوں کا مقابلہ کر رہی تھیں۔ شہروں پر گولہ باری ہو رہی تھی۔ دونوں جانب کے ہوائی جہاز آ کر زبردست بمباری کر جاتے تھے۔ شہروں میں جنگ کی تباہی مچی ہوئی تھی۔

ناگ اس بات سے مطمئن تھا کہ وہ ۱۹۸۳ء سے نکل کر ۱۹۴۲ء میں آگیا ہے اور وہ ماریا کو کہیں نہ کہیں ضرور تلاش کر لے گا۔ اب وہ کسی نہ کسی طرح جرمنی کی سرحد عبور کر کے فرانس میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ کیوں کہ ماریا فرانس میں اس سے الگ ہوئی تھی۔

لاش کی واپسی

ناگ پارک سے باہر نکل کر ایک سڑک پر آگیا۔
یہ اندھیری سڑک تھی۔ مگر ناگ اس اندھیرے میں بھی سڑک کے کنارے بنی ہوئی فوجی بارکوں کو صاف دیکھ رہا تھا۔ وہ چند قدم ہی چلا ہو گا کہ پیچھے سے آواز آئی:

"ہینڈز اپ۔"

ناگ نے ہاتھ کھڑے کر دیئے۔ ایک آدمی نے پیچھے سے اس کے کپڑوں کی تلاشی لینی شروع کر دی کہ کہیں اس کے پاس پستول تو نہیں۔ پھر وہ ناگ کے سامنے آگیا۔ یہ ایک جرمن فوجی تھا جو رات کو گشت لگا کر پہرہ دے رہا تھا۔
اس نے جرمن زبان میں ناگ سے پوچھا:

"کون ہو تم؟ یہاں کیا کر رہے ہو؟"

ناگ چونکہ ہر زبان بول اور سمجھ لیتا تھا اس لیے اس نے جرمن زبان میں کہا:

"میں مزدور ہوں۔ دن کو مزدوری کرتا ہوں۔ رات

کو باغ میں کسی بنچ پر پڑ کر سو رہتا ہوں۔"

"پھر تم سڑک پر کیا کر رہے ہو؟ پارک میں سو کیوں نہیں رہے؟"

ناگ نے کہا:

"نیند نہیں آ رہی تھی۔ دل نے کہا ذرا چہل قدمی کر دوں۔"

جرمن فوجی نے کہا:

"اپنا شناختی کارڈ دکھاؤ۔"

ناگ کے پاس بھلا شناختی کارڈ کہاں تھا۔ اس نے بہانہ بنایا کہ میرا شناختی کارڈ گم ہو گیا تھا۔ نیا بنوانے کے لیے فارم بھر کر دے رکھا ہے۔ جرمن فوجی نے سٹین گن تان لی اور ٹارچ روشن کر کے ناگ کے منہ پر ڈالی۔

"تم جرمن نہیں ہو۔ تمہارا رنگ سانولا ہے۔ کون ہو تم؟"

ناگ بولا:

"میں سوڈان کے ملک کا رہنے والا ہوں۔ بڑی دیر سے جرمنی میں رہ کر مزدوری کر رہا ہوں۔"

اتنے میں ایک اور جرمن فوجی آ گیا۔ پہلے فوجی نے آنے والے فوجی سے کہا:

"اس کی تلاشی لو۔ یہ مجھے کوئی جاسوس لگتا ہے۔"

دوسرے فوجی نے ناگ کی جیبیں ٹٹولنی شروع کر دیں۔ جیبیں سے ناگ کے پاس شیلا کے دیئے ہوئے چھ سات سو بھارتی کرنسی نوٹ موجود تھے۔ بھارتی کرنسی دیکھ کر جرمن فوجی نے گرج کر کہا:

"یہ جاسوس ہے۔ اس کے پاس انڈین کرنسی ہے۔"

بھارت ان دنوں جرمنی کے خلاف تھا اور ہندوستانی فوجیں انگریزوں کے ساتھ مل کر جرمنوں کے خلاف لڑ رہی تھیں۔

"اسے لے چلو۔"

اور وہ ناگ کو پکڑ کر سامنے والی فوجی بارک میں لے آئے۔ اسے ایک جرمن کمانڈنٹ کے سامنے پیش کیا گیا۔ جرمن کمانڈنٹ نے بھارتی کرنسی کو اور پھر ناگ کو غور سے دیکھا۔ مسکرایا۔ اٹھ کر ناگ کے سامنے آیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا:

"تمہارے دوسرے جاسوس ساتھی کہاں کہاں ہیں؟"

ناگ نے کہا:

"میرا کوئی جاسوس ساتھی نہیں ہے۔ میں خود بھی جاسوس نہیں ہوں۔ میں یہاں مزدوری کرتا ہوں۔"

کمانڈنٹ نے کہا:

"تمہارا ورک پرمٹ کہاں ہے؟"

جرمنی میں جنگ کے زمانے میں بھی جو مزدور مزدوری کرتے تھے ان کے پاس ورک پرمٹ ہوا کرتے تھے۔ ناگ کے پاس ورک پرمٹ بھی نہیں تھا۔ جرمن کمانڈنٹ نے ناگ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

"اگر تم نے سیدھی طرح نہ بتایا کہ تم کون ہو اور تمہارے ساتھی جرمنی میں کہاں کہاں ہیں تو تمہیں اسی وقت شوٹ کر دیا جائے گا۔"

اور کمانڈنٹ نے پستول نکال لیا۔ ناگ بڑا پریشان ہوا کہ کم بخت کس مصیبت میں پھنسا دیا ہے اس جرمن فوجی نے۔ مگر کچھ نہ کر سکتا تھا۔ جرمن فوجی جاسوسوں کو اسی وقت گولی مار دیتے تھے۔ یہ ناگ کی خوش قسمتی تھی کہ ابھی بچا ہوا تھا۔ جب ناگ نے ایک بار پھر جاسوس ہونے سے انکار کیا تو جرمن کمانڈنٹ نے فوجیوں سے کہا:

"اسے بند کر دو۔ صبح کرنل کے سامنے پیش کریں گے۔"

ناگ کو بارک کی ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔ ناگ یہی چاہتا تھا۔ جونہی فوجی نے کوٹھڑی کا دروازہ بند کر کے باہر سے تالا لگایا ناگ نے اُٹھ کر کوٹھڑی کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ کوٹھڑی کی دیواریں لکڑی کی تھیں اور کئی جگہوں پر سوراخ ہو رہے تھے۔ ناگ ان احمق جرمن

[illegible]ں کی قید میں رہ کر اپنا وقت نہیں ضائع کرنا چاہتا تھا۔ اچانک خطرے کا الارم چیخ اٹھا۔ اس کے ساتھ ہی [illegible]وں کے بمبار ہوائی جہاز آ گئے اور انہوں نے بم برسانے شروع کر دیئے۔ ہر ایک کو اپنی اپنی پڑ گئی۔ دو بم بارک کے قریب گرے جن کے دھماکوں سے بارک کا ایک حصہ [illegible]یا اور ناگ کی کوٹھڑی کا دروازہ اکھڑ کر دور جا گرا۔ [illegible]ں گرد و غبار پھیلا ہوا تھا اور جرمن سپاہی جانیں بچانے کے لیے بھاگ رہے تھے۔

ناگ بھی کوٹھڑی سے نکل کر باہر آ گیا۔ کئی جگہوں پر آگ لگ گئی تھی۔ ہوائی جہاز بم گرا رہے تھے اور طیارہ شکن توپیں دھاڑ رہی تھیں۔ ناگ بارکوں والے میدان سے بھاگ کر باہر آیا اور ساتھ والے جنگل میں گھس گیا۔ آسمان پر روشنیوں کے بم پھینکے جا رہے تھے۔ تاکہ انگریزی ہوائی جہازوں کو نشانہ بنایا جا سکے۔ ناگ نے ایک جہاز کو گولہ لگتے اور اس کے پائیلٹ کو چھاتے کے ذریعے باہر کودتے دیکھا۔ اس کے بعد فضا میں اندھیرا چھا گیا۔ ہوائی جہاز بمباری کر کے واپس چلے گئے تھے۔ ناگ چونکہ اندھیرے میں بھی دیکھ سکتا تھا۔ اس نے انگریز ہواباز کے پیراشوٹ کو ایک جگہ جنگل میں اترتے دیکھا اور اُدھر

کو چل دیا۔ وہ جانتا تھا کہ جرمن سپاہی اس انگریز ہواباز
کی تلاش میں وہاں آئیں گے اور ہواباز کو یا تو گرفتار کر
لیں گے اور اگر اس نے مقابلہ کیا تو اسے وہیں گولی مار
کر ہلاک کر دیں گے۔

ناگ کے دل میں خیال آیا کہ اس انگریز ہواباز کو دشمنوں
سے بچایا جائے۔ وہ دوڑ کر اس مقام پر آ گیا جہاں
پیرا شوٹ کے ذریعے ہواباز اُترا تھا۔ ایک جگہ پیراشوٹ
درختوں میں اُلجھا ہوا تھا۔ ناگ نے دیکھا کہ انگریز ہواباز
رسّی سے درخت کے ساتھ لٹکا ہوا ہے اور جیب سے
چاقو نکال کر رسّی کو کاٹنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ہواباز رسّی
کاٹ کر دھم سے نیچے گر پڑا۔ گرتے ہی وہ اٹھا اور پستول
جیب سے نکال کر درخت کی اوٹ میں ہو کر اندھیرے
میں دیکھنے لگا۔ اس نے ناگ کو اندھیرے میں نہیں دیکھا
تھا مگر ناگ اسے برابر دیکھ رہا تھا۔

ناگ اس ہواباز کے پاس جانے ہی والا تھا کہ اسے
جرمن سپاہیوں کے بھاگنے کی آوازیں سنائی دیں۔ تین جرمن
سپاہی مشین گنیں تانیں ہواباز کو تلاش کرتے وہاں آ گئے۔
ناگ نے ان کے سامنے آ کر اپنا آپ دکھایا اور پھر
درختوں میں ایک طرف بھاگ اُٹھا جرمن سپاہی اسے ہواباز

کر اس کے پیچھے لگ گئے۔ انگریز ہواباز یہ تماشہ دیکھ
رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر سمٹ کر بیٹھا رہا۔ جرمن فوجی ناگ
کے پیچھے پیچھے دوڑ رہے تھے اور شور مچا رہے تھے۔ انہوں
نے تڑا تڑ ناگ پر مشین گن کی فائرنگ شروع کر دی۔ ناگ
تیزی سے بھاگتا چلا گیا۔ جب اس نے سوچا کہ اب وہ
کافی دور نکل آیا ہے اور جرمن سپاہی اس کی تلاش میں پیچھے
نہیں آئیں گے تو وہ پرندہ بن کر فضا میں بلند ہوا اور پرواز
کرتا ہوا واپس درختوں میں اس مقام پر آ گیا جہاں انگریز ہواباز
جھاڑیوں میں چھپا بیٹھا وہاں سے فرار ہونے کی ترکیب سوچ
رہا تھا۔ وہ سارا علاقہ دشمنوں سے بھرا ہوا تھا اور وہاں سے
فرار ہونا ایک عام انسان کے لیے آسان کام نہیں تھا۔

ناگ انگریز ہواباز کے پیچھے جا کر انسانی شکل میں ظاہر
ہو گیا۔ آہٹ پا کر ہواباز نے پستول تان لیا۔ وہ گولی چلا دیتا
تو اس کی آواز سن کر دور گئے ہوئے جرمن سپاہی واپس آ جاتے۔

ناگ نے وہیں سے ہلکی آواز میں کہا:

"گولی مت چلانا۔ میں تمہارا دوست ہوں۔"

انگریز ہواباز پستول اُٹھائے خاموش کھڑا رہا۔ ناگ اس
کے سامنے آ گیا۔ ہواباز نے جب اپنے سامنے شہری لباس
یعنی قمیص پتلون میں ایک سانولے رنگ کے نوجوان کو

دیکھا تو ٹھٹھک گیا۔ کیوں کہ وہ گورا جرمن نہیں تھا۔
ناگ نے کہا:
"میں ملک ہندوستان سے آیا ہوں۔ یہاں محنت مزدوری کرتا تھا کہ جرمنوں نے مجھے جاسوس سمجھ کر قید کر لیا۔ بمباری سے قید خانہ تباہ ہوا تو میں بھاگ نکلا۔ میں نے تمہیں جہاز میں سے پیراشوٹ کے ذریعے چھلانگ لگاتے دیکھ کر تمہاری مدد کرنے کا فیصلہ کیا اور جب جرمن سپاہی تمہیں تلاش کرتے یہاں پہنچے تو ان کے آگے بھاگ کر میں نے انہیں غلط راہ پر ڈال دیا۔ اب وہ جنگل میں دور نکل چکے ہیں۔ میں خود یہاں قیدی ہوں اور فرار ہونا چاہتا ہوں۔ کیوں نہ ہم دونوں مل کر یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کریں۔"
انگریز ہوا باز کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اس نے ناگ پر پوری طرح اعتبار نہیں کیا تھا۔ لیکن وہ اعتبار کرنے کے سوا اور کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔ ناگ بڑی خوب صورت انگریزی میں بات کر رہا تھا جس سے انگریز ہوا باز متاثر ہوا تھا۔ اس نے پستول جیب میں ڈالا اور ناگ کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔ ناگ نے قریب آ کر ہوا باز سے اس کا نام

"اچھا۔" ہوا باز نے کہا:
"میرا نام ٹیلر ہے اور تمہارا نام؟"
"ناگ۔"
"انڈین نام لگتا ہے۔"
"میں نے بتایا نا کہ میں ہندوستان میں پیدا ہوا تھا۔"
"مگر تم انگریزی بالکل انگریزوں کی طرح بولتے ہو۔"
"میں لندن میں رہ چکا ہوں۔"
ہوا باز نے اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے ناگ سے پوچھا:
"کیا تم اس جنگل کے رستوں سے واقف ہو؟"
"نہیں۔ مگر شہر یہاں سے دور نہیں ہے۔"
انگریز ہوا باز نے کہا:
"شہر میں جانا خطرناک ہو گا۔ ہمیں اسی جنگل میں چھپ کر یہاں سے فرار کی سکیم تیار کرنی ہو گی۔"
پھر اس نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا:
"اگر تم نے مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کی تو میں تمہیں گولی مار دوں گا۔"
ناگ کو ہوا باز کی یہ بات بری لگی۔ اس نے تو نیک دلی سے اس کی مدد کرنی چاہی تھی اور اس کی مدد کے لیے وہاں

آیا تھا لیکن وہ اُلٹا اس پر شک کر رہا تھا اور اسے جان
سے مار دینے کی دھمکیاں دے رہا تھا۔ لیکن ناگ نے اس
لیے زیادہ خیال نہ کیا کہ انگریز ہوا باز کی جان دشمنوں کے
نرغے میں پھنسی ہوئی تھی اور وہ ہر ایک پر شک کرنے میں
بجا تھا۔ چونکہ ناگ خود جرمنی کے ملک سے فرار ہو کر فرانس
ماریا کے پاس پہنچنا چاہتا تھا اس لیے اس نے سوچا کہ
چلو اس ہوا باز کے ساتھ وہاں سے نکل چلیں گے۔ کیونکہ
انگریز ہوا باز کو فرانس کی سرحدوں کا علم تھا اور فرانس سے
گذر کر ہی وہ انگلستان اپنے وطن پہنچ سکتا تھا۔ اس نے مسکرا
کر ہوا باز سے کہا:

"یہ وقت آنے پر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میں
تمہارا کتنا دوست اور کتنا دشمن ہوں اور تمہیں
دھوکہ دینا چاہتا ہوں کہ تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

انگریز ہوا باز نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کان لگا کر ایک
آواز سننے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ آواز اندھیرے میں درختوں
کی طرف سے آ رہی تھی۔ اچانک سرچ لائیٹس کی روشنی میں
جنگل جگمگا اٹھا اور جرمن فوجیوں نے مشین گنیں تان کر ان
دونوں کو گھیر لیا۔

"ہینڈز اپ خبردار ہلنے کی کوشش نہ کرنا۔"

ناگ اور ہوا باز ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ انہیں
اسی وقت گرفتار کر لیا گیا۔ جنگل سے باہر سڑک پر فوجی
جیپ کھڑی تھی۔ اس میں دونوں کو بٹھا کر ہیڈ کوارٹر کے
جیل خانے میں بند کر دیا گیا۔

ہوا باز پریشان تھا۔ کہنے لگا:

"یہ لوگ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

پھر اس نے جیب سے چمڑے کا بٹوہ نکال کر ناگ
کو دیتے ہوئے کہا:

"اگر میں مار دیا گیا اور تم بچ گئے تو یہ بٹوہ میری
بیوی ہیلن کو پیرس میں پہنچا دینا۔ اس کے گھر کا
پتہ اس بٹوے میں ہے۔ اس میں ہماری شادی کی
انگوٹھی بھی ہے۔ اسے کہنا کہ میں اس کے لیے کچھ
نہیں کر سکا اس کا مجھے افسوس ہے۔ وہ فرانس کی
رہنے والی ہے۔ اسے کہنا کہ لندن میرے بھائی
کے پاس چلی جائے۔"

ناگ نے بٹوہ جیب میں رکھ لیا۔ انگریز ہوا باز کی چھٹی
حس نے اسے آنے والی موت کے بارے میں بتا دیا تھا۔
کیوں کہ دوسرے دن اسے جرمن افسر پوچھ گچھ کے لیے لے
گئے، اور پھر اسے گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ اسی رات

وہ ناگ کو بھی پوچھ گچھ کے لیے لے گئے۔ ناگ کو چونکہ کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ اس لیے اس نے کچھ نہ بتایا۔ جرمن افسروں نے اسے بھی گولی سے اڑا دینے کا حکم صادر کر دیا۔ چار جرمن سپاہی ناگ کو پکڑ کر جیل خانے کے پیچھے صحن میں لے گئے اور پتھر کی دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا۔ جرمن سپاہی رائفلیں تان کر ناگ کا نشانہ باندھ رہے تھے کہ وہ کھڑے کھڑے اپنی جگہ سے غائب ہو گیا۔ جرمن سپاہی اور افسر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ ادھر اُدھر بھاگ کر انہوں نے ناگ کو تلاش کرنے کی کوشش کی مگر اس وقت ناگ جرمنی کے اس شہر کی سرحد عبور کر چکا تھا۔ وہ پرندے کی شکل میں سفر کر رہا تھا۔ اس نے اوپر سے زمین پر پیرس کے ایفل ٹاور کو دیکھا۔ سمجھ گیا کہ وہ پیرس پہنچ گیا ہے۔ ناگ ایفل ٹاور کی سب سے اوپر والی منزل میں اترا اور انسانی شکل اختیار کر کے لفٹ کے ذریعے نیچے آ گیا۔ دن کافی نکل آیا تھا مگر جنگ کی وجہ سے پیرس کی سڑکیں ویران ویران تھیں۔ جرمن فوجوں کا دباؤ بہت زیادہ بڑھ رہا تھا اور شہر میں اس خبر سے افراتفری پھیلی ہوئی تھی کہ جرمن فوجیں پیرس میں داخل ہونے ہی والی ہیں۔ ناگ انگریز ہواباز ٹیلر کی بیوی کے پاس اس کی امانت پہنچا

چاہتا تھا۔ ناگ کو اس بات کی خوشی بھی تھی کہ وہ یورپ کے سب سے بڑے شہر پہنچ گیا ہے اور اب وہ اس کو تلاش کر سکے گا۔

ناگ کے پاس فرانس میں چلنے والے نوٹ اور سکے نہیں تھے اس لیے وہ کسی ٹیکسی میں سوار نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے انگریز ہواباز کی بیوی ہیلن کا ایڈریس بٹوے میں سے نکال کر غور سے پڑھا اور اس کی تلاش میں چل پڑا۔ شہر کے لوگ جرمن فوجوں کے شہر میں داخل ہونے کی خبروں سے بڑے پریشان تھے۔ کافی دکانیں بند تھیں۔ بس بھی کوئی کوئی چل رہی تھی۔ ناگ نے بڑی مشکل سے ہواباز کی بیوی کے محلے کا پتہ پوچھا اور پیدل ہی سڑکوں اور بازاروں میں سے ہوتا اس محلے میں پہنچ گیا۔ یہ شہر کا خوب صورت علاقہ تھا۔ دریا پاس ہی بہتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے سرخ ڈھلوانی چھتوں والے مکان بنے تھے۔ ان میں سے ایک مکان پر انگریز ہواباز کی بیوی کے مکان کا نمبر لکھا تھا۔

ناگ نے مکان کی گھنٹی کا بٹن دبایا۔ اسے مکان کے اندر گھنٹی کے بجنے کی دھیمی سی آواز سنائی دی۔ مگر کسی نے دروازہ نہ کھولا۔ تیسری بار گھنٹی بجانے پر ایک نوکرانی

نے دروازہ کھول کر ناگ سے پوچھا کہ وہ کس سے ملنا
چاہتا ہے۔ ناگ نے ہیلن کا نام بتایا اور کہا کہ وہ بہت
ضروری کام سے آیا ہے۔ نوکرانی نے اسے اندر بلا کر دروازہ
بند کر دیا۔ پھر اس نے پردہ ہٹا کر کہا:

"یہاں بیٹھیں۔ مالکن اپنے خاوند کے ساتھ چائے
پی رہی ہے۔ میں اسے ابھی اطلاع کرتی ہوں:"

ناگ چونک پڑا۔ ہیلن کا خاوند تو جرمنی میں مر چکا ہے۔
پھر وہ کس خاوند کے ساتھ چائے پی رہی ہے؟ ناگ نے
نوکرانی سے پوچھا:

"مالکن کا خاوند تو محاذِ جنگ پر گیا ہوا تھا۔"

نوکرانی بولی:

"ہاں۔ وہ آج ہی میدان جنگ سے واپس آیا ہے۔"

ناگ کا ذہن اور زیادہ اُلجھ گیا۔ اس نے نوکرانی سے کہا

"تمہاری مالکن کا نام ہیلن ہے ناں؟"

"جی ہاں۔"

"اور اس کے خاوند کا نام ٹیلر ہے؟"

"ہاں ہاں۔ اور وہ انگریز ہے اور ہوا باز ہے۔
کچھ اور معلوم کرنا چاہتے ہو تو وہ بھی معلوم
کر لو۔"

اتنا کہہ کر نوکرانی چلی گئی۔ ناگ اُلجھن میں پھنس گیا کہ
ہیلن کا خاوند مرنے کے بعد کیسے زندہ ہو کر وہاں اس
سے پہلے پہنچ گیا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے انگریز ہوا باز
یعنی ہیلن کے خاوند کی لاش جیل خانے کے صحن میں پڑی
دیکھی تھی۔ وہ کمرے میں ٹہلنے لگا۔ وہ ہیلن کے خاوند کو اپنی
آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ یا تو ہیلن
جھوٹی ہے اور کسی دوسرے آدمی کو اپنا خاوند ظاہر کر رہی
ہے اور یا پھر نوکرانی جھوٹ بول رہی ہے۔ ناگ ہیلن کے
خاوند کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا۔

اسے دوسرے کمرے سے ایک عورت اور آدمی کے
بولنے کی ہلکی ہلکی آوازیں آ رہی تھیں۔ پھر عورت کی ہنسی کی
آواز سنائی دی۔ پھر میز پر چائے کی پلیٹ رکھنے کی آواز
آئی۔ ناگ اٹھ کر بند دروازے کے پاس گیا اور اس نے
ایک سوراخ میں سے جھانک کر دوسری طرف دیکھا۔ جو
کچھ اس نے دوسرے کمرے میں دیکھا اسے دیکھ کر ناگ کا
دماغ چکرا گیا۔ سچ مچ دوسرے کمرے میں ہیلن کے پاس
وہی انگریز ہوا باز فوجی وردی میں بیٹھا تھا جو ناگ کو جرمنی
کے جنگل میں ملا تھا اور جسے جرمن سپاہیوں نے گولی مار
کر ہلاک کر دیا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ

یہ ماجرا کیا ہے؟ کہیں وہ خواب تو نہیں دیکھ رہا ہے؟
ناگ نے اپنی انگلی دانتوں میں ڈال کر زور سے کاٹی۔ درد
سے وہ اپنا ہاتھ جھٹکنے لگا۔ نہیں۔ یہ خواب نہیں تھا۔ وہ
جاگ رہا تھا اور اس کی آنکھوں کے سامنے دوسرے کمرے
میں ایک ایسا انسان بیٹھا اپنی بیوی کے ساتھ چائے پی
رہا تھا اور باتیں کر رہا تھا جس کی لاش اس نے اپنی
آنکھوں سے گولیوں سے چھلنی صحن کے فرش پر پڑی دیکھی
تھی۔ اتنے میں نوکرانی دوسرے کمرے میں آئی اور ہیلن کی
طرف دیکھ کر بولی:

"ایک مہمان آپ سے ملنے آیا ہے۔"

ہیلن نے کہا:

"اسے ڈرائینگ روم میں بٹھاؤ۔"

نوکرانی نے کہا:

"میں نے انہیں بٹھا دیا ہے۔"

ہیلن بولی:

"میں ابھی آتی ہوں۔"

نوکرانی چلی گئی۔ ہیلن نے اپنے انگریز ہوا باز خاوند کی
طرف دیکھا اور کہا:

"میرے دفتر کا سیکرٹری آیا ہو گا۔ جرمن فوجیں
فرانس میں داخل ہونے والی ہیں۔ وہ مشورہ کرنے
آیا ہو گا۔ لوگ پریشان ہیں۔ ٹیلر! ہمیں آج ہی
یہاں سے انگلستان فرار ہو جانا چاہیے۔"

ہواباز نے کہا:

"میں ہیڈ کوارٹر جا رہا ہوں۔ تھوڑی دیر میں
آؤں گا۔ پھر ہم یہاں سے نکل چلیں گے۔ اچھا
اب میں جاتا ہوں۔"

ناگ نے ہوا باز کی آواز بھی پہچان لی تھی۔ بالکل وہی
آدمی تھا۔ وہ اٹھا اور اپنی بیوی ہیلن کا ہاتھ چوم کر
دروازے کی کھڑکی کی طرف بڑھا۔

ہیلن نے کہا:

"ٹیلر! دروازے کی طرف سے کیوں نہیں جاتے؟
آؤ۔ تمہیں میں اپنے سیکرٹری سے بھی ملاتی ہوں۔"

انگریز ہواباز نے کہا:

"نہیں ہیلن ڈیئر! جنگ کا زمانہ ہے۔ ہمیں بڑی
احتیاط کرنی چاہیے۔ ہو سکتا ہے یہ جرمنوں کے
لیے یہاں جاسوسی کر رہا ہو۔"

ہیلن اپنے خاوند کا منہ تکتی رہی اور وہ کھڑکی میں
سے باہر کود کر مکان کے پچھواڑے کے درختوں میں غائب

ہو گیا۔

ناگ بند دروازے سے ہٹ کر صوفے پر آکر بیٹھ گیا۔ اس کا دماغ پریشان اور الجھا ہوا تھا۔ اتنے میں پردہ ہٹا اور انگریز ہوا باز کی بیوی ہیلن مسکراتی ہوئی اندر آگئی۔ ناگ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے ہیلن کو سلام کیا۔ ہیلن نے کہا:

"میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟"

ناگ نے کہا:

"اگر آپ مجھے اس کمرے میں جانے کی اجازت دے دیں جہاں ابھی ابھی آپ ایک آدمی سے باتیں کر رہی تھیں تو میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گا۔"

ہیلن نے کہا:

"وہ آدمی میرا خاوند تھا۔"

ناگ بولا:

"میں آپ کے خاوند کے بارے میں ہی کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں مگر ساتھ والے کمرے میں جا کر کروں گا۔"

ہیلن ناگ کو لے کر ساتھ والے کمرے میں آگئی۔ یہاں وہ تھوڑی دیر پہلے اپنے خاوند سے باتیں کر رہی تھی۔ ناگ نے میز پر پڑی چائے کی پیالیوں کو اٹھا کر غور سے دیکھا۔ ہیلن تعجب سے ناگ کو دیکھ رہی تھی کہ یہ شخص کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔ پھر اسے خیال آیا کہ ضرور یہ کوئی پولیس یا فوج کے خفیہ محکمے کا جاسوس ہے۔ ناگ نے ہیلن کو کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی بیٹھ گیا۔ پھر اس نے جیب سے اس کے خاوند کا بٹوہ نکال کر ہیلن کو دیا جس میں ان دونوں کی شادی کی تصویر لگی تھی اور شادی کی انگوٹھی بھی تھی۔

"ان چیزوں کو آپ پہچانتی ہیں؟" ناگ نے پوچھا۔

ہیلن نے بٹوے میں لگی تصویر دیکھی پھر انگوٹھی ہاتھ میں لے کر بولی:

"کیوں نہیں۔ یہ میرے خاوند کا بٹوہ ہے اور یہ ہماری شادی کی تصویر ہے اور یہ — یہ ہماری شادی کی انگوٹھی ہے۔"

ناگ نے کہا:

"آپ حیران ہو رہی ہوں گی کہ یہ چیزیں میرے پاس کیسے آگئیں؟"

ہیلن بولی:

"جی ہاں۔ یہ آپ کو کس نے دیں؟"

ناگ نے کہا:

"یہ چیزیں آپ کے خاوند نے مرنے سے تھوڑی دیر پہلے مجھے دی تھیں۔"

ہیلن کو جیسے کسی نے کاٹ کھایا۔ وہ چونک کر اچھل سی پڑی:

"موت سے پہلے؟ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

اب ناگ نے انگریز ہوا باز کی بیوی کو شروع سے آخر تک ساری کہانی بیان کر دی کہ کس طرح جرمنی کے جنگل میں اس کے خاوند کا طیارہ تباہ ہوا اور وہ پیراشوٹ سے اُترا۔ پھر کس طرح دونوں کی جنگل میں ملاقات ہوئی اور دونوں پکڑے گئے اور اس کے خاوند نے اسے بٹوہ اور شادی کی انگوٹھی دے کر کہا کہ یہ چیزیں پیرس میں میری بیوی ہیلن کو پہنچا دینا اور کہنا کہ مجھے افسوس ہے میں اس کے لیے کچھ نہیں کر سکا اور پھر کس طرح جرمن سپاہی اسے لے گئے اور گولی سے اُڑا دیا۔

ہیلن بُت بنی ناگ کی باتیں سنتی رہی۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ کیوں کہ ابھی تھوڑی دیر

پہلے وہ اپنے خاوند کے ساتھ بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ اگر وہ مر گیا ہوتا تو وہاں کیسے آتا؟ ہیلن کو خیال آیا کہ ہو سکتا ہے اس شخص کو دھوکہ ہوا ہو۔ مگر پھر اس کے پاس اس کے خاوند کا بٹوہ اور شادی کی انگوٹھی کیسے آ گئی؟ وہ پریشان ہو کر اٹھی اور کمرے میں ٹہلنے لگی۔ اس نے ناگ کے قریب آکر پوچھا:

"کیا تم نے اپنی آنکھوں سے میرے خاوند کی لاش دیکھی تھی؟"

"ہاں — اس کی لاش گولیوں سے چھلنی تھی اور وہ مر چکا تھا۔"

ہیلن کے منہ سے جیسے اپنے آپ نکل گیا:

"پھر وہ دوبارا کیسے زندہ ہو کر میرے پاس آ گیا؟"

ہیلن نے ناگ کو بتایا کہ اس کا خاوند تھوڑی دیر ہوئی اس کے پاس بیٹھا تھا۔

ناگ نے کہا:

"میں نے دروازے کے سوراخ میں سے تم دونوں کو باتیں کرتے دیکھ لیا تھا۔ اسی لیے تو میں پریشان ہو رہا ہوں۔"

ہیلن ہاتھ مل رہی تھی:

"میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

پھر فون کی طرف دیکھ کر بولی:

"میں اس کے دفتر فون کرتی ہوں۔"

اس نے فوراً نمبر گھمائے اور ریسیور کان کے پاس لا کر بولی:

"ہیلو! کیا میں سکویڈرن لیڈر ٹیلر سے بات کر سکتی ہوں؟ میں اس کی بیوی بول رہی ہوں۔"

دوسری طرف سے اس کے خاوند ٹیلر کی آواز آئی:

"میں ٹیلر بول رہا ہوں ڈارلنگ۔"

ہیلن کا رنگ سُرخ ہو گیا۔ اس نے ناگ کی طرف منہ کر کے سرگوشی میں کہا:

"میرا خاوند بول رہا ہے۔"

ناگ اور زیادہ اُلجھ گیا۔

ہیلن نے فون پر کہا:

"ڈارلنگ تم کتنی دیر میں آؤ گے؟"

دوسری سے آواز آئی:

"میں نے سب انتظام کر لیا ہے۔ بس آ رہا ہوں تم تیار رہنا۔ ہم انگلستان چلے جائیں گے جرمن فوجیں فرانس میں داخل ہو گئی ہیں۔"

ہیلن نے کہا:

"ڈارلنگ! میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔"

"تمہیں پیار ڈارلنگ!"

اور دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔ ریسیور ہیلن کے ہاتھ میں تھا اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ناگ کو تک رہی تھی، پھر بولی:

"شاید تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرا خاوند زندہ ہے۔ وہ ابھی مجھ سے بات کر رہا تھا۔"

ناگ نے کہا:

"پھر اس نے اپنا بٹوہ مجھے تمہیں دینے کے لیے کیوں دیا؟"

ہیلن بولی:

"ہو سکتا ہے تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم نے یہ بٹوہ کسی طرح سے میرے خاوند کی جیب سے نکال لیا ہو اور اب مجھے بلیک میل کرنے کی کوشش کرنے کا پروگرام بنا رہے ہو۔"

ناگ نے کہا:

"میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کہوں گا۔ تمہارا خاوند ابھی آ رہا ہے میں اس سے بات کروں گا۔ وہ خود تمہیں بتائے گا کہ یہ بٹوہ اسی نے مجھے دیا تھا۔"

ہیلن بے چینی سے ٹہلنے لگی۔ اتنے میں دروازے کی
گھنٹی بجی۔ ہیلن نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا تھوڑی
دیر بعد نوکرانی پلیٹ میں ایک خط رکھے اندر آئی۔ یہ سرکاری
فوجی خط تھا۔ نوکرانی خط دے کر چلی گئی۔ ہیلن نے خط
کھول کر پڑھا۔ اس میں چار سطریں لکھی تھیں۔ خط پڑھنے
کے بعد اس کا رنگ زرد ہو گیا اور وہ صوفے پر گر پڑی۔
خط نیچے قالین پر گر پڑا۔ ناگ نے جلدی سے ہیلن کو
پانی کا ایک گھونٹ پلایا اور اسے صوفے پر سکون سے
بٹھا کر بولا:

"خط میں کیا لکھا تھا؟"

ہیلن نے خط کی طرف اشارہ کیا اور منہ سے کچھ نہ
بولی۔ ہیلن کا رنگ زرد تھا اور جسم ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔
ناگ نے خط اُٹھا کر پڑھا، لکھا تھا:

"ہم بڑے دُکھ کے ساتھ آپ کو خبر دے رہے
ہیں کہ آپ کا خاوند سکوڈرن لیڈر ٹیلر وطن کی
خدمت کرتے ہوئے دشمنوں کے ہاتھوں ہلاک ہو
گیا ہے۔ قوم ان کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھے گی۔"

ناگ نے ہیلن سے کہا:

"اب تو تمہیں یقین آ گیا ہو گا کہ تمہارا خاوند زندہ

نہیں ہے؟"

ہیلن نے آہ بھر کر کہا:

"کیا وہ زندہ ہو کر میرے پاس آیا ہے؟ کیا ایک
مُردہ زندہ ہو سکتا ہے؟"

"اس گتھی کو ابھی ہمیں حل کرنا ہے۔" ناگ نے کہا۔

اب ہیلن کو خیال آنے لگا کہ اس کا خاوند جاتی دفعہ
دروازے سے کیوں نہیں گیا تھا اور کھڑکی میں سے باہر کودا
تھا۔ یہ ایک انوکھی اور عجیب بات تھی جو زندہ حالت میں
اس نے کبھی نہیں کی تھی۔ کوٹھی کے پیچھے والے باغ سے
ایسی آواز آئی جیسے کوئی جھاڑیوں میں سے گذر کر چلا آ رہا
ہو۔ ہیلن نے لپک کر باغ کی طرف کھلنے والی کھڑکی میں
سے باہر جھانک کر دیکھا اور بولی:

"میرا خاوند آ رہا ہے۔"

ناگ نے بٹوہ ہیلن کے ہاتھ میں دے کر کہا:

"میں پردے کے پیچھے چھپ جاتا ہوں۔ تم اسے
یہ بٹوہ دکھانا۔ دیکھنا پھر وہ کیا کہتا ہے۔"

ناگ پردے کے پیچھے جا کر چھپ گیا۔ ہیلن نے
بٹوہ ہاتھ میں تھام کر ہاتھ پیچھے کر لیا۔ اتنے میں اس کا
مرا ہوا خاوند کھڑکی میں سے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ اس

بار بھی کھڑکی کے راستے اندر آیا تھا۔ اس کے چہرے پر
ایک اداس مسکراہٹ تھی۔ ناگ نے پردے کے پیچھے سے
دیکھا کہ ہواباز کا رنگ زرد تھا اور چہرے پر موت کی سفیدی
تھی۔ یہ بات صرف ناگ ہی دیکھ سکتا تھا۔ ہیلن بھی اب
اسے عجیب خوف زدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ کچھ ڈری
ڈری اور سہمی سہمی تھی۔

ہواباز نے کہا:

"کیا تم میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو ہیلن؟"

ہیلن نے ڈری ہوئی آواز میں پوچھا:

"کہاں؟"

اسے خیال آیا کہ ایک مرا ہوا شخص اسے اپنے ساتھ
کہاں لے جا رہا ہے۔ وہ یہ بھول ہی گئی کہ ابھی تھوڑی
دیر پہلے کی ملاقات میں اور فون پر بھی اس کے خاوند
نے کہا تھا کہ وہ اسے اپنے ساتھ لے کر فرانس سے
انگلستان چلا جائے گا۔ کیوں کہ فرانس پر جرمن قبضہ
کرنے والے ہیں۔

اس لئے خاوند نے کہا:

"انگلستان اور کہاں! کیا تمہیں یاد نہیں میں
تمہیں اپنے ساتھ فرانس سے نکال لے جانا چاہتا ہوں

ں نے سارا انتظام کر لیا ہے۔"

ہیلن نے جواب دینے یا سوال کرنے کی بجائے ہاتھ
ے کر کے اپنے خاوند کا وہ بٹوہ میز پر رکھ دیا جو
ں نے مرنے سے تھوڑی دیر پہلے ناگ کو دیا تھا۔
ے کو دیکھ کر ہیلن کے خاوند پر گویا بجلی سی گر
ڑی۔ وہ پتھر کا بُت بن کر اپنی بیوی کو ٹکٹکی باندھے
نے لگا۔ اس کے چہرے کا رنگ اور زرد ہو گیا۔

ہیلن نے کہا:

"ڈارلنگ! اس بٹوے کو پہچانتے ہو؟ یہ تمہارا
بٹوہ ہے۔ اس میں ہماری شادی کی تصویر بھی
ہے اور وہ انگوٹھی بھی جو تم نے شادی کے
موقع پر مجھے دی تھی۔ تمہیں یاد ہے تم نے یہ بٹوہ
کس کو دیا تھا ڈارلنگ۔"

ناگ نے محسوس کیا کہ دہشت کے مارے ہیلن
کی آواز کانپ رہی تھی۔ کیوں کہ اسے اب یقین ہو
چکا تھا کہ وہ اپنے مرے ہوئے خاوند سے بات کر رہی
ہے۔ انگریز ہواباز کے چہرے پر ہلکی سی اداس مسکراہٹ
آ گئی۔ اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر ہیلن کے کندھے
پر رکھنا چاہا مگر ہیلن ڈر کر پیچھے ہٹ گئی۔

اُس کے خاوند نے کہا:

"ڈرو نہیں ہیلن ڈارلنگ! یہ بٹوہ میری جیب
سے کسی نے نکال لیا تھا۔"

یہ سن کر ناگ پردہ ہٹا کر سامنے آ گیا:

"مجھے پہچانتے ہو دوست؟ یہ بٹوہ تم نے
مجھے دیا تھا۔"

موت کا وعدہ

مرے ہوئے ہوا باز نے ناگ کی طرف دیکھا اور آہ
بھر کر کہا:

"میرے دوست! مجھے خوشی ہے کہ تم اپنا وعدہ
پورا کرنے اور میری بیوی کو یہاں سے نکالنے کے
لیے آ گئے ہو۔ لیکن تم نے مجھے اس خوشی سے
محروم کر دیا ہے۔ جو مجھے اپنی پیاری بیوی کو خود
یہاں سے نکال کر اپنے گھر لندن پہنچانے میں
ملنے والی تھی۔ لیکن میری تقدیر میں یہی لکھا تھا اور
میں اسے قبول کرتا ہوں۔"

ناگ اور ہیلن مرے ہوئے انسان کو دیکھ رہے تھے۔

ناگ نے کہا:

"مگر تم تو مر گئے تھے پھر تم۔"

"زندہ کیسے ہو گیا؟ تم یہی پوچھنا چاہتے ہو نا؟"

مرے ہوئے ہوا باز نے کہا:

"بیٹھو! میں تم دونوں کو بتاتا ہوں کہ میں زندہ
کیسے ہو گیا؟"

ہیلن اور ناگ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ مرا ہوا ہوا باز بھی
کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے ٹھنڈی آہ بھری اور کہا:

"جرمن سپاہیوں نے جب میرے سینے پر مشین گن
کی بوچھاڑ ماری تو میرے دل میں صرف یہی خیال
تھا کہ میری بیوی ہیلن پیرس میں ہے۔ اس کا کیا
ہو گا؟ جرمنوں نے فرانس پر قبضہ کر لینا ہے۔
خدا جانے پھر میری بیوی کے ساتھ کیا گزرے گی۔
جب موت کا فرشتہ میری جان نکالنے لگا تو
میں نے اس سے التجا کی کہ اے موت کے فرشتے!
میں مرنے سے نہیں ڈرتا مگر خدا کے لیے مجھے
اتنی مہلت دے دو کہ میں اپنی بیوی کو خود پیرس
سے نکال کر اپنے لندن والے گھر پہنچا دوں۔ اس
کے بعد بے شک تم میری جان نکال لینا۔ موت
کا فرشتہ اس محبت سے بہت متاثر ہوا تھا جو مجھے
اپنی بیوی ہیلن سے ہے۔ اس نے میری التجا قبول
کر لی اور کہا کہ میری روح میرے جسم کا روپ بدل
کر پیرس جا کر اپنی بیوی کو بچا سکتی ہے۔ پس میں

وہاں سے سیدھا یہاں اپنی بیوی ہیلن کے پاس
آ گیا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا تم دونوں کو معلوم ہے۔"

ہیلن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ وہ اپنے خاوند کے
گلے لگنے لگی تو اس کے خاوند نے ہاتھ کے اشارے سے
اسے وہیں روک دیا اور کہا:

"اب مجھے ہاتھ نہ لگانا۔ میرے قریب نہ آنا۔ موت
میرے ساتھ کھڑی ہے۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا
ہے۔ میری مہلت کا وقت پورا ہو گیا ہے۔ میرے
دوست نے بھی اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے اور وہ اب
تمہیں اپنی حفاظت میں یہاں سے نکال کر لندن پہنچا
دے گا۔ کیوں میرے دوست تم اس کا ذمہ لیتے ہو؟"

ناگ نے کہا:

"ہاں! میں ذمہ لیتا ہوں کہ تمہاری بیوی کو اپنی
حفاظت میں لندن تمہارے گھر پہنچا دوں گا۔"

مرے ہوئے ہوا باز نے کہا:

"یہی میری زندگی کی آخری خواہش تھی جس کی موت
سے التجا کی تھی اور اس نے قبول کر لی تھی۔ میری
خواہش پوری ہو گئی۔ اب میں موت کے ساتھ واپس
جا رہا ہوں۔ خدا حافظ!"

ہیلن کی چیخ نکل گئی۔ اس کے مرے ہوئے خاوند نے کہا:
"ڈرو نہیں میری پیاری بیوی! موت ایک دن سب کو آنی ہے۔ میں تو پہلے ہی مر چکا تھا۔"
یہ کہہ کر مرا ہوا ہوا باز کرسی سے اُٹھا۔ آہستہ سے پیچھے مڑا اور بولا:
"اے موت کے رحم دل فرشتے! میں تمہارے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوں۔"
اس کے ساتھ ہی مشین گن کی گولیاں چلنے کی تڑاتڑ کی آواز سے کمرہ گونجا۔ ہوا باز فرش پر گرا۔ اس کی بیوی ہیلن چیخ مار کر اپنے خاوند کی لاش پر جھکی مگر وہاں تو کچھ بھی نہیں تھا۔ فرش پر بچھا ہوا قالین خالی تھا۔ اس کے خاوند کی لاش غائب ہو چکی تھی۔ اس نے اپنا وعدہ اور موت کے فرشتے نے اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا۔ کمرے کا دروازہ کھلا اور نوکرانی گھبرائی ہوئی اندر داخل ہوئی:
"مالکن! جرمن فوجیں پیرس میں داخل ہو گئی ہیں۔"
ناگ نے کہا:
"یہاں سے نکل چلو۔"
ہیلن نے اپنے پرس میں کچھ قیمتی جواہرات رکھے۔ نوکرانی کو ساتھ لیا اور ناگ کے ساتھ بنگلے سے باہر آ گئی۔ گیراج

سے گاڑی نکالی اور اس میں سوار ہو کر ہوائی اڈے کی طرف روانہ ہو گئی۔ شہر کی سڑکوں پر لوگ گھبراہٹ میں ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ سرحد کی جانب سے توپ کے گولوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔
لوگوں کے رش کی وجہ سے ان کی گاڑی آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ ہیلن بڑی مشکل سے گاڑی کو ایک گلی میں سے نکال کر ہوائی اڈے کی طرف جانے والی بڑی سڑک پر لے آئی۔ آسمان پر دو جرمن لڑاکا طیارے نمودار ہوئے۔ انہوں نے جھک کر ایک غوطہ لگایا اور سڑک پر گولیوں کی بوچھاڑ ماری۔ ہیلن کی چیخ نکل گئی۔
ناگ نے کہا:
"گاڑی کو سڑک کے کنارے پر لے آؤ۔"
سڑک کے کنارے درخت اُگے ہوئے تھے۔ ہیلن گاڑی کو درختوں کے نیچے لے آئی اور کچی سڑک پر اس کی رفتار تیز کر دی۔ جرمن طیاروں کی فائرنگ سے ایک گاڑی اُلٹ گئی اور لوگ زخمی ہو گئے۔ ہوائی اڈے کا ٹاور دکھائی دیا تو اس کے ساتھ ہی تین جرمن بمبار طیارے آئے اور ہوائی اڈے پر بم گرا کر اوپر اٹھ گئے۔ ایک کے بعد ایک بڑے زبردست چار دھماکے ہوئے اور ہوائی اڈے میں جگہ جگہ آگ بھڑک

اٹھی۔ فضا ہوائی حملے کے الارم سے گونج اٹھی۔
ہیلین نے کہا:
"ہم ہوائی جہاز سے فرار نہ ہو سکیں گے۔ جرمن طیارے
بم باری کر رہے ہیں۔"
جرمن طیارے غوطہ لگا لگا کر بم پھینک رہے تھے۔
نوکرانی نے کہا:
"یہاں سے نکل کر میرے ہاں چلے چلیں مالکن! ہم
رات کو فرار ہونے کی کوشش کریں گے۔"
ہیلین نے ناگ سے پوچھا:
"تمہارا کیا خیال ہے ناگ؟"
ناگ نے جب دیکھا کہ ہوائی اڈے پر زبردست بمباری
ہو رہی ہے اور اس وقت وہاں سے جہاز پکڑ کر فرار ہونے
کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو کہا:
"میرا خیال ہے نوکرانی ٹھیک کہتی ہے۔ ہمیں رات
کو فرار ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس وقت
خطرہ ہے۔"
ہیلین نے گاڑی کا رخ نوکرانی کے گھر کی طرف موڑ دیا۔
اس کا گھر شہر سے باہر شمال مغرب میں ایک نہر کے کنارے
تھا۔ یہ ایک دو کمروں والا چھوٹا سا مکان تھا جس میں ایک

تہہ خانہ بھی تھا۔ اس تہہ خانے میں سردیوں کے لیے آلو
اور پیاز کی بوریاں رکھی جاتی تھیں۔ ہیلین اور ناگ کو نوکرانی
نے کمرے میں بٹھایا اور کہا:
"میں ریڈیو لاتی ہوں۔"
وہ ساتھ والے کمرے سے ریڈیو لے آئی۔ ہیلین نے
ریڈیو لگایا۔ ریڈیو پر ایک جرمن آفیسر فرانسیسی زبان میں اعلان
کر رہا تھا کہ فرانس پر جرمن فوجوں نے قبضہ کر لیا ہے۔
کوئی شخص اپنے گھر سے باہر نہ نکلے۔ پیرس میں بہتر گھنٹے
کا کرفیو لگا دیا گیا ہے۔
ہیلین نے ریڈیو بند کر کے اپنا سر پکڑ لیا:
"ہم نے باہر نکلنے میں دیر کر دی۔ اب ہم یہاں
سے کبھی فرار نہ ہو سکیں گے۔"
ناگ نے کہا:
"تمہیں یہاں سے نکال کر تمہارے لندن والے گھر
میں پہنچانا میرا فرض ہے اور میں یہ فرض ہر حالت
میں پورا کروں گا۔"
نوکرانی نے کہا:
"میں آپ کے ساتھ رہوں گی۔"
ہیلین بولی:

"تم اپنی زندگی ہمارے لیے خطرے میں نہ ڈالو۔
تم اپنے گاؤں چلی جاؤ۔"
نوکرانی بولی:
"نہیں مالکن — میں آپ کو اکیلا نہیں چھوڑوں گی
میرا مرنا جینا آپ کے ساتھ ہے۔"
ناگ نے کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا۔ سڑک پر
سناٹا چھا گیا تھا اور جرمن فوجوں سے بھرے ہوئے ٹرک
گزر رہے تھے۔
ناگ نے کھڑکی بند کر دی:
"اب کیا ہو گا؟" ہیلن بولی، "جرمن سپاہی گھر گھر کی
تلاشی لیں گے۔ وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"
ناگ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا:
"حوصلے سے کام لو ہیلن! خدا نے چاہا تو ہم بہت
جلد یہاں سے نکل جائیں گے۔"
ہیلن نے کہا:
"تم جرمن فوج کو شاید نہیں جانتے۔ وہ یہاں
سے کسی چڑیا کو بھی اڑ کر فرار ہونے کا موقع
نہیں دیں گے۔"
ناگ نے ہیلن سے پوچھا:

"کیا تم شہر کے تمام علاقوں سے واقف ہو؟"
"ہاں۔ مگر اس سے کیا ہو گا۔ ہم یہاں سے ایک
قدم باہر نہیں رکھ سکتے۔"
"دیکھا جائے گا۔ تم مجھے سوچنے دو ذرا۔"
اور ناگ کمرے میں ٹہلنے لگا۔ وہ کسی گہری سوچ میں
تھا۔ پھر اس نے کھڑکی تھوڑی سی کھول کر باہر دیکھا۔ اب
جرمن فوجوں کے پیدل دستے مارچ کرتے گزر رہے تھے۔
ان کے سروں کے ہلمٹ غروب ہوتے سورج کی روشنی
میں چمک رہے تھے۔
ناگ نے ہیلن سے کہا:
"اس سڑک پر سے جرمن فوجیں برابر گزر رہی ہیں
ہو سکتا ہے وہ کھانے پینے کی تلاش میں یا لوٹ
مار کرنے ادھر بھی آ جائیں۔ اس لیے میرا خیال ہے
کہ تم نیچے تہہ خانے میں جا کر چھپ جاؤ۔"
نوکرانی نے کہا:
"بہتر یہ ہے کہ تم دونوں نیچے جا کر چھپ جاؤ۔
کیونکہ میں فرانس کی رہنے والی ہوں۔ میں ان
سے بات کر سکوں گی۔ تمہارا رنگ سانولا ہے
اور جرمنوں کو تم پر جاسوس ہونے کا شک پڑ

سکتا ہے۔"

ناگ نے جواب دیا:

"تم ٹھیک کہتی ہو۔ لیکن کیا جرمنوں کی نظر تہہ خانے
پر نہیں جائے گی؟"

نوکرانی بولی:

"میں فرش کے اوپر چٹائی ڈال دوں گی۔"

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ انہیں سپاہیوں کے
بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔ ہیلن نے کھڑکی میں سے
دیکھا اور گھبرا کر کھڑکی بند کر دی:

"جرمن سپاہی آ رہے ہیں۔"

نوکرانی نے کہا:

"جلدی سے نیچے چلے جائیں۔ جلدی کریں۔"

اس نے فرش میں لگا ہوا لکڑی کا تختہ ایک جگہ سے
پیچھے ہٹایا۔ نیچے چھوٹا سا تہہ خانہ تھا۔ رستے کی ایک سیڑھی
لگی ہوئی تھی۔ ہیلن اور ناگ سیڑھی پر پاؤں رکھ کر
تہہ خانے میں اُتر گئے۔ نوکرانی نے اوپر سے تہہ خانہ بند
کر کے چٹائی بچھا دی۔ دروازے پر کسی نے زور زور
سے پاؤں مارنے شروع کر دیئے۔ نوکرانی نے بھاگ کر
دروازہ کھول دیا۔ چار جرمن سپاہی مکان میں داخل ہو گئے۔

یا چاہیے تمہیں؟" نوکرانی نے پوچھا:

من سپاہی قہقہہ مار کر ہنسے۔ ایک سپاہی نے رائفل
ٹ سے نوکرانی کو ایک طرف دھکا دیا۔ وہ گر پڑی۔
انے میں نیچے ناگ اور ہیلن کو نوکرانی کے گرنے
من سپاہیوں کے قہقہے لگانے کی آوازیں صاف آ
تھیں۔

ناگ نے کہا:

"وہ اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ ہمیں اس کی مدد
کرنی چاہیے۔"

ہیلن بولی:

"ہم کیا کر سکتے ہیں؟ اس وقت خود ہماری زندگی
خطرے میں ہے۔"

اچانک گولی چلنے کی آواز آئی اور کوئی فرش پر گرا:

"انہوں نے اسے گولی مار دی ہے۔" ہیلن پریشانی
سے بولی۔

ناگ نے کہا:

"میں اوپر جاتا ہوں۔"

"وہ تمہیں بھی گولی مار دیں گے۔" ہیلن نے کہا:

"تم کونے میں آنکھیں بند کر کے بیٹھ جاؤ۔ میں

اوپر جا رہا ہوں۔“

اتنا کہہ کر ناگ زینے کی سیڑھی کی طرف بڑھا۔ تہہ خانے میں اندھیرا تھا اور ہیلن ناگ کو پوری طرح نہیں دیکھ سکتی تھی۔ پھر بھی وہ اس کی ہدایت کے مطابق کونے میں آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئی۔ وہ حیران تھی کہ ناگ نے اسے آنکھیں بند کرنے کے لیے کیوں کہا ہے۔

ناگ نے ہیلن کو آنکھیں بند کرنے کے لیے اس لیے کہا تھا کہ اس کا خیال تھا کہ وہ سانپ کی شکل میں باہر نکلے گا۔ لیکن اوپر جا کر اس نے دیکھا کہ تہہ خانے کا تختہ فرش کے ساتھ بالکل ملا ہوا تھا اور ذرا سا بھی کہیں سوراخ نہیں تھا۔ اب اس نے ارادہ بدل لیا اور سوچا کہ وہ باہر نکل کر اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر دے۔ اس نے تہہ خانے کا تختہ پرے ہٹا دیا۔ تختے کے ہٹتے ہی جرمن سپاہی رائفل تان کر ناگ کی طرف بڑھے۔ ناگ نے ہاتھ کھڑے کر لیے اور جرمن زبان میں کہا:

”میں ہندوستانی ہوں۔ جرمنی میں مزدوری کرتا رہا ہوں۔ فرانس میں بھی مزدوری کرنے آیا تھا۔“

ناگ نے دیکھا کہ فرش پر خون میں لت پت نوکرانی کی لاش پڑی تھی۔ جرمنوں نے اسے ہلاک کر دیا تھا۔ ناگ

کو سخت طیش آیا۔ یہ ظلم تھا۔ جرمن سپاہیوں نے ناگ کو کھینچ لیا اور پھر پیچھے جھانک کر دیکھا:

”پیچھے اور کون ہے تمہارے ساتھ؟“

ناگ نے کہا:

”کوئی نہیں۔ میں اکیلا چھپا ہوا تھا۔“

جرمن سپاہیوں نے دیکھا کہ تہہ خانے میں اندھیرا تھا۔ انہوں نے یونہی تہہ خانے میں رائفل سے چھ سات گولیاں فائر کر دیں اور پھر ناگ کے ہاتھ پیچھے باندھے اور رائفل کا بٹ کندھے پر مار کر اسے دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا۔ پھر مکان کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ صندوقوں اور الماریوں میں سے چیزیں نکال کر باہر پھینکنے لگے۔ ایک سپاہی ناگ کے پاس رہا باقی سپاہی لوٹ مار کرنے دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ ناگ نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے جرمن سپاہی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ ناگ کی آنکھوں سے مقناطیسی شعاعیں نکلنے لگیں۔ جرمن سپاہی کو چکر سا آ گیا۔ اس نے اپنے سر کو جھٹکا دیا اور ناگ کو دھکا دینے لگا تھا کہ ناگ اس وقت تک سانپ کی شکل اختیار کر کے اس کی گردن کے ساتھ لپٹ چکا تھا تاکہ اس کی آواز بلند نہ ہو سکے۔

سپاہی ایک سیکنڈ میں اگلے جہاں کو روانہ ہو چکا تھا۔ ناگ
دوسرے ہی لمحے انسانی شکل میں واپس آ گیا۔ اس نے سپاہی
کی رائفل اٹھائی اور دوسرے کمرے کے دروازے کے پاس
آکر پاس جھانک کر اندر دیکھا۔
تینوں جرمن سپاہی غریب نوکرانی کے سامان کو توڑ پھوڑ
رہے تھے۔ وہ ناگ کی رائفل کی زد میں تھے۔ ناگ کی
رائفل سے ایک کے بعد دو اور تین گولیاں نکلیں اور تینوں
سپاہی منہ کے بل گرے اور وہیں ڈھیر ہو گئے۔ ناگ نے
رائفل پھینکی۔ تہہ خانے کا تختہ اٹھا کر نیچے ہیلن کو آواز
دی کہ وہ جلدی سے اوپر آ جائے۔ اسے یہ بھی خطرہ تھا
کہ کہیں ہیلن کو نیچے گولی نہ لگ گئی ہو۔ مگر خدا کا شکر رہا
کہ گولی اسے نہیں لگی تھی۔ وہ اوپر آ گئی۔ اس نے نوکرانی
کی لاش دیکھی تو خوفزدہ ہو گئی۔

"ہمیں یہاں سے نکل جانا ہوگا۔" ناگ نے کہا۔

"مگر کیسے نکلیں گے؟ باہر جرمن سپاہیوں کے ٹرک جا رہے ہیں۔"

"میں تمہیں قیدی بنا کر لے جاؤں گا۔"

"کیا کہہ رہے ہو تم ناگ؟"

"تم خاموش رہنا۔"

یہ کہہ کر ناگ نے جرمن سپاہی کی وردی اتار کر خود پہن
ہیلن کے ہاتھ پیچھے باندھے اور کہا:

"اب تم خاموش رہنا۔"

ناگ نے رائفل تان کر ہیلن کو آگے لگایا اور مکان
سے باہر آ گیا۔ باہر سڑک پر جرمن سپاہی ٹرکوں اور جیپوں
میں بیٹھے جا رہے تھے۔ ناگ بھی جرمن سپاہی کی وردی میں تھا۔
اس کے پاس شناختی کارڈ بھی نہیں تھا اور اس کا رنگ بھی جرمن
سپاہیوں ایسا گورا اور سرخ نہیں تھا۔ وہ دوسرے جرمن سپاہیوں
کے قریب نہیں جانا چاہتا تھا۔ سڑک کے پار ایک باغ کا
پارک تھا۔ اس پارک کی دوسری جانب آبادی کے مکان
اور گلی کوچے تھے جو ویران پڑے تھے۔

ناگ نے ہیلن سے کہا:

"ہم اس آبادی میں جائیں گے۔"

وہ ہیلن کو قیدی بنائے آگے آگے چلاتا اور خود رائفل
کو تانے سڑک پار کر کے پارک میں آ گیا۔ دور سے دیکھنے
والوں کو یہی محسوس ہوتا تھا کہ ایک جرمن سپاہی کسی فرانسیسی
عورت کو قیدی بنا کر لیے جا رہا ہے۔ سورج بادلوں میں
چھپ گیا تھا اور ہلکی ہلکی بارش شروع ہو گئی تھی۔

ناگ نے ہیلن سے کہا:

"کیا اس آبادی میں تمہارے کوئی جاننے والے رہتے ہیں ؟"
ہیلن بولی :
"نہیں ـــــ یہاں میں کسی کو نہیں جانتی ۔"
"کوئی بات نہیں ۔"
"مگر ناگ ہمیں یہاں سے سرحد کی طرف جانا چاہیے تاکہ وہاں سے انگلستان کی طرف بھاگ سکیں ۔"
ناگ نے کہا :
"انگلستان فرار ہونا اب اتنا آسان نہیں رہا جرمن فوجیں بھاری تعداد میں سرحدوں پر بیٹھی ہیں اور پھر آگے سمندر ہے ہمیں کسی جگہ چھپ کر کوئی سکیم تیار کرنی ہوگی ۔"
وہ پارک سے گذر کر آبادی میں داخل ہو گئے ۔ یہ اونچی نیچی پتھریلی گلیوں والی گنجان آبادی تھی ۔ مکانوں کی کھڑکیاں اور دروازے بند تھے ۔ ناگ نے ایک جگہ "ہوٹل ڈی پیرس" لکھا ہوا دیکھا ۔ یہ چھوٹا سا دو منزلہ ہوٹل تھا ۔ اس کا دروازہ اندر سے بند تھا ۔ ناگ نے ایک جرمن سپاہی کی اداکاری کرتے ہوئے پاؤں کی ٹھوکر مار کر دروازے کو کھول دیا اور اندر داخل ہو کر رائفل تان کر کہا :

"ہینڈز اَپ"
اندر کوئی بھی نہیں تھا ۔ ایک بوڑھا فرانسیسی کاؤنٹر ے پیچھے سے ہاتھ کھڑے کر کے نمودار ہوا اور فرانسیسی یں بولا :
"مجھے گولی نہ مارو ۔ تم یہ ہوٹل لے لو ۔ یہ تمہارا ہے ۔ مجھے گولی نہ مارو ۔"
ناگ نے پوچھا :
"یہاں کوئی اور جرمن سپاہی تو نہیں ہے ؟"
بوڑھے نے کہا :
"نہیں"
"اوپر کمرہ ہے کوئی ؟"
"ہاں ابھی کھولتا ہوں ۔"
"نہیں ۔ تم یہیں رہو ۔ چابی مجھے دے دو ۔"
ناگ چابی لے کر اوپر والے کمرے میں آ گیا ۔ ہیلن کے ہاتھ کھولے ۔ ہیلن نے اطمینان کا سانس لیا اور بولی :
"ابھی کتنی دیر تک تمہیں اداکاری کرنی ہو گی ؟"
ناگ نے رائفل بستر پر پھینک کر کہا :
"کچھ پتہ نہیں ۔ کم از کم یہاں آرام سے بیٹھ کر فرار کی کوئی سکیم تو بنا سکتے ہیں ۔"

ہیلن صوفے پر بیٹھ گئی اور آہ بھر کر بولی:
"میں سمجھتی ہوں کہ اب یہاں سے فرار ہونا اتنا آسان نہیں جتنا تم سمجھتے ہو ناگ۔"
ناگ کی طاقت سے ہیلن چونکہ واقف نہیں تھی اس لیے ناامیدی کی باتیں کر رہی تھی۔
"آخر تم کب تک جرمن سپاہی بنے رہو گے؟ تمہارے پاس شناختی کارڈ بھی نہیں اور پھر تمہارا رنگ بھی جرمن سپاہیوں ایسا سرخ و سفید نہیں ہے تم پکڑ لیے جاؤ گے اور میں بھی تمہارے ساتھ گولیوں کا نشانہ بن جاؤں گی۔"
ناگ نے کہا:
"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم ذرا خاموش رہنے کی کوشش کرو۔"
پھر دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا:
"میں ذرا باہر کا جائزہ لیتا ہوں۔ تم باہر مت نکلنا۔"
ناگ دروازہ بند کر کے باہر نکل گیا۔ باہر چھوٹی سی راہداری تھی جو ہوٹل کے آمنے سامنے بنے ہوئے کمروں کے درمیان تھوڑی دور تک جاتی تھی۔

ہیلن کا خیال بالکل ٹھیک تھا۔ ناگ زیادہ دیر تک اپنی موجودہ شکل میں جرمن سپاہی نہیں بنا رہ سکتا تھا۔ وہ پکڑا جا سکتا تھا۔ اسے اپنی فکر نہیں تھی۔ وہ تو پرندہ بن کر ایک پل میں وہاں سے فرار ہو سکتا تھا۔ اسے تو ہیلن کی فکر تھی۔ اس نے ہیلن کے مرنے والے خاوند سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے حفاظت سے لندن پہنچائے گا۔ ہیلن کی زندگی خطرے میں تھی اور اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہاں سے ہیلن کو لے کر نکلنا اتنا آسان کام نہیں تھا۔ جرمن فوجوں نے چاروں طرف مورچے سنبھال رکھے تھے اور پھر انگلستان اور فرانس کے درمیان سمندر تھا۔ بائیس میل لمبا سمندر۔ اس سمندر کو پار کر کے ہی ناگ ہیلن کو لندن پہنچا سکتا تھا اور ہوائی جہاز میں بھاگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ناگ کو ماریا کا بھی خیال لگا ہوا تھا۔ ماریا فرانس میں رہ گئی تھی۔ ماریا کو بھی ابھی تلاش کرنا تھا۔ لیکن اس نے دل میں یہی فیصلہ کر لیا تھا کہ پہلے ہیلن کو حفاظت سے لندن پہنچائے گا اور پھر واپس آ کر ماریا کو تلاش کرے گا۔

ناگ نے دیکھا کہ سارے کمرے خالی تھے۔ وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے لابی میں آ گیا۔ بوڑھا فرانسیسی وہاں نہیں تھا۔ ناگ کو تشویش ہوئی کہ کہیں وہ اس کے خلاف کوئی سازش نہ کر رہا ہو۔

اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ بوڑھا کہیں دکھائی نہ دیا۔ ناگ واپس مڑنے ہی لگا تھا کہ اسے پیچھے سے آواز آئی:

"ہینڈز اپ۔"

ناگ نے ہاتھ کھڑے کر لیے اور پیچھے گھوم کر دیکھا کہ ایک جرمن کیپٹن پستول تانے کھڑا تھا۔ اس کے پیچھے تین جرمن سپاہی بھی رائفلیں تانے کھڑے تھے۔

ناگ نے کہا:

"میں جرمن سپاہی ہوں۔ کیا تم میری وردی نہیں دیکھ رہے؟"

جرمن کیپٹن نے قریب آ کر ناگ کو گھور کر دیکھا اور کہا:

"مگر تمہارا رنگ جرمنوں ایسا نہیں ہے۔ تمہارا فوجی شناختی کارڈ کہاں ہے؟ کیا میں دیکھ سکتا ہوں؟"

اس کا ناگ کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ جس کا اسے ڈر تھا آخر وہی ہوا تھا۔

جرمن کپتان نے کہا:

"وہ عورت کون ہے جسے تم ساتھ لائے ہو؟"

ناگ نے کہا:

"وہ۔ وہ میری دوست ہے۔"

جرمن کیپٹن نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ناگ کو گرفتار کر

لیا جائے۔ سپاہیوں نے اسی وقت ناگ کو قابو کر لیا۔ دو سپاہی اپنے کیپٹن کا اشارہ پا کر اوپر گئے اور ہیلن کو بھی پکڑ کر لے آئے۔

"انہیں ہیڈ کوارٹر لے چلو۔"

بوڑھے فرانسیسی نے جرمن سپاہیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ناگ اور ہیلن کو گرفتار کروا دیا تھا۔ ہیلن کا چہرہ اتر گیا تھا۔ وہ فوجی جیپ میں ساتھ ساتھ بیٹھے تھے اور جیپ جرمن فوج کے ہیڈ کوارٹر کی طرف اڑی جا رہی تھی۔ ناگ کو معلوم تھا کہ ایک بار وہ ہیڈ کوارٹر پہنچ گئے تو پھر وہاں سے ہیلن کو زندہ نکال کر واپس لانا ناممکن ہو جائے گا۔ اسے جو کچھ کرنا تھا ابھی کرنا تھا۔ ناگ کا دماغ تیزی سے کام کرنے لگا۔ جیپ درختوں کے نیچے ایک سڑک پر سے گزر رہی تھی۔

اب ایسا ہوا کہ ناگ کو ایک عجیب مانوس خوشبو محسوس ہوئی۔ یہ خوشبو اس کے لیے نئی نہیں تھی۔ یہ ماریا کی خوشبو تھی۔ پہلے یہ خوشبو ہلکی تھی۔ پھر تیز ہو گئی۔ ناگ چوکنا ہو گیا۔ اس نے آہستہ سے کہا:

"ماریا؟"

ہیلن اور آگے بیٹھے ہوئے جرمن کیپٹن نے حیران ہو کر

ناگ کو دیکھا۔

جرمن کیپٹن نے کہا:

"خبردار! خاموش رہو۔"

وہ یہ سمجھا کہ ہیلن کا نام ماریا ہے اور ناگ ماریا کو بلا رہا تھا۔ مگر اصل حیرانی ہیلن کو تھی۔ کیوں کہ اسے معلوم تھا کہ اس کا نام ماریا نہیں ہے اور ناگ نے ماریا کو آواز دی تھی۔ اس نے سرگوشی سے پوچھا:

"یہ تم کس ماریا کو بلا رہے ہو؟"

ناگ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی ساری توجہ ماریا کی خوشبو تھی جو اب اسے بڑے قریب سے آ رہی تھی۔ ناگ نے پھر کہا:

"ماریا؟"

جرمن کیپٹن نے چلا کر کہا:

"خاموش! نہیں تو کھوپڑی اڑا دوں گا۔"

ماریا نے کہا:

"ناگ! میں ہوں ماریا۔"

"خدا کا شکر ہے کہ تم مل گئیں۔"

اب ہیلن اور دوسرے جرمن سپاہی بھی حیرانی سے ناگ کو تکنے لگے کہ یہ کس سے باتیں کر رہا ہے۔ جرمن کیپٹن کو سخت غصہ

آ گیا۔ اس نے پستول نکال کر ناگ کی طرف اس کا رخ کر دیا۔

"اگر اب تم نے زبان کھولی تو گولی مار دوں گا۔ تم ہوا میں باتیں کر کے اپنے آپ کو پاگل ثابت کرنے کی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔"

ناگ نے اب جرمن کیپٹن کی طرف توجہ دی۔ وہ اس کی بک بک سے تنگ آ گیا تھا۔ اس نے کہا:

"سنو خرگوش کی اولاد! تمہاری زندگی کے دن پورے ہو گئے ہیں۔ اپنی آخری خواہش پوری کر لو۔ کیا تم سری پادے کھانا چاہتے ہو یا تمہارے سری پادے میں کھا جاؤں؟"

"بکواس بند کرو۔" جرمن کیپٹن غصے سے دھاڑا۔

جرمن کیپٹن نے غصے میں آ کر گولی چلا دی۔ یہ ناگ کی خوش قسمتی تھی کہ گولی اس کے کان کے قریب سے ہو کر گزر گئی۔ اب اسے بھی طیش آ گیا۔ اس نے ماریا سے کہا:

"ماریا! اس خرگوش کی اولاد کی دم کاٹ دو۔"

ناگ کے منہ سے یہ لفظ نکلے ہی تھے کہ جرمن کیپٹن کے ہاتھ سے پستول اچھل کر دور جا گرا اور پھر وہ خود بھی جیپ سے نکل کر باہر گر پڑا۔ ماریا نے اسے اٹھا کر پھینک دیا تھا۔ جیپ رک گئی۔ تینوں جرمن سپاہی جیپ سے نکلنے ہی والے تھے کہ

ان کے سر باری باری بڑی تیز آواز کے ساتھ ایک دوسرے سے ٹکرائے اور وہ جیپ میں ہی بے ہوش ہو گئے۔ ماریا نے انہیں باہر پھینکا اور ناگ سے کہا:

"یہاں سے جیپ لے کر نکل چلو۔"

ماریا کی آواز ہیلن نہیں سن سکتی تھی۔ وہ حیران تھی کہ ناگ کس سے باتیں کر رہا ہے۔ کس کو حکم دے رہا ہے جس نے باری باری جرمن کیپٹن اور جرمن سپاہیوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ ناگ اچھل کر ڈرائیور کی سیٹ پر آگیا اور جیپ سٹارٹ کر کے ستر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے وہاں سے نکل گیا۔

○

ناگ اور ماریا وہاں سے ہیلن کو لے کر کیسے فرار ہوئے؟
عنبر کے ساتھ بغداد میں کیا بیتی؟
ناگ اور ماریا کہاں اور کس طرح عنبر سے ملے؟
ان سوالوں کے جواب آپ کو عنبر ناگ ماریا کے واپسی کے سفر کی اگلی قسط نمبر ۶ میں ملیں گے جس کا نام ہے "اور قبر کھل گئی"۔ اگلے سنسنی خیز اور رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعات پڑھنے کے لیے آج ہی اگلی قسط اپنے قریبی بک سٹال سے طلب کریں۔